انتقام، محبت اور وفا کا تہلکہ خیز سلسلہ

آتش فشاں

حصہ 4

آتش فشاں

راوی: وجدان علی

تحریر: اقبال کاظمی

ظلم و ستم کے شعلوں میں جلنے والے ایک معصوم ذہن کی لرزہ خیز سرگزشت

وہ اپنے ماں باپ کے بہیمانہ قتل کا عینی شاہد تھا۔ اس کے سینے میں ایک قبرستان آباد تھا اور اس کا دماغ کسی آتش فشاں کی طرح ابل رہا تھا۔ اس کے شب و روز کی ہر کروٹ اس کے لئے نت نئے ہنگاموں کی پیامبر تھی۔ بے رحم و سفاک قاتل اسے بھی صفحۂ ہستی سے مٹا دینا چاہتے تھے۔ وہ اپنے دشمنوں کو خوب جانتا پہچانتا تھا لیکن ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا تھا۔ اس کو ایسی پناہ گاہ کی تلاش تھی۔ جہاں وہ ان درندوں سے محفوظ رہ کر خود کو اتنا توانا و طاقت ور بنا سکے کہ وہ اس کا بال بھی بیکا نہ کر سکیں۔ بالآخر قدرت اسے ایک ایسی جگہ لے گئی جہاں اس کی زندگی ایک نئے سانچے میں ڈھلنے والی تھی۔

اس ٹمٹماتے چراغ کا احوال جو اچانک ہی آندھیوں کی زد پر آگیا تھا

انسپکٹر چیانگ شو کی وجہ سے ہماری بہت سی مشکلیں حل ہو گئی تھیں۔ ہم اس کا شکریہ ادا کر کے اپنی کرائے کی کار میں بیٹھ گئے۔ اسٹیئرنگ جانگی نے سنبھال لیا تھا۔ میں اور تھائی پیچھے بیٹھ گئے تھے۔

ہم ایک بار پھر میکس ویل روڈ سے ہوتے ہوئے آنسن روڈ اور اس سے آگے آنز راجا ایکسپریس وے پار کر کے کیپل روڈ پر آگئے۔ یہ سڑک ریلوے اسٹیشن کے قریب سے ہوتی ہوئی ساحل کے قریب واقع ورلڈ ٹریڈ سینٹر تک چلی گئی تھی۔ اس کے قریب ہی جزیرہ سنتوشا جانے کے لیے فیری اسٹیشن اور اس سے ذرا ہٹ کر کیبل کار اسٹیشن تھا۔

اس وقت یہاں بڑی رونق تھی۔ جانگی نے کار ایک ایسی جگہ روک لی جہاں پارکنگ کا بورڈ لگا ہوا تھا۔ وہاں اور کاریں بھی کھڑی تھیں۔ کار ہم نے وہیں چھوڑ دی اور دیر تک ادھر گھومتے رہے۔ ایک ریسٹورنٹ میں کھانا کھایا اور پھر واپسی کے لیے روانہ ہو گئے۔

واپسی کے لیے ہم نے لمبا راستہ اختیار کیا تھا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ میں طویل عرصے بعد یہاں آیا تھا۔ بچپن میں گھر کے آس پاس کے علاقوں میں سائیکل پر گھومتا رہتا تھا۔ زیادہ دور میں کبھی نہیں گیا تھا اس لیے راستوں کی شناخت بھی نہیں تھی۔ جانگی اپنی مرضی سے کار چلاتی رہی اسی طرح ہم سیسٹن وے سے ہوتے ہوئے کئی سڑکوں پر گھوم کر ساؤتھ برج روڈ پر آگئے اور سنگاپور ریور پر الگن برج عبور کر کے نارتھ برج روڈ پر آگئے اور وہاں سے جیسے ہی اسٹیم فورڈ روڈ پر پہنچے مجھے راستہ یاد آگیا۔

"یہاں سے بائیں طرف موڑ لو جانگی۔" میں نے ادھر اُدھر دیکھتے ہوئے کہا۔

جانگی نے بڑی پھرتی سے کار اس طرف گھمائی تھی۔ اسٹیم فورڈ سے کار ہل اسٹریٹ پر مڑ گئی۔ ٹیلی فون ہاؤس کے سامنے سے گزرتے ہوئے میں نے امریکن چرچ کے قریب دائیں طرف کیننگ وائز کی طرف کا موڑ کاٹ لینے کو کہا۔ یہ سڑک فورٹ کیننگ پارک کے ساتھ ساتھ فورٹ کیننگ روڈ تک چلی گئی تھی لیکن ہمیں وہاں تک جانے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ یہ وہ جگہیں تھیں جہاں میرا بچپن گزرا تھا۔ پارک سے آگے دوسری گلی میں ہی تو ہمارا گھر تھا۔

"اوہ!" اس گلی میں کار موڑتے ہی جانگی بولی "ہم تو گھر پہنچ گئے۔"

"تو گویا تمہیں گھر کی شناخت ہوگئی۔" میں مسکرا دیا۔

"پام کے وہ تین درخت۔" جانکی نے سامنے اشارہ کیا "صبح جب میں سودا لینے کے لیے مارکیٹ گئی تھی تو پام کے ان تین درختوں کو نشانی کے طور پر ذہن میں رکھا تھا۔"

کار مکان کے سامنے رک گئی۔ جانکی نے انجن بند کردیا اور کار کے ڈیش بورڈ میں لگی ہوئی گھڑی دیکھتے ہوئے بولی "بارہ بجنے والے ہیں۔ ہم شام پانچ بجے کے قریب گھر سے نکلے تھے۔ سات گھنٹے گزرنے کا پتا ہی نہیں چلا۔"

"کوئی پریشانی نہیں تھی اس لیے سیر سپاٹے میں وقت گزرنے کا احساس ہی نہیں رہا۔" میں نے اپنی طرف کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔

جانکی اور تھائی بھی نیچے اتر آئیں۔ جانکی نے کار کے دروازے لاک کردیے۔ گھر کی چابیاں تھائی کے پاس تھیں۔ اس نے پرس میں سے چابیوں کا گچھا نکالا اور تالا کھولنے لگی۔

اندر داخل ہونے کے بعد میں نے احتیاط سے دروازے بند کردیے۔ لونگ روم میں آکر تھائی تو صوفے پر ڈھیر ہوگئی اور جانکی نے سیدھا کچن کا رخ کیا تھا۔ میں بھی تھائی کے قریب ہی صوفے پر بیٹھ گیا اور کسی قدر جھک کر اپنا سر تھائی کے کندھے پر ٹکا دیا۔ پتا نہیں کیا بات تھی کہ صبح جاگنے کے بعد جب میں نے اپنے آپ کو تھائی کی آغوش میں پایا تھا اور تھائی سے لپٹ کر جس طرح مجھے سکون ملا تھا' اس کے بعد سے میں اپنے آپ میں کچھ عجیب سی کیفیت محسوس کرنے لگا تھا۔ کرائے کی اس کار میں گھومتے ہوئے بھی میں پچھلی سیٹ پر تھائی کے ساتھ چپکا بیٹھا رہا تھا اور جانکی نے تو ایک دو مرتبہ چھیڑتے ہوئے جملے بھی کسے تھے لیکن میں نے اس کی پروا نہیں کی تھی۔ اس وقت بھی میرا دل چاہ رہا تھا کہ میں تھائی کی گود میں سر رکھ کر سو جاؤں۔ میری کیفیت اس بچے کی سی تھی جو ماں کو ترس گیا ہو اور یہ حقیقت بھی تھی۔ میں تو ماں کو ترسا ہوا تھا۔

یہ پہلا موقع نہیں تھا کہ تھائی نے مجھے اس طرح پیار کیا ہو۔ اکثر ایسا ہوا تھا۔ تھائی نے مجھے جب بھی اس طرح اپنی آغوش میں لیا تھا' میں نے ممتا کی حدت محسوس کی تھی اور آج تو یہ احساس فزوں تر ہوگیا تھا اور نجانے مجھے آج صبح سے یہ احساس بھی کیوں ہو رہا تھا کہ کوئی انجانی قوت تھائی کو مجھ سے چھین لے گی۔

میں تھائی کے کندھے سے سر ٹکائے گہرے گہرے سانس لینے لگا۔ تھائی میرے بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگی اور مجھ پر عجیب سی کیفیت طاری ہونے لگی اور شاید میں اسی طرح بیٹھے بیٹھے سو جاتا کہ جانکی کی آواز سن کر چونک گیا۔

"کیا بات ہے۔" وہ میری طرف دیکھتے ہوئے بولی "میں صبح سے دیکھ رہی ہوں کہ تم تھائی سے چپکے جا رہے ہو۔"

"تمہیں کوئی اعتراض ہے؟" تھائی نے اسے گھورا۔

میں اس کے کندھے سے سر اٹھا کر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

"نہیں۔ بالکل نہیں۔ مجھے اعتراض کیوں ہونے لگا۔" جانکی نے ڈھٹائی سے مسکراتے ہوئے جواب دیا اور ٹرے میز پر رکھ دی۔ جس میں کافی کے تین مگ رکھے ہوئے تھے۔

تھائی اور جانکی کئی سال سے میرے ساتھ تھیں۔ یہ دونوں مجھے ٹوٹ کر چاہتی تھیں۔ ہر نازک موقع پر انہوں نے مجھے بچانے کے لیے اپنے آپ کو ڈھال بنایا تھا۔ وہ دونوں ہی مجھ پر اپنا حق سمجھتی تھیں اور ایک بات میں نے خاص طور پر نوٹ کی تھی کہ میرے حوالے سے ان دونوں میں کبھی حسد و رقابت کا جذبہ نہیں ابھرا تھا۔ کبھی ایک دوسرے کو ٹیڑھی نظروں سے نہیں دیکھا تھا۔ وہ دونوں مجھے ٹوٹ کر چاہتی تھیں لیکن ان کی چاہت میں تھوڑا سا فرق تھا۔

تھائی کے ذہن میں میرے حوالے سے کبھی اوٹ پٹانگ خیالات نہیں آئے تھے۔ ہم دونوں کئی مرتبہ ایسی حالت میں ایک دوسرے کے قریب رہے تھے کہ کوئی اور دیکھ لیتا تو ہم دونوں کو..... گردن زدنی سمجھتا لیکن نہ تو کبھی تھائی کی طرف سے ایسی حرکت ہوئی تھی اور نہ ہی میری طرف سے۔ البتہ جانکی کا معاملہ مختلف تھا۔ اس کی چاہت کا رنگ کچھ اور تھا۔ ماضی میں اسے جب بھی موقع ملا تھا اس نے مجھے گھیرنے کی کوشش کی تھی لیکن میں نے اس کی ہمیشہ حوصلہ شکنی کی تھی۔ جانکی بھی جانتی تھی کہ میں پٹڑی سے اترنے والا نہیں لیکن اسے جب بھی موقع ملتا وہ شرارت کر گزرتی۔

اور اس وقت بھی اس نے یہ جملہ شرارتاً ہی کہا تھا اور ہم دونوں ہی جانتے تھے کہ اس کے دل میں حسد یا رقابت کا کوئی جذبہ نہیں تھا۔

کافی کی چسکیاں لیتے ہوئے وہ دونوں میری دکان کے بارے میں باتیں کرتی رہیں اور پھر انسپکٹر چیانگ شو کا ذکر بھی چل نکلا۔ وہ ایک ذمے دار پولیس آفیسر ہی نہیں تھا بلکہ ایک شریف' مخلص اور ہمدرد انسان بھی تھا اگر اس میں شرافت اور دیانت نہ ہوتی تو چاچا پرتاب سنگھ کی جائداد اس کے وارث کے حوالے نہ کرتا اور میرے ابو کی دکان اور مکان کو امانت سمجھ کر نہ سنبھالے رکھتا۔ اس نے نہ صرف دکان کو سنبھالے رکھا بلکہ اسے ترقی بھی دیتا رہا۔ دکان کی دیکھ بھال کے لیے اس نے بوٹا سنگھ جیسے شخص کا انتخاب کیا تھا جس نے بزنس کو ترقی دے کر کہیں سے کہیں پہنچا دیا تھا۔

چاچا پرتاب سنگھ اور بوٹا سنگھ کے بارے میں سوچتے ہوئے اچانک ہی مجھے اپنے پڑوسی جگ جیت سنگھ اروڑا کا خیال آگیا۔ وہ لوگ آج بعد دوپہر ہمارے گھر آئے تھے اور کتنے خلوص سے رات کے کھانے پر مدعو کیا تھا مگر ہمیں بالکل یاد نہیں رہا تھا۔ میں نے جانکی اور تھائی کو یاد دلایا تو وہ بھی پریشان سی ہوگئیں۔

"صبح سب سے پہلے میں ان کے گھر جا کر معذرت کروں گی اور انہوں نے ہمارے لیے جو کچھ بھی پکا رکھا ہے وہ ہم دوپہر کو کھائیں گے۔" جانکی نے کہا۔

باتوں کا سلسلہ دو بجے تک چلتا رہا۔ جانکی جماہی لیتے ہوئے اٹھی تو ہم بھی اٹھ گئے۔ وہ دونوں تو اپنے کمرے میں چلی گئیں اور میں اپنے کمرے میں آگیا اور پھر اس رات بستر پر لیٹتے ہی میں نیند کی آغوش میں پہنچ گیا۔

اگلے چار پانچ روز سیر و تفریح میں ہی گزرے۔ بوٹا سنگھ نے مجھے اخراجات کے لیے معقول رقم بھجوا دی تھی۔ اس سیر و تفریح کے دوران میں ہی میں نے جانکی سے ڈرائیونگ بھی سیکھنا شروع کردی۔ تھائی لینڈ میں بڑی ہنگامہ خیز زندگی گزری تھی۔ میں نے کئی مرتبہ چاہا تھا کہ ڈرائیونگ سیکھ لوں لیکن ایک ایک لمحہ تو بھاگ دوڑ میں گزارتا رہا تھا۔ کبھی اتنا وقت نہیں ملا کہ ہم سکون کا سانس لے سکیں اور میں کسی سے ڈرائیونگ سیکھ سکوں۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ایک مرتبہ میں ایک سنگین اور نازک صورت حال سے دو چار ہوگیا تھا۔ میں دشمنوں میں گھرا ہوا تھا۔ اس وقت میرے قریب ایک کار موجود تھی۔ اگنیشن میں چابی بھی لگی ہوئی تھی لیکن مجھے ڈرائیونگ نہیں آتی تھی اور اس وقت میں اس سنگین صورت حال سے کس طرح عہدہ برا ہوا تھا' یہ میں ہی جانتا ہوں۔

اس روز سہ پہر کے قریب میں اور جانکی ریور ویلی روڈ کی طرف نکل گئے۔ ریور ویلی روڈ کا ایک حصہ شہر کے کاروباری علاقے میں تھا جہاں صبح سے رات تک ٹریفک کا ازدحام اور لوگوں کا رش رہتا تھا۔ جبکہ اس سڑک کا دوسرا حصہ رہائشی علاقے میں سے گزرتا تھا۔ ہم اسی طرف آئے تھے جہاں کچھ اور ایسی سڑکیں بھی تھیں جہاں ٹریفک زیادہ نہیں ہوتا تھا اور ڈرائیونگ سیکھی جاسکتی تھی۔

تھائی اس روز گھر پر ہی تھی اور جب تھائی آس پاس نہ ہو تو جانکی شرارت کے موڈ میں ہوتی تھی۔ اس روز بھی اس کی آنکھوں کی چمک اور ہونٹوں کی مسکراہٹ دیکھ کر میں سمجھ گیا تھا کہ وہ شرارت کے موڈ میں ہے۔

تیس پینتیس منٹ تک تو وہ مجھے ڈرائیونگ کا سبق دیتی رہی پھر اس نے مجھے پسنجرز سیٹ پر بٹھا دیا اور خود اسٹیئرنگ سنبھال لیا۔ وہ کار کو مختلف سڑکوں پر دوڑاتی ہوئی سارا شہر پار کرکے لٹل انڈیا کی طرف لے آئی۔

"اس طرف آنے کی کوئی خاص وجہ؟" میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"آج میں تم سے بہت سی باتیں کرنا چاہتی ہوں۔ کسی جگہ بیٹھ کر' تنہائی میں۔" جانکی نے جواب دیا۔ اس کے لہجے میں سنجیدگی تھی۔

"راستے میں بہت سی ایسی جگہیں تھیں جہاں ہم بیٹھ سکتے تھے۔ ویسے کار میں بھی تو ہم دونوں اکیلے ہی ہیں۔ ویسے اس وقت تم کچھ سنجیدہ سی نظر آرہی ہو۔" میں نے کہا۔

"ہاں میں سنجیدہ ہوں اور میرے خیال میں تمہیں بھی اب سنجیدہ ہوجانا چاہیے۔" اس نے جواب دیا۔

"اچھا۔ ایسا کرو۔" میں نے سامنے اشارہ کرتے ہوئے کہا "اس طرف آگئے ہیں تو کار کو سیراگون روڈ پر موڑ لو۔ اس طرف ذرا آگے چاچا خشونت سنگھ کا مکان ہے۔ ذرا ان کے گھر سے ہوتے چلیں۔ چاچی رجنی اور اُرملا سے ملاقات ہو!!

ایک اچھوتی سرگزشت

چھلاوا

بیسویں صدی کی ایک نہایت پراسرار خاتون

صبیحہ بانو کو آپ بیتی

* دولت مند' آزاد خیال' پروقار' خوبصورت اور خطرناک صبیحہ بانو' جنہیں لوگ جانتے ہیں مگر نہیں جانتے!
* جرائم پیشہ افراد انہیں "چھلاوا" کہتے ہیں!
* صبیحہ بانو کی زندگی انتہائی عجیب اور خطرناک حالات سے گزرتی رہی ہے۔ انہوں نے جب اپنی زندگی کے کچھ حالات قلم بند کیے تو انہیں پڑھ کر ہزاروں لوگ ان سے ملنے اور انہیں جاننے کے متمنی ہوگئے۔ اسی لئے ان کی آپ بیتی کی اشاعت اردو زبان میں ایک ریکارڈ ہے۔

اس کتاب کی آخری قسط تک دلچسپی برقرار رہتی ہے

صفحات (1120) قیمت (200) روپے ڈاک خرچ (30) روپے

کتاب کی قیمت بمعہ ڈاک خرچ بذریعہ منی آرڈر پیشگی روانہ کریں

کتابیات پبلی کیشنز
پوسٹ بکس 23
کراچی 74200
دفاتر: گلشن روڈ نمبر 2 نزد گول چکر گلشن روڈ
فون: 5802584 فیکس: 5802552-5895313
kitabiat1970@yahoo.com

"میں تنہائی چاہتی ہوں اور تم مجھے خشونت سنگھ کے گھر لے جارہے ہو پھر کسی وقت مل لینا ان سے۔" جانکی نے کہا۔ تاہم اس نے کار سیرانگون روڈ پر موڑ لی تھی۔

"میں نے برسوں پہلے چاچا خشونت سنگھ کے پاس ایک امانت رکھوائی تھی۔ چاچا تو اب اس دنیا میں نہیں رہا۔ چاچی رجنی سے اس کے بارے میں پوچھنا چاہتا ہوں۔"

"کیسی امانت؟" جانکی نے گردن گھما کر میری طرف دیکھا "کیا تمہارے خیال میں وہ امانت خشونت سنگھ کے گھر والوں کے پاس اب تک محفوظ ہوگی؟"

"ہونی چاہیے۔" میں نے جواب دیا "میرے ابو کی ڈائری ہے۔ چاچا خشونت سنگھ اس کی قدر و قیمت سے واقف تھا۔ اس نے مرنے سے پہلے وہ ڈائری یقیناً چاچی رجنی یا کسی اور ذمے دار شخص کے حوالے کردی ہوگی۔ وہ ڈائری میرے لیے بہت ضروری ہے۔"

"اوہ۔۔۔! وہ ڈائری جس میں سونے کا راز پوشیدہ ہے اور جس کے لیے دارا نے بھی اپنی زندگی داؤ پر لگا رکھی ہے۔" جانکی نے کہا اور چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولی "ویسے میری بات مانو تو اس ڈائری کو وہیں رہنے دو جہاں وہ اس وقت ہے۔ وہ وہیں زیادہ محفوظ ہے۔ دارا کا کانٹا نکل جائے تو وہ ڈائری لے آنا۔"

"چلو ٹھیک ہے۔ وہ ڈائری نہیں لیتا لیکن ان لوگوں سے مل تو لیا جائے۔" میں نے کہا۔

"اس وقت نہیں۔" جانکی نے جواب دیا "پھر کبھی آجانا۔ اس وقت میرا موڈ کچھ اور ہے۔"

"تم واقعی بہت سنجیدہ ہو رہی ہو۔" میں اس کے چہرے کو تکنے لگا۔

جانکی نے جواب نہیں دیا۔ اس وقت سیرانگون روڈ پر ٹریفک زیادہ تھا۔ جانکی بہت محتاط ہو کر ڈرائیو کر رہی تھی۔

کار بلیوس روڈ کے موڑ پر کالی ماتا کے مندر کے قریب پہنچی تو ایک آدمی کو دیکھ کر میں چونکے بغیر نہیں رہ سکا۔ دراز قامت اس آدمی نے آف وائٹ کلر کا سفاری سوٹ پہن رکھا تھا۔ چہرے پر ہلکی داڑھی اور مونچھیں بھی تھیں مگر وہ چہرہ۔۔۔ اس چہرے کو تو میں کبھی نہیں بھول سکتا تھا۔

وہ دارا تھا۔

وہ سڑک کے کنارے ایک کار کے قریب کھڑا تھا۔ اس کے ساتھ مندر کا ایک پجاری اور ایک خوب صورت عورت بھی کھڑی تھی۔ جس نے ساڑی پہن رکھی تھی۔

"اے جانکی۔ روکو۔ گاڑی روکو!" میں ایک دم چیخ اٹھا۔

"کک۔۔۔ کیا ہوا؟" جانکی ایک دم بدحواس سی ہوگئی۔

"دارا۔۔۔ میں نے وہاں دارا کو کھڑے دیکھا ہے۔" میں نے کہا اور مڑ کر پیچھے دیکھنے لگا۔ دارا اس پجاری اور عورت کے ساتھ کار میں بیٹھ رہا تھا۔

جانکی نے کار کی رفتار مزید کم کردی لیکن ٹریفک کی وجہ سے اسے روکنے کا موقع نہیں مل رہا تھا اور پھر تقریباً سو گز آگے جاکر کار روکنے کی جگہ مل سکی۔

میں کار سے اتر کر پیچھے کی طرف دوڑا۔ اس وقت سرخ رنگ کی وہ کار سائڈ اسٹریٹ میں داخل ہو رہی تھی اور جب میں اس موڑ پر پہنچا تو وہ کار آگے کسی اور گلی میں مڑ کر نگاہوں سے اوجھل ہوچکی تھی۔ میں وہیں کھڑا اِدھر اُدھر دیکھتا رہ گیا۔

اس دوران میں جانکی بھی دوڑتی ہوئی وہاں پہنچ گئی۔

"کیا ہوا۔۔۔ کہاں گیا؟" اس نے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"بھاگ گیا۔" میں نے جواب دیا "وہ یہاں سرخ رنگ کی ایک کار کے قریب کھڑا تھا۔ اس کے ساتھ مندر کا ایک پجاری اور عورت بھی تھی جس نے ساڑی پہن رکھی تھی۔"

"تمہیں دھوکا تو نہیں ہوا۔" جانکی بولی "پولیس اسے تلاش کر رہی ہے اور وہ اس طرح آزادی سے تو نہیں گھو سکتا۔"

"میری نظریں دھوکا نہیں کھا سکتیں۔" میں نے جواب دیا "اس نے اگرچہ داڑھی مونچھیں رکھ لی ہیں مگر میں نے اسے دیکھتے ہی پہچان لیا تھا۔ اگر تم اس وقت کار روک لیتیں تو اسے بھاگنے کا موقع نہ ملتا۔"

"دیکھ رہے ہو یہاں ٹریفک کی کیا صورت حال ہے۔" جانکی نے کہا "آگے بھی گاڑیاں تھیں اور پیچھے بھی۔ مجھے کار روکنے کا موقع ہی نہیں ملا لیکن کیا اس نے بھی تمہیں دیکھ لیا تھا؟"

"میرا خیال ہے اس نے مجھے نہیں دیکھا تھا۔" میں نے جواب دیا "لیکن اتنا تو پتا چل گیا ہے کہ اس مندر کے کسی پجاری سے اس کا کوئی تعلق ہے۔ میں نے اس پجاری کا چہرہ ذہن نشین کرلیا ہے۔ اب اسے تلاش کرنا زیادہ مشکل نہیں ہوگا۔"

"اس کے بارے میں کچھ معلوم کیا جائے۔ میرا مطلب ہے اس پجاری کے بارے میں۔" جانکی نے کہا۔

ہم دونوں مندر کی طرف چلنے لگے۔ سنگاپور میں ہندو دیوی دیوتاؤں کے کئی مندر ہیں۔ جو مختلف دیویوں اور دیوتاؤں کے ناموں سے منسوب ہیں۔ کالی کے ماننے والے بھی دنیا کے ہر حصے میں پائے جاتے ہیں۔ یہاں بھی کالی کے ماننے والے کثیر تعداد میں موجود ہیں۔ "کالی ماتا" کا یہ مندر بہت بڑا اور بہت شان دار تھا۔

مندر کے گیٹ سے کچھ دور جانکی نے اندر سے آنے والے ایک پجاری کو روک لیا۔ وہ کچھ دیر تک اس سے بات کرتی رہی پھر میں اس پجاری کا حلیہ بتا کر اس کے بارے میں دریافت کرنے لگا۔ میں نے اس عورت کا حلیہ بھی بتایا تھا۔

"یہ تو کالی ماتا کا استھان ہے۔ یہاں بہت لوگ آتے جاتے ہیں۔ پجاری بھی آتے جاتے رہتے ہیں۔ ویسے مجھے یاد پڑتا ہے کہ تم جس پجاری کا حلیہ بتا رہے ہو اس کا نام مرلی دھر ہے۔ پہلے وہ شری پیرومل مندر میں ہوا کرتا تھا۔ چند روز سے ہی یہاں آنے لگا ہے۔ ویسے اگر تمہیں اس کی تلاش ہے تو وہ اچھا آدمی نہیں ہے۔ تمہیں اس کی تلاش کیوں ہے دیوی؟" وہ جانکی کی طرف دیکھنے لگا۔

"ہمیں اسی لیے اس کی تلاش ہے کہ وہ اچھا آدمی نہیں ہے۔" جانکی نے جواب دیا "ویسے وہ اس مندر کے علاوہ کہاں مل سکتا ہے۔ میرا مطلب اس کا کوئی مستقل ٹھکانا۔"

"مجھے ٹھیک سے معلوم نہیں ویسے سنا ہے کہ وہ چھتیاری مندر کے آس پاس کہیں رہتا ہے۔ وہاں سے معلوم کرلو۔ تمہیں ٹھیک پتا چل جائے گا۔" پجاری نے جواب دیا۔

"چھتیاری مندر۔۔۔ وہی جو امپریل ہوٹل کے قریب ہے۔" میں نے کہا۔

"ہاں وہی۔" پجاری نے سر ہلایا "وہاں سے تمہیں پتا چل جائے گا۔"

چھتیاری مندر تو ہمارے گھر کے راستے ہی میں تھا۔ ہم اس پجاری کا شکریہ ادا کرکے اپنی کار کی طرف آگئے۔ جانکی نے اب اپنا پروگرام بدل دیا تھا۔ اس گڑبڑ کی وجہ سے اس کا موڈ آف ہوگیا تھا۔

ہم کلی سینسی ایونیو کی طرف آگئے۔ ریڈ کراس بلڈنگ والے چوراہے سے ایک سڑک تو ہمارے گھر کی طرف چلی جاتی تھی اور دوسری ٹینک روڈ نام کی سڑک ریور ویلی روڈ کی طرف چلی گئی تھی۔ میرے کہنے پر جانکی نے کار اس طرف موڑ لی۔ یہ سڑک اگرچہ زیادہ کشادہ نہیں تھی لیکن یہاں ایک دو اچھے ہوٹل اور ایک شاپنگ سینٹر بھی تھا جو اگرچہ زیادہ بڑا نہیں تھا لیکن شام کے وقت یہاں خاصی رونق رہتی تھی۔ چھتیاری مندر کے علاوہ ایک بہت بڑا چرچ اور یہودیوں کا سب سے بڑا معبد سائناگاگ اسی علاقے میں تھا۔

ٹینک روڈ پر چھتیاری مندر سے ذرا آگے نکل کر جانکی نے کار روک لی اور ہم دونوں کار سے اتر کر مندر کی طرف آگئے۔ یہ بھی بہت بڑا مندر تھا۔ جانکی نے مندر کے باہر ہی ایک پجاری کو پکڑ لیا اور اس سے مرلی دھر کے بارے میں پوچھنے لگی۔

"وہ راکھشس۔" پجاری بولا "تم اس سے کیوں ملنا چاہتی ہو۔ کیا تم بھی انہی عورتوں میں ہو جو پیسہ کمانے کے لیے مرلی دھر جیسے شیطان کے ساتھ مل کر دھرم نشٹ کرتی ہیں۔"

"یہ بات نہیں ہے پنڈت جی۔" جانکی نے کہا "میری ایک سکھی دو دن سے غائب ہے۔ آخری بار وہ مرلی دھر کے ساتھ دیکھی گئی تھی۔ ہم اسی لیے مرلی دھر کو تلاش کرتے پھر رہے ہیں۔"

"اوہ!" پجاری بولا "وہ ناری تو نہیں جو چند روز پہلے ہندوستان سے آئی تھی۔"

"ہاں ہاں وہی۔" جانکی جلدی سے بولی "ہمیں اس کی تلاش ہے۔"

"مرلی دھر اب یہاں نہیں آتا۔ اب اس نے کالی ماتا کے مندر کو اپنی بدمعاشیوں کا اڈا بنا رکھا ہے۔ ویسے وہ نان چیاؤ ہائی اسکول کے پیچھے مارٹن روڈ پر رہتا ہے۔" پجاری نے کہا اور مکان کا پتا سمجھانے لگا۔

نان چیاؤ ہائی اسکول زیادہ دور نہیں تھا۔ یہ وہی اسکول تھا جہاں ایک مرتبہ دارا کے آدمیوں سے بچنے کے لیے میں نے پناہ لی تھی۔

مارٹن روڈ رہائشی علاقہ ہے۔ ایک بغلی گلی میں وہ بنگلا تلاش کرنے میں ہمیں زیادہ دشواری پیش نہیں آئی جس کی نشان دہی چھتیاری مندر کے پجاری نے کی تھی۔

اس بنگلے میں ہمارا سامنا ایک ادھیڑ عمر ہندو عورت سے ہوا۔ اپنی عمر سے قطع نظر وہ خاصی حسین تھی۔ باتوں کے دوران وہ گہری نظروں سے جانکی کو گھورتی رہی تھی۔ اس کی باتوں سے تصدیق ہوگئی تھی کہ یہ بنگلا مرلی دھر ہی کا تھا لیکن وہ اس وقت کہاں ہوگا۔ وہ عورت کچھ نہیں بتا سکی تھی۔ میں نے دارا کا موجودہ حلیہ بتا کر اس کے بارے میں بھی دریافت کیا تھا مگر وہ کچھ نہیں جانتی تھی۔ اس حلیے سے ملتے جلتے شخص کو اس نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

اس بھاگ دوڑ میں مایوسی کے سوا کچھ نہیں ملا تھا لیکن بہرحال ڈور کا ایک سرا ہاتھ آگیا تھا جس سے الجھی ہوئی گتھی سلجھانے میں مدد مل سکتی تھی۔

ہم جب گھر پہنچے تو نو بجنے والے تھے۔ تھائی خاصی پریشان تھی۔ اس نے ہم دونوں کو اس طرح گھورا جیسے ماں دیر سے گھر آنے والے بچوں کو گھورتی ہے۔

"کہاں تھے تم دونوں؟" اس نے باری باری ہم دونوں کی طرف دیکھا۔

"تھائی۔" جانکی ہنس پڑی "تم تو ایسے پوچھ رہی ہو جیسے ہم دونوں چھوٹے بچے ہوں۔"

اس سے پہلے کہ تھائی کچھ کہتی' میں بول پڑا۔

"دارا کی جھلک نظر آگئی تھی۔ اس کی تلاش میں بھاگے پھر رہے تھے۔"

"اوہ!" تھائی کے منہ سے بے اختیار نکلا "اس کا مطلب ہے کہ۔۔۔"

"مطلب کچھ بھی نہیں تھائی۔" میں نے اس کی بات کاٹ دی "ٹریفک کی وجہ سے ہمیں کچھ تاخیر ہوگئی اور اسے بھاگنے کا موقع مل گیا۔ ویسے میرا خیال ہے اس نے ہمیں نہیں دیکھا تھا۔ ہم اسی کے بارے میں معلومات حاصل کرتے پھر رہے تھے۔" میں چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر تفصیل سے سب کچھ بتانے لگا۔

"میں ایک بات کہوں۔" تھائی نے میرے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا "بہتر ہوگا کہ خود کوئی قدم اٹھانے کے بجائے انسپکٹر چیانگ شو کو اس کے بارے میں بتادو۔ یہ میں اس لیے کہہ رہی ہوں کہ یہاں کی صورت حال تھائی لینڈ سے بہت مختلف ہے۔ وہاں تمہیں کچھ رعایتیں حاصل تھیں۔ یہاں قانون کی پاسداری ہے۔ کسی معمولی سی بات کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاتا۔ انسپکٹر تمہیں وارننگ بھی دے چکا ہے اس لیے مناسب یہی ہے کہ سب کچھ اسے بتادو۔ وہ خود ہی ان لوگوں کو تلاش کرلے گا۔"

میں نے فوری طور پر کوئی جواب نہیں دیا۔ میرے خیال میں تھائی نے ٹھیک ہی کہا تھا۔ میں نے اس کے مشورے پر عمل کرتے ہوئے فون کا ریسیور اٹھا کر انسپکٹر چیانگ شو کا نمبر ملایا اور اسے صورت حال سے آگاہ کردیا۔

"گڈ۔" چیانگ شو نے کہا "میں اپنا ایک آدمی بھیج رہا ہوں۔ وہ سادہ لباس میں ہوگا۔ اسے ساتھ لے جاکر مارٹن روڈ والا وہ بنگلا دکھا دو۔ اس کے بعد تم سامنے نہیں آؤ گے۔"

"ٹھیک ہے انکل۔" میں نے کہا "مجھے اپنے آدمی کا نام بتادیں۔"

انسپکٹر چیانگ شو نے اپنے ایک ماتحت کا نام بتادیا۔

تقریباً آدھے گھنٹے بعد انسپکٹر کا ماتحت پہنچ گیا۔ وہ سادہ لباس ہی میں تھا۔ اس نے اپنی موٹر سائیکل وہیں کھڑی کردی اور میرے ساتھ کار میں بیٹھ گیا۔ میں چونکہ ابھی پوری طرح ڈرائیونگ نہیں سیکھ سکا تھا اس لیے میں نے اس کو ڈرائیونگ سیٹ پر بٹھایا تھا۔

مارٹن روڈ تک پہنچنے میں زیادہ دیر نہیں لگی۔ میرے اشارے پر اس نے کار بغلی گلی میں موڑ کر رفتار کم کردی۔ اس بنگلے کے سامنے سے گزرتے ہوئے میں نے اشارہ کردیا۔ وہ کار کو روکے بغیر آگے نکال لے گیا اور آگے والی سڑک پر ہائی اسکول کے پچھلی طرف سے ہوتے ہوئے کار کو دوبارہ مارٹن روڈ پر لے آیا۔

"ٹھیک ہے مسٹر وجدان۔" انسپکٹر کے ماتحت نے میرے مکان کے سامنے کار روکتے ہوئے کہا "تم لوگ اب اس بنگلے سے دور ہی رہو گے۔ ہم معلوم کرلیں گے کہ یہ مسٹر مرلی دھر کون ہے اور اس کا دارا یا چی فانگ سے کیا تعلق ہوسکتا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ میں دور ہی رہوں گا۔" میں نے جواب دیا۔

اور پھر اس رات گیارہ بجے کے قریب ہم تینوں نشست گاہ میں بیٹھے باتیں کررہے تھے کہ فون کی گھنٹی بجی۔ تھائی قریب بیٹھی ہوئی تھی' اس نے ریسیور اٹھالیا اور مختصر سی بات کرنے کے بعد اس نے ریسیور میری طرف بڑھادیا۔

"کوئی عورت ہے۔ تم سے بات کرنا چاہتی ہے۔"

"ہیلو۔" میں نے ریسیور کان سے لگاتے ہوئے کہا "وجدان بول رہا ہوں۔ آپ کون؟"

"تمہارا باپ۔" دوسری طرف سے دارا کی آواز سن کر میرا دماغ بھک سے اڑ گیا۔ تھائی نے اس کی آواز کو غور سے کی آواز کیسے سمجھ لیا تھا۔ میرے چہرے کے تاثرات شاید بدل گئے تھے۔ تھائی اور جانکی الجھی ہوئی نظروں سے میری طرف دیکھ رہی تھیں۔ میں نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر انہیں خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور ماؤتھ پیس میں بولا۔

"تم واقعی بزدل ہو دارا۔ کہاں تک بھاگو گے۔ میں تو طے کر رکھا ہے کہ دنیا کے آخری سرے تک تمہارا پیچھا کروں گا۔ تم پولیس کو چکما دے سکتے ہو مجھے نہیں۔ تم۔ اگرچہ اپنا حلیہ بدل رکھا ہے مگر میں نے ایک نظر دیکھتے تمہیں پہچان لیا تھا۔ افسوس تو اس بات کا ہوا کہ تم آج نکل گئے۔"

"میں نے تمہیں دیکھ لیا تھا۔" دارا نے جواب دیا "بزدل نہیں ہوں۔ مصلحتاً وہاں سے ہٹ گیا تھا لیکن مجھے توقع نہیں تھی کہ تم اتنی جلدی مرلی دھر کے بارے میں بھی معلومات حاصل کرلو گے لیکن یہاں تم سے ایک بہت بڑی غلطی ہوگئی۔ اگر تم مرلی دھر کے بنگلے پر جانے کے بجائے خفیہ طور پر نگرانی کرتے تو شاید میں دھوکے میں مارا جاتا مگر تم نے بنگلے پر جاکر بہت بڑی غلطی کی۔ مجھے تمہاری سرگرمیوں کا پتا چل گیا۔ اب تم میری گرد کو بھی نہیں پاسکو گے۔ ویسے میری ایک تجویز ہے۔"

"کہو۔" میں نے اس کے خاموش ہونے پر کہا۔

"تم نے زندگی میں بہت دکھ اٹھائے ہیں۔ کئی مرتبہ موت کے منہ سے بچے ہو۔ میں بھی بہت پریشان ہوا ہوں۔ تمہاری وجہ سے میرا سب کچھ تباہ ہوچکا ہے۔ تمہارے باپ کا چھوڑا ہوا کاروبار خوب پھلا پھولا ہے۔ تم زندگی بھر عیش کرسکتے ہو۔ میری تجویز یہ ہے کہ اگر تم اپنے باپ کی ڈائری میرے حوالے کردو تو میں خاموشی سے یہاں سے چلا جاؤں گا اور پچھلے چند برسوں میں جو کچھ ہوا ہے سب بھول جاؤں گا۔"

"لیکن میں نہیں بھول سکتا۔" میں نے کہا "جب تک اپنے ہاتھوں سے تمہاری گردن نہیں مروڑ دوں گا مجھے چین نہیں ملے گا۔"

"تم جوان ہو۔ حوصلہ مند ہو۔ ابھی تو تمہارے سامنے پوری زندگی پڑی ہے۔ میں تو چاہتا تھا کہ تم اس زندگی کو آرام و سکون سے گزارو لیکن اگر تم زندگی بھر انگاروں ہی سے کھیلنا چاہتے ہو تو میں کیا کرسکتا ہوں۔" دارا نے کہا "ویسے مجھے وہ ڈائری حاصل کرنے میں دو تین دن سے زیادہ نہیں لگیں گے۔ ہوسکتا ہے اس دوران میں میری اور تمہاری ایک ملاقات بھی ہوجائے اور یہ ہماری آخری ملاقات ہوگی۔ میں تمہیں کل شام تک کا وقت دے رہا ہوں۔ اگر میری تجویز مان لو اور ڈائری از خود میرے حوالے کردو تو یہ تمام معاملات ختم ہوسکتے ہیں۔"

"میرا جواب کل بھی یہی ہوگا۔ اس لیے۔۔۔" میرا جملہ مکمل ہونے سے پہلے ہی لائن کٹ گئی۔

میں نے ریسیور رکھ دیا۔ تھائی اور جانکی اب بھی الجھی ہوئی نظروں سے میری طرف دیکھ رہی تھیں۔

"تم دارا سے بات کررہے تھے لیکن میں نے جس سے بات کی تھی وہ تو کوئی عورت تھی۔" تھائی نے کہا۔

"ہوسکتا ہے اس نے نمبر کسی عورت سے ملوایا ہو۔" میں نے جواب دیا "اب تم پوچھو گی کہ اسے یہاں کا نمبر کیسے معلوم ہوا؟ تو یہ کوئی بڑی بات نہیں ہے کوئی بھی نام اور ایڈریس بتا کر نمبر معلوم کیا جاسکتا ہے۔" میں چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر انہیں دارا سے ہونے والی گفتگو سے آگاہ کرنے لگا۔

"اس کا مطلب ہے کہ وہ ٹوٹ رہا ہے۔" تھائی نے میرے خاموش ہونے پر کہا۔

"ہاں۔ اس کے شکست خوردہ لہجے سے تو کچھ ایسا ہی اظہار ہوتا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ میں ابو کی ڈائری اس کے حوالے کردوں تو وہ خاموشی سے یہاں سے چلا جائے گا لیکن میں آسانی سے اسے یہاں سے نہیں جانے دوں گا۔ ایک تو مجھے دارا سے اپنا حساب کتاب کرنا ہے اور اس کے بعد چوہدری نوازش علی سے بھی اپنے باپ کی بربادی کا حساب چکانا ہے۔"

"یہ چوہدری نوازش علی کون ہے؟" جانکی نے الجھی ہوئی نظروں سے میری طرف دیکھا "یہ نام تو میں نے پہلی مرتبہ سنا ہے۔"

"چوہدری نوازش علی ہی دراصل سارے فساد کی جڑ ہے۔" میں نے کہا "میرے باپ کا تعلق ایک زمیں دار گھرانے سے تھا۔ پاکستان میں ان کی زمین انڈیا کی سرحد سے ملی ہوئی تھی۔ اس کے ساتھ ہی چوہدری نوازش علی کے باپ کی بھی زمین تھی۔ وہ اسمگلر تھا اور ہمارے خاندان کی زمین بھی خریدنا چاہتا تھا تاکہ آزادی سے انڈیا کی سرحد سے اپنی غیر قانونی سرگرمیاں جاری رکھ سکے مگر میرے دادا نے وہ زمین بیچنے سے انکار کردیا۔ نوازش علی کے باپ نے جعل سازی سے وہ زمین ہتھیانے کی کوشش کی۔ عدالت میں سالہا سال تک مقدمہ چلتا رہا۔

"چوہدری نوازش علی اوچھے ہتھکنڈوں پر اتر آیا۔ اس نے دارا جیسے غنڈے پال رکھے تھے۔ وہ طاقت کے زور پر زمین پر قبضہ کرنا چاہتا تھا۔ انہوں نے میرے ماں باپ کو زندہ جلانے کی کوشش بھی کی۔ میں اس وقت صرف دو مہینے کا تھا۔ میرے ماں باپ مجھے لے کر سنگاپور آگئے۔ یہاں انہوں نے محنت کی۔ دکان بنالی اور یہ مکان خرید لیا۔

"تقریباً چودہ سال بعد دارا یہاں پہنچ گیا۔ چوہدری نوازش علی اور دارا نے پاکستان میں منشیات کی اسمگلنگ کا ایک بہت بڑا ریکٹ بنالیا تھا۔ وہ یہاں بھی ایسا ہی ایک سینڈیکیٹ بنانا چاہتا تھا اور دارا صورت حال کا جائزہ لینے کے لیے یہاں آیا تھا۔ یہاں اس نے ڈیڈی کو دیکھ لیا اور سمجھ گیا کہ وہ اس کے راستے کی رکاوٹ بنیں گے۔ اس نے ڈیڈی

اور ممی کو قتل کردیا اور اس طرح ایک نئی کہانی شروع ہوگئی۔"

"اور سونے کا کیا چکر ہے؟" جانکی نے پوچھا۔

"جب میرے ڈیڈی لاہور میں تھے اور اپنی زمینوں پر تھے تو ایک رات چوہدری نوازش علی کے آدمی بڑی مقدار میں سونا سرحد پار لے جانے کی کوشش کررہے تھے کہ ڈیڈی نے انہیں للکارا۔ وہ یہی سمجھے کہ پولیس یا رینجرز نے انہیں گھیر لیا ہے۔ وہ گاڑی چھوڑ کر بھاگ نکلے۔ ڈیڈی نے گاڑی کی تلاشی لی اور سونے سے بھرے ہوئے دو بیگ اٹھا کر کنوئیں میں پھینک دیئے۔ تھوڑی دیر بعد ہی اسمگلروں کو احساس ہوگیا کہ وہ دھوکا کھا گئے ہیں۔ وہ پلٹے تو ڈیڈی کو وہاں سے بھاگنا پڑا۔

"وہ ابو کو پورے شہر میں شکاری کتوں کی طرح تلاش کرتے رہے۔ یہی دارا پیش پیش تھا۔ ایک موقع پر اس نے مجھے اور امی ابو کو زندہ جلانے کی کوشش بھی کی تھی۔ اس واقعے کے بعد ہی ابو ہمیں لے کر سنگاپور آگئے تھے۔

"اس ڈائری میں نہ صرف سونے کا راز پوشیدہ ہے بلکہ چوہدری نوازش علی' دارا اور اس کے ساتھیوں کے جرائم کی پوری داستان بھی رقم ہے۔ یہ ڈائری اگر پاکستان میں پولیس کے حوالے کردی جائے تو ان سب کو موت کی سزا سے کوئی نہیں بچا سکتا۔"

"ہوں۔" میرے خاموش ہونے پر جانکی نے ہنکارا بھرا "تو اسی لیے وہ اس ڈائری کو ہر قیمت پر حاصل کرنا چاہتا ہے۔"

"ہاں لیکن وہ قیامت تک یہ ڈائری حاصل نہیں کرسکے گا۔" میں نے کہا اور چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولا "ہم نے مارٹن روڈ والے بنگلے پر اس عورت سے بات کرکے واقعی غلطی کی۔ ہمارے آنے کے بعد اس نے دارا کو سب کچھ بتا دیا ہوگا۔ اب وہ محتاط ہوجائے گا۔ پولیس نے اگرچہ اس بنگلے کی نگرانی شروع کردی ہے لیکن مجھے امید ہے کہ وہاں اب کچھ نہیں ملے گا۔"

"پھر تو اس کی نگرانی بھی بیکار ہے۔" تھائی نے پہلی مرتبہ زبان کھولی۔

"ہاں۔ میں انسپکٹر چیانگ شو کو بتا دوں۔ نگرانی جاری رکھنے یا نہ رکھنے کا فیصلہ وہ خود ہی کرے گا۔" میں نے کہتے ہوئے فون کا ریسیور اٹھالیا اور نمبر ملانے لگا۔

لائن ملنے میں زیادہ دیر نہیں لگی لیکن پولیس ہیڈ کوارٹر سے بتایا گیا کہ وہ آدھا گھنٹا پہلے گھر جاچکا ہے۔ میں نے کریڈل ٹیپ کرکے گھر کا نمبر ملایا۔ کال تیسری گھنٹی پر ریسیو کی گئی تھی اور کال ریسیو کرنے والا چیانگ شو ہی تھا۔

"خیریت۔" وہ میری آواز سنتے ہی بولا۔

"کچھ دیر پہلے دارا کا فون آیا تھا انکل۔" میں نے کہا اور پھر اس گفتگو کے بارے میں تفصیل سے بتانے لگا۔

"وہ ڈائری کہاں ہے؟" چیانگ شو نے پوچھا۔

"مجھے معلوم نہیں انکل۔" میں نے گول مول جواب دیتے ہوئے کہا۔ "ڈیڈی کے انتقال کے بعد وہ ڈائری میں نے چاچا پرتاب سنگھ کو دے دی تھی۔ اب مجھے یاد نہیں کہ چاچا پرتاب سنگھ وہ ڈائری اپنے ساتھ تھائی لینڈ لے کر گیا تھا یا یہاں کسی کو دے گیا تھا۔"

"تھائی لینڈ میں تو تم بھی اس کے ساتھ تھے۔ اس کے قتل کے بعد ڈائری اس کے سامان سے ملی تھی یا نہیں؟" چیانگ شو نے پوچھا۔

"مجھے نہیں معلوم۔" میں نے جواب دیا "اس وقت میری اپنی حالت بہت خراب تھی۔ مجھے مہاراج کی تحویل میں دے دیا گیا تھا۔ چاچا پرتاب سنگھ کا سامان ہوٹل میں تھا جو بعد میں پولیس نے اپنی تحویل میں لے لیا تھا۔ مجھے نہیں معلوم وہ ڈائری اس سامان میں تھی یا نہیں۔"

"میری معلومات کے مطابق سنگاپور چھوڑنے سے پہلے وہ تمہیں اپنے دوست خشونت سنگھ کے پاس لے گیا تھا۔ ہوسکتا ہے وہ ڈائری اس کے حوالے کرگیا ہو۔" چیانگ شو نے کہا۔

"لیکن ان کا تو انتقال ہوچکا ہے۔" میں نے کہا۔

"وہ ڈائری کو اپنے ساتھ قبر میں نہیں لے گیا ہوگا۔" چیانگ شو نے جواب دیا "اس کے گھر والوں سے معلوم کرو۔ خشونت سنگھ نے مرنے سے پہلے اپنی بیوی یا بیٹی کو اس ڈائری کے بارے میں ضرور بتایا ہوگا۔ تم صبح سب سے پہلے ان کے گھر جاکر معلوم کرو۔ اگر اس ڈائری میں ان لوگوں کے بارے میں تمہارے فادر نے کچھ لکھا ہے تو وہ انہیں پھانسی کے تختے تک پہنچانے کے لیے ضروری ہے۔"

"ٹھیک ہے انکل۔ میں صبح ہی جاکر معلوم کروں گا۔" میں نے کہا۔ میں نے ڈائری کا تذکرہ اس انداز میں کیا تھا کہ اس میں دارا وغیرہ کے خلاف کچھ ثبوت ہیں۔ میرا خیال تھا کہ چیانگ شو ڈائری کو اتنی اہمیت نہیں دے گا لیکن وہ بال کی کھال نکالتا چلا گیا تھا "مارٹن روڈ والے بنگلے کی نگرانی کے بارے میں اب آپ کا کیا خیال ہے انکل۔"

"وہ ہمارا دردِ سر ہے۔" چیانگ شو نے جواب دیا "اب تم اس بات کو بھول جاؤ۔ مجھے بہرحال تمہارا شکر گزار ہونا چاہیے کہ یہ تمہارے توسط سے ایک کلیو تو ملا۔ اب آگے کا راستہ ہم خود تلاش کرلیں گے۔"

"ٹھیک ہے انکل۔" میں نے کہا اور ایک دو رسمی جملوں کے بعد میں نے فون بند کردیا۔

جانکی اور تھائی سے باتیں کرتے ہوئے میرے ذہن میں اچانک ہی ایک اور خیال ابھرا۔ بات اگرچہ کئی سال پرانی ہوچکی تھی لیکن انسپکٹر چیانگ شو کو یاد تھا کہ سنگاپور چھوڑنے سے پہلے چاچا پرتاب سنگھ مجھے خشونت سنگھ کے گھر لے گیا تھا اور یہ بات تو دارا کو بھی نہیں بھولنی چاہیے تھی کیونکہ دارا نے تو اپنے غنڈوں کے ذریعے میرے اوپر وہاں بھی حملہ کروایا تھا اور اسے بڑی زبردست ہزیمت اٹھانی پڑی تھی۔ ابھی کچھ دیر پہلے فون پر بات کرتے ہوئے دارا نے کہا تھا کہ وہ دو تین دن میں ڈائری تک پہنچ جائے گا اور اب میں سوچ رہا تھا کہ کہیں اس کے ذہن میں بھی تو وہی بات نہیں تھی جس کا اظہار انسپکٹر چیانگ شو نے کیا تھا۔

"صبح کا انتظار کیوں کیا جائے۔ ہم ابھی جاکر معلوم کرلیتے ہیں۔"

"ابھی۔" میں نے کہتے ہوئے گھڑی کی طرف دیکھا۔ ساڑھے گیارہ بج رہے تھے۔ عام طور پر لوگ بارہ بجے سے پہلے نہیں سوتے۔ خشونت سنگھ کے گھر والے بھی ابھی جاگ ہی رہے ہوں گے "ٹھیک ہے چلو۔" میں کہتے ہوئے اٹھ گیا۔

اور پھر دس منٹ بعد ہم گھر سے باہر آچکے تھے۔ تھائی نے تالا لگا کر چابیوں کا گچھا اپنے پرس میں ڈال لیا۔ کار کی چابی جانکی کے پاس تھی۔ وہ دروازہ کھول کر ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گئی۔ ان چند لمحوں کے دوران میں' میں نے ایک بات خاص طور سے نوٹ کی تھی کہ گھر تھائی نے سنبھال لیا تھا اور ڈرائیور کی ڈیوٹی جانکی نے اپنے ذمے لے لی تھی۔ صبح مارکیٹ سے سودا وغیرہ بھی وہی لاتی تھی۔

کار گلیوں سے نکل کر پہلے فورٹ کیننگ روڈ اور پھر دھوبی گھاٹ کے قریب سے آرچرڈ روڈ پاکر کے سلیمبی روڈ پر آگئی۔ اس وقت اگرچہ ٹریفک زیادہ نہیں تھا لیکن جانکی نے کار کی رفتار کو کنٹرول ہی میں رکھا تھا۔ یہ سڑک سیدھی روچر کینال روڈ اور بکٹ تیما روڈ کے سنگم پر نہر کا پل پار کرکے سیراگون روڈ سے جاملتی تھی۔ یہ لٹل انڈیا کا علاقہ تھا اور اس وقت اسے شہر کا سب سے زیادہ بارونق علاقہ کہا... جاسکتا تھا۔ یہاں ریسٹورنٹ' شراب خانے اور کھانے پینے کی دکانیں رات گئے تک کھلی رہتی تھیں۔

سیراگون روڈ پر کچھ ہی فاصلہ طے کرنے کے بعد میں نے جانکی کو کار بائیں طرف کیرباؤ روڈ پر موڑ لینے کا اشارہ کیا۔ اس طرف کچھ آگے سکھوں کا بہت بڑا گردوارہ تھا اور اس کے آس پاس کی زیادہ آبادی بھی سکھوں پر ہی مشتمل تھی۔ اس سے آگے سیراگون روڈ پر ہی کالی کا مندر تھا۔ جہاں صبح میں نے دارا کو دیکھا تھا۔ اس مندر کے آس پاس ہندوؤں کی آبادی زیادہ تھی بلکہ سید علوی روڈ اور مسجد عبدالغفور روڈ کے آس پاس کا علاقہ مسلمانوں کی آبادی پر مشتمل تھا۔

گردوارے سے آگے نکل کر میں نے کار تیسری گلی میں مڑوا کر ایک جگہ رکوالی اور نیچے اتر کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ اس گلی میں بھی بہت سی تبدیلیاں آچکی تھیں۔ گلی کے دونوں طرف کئی نئے مکان نظر آرہے تھے۔ میں اِدھر اُدھر دیکھتا ہوا چلتا رہا لیکن خشونت سنگھ والا مکان میں بھول گیا تھا۔

میں ایک جگہ رک گیا۔ کار بھی میرے قریب رک گئی تھی۔ اسی دوران میں سامنے سے دو سائیکل سوار آتے ہوئے نظر آئے۔ وہ مجھ سے ذرا آگے ایک مکان کے سامنے رک گئے۔ میں تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا ان کے قریب پہنچ گیا۔

ان میں ایک عورت تھی اور ایک مرد۔ وہ دونوں یوریشین تھے۔ میں نے آدمی سے خشونت سنگھ کے مکان کے بارے میں دریافت کیا تو وہ بولا۔

"مسٹر خشونت سنگھ کا تو انتقال ہوچکا ہے۔ اس کا مکان وہاں موجود ہے۔ وہ پیلے گیٹ والا۔" اس نے سامنے والی لین کے ایک مکان کی طرف اشارہ کیا۔

میں اس کا شکریہ ادا کرکے اس مکان کے سامنے آگیا۔ جانکی بھی گاڑی قریب لے آئی۔ مکان کے اندر بتی جل رہی تھی۔ میں نے بلا جھجک کال بیل کا بٹن دبادیا۔ چند منٹ بعد ہی ایک آدمی نے دروازہ کھول دیا۔ اس کی عمر تیس بتیس کے لگ بھگ رہی ہوگی۔ دھوتی اور بنیان پہنے ہوئے تھا۔ سر پر پگڑی نہیں تھی البتہ بالوں کا جوڑا بنا ہوا تھا۔ داڑھی گول اور چھوٹی تھی۔ میں نے اسے اپنے بارے میں بتایا پھر چاچی رجنی کے بارے میں پوچھا۔

"آؤ جی۔ جی آیا نوں۔ اندر آجاؤ جی۔" اس نے گیٹ کا ذیلی دروازہ پوری طرح کھول دیا۔

میں نے کار میں بیٹھی ہوئی جانکی اور تھائی کو اشارہ کیا۔ وہ دونوں نیچے اتر آئیں۔ انہیں دیکھ کر وہ شخص اندر بھاگ گیا اور چاچی چاچی پکارتا ہوا برآمدے والے دروازے میں غائب ہوگیا۔

ہم تینوں اندر آگئے۔ میں نے گیٹ کا ذیلی دروازہ بند

کردیا اور پھر ایک منٹ بعد ہی چاچی رجنی برآمدے والے دروازے میں داخل ہوئی۔ اس نے بڑی گرم جوشی سے ہمارا استقبال کیا۔ ہم تینوں کو باری باری گلے لگا کر پیار کیا اور اندر لے گئیں۔ برآمدے والے دروازے کے ساتھ ہی اندر کی طرف ڈرائنگ روم کا دروازہ تھا۔ اس نے اندر داخل ہو کر بتیاں جلا دیں اور ہمیں بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ تھوڑی دیر بعد ہی اُرملا اور وہ آدمی بھی آگیا جس نے گیٹ کھولا تھا۔ اب اس نے کُرتہ پہن رکھا تھا۔ وہ اُرملا کا شوہر سنت سنگھ تھا۔

وہ سب ہمارے آنے سے بہت خوش تھے۔ تھوڑی دیر بعد ہی ارملا ہمارے لیے ٹھنڈا مشروب لے آئی۔

"خیر تو ہے نا پتر۔ اس وقت اری رات کو ہ" چاچی رجنی نے سوالیہ نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔

"ایک بہت ضروری کام آن پڑا تھا چاچی جس کے لیے آپ لوگوں کو اس وقت زحمت دی۔" میں نے کہا۔

"یہ تو تمہارا اپنا گھر ہے پتر۔ تکلیف کیسی۔ ہم تو جاگ رہے تھے۔ ویسے پریشانی تو ہوجاتی ہے نا۔ مجھے تسلی ہوگئی کہ تم خیر نال آئے ہو۔ اب بتاؤ کیا کام ہے۔" چاچی رجنی نے کہا۔

"آپ کو یاد ہوگا کہ جب میں چاچا پرتاب سنگھ کے ساتھ یہاں آیا تھا تو اس وقت دارا کے غنڈوں نے حملہ کردیا تھا۔" میں نے کہا۔

"میں اس دُرگھٹنا کو کیسے بھول سکتی ہوں پتر۔" چاچی نے کہا "تم یہاں سے جاکر بھائی پرتاب سنگھ کے ساتھ غائب ہوگئے تھے تو ہم سب گھر والے کئی روز تک پریشان رہے تھے۔ ہم تو پل پل تمہاری زندگی اور سلامتی کی دعائیں مانگتے رہے۔"

"آپ کی دعاؤں کے طفیل ہی میں آج زندہ اور سلامت ہوں۔" میں نے کہا "اس رات ہم نے چاچا خشونت سنگھ کو ایک بریف کیس دیا تھا جس میں میرے کچھ ضروری کاغذات تھے۔"

"کئی ورش گزر گئے بیٹا۔ مجھے تو کچھ یاد نہیں۔" چاچی نے جواب دیا۔

میرا دماغ بھک سے اڑ گیا۔ بدن پر چیونٹیاں سی رینگنے لگیں۔ اگر انہوں نے بریف کیس یا اس میں رکھی ہوئی ڈائری اور کاغذات بیکار سمجھ کر پھینک دیے ہوں گے تو... میں اس سے آگے نہیں سوچنا چاہتا تھا۔

"مجھے یاد ہے ماں جی۔" ارملا کی زبان سے یہ الفاظ سن کر مجھے کچھ تسلی ہوئی "باپو نے وہ بریف کیس آپ کو دیا تھا اور آپ نے مجھے دے دیا تھا۔"

"کہاں ہے وہ بریف کیس؟" میں نے جلدی سے پوچھا۔

"وہ بریف کیس تو ٹوٹ گیا تھا۔" ارملا نے جواب دیا۔

"اور اس میں رکھی ہوئی ڈائری اور کاغذات کا کیا ہوا؟" میں نے پوچھا۔

"وہ محفوظ ہیں۔" ارملا نے جواب دیا۔

میری جان میں جان آئی۔ "کہاں ہے وہ ڈائری۔" میں نے پوچھا۔

"وہ کاغذات اور ڈائری میں نے ایک تھیلے میں لپیٹ کر بڑی پیٹی میں سامان کے نیچے رکھ دی تھی اور وہ پیٹی تو ان کے فلیٹ میں رکھی ہوئی ہے۔" اس نے اپنے شوہر کی طرف اشارہ کیا۔

"فلیٹ قریب ہے یا دور۔ میرا مطلب ہے اس وقت..."

"اس وقت تو نہیں ویر جی۔" ارملا نے میری بات کاٹتے ہوئے کہا "فلیٹ تو قریب ہی ہے بنیلو روڈ پر مگروہاں کی بجلی کئی ہوئی ہے۔ آپ صبح آجانا ویر جی۔ میں آپ کے ساتھ چلوں گی۔"

"ٹھیک ہے۔ میں کل دن میں کسی وقت آجاؤں گا۔" میں نے کہا "ایک بات اور۔" میں نے سنت سنگھ کی طرف دیکھتے ہوئے با ، جاری رکھی "میرے دشمن اب بھی میرے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔ وہ بھی ڈیڈی کی وہ ڈائری حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ جس میں ان کے سیاہ کرتوتوں کی تفصیل درج ہے۔ ہوسکتا ہے وہ لوگ بھی کسی طرح یہاں تک پہنچنے میں کامیاب ہوجائیں۔ اس لیے تم لوگ ذرا محتاط رہنا۔"

"فکر ہی نہ کرو بھائی جی۔" سنت سنگھ نے کہا "آپ کی چیزیں ہمارے پاس امانت ہیں۔ وہ کسی اور کے ہاتھ نہیں لگنے دیں گے۔"

میں نے اسے اپنا اور انسپکٹر چیانگ شو کا فون نمبر بھی دے دیا کہ اگر کوئی ایسی ویسی بات ہو تو دونوں میں سے کسی نمبر پر فوری طور پر اطلاع دے دی جائے۔

واپسی پر ہم سیرانگون روڈ سے بکٹ روڈ کی طرف نکل گئے۔ وہاں سے سینٹرل ایکسپریس وے کا راستہ اختیار کیا اور وہاں سے آرچرڈ روڈ کراس کرتے ہوئے کلی مینسی ایونیو کی طرف نکل آئے۔

کار جب اپنے مکان والی گلی کی طرف مڑی تو رات کے دو بج رہے تھے۔ اس علاقے میں مکمل سناٹا تھا۔ گلی کے آگے والے موڑ پر ایک کار کھڑی تھی جس کی ساری بتیاں بجھی ہوئی تھیں۔ میں نے زیادہ توجہ نہیں دی۔ یہاں ایسے مکان بہت کم تھے جن میں گیٹ کے اندر گاڑی کھڑی کرنے کی گنجائش تھی۔ لوگ عام طور پر اپنی گاڑیاں گلی میں یا اِدھر اُدھر ہی کھڑی کردیتے تھے اور میرے خیال میں وہ کار بھی کسی نے اسی طرح کھڑی کردی تھی۔

کمپاؤنڈ والا دروازہ کھول کر ہم برآمدے میں پہنچے تو میں ٹھٹک گیا۔ ہم گھر کی تمام بتیاں بند کرکے گئے تھے لیکن اس وقت اندر مدھم سی روشنی نظر آرہی تھی اور وہ روشنی متحرک تھی۔ جانکی اور تھائی نے بھی وہ روشنی دیکھ لی۔

"ارے۔ کون ہے۔ اندر کون ہے؟" جانکی نے چیخ کر پوچھا۔

روشنی بجھ گئی اور پھر یوں لگا جیسے کوئی تیزی سے ایک طرف دوڑا ہو۔ کوئی کرسی وغیرہ الٹنے کی آواز بھی سنائی دی۔ میں نے تھائی سے چابی لے کر تالا کھولا اور دروازے کو زور وار دھکا دیا۔

دروازہ دھڑ کی آواز سے کھل گیا۔ پچھلی راہداری کی طرف آواز سنائی دے رہی تھی۔ میں چیختا ہوا تیزی سے اس طرف دوڑا مگر راہداری میں کسی چیز سے ٹکرا کر گر گیا۔ سنبھلنے کی کوشش کرتے ہوئے بھی میں دیوار سے ٹکرا گیا اور پھر ٹھیک اسی وقت پچھلی طرف ایک فائر کی آواز سنائی دی اس کے ساتھ ہی دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز بھی سنائی دی۔

میں سنبھل کر پھر اس طرف دوڑا۔ عقبی دروازہ کھلنے کی آواز سن کر میں تیزی سے اس طرف لپکا۔ اس سے پہلے کہ میں دروازے تک پہنچتا ایک اور گولی چلی۔ اس مرتبہ فائر کی یہ آواز مکان کے باہر سے آئی تھی۔ میں ایک بار پھر اس طرف دوڑا۔

مکان کے پچھلی طرف بھی ایک مختصر سا لان تھا۔ میں جب دروازے سے نکل کر اس طرف پہنچا تو پچھلی گلی میں دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ میں لان سے نکل کر کھلی جگہ پر آگیا۔ اسی وقت ایک سایہ اگلی گلی میں دائیں طرف مڑتا ہوا نظر آیا۔ میں بھی تیزی سے اس کے پیچھے دوڑا اور جب میں گلی کے موڑ پر پہنچا تو وہ سایہ اس کار تک پہنچ چکا تھا جو میں نے اپنے مکان کے سامنے والے رخ پر گلی کے اگلے موڑ پر کھڑی دیکھی تھی۔

کار اسٹارٹ ہوکر حرکت میں آچکی تھی۔ دوڑتا ہوا وہ سایہ بھی کار میں گھس چکا تھا اور پھر میں نے کار کی طرف سے ایک شعلہ سا لپکتا ہوا دیکھا۔ میں بڑی تیزی سے نیچے گر گیا۔ شعلہ چمکتے ہی فائر کی آواز بھی فضا میں گونجی تھی۔

جب میں سنبھلا تو وہ کار بہت دور جاچکی تھی۔ میں اپنی جگہ پر کھڑا اس کی عقبی سرخ بتیوں کو دیکھتا رہا اور پھر وہ سرخ بتیاں بھی غائب ہوگئیں۔

میں مڑ کر دوڑتا ہوا عقبی گلی ہی سے مکان میں واپس آیا تھا۔ ساری بتیاں جلی ہوئی تھیں۔ مکان میں داخل ہوتے ہی میرا سامنا سب سے پہلے تھائی سے ہوا۔ اس کی آنکھوں... اور چہرے پر وحشت تھی۔ میں دروازہ بند کرکے اندر آگیا۔

گھر کا سارا سامان بکھرا ہوا تھا۔ ممی اور ڈیڈی والے بیڈ روم کی حالت سب سے زیادہ ابتر تھی۔ الماریوں کے دروازے کھلے ہوئے تھے۔ تمام کپڑے فرش پر بکھرے ہوئے تھے۔ بیڈ کا میٹریس غالباً چاقو سے کاٹ دیا گیا تھا۔ ڈریسنگ ٹیبل کی درازیں بھی کھلی ہوئی تھیں اس میں کئی چیزیں بھی اِدھر اُدھر بکھری ہوئی تھیں۔

دوسرے کمروں کی حالت بھی کچھ ایسی ہی تھی۔ بڑی تفصیل سے تلاشی لی گئی تھی۔ مجھے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ دارا کا کوئی آدمی مکان کی نگرانی کررہا ہوگا اور ہمارے جانے کے بعد اس نے فون پر دارا کو اطلاع دی ہوگی اور اس کا کوئی اور آدمی بھی یہاں پہنچ گیا ہوگا۔ ممکن ہے دارا خود بھی یہاں آیا ہو لیکن اسے بڑی مایوسی ہوئی ہوگی۔ اسے ڈائری کی تلاش تھی اور ڈائری تو ابھی تک میرے قبضے میں بھی نہیں آئی تھی۔ اسے کہاں سے ملتی۔

"اس کا مطلب ہے کہ ہمارے مکان کی نگرانی ہورہی تھی۔" جانکی نے کہا "اور موقع ملتے ہی انہوں نے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی۔"

"اور انہیں مایوسی کے سوا کچھ نہیں ملا۔" میں نے جواب دیا۔

"سب سے پہلے تو تم پولیس کو اطلاع دو۔ اس کے بعد یہ سامان درست کیا جائے گا۔" تھائی نے کہا۔

"پولیس کے آنے کا فائدہ تو کوئی نہیں ہوگا لیکن ایک فارمیلٹی پوری ہوجائے گی۔" میں نے جواب دیا اور رونگ روم میں آکر پولیس کو فون پر اطلاع دینے لگا۔

اسی دوران میں کال بیل کی آواز سنائی دی۔ وہ چاچا جگ جیت سنگھ تھا جو کال بیل کا بٹن دبانے کے ساتھ میرا نام لے کر آوازیں بھی دے رہا تھا۔

میں نے باہر کا دروازہ کھول دیا۔ چاچا جگ جیت سنگھ کے علاوہ اس گلی میں رہنے والے چار اور آدمی بھی موجود تھے۔

"خیر تو ہے پتر۔ یہ گولیوں کی آواز کیسی تھی؟" جگ جیت

سنگھ نے پوچھا۔

"ہماری عدم موجودگی میں چور گھس آئے تھے چاچا۔" میں نے جواب دیا "ہم واپس آئے تو ہماری آواز سن کر بھاگ گئے۔"

"کوئی نقصان تو نہیں ہوا؟" ایک اور آدمی نے پوچھا۔

"سارا سامان بکھرا ہوا ہے۔ میرا خیال ہے وہ چور کچھ لے جانے میں کامیاب نہیں ہوسکا۔ خالی ہاتھ ہی گیا ہے۔" میں نے جواب دیا۔

ہم ابھی باہر کھڑے باتیں کر ہی رہے تھے کہ پولیس سائرن کی آواز سنائی دینے لگی۔ اور پھر چند سیکنڈ بعد ہی پولیس کار گلی میں داخل ہوئی اور ہمارے قریب پہنچ کر رک گئی۔

اس پولیس پارٹی کا انچارج سب انسپکٹر وجے ملہوترہ ہندوستانی تھا۔ اس کے چہرے پر کرختگی تھی اور انداز گفتگو میں بھی بڑی نخوت تھی۔ وہ مجھ سے اس طرح بات کررہا تھا جیسے ملزم میں ہی ہوں۔ میں اسے اندر لے آیا اور کمروں میں بکھرا ہوا سامان دکھانے لگا۔

"تم لوگ کہاں تھے؟" اس نے مجھے گھورتے ہوئے پوچھا اور پھر تھانے اور جانکی کی طرف دیکھنے لگا۔

"اپنے ایک جاننے والے کے ہاں گئے ہوئے تھے۔" میں نے جواب دیا۔

"کوئی چیز چوری تو نہیں ہوئی؟" دوسرا سوال تھا۔

"میرا خیال ہے نہیں۔"

سب انسپکٹر وجے ملہوترہ گھوم پھر کر جائزہ لیتا رہا پھر میرے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے بولا۔

"مسٹر وجدان۔ چند سال پہلے یہاں جو دُرگھٹنا ہوئی تھی مجھے اس کا افسوس ہے۔ میں اس زمانے میں دوسرے ڈسٹرکٹ میں تھا اور یہاں کا چارج انسپکٹر چیانگ شو کے پاس تھا۔ اس نے تمہیں ہیرو بنانے کی پوری کوشش کی تھی اور اب بھی وہ تم پر اپنا سایہ کیے ہوئے ہے لیکن میں ایک بات تمہیں ذہن نشین کرا دینا چاہتا ہوں کہ اس علاقے میں امن و امان قائم رکھنے کا ذمے دار میں ہوں۔ میں یہاں کسی قسم کی بدامنی پسند نہیں کروں گا لہٰذا اس قسم کے ڈرامے اب ختم ہوجانے چاہئیں۔"

"آفیسر۔" میرے قریب کھڑی ہوئی جانکی نے اسے گھورتے ہوئے کہا "تم سمجھتے ہو کہ یہ سب کچھ ہم نے خود کیا ہے اور۔۔۔"

"ایک منٹ!" میں نے جانکی کو مزید کچھ کہنے سے روک دیا اور سب انسپکٹر کی طرف متوجہ ہوگیا "میں نے پولیس کو ایک واردات کی اطلاع دی تھی۔ تم یہاں آگئے ہو تو یہ تمہاری بڑی مہربانی ہے۔ جو کارروائی کرنا چاہتے ہو کرو اور چلے جاؤ اور اس زعم میں مت رہنا کہ تم پولیس آفیسر ہو۔۔۔"

"مجھے دھمکی دے رہے ہو۔" ملہوترہ نے میری بات کاٹ دی۔ اس کا لہجہ کاٹ کھانے والا تھا۔

"نہیں۔ تمہیں تمہارا فرض یاد دلا رہا ہوں۔" میں نے سکون سے جواب دیا۔

اس وقت چاچا جگ جیت سنگھ نے بھی کچھ کہنا چاہا تھا میں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر خاموش کرا دیا۔

سب انسپکٹر ملہوترہ تقریباً آدھے گھنٹے تک مختلف کمروں کا جائزہ لیتا رہا۔ میں نے اسے پچھلا دروازہ بھی کھول کر دکھایا اور پھر پچھلی گلی سے ہوتا ہوا اپنی گلی کے اس موڑ پر آگیا جہاں میں نے وہ کار کھڑی دیکھی تھی۔

"تم نے کار کا نمبر تو نوٹ کیا ہوگا۔" ملہوترہ نے چبھتی ہوئی نظروں سے میری طرف دیکھا۔

"نہیں۔" میں نے جواب دیا "کار اس رخ پر کھڑی تھی کہ گلی سے اس کی نمبر پلیٹ دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ ویسے بھی فاصلہ زیادہ ہونے کے علاوہ یہاں اندھیرا بھی ہے اور مجھے یہ شبہ بھی نہیں ہوا تھا کہ یہ کار یہاں کیوں کھڑی ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" سب انسپکٹر ملہوترہ نے کہا "ہم دیکھیں گے کہ پولیس اس سلسلے میں کیا کرسکتی ہے اور ہاں۔۔۔ انسپکٹر چیانگ شو کے پاس فریاد لے کر جانے کی ضرورت نہیں۔ میں اپنے معاملات میں کسی کی مداخلت پسند نہیں کروں گا۔"

"ٹھیک ہے آفیسر۔" میں نے جواب دیا۔ میں بڑی مشکل سے ضبط کررہا تھا "میں کسی کے پاس فریاد لے کر نہیں جاؤں گا۔ ایک ذمے دار شہری ہونے کے ناتے میرا جو فرض تھا وہ میں نے ادا کردیا ہے۔ ویسے اس قسم کے معاملات سے نمٹنا میں بھی بہت اچھی طرح جانتا ہوں۔ آئندہ ایسی کوئی بات ہوئی تو میں پولیس کو زحمت نہیں دوں گا۔"

"اگر تم نے کسی موقع پر قانون کو ہاتھ میں لینے کی کوشش کی تو پچھتاؤ گے۔ میرا شمار ان پولیس آفیسرز میں ہوتا ہے جو رشوت، سفارش اور لحاظ سے کوسوں دور ہوتے ہیں۔"

"میں تمہیں شکایت کا موقع نہیں دوں گا آفیسر۔" میں نے کہا "تم نے یہاں تک آنے کی جو زحمت کی ہے اس کے لیے بہت شکریہ۔"

میں نے ملہوترہ سے ہاتھ ملانے کی ضرورت بھی نہیں سمجھی۔ چند لوگ اس وقت بھی گلی میں کھڑے تھے۔ میں ان سب کو نظرانداز کرتا ہوا اندر آگیا۔ چاچا جگ جیت سنگھ بھی میرے ساتھ ہی آیا تھا اور پھر ہم نے مل کر سامان سیٹ کرنا شروع کردیا۔

چار بج گئے۔ چاچا جگ جیت سنگھ اس دوران میں مسلسل سب انسپکٹر ملہوترہ کو برا بھلا کہتا رہا۔

"یہ سالا ہے ہی ایسا۔ بد دماغ اور بدتمیز۔" وہ کہہ رہا تھا۔ "سالا کہتا ہے میں سفارش اور رشوت نہیں مانتا۔ حقیقت یہ ہے کہ رشوت کے بغیر یہ کوئی کام ہی نہیں کرتا۔ ایک سال پہلے تک یہ انسپکٹر تھا۔ اپنی بددماغی اور بدتمیزیوں کی وجہ سے انسپکٹر کے عہدے سے ہاتھ دھو بیٹھا اور لگتا ہے کہ اب یہ اپنی نوکری سے بھی ہوجائے گا۔"

"ایسے لوگوں کے ساتھ تو یہی کچھ ہوتا ہے چاچا۔" میں نے گہرا سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔

چاچا جگ جیت سنگھ کے جانے کے بعد میں نے دروازہ بند کردیا۔ جانکی اور تھانی اپنے کمرے میں گھس گئیں اور میں اپنے کمرے میں آکر بستر پر لیٹ گیا اور دیر تک سب انسپکٹر ملہوترہ کے رویے کے بارے میں سوچتا رہا۔ وہ ایک پولیس آفیسر تھا۔ میں نے ایک واردات کی اطلاع دی تھی۔ شکایت سننا اور تحقیق و تفتیش کرنا اس کا فرض تھا لیکن اس کا طرز عمل ایسا تھا جیسے اس واردات کا ذمے دار میں ہی ہوں۔ اس کے علاوہ وہ بلاوجہ انسپکٹر چیانگ شو کا ذکر لے بیٹھا تھا۔ اس سے یہ اندازہ بھی ہوگیا تھا کہ وہ دوسرے آفیسروں سے جلتا تھا اور چیانگ شو سے تو وہ کچھ زیادہ ہی الرجک تھا۔ اس کے علاوہ اس نے مجھے بہت واضح الفاظ میں یہ دھمکی بھی دی تھی کہ میں قانون کو ہاتھ میں لینے کی کوشش نہ کروں۔

میں دیر تک ملہوترہ کے اس رویے کے بارے میں سوچتا رہا اور پھر نیند کی آغوش میں پہنچ گیا۔

○☆○

ڈائری میں نے اپنے قبضے میں لے لی تھی۔

اگرچہ میں نے اس ڈائری کو گھر پر ہی چھپایا تھا لیکن اس کے لیے ایسی جگہ کا انتخاب کیا تھا کہ کسی اجنبی کے لیے اسے تلاش کرنا ممکن نہیں تھا اور اس روز سے صورت حال میں بھی کچھ تبدیلی رونما ہونا شروع ہوگئی تھی۔

میں نے اگرچہ انسپکٹر چیانگ شو کو گزشتہ رات کے واقعے کے بارے میں آگاہ نہیں کیا تھا لیکن اگلے روز دوپہر کو وہ گھر پہنچ گیا تھا۔ اسے پولیس ہی کے کسی آدمی سے پتا چل گیا تھا کہ سب انسپکٹر ملہوترہ نے میرے ساتھ بدتمیزی کی تھی۔

"ملہوترہ کے بارے میں ہیڈ کوارٹر میں اور بھی بہت سی رپورٹس جمع ہوچکی ہیں۔ میرا خیال ہے کہ چند روز میں اس کے خلاف کوئی کارروائی ہونے والی ہے۔" چیانگ شو نے کہا۔

"اس کی گزشتہ رات والی حرکت پر مجھے کچھ اور شبہ ہونے لگا ہے۔" میں نے کہا۔

"مثلاً؟ کس قسم کا شبہ؟" چیانگ شو نے الجھی ہوئی نظروں سے میری طرف دیکھا۔

"گزشتہ رات جب میں نے پولیس اسٹیشن فون کیا تھا تو اس کے پانچ منٹ بعد ہی ملہوترہ یہاں پہنچ گیا تھا۔ جس کا مطلب تھا کہ وہ اس علاقے میں موجود تھا اور پولیس اسٹیشن سے ریڈیو پر اطلاع ملتے ہی یہاں آگیا تھا۔"

"یہ اتفاق بھی ہوسکتا ہے۔" چیانگ شو نے کہا "ممکن ہے وہ گشت پر اس علاقے میں موجود ہو اور اطلاع ملتے ہی پہنچ گیا ہو۔"

"لیکن اس نے جس طرح کی گفتگو کی تھی، اس سے شبہ ہوتا ہے کہ۔۔۔"

"اوکم آن بوائے۔" چیانگ شو نے میری بات کاٹ دی "تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ ملہوترہ ان لوگوں سے ملا ہوا ہے جنہوں نے تمہارے مکان کی تلاشی لی تھی اور ان لوگوں کو تحفظ فراہم کرنے کے لیے آس پاس موجود تھا۔"

"ہاں۔ مجھے کچھ ایسا ہی شبہ ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"ہوسکتا ہے۔" چیانگ شو سر ہلاتے ہوئے بولا "ممکن ہے تمہارا شبہ درست ہو۔ میں اس سلسلے میں اپنے طور پر معلومات حاصل کرنے کی کوشش کروں گا۔ بہرحال، تم لوگوں کو اب محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔ اگر کوئی بات ہو تو اسے چھپانے کی کوشش مت کرو۔ مجھے اطلاع دے دینا۔"

انسپکٹر چیانگ شو چلا گیا۔

ایک دو روز اور گزر گئے اور پھر مجھے یہ شبہ ہونے لگا کہ میری نگرانی کی جارہی ہے۔ نگرانی کرنے والا کوئی شخص اگرچہ نظروں میں نہیں آسکا تھا مگر یہ احساس قوی تر ہوتا جارہا تھا کہ میں جہاں بھی ہوجاتا ہوں، کسی کی نظروں میں رہتا ہوں۔ جانکی نے بھی ایسے ہی شبے کا اظہار کیا تھا۔ وہ سودا سلف لینے کے لیے روزانہ صبح مارکیٹ جاتی تھی۔ اسے بھی یوں لگتا تھا جیسے اس کی نگرانی کی جارہی ہو مگر کوئی مشتبہ شخص اس کی نظروں میں نہیں آیا تھا۔

دو تین روز اور گزر گئے۔ اس دوران میں ایک مرتبہ اور چاچی رجنی کے ہاں بھی گیا تھا۔ اس سے اگلے روز رات گیارہ بجے کے قریب فون کی گھنٹی بجی تو ریسیور میں نے ہی اٹھایا تھا۔ اس وقت جگ جیت سنگھ اور اس کے گھر والے بھی ہمارے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔

وہ کال ارملا کی تھی اور اس نے جو اطلاع دی تھی وہ بڑی سنسنی خیز تھی۔ اس کا شوہر سنت سنگھ زخمی حالت میں کان ڈانگ اسپتال میں پڑا تھا۔

میں فون بند کرکے فوراً ہی اسپتال جانے کو تیار ہوگیا۔ جگ جیت سنگھ بھی میرے ساتھ جانے کو تیار تھا۔ یوں تو جانکی وغیرہ بھی جانے کو تیار تھیں مگر میں نے انہیں روک دیا اور انہیں ہدایت کردی کہ یا تو وہ امرتا کور اور نرنجن کے ساتھ ان کے گھر چلی جائیں یا ہماری واپسی تک انہیں اپنے پاس بٹھائیں رکھیں۔

کار کا اسٹیئرنگ جگ جیت سنگھ نے سنبھال لیا۔ کان ڈانگ اسپتال مین سیرانگون روڈ کے آس پاس ہی تھا۔ جگ جیت سنگھ راستوں سے اچھی طرح واقف تھا۔ اگر ہم سیرانگون روڈ کی طرف سے جاتے تو لمبا راستہ پڑتا۔ تماروڈ پر نہر کا پل پار کرتے ہی اس نے کارفوڈ سینٹر مارکیٹ کے قریب سے بکٹ روڈ پر موڑ لی اور پھر ایک ذیلی سڑک سے ہوتے ہوئے ہم اسپتال کے سامنے پہنچ گئے۔

سنت سنگھ ایمرجنسی روم میں تھا۔ ارملا اور چاچی رجنی سے ہماری ملاقات ویٹنگ روم ہی میں ہوگئی۔ وہ دونوں رو رہی تھیں۔

"کیا ہوا چاچی۔" میں نے قریب پہنچ کر کہا "سنت سنگھ کیسے زخمی ہوا۔ کوئی حادثہ۔۔۔"

"حادثہ نہیں پتر اسے مارا پیٹا گیا ہے۔" چاچی رجنی نے اپنی کیفیت پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"مارا پیٹا ہے۔" میں چونک گیا "کسی سے جھگڑا ہوا تھا۔ کون تھے وہ لوگ؟"

"سنت سنگھ کا کبھی کسی سے جھگڑا نہیں ہوا۔" رجنی نے بتایا۔ "شام سات بجے کے قریب دو آدمی اسے بلا کر لے گئے تھے۔ اس کے بعد وہ واپس نہیں آیا۔ ہم نے اس کے دوستوں سے معلوم کیا لیکن کسی کو اس کا پتا نہیں تھا۔ تقریباً ایک گھنٹا پہلے میں اور ارملا دروازے میں کھڑی تھیں کہ لال رنگ کی ایک کار ہمارے قریب آکر رکی۔ دروازہ کھول کر دو آدمیوں نے سنت سنگھ کو باہر پھینک دیا اور کار تیزی سے آگے چلی گئی۔

"سنت سنگھ خون میں لت پت اور بے ہوش تھا۔ اسے دیکھ کر ہماری چیخیں نکل گئیں۔ ہمارے رونے پیٹنے کی آواز سن کر گلی کے لوگ جمع ہوگئے اور سنت سنگھ کو گاڑی میں ڈال کر یہاں پہنچا دیا۔ وہ ہوش میں آگیا ہے۔ وہ بار بار یہی کہہ رہا ہے کہ تمہیں بلائیں۔ اندر ایمرجنسی روم میں پڑا ہے۔ ڈاکٹر اور پولیس والے ہمیں اس سے ملنے نہیں دیتے۔ جاؤ پتر۔ تم دیکھو اسے کیا ہوا ہے۔ ظالموں نے مار مار کر اس کی کیا حالت کردی ہے۔"

"پریشان مت ہو چاچی۔ میں دیکھتا ہوں اور ارملا۔ تم حوصلہ رکھو۔ سب ٹھیک ہوجائے گا۔" میں نے کہا اور ویٹنگ روم سے نکل کر ایمرجنسی روم کی طرف چل پڑا۔ جگ جیت سنگھ بھی میرے ساتھ تھا۔

ایمرجنسی روم میں دو ڈاکٹروں کے علاوہ دو پولیس والے بھی موجود تھے۔ ان میں ایک تو نچلے درجے کے رینک کا آفیسر تھا اور دوسرا کانسٹیبل۔ سنت سنگھ لمبی سی ٹیبل پر پڑا ہوا تھا۔ اس کی حالت خاصی تشویش ناک تھی۔ چہرے پر کرب کے آثار نمایاں تھے۔

"کیا ہوا سنت سنگھ۔ کون تھے وہ لوگ؟" میں نے قریب پہنچ کر پوچھا اور اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔

سنت سنگھ کراہ اٹھا۔ میں نے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔ وہ ڈاکٹر اور پولیس والوں کی طرف دیکھنے لگا۔ میں ایک ڈاکٹر کی طرف متوجہ ہوگیا اور اس سے سنت سنگھ کے بارے میں پوچھنے لگا۔

"ایک ٹانگ اور دائیں بازو کی ہڈیاں ٹوٹ گئی ہیں۔ جسم کے دوسرے حصوں پر بھی چوٹیں آئی ہیں۔ ایکسرے لے لیے گئے ہیں۔ رپورٹ کا انتظار ہے۔" ڈاکٹر نے جواب دیا۔

میں پولیس آفیسر سے بات کرنے لگا۔ انہوں نے ابھی تک سنت سنگھ کا بیان نہیں لیا تھا۔

"میں اپنے دوست سے تنہائی میں بات کرنا چاہتا ہوں آفیسر اگر آپ اجازت دیں تو۔۔۔"

"کیوں نہیں۔" پولیس آفیسر نے جواب دیا اور اپنے ماتحت کے ساتھ کمرے سے باہر چلا گیا۔

دونوں ڈاکٹر بھی باہر چلے گئے تو میں سنت سنگھ کے قریب آگیا۔

"کیا معاملہ ہے۔ کون تھے وہ لوگ سنت سنگھ۔" میں نے پوچھا۔

"وہ دو آدمی تھے جو مجھے گھر سے بلا کر دھوکے سے لے

گئے تھے۔" سنت سنگھ نے جواب دیا "گردوارے والی گلی کے موڑ پر ایک سرخ رنگ کی کار کھڑی تھی جس میں ایک چینی پہلے ہی سے بیٹھا ہوا تھا۔ میرے ساتھ آنے والوں میں سے ایک نے اچانک ہی پستول نکال کر میرے پہلو سے لگا دیا اور مجھے زبردستی کار میں بٹھا دیا۔ وہ دونوں بھی میرے دائیں بائیں بیٹھ گئے اور کار حرکت میں آگئی۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوگیا۔ اسے بولنے میں تکلیف ہورہی تھی۔ چند لمحوں کی خاموشی کے بعد اس نے پھر کہنا شروع کیا "پہلے وہ لوگ مجھے کنگ لی روڈ' کمپونگ جاوا روڈ اور اس کے آس پاس کی چھوٹی سڑکوں پر گھماتے رہے اور تمہارے بارے میں پوچھتے رہے۔ کار ڈرائیو کرنے والے چینی نے کہا تھا کہ تم نے کئی سال پہلے خشونت سنگھ کو ایک ڈائری دی تھی اگر میں وہ ڈائری تلاش کرکے ان کے حوالے کردوں تو وہ مجھے نہ صرف کوئی نقصان پہنچائے بغیر چھوڑ دیں گے بلکہ ایک معقول رقم بھی انعام میں دیں گے۔ میں ڈائری کے بارے میں لاعلمی کا اظہار کرتا رہا پھر وہ لوگ دھمکیوں پر اتر آئے۔" وہ ایک بار پھر خاموش ہوگیا۔ اس کے چہرے پر تکلیف کے آثار بڑھ گئے تھے۔ وہ چند لمحے گہرے گہرے سانس لیتا رہا پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا۔

"نیوٹن روڈ پر پہنچ کر انہوں نے میری آنکھوں پر پٹی باندھ دی۔ مزید آدھے گھنٹے تک سڑکوں پر گھماتے رہے پھر ایک جگہ کار رک گئی اور مجھے اتار لیا گیا۔ کار کسی بنگلے کے کمپاؤنڈ میں رکی تھی۔ انہوں نے میری آنکھوں کی پٹی کھول دی۔ میں اس جگہ کا صحیح اندازہ تو نہیں لگا سکا لیکن وہاں سے کچھ دور رائل ہوٹل کا نیون سائن نظر آرہا تھا۔ وہ لوگ مجھے فوراً ہی اندر لے گئے۔

"اس بنگلے میں دو آدمی پہلے ہی سے موجود تھے۔ ایک تو کوئی ہندو پنڈت تھا اور دوسرا شاید مسلمان تھا۔ اس نے داڑھی اور مونچھیں رکھی ہوئی تھیں۔"

سنت سنگھ نے داڑھی والے اور چینی کار ڈرائیور کا جو حلیہ بتایا' اس سے مجھے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ وہ دارا اور چی فانگ تھے اور ہندو پنڈت کا جو حلیہ بتایا وہ سوتی صد اس پجاری کا تھا جسے میں نے کالی کے مندر کے سامنے دارا کے ساتھ کار میں بیٹھتے ہوئے دیکھا تھا۔

"وہ مجھے تہ خانے میں لے گئے۔" سنت سنگھ کہہ رہا تھا "پہلے تو مجھے لالچ دیا گیا کہ میں ڈائری کے بارے میں بتا دوں پھر دھمکیاں دیں اور اس کے بعد مجھ پر تشدد کیا جانے لگا۔ میں جانتا تھا کہ تم ڈائری لے جاچکے ہو۔ اگر میں انہیں بتا دیتا تو وہ تمہارے پیچھے لگ جاتے اور تمہیں مار ڈالتے لیکن میرا خیال ہے تمہارے پیچھے تو وہ اب بھی لگے ہوئے ہیں مگر میں نے انہیں کچھ نہیں بتایا۔ وہ دونوں آدمی جو مجھے گھر سے بلا کر لائے تھے' ہندو تھے۔ وہ مجھے بے تحاشا پیٹتے رہے۔ لوہے کے سریے سے مجھے مارا پیٹا گیا۔ میری ٹانگ اور بازو کی ہڈیاں تو یقیناً ٹوٹ چکی ہیں۔ تم میری حالت دیکھ رہے ہو۔ مجھے یقین ہے کہ جسم کی کئی اور ہڈیاں بھی کریک ہوئی ہوں گی۔"

"یہ تم نے کیا کیا سنت سنگھ۔" میں نے کہا "تم بتا دیتے کہ میں ڈائری لے جاچکا ہوں۔ تمہیں اتنی تکلیف تو نہ اٹھانی پڑتی۔"

"کیسے بتا دیتا۔" سنت سنگھ نے کہا "میں نے ارملا کے ساتھ گردوارے جاکر گرنتھ صاحب (سکھوں کی مذہبی کتاب) پر ہاتھ رکھ کر قسم کھائی تھی کہ ڈائری کے بارے میں کسی کو نہیں بتاؤں گا۔"

"ہندو پنڈت' چینی اور داڑھی والے کے بارے میں تو میں سمجھ گیا ہوں کہ وہ کون ہیں۔ وہ دونوں ہندو کون تھے جو تمہیں گھر سے لے گئے تھے؟" میں نے پوچھا۔ ویسے میں سنت سنگھ کے کردار سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ اس نے اپنی ہڈیاں تڑوالی تھیں مگر ڈائری کے بارے میں زبان نہیں کھولی تھی۔

"غنڈے ہی تھے۔" سنت سنگھ نے گہرا سانس لیتے ہوئے جواب دیا "یہ ہندو تو جہاں جاتے ہیں گند ہی پھیلاتے ہیں۔ یہاں بھی زیادہ تر یہی لوگ جرائم میں ملوث پائے جاتے ہیں۔ چینی غنڈوں کے ساتھ مل کر ان کے حوصلے کچھ اور بڑھ گئے ہیں۔"

"اس کار کے بارے میں کچھ یاد ہے؟" میں نے پوچھا۔

"وہ سرخ رنگ کی کار تھی۔" سنت سنگھ نے جواب دیا "جب وہ مجھے گھر سے بلا کر کار کی طرف لائے تھے تو میں نے اس کار کا نمبر دیکھ لیا تھا۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا اور پھر کار کا نمبر بتا دیا جسے میں نے ذہن نشین کرلیا۔

"تمہیں چھوڑ دینے کا مطلب ہے کہ انہوں نے تمہاری باتوں کا یقین کرلیا تھا۔" میں نے کہا۔

"میری باتوں کا یقین نہیں کیا تھا بلکہ انہوں نے مجھے مردہ سمجھ کر پھینک دیا تھا۔" سنت سنگھ نے جواب دیا "میں ان کی مار کھاتے ہوئے۔۔۔۔۔ دو مرتبہ بے ہوش ہوا تھا اور دونوں مرتبہ میرے اوپر پانی پھینک کر مجھے ہوش میں لے آئے تھے۔ تیسری مرتبہ بے ہوش ہوا تو شاید وہ دھوکا کھا گئے تھے اور مجھے مردہ سمجھ لیا گیا تھا کیونکہ بہت دور کی کوئی آواز

میرے لاشعور سے ٹکرائی تھی جیسے کوئی کہہ رہا ہو "مرگیا سالا۔ اس کی لاش اس کے گھر کے سامنے لے جاکر پھینک دو۔" اور اس کے بعد واقعی میرے حواس شاید سوگئے تھے۔ ہوش آیا تو یہاں پڑا ہوا تھا۔"

"تم نے پولیس کو ابھی بیان تو نہیں دیا۔" میں نے پوچھا۔

"نہیں۔ ابھی تک میں نے پولیس کو کچھ نہیں بتایا۔" اس نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے سنت سنگھ۔" میں نے کہا "تم نے مجھے بچانے کے لیے اتنی بڑی قربانی دی جسے میں فراموش نہیں کرسکتا۔ بہرحال، پولیس تمہارا بیان لینا چاہتی ہے۔ جو کچھ ہورہا ہے سب کچھ بتادو لیکن کار کا نمبر۔"

"نہیں بتاؤں گا۔" سنت سنگھ نے کراہتے ہوئے کہا۔

میں اس سے کچھ اور بھی پوچھتا لیکن اس وقت دونوں ڈاکٹر کمرے میں آگئے۔ ان میں ایک کے ہاتھ میں ایکسرے فلمیں تھیں۔

"اب آپ باہر جائیے پلیز۔" ایک ڈاکٹر نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا "آپ ویٹنگ روم میں جاکر بیٹھیے۔ آپ کی ضرورت ہوگی تو بلالیا جائے گا۔"

میں خاموشی سے کمرے سے نکل آیا۔ دونوں پولیس والے باہر کھڑے تھے اور چاچا جگ جیت سنگھ بھی۔ میں چاچا کو اشارہ کرتا ہوا ویٹنگ روم میں آگیا جہاں چاچی رجنی اور ارملا بیٹھی ہوئی تھیں۔ ارملا اب بھی رو رہی تھی۔ میں اس کے قریب بیٹھ گیا اور اسے تسلی دینے لگا۔

سنت سنگھ کو اس طرح اسپتال چھوڑ کر چلے جانا مناسب نہیں تھا۔ اس لیے میں نے فون پر تھائی اور جانگی کو بتادیا کہ میری واپسی دیر میں ہوگی۔ وہ لوگ محتاط رہیں۔

تین بجے کے قریب ایک نرس مجھے بلا کرلے گئی۔

سنت سنگھ آپریشن ٹیبل پر بے ہوش پڑا تھا۔ اس کے دائیں بازو اور ایک ٹانگ پر پلستر چڑھا ہوا تھا۔ سینے اور کندھے پر بھی کریپ بینڈیج لگی ہوئی تھی۔

سنت سنگھ کو ایک کمرے میں منتقل کردیا گیا۔ اس کے ہوش میں آنے سے پہلے ظاہر ہے اس کا بیان نہیں لیا جاسکتا تھا۔ پولیس آفیسر کانسٹیبل کو چھوڑ کر چلا گیا۔

ہم میں سے کسی کے وہاں رہنے کی ضرورت نہیں تھی مگر ارملا وہاں رہنے پر بضد تھی لہٰذا اسے وہیں چھوڑ کر ہم اسپتال سے باہر آگئے۔ پہلے چاچی رجنی کو اس کے گھر پر چھوڑا اور پھر میں اور جگ جیت سنگھ اپنے گھر کے لیے روانہ ہوگئے۔ سنت سنگھ کا کزن ان کے گھر آچکا تھا اس لیے مجھے چاچی اور ارملا کے بچوں کی بھی زیادہ فکر نہیں تھی۔

لیکن سنت سنگھ کے بارے میں پریشانی ضرور تھی۔ چی فانگ وغیرہ نے اسے مردہ سمجھ کر پھینک دیا تھا۔ اگر انہیں پتا چل گیا تو وہ اسے ختم کرنے کی کوشش کریں گے۔ مجھے یاد تھا۔ چاچا پرتاب سنگھ کا باڈی گارڈ سوتر سنگھ ہماری حفاظت پر مامور تھا۔ ایک رات دارا کے آدمیوں نے ہمارے مکان پر حملہ کردیا تھا۔ جس میں سوتر سنگھ زخمی ہوکر اپنی یادداشت کھوبیٹھا تھا اور دارا نے جعلی نرس کے ذریعے زہر کا انجکشن لگوا کر اسے اسپتال ہی میں ختم کروادیا تھا اور اب مجھے شبہ تھا کہ اگر انہیں سنت سنگھ کے زندہ ہونے کا پتا چل گیا تو وہ اسے بھی ختم کروانے کی کوشش کریں گے۔

صبح ہوتے ہی میں نے انسپکٹر چیانگ شو کو صورت حال سے آگاہ کردیا اور اسے سرخ کار کا نمبر بھی بتا دیا جس میں سنت سنگھ کو اغوا کرکے لے جایا گیا تھا۔ اس روز دوپہر کے بعد میں خود بھی اسپتال پہنچ گیا تھا۔ میرے ساتھ جانگی اور تھائی بھی تھی۔

اسپتال میں رجنی اور ارملا بھی موجود تھیں۔ سنت سنگھ کی حالت دیکھ کر اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ وہ کم از کم تین مہینوں تک بستر سے نہیں اٹھ سکے گا۔ گھر کا سارا خرچ وہی چلاتا تھا اب یہ میری ذمے داری تھی کہ میں انہیں مالی معاملات میں پریشان نہ ہونے دوں۔ لہٰذا اسپتال کے اخراجات کے علاوہ میں نے گھر کے اخراجات کی ذمے داری بھی سنبھال لی۔

اس سے اگلے روز اسپتال سے واپس آتے ہوئے میرا یہ شبہ یقین میں بدل گیا کہ ہماری نگرانی ہورہی ہے۔ وہ نیلے رنگ کی فیاٹ کار تھی۔ جو اسپتال سے نکلتے ہی ہمارے پیچھے لگ گئی تھی۔

تھائی اس وقت ڈرائیونگ کررہی تھی۔ جانگی اس کے ساتھ پسنجرز سیٹ پر بیٹھی ہوئی تھی اور میں پچھلی سیٹ پر تھا۔ میں نے ان دونوں کو اس کار کے بارے میں بتادیا۔

ہماری کار اس وقت لیونڈر سے ہوتی ہوئی وکٹوریا اسٹریٹ پر آچکی تھی۔ میرے کہنے پر تھائی نے کار کو پین آئی لینڈ ایکسپریس وے کی طرف موڑ دیا۔ یہ سڑک چانگئی ائرپورٹ کی طرف چلی گئی تھی۔

میں نے دیکھ لیا تھا کہ ہمارا تعاقب کرنے والی کار میں صرف دو آدمی تھے اور میں نے ان سے نمٹنے کا فیصلہ کرلیا تھا اور اس مقصد کے لیے شہر کا بیرونی علاقہ ہی مناسب تھا۔ اس لیے میں شہر سے باہر کا رخ اختیار کررہا تھا۔

کار ایئر نارتھ چانگئی روڈ پر آگئی اور چانگئی جیل کے سامنے سے گزرتے ہوئے ہم لوپانگ ایونیو والی سڑک پر آگئے۔ ہمارے دائیں طرف چانگئی انٹرنیشنل ائرپورٹ تھا اور یہ سڑک چانگئی اسپتال، چانگئی گولف کورس اور چانگئی ویلج سے ہوتی ہوئی چانگئی سیلنگ کلب تک چلی گئی تھی۔ اگر ہم چاہتے تو ائرپورٹ کے اوپر سے گھوم کر ساحل کے ساتھ ساتھ کھمل روڈ پر ہوتے ہوئے فیبری ٹرمینل کی طرف جاسکتے تھے اور ایسٹ کوسٹ روڈ سے ہوتے ہوئے.....

دوبارہ شہر کے مرکزی علاقے کی طرف آسکتے تھے مگر میرا خیال ہے کہ ان لوگوں سے نمٹنے کے لیے جگہ کی تلاش میں ہمیں اتنا طویل چکر کاٹنے کی ضرورت نہیں تھی۔ ہمارے مقصد کے لیے گولف کورس بہترین جگہ تھی۔

لوپانگ ایونیو والی سڑک پر چانگئی ویلج کی طرف مڑتے ہی بائیں طرف گولف کورس شروع ہوجاتا تھا۔ کچھ آگے جانے کے بعد میں نے تھائی کو اشارہ کیا۔ اس نے کار کچے میں اتاردی۔ پورا خطہ سرسبز گھاس سے اٹا ہوا تھا۔ زمین اونچی نیچی اور ناہموار تھی۔ کار اچھلتی ہوئی جارہی تھی۔ میں نے غیر محسوس انداز میں پیچھے مڑکر دیکھا۔ وہ نیلی فیاٹ بھی سڑک سے اتر کر ہمارے پیچھے ہی آرہی تھی۔ گویا اب وہ لوگ کھل کر سامنے آگئے تھے۔

میں نے تھائی کو اشارہ کیا۔ اس نے پام کے درختوں کے ایک جھنڈ کے قریب کار روک لی اور انجن بند کردیا۔ میں اپنی طرف کا دروازہ کھول کر نیچے اتر آیا اور آگے جاکر بونٹ کھول دیا۔

وہ گاڑی ہم سے تقریباً بیس گز پیچھے رک گئی۔ وہ دونوں آدمی نیچے اتر آئے۔ ان میں سے ایک تو کار سے ٹیک لگا کر کھڑا ہوگیا اور دوسرا ہماری طرف آنے لگا۔ اس کا سیدھا ہاتھ پتلون کی جیب میں تھا۔

وہ دونوں ہندوستانی تھے۔ ہمارا تعاقب کرنے کے بعد جس انداز میں انہوں نے کار روکی تھی۔ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ ان کی نیت اچھی نہیں تھی اور ان کے پاس یقیناً پستول بھی ہوں گے۔

سنگاپور جیسی جگہوں پر پستول وغیرہ کا حصول کوئی مشکل بات نہیں تھی لیکن میں نے ایسی کوئی کوشش ہی نہیں کی تھی۔ البتہ ایک عدد خنجر کا انتظام کرلیا تھا جو حسب معمول میری پنڈلی سے بندھا ہوا تھا۔ اس وقت میں نے پتلون بھی کھلے پائنچے کی پہن رکھی تھی اور خنجر نکالنا زیادہ مشکل نہیں تھا۔

اس وقت شام کا دھندلکا پھیل چکا تھا۔ گولف کورس ویران تھا البتہ دور ایک طرف میریڈین چانگئی ہوٹل اور دوسری طرف چانگئی اسپتال کی عمارت پر جگمگاتے نیون سائن نظر آرہے تھے۔

وہ آدمی میرے قریب پہنچ رہا تھا۔ وہ شکل ہی سے چھٹا ہوا بدمعاش لگ رہا تھا۔ اتنے میں جانگی بھی کار سے اتر کر میرے قریب آگئی۔

"ان کے ارادے کچھ اچھے نہیں لگتے۔" جانگی نے سرگوشی کی۔

"مجھے اندازہ ہوگیا ہے اسی لیے میں اس طرف آیا ہوں۔" میں نے بھی سرگوشی میں جواب دیا۔

"ہیلو۔" وہ شخص ہمارے قریب آکر بولا "گاڑی خراب ہوگئی۔ میری مدد کی ضرورت ہو تو....."

"شکریہ۔" میں نے خشک لہجے میں جواب دیا "ہمیں کسی کی مدد کی ضرورت نہیں۔ گاڑی میں کوئی خرابی نہیں ہے۔"

"اوہ سمجھ گیا۔" وہ معنی خیز انداز میں جانگی کی طرف دیکھتے ہوئے بولا "تم تو جان بوجھ کر اس ویرانے میں آئے ہو۔ میں تمہارا مقصد سمجھ گیا ہوں۔ مجھے حیرت ہے کہ تم دو دو عورتوں کے ساتھ کیسے نمٹ رہے ہو۔ ویسے دونوں ہیں بڑی زوردار۔ اگر تمہاری گاڑی میں کوئی خرابی نہیں ہے تو کیا ہوا۔ کوئی خرابی پیدا کرنے میں کتنی دیر لگتی ہے۔"

اس نے پتلون کی جیب سے ہاتھ نکال لیا۔ اس کے ہاتھ میں پکڑے ہوئے پستول پر سائلنسر لگا ہوا تھا۔ اس سے پہلے کہ میں کچھ بولتا اس نے پستول کا رخ اگلے ٹائر کی طرف کرکے ٹریگر دبادیا۔

ٹائر پھٹنے کا دھماکا زیادہ زوردار نہیں تھا۔ جانگی اچھل کر پیچھے ہٹ گئی۔ اس کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی تھی۔

"اب تو گاڑی خراب ہوگئی نا۔" وہ میری طرف دیکھتے ہوئے بولا "شہر یہاں سے بہت دور ہے۔ اس طرف کوئی ٹیکسی ملنے کا بھی امکان نہیں ہے۔ میں تمہیں اپنی کار میں لفٹ دے سکتا ہوں۔ صرف تمہیں۔ ان دونوں کو چھوڑنے کا دل تو نہیں چاہتا لیکن ہماری گاڑی میں زیادہ گنجائش نہیں ہے۔ انہیں تو سڑک پر کوئی بھی لفٹ دے دے گا مگر مسئلہ تمہارا ہے۔ تم میرے ساتھ چلو۔"

"میرے خیال میں تم سے بڑا احمق اس دنیا میں کوئی اور نہیں ہوگا۔" میں نے پرسکون لہجے میں جواب دیا "تم کیا سمجھے تھے کہ ہم بے خبری میں تمہارے ہاتھ لگ گئے ہیں۔ میں نے

تو تمہاری کار کو اس وقت دیکھ لیا تھا جب اسپتال سے تم لوگوں نے ہمارا تعاقب شروع کیا تھا۔ ہم تو جان بوجھ کر اس طرف آئے تھے تاکہ کسی پرسکون جگہ پر تم لوگوں سے نمٹا جاسکے اور میرے خیال میں اس مقصد کے لیے اس سے بہتر کوئی اور جگہ نہیں ہوسکتی۔ دور دور تک کوئی نہیں ہے۔ اس طرح کسی کی مداخلت کا اندیشہ بھی نہیں ہے۔"

"اوہ!" اس شخص کے چہرے پر ایک رنگ سا آکر گزر گیا لیکن اس نے فوراً ہی اپنی کیفیت پر قابو پالیا "ایسا کرکے تم نے بہت بڑی غلطی کی ہے لیکن اب بہتر یہی ہے کہ تم خاموشی سے ہمارے ساتھ چل پڑو اور یہ تو تم دیکھ ہی رہے ہو کہ میرا پستول شور مچانا پسند نہیں کرتا۔ چلو۔ آگے بڑھو۔ ورنہ میں ٹریگر دبانے میں ذرا بھی نہیں ہچکچاؤں گا۔"

"مجھ سے واقعی غلطی ہوگئی۔" میں نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا "مجھے معلوم نہیں تھا کہ تم لوگ اس طرح مسلح ہوگے۔ اب تمہارے حکم پر عمل کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں اور تم لوگ۔" میں جانگی کی طرف مڑ گیا۔

"مجبوری ہے ڈیئر۔ مجھے ان لوگوں کے ساتھ جانا ہی پڑے گا۔ تم لوگ سڑک پر چلی جانا۔ کسی نہ کسی گاڑی میں لفٹ مل جائے گی۔"

"تم تو بہت بزدل نکلے۔" وہ شخص بولا "ہم نے تو سنا تھا کہ تم بہت خوفناک قسم کے آدمی ہو۔ تھائی لینڈ میں تم نے بڑے نامی گرامی غنڈوں کو انگلیوں پر نچا رکھا تھا مگر شاید وہ سب فرضی داستانیں تھیں۔ بہرحال اب واقعی تم پھنس گئے ہو۔ اس ویرانے میں کوئی تمہاری مدد کو بھی نہیں آئے گا۔ چلو۔ اب ہمارے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔"

میں کار کے سامنے سے گھوم کر ڈرائیونگ سائڈ والے دروازے کے قریب سے گزر گیا۔ میرا انداز ایسا تھا جیسے میں نے اس کے سامنے واقعی ہتھیار ڈال دیے ہوں۔ میں کار کے پچھلی نشست والے دروازے کے قریب پہنچ چکا تھا۔ وہ شخص مجھ سے دو قدم پیچھے تھا۔ وہ جیسے ہی ڈرائیونگ سائڈ والے دروازے کے قریب پہنچا اندر بیٹھی ہوئی تھائی نے دروازے کو پوری قوت سے باہر کی طرف دھکا دیا۔

کار کا دروازہ اس شخص کی ٹانگ پر لگا۔ وہ کراہتا ہوا۔ لڑکھڑا گیا۔ اس سے پہلے کہ وہ سنبھلتا، میں نے بڑی تیزی سے گھوم کر اسپن کک لگادی۔ کک اس کے بازو پر کہنی سے ذرا اوپر لگی۔ وہ بلبلاتا ہوا دوسری طرف الٹ گیا۔ پستول ابھی تک اس کے ہاتھ میں ہی تھا۔ اس نے نیچے گرتے ہی سنبھلنے کی کوشش کرتے ہوئے ٹریگر دبادیا۔ ایک شعلہ سا چمکا۔ گولی کار کے پچھلے دروازے کا شیشہ توڑتی ہوئی نکل گئی لیکن اسے دوسری گولی چلانے کا موقع نہیں مل سکا۔ جانگی کسی پرندے کی طرح اڑتی ہوئی اس کے اوپر آن گری تھی۔

جانگی نے کسی ریسلر کی طرح ہی اس پر چھلانگ لگائی تھی۔ اس کی کہنی کا وار اس شخص کے کندھے پر لگا۔ وہ بلبلا اٹھا۔ اس مرتبہ پستول اس کے ہاتھ سے نکل کر دور جا گرا۔ تھائی شاید تاک میں بیٹھی تھی۔ اس نے کار میں سے چھلانگ لگادی اور پستول اٹھالیا۔

اسی دوران میں دوسرا آدمی چیختا ہوا ہماری طرف لپکا۔ اس کے ہاتھ میں خنجر تھا۔ تھائی تیزی سے اس طرف گھوم گئی۔

"گولی مت چلانا تھائی۔" میں چیخا اور آنے والے سے نمٹنے کے لیے تیار ہوگیا۔

وہ شخص اڑیل بیسلے کی طرح ڈکراتا ہوا آرہا تھا۔ میں اطمینان سے اپنی جگہ پر کھڑا رہا اور وہ جیسے ہی قریب پہنچا میں بڑی پھرتی سے نیچے گر گیا اور اپنی ایک ٹانگ اس کی ٹانگوں میں پھنسا دی۔ وہ نیچے گرا اور قلابازیاں کھاتا ہوا دور تک لڑھکتا چلا گیا۔ خنجر اب بھی اس کے ہاتھ ہی میں تھا۔ میں اس کی طرف لپکا لیکن وہ بڑی پھرتی سے اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔ اس نے خنجر والا ہاتھ آگے نکال لیا۔ چند لمحے وہ خنجر کو میرے سامنے مخصوص انداز میں حرکت دیتا رہا پھر ہاتھ سر سے بلند کرکے وار کردیا۔ میں نے سینرز ہینڈ ڈیفنس کی ٹیکنیک استعمال کرتے ہوئے بڑی تیزی سے دونوں بازوؤں کو کراس کی صورت میں ملالیا۔ اس کی کلائی میرے دونوں بازوؤں کے جوڑ پر آگئی۔ میں نے بڑی پھرتی سے مٹھیاں بھینچ لیں اور دونوں ہاتھوں کی پشت کو آپس میں ملالیا۔ اس طرح اس شخص کی کلائی میرے بازوؤں کے شکنجے میں پھنس چکی تھی۔

یہ ٹیکنیک میں نے اس سے پہلے شاؤلن ٹیمپل میں ماسٹر لیشی یان کے ساتھ ٹریننگ میں ہی استعمال کی تھی۔ حقیقی لڑائی کا یہ پہلا موقع تھا اور میں نے اس ٹیکنک کے استعمال میں کوئی غلطی نہیں کی تھی۔

خنجر آگے میرے چہرے کی طرف نکلا ہوا تھا اور وہ شخص اپنے ہاتھ کو پوری قوت سے جھٹکے دے رہا تھا مگر میرے اس شکنجے سے تو ماسٹر لیشی یان بھی اپنا ہاتھ نہیں چھڑا سکا تھا اور یہ تو ایک معمولی بازاری غنڈا تھا جو مارشل آرٹس کی ابجد سے بھی واقف نہیں تھا۔

وہ خاصا طاقت ور تھا لیکن ہر جگہ طاقت کام نہیں کرتی۔ طاقت کے استعمال کے ساتھ کسی ٹیکنیک کی بھی ضرورت ہوتی ہے اور وہ بغیر کسی ٹیکنیک کے طاقت کا مظاہرہ کررہا تھا۔

اس کے چہرے کا رنگ بدلنے لگا۔ اب کرب کے آثار نمایاں ہونے لگے تھے۔ میں نے اپنا شکنجہ تھوڑا سا کسا۔ اس کی انگلیاں کھل گئیں اور خنجر اس کے ہاتھ سے نکل کر ہم دونوں کے درمیان زمین پر گر گیا۔

وہ شخص اب باقاعدہ چیخنے لگا تھا۔ میں نے زوردار جھٹکا دے کر اس کی کلائی چھوڑ دی۔ وہ لڑکھڑاتا ہوا زمین پر گرا اور دوسرے ہاتھ سے مجروح کلائی پکڑ کر زور زور سے چیخنے دینے لگا۔

میں نے جانگی کی طرف دیکھا۔ وہ دوسرے حملہ آور سے بہت خوبی سے نمٹ رہی تھی۔ جانگی نے میرے ساتھ شاؤلن ٹیمپل میں جو ٹریننگ کی تھی، وہ اس کے کام آرہی تھی۔

یہ دونوں بازاری غنڈے تھے۔ اسٹریٹ فائٹنگ میں تو ماہر ہوسکتے تھے لیکن مارشل آرٹس سے واقف نہیں تھے۔ ایک میرے ہاتھوں کلائی کی ہڈی تڑوا بیٹھا تھا اور دوسرا جانگی کے ہاتھوں پٹ رہا تھا۔

گولف کورس میں جس جگہ یہ ہنگامہ ہورہا تھا سڑک وہاں سے تقریباً سو گز دور تھی۔ اس جگہ سڑک پر ذرا سی گولائی تھی۔ اسی وقت شہر کی طرف سے آنے والی ایک کار اس سڑک پر گھومی تو ہم سب ہیڈ لیمپس کی روشنی میں آگئے۔ میں نے چونک کر اس طرف دیکھا۔ وہ پولیس کار تھی جس کی چھت پر فلیشر چمک رہے تھے۔

شاید پولیس والوں نے بھی ہمیں دیکھ لیا تھا۔ فوراً ہی سائرن کی آواز گونج اٹھی اور پولیس کار رک گئی۔ میں نے دو پولیس والوں کو کار سے اتر کر اس طرف دوڑتے دیکھا۔

جانگی کا حریف بری طرح پھنسا ہوا تھا۔ اس نے بڑی مشکل سے اپنے آپ کو جانگی کی گرفت سے چھڑایا اور اٹھ کر ایک طرف دوڑ لگادی۔

دوسرے آدمی نے بھی بھاگنے کی کوشش کی تھی مگر میں نے لپک کر اس کی ٹانگ پکڑلی۔

دونوں پولیس والے دوڑتے ہوئے قریب آگئے۔ ان میں سے ایک نے ریوالور نکال لیا۔ ایک اور پولیس والا کار سے اتر کر فرار ہونے والے شخص کے پیچھے دوڑا لیکن وہ تاریکی میں غائب ہوچکا تھا۔

تینوں پولیس والوں نے ہمیں گھیر لیا۔ دو کے ہاتھ میں ریوالور نظر آرہے تھے۔ ان تینوں میں ایک ہندوستانی ایک چینی اور تیسرا یورپین تھا۔ ان تینوں نے ہمیں ہینڈز اپ کروالیا تھا۔

"یہ کیا ہو رہا تھا۔ کیا معاملہ ہے؟" پولیس پارٹی کے انچارج نے باری باری ہم سب کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"یہ لوگ مجھے اور میرے ساتھی کو لوٹنا چاہتے تھے آفیسر۔" وہ شخص فوراً ہی بول پڑا جس کی کلائی میں نے توڑ دی تھی "ہم لوگ چانگئی ائرپورٹ سے نکل رہے تھے کہ اس آدمی نے ان دو خوب صورت عورتوں کا لالچ دے کر ہمیں اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا اور یہاں اس ویرانے میں آکر ہمیں لوٹنے کی کوشش کی۔ مزاحمت کرنے پر یہ ہم سے الجھ پڑے۔ میرے بازو کی ہڈی توڑ دی۔ میں بہت اذیت میں ہوں۔ اگر آپ لوگ نہ آجاتے تو یہ ہم میں سے ایک کو یا دونوں کو ختم کردیتا۔"

جانگی اور تھائی تو اس کی بات سن کر سناٹے میں آگئیں۔ میں البتہ مسکرائے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔

"بھاگنے والا کون تھا؟" پولیس آفیسر نے اس سے پوچھا۔

"میرا ساتھی تھا۔ وہ اگر نہ بھاگتا تو یہ اسے مار ڈالتے۔" اس شخص نے جواب دیا۔

"کیا یہ ٹھیک کہہ رہا ہے؟" پولیس آفیسر مجھے گھورنے لگا "تم کون ہو اور یہ عورتیں کون ہیں؟"

"میرا خیال ہے اسے اور ہم دونوں کو پولیس اسٹیشن لے چلو۔ وہیں چل کر فیصلہ ہوگا کہ حقیقت کیا ہے۔" میں نے جواب دیا۔

وہ پولیس آفیسر چند لمحے گھورتا رہا پھر اپنے ایک ساتھی کو اشارہ کیا۔ اس نے آگے بڑھ کر میرے اور اس آدمی کے لباس تھپتھپائے میری پنڈلی پر بندھا ہوا خنجر اس کے قبضے میں چلا گیا۔ پولیس والے کو وہ خنجر بھی مل گیا جو کار سے کچھ دور پڑا تھا۔ تھائی نے وہ پستول اس طرح چھپایا تھا کہ پولیس والوں کو اس کا پتا بھی نہ چل سکا۔

ہماری کار کا ایک ٹائر برسٹ ہوچکا تھا۔ ہم تینوں کو پولیس کار کی پچھلی سیٹ پر بٹھادیا گیا جبکہ دو پولیس والے اس شخص کے ساتھ اس کی نیلی فیاٹ میں بیٹھ گئے۔

لویانگ پولیس اسٹیشن تک پہنچنے میں چند منٹ سے زیادہ نہیں لگے تھے۔ اس وقت شام کے آٹھ بج چکے تھے۔ پولیس اسٹیشن میں خاصی گہما گہمی تھی۔ میں نے جاتے ہی ایک سینئر آفیسر سے ملاقات کی اور اپنا تعارف کرانے کے بعد اسے صورت حال سے آگاہ کیا۔ وہ آفیسر سب انسپکٹر تھا اور انسپکٹر چیانگ شو کی ماتحتی میں رہ چکا تھا۔ اس نے فوراً ہی ٹیلی فون پر انسپکٹر چیانگ شو کو اطلاع دے دی۔ انسپکٹر چیانگ شو نے مجھ

سے بھی بات کی اور پھر کئی منٹ تک سب انسپکٹر سے بات کرتا رہا۔

سب انسپکٹر نے فون بند کردیا اور ہمیں ایک دوسرے کمرے میں لے آیا جہاں سلیقے کا فرنیچر لگا ہوا تھا۔ ہمیں وہاں بٹھا کر اس نے ہمارے لیے چائے منگوائی اور خود دفتر والے کمرے میں چلا گیا۔

انسپکٹر چیانگ شو تقریباً ایک گھنٹے بعد آیا تھا۔ اسے ایک بار پھر پوری بات بتانی پڑی۔

"ٹھیک ہے۔ ہم معلوم کرلیتے ہیں وہ کون ہیں اور تم لوگوں کا پیچھا کیوں کررہے تھے۔" انسپکٹر چیانگ شو کہتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔

ہمیں تقریباً ایک گھنٹا اور اس کمرے میں بیٹھنا پڑا اور پھر چیانگ شو کے ساتھ وہ سب انسپکٹر بھی کمرے میں داخل ہوا۔

"تم نے مجھے سنت سنگھ والے واقعے کے بارے میں نہیں بتایا تھا۔" چیانگ شو نے گھورتی ہوئی نظروں سے میری طرف دیکھا۔

"وہ ایک مختلف معاملہ تھا۔ میں نے آپ کو بتانا ضروری نہیں سمجھا۔" میں نے جواب دیا۔

"یہ دونوں وہی غنڈے ہیں جنہوں نے سنت سنگھ کو اغوا کرکے اس پر تشدد کیا تھا۔" انسپکٹر چیانگ شو نے کہا اور چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بتانے لگا کہ مُرلی دھر نامی ایک ہندو پنڈت نے بھاری معاوضے پر ان کی خدمات حاصل کی تھیں اور انہیں رمیش نامی ایک اور آدمی کے پاس لے گیا تھا۔ جس نے انہیں سنت سنگھ کو اغوا کرنے کی ذمے داری سونپی۔

اس شخص نے رمیش نامی داڑھی مونچھ والے جس شخص کا حلیہ بتایا، وہ سوفی صد دارا پر فٹ آتا ہے۔ مجھے یہ سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ دارا اس مرتبہ کھل کر سامنے نہیں آیا تھا۔ حلیہ بدلنے کے ساتھ اس نے اپنا نام بھی بدل لیا۔

"وہ لوگ سنت سنگھ کو اغوا کرکے بیکلے روڈ کے ایک بنگلے میں لے گئے تھے جہاں اس سے کسی ڈائری کے بارے میں پوچھنے کے لیے تشدد کیا گیا اور بالآخر مردہ سمجھ کر اس کے گھر کے سامنے پھینک دیا گیا۔" انسپکٹر چیانگ شو کہہ رہا تھا "آج صبح انہیں پتا چل گیا کہ سنت سنگھ زندہ ہے۔ وہ اسپتال کی نگرانی کرنے لگے۔ رمیش نامی اس شخص کو یقین تھا کہ تم اسپتال ضرور آؤ گے۔ رمیش نے انہیں حکم دیا تھا کہ اگر تم نظر آجاؤ تو تمہیں اغوا کرکے بیکلے روڈ کے اس بنگلے میں پہنچا دیا جائے۔" انسپکٹر چیانگ شو چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا "انہوں نے تمہیں اسپتال سے نکلتے دیکھ کر تعاقب تو شروع کردیا مگر تم پر ہاتھ ڈالنے کی ہمت نہ کرسکے کیونکہ تم لوگ تین تھے۔" چیانگ کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آگئی "جب تم لوگ شہر سے باہر کی طرف نکل گئے تو انہیں حوصلہ ہوا کہ اس نسبتاً غیر آباد علاقے میں تم لوگوں پر قابو پایا جاسکتا ہے اور جب تمہاری کار گولف کورس میں داخل ہو کر رک گئی تو انہوں نے تم لوگوں پر قابو پانے کا فیصلہ کرلیا۔"

"بہت بھونڈا طریقہ اختیار کیا تھا انہوں نے۔" میں نے اس کے خاموش ہونے پر کہا۔

"بہرحال۔" انسپکٹر چیانگ شو بولا "ایک پولیس پارٹی اس بنگلے پر چھاپا مارنے کے لیے جاچکی ہے۔"

"لیکن مجھے یقین ہے کہ وہاں پولیس کو اب کچھ نہیں ملے گا۔ اس کا دوسرا ساتھی تقریباً دو گھنٹے پہلے گولف کورس سے بھاگا تھا۔ اس کا رخ میریڈین چانگئی ہوٹل کی طرف تھا۔ وہاں سے اس نے یا تو فون پر اطلاع دے دی ہوگی یا ٹیکسی وغیرہ مل گئی ہوگی۔ وہ لوگ بنگلا خالی کرکے جاچکے ہوں گے۔"

"بہرحال، کوئی سراغ تو ملے گا۔" چیانگ شو نے کہا "تم لوگ اب چلے جاؤ۔ میں یہیں رہوں گا۔ جو بھی صورت حال ہوگی تمہیں فون پر آگاہ کردوں گا۔"

"میرا خنجر۔" میں نے کہا "وہ میں نے اپنی حفاظت کے لیے رکھا ہوا ہے اور ہماری کار بھی گولف کورس میں کھڑی ہے۔ اس کا ایک ٹائر برسٹ ہوگیا تھا بلکہ گولی مار کر برسٹ کردیا گیا تاکہ ہم لوگ بھاگ بھی نہ سکیں۔"

"میں اپنی گاڑی پر تم لوگوں کو بھیج دیتا ہوں۔ ایک کانسٹیبل تمہارے ساتھ جائے گا۔ وہ ٹائر بھی بدل دے گا۔" یہ بات سب انسپکٹر نے کہی تھی جو اب تک خاموشی سے ہماری باتیں سنتا رہا تھا۔

"ٹھیک ہے۔ تم لوگ چلو۔ میں فون پر تمہیں بتا دوں گا۔" انسپکٹر چیانگ شو نے کہا۔

ہم اس کمرے سے باہر آگئے۔ سب انسپکٹر نے میرا خنجر واپس کردیا جسے میں نے پنڈلی پر بندھے ہوئے ہولسٹر میں اڑس لیا اور پھر گیٹ سے باہر آکر ہم پولیس کی ایک کار میں بیٹھ گئے۔ ڈرائیور ایک کانسٹیبل تھا۔

ہم تقریباً دس منٹ میں گولف کورس میں کھڑی ہوئی اپنی کار کے قریب پہنچ گئے۔ میں نے تھائی سے چابی لے کر کار کی ڈکی کھول دی۔ کانسٹیبل نے اپنی کار اس طرح کھڑی کردی

کہ اس کے ہیڈ لیمپس کی روشنی ہماری کار پر پڑتی رہے۔ میں نے اس دوران میں اپنی کار کی ڈکی سے فاضل ٹائر اور جیک وغیرہ نکال لیا۔

ٹائر تبدیل کرنے میں دس بارہ منٹ سے زیادہ نہیں لگے۔ ہم نے کانسٹیبل کا شکریہ ادا کرکے اسے رخصت کردیا اور اپنی کار میں بیٹھ گئے۔ اس وقت اسٹیئرنگ کے سامنے میں بیٹھا تھا۔ رات کے گیارہ بجنے والے تھے۔ سڑک پر ٹریفک اس وقت بہت کم تھا۔

جانگی میرے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھی ہوئی تھی۔ میں کوئی غلطی کیے بغیر ہلکی رفتار سے کار چلاتا رہا۔ ہمارا رخ چانگئی ویلج کی طرف تھا۔

ہم چانگئی سیلنگ کلب کے قریب سے نکول روڈ پر مڑ گئے اور ملائشیا کے جزیرے نان جنگ، سیلنگ کور کے لیے فیری ٹرمینل کے سامنے سے ہوتے ہوئے چانگئی کوسٹ روڈ پر آگئے۔ یہ سڑک آگے جاکر ایسٹ کوسٹ پارک وے سے جاملتی تھی۔

ایسٹ کوسٹ پارک وے سے میں اسٹیڈیم روڈ پر نکل آیا اور سنگاپور ان ڈور اسٹیڈیم کے قریب کار روک کر ڈرائیونگ سیٹ جانگی کے حوالے کردی اور خود پچھلی سیٹ پر تھائی کے ساتھ بیٹھ گیا۔ آگے شہر کا بارونق علاقہ تھا۔ میرے پاس چونکہ لائسنس نہیں تھا اس لیے میں ڈرائیونگ سیٹ سے ہٹ گیا تھا۔

ہم گھر پہنچے تو رات کے بارہ بج رہے تھے۔ بھوک سے بے چینی سی ہورہی تھی۔ جانگی تو حسب معمول بلبلا رہی تھی۔ وہ آتے ہی کچن میں گھس گئی۔

اس کے تھوڑی ہی دیر بعد فون کی گھنٹی بجی تو میں نے اپنی جگہ سے اٹھ کر ریسیور اٹھالیا۔ میرا خیال تھا انسپکٹر چیانگ شو ہوگا جو مجھے بیکلے روڈ والے بنگلے پر چھاپے کے بارے میں بتانا چاہتا ہوگا لیکن ہیلو کے جواب میں اتنی غلیظ گالی سنائی دی کہ میرا دماغ بھک سے اڑ گیا۔ میں نے ریسیور کان سے ہٹالیا۔

"میری آواز سن رہے ہو حرام زادے!" دارا کی آواز اب بھی میری سماعت سے ٹکرا رہی تھی۔ میری گردن پر چیونٹیاں سی رینگنے لگیں۔ دارا کہہ رہا تھا "میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ اب مجھے اس ڈائری کی بھی پروا نہیں۔ دو تین دن۔ صرف دو تین دن انتظار کرو۔ تمہاری زندگی کے دن پورے ہونے والے ہیں۔ اب تم زندہ نہیں رہو گے۔"

"بکتے رہو۔ میں سن رہا ہوں۔" میں نے پرسکون لہجے میں کہا۔

"تمہاری وجہ سے میں مکمل طور پر تباہ ہوچکا ہوں۔ اب میں تمہارا وجود برداشت نہیں کرسکتا۔ دو تین دن اور زندگی کے مزے لوٹ لو۔ اس کے بعد تمہارے لیے یہ سب کچھ ختم ہوجائے گا۔" دارا نے کہا۔

"میں بہت عرصے سے تمہاری یہ دھمکیاں سن رہا ہوں۔ اب کچھ کر بھی چکو۔" میں نے کہا۔

جواب میں ایک بہت غلیظ گالی سنائی دی اور لائن منقطع ہوگئی۔ میں نے بھی ریسیور رکھ دیا۔

"میرا خیال درست نکلا۔" میں نے تھائی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "دارا اس بنگلے سے فرار ہوچکا ہے۔ وہ تیل میں پھلکی کی طرح ناچ رہا ہے۔ کاش! میں اسے اس حالت میں دیکھ سکتا۔"

"تمہاری یہ خواہش ضرور پوری ہوگی۔ تم اسے اس سے بھی بدتر حالت میں دیکھو گے۔" تھائی نے کہا۔

اسی دوران میں جانگی انڈے اور کافی بنا کر لے آئی۔ دو انڈے کھانے کے بعد میں کافی پی رہا تھا کہ انسپکٹر چیانگ شو کا فون آگیا۔

"تمہارا خیال درست نکلا۔ اس بنگلے میں کچھ نہیں ملا۔" وہ کہہ رہا تھا۔ "شراب کی خالی بوتلیں، کپڑے اور کچھ اور سامان بکھرا ہوا تھا جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ لوگ بڑی افراتفری میں وہاں سے بھاگے ہیں۔"

"میں نے پہلے ہی کہا تھا کہ وہاں کچھ نہیں ملے گا۔" میں نے کہا "اگر آپ دارا اور چی فانگ تک پہنچنا چاہتے ہیں تو پہلے اس ہندو پنڈت کو تلاش کریں۔ میرا مطلب ہے مُرلی دھر کو۔ وہ ان لوگوں تک ہماری رہنمائی کرسکتا ہے۔"

"مارٹن روڈ والے بنگلے کی بھی نگرانی ہورہی ہے۔ وہ عورت بھی وہاں سے غائب ہے جس کے بارے میں تم نے بتایا تھا لیکن ہم مُرلی دھر کو تلاش کررہے ہیں اور اب اس غنڈے کو بھی تلاش کیا جارہا ہے جو گولف کورس سے فرار ہوگیا تھا۔ اس سے ہمیں بہت کچھ معلوم ہوسکتا ہے۔" انسپکٹر چیانگ شو نے کہا۔

"وہ زندہ تو نہیں لیکن ہوسکتا ہے اس کی لاش آپ کو کہیں مل جائے۔" میں نے کہا "وہ ہماری نظروں میں آچکا ہے۔ دارا بہت چالاک آدمی ہے۔ وہ اپنے ایسے آدمیوں کو زندہ نہیں چھوڑتا جو دشمن کی نظروں میں آجاتے ہیں اور وہ غنڈا تو ویسے بھی اس کے لیے زیادہ اہم نہیں ہوگا۔ وہ تو ایک معمولی سا مہرا ہے۔" میں چند لمحوں کو... خاموش ہوا پھر بولا

"ایک بات بتانا تو بھول ہی گیا۔ چند منٹ پہلے دارا کا فون آیا تھا۔ اس نے دھمکی دی ہے کہ دو تین دن میں میری زندگی کا چراغ گل کردے گا۔"

"تمہاری حفاظت کا بندوبست کرنا پڑے گا۔" چیانگ شو نے کہا۔ "میں صبح ہی سادہ لباس میں دو آدمی بھیج دیتا ہوں۔ وہ دور رہ کر تم لوگوں کی نگرانی کریں گے۔"

اس مرتبہ میں نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔ چند منٹ اور بات کرنے کے بعد میں نے فون بند کردیا۔

کافی پینے کے بعد بھی ہم دیر تک باتیں کرتے رہے اور پھر اچانک ہی مجھے اس پستول کا خیال آگیا جو گولف کورس میں وہ غنڈا چھوڑ کر بھاگ نکلا تھا۔

"وہ پستول کہاں ہے تھائی؟" میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"میرے پاس ہے۔" تھائی نے مسکراتے ہوئے جواب دیا اور اٹھ کر اپنے ٹراؤزر میں ہاتھ ڈال کر پستول نکال لیا اور اسے الٹ پلٹ کر دیکھتے ہوئے بولی "بہترین چیز ہے اور میرا خیال ہے نیا ہی ہے۔"

میں نے پستول اس کے ہاتھ سے لے لیا اور اسے الٹ پلٹ کر دیکھنے لگا۔

"ٹھیک ہے۔ اسے تم اپنے پاس ہی رکھو۔ ایک دو دن میں اس کی ضرورت پڑے گی۔" میں نے پستول اسے لوٹا دیا۔

اس وقت دو بج چکے تھے۔ تھائی تو اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔ میں اور جانگی دیر تک بیٹھے باتیں کرتے رہے اور پھر مجھے بھی جماہیاں آنے لگیں۔

دو تین دن گزر گئے۔ دارا کی دھمکی کے باوجود ہماری... سرگرمیوں میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ پولیس کے دو آدمی سادہ لباس میں دور رہ کر ہماری نگرانی کررہے تھے۔ شام کو ان کی ڈیوٹی بدل جاتی۔ ان کی جگہ دوسرے دو آدمی آجاتے جو صبح تک ہمارے مکان کے آس پاس موجود رہتے۔

میں دارا کی دھمکی کو محض گیدڑ بھبکی نہیں سمجھا تھا۔ وہ بری طرح جھنجلایا ہوا تھا۔ شکست خوردہ آدمی جب جھنجلاہٹ میں وار کرتا ہے تو زیادہ خطرناک ہوتا ہے اور میں جانتا تھا کہ دارا ابھی اس مرتبہ کوئی ایسی ہی حرکت کرے گا۔

پولیس ابھی تک نہ تو مُرلی دھر کا کوئی سراغ لگا سکی تھی اور نہ ہی اسے کوئی اور کامیابی حاصل ہوئی تھی۔ البتہ میری یہ پیش گوئی درست ثابت ہوئی تھی کہ دارا اس غنڈے کو ختم کردے گا جو گولف کورس سے فرار ہوا تھا۔ اس کی لاش اگلے ہی روز نیوٹن روڈ کے قریب ایک ویران جگہ پر پڑی ہوئی مل گئی تھی۔ اسے پیشانی میں گولی مار کر ہلاک کیا گیا تھا۔

اس روز شام کو ہم سنت سنگھ کو دیکھنے کے لیے اسپتال گئے تو چاچی رجنی وہاں موجود تھی۔ ارملا بھی عام طور پر اس وقت اسپتال آجایا کرتی تھی لیکن اس روز اس کے چھوٹے بیٹے کو بخار تھا جس کی وجہ سے وہ گھر پر ہی رہ گئی تھی۔ چنانچہ جب اسپتال سے نکلے تو یہ پروگرام بنالیا کہ ان کے گھر سے ہوتے ہوئے چلیں گے۔ چاچی رجنی بھی ہمارے ساتھ ہی تھی۔

ارملا ہمیں دیکھ کر بہت خوش ہوئی۔ ہمارا پروگرام تو چند منٹ وہاں رکنے کا تھا مگر ارملا اور چاچی رجنی نے ہمیں رات کے کھانے تک روک لیا۔

ہم دس بجے کے قریب وہاں سے نکلے تو بیکولین اسٹریٹ پر واقع ایک نائٹ کلب میں رک گئے۔ ہم بہت عرصے بعد کسی نائٹ کلب میں آئے تھے۔ ایک انڈین رقاصہ اپنے فن کا مظاہرہ کررہی تھی۔

ہمیں اسٹیج کے قریب ایک میز مل گئی اور ہم دیر تک رقص کے اس پروگرام سے لطف اندوز ہوتے رہے۔ انڈین رقاصہ کے بعد ایک یوریشین رقاصہ اسٹیج پر آگئی۔ وہ صرف جسم کی نمائش کے فن میں ماہر تھی۔ ہم دوسرے ہال میں آگئے۔

وقت گزرنے کا احساس ہی نہیں رہا تھا۔ گھڑی دیکھی تو ڈیڑھ بج رہا تھا۔ ہم کلب سے باہر نکل آئے۔

ڈرائیونگ کی ذمے داری اس وقت میں نے سنبھال لی تھی۔ تھائی میرے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھ گئی اور جانگی پیچھے۔ ہمارے محافظوں کی کار ہمارے پیچھے ہی پارکنگ سے نکلی تھی۔ ہمارے درمیان تقریباً بیس گز کا فاصلہ تھا۔ اس کے پیچھے ایک اور کار بھی پارکنگ سے نکلی تھی لیکن میں نے زیادہ توجہ نہیں دی۔

پارک پلازا کے قریب سے براس باشی روڈ کراس کرکے ہم نیشنل میوزیم اینڈ آرٹ گیلری کی طرف نکل آئے۔ اس دوراہے سے ایک طرف آرچرڈ روڈ شروع ہوتا تھا اور دوسری طرف فورٹ کیننگ روڈ۔ ہماری کار اس چوراہے پر پہنچی ہی تھی کہ پیچھے سے آنے والی ایک تیز رفتار کار فائرنگ کرتے ہوئے ہمارے قریب سے گزر گئی۔

اسٹیئرنگ پر میری گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔ کار لہرا گئی لیکن میں نے بڑی پھرتی سے کار سنبھال لی۔ اس کے ساتھ ہی میں نے مڑ کر جانگی پھر تھائی کی طرف دیکھا۔ ان دونوں کے چہروں پر وحشت تھی لیکن وہ دونوں محفوظ تھیں۔ تب مجھے احساس

اکہ فائرنگ ہماری کار پر نہیں کی گئی تھی بلکہ وہ جو کوئی بھی ے ہوائی فائرنگ کرتے ہوئے نکل گئے تھے۔ پورا برسٹ مارا یا تھا۔

"یہ... یہ کون لوگ تھے۔" پچھلی سیٹ پر بیٹھی ہوئی کی نے کہا۔ اس کے لہجے میں خوف نمایاں تھا۔

"میرا خیال ہے کوئی اور ہی چکر ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"اگر وہ لوگ ہمارے پیچھے ہوتے تو ہوائی فائرنگ کے ائے براہ راست ہمیں نشانہ بناتے۔"

تھائی نے بڑی پھرتی سے اپنے پرس میں سے پستول نکال تھا۔ وہ پیچھے مڑ کر دیکھنے لگی۔ ہمارے محافظوں کی کار بھی ی تیزی سے ہمیں اوور ٹیک کرتے ہوئے گزر گئی۔ وہ اس ر کے پیچھے گئے تھے جو فائرنگ کرتے ہوئے گزر گئی تھی۔ ں نے عقبی منظر پیش کرنے والے آئینے میں دیکھا۔ بہت ر ایک اور گاڑی آرہی تھی۔

میں نے کلچرل تھیٹر کے قریب سے کار ایک ذیلی سڑک پر ڑی۔ اس طرح فورٹ کیننگ روڈ پر جانے کے بجائے ہم وں ہی گلیوں میں ہوتے ہوئے اپنے گھر پہنچ سکتے تھے۔

تین چار گلیوں سے گزرنے کے بعد ہم اپنے مکان والی ل میں پہنچ گئے۔ میں نے مکان کے سامنے پہنچ کر انجن بند ردیا۔ تھائی نے پستول دوبارہ پرس میں رکھ لیا تھا۔ وہ اور نگی مجھ سے پہلے کار سے اتر چکی تھیں۔ میں دروازہ کھول کر ز رہا تھا کہ ایک کار گلی میں داخل ہوئی۔ ہم تینوں ہیڈ یمپس کی روشنی میں نہا گئے۔ میں نے زیادہ توجہ نہیں دی یونکہ میرے خیال میں وہ ہمارے محافظوں کی کار تھی۔

وہ کار تیزی سے آگے نکل کر رک گئی۔ میں اس وقت ی کار کا دروازہ بند کرکے لاک میں چابی گھما رہا تھا کہ تھائی چیخ سن کر چونک گیا۔

"وجدان... بچ...!"

میں جلدی سے سیدھا ہوگیا۔ تین آدمی آگے والی کار سے اتر کر چیختے ہوئے ہماری طرف لپک رہے تھے۔ مجھے ورت حال کی سنگینی کا اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں ئی۔

ان تینوں کے ہاتھوں میں خنجر تھے۔ ایک میری طرف ا۔ ایک کا رخ تھائی کی طرف تھا اور تیسرے کا رخ جانگی کی رف۔

میری طرف آنے والا آدمی چنگھاڑتا ہوا حملہ آور ہوا۔ انے بڑی پھرتی سے اس کا وار روکا۔ بائیں ہاتھ سے اس ا خنجر والی کلائی پکڑلی اور دائیں ہاتھ سے اس کے منہ پر پنچ مارنے کی کوشش کی لیکن اس نے بڑی پھرتی سے اپنے آپ کو بچالیا تھا۔ میں نے دوسرا ہاتھ بھی اس کی کلائی پر جمادیا اور اس کا باوز مروڑنے لگا اور پھر اس وقت اگلی کار کی طرف سے دارا کی چیختی ہوئی آواز سنائی دی۔

"آج تم نہیں بچ سکو گے حرام زادے!" وہ کہہ رہا تھا "میں اگر چاہتا تو راستے میں تم تینوں کو گولیوں سے چھلنی کردیا جاتا لیکن میں تم لوگوں کو اس طرح مارنا چاہتا تھا جس طرح تمہارے ماں باپ کو مارا تھا۔ اس جگہ تمہارے گھر کے سامنے۔" وہ ایک لمحے کو خاموش ہوا پھر چیختے ہوئے بات جاری رکھی "راستے میں وہ ہوائی فائرنگ اس لیے کرائی گئی تھی کہ تمہارے محافظوں کو ہٹایا جاسکے۔ تم لوگوں کو میں یہیں پر گھیرنا چاہتا تھا۔ تم لوگ میرے گھیرے میں آگئے ہو۔ اب تم میں سے کوئی بھی زندہ نہیں بچ سکے گا۔"

وقت اپنے آپ کو دہرا رہا تھا لیکن میں نے طے کرلیا تھا کہ وہ سب کچھ نہیں ہونے دوں گا جو کئی سال پہلے اسی وقت' اسی جگہ پر ہوا تھا۔

میں اپنے حریف کی کلائی پوری قوت سے مروڑتا چلا گیا۔ میں اس کے ہاتھ سے خنجر چھڑانے کی کوشش کررہا تھا مگر خنجر پر اس کی گرفت خاصی مضبوط تھی اور پھر اس نے اپنے آپ کو اس طرح زور دار جھٹکا دیا کہ میرا ایک پیر سلپ ہوگیا۔ میں لڑکھڑاتا ہوا اپنی کار سے ٹکرا گیا۔ اب اسے موقع مل گیا تھا۔ وہ مجھے دباتا ہوا خنجر کو میرے چہرے کے قریب لا رہا تھا۔

وہ مجھ سے زیادہ قد آور اور زیادہ طاقت ور تھا۔ میں نے بھی پوری قوت سے اس کے ہاتھ کو روکا ہوا تھا مگر اس کا ہاتھ آہستہ آہستہ نیچے آرہا تھا۔ خنجر کی نوک میری بائیں آنکھ سے دو تین انچ کے فاصلے پر رہ گئی تھی۔ ایک معمولی سا جھٹکا مجھے نہ صرف ایک آنکھ سے بلکہ زندگی سے بھی محروم کرسکتا تھا۔

اسی لمحے مجھے تھائی کی کرناک چیخ سنائی دی اور پھر دوسری چیخ گونجی۔ مجھے اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ تھائی کس صورت حال سے دوچار ہورہی ہوگی۔ میری پشت کار سے لگی ہوئی تھی اور میرا حریف پورے قد سے میرے اوپر جھکا ہوا تھا۔ خنجر کی نوک میری آنکھ کے بالکل قریب پہنچ چکی تھی۔ کوئی لمحہ جاتا تھا کہ خنجر میری آنکھ میں پیوست ہوجاتا۔ تھائی کی ایک اور چیخ سنائی دی۔ یہ چیخ پہلے سے زیادہ خوفناک تھی۔ میں نے ایک پیر مضبوطی سے زمین پر جمائے رکھا اور دوسرا پیر اٹھا کر گھٹنے سے حریف کی ٹانگوں کے بیچ میں ضرب لگائی۔ وہ اپنی جگہ سے اچھلا۔ میں نے اسی جگہ

پر ایک اور ضرب لگائی جو پہلے سے زیادہ زوردار تھی۔

میرا حریف چیخ اٹھا۔ اس کا جارحانہ انداز رخصت ہونے لگا۔ میں نے اس کی کلائی سے ایک ہاتھ ہٹا کر اس کی بغل میں ایک زوردار گھونسا رسید کردیا۔ وہ کم از کم ایک فٹ اوپر اچھلا تھا۔ میں نے دوسرا گھونسا اس کی کھوپڑی کے نیچے لگایا اور اسے سنبھلنے کا موقع دیے بغیر گھٹنے سے ٹانگوں میں ایک اور ضرب لگادی۔ اس مرتبہ وہ بلبلا اٹھا۔ خنجر کے دستے پر اس کی مٹھی کھلنے لگی اور وہ نیچے جھکنے لگا۔ میں نے اس کے ہاتھ سے خنجر چھین لیا اور سنبھل کر ایک بار پھر اس کی ٹانگوں کے بیچ میں زوردار ٹھوکر رسید کردی۔ وہ ذبح ہوتے ہوئے بکرے کی طرح بلبلا اٹھا اور دونوں ہاتھ ٹانگوں کے بیچ میں رکھ کر نیچے جھکتا چلا گیا۔ میں نے اس کی کھوپڑی پر ٹھوکر مار دی۔ وہ چیختا ہوا پیچھے الٹ گیا۔

اس وقت تھائی کی ایک اور کربناک چیخ سنائی دی۔ میں اپنے حریف سے چھینا ہوا خنجر سنبھالتا ہوا اس طرف لپکا اور پھر صورت حال دیکھ کر میں کانپ اٹھا۔

تھائی مکان کے سامنے گارڈینیا کی باڑھ پر پشت کے بل گری ہوئی تھی اور ایک آدمی اس پر جھکا پے در پے اس پر خنجر کے وار کررہا تھا۔ میں نے اس شخص کو بالوں سے پکڑ کر پیچھے کھینچا اور ایک جھٹکے سے زمین پر گرا دیا اور پھر اسٹریٹ لائٹ کی روشنی میں اس کا چہرہ دیکھ کر مجھے اپنا دل کنپٹیوں میں دھڑکتا ہوا محسوس ہونے لگا۔

وہ چی فانگ تھا۔

رگوں میں میرا خون اچھلنے لگا اور پھر میرے لیے اپنے آپ پر قابو پانا ممکن نہیں رہا۔ خنجر چی فانگ کے ہاتھ میں بھی تھا مگر میرا ہاتھ برق رو سے زیادہ تیزی سے حرکت میں آیا۔ میرا چہرہ دیکھ کر چی فانگ کی آنکھوں میں دہشت سی ابھر آئی اور پھر دوسرے ہی لمحے اس کی خوفناک چیخ فضا میں پھیلتی چلی گئی۔

میرا خنجر دستے تک اس کے سینے میں پیوست ہوچکا تھا۔ میں نے ایک جھٹکے سے خنجر کو باہر کھینچ کر دوبارہ وار کیا۔ دوسری چیخ پہلے سے زیادہ خوفناک تھی اور پھر میں پے در پے اس کے سینے پر وار کرتا چلا گیا۔

فائر کی آواز سن کر میں جیسے ہوش میں آگیا۔ تھائی اور چی فانگ کی چیخوں کی آواز سن کر شاید گلی کے مکانوں سے کچھ لوگوں نے باہر آنے کی کوشش کی تھی اور دارا نے انہیں مداخلت سے باز رکھنے کے لیے ہوائی فائر کردیا تھا اور پھر ٹھیک اسی لمحے ایک کار موڑ پر گلی میں گھومی تھی۔ اس کے ساتھ ہی دارا کی چیختی ہوئی آواز سنائی دی۔

"پنڈت بھاگو۔۔۔"

دارا نے اپنی کار کی طرف بھاگتے ہوئے میری طرف دو فائر کردیے تھے لیکن اتفاق سے میں اس وقت زمین پر گرا ہوا تھا۔ دونوں گولیاں میرے سر کے اوپر سے گزر گئیں۔

دارا والی کار کا انجن اسٹارٹ ہی تھا۔ وہ ایک زوردار جھٹکے سے حرکت میں آگئی۔ دارا ہوائی فائر کرتا ہوا کار میں بیٹھ چکا تھا۔ ایک اور آدمی دوڑتا ہوا کار کے دروازے سے لٹک گیا۔ میرے حریف نے بھی اٹھ کر کار کی طرف دوڑنے کی کوشش کی تھی مگر جانکی نے اس پر چھلانگ لگادی اور اس کی ٹانگوں سے لپٹ گئی۔

میں خنجر چی فانگ کے سینے میں چھوڑ کر تھائی کی طرف لپکا۔ وہ گارڈینیا کی باڑھ پر پڑی مچھلی کی طرح تڑپ رہی تھی۔ میں تھائی کو اٹھانے کی کوشش کررہا تھا کہ آہٹ سن کر تیزی سے پیچھے مڑا۔ وہ چی فانگ تھا جس نے اپنے سینے میں پیوست خنجر نکال لیا تھا اور مجھ پر حملہ کرنے کے لیے لڑکھڑاتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔ میں نے تیزی سے گھوم کر اسے لگ رسید کردی۔ وہ لڑکھڑا کر پشت کے بل گرا اور پھر وہ اٹھنے کے قابل نہیں رہا تھا۔

میں نے جانکی کو دونوں بانہوں میں بھرلیا۔ وہ خون میں لت پت تھی اس کے سینے پر کئی گھاؤ تھے جن سے خون بہہ رہا تھا۔

گلی میں مڑنے والی کار بریکوں کی تیز چرچراہٹ کے ساتھ رک گئی۔ میں نے مڑ کر دیکھا۔ وہ ہمارے محافظوں کی کار تھی۔ وہ دونوں نیچے اترے۔ ایک جانکی کی طرف لپکا جس نے ایک حملہ آور کی ٹانگوں کو گرفت میں لے رکھا تھا۔ دوسرا محافظ میری طرف دوڑا۔

میں اس وقت تھائی کو اٹھانے کی کوشش کررہا تھا۔ تھائی زخموں سے چور تھی۔ وہ چیخ اٹھی اور پھر اس کے ہونٹوں سے سرسراتی ہوئی سی آواز نکلی۔

"نن۔۔۔ نہیں وجو۔۔۔" وہ کہہ رہی تھی "مم۔۔۔ مجھے مت اٹھاؤ۔ مم۔۔۔ میں اب نہیں بچوں گی۔ تت۔۔۔ تم اپنا خیال رکھنا۔۔۔"

تھائی کی آنکھیں بند ہوگئیں۔

"نہیں تھائی۔" میں چیخ اٹھا "آنکھیں کھولو۔ تم اس طرح نہیں مرسکتیں۔ میں تمہیں مرنے نہیں دوں گا۔"

میرا ایک محافظ دوڑتا ہوا میرے قریب پہنچ گیا تھا۔ تھائی کو دیکھ کر وہ بھی بدحواس ہوگیا۔

"کک۔۔۔ کیا ہوا اسے۔۔۔" وہ بدحواسی میں اپنی بات پوری نہیں کرسکا اور قریب پڑی ہوئی چی فانگ کی لاش کی طرف دیکھنے لگا۔

"ڈاکٹر۔۔۔ ایمبولینس کے لیے فون کرو۔ جلدی!" میں نے اس کی طرف دیکھ کر چیخا "میں تھائی کو مرنے نہیں دوں گا۔ جلدی فون کرو۔"

محافظ ایک طرف بھاگ گیا۔ اس وقت کئی لوگ گھروں سے نکل آئے تھے۔ چاچا جگ جیت سنگھ بھی باہر آگیا۔ صورت حال دیکھ کر وہ بھی بدحواس ہوگیا۔

"وجدان۔۔۔ تھائی۔۔۔ کہاں ہو تم۔"

جانکی کی آواز سن کر میں نے گردن گھما کر دیکھا۔ اس کا ایک ہاتھ پیٹ پر تھا جس سے خون بہہ رہا تھا۔ وہ اپنے حریف کا مقابلہ کرتی رہی تھی لیکن خنجر کا ایک وار پڑ ہی گیا تھا۔ اگر وہ مارشل آرٹس سے واقف نہ ہوتی تو شاید اپنا دفاع نہ کرپاتی اور تھائی کی طرح وہ بھی زخموں سے چور ہوجاتی۔

"امرتا کور۔ نرنجن۔ دیکھو انہیں کیا ہوا ہے۔" جگ جیت سنگھ چیخا "تم انہیں دیکھو۔ میں اسپتال فون کرتا ہوں۔" وہ دوڑتا ہوا اپنے گھر کے دروازے میں داخل ہوگیا۔

جانکی کو امرتا کور نے سنبھال لیا اور میں نے تھائی کا سر اپنی گود میں سنبھال لیا۔

"تھائی۔۔۔ تھائی۔۔۔ آنکھیں کھولو۔ دیکھو۔۔۔ میں ہوں۔"

میں بار بار تھائی کو پکار رہا تھا۔

تھائی نے آنکھیں کھول دیں۔ اس نے کچھ کہنا چاہا مگر اس کے ہونٹ پھڑپھڑا کر رہ گئے۔ اس کی نظریں میرے چہرے پر مرکوز تھیں اور ان آنکھوں میں کیا تھا؟ میں بیان نہیں کرسکتا۔ ایسی چمک میں نے ان کی آنکھوں میں پہلی مرتبہ دیکھی تھی اور پھر مجھے یوں لگا جیسے اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آگئی ہو۔

"حوصلہ رکھو تھائی۔ تمہیں کچھ نہیں ہوگا۔" میں نے جھکتے ہوئے کہا۔

تھائی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ واضح ہوگئی۔ آنکھوں کی چمک کچھ اور بڑھ گئی لیکن دوسرے ہی لمحے وہ چمک بتدریج مدھم ہوتی چلی گئی اور پھر وہ آنکھیں ویران ہوگئیں۔

"تھائی!" میں چیخ اٹھا اور کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے زور زور سے ہلانے لگا۔

جانکی بھی تڑپ کر میرے قریب آگئی اور وہ بھی تھائی کو کندھوں سے پکڑ کر ہلانے لگی۔ اتنے میں جگ جیت سنگھ بھی واپس آگیا تھا اور بھی بہت سے لوگ ہمارے گرد جمع ہوگئے۔

"حوصلہ رکھو پتر۔" جگ جیت سنگھ میرے قریب بیٹھتے ہوئے بولا "میں نے فون کردیا ہے۔ ایمبولینس تھوڑی دیر میں آنے ہی والی ہے۔"

جانکی کے پیٹ سے خون بہہ رہا تھا۔ وہ بھی نڈھال سی ہوکر ایک طرف کو لڑھک گئی۔ جگ جیت سنگھ نے آگے بڑھ کر اسے سنبھال لیا۔

امرتا کور اور دو اور عورتیں تھائی پر جھک گئیں۔ امرتا کور نے تھائی کو اپنی آغوش میں لے لیا۔ دوسری عورت جھک کر تھائی کو دیکھتی رہی اور پھر وہ میری طرف دیکھنے لگی۔

"یہ جاچکی ہے۔"

ایک آواز میری سماعت سے ٹکرائی۔

"نہیں!" میں ایک دم چیخ اٹھا اور تھائی کو کھینچ کر دوبارہ اپنی آغوش میں سمیٹ لیا۔

اسی وقت سائرنوں کی آوازیں سنائی دینے لگیں جو لحہ بہ لحہ قریب آتی جارہی تھیں اور پھر دو منٹ کے اندر اندر دو ایمبولینس اور پولیس کی ایک کار گلی میں داخل ہو کر رک گئیں۔

پولیس پارٹی کا انچارج ایک چینی سب انسپکٹر تھا۔ اس نے صورت حال کا تجزیہ کرنے میں زیادہ دیر نہیں لگائی۔ ایک ایمبولینس میں ڈاکٹر بھی موجود تھا۔ اس نے تھائی کو دیکھا اور دو آدمیوں کو اشارہ کیا۔ وہ مجھے وہاں سے ہٹانے کی کوشش کرنے لگے مگر میں تھائی سے الگ ہونے کو تیار نہیں تھا۔ انہوں نے مجھے پکڑ کر زبردستی ایک طرف کھینچ لیا۔ ڈاکٹر نے ایک بار پھر تھائی کو دیکھا اور پھر اس کی کھلی ہوئی آنکھیں بند کردیں۔

جانکی کو ایک ایمبولینس میں اسپتال روانہ کردیا گیا۔ میں اپنے آپ کو ان آدمیوں کی گرفت سے چھڑا کر دوبارہ تھائی کے قریب بیٹھ گیا۔ اس کا سر اپنی گود میں رکھا اور دھاڑیں مار مار کر رونے لگا۔

تھائی ہم سے بچھڑ گئی تھی۔ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے۔۔۔

○☆○

سنگاپور میں بدھ کے ماننے والے بھی بڑی تعداد میں آباد تھے۔ تھائی کی آخری رسومات بدھ عقیدے کے مطابق ادا کی گئی تھیں۔ میں پھوٹ پھوٹ کر رویا تھا۔ ماں باپ کے بعد مجھے تھائی ہی سے محبت ملی تھی۔ اسی سے مجھے ماں جیسی ممتا ملی تھی اسی سے مجھے محبوبہ کا پیار ملا تھا۔ وہی میرے لیے سب کچھ تھی اور اب سب کچھ مجھ سے چھن گیا تھا۔

جانکی سنگاپور جنرل اسپتال میں تھی جہاں اس کی

حفاظت کے لیے پولیس کا ایک پورا اسکواڈ موجود تھا۔ چی فانگ کی لاش تین دن تک اسپتال کے مردہ خانے میں رکھی رہی تھی اور بالآخر ایک رفاہی ادارے کے ذریعے اس کی آخری رسومات بھی ادا کردی گئیں۔

جانکی کے پیٹ، ٹانگ اور بازو پر زخم تھے۔ تاہم اس کی حالت خطرے سے باہر تھی۔ میں پولیس کی تحویل میں تھا لیکن مجھے باقاعدہ طور پر حراست میں نہیں لیا گیا تھا اس لیے مجھے سلاخوں کے پیچھے بند بھی نہیں کیا گیا تھا۔

جانکی نے زخمی ہونے کے باوجود جس طرح ہمت اور جرات کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس شخص کو گرفت میں لیا تھا' وہ قابل تعریف تھا۔ وہ یوریشین تھا جو اس سے پہلے بھی مختلف جرائم میں ملوث رہا تھا۔ اسے پولیس کی ایک تفتیشی ٹیم کے حوالے کردیا گیا تھا جو اس سے دارا وغیرہ کے بارے میں پوچھ گچھ کررہی تھی۔

انسپکٹر چیانگ شوپا گل ہوا پھر رہا تھا۔ ان دو پولیس والوں کو غفلت برتنے کے الزام میں معطل کردیا گیا تھا جنہیں سادہ لباس میں ہماری حفاظت پر مامور کیا گیا تھا لیکن میرے خیال میں ان کا کوئی قصور نہیں تھا۔ ان سے کوئی غفلت بھی نہیں ہوئی تھی۔ راستے میں جب وہ کار ہوائی فائرنگ کرتے ہوئے ہمارے قریب سے گزری تھی تو وہ یہی سمجھے تھے کہ ہم پر حملہ کیا گیا ہے اور وہ ہمیں چھوڑ کر اس کار کے تعاقب میں نکل گئے تھے اور وہ کار بھی انہیں چکما دے کر نکل گئی تھی اور جب وہ واپس آئے تھے تو ہم پر قیامت گزر چکی تھی اور یہ انکشاف تو دارا ہی نے کیا تھا کہ محافظوں کو ہٹانے کے لیے ہماری کار کے قریب ہوائی فائرنگ والا ڈراما کیا گیا تھا۔

پولیس نے جزیرے سے باہر جانے والے تمام راستوں کی ناکا بندی کردی تھی۔ ایئرپورٹ' ملائشین ریلوے اسٹیشن' ملائشیا کی طرف جانے والی کشتیوں کے گھاٹ اور بس ٹرمینل کے علاوہ کازوے پر ملائشیا کی طرف جانے والی ٹیکسیوں اور پرائیویٹ گاڑیوں کی بھی بڑی سخت چیکنگ ہورہی تھی۔

شہر میں بھی جگہ جگہ چھاپے مارے جارہے تھے۔ درجنوں مشتبہ افراد کو حراست میں لے کر پوچھ گچھ کی جارہی تھی لیکن دارا کا کچھ پتا نہیں چلا تھا۔ دارا نے فرار ہوتے وقت کسی پنڈت کو آواز دی تھی اور مجھے سمجھنے میں دیر نہیں لگی تھی کہ وہ پنڈت مُرلی دھر تھا۔ سنگاپور میں دارا کا نیا دوست جس نے اسے پناہ دے رکھی تھی۔

یہ اندازہ تو مجھے بنکاک ہی میں ہوگیا تھا کہ دارا' چی فانگ سے پیچھا چھڑانا چاہتا تھا لیکن وہ اس کے پیچھے بھی پہنچ گیا تھا اور یہاں دارا نے اسے مجھ سے بھڑا دیا بالآخر وہ میرے ہاتھوں جہنم رسید ہوگیا۔

پولیس نے ابھی تک کیس کی ابتدائی رپورٹ تیا کی تھی۔ انسپکٹر چیانگ شو چونکہ برسوں پہلے بھی میر کا انچارج رہ چکا تھا اس لیے یہ کیس بھی اس کے کردیا گیا۔

چی فانگ کی موت اگرچہ میرے ہی ہاتھوں وا تھی مگر خنجر پر میری انگلیوں کے نشان نہیں تھے۔ می فانگ پر آخری وار کرکے خنجر اس کے سینے ہی میں چھوڑ دیا تھا اور چی فانگ نے اپنے سینے سے وہ خنجر نکا پر حملہ کرنے کی کوشش کی تھی۔ اس طرح خون آلو میری انگلیوں کے نشان مٹ گئے تھے اور چی فانگ کی کے نشان آگئے تھے۔

پولیس رپورٹ میں میرے خلاف کوئی سنگین الز تھا۔ میں نے اپنا دفاع کیا تھا۔ اس طرح ایک حملہ فانگ) میرے ہاتھوں مارا گیا تھا لیکن اس کا بھی کو ثبوت نہیں تھا۔ پولیس رپورٹ میں اگرچہ مجھے کلیئ تھا لیکن مجھے شامل تفتیش رکھا گیا تھا۔

میں پولیس کی اجازت کے بغیر سنگاپور سے با جاسکتا تھا لیکن جزیرے پر کہیں بھی آمدورفت کے پوری آزادی تھی۔

دس دن گزر گئے۔ جانکی اسپتال ہی میں تھی۔ دیکھ بھال کے لیے جگ جیت سنگھ کی بیٹی نرنجن بھی ساتھ ہی رہ رہی تھی۔ میں بھی دن میں ایک آدھ اور رات کو بھی دیر تک اس کے پاس بیٹھا رہتا۔ اکیلے رہتے ہوئے مجھے بڑی وحشت ہونے لگی تھی کسی نہ کسی طرح گزر جاتا مگر رات کو تنہائی میں طر کے خیالات مجھے گھیر لیتے۔ تھائی کا خیال مجھے بے چین اس کی یاد سے بعض اوقات میرے منہ سے بے سسکیاں نکل جاتیں۔

تھائی نے میرے لیے کیا کچھ نہیں کیا تھا۔ وہ ملاقات سے پہلے بڑی پرسکون اور خوش حال زندگی گ تھی لیکن مجھے پناہ دے کر وہ مشکلات کا شکار ہو میرے ساتھ وہ بھی اپنی زندگی بچانے کے لیے بھاگتی اور بالآخر میری خاطر اس نے اپنی جان دے دی تھی۔

اور جانکی۔ وہ بھی تھائی سے کسی طرح پیچھے نہیں اس نے بھی اپنا سب کچھ برباد کردیا تھا۔ میری خاطر

موت کے منہ میں چھلانگ لگائی تھی اور اب بھی وہ موت کے منہ سے نکلی تھی۔

یہ تو میں نے پہلے بھی طے کر رکھا تھا کہ دارا کو کسی صورت میں زندہ نہیں چھوڑنا۔ وہ اپنے جرائم کی فہرست میں مسلسل اضافہ کرتا رہا تھا اور اب تھائی کو مجھ سے چھین کر اس نے اپنے لیے مزید مشکلات پیدا کرلی تھیں اور میں نے قسم کھائی تھی کہ دنیا کے آخری سرے تک اس کا پیچھا کروں گا۔

پولیس دارا اور پنڈت مُرلی دھر کی تلاش میں تھی لیکن ان کا کوئی سراغ نہیں مل رہا تھا۔ سنگاپور کے آس پاس کے چھوٹے چھوٹے جزیروں میں بھی انہیں تلاش کیا جارہا تھا۔ میرا خیال تھا کہ وہ لوگ یا تو اسی رات سنگاپور سے نکل گئے تھے یا وہ اگر سنگاپور میں تھے تو کسی جگہ دبک کر بیٹھ گئے تھے۔ مجھے شبہ تھا کہ انہوں نے کسی مندر میں پناہ لے رکھی تھی۔ میں نے انسپکٹر چیانگ شو کے سامنے بھی اپنے اس شبے کا اظہار کیا تھا لیکن محض شبے کی بنا پر کسی مندر پر چھاپا نہیں مارا جاسکتا تھا البتہ مندروں کی خفیہ طور پر نگرانی کی جارہی تھی۔

میں بھی اپنے طور پر اس کی تلاش میں تھا۔ اگرچہ یہ خطرہ بھی تھا کہ اچانک ہی کسی طرف سے حملہ ہوسکتا ہے لیکن اب مجھے کسی کی پروا نہیں تھی۔ میں ہر خطرے سے بے نیاز آزادی سے گھوم پھر رہا تھا۔ میرے لیے اب زندگی میں کوئی دلچسپی نہیں رہ گئی تھی۔ سوائے اس کے کہ مجھے دارا سے اپنے ماں باپ کے قتل کا انتقام لینا تھا اور اب تھائی کے قتل نے میرے انتقام کی آگ بھڑکا دی تھی اور میں نے صرف ایک بات طے کرلی تھی۔ مرویا مارو اور مجھے یقین تھا کہ دارا کو ٹھکانے لگائے بغیر میں نہیں مروں گا۔

پولیس تو اپنی سی کوشش کررہی تھی میں بھی دارا کی تلاش میں بھٹکتا رہا۔ میں نے اپنی توجہ مندروں پر مرکوز رکھی تھی۔ مجھے یقین تھا کہ اگر دارا سنگاپور میں موجود ہے تو وہ کسی مندر ہی میں چھپا ہوا ہوگا۔ سنگاپور میں کئی مندر تھے۔ کچھ چھوٹے اور کچھ بڑے۔ ان مندروں میں ہی دارا کو تلاش کرنے کے لیے میں نے خفیہ طور پر دو آدمیوں کی خدمات بھی حاصل کررکھی تھیں۔ وہ دونوں ہندو تھے اور مندروں میں گھومتے رہتے تھے لیکن وہ بھی دارا یا مرلی دھر کا کوئی سراغ نہیں لگا سکے تھے۔

سنگاپور جزیرے سے ملائشیا جانے کے لیے کئی ذرائع تھے۔ ہوائی جہاز، ٹرین، بسوں یا ٹیکسیوں کے ذریعے بڑی آسانی سے جزیرہ چھوڑا جاسکتا تھا بشرطیکہ تمام کاغذات مکمل ہوں۔ غیر قانونی طور پر جانے کا ایک ہی ذریعہ تھا۔ کشتی...

ملائشیا جانے کے لیے کشتیوں کے دو گھاٹ تھے جہاں سے چھوٹی کشتیوں کے علاوہ اسٹیمر بھی چلتے تھے۔ میں ان دونوں فیری اسٹیشنوں پر بھی معلومات حاصل کررہا تھا کہ اس رات یا اس کے بعد کوئی کشتی غیر قانونی طور پر حاصل کی گئی ہو لیکن اس طرح بھی کوئی سراغ نہیں ملا تھا۔

پندرہ دن ہوچکے تھے۔ جانکی کی حالت قدرے بہتر تھی۔ وہ تھوڑا بہت چلنے لگی تھی۔ مجھے گھر کی تنہائی بری طرح کھلنے لگی تھی اور جانکی بھی اسپتال میں پڑے پڑے تنگ آگئی تھی۔ چنانچہ میں اسے گھر لے آیا اور اس کی دیکھ بھال کے لیے ایک پرائیویٹ نرس کا انتظام بھی کرلیا۔

جس روز میں جانکی کو اسپتال سے گھر لے کر آیا تھا اس سے اگلے ہی روز میرے چھوڑے ہوئے دو جاسوسوں میں سے کمار نامی شخص نے اطلاع دی کہ چائنا ٹاؤن میں واقع ہنومان مندر میں کچھ مشتبہ سرگرمیاں دیکھی گئی ہیں۔ اس کے کہنے کے مطابق گزشتہ رات وہ ایک سادھو کے بھیس میں اس مندر میں موجود تھا۔ اس نے ایک یوریشین عورت کو ایک سادھو کے ساتھ مندر کے اندرونی حصے کی طرف جاتے ہوئے دیکھا تھا۔ اس کے کہنے کے مطابق دوسرے مذاہب کے لوگوں کا مندروں میں آنا جانا کوئی غیر معمولی بات نہیں تھی۔ باہر سے آنے والے سیاح مندروں اور مسجدوں میں بھی جاتے ہیں لیکن جس یوریشین عورت کو اس سادھو کے ساتھ مندر کے اندرونی حصے کی طرف جاتے ہوئے دیکھا تھا، اسے وہ جانتا تھا۔ وہ جوان اور خوب صورت عورت تھی۔ کچھ عرصہ پہلے وہ ایک ہوٹل میں ویٹریس ہوا کرتی تھی۔ کمار نے پہلی مرتبہ اسے اسی ہوٹل میں دیکھا تھا۔ اس کے کہنے کے مطابق اس کا کردار قابل تعریف نہیں تھا۔ وہ پیسے کے لیے کسی بھی مرد کے ساتھ کہیں بھی جاسکتی تھی اور کچھ بھی کرسکتی تھی۔

کمار کے کہنے کے مطابق وہ اس وقت تک مندر میں موجود رہا تھا جب دروازے بند کیے جارہے تھے۔ اس وقت تک وہ یوریشین عورت باہر نہیں آئی تھی۔ مندر بند ہونے کے بعد بھی کمار رات بھر باہر چھپا بیٹھا رہا تھا۔

"مجھے شبہ ہے کہ وہ یوریشین عورت رات بھر مندر میں رہی ہے یا رات کے کسی حصے میں مندر کے کسی اور خفیہ راستے سے باہر نکل گئی تھی۔" کمار نے کہا۔

"کیا مندر میں..."

"تم نہیں جانتے باس۔" کمار نے میری بات کاٹ دی "میں ہندو ہوں۔ اپنے پنڈتوں اور پجاریوں کو بہت اچھی طرح جانتا ہوں۔ یہ مندر ان کے لیے نہ صرف کمائی کا ذریعہ ہیں بلکہ عیاشی کے اڈے بھی ہیں۔ تمہاری مسجدوں میں تو ہیں بلکہ عیاشی کے اڈے بھی ہیں۔ تمہاری مسجدوں میں تو جوتے پہن کر جانا ہی گناہ سمجھا جاتا ہے مگر ہمارے مندروں میں ایسی ایسی حرکتیں ہوتی ہیں کہ کوئی اجنبی شاید ایسی باتوں پر یقین نہ کرے۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بولا "مجھے یقین ہے کہ مرلی دھر اس مندر میں کہیں چھپا ہوا ہے اور اگر وہ نہ ہو تو کوئی اور لوگ ہوں گے جو..."

"میں سمجھ گیا۔" میں نے اس کی بات کاٹ دی "لیکن اس کی تصدیق کس طرح کی جائے۔"

"اس کا ایک طریقہ ہے۔" کمار نے کہا "اس کام کے لیے کسی خوب صورت ہندو عورت کو آمادہ کیا جائے۔ اگر تم کہو تو میں اس کا بندوبست کرسکتا ہوں۔"

"کون ہے وہ؟" میں نے پوچھا۔

"میری ایک دوست۔" کمار نے جواب دیا "قابل بھروسا اور نڈر۔ وہ اندر تک کی بات معلوم کرلے گی۔"

"ٹھیک ہے۔ اس سے بات کرلو۔ مجھے زیادہ سے زیادہ دو دن میں معلوم ہوجانا چاہیے کہ وہاں کون ہے اور کیا ہورہا ہے۔" میں نے کہا۔

اور پھر اس کے دو دن بعد مجھے مُرلا نامی اس عورت سے بھی رپورٹ مل گئی۔ وہ پوری رات مندر میں گزار کر آئی تھی۔ اس کے کہنے کے مطابق دارا یا مرلی دھر میں سے کوئی بھی وہاں موجود نہیں تھا۔ البتہ ان کا ایک اور ساتھی وہاں چھپا بیٹھا جو اس رات ہمارے خلاف ہونے والی کارروائی میں شریک تھا۔ وہ اس انتظار میں تھا کہ پولیس کی سرگرمیاں سرد پڑیں تو وہ سنگاپور سے بھاگ نکلے۔

میں سوچ رہا تھا کہ وہ کون ہوسکتا ہے۔ اس رات تین آدمی ہم پر حملہ آور ہوئے تھے۔ ایک چی فانگ جو مارا گیا تھا۔ دوسرا مرلی دھر جو بھاگ کر کار میں سوار ہوگیا تھا۔ تیسرے کو جانکی نے پکڑ لیا تھا۔ چوتھا دارا تھا لیکن وہ کون تھا۔

اچانک میرے دماغ میں جھماکا سا ہوا۔ جب یہ سارا ہنگامہ ہورہا تھا تو دارا کار کے قریب کھڑا تھا اور کار کا انجن اسٹارٹ تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ ایک آدمی کار میں بھی اسٹیئرنگ کے سامنے بیٹھا ہوا تھا اور یہ یقیناً وہی آدمی ہوگا جس نے مندر میں پناہ لے رکھی تھی اور اس سے دارا یا مرلی دھر کے بارے میں معلوم ہوسکتا تھا۔

میں اس پوزیشن میں نہیں تھا کہ مندر پر ہلہ بول سکتا۔ اس لیے میں نے انسپکٹر چیانگ شو کو صورت حال سے آگاہ کردیا۔

اور پھر اسی رات چیانگ شو نے مندر کو گھیرے میں لے کر چھاپا مار دیا۔ ہریش چندر نامی اس شخص نے مندر کے پچھلی طرف ایک خفیہ دروازے سے فرار ہونے کی کوشش کی تھی لیکن دھر لیا گیا تھا۔ اس کے ساتھ مندر کے دو پنڈت اور دو عورتیں بھی پکڑی گئی تھیں۔

ہریش چندر پنڈت مرلی دھر کا آدمی تھا جو دارا کے لیے کام کررہا تھا۔ اس کے کہنے کے مطابق اس رات اس نے دارا اور مرلی دھر کو ایسٹ کوسٹ پارک وے پر اتار دیا تھا۔ کار کو کسی اور جگہ چھوڑ کر وہ اس مندر میں آگیا تھا۔ اسے معلوم نہیں تھا کہ دارا اور مرلی دھر کہاں ہیں۔ وہ خود یہاں سے نکلنے کے لیے موقع کے انتظار میں تھا۔ ہریش چندر پر تھرڈ ڈگری بھی استعمال کی گئی تھی مگر اس کے بیان میں فرق نہیں آیا تھا۔ جس کا مطلب تھا کہ وہ جھوٹ نہیں بول رہا تھا۔

سارے راستے ایک بار پھر بند ہوگئے لیکن میں مایوس نہیں تھا۔ مجھے امید تھی کہ دارا وغیرہ کو سنگاپور سے باہر نکلنے کا موقع نہیں مل سکا اور وہ جزیرے پر ہی کسی جگہ روپوش تھا اور مجھے توقع تھی کہ بہت جلد اس سے میرا سامنا ضرور ہوگا۔

جانکی کی حالت... پہلے سے کافی بہتر تھی۔ اب وہ اٹھ کر چھوٹے موٹے کام بھی کرنے لگی تھی۔ اس لیے نرس کی چھٹی کردی گئی تھی۔ دن کے وقت امریتا کوریا اس کی بیٹی نرنجن آجاتی تو کھانا وغیرہ تیار کردیتی۔ رات کو جگ جیت سنگھ دیر تک بیٹھا باتیں کرتا رہتا۔

نرس کی چھٹی کروینے کے بعد میں نے اسپرنگ والی ایک چارپائی جانکی والے کمرے میں ڈال لی تھی اور رات کو میں وہیں سوتا تھا۔

جانکی کئی روز تک مضمحل اور اداس سی رہی۔ تھائی کی باتیں کرتے ہوئے اس کی آواز بھرا جاتی لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ہمارے دلوں پر لگے ہوئے زخم بھی بھرنے لگے۔

جانکی کے چہرے کا رنگ بدلنے لگا تھا اور اس کے ہونٹوں کی مسکراہٹ بھی عود کر آئی تھی۔ کبھی کبھی اس کی آنکھوں میں شرارت بھی چمکنے لگی تھی۔

پہلے میں تنہائی میں اس کے قریب رہتے ہوئے گھبرایا کرتا تھا۔ ایک انجانا سا خوف رہتا تھا کہ وہ نجانے کس وقت کیا کر گزرے لیکن حیرت کی بات تھی کہ اب مجھے اس سے کسی قسم کا خوف محسوس نہیں ہوتا تھا۔ نہ اس کے ہونٹوں کی مسکراہٹ سے اور نہ اس کی آنکھوں کی چمک سے۔ اب تو

میں اس سے دور بھی نہیں رہنا چاہتا تھا لیکن اس کا یہ مطلب نہیں تھا کہ میری نیت یا عزائم میں کچھ تبدیلی آگئی تھی اور مزید حیرت کی بات تو یہ تھی کہ جانکی میں بھی بہت سی تبدیلیاں آگئی تھیں۔ اس کا اندازہ مجھے اس رات ہوا جب میرا سر درد سے پھٹا جارہا تھا۔ اسپرین کھانے کے باوجود کوئی افاقہ نہیں ہوا۔ میں اس وقت جانکی کے پلنگ پر لیٹا ہوا تھا اور وہ میرا سر دبا رہی تھی۔ اس نے میرا سر اپنی گود میں رکھ لیا اور ہولے ہولے دباتی رہی۔ مجھے توقع تھی کہ وہ کوئی شرارت کرے گی۔

میں اس کی گود میں سر رکھے ہوئے سوگیا۔ رات کے پچھلے پہر میری آنکھ کھلی تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ جانکی پلنگ کی پشت سے ٹیک لگائے بیٹھی سو رہی تھی۔ میرا سر اس کی گود میں تھا اور اس کا ہاتھ میرے سر پر۔ میں نے اٹھنا چاہا تو وہ... ہڑبڑا کر جاگ گئی۔

"شی!" اس نے ہونٹوں پر انگلی رکھ دی "سوجاؤ۔ ابھی بہت رات باقی ہے۔" وہ دوسرے ہاتھ سے پھر میرا سر دبانے لگی۔

مجھے بڑی شدت سے تھائی یاد آگئی۔

"جانکی۔" میں نے اس کی گود سے سر اٹھاتے ہوئے کہا "تم رات بھر اسی طرح بیٹھی رہی ہو۔"

"اوہ..." وہ جیسے حواس میں آگئی "تمہارا سر دکھ رہا تھا نا۔ کیسی طبیعت ہے اب۔ سوجاؤ۔ میں تمہارا سر دبادوں۔"

"اب میں بالکل ٹھیک ہوں جانکی۔" میں نے جواب دیا "تم رات بھر بیٹھی میرا سر دباتی رہی ہو۔ اب میں بالکل ٹھیک ہوں۔ تم آرام سے سوجاؤ۔"

جانکی تکیے پر سر رکھ کر لیٹ گئی۔ میں نے اٹھنا چاہا تو اس نے میرا بازو پکڑ کر کھینچ لیا۔ میں بھی اس کے قریب لیٹ گیا۔ جانکی نے میرے بازو پر سر رکھ دیا اور چند سیکنڈ بعد ہی اس کے ہلکے ہلکے خراٹے سنائی دینے لگے۔ اس کے کچھ ہی دیر بعد میں بھی سو چکا تھا۔

کال بیل کی گھنٹی کی آواز سن کر میری آنکھ کھل گئی۔ میں نے سامنے دیوار پر لگی ہوئی گھڑی کی طرف دیکھا۔ صبح کے دس بج رہے تھے۔ جانکی اب بھی میرے بازو پر سر رکھے سو رہی تھی۔ اس کے چہرے پر بے پناہ معصومیت تھی۔ میں نے بڑی آہستگی سے اپنا ہاتھ اس کے سر کے نیچے سے نکالا اور باہر آکر دروازہ کھول دیا۔

وہ چاچی امریتا کور تھی۔ جو آلو کے پراٹھے بنا کر لائی تھی۔ میں نے جانکی کو جگا دیا اور پھر تقریباً آدھے گھنٹے بعد ہم بیٹھے ناشتا کررہے تھے۔ اس دوران میں ٹیلی فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ میں نے اپنی جگہ سے اٹھ کر ریسیور اٹھالیا۔ ہیلو کے جواب میں دوسری طرف کی آواز سن کر میرا دماغ بھک سے اڑ گیا۔

وہ دارا تھا۔

"امید ہے تمہاری طبیعت کچھ صاف ہوگئی ہوگی۔" وہ کہہ رہا تھا "اس رات تمہاری قسمت اچھی تھی جو تم بچ گئے۔ چی فانگ اپنے ہاتھوں سے تمہیں موت کے گھاٹ اتارنا چاہتا تھا جس طرح اس نے تمہاری ماں کو اسی جگہ خنجر کے بے دریغ وار کرکے ہلاک کیا تھا مگر وہ تمہاری چیختی چلاتی اس کے آڑے آگئی اور اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھی اور چی فانگ خود تمہارے ہاتھوں مارا گیا۔ اس کا یہی انجام ہونا چاہیے تھا۔ اچھا ہوا مرگیا سالا۔ بوجھ بن گیا تھا مجھ پر... اور اب..."

"تمہاری باری ہے۔" میں نے اس کی بات کاٹ دی "تم کب تک چھپے رہو گے۔ سنگاپور بہت چھوٹی سی جگہ ہے۔ میں ایک نہ ایک دن تمہیں ڈھونڈ نکالوں گا۔"

"جزیرے کی ساری پولیس مجھے تلاش نہیں کرسکی تو تم کیا کرلو گے اور اب تو ویسے بھی میں تم لوگوں کی پہنچ سے دور نکل چکا ہوں۔" دارا نے کہا۔

"تم میری پہنچ سے دور نہیں جاسکتے۔" میں نے کہا۔

"اس وقت تو میں تمہاری دسترس سے بھی بہت دور ہوں۔" دارا نے کہا "جس رات پولیس نے ہنومان مندر پر چھاپا مار کر ہریش چندر کو گرفتار کیا تھا اس رات میں اس مندر سے صرف دو فرلانگ کے فاصلے پر ایک اور بلڈنگ میں تھا اور تمہیں یہ جان کر حیرت ہوگی کہ میں کل رات ہی سنگاپور سے ایک کشتی کے ذریعے ملائشیا کے جزیرے جوہور پہنچ گیا تھا اور اس وقت تو کوالالمپور میں بیٹھا ہوا ہوں۔ دو گھنٹوں بعد میں یہاں سے بھی نکل جاؤں گا۔ چند گھنٹوں بعد جہاز مجھے پاکستان پہنچا دے گا۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بولا "مجھے یہ اعتراف کرنے میں باک نہیں کہ تمہاری وجہ سے مجھے اس وقت میدان چھوڑنا پڑا ہے لیکن میں بھاگ نہیں رہا پھر آؤں گا۔ نئی طاقت کے ساتھ اور اپنے ہاتھوں سے تمہیں موت کے گھاٹ اتاروں گا۔ یہ میرا وعدہ رہا۔"

میں کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن لائن کٹ گئی۔ میں نے ریسیور رکھ دیا۔

میں نے امریتا کور کی موجودگی میں کچھ بتانا ضروری نہیں سمجھا لیکن بہرحال وہ سمجھ گئی تھی کہ کس کی کال ہوسکتی تھی۔

تھوڑی دیر بعد امریتا چلی گئی تو میں نے جانکی کو بتا دیا کہ دارا اس وقت کوالالمپور میں ہے اور دو گھنٹوں بعد وہاں سے پاکستان کے لیے روانہ ہونے والا ہے۔

"انسپکٹر چیانگ شو کو بتا دو۔" جانکی نے کہا "وہ کوالالمپور پولیس کو فون کردے گا۔ دارا کو ہوائی اڈے پر پکڑا جاسکتا ہے۔"

"بیکار ہے۔" میں نے کہا "وہ بہت چالاک ہے۔ ایک مہینے سے یہاں چھپا ہوا تھا لیکن پولیس اسے تلاش نہیں کرسکی۔ وہ کل رات بڑے اطمینان سے یہاں سے نکل گیا اور کسی کو پتا بھی نہیں چلا۔ ظاہر ہے پولیس میں سب ہی لوگ چیانگ جیسے فرض شناس اور دیانت دار..... نہیں ہیں۔ دارا کسی بھی بددیانت پولیس آفیسر کی مدد کے بغیر یہاں سے نہیں نکل سکتا تھا۔ بہرحال جس طرح وہ یہاں سے نکل گیا ہے اسی طرح کوالالمپور سے بھی نکل جائے گا۔ اب اس پر ہاتھ ڈالنے کے لیے مجھے پاکستان جانا پڑے گا۔"

"کیا...!" جانکی اچھل پڑی "تم پاکستان جاؤ گے؟"

"ہاں۔" میں نے جواب دیا "میرا اصل وطن تو پاکستان ہی ہے۔ میں نے جنم تو اس مٹی سے لیا تھا۔ دارا سے دو دو ہاتھ کرنے کے علاوہ مجھے ملک نوازش علی سے اپنے باپ کا حساب بھی کرنا ہے۔"

جانکی جواب دینے کے بجائے مجھے تکتی رہ گئی۔

اس روز میں نے بہرحال انسپکٹر چیانگ شو کو دارا کے بارے میں بتا دیا اور یہ بھی بتا دیا کہ میں پاکستان جانا چاہتا ہوں اور کاغذات وغیرہ کی تیاری کے سلسلے میں مجھے اس کی مدد کی ضرورت ہے۔

انسپکٹر چیانگ شو مجھے روکنا چاہتا تھا مگر میں نے اس کی کوئی بات نہیں مانی اور اپنے طور پر تیاری شروع کردی۔ جانکی بھی میرے ساتھ جانے کو تیار تھی۔

دارا سے میری جو جنگ کئی سال پہلے شروع ہوئی تھی وہ ابھی تک جاری تھی۔ اس میں زیادہ نقصان تو میرا ہی ہوا تھا۔ میرے ہمدرد اور میرے چاہنے والے ہی اس کے ہاتھوں مارے گئے تھے۔ ابھی یہ جنگ ادھوری تھی اور میں اسے اختتام تک پہنچائے بغیر چین سے نہیں بیٹھ سکتا تھا۔

دس بارہ دن اور لگ گئے اور پھر وہ دن بھی آگیا جب میں اور جانکی سنگاپور ائرلائن کی ایک فلائٹ سے پرواز کررہے تھے۔

اس فلائٹ کا پہلا اسٹاپ ہندوستان کا شہر بمبئی تھا اور اس کے بعد کراچی۔

بمبئی سے ٹیک آف کرنے کے تقریباً آدھے گھنٹے بعد ہوائی جہاز ائرپاکٹ میں آگیا۔ مسافروں کو اپنے سیٹ بیلٹ باندھ لینے کی ہدایت کردی گئی۔ جہاز بری طرح لڑکھڑا رہا تھا۔ کبھی ایک طرف جھکتا اور کبھی دوسری طرف۔

جہاز کے مسافروں میں مختلف قومیتوں اور مذاہب کے لوگ تھے۔ سب لوگ بلند آواز سے دعائیں مانگ رہے تھے۔ جہاز کے مائیک سسٹم سے بار بار مختلف اعلان ہورہے تھے۔ آخری اناؤنس منٹ یہ تھی کہ جہاز کو کراچی لے جانے کے بجائے راجستھان کے شہر جودھ پور کے ہوائی اڈے کی طرف لے جانے کی کوشش کی جارہی ہے۔

اس اعلان کی بازگشت ابھی پوری طرح ختم بھی نہیں ہوئی تھی کہ جہاز تیزی سے بائیں طرف جھکنے لگا۔ بعض مسافر چیخ رہے تھے۔ میری سیٹ کھڑکی کے ساتھ تھی۔ میں نے باہر جھانک کر دیکھا تو کلیجا منہ کو آتا ہوا محسوس ہونے لگا۔

زمین بڑی تیزی سے قریب آرہی تھی۔ میں نے آنکھیں بند کرلیں اور بچپن میں قرآن شریف کی جتنی سورتیں پڑھی تھیں، زیر لب دہرانے لگا۔ ہوائی جہاز بڑی تیزی سے زمین کی طرف جارہا تھا۔ میرے کان کسی دھماکے کے منتظر تھے اور اس دھماکے کے ساتھ ہی سب کچھ ختم ہوجاتا۔ جہاز کے تقریباً دو سو مسافر بڑی تیزی سے موت کی طرف بڑھ رہے تھے۔

میں نے آنکھیں کھول کر دیکھا۔ زمین کا فاصلہ کچھ اور کم ہوگیا تھا۔ جہاز بڑی تیزی سے بائیں پہلو پر نیچے جارہا تھا۔ نیچے ایک بہت بڑی جھیل تھی جو لمحہ بہ لمحہ قریب آرہی تھی یا بہ الفاظ دیگر جہاز بہت تیزی سے جھیل کے پانی میں غوطہ لگانے کے لیے جھک رہا تھا۔ جھیل کے آس پاس اونچے درخت اب صاف دکھائی دے رہے تھے اور میرا خیال تھا کہ جہاز پہلے ان درختوں سے ٹکرائے گا۔

میں نے ایک بار پھر آنکھیں بند کرلیں۔ ہماری زندگیوں کا خاتمہ ہونے میں صرف چند ہی گھڑیاں باقی رہ گئی تھیں لیکن پھر ایک اور حیرت انگیز بات ہوئی۔ جہاز بڑی تیزی سے اوپر اٹھنے لگا۔

ہوا کے گرداب میں پھنسا ہوا ہوائی جہاز کٹی ہوئی پتنگ کی طرح ڈول رہا تھا۔ تقریباً دو سو مسافروں کی زندگیاں داؤ پر لگی ہوئی تھیں جن میں سے بیشتر لوگ چیخ رہے تھے۔ باقی اونچی آواز میں اپنی اپنی زبان میں اپنے اپنے خدا کو یاد کررہے تھے اور پھر اسی شور میں جہاز کے مائیک سسٹم پر ائرہوسٹس کی چیختی ہوئی آواز سنائی دی۔ وہ کہہ رہی تھی۔

"معزز مہمانوں سے درخواست ہے کہ وہ پریشان نہ ہوں۔ جہاز کنٹرول میں ہے۔ کسی ائرپورٹ تک پہنچنا ممکن نہیں۔ اب ہم ریگستان پر کریش لینڈنگ کی تیاری کررہے ہیں۔ مسافروں سے درخواست ہے کہ وہ اپنی اپنی سیٹوں پر بیٹھے رہیں۔ سیفٹی بیلٹ کھولنے کی کوشش نہ کریں اور....."

اس کے بعد ائرہوسٹس کی آواز سنائی نہیں دی۔ اس کے ساتھ ہی جہاز کی ساری بتیاں بھی بجھ گئی تھیں۔ جہاز کا ایک انجن بند ہوگیا تھا۔ تاریکی چھاتے ہی ایک مرتبہ پھر مسافروں کی چیخیں گونج اٹھیں۔

جہاز دائیں بائیں ہچکولے کھاتا ہوا نیچے جھک رہا تھا۔ میں نے ایک بار پھر آنکھیں کھول کر کھڑکی سے باہر دیکھا۔ اس جھیل کا اب نام ونشان تک دکھائی نہیں دے رہا تھا جو کچھ دیر پہلے نظر آئی تھی۔ چاروں طرف وسیع وعریض اور لق ودق صحرا نظر آرہا تھا اور جہاز اس ریگ زار پر جھک رہا تھا۔

میں نے گردن گھما کر جانکی کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں۔ چہرہ خوف سے پیلا ہورہا تھا اور ہونٹ بڑی دیر سے حرکت کررہے تھے۔ وہ زیرلب کوئی دعا مانگ رہی تھی مگر آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے آگے والی سیٹ کو تھام رکھا تھا۔

اس علاقے کی ریت شاید سخت تھی کیونکہ جہاز زمین سے ٹکرا کر کئی فٹ اوپر اچھلا تھا۔ اس کے ساتھ ہی بتیاں ایک بار پھر روشن ہوگئیں۔

جہاز دوسری مرتبہ زمین سے ٹکرایا تو مسافروں کی چیخیں پہلے سے زیادہ خوفناک اور بلند تھیں۔ جہاز مینڈک کی طرح سخت ریتلی زمین پر پھدک رہا تھا۔ اسے بڑے زوردار جھٹکے لگ رہے تھے۔ میرا خیال تھا جہاز کے پہیے ریت میں دھنس رہے تھے۔ ایک اور زوردار جھٹکا لگا۔ جہاز کی باڈی زمین پر رگڑ کھانے لگی۔ کئی مسلسل جھٹکے لگنے کے بعد ایک اور زوردار جھٹکا لگا اور جہاز رک گیا۔

کئی مسافروں کی چیخیں اب بھی سنائی دے رہی تھیں۔ ائرہوسٹس کچھ کہہ رہی تھی مگر مسافروں کی چیخ وپکار میں اس کی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ کئی مسافر اپنے بیلٹ کھول کر سیٹوں سے اٹھ رہے تھے۔ ائرہوسٹس اب بھی چیخ چیخ کر کچھ کہہ رہی تھی لیکن لوگوں کے شور میں اس کے الفاظ سمجھ میں نہیں آرہے تھے۔

اور پھر جہاز کے دروازے کھل گئے۔ لوگ بدحواسی کے عالم میں دروازے کی طرف لپکے۔ جہاز کا دروازہ زمین سے تقریباً بیس فٹ بلند تھا۔ دو چار آدمیوں نے چھلانگیں بھی لگادیں۔ ان میں سے ایک کی خوفناک چیخ بھی سنائی دی تھی۔ دوسرے رک گئے۔

"جہاز پھٹنے والا ہے۔ باہر چھلانگ لگادو۔" یہ کسی مسافر کی آواز تھی جو چیخ چیخ کر جہاز کے دھماکے سے پھٹنے کی پیش گوئی کررہا تھا۔

دو چار اور آدمیوں نے چھلانگ لگادی اور پھر ائرہوسٹس کی آواز سنائی دی۔ وہ چیخ چیخ کر لوگوں کو پُرسکون رہنے کی درخواست کرتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"آپ لوگ پُرسکون رہیے۔ جہاز کے شوٹس کھولے جارہے ہیں۔ برائے مہربانی ان شوٹس پر دوڑنے کی کوشش نہ کریں اور نیچے اتر کر جہاز سے زیادہ سے زیادہ دور چلے جانے کی کوشش کریں۔ شوٹس کھلنے کے بعد پہلے خواتین اور بچوں کو اترنے کا موقع دیں۔"

جہاز کے دونوں طرف ایمرجنسی دروازے کھل گئے اور جہاز کے اندر پوشیدہ شوٹس سلائیڈز کی طرح پھسلتے ہوئے باہر نکل گئے۔ ان کے اگلے حصے زمین پر ٹک گئے۔ اس طرح جہاز کے دروازوں سے زمین تک ایک ڈھلان بن گئی۔ اس ڈھلان پر دوڑنا ممکن نہیں تھا۔ صرف پھسل کر ہی اترا جاسکتا تھا۔ لوگ سیٹوں کے درمیان ایک دوسرے کو دھکے دیتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے۔

"پہلے بچوں اور خواتین کو اترنے کا موقع دیں پلیز!" کوئی آدمی چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا۔

مگر اس کی آواز سننے والا کوئی نہیں تھا۔ ہر ایک کو اپنی جان پیاری تھی اور ہر کوئی سب سے پہلے جہاز سے اترنے کی کوشش کررہا تھا۔ یہ خطرہ بہرحال اپنی جگہ موجود تھا کہ جہاز کا فیول ٹینک کسی بھی وقت زوردار دھماکے سے پھٹ سکتا تھا۔

میں اور جانکی بھی اپنی سیٹوں سے اٹھ کر دھکے کھاتے ہوئے ایک ایمرجنسی دروازے کے قریب پہنچ گئے۔ اس وقت دو عورتیں اپنے بچوں کو سینوں سے چمٹائے شوٹ کی چکنی ڈھلان پر بیٹھنے کی کوشش کررہی تھیں۔ ان دونوں کے چہرے خوف سے زرد تھے۔ ہمارے عقب میں ایک آدمی دھکے دیتا ہوا آگے بڑھا۔

"جہاز کے پچھلے حصے سے شوں شوں کی آواز آرہی ہے۔" وہ چیخ رہا تھا "جلدی باہر نکلو۔ جہاز پھٹنے والا ہے۔"

لوگوں میں کچھ اور بھی خوف وہراس پھیل گیا اور پھر وہی شخص دوسروں کو دھکے دیتا ہوا آگے بڑھ گیا اور پھر شوٹ کی ڈھلان پر بیٹھنے کے بجائے دوڑنے لگا۔ دوسرے ہی قدم پر اس کا پیر پھسلا۔ اس نے سنبھلنے کی کوشش کی مگر کامیاب نہیں ہوسکا۔ وہ منہ کے بل گرا اور قلابازیاں کھاتا ہوا گرتا چلا گیا۔ اس کے منہ سے نکلنے والی چیخیں بڑی خوفناک تھیں۔

لوگ افراتفری میں شوٹس سے اتر رہے تھے۔ وہ شخص نیچے ریت پر پڑا ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہا تھا۔ دو آدمیوں نے اسے اٹھا کر ایک طرف ڈال دیا۔ کچھ اور لوگ بھی اس کے گرد جمع ہوگئے۔

میں اور جانکی نیچے اترے تو وہ شخص بے حس وحرکت ہوچکا تھا۔ اس کی گردن کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی اور وہ ختم ہوچکا تھا۔

جہاز کے پچھلے حصے سے بڑے زور کی شوں شوں کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ کسی نے چیخ کر اس طرف متوجہ کیا تو لوگ بدحواس ہوکر ایک طرف بھاگ کھڑے ہوئے۔

ایک ادھیڑ عمر عورت..... جس نے ساڑی پہن رکھی تھی، پانچ چھ سال کی بچی کو اٹھائے ہانپتی ہوئی ایک طرف کو بھاگ رہی تھی۔ اچانک اس کا پیر ساڑی میں الجھا اور وہ منہ کے بل گری۔ اس کے ساتھ بچی کے منہ سے بھی چیخ نکل گئی تھی۔ میں نے دوڑ کر بچی کو اٹھالیا۔ جانکی اس عورت کو سہارا دے کر اٹھانے لگی اور پھر ہم دوڑتے ہوئے وہاں سے دور ہوتے چلے گئے۔

جہاز سے تقریباً سو گز دور ہم رک گئے۔ دوسرے لوگ بھی وہاں جمع ہونے لگے۔ وہ عورت اس بچی کے ساتھ اکیلی سفر کررہی تھی۔ وہ بمبئی سے جہاز پر سوار ہوئی تھی اور اسے کراچی جانا تھا۔ اکیلی ہونے کی وجہ سے اس حادثے نے اسے کچھ زیادہ ہی خوف زدہ کر رکھا تھا۔ ہم نے چونکہ اس کے ساتھ تھوڑی سی ہمدردی کی تھی اس لیے وہ..... ہمارے ساتھ ہی کھڑی رہی۔ بچی میری گود سے اتر کر اس کی ٹانگوں سے لپٹی کھڑی تھی۔

جہاز کے دوسری طرف بھی سو ڈیڑھ سو گز کے فاصلے پر کچھ لوگ ٹولیوں میں کھڑے تھے اور کچھ ابھی تک جہاز سے اتر رہے تھے۔

جہاز کا کیپٹن اور کاک پٹ کریو سب سے آخر میں جہاز سے اترا تھا۔ ان میں کیپٹن اور کوپائلٹ کے علاوہ چار پرسر اور پانچ ائرہوسٹس تھیں۔ کچھ لوگوں نے جہاز کے کیپٹن کو گھیر لیا تھا اور اس سے طرح طرح کے سوال کررہے تھے۔

"جہاز کا فیول ٹینک تو نہیں پھٹ جائے گا؟ جہاز تباہ تو نہیں ہوجائے گا؟ ہم کس جگہ پر ہیں؟ یہاں سے کیسے جائیں گے؟"

بہت سے سوال تھے جن کا کپتان کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ وہ لوگوں کو تسلی دے رہا تھا۔ جہاز کا دوسرا عملہ بھی مسافروں کو پرسکون رکھنے کی کوشش کررہا تھا۔

بہت سے لوگ اپنے سامان کے لیے فکرمند تھے۔ ان میں کچھ لوگ غریب بھی تھے۔ یہ لوگ سنگاپور سے جہاز پر سوار ہوئے تھے۔ سنگاپور میں چند روز اپنی دکان پر بیٹھنے سے یہ دلچسپ انکشاف ہوا تھا کہ ہندوستان اور پاکستان سے بہت سے ایسے لوگ آتے ہیں جو عام استعمال کا کچھ سامان اپنے ساتھ لے جاتے ہیں اور واپس جاکر بیچ دیتے ہیں جس سے انہیں معقول منافع ملتا ہے۔ چند روز آرام سے گزارنے کے بعد وہ دوبارہ سنگاپور آجاتے ہیں۔

ہمارے ساتھ ناہید نامی اس عورت کی باتوں سے یہ دلچسپ انکشاف ہوا کہ اس کا تعلق بھی اسی طبقے سے تھا۔ ناہید بیوہ عورت تھی۔ تین سال پہلے کراچی میں ٹریفک کے ایک حادثے میں اس کے شوہر کا انتقال ہوگیا تھا۔ وہ ایک پرائیویٹ کمپنی میں اکاؤنٹنٹ تھا۔ کراچی کے فیڈرل بی ایریا کے علاقے میں دو سو چالیس گز کے ایک مکان کے سوا کوئی

جاسوسی ڈائجسٹ کا تہلکہ خیز سلسلہ

ایک ایسے نوجوان کی داستانِ عبرت

جو حالات کے جال میں پھنس کر جرائم کی دلدل میں پھنستا چلا گیا

انعام یافتہ مشہور مصنف جمیل توقیر کا منفرد انداز تحریر

گمراہ

8 حصے

قیمت فی حصہ 60 روپے

ڈاک خرچ فی حصہ 23 روپے

کتابی شکل میں تیار ہے

کتابیات پبلی کیشنز

پوسٹ بکس 23 کراچی 74200

دفاتر: جیوز، طارق روڈ، گلی نمبر 3، جمشید روڈ

فون: 5802551 5802552-5 فیکس: 5315313

kitabiat1970@yaho...com

جائداد نہیں تھی۔ اس مکان پر بھی ناہید کے سسرال والوں نے قبضہ کرنے کی کوشش کی تھی۔ یہ جھگڑا عدالت تک پہنچا۔ ایک سال کی مقدمے بازی کے بعد عدالت نے ناہید کے حق میں فیصلہ دیا اور مکان کا قبضہ اسے دلوا دیا۔

شوہر کے انتقال کے بعد جو جمع پونجی تھی' وہ مقدمے پر خرچ ہوگئی۔ شوہر کی پرائیویٹ کمپنی میں ملازمت کی وجہ سے کسی پنشن وغیرہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

ناہید انٹرپاس تھی۔ اسے کوئی اچھی ملازمت تو نہیں مل سکتی تھی البتہ محلے ہی کے ایک پرائیویٹ اسکول میں پرائمری کے بچوں کو پڑھانے کی نوکری مل گئی۔ تنخواہ صرف پندرہ سو روپے تھی۔ فارغ وقت میں لوگوں کے کپڑے سی کر وہ اپنی گزر اوقات کر رہی تھی۔ اسی دوران میں ناہید کی ملاقات صدر میں الیکٹرونکس کا کاروبار کرنے والے سلطان احمد نامی ایک آدمی سے ہوگئی۔ اس نے ناہید کو سنگاپور کے پھیرے لگانے کی پیشکش کی۔ معقول معاوضے کے لالچ میں ناہید نے یہ پیشکش قبول کرلی۔ سلطان احمد ہی نے اسے پاسپورٹ بنوا دیا تھا۔

ناہید تقریباً ڈیڑھ سال سے یہ "پھیرے" لگا رہی تھی اور اس مرتبہ وہ اپنی بیٹی بلی کو بھی ساتھ لے آئی تھی مگر بدقسمتی سے یہ حادثہ پیش آگیا۔ ناہید کو اپنی بیٹی اور اس سامان کی فکر تھی جو ہزاروں روپے مالیت کا تھا اور جہاز کے لگیج ہولڈ میں رکھا ہوا تھا۔

جہاز کے تمام مسافر ایک جگہ جمع ہوچکے تھے۔ ان میں کئی لوگ کریش لینڈنگ کے دوران میں لگنے والے جھٹکوں سے زخمی ہوئے تھے۔ جہاز کے دروازوں سے بدحواسی میں چھلانگ لگانے والوں میں ایک آدمی کی ٹانگ ٹوٹ گئی تھی اور وہ تھوڑی دیر بعد چیخ رہا تھا۔ ایک مسافر ہلاک ہوا تھا۔ یہ وہی شخص تھا جس نے شوٹس سے دوڑتے ہوئے اترنے کی کوشش کی تھی اور قلابازی کھاتا ہوا زمین تک پہنچا تھا۔ اس کی لاش کو ایک چادر سے ڈھانپ دیا گیا تھا۔

ایک گھنٹا گزر گیا۔ جہاز میں نہ تو آگ لگی تھی اور نہ ہی فیول ٹینک پھٹا تھا۔ لوگ جہاز کے کیپٹن اور دوسرے عملے کو گھیرے ہوئے تھے کہ وہ یہاں سے نکلنے کا کوئی حل تلاش کریں۔

جہاز کا کیپٹن کو پائلٹ اور دو پرسرز کو اشارہ کرتا ہوا جہاز کی طرف چل پڑا۔ میرے ساتھ دو اور آدمی بھی ان کے پیچھے پیچھے چلنے لگے۔

جہاز کا کیپٹن اور اس کے ساتھی تو کسی طرح شوٹ پر سے ہوتے ہوئے جہاز میں چلے گئے اور ہم نیچے ہی رہ کر جہاز کا معائنہ کرنے لگے۔ جہاز کے پہیے ٹوٹ چکے تھے۔ باڈی کا نچلا حصہ بھی زمین سے رگڑ کھا کر ایک دو جگہوں سے ٹوٹ چکا تھا۔ مجھے حیرت تھی کہ جہاز کا فیول ٹینک کیوں نہیں پھٹا تھا اور جہاز تباہ کیوں نہیں ہوا تھا۔ جہاز کی حالت دیکھ کر کہا جاسکتا تھا کہ اب وہ ہمیشہ کے لیے یہیں رہے گا۔ اس ویرانے میں اگر اس کی مرمت کر بھی دی گئی تو اسے اڑانے کے لیے لمبا چوڑا رن وے تعمیر کرنا پڑے گا جو ممکن نہیں تھا اور ریت پر ائربس جیسے اس جہاز کے لیے دوڑنا اور ٹیک آف کرنا اس سے بھی زیادہ ناممکن تھا۔

دونوں پرسرا میر جنسی میڈیکل کٹس لیے جہاز سے اتر آئے۔ ہم بھی ان کے ساتھ واپس آگئے اور زخمی مسافروں کو طبی امداد دی جانے لگی۔ ائرہوسٹس اس سلسلے میں بڑی مہارت کا ثبوت دے رہی تھیں۔ جس شخص کی ٹانگ ٹوٹی ہوئی تھی اسے کس کرپٹی باندھ دی گئی۔ اس سے زیادہ اس کی مدد نہیں کی جاسکتی تھی۔

لوگ مختلف ٹولیوں میں ریت پر بیٹھے ایک دوسرے سے پوچھ رہے تھے کہ اس مصیبت سے کیسے نجات ملے گی اور ایک پر سر مسافروں کو تسلی دے رہا تھا کہ کیپٹن جہاز کے ریڈیو پر قریبی ائرپورٹ سے رابطہ کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ ہوسکتا ہے گھنٹے دو گھنٹوں میں امدادی ٹیم یہاں پہنچ جائے۔

میں جانگی اور ناہید کے ساتھ لوگوں سے ہٹ کر بیٹھا ہوا تھا۔ بلی' ناہید سے جڑی بیٹھی تھی۔ وہ بار بار ٹھنک رہی تھی اور ناہید کبھی اسے پیار کرتی اور کبھی ڈانٹنے لگتی۔

ہمارے چاروں طرف دور دور تک ویرانہ تھا۔ بے برگ و گیاہ ریگستان تھا بہت دور ریت کے ٹیلے بھی نظر آرہے تھے۔ یہ بھی مقام شکر تھا کہ جہاز سخت ریت والے اس خطے پر اتر گیا تھا۔ اگر کچھ آگے لینڈنگ کی کوشش کی جاتی تو ٹیلوں سے ٹکرا کر تباہ ہوجاتا۔

کسی کو کوئی اندازہ نہیں تھا کہ ہم کسی آبادی سے کتنی دور ہیں۔ کریش لینڈنگ سے چند منٹ پہلے میں نے ایک جھیل دیکھی تھی۔ ہوسکتا ہے اس جھیل کے آس پاس کوئی آبادی بھی ہو اور ہوسکتا ہے اس بستی کے لوگوں نے جہاز کو دیکھا بھی ہو لیکن جھیل کے عین قریب پہنچ کر جہاز اوپر اٹھ گیا تھا اور تین چار منٹ تک پرواز کرتا ہوا وہاں سے میلوں دور نکل آیا تھا۔ جھیل کے آس پاس کسی بستی کے لوگوں نے جہاز کو دیکھا بھی ہوگا تو وہ ہماری مدد کو نہیں پہنچ سکتے تھے۔

سنگاپور سے ٹیک آف کرنے کے بعد جہاز نے بنگلور ائرپورٹ پر قیام کیا تھا۔ اس وقت موسم بہت خوشگوار تھا۔ بمبئی ائرپورٹ پر قیام کے دوران میں ہی موسم تبدیل ہونا شروع ہوگیا تھا۔ آسمان بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ بارش کے آثار تھے لیکن کنٹرول ٹاور سے جہاز کو ٹیک آف کرنے کی اجازت مل گئی تھی۔ اس کے تھوڑی دیر بعد ہی شاید موسم میں شدت آنا شروع ہوگئی تھی اور پھر جہاز ائر پاکٹ میں پھنس گیا۔ کیپٹن نے شاید ایس او ایس کا سگنل نشر کردیا تھا اور اس کے بعد ہی ائرہوسٹس نے اعلان کیا تھا کہ جہاز کو جودھ پور ائرپورٹ کی طرف لے جانے کی کوشش کی جارہی ہے لیکن جہاز تیز ہواؤں کے گرداب میں پھنس گیا تھا اور پائلٹ کی وہ کوشش ناکام ہوگئی تھی لیکن اس کی ذہانت اور مہارت نے جہاز کو تباہ ہونے سے بچالیا تھا اور اس ریگستان میں کریش لینڈنگ کرنے میں کامیاب ہوگیا تھا۔

اس وقت پانچ بج رہے تھے۔ آسمان پر گہرے بادل تھے اور تیز ہوا کے جھکڑ چل رہے تھے۔ تھوڑی تھوڑی دیر بعد کسی طرف کوئی بگولا بھی دکھائی دے جاتا تھا۔ یہ غنیمت تھا کہ جس جگہ زمین سخت تھی اور زیادہ ریت نہیں اڑ رہی تھی۔ جہاں ریت نرم ہوتی تو یہاں اس طرح بیٹھنا مشکل ہوجاتا۔

مسافروں کو پریشانی تو تھی لیکن یہ اطمینان بھی تھا کہ پائلٹ جہاز کے ریڈیو پر کسی قریبی ائرپورٹ سے رابطہ کرنے کی کوشش کر رہا تھا اگر کہیں رابطہ ہوگیا تو زیادہ سے زیادہ دو گھنٹوں میں کوئی امداد پہنچ جائے گی۔

ایک گھنٹے بعد کیپٹن اور کو پائلٹ جہاز سے اتر کر آتے ہوئے دکھائی دیے۔ بہت سے لوگ ان کی طرف چل دیے اور انہیں راستے ہی میں جالیا۔ میں اپنی جگہ پر بیٹھا رہا۔ کیپٹن ایک چھوٹے سے بلوے کی صورت میں اس جگہ پہنچا۔ دوسرے لوگوں نے بھی اسے گھیر لیا۔

"امدادی پارٹی کب تک پہنچے گی کپتان صاحب؟ وہ لوگ یہاں کیسے پہنچیں گے؟ کیا وہ لوگ ہیلی کاپٹر پر آئیں گے؟"

کیپٹن پر سوالات کی بوچھار ہو رہی تھی اور وہ خاموش مڑا لوگوں کی شکلیں دیکھ رہا تھا۔

"کیا بات ہے کیپٹن صاحب۔" ایک اور آدمی نے کہا "آپ کچھ بتاتے کیوں نہیں۔ امدادی ٹیم یہاں کب تک پہنچے گی؟"

کیپٹن نے مڑ کر سوال کرنے والے شخص کی طرف دیکھا پھر بولا۔

"جہاز کا ریڈیو سسٹم خراب ہوگیا ہے۔ ہمارا کسی سے رابطہ نہیں ہوسکا۔"

ایک لمحے کو یوں لگا جیسے سب کو سانپ سونگھ گیا ہو۔ سناٹا سا چھا گیا اور پھر مکھیوں کی سی بھنبھناہٹ سنائی دینے لگی۔ لوگ پہلے سرگوشیاں کرتے رہے پھر ان کی آوازیں بلند ہوتی چلی گئیں۔ ہر شخص کی زبان پر ایک ہی سوال تھا۔ اب کیا ہوگا؟

کسی آبادی سے میلوں دور بے برگ و گیاہ ریگستان میں بے یار و مددگار پڑے رہنے کا تصور ہی لرزہ خیز تھا۔

"آپ لوگ شانت رہیے۔" کیپٹن کی آواز سنائی دی "کریش لینڈنگ سے پہلے ہم نے ایس او ایس کا سگنل دیا تھا۔ یوں بھی کسی نہ کسی بستی سے ہمارے جہاز کو دیکھ لیا گیا ہوگا۔ ہوسکتا ہے کسی بڑے شہر تک یہ خبر پہنچ جائے اور ہماری تلاش شروع ہوجائے۔ ہمیں انتظار کرنا ہوگا۔"

"موسم کے تیور بگڑے ہوئے ہیں۔" ایک آدمی نے کہا "کیا ایسے خوفناک موسم میں ایسی کوئی توقع کی جاسکتی ہے۔"

"مایوس نہ ہوں۔" کیپٹن نے کہا "امید ہے کہ جلد ہی کوئی نہ کوئی امدادی پارٹی اس طرف آجائے گی۔"

کیپٹن مسافروں کو تسلیاں دیتا رہا اور لوگ طرح طرح کے خدشات کا اظہار کرتے رہے۔ سب سے بڑا خدشہ یہ تھا کہ اگر کوئی امدادی پارٹی نہ پہنچ پائی تو کیا ہوگا۔ مسافروں میں زخمی بھی تھے اور چھوٹے بچے بھی۔ خوراک کی صورت حال کا علم نہیں تھا۔ آیا جہاز پر اتنی خوراک موجود تھی کہ ایک دو وقت تک تقریباً دو سو مسافروں کی ضرورت پوری ہوسکے۔ اس ہولناک ویرانے میں رات بسر کرنے کا تصور ہی ہولناک تھا۔

ساڑھے پانچ بج چکے تھے۔ آسمان پر گہرے بادلوں کی وجہ سے اندھیرا سا تھا کچھ دیر بعد شام ہوجائے گی اور اندھیرا گہرا ہوجائے گا اور اس کے بعد کسی امدادی پارٹی کے آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

ہوا کا زور ٹوٹ چکا تھا۔ موسم اگرچہ بتدریج پرسکون ہوتا جارہا تھا مگر لوگوں کے دلوں پر ایک انجانا سا خوف طاری تھا۔ اگر کوئی امدادی پارٹی نہ پہنچی تو کیا ہوگا؟

"اوکے... وہ دیکھو۔ کوئی آرہا ہے!" ایک آدمی چیخ اٹھا۔

میں نے بھی چونک کر اس طرف دیکھا۔ دائیں طرف بہت دور دو گھڑ سوار دکھائی دے رہے تھے اور پھر ان کی تعداد میں بتدریج اضافہ ہوتا گیا۔ جہاز کے مسافر خوشی سے چیخ اٹھے۔ امداد پہنچ رہی تھی۔

میرا خیال تھا کہ وہ دور کی کسی بستی کے لوگ تھے جنہوں

نے اس طرف جہاز کو گرتے ہوئے دیکھا ہوگا اور اس کی تلاش میں اس طرف نکل آئے تھے۔

ان گھڑ سواروں کی تعداد پندرہ اور بیس کے درمیان تھی۔ فاصلہ بتدریج کم ہوتا جارہا تھا۔ تقریباً دس منٹ بعد وہ اتنا قریب آگئے کہ ہم ان کی شکلیں دیکھ سکتے تھے۔

ان گھڑ سواروں کو دیکھ کر میرا ماتھا ٹھنکا۔ ان کے حلیے بہت عجیب تھے۔ کئی آدمیوں نے ڈھاٹے باندھ رکھے تھے اور ان کے چہرے چھپے ہوئے تھے۔ رانا نفل ہر ایک کے پاس نظر آرہی تھی۔ ہر ایک کی کمر پر بیلٹ بندھے ہوئے تھے جن میں کارتوس بھرے ہوئے تھے۔

میری طرح کچھ اور لوگوں کے ذہنوں میں بھی کچھ خدشات ابھرے ہوں گے جن کا اظہار ان کے چہروں سے بھی ہورہا تھا۔

"وجدان!" جانکی نے میری طرف جھکتے ہوئے سرگوشی کی "یہ لوگ ہماری مدد کو نہیں آئے۔ یہ تو ڈاکو ہیں۔"

ہمارے خدشات بالکل درست ثابت ہوئے۔ ان گھڑ سواروں نے قریب آتے ہی ہوائی فائرنگ شروع کردی اور اس طرح پھیل گئے جیسے ہمیں گھیرے میں لینا چاہتے ہوں۔

فائرنگ سے عورتیں اور بچے چیخنے چلانے لگے۔ مرد بھی خوف زدہ ہوگئے تھے۔ عجیب صورت حال پیدا ہوگئی تھی۔ ہم تو پہلے ہی مصیبت میں گرفتار تھے اور اب ڈاکوؤں کے اس گروہ نے ہمیں گھیر لیا تھا۔ جہاز کے مسافروں میں سے کسی کے پاس اسلحہ نام کی کوئی چیز نہیں تھی جبکہ ڈاکو پوری طرح مسلح تھے۔ ان سے مقابلہ کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا لیکن میرا خیال تھا کہ کوئی ایسی صورت حال پیدا نہیں ہوگی۔ یہ لوگ ڈاکو ضرور تھے لیکن انسان تو تھے۔ ہماری مصیبت دیکھ کر لوٹ مار کا خیال ذہن سے نکال دیں گے اور ہماری مدد کریں گے مگر میرا یہ خیال غلط نکلا۔ وہ ڈاکو تھے۔ جن کے دل رحم اور ہمدردی جیسے جذبات سے ناآشنا تھے۔

"سب لوگ ایک جگہ کھڑے ہوجاؤ۔ کسی نے گڑبڑ کی کوشش کی تو گولیوں سے بھون دیے جاؤ گے۔" ایک گھڑ سوار نے چیخ کر کہا۔

اس کی عمر پینتیس اور چالیس کے درمیان رہی ہوگی۔ لمبا قد، مضبوط جسم، سر کے بال بے تحاشا بڑھے ہوئے تھے۔ اس کے ہاتھ میں آٹومیٹک رائفل تھی۔ سینے پر کراس کرتے ہوئے دو بیلٹ تھے جن میں گولیاں بھری ہوئی تھیں۔ اس کی موٹی موٹی آنکھوں میں خون جیسی سرخی تیر رہی تھی۔ اس کی شکل دیکھ کر ہی خوف آتا تھا۔ اس کے دوسرے ساتھیوں کے حلیے بھی اس سے مختلف نہیں تھے۔

"دیکھو مسٹر!" جہاز کا کیپٹن آگے بڑھ گیا "تم دیکھ رہے ہو کہ ہم لوگ پہلے ہی مصیبت میں گرفتار ہیں۔ ہمارے ساتھ عورتیں بھی ہیں، بچے بھی اور کچھ مسافر زخمی ہیں۔ ہمارا جہاز کا ریڈیو خراب ہوچکا ہے۔ کسی طرف سے امداد کی توقع نہیں۔ تم لوگ ہماری مدد کرو۔ اگر کوئی بستی قریب ہو تو۔"

"ہم یہیں پر بستی بنا دیویں گے۔ لاشوں کی بستی۔" اس شخص نے کہا۔ وہ ڈاکوؤں کے اس گروہ کا سردار تھا "ہم ڈاکو ہیں بھایا۔ ڈاکو کا کام لوٹنا ہوتا ہے کسی کی مدد کرنا نہیں۔ تم سب لوگ اپنی اپنی جیبوں سے ساری چیزیں نکال کر ہماری طرف رکھ دو۔ او رانا۔" اس نے گردن گھما کر اپنے ایک ساتھی کو مخاطب کیا "یہاں نیچے چادر بچھا دے اور ان سب کی جیبیں خالی کرادے۔"

وہ آدمی گھوڑے سے اتر آیا اور زمین پر ایک چادر بچھا دی۔

مسافروں میں سے ایک دو نے انسانیت کا واسطہ دے کر سردار کو سمجھانے کی کوشش کی مگر وہ ڈاکو تھا۔ اس نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ وہ ڈاکو ہیں اور ڈاکوؤں کا کام صرف لوٹنا ہوتا ہے۔

جہاز کے مسافر بے حس و حرکت اپنی اپنی جگہ پر کھڑے تھے۔ رانا نامی ڈاکو نے کیپٹن کو گریبان سے پکڑ کر آگے کھینچ لیا۔ پہلے اس کی کلائی سے گھڑی اتاری اور پھر جیبیں خالی کرنے کا حکم دیا۔

ان کے حکم کی تعمیل کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ سنگاپور سے آنے والی عورتیں طلائی زیوروں سے لدی پھندی تھیں۔ مردوں کی انگلیوں میں بھی موٹی موٹی انگوٹھیاں اور گلے میں موٹی موٹی سونے کی چین پڑی ہوئی تھیں۔ سنگاپور سے خریدا جانے والا یہ سونا پاکستان جاکر مہنگے داموں فروخت کردیا جاتا مگر اب یہ سب کچھ زمین پر پڑی ہوئی چادر پر گر رہا تھا۔

ایک آدمی نے مزاحمت کی تو رانا نامی ڈاکو نے بڑی بیدردی سے اس کے سینے میں گولی اتار دی۔ اس شخص کی لاش ریت پر تڑپنے لگی اور پھر ٹھنڈی ہوگئی۔ ایک آدمی کا حشر دیکھ کر دوسروں کو مزاحمت کی جرأت نہیں ہوئی۔

سردار نے اپنے چار پانچ ساتھی جہاز کی طرف بھیج دیے تھے۔ کچھ دیر بعد وہ بھی مسافروں کا وہ سامان نیچے پھینکنے لگے جو ہینڈ بیگیج کے طور پر مسافروں نے دوران سفر اپنے پاس رکھا ہوا تھا۔ ان میں الیکٹرونک کا بھی بہت سا سامان موجود تھا۔

ڈاکوؤں کی لوٹ مار جاری تھی۔ کسی کی آہ و زاری ان پر اثر انداز نہیں ہورہی تھی۔ مسافروں کی جیبوں سے سب کچھ نکلوا لیا گیا۔ ان کی گھڑیاں اور انگوٹھیاں بھی اتروالی گئیں۔ عورتوں کے زیور اتروا لیے گئے۔ ایک بچی کے کانوں سے سونے کی بالیاں نوچ لی گئیں۔

مزاحمت کرنے کا موقع نہیں تھا۔ ایک کا انجام سب دیکھ چکے تھے۔ کسی اور میں احتجاج یا مزاحمت کی ہمت نہیں ہوئی تھی۔ ایسا کرنا خودکشی کے مترادف تھا۔

دوسرے ڈاکو بھی جہاز میں سے بہت سا سامان نیچے ڈھیر کرکے باہر آگئے تھے۔ انہوں نے قیمتی سامان چادروں میں جمع کرلیا۔

شام کا اندھیرا پھیلنے لگا تھا۔ ڈاکوؤں کی سرگرمیاں جاری تھیں۔ ایک عورت اپنا لاکٹ چھپانے میں کامیاب ہوگئی تھی مگر اتفاق سے وہ لاکٹ ایک ڈاکو کی نظروں میں آگیا۔ اس نے آگے بڑھ کر عورت کے گلے پر ہاتھ ڈال دیا اور لاکٹ نوچ لیا۔ پیچھے ہٹتے ہوئے وہ اچانک رک گیا۔ اس کی نظریں عورت کے سراپا کا جائزہ لیتے ہوئے اس کے چہرے پر مرکوز ہوگئیں۔

"سردار!" وہ چیخا "کیا یہ خزانہ یہیں چھوڑ جاؤ گے۔ بھلا تو یہاں کیسے قیمتی ہیرے ہیں۔" وہ اس عورت کو کلائی سے پکڑ کر کھینچتا ہوا سردار کی طرف لے جانے لگا۔

عورت بری طرح چیختے ہوئے اپنے آپ کو چھڑانے کی کوشش کررہی تھی۔ ایک آدمی نے آگے بڑھ کر اسے چھڑانے کی کوشش کی تو ایک اور ڈاکو نے بڑی پھرتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنی رائفل کا بٹ پوری قوت سے اس کے سر پر رسید کردیا۔

ادھیڑ عمر وہ شخص چیخ کر گرا اور پھر اس کی آواز نہیں نکلی۔ اس کی کھوپڑی پاش پاش ہوگئی تھی۔ بعض لوگوں کے منہ سے چیخیں نکل گئیں۔ یہ جہاز کے مسافروں میں دوسرا گناہ تھا جو ان بے رحم ڈاکوؤں کی سفاکی کا شکار ہوا تھا۔ بیگانہ دو سو افراد کا مجمع اس طرح خاموش تھا جیسے سب کو سانپ سونگھ گیا ہو۔

اور پھر فائرنگ کی آواز سے سناٹا ٹوٹ گیا۔ سردار نے نفل اوپر اٹھا کر ایک برسٹ چلا دیا تھا۔ گولیوں کی آواز ویرانے میں گونجتی رہی اور پھر بچوں کی چیخیں سنائی دینے لگیں۔ عورتیں خوف زدہ ہوکر مردوں کے پیچھے چھپنے لگیں مگر ان کی یہ کوشش بیکار ثابت ہوئی۔ سردار کا اشارہ پاکر چار ڈاکو آگے بڑھے اور چار عورتوں کو گھسیٹتے ہوئے مجمع سے باہر نکال لے گئے۔ وہ چاروں بے حد حسین تھیں۔ ان میں ایک کی عمر اٹھارہ انیس سال رہی ہوگی۔ اس نے جینز اور ٹی شرٹ پہن رکھی تھی۔ دوسری بائیس تیئیس سال سے زیادہ کی نہیں تھی۔ اس نے شلوار قمیص پہن رکھی تھی۔ اس کے فگرز غیر معمولی تھے۔ باقی دونوں عورتوں کی عمریں تیس بتیس کے لگ بھگ رہی ہوں گی۔ وہ بھی بے حد حسین تھیں۔

جانکی اور ناہید کے چہرے بھی خوف سے پیلے پڑ رہے تھے۔ وہ سمجھ گئی تھیں کہ جن عورتوں کو ڈاکوؤں نے اپنے قبضے میں لیا تھا ان کا کیا حشر ہونے والا تھا۔ میں بھی سمجھ گیا تھا کہ ڈاکو ان عورتوں کو اپنے ساتھ لے جائیں گے اور اس وقت تک ان کی بوٹیاں نوچتے رہیں گے جب تک ان میں دم باقی رہے گا اور پھر انہیں موت کے گھاٹ اتار دیا جائے گا۔

ناہید ہم سے ذرا دور ہٹ کر دو آدمیوں کے پیچھے چھپنے کی کوشش کررہی تھی۔ ننھی بلی بھی اس کی طرف لپکی۔ اس طرح ناہید ایک ڈاکو کی نظروں میں آگئی۔ اس نے لپک کر ناہید کو پکڑ لیا اور ایک طرف گھسیٹنے لگا۔

بلی چیختی ہوئی ناہید سے لپٹ گئی۔ ڈاکو نے اسے دوسرے ہاتھ سے پکڑ کر دور پھینک دیا۔ بلی اٹھ کر دوبارہ ماں کی طرف لپکی تو ڈاکو نے زوردار ٹھوکر رسید کردی۔ وہ چیختی ہوئی اچھل کر دور جا گری۔ ایک آدمی نے جلدی سے آگے بڑھ کر اسے اٹھالیا اور چیخ چیخ کر اس ڈاکو کو برا بھلا کہنے لگا۔ وہ ڈاکو بھیانک انداز میں قہقہے لگاتا ہوا ناہید کو گھسیٹتا رہا۔ ناہید اپنے آپ کو چھڑانے کے لیے مزاحمت کرتی رہی۔ اس کھینچا تانی میں اس کی ساڑی بھی اس کے جسم سے الگ ہوگئی تھی اور اب اس کے جسم پر صرف بلاؤز اور پیٹی کوٹ رہ گیا تھا۔

ناہید نے موقع پاکر دانت اس ڈاکو کے بازو پر گاڑ دیے۔ ڈاکو بلبلا اٹھا مگر ناہید نے اسے نہیں چھوڑا۔ ڈاکو نے دوسرے ہاتھ سے ایک زوردار گھونسا ناہید کی کنپٹی پر رسید کردیا۔ ناہید چیخ اٹھی۔ ڈاکو کے بازو سے گوشت کا ایک لوتھڑا لٹک گیا۔ ناہید کے منہ سے بھی خون ٹپک رہا تھا۔ ڈاکو نے اپنے زخمی بازو کو دیکھا اور پھر گویا اس پر جنون سا طاری ہوگیا۔ وہ ناہید پر جھپٹ پڑا۔ اس نے ناہید کو گرفت میں لے کر دانت اس کے جسم پر گاڑ دیے۔ ناہید کی خوفناک چیخیں اور دوسرے ڈاکوؤں کے وحشت ناک قہقہے فضا میں گونج رہے تھے۔

میں اپنی جگہ پر خاموش کھڑا یہ سب کچھ دیکھتا رہا۔ مجھ سے عورتوں کی یہ تذلیل برداشت نہیں ہورہی تھی مگر میں

بڑی مشکل سے اپنے آپ پر قابو پائے ہوئے تھا۔ دو آدمیوں کا حشر میں دیکھ چکا تھا۔ اگر مقابلہ دست بدست ہوتا تو میں اب تک دو چار کو ڈھیر کرچکا ہوتا مگر وہ سب آتشیں اسلحے سے لیس تھے۔ ان کے ساتھ پنگا لینا خودکشی کے مترادف تھا۔ اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا کہ میں دوسروں کی طرح خاموش تماشائی بنا رہوں۔

ایک ڈاکو نے وہ چادر سمیٹ کر ایک گٹھڑی سی بنالی جس میں مسافروں سے لوٹ کا مال جمع کیا گیا تھا۔ وہ گٹھڑی سردار کے حوالے کردی گئی۔ جہاز کی طرف سے بھی دوسرے ڈاکو واپس آگئے تھے۔ انہوں نے بھی کئی گٹھڑیاں اپنے گھوڑوں پر لاد رکھی تھیں۔ ان عورتوں کو بھی ڈاکوؤں نے اپنے گھوڑوں پر بٹھالیا تھا جنہیں مال غنیمت سمجھ کر انہوں نے اپنے قبضے میں کیا تھا۔ وہ عورتیں اگرچہ بری طرح مچل رہی تھیں لیکن ہٹے کٹے تنومند ڈاکوؤں نے انہیں قابو میں کررکھا تھا۔

بلی اس شخص کی گود میں بری طرح مچل رہی تھی۔ اس کی چیخیں دردناک تھیں۔

سردار نے ایک بار پھر ہوائی برسٹ مارا اور ہجوم کی طرف دیکھا۔

"ادھر ایک بستی ہے کئی کوس دور۔" وہ کہہ رہا تھا "ہم وہاں کے لوگوں کو بتا دیویں گا۔ وہ سویرے تک تمہاری مدد کو پہنچ جاویں گے۔ یہاں تمہیں کوئی کھترہ ناہی ہے۔ آرام سے رات گجار لیو گے۔"

آرام سے رات گزار لینے والی بات اُس نے اس طرح کہی تھی جیسے ہمیں کسی بہت شان دار قسم کے ریسٹ ہاؤس میں چھوڑ کر جارہا ہو۔ یہاں کم سے کم دو درجن افراد زخمی تھے۔ لاشوں کی تعداد تین ہوچکی تھی اور وہ ہمیں آرام سے رات گزار لینے کا مشورہ دے رہا تھا۔

تمام ڈاکو روانگی کے لیے تیار ہوگئے۔ ان کا رخ جہاز کی طرف تھا۔ شاید وہ جہاز کے قریب سے گزر کر کسی اور طرف جانا چاہتے تھے۔ وہ پانچ عورتوں کو اغوا کرکے ساتھ لے جارہے تھے جو گھوڑوں پر لدی ہوئی تھیں اور بری طرح چیخ رہی تھیں۔

اچانک میرے پیٹ میں بڑی شدت کا مروڑ اٹھا۔ میں دونوں ہاتھوں سے پیٹ پکڑ کر دہرا ہوتا چلا گیا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے آنتوں میں گرہیں پڑ رہی ہوں۔ تکلیف کی شدت سے میرے جبڑے بھنچ گئے۔ یہ کیفیت چند سیکنڈ برقرار رہی پھر درد کی ایک لہر پیٹ سے سینے کی طرف منتقل ہونے لگی۔ ناف پر جو بوجھ پڑا تھا وہ بتدریج کم ہوتا چلا گیا۔ درد کی وہ لہر سینے میں پہنچ کر برف کی ٹھنڈک کی طرح پورے سینے میں پھیلتی چلی گئی۔ اس کے ساتھ ہی میں پرسکون ہوتا چلا گیا۔

"کیا ہوا۔ تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟" جانکی نے جھک کر میرا بازو پکڑ لیا۔

"کک۔۔۔ کچھ نہیں۔" میں آہستہ آہستہ سیدھا ہوگیا۔ اب میں اپنے آپ کو بہت ہلکا پھلکا سا محسوس کررہا تھا اور پھر مجھے یوں لگا جیسے میرے جسم کی ساری قوت میری آنکھوں میں سمٹ آئی ہو۔ میں ان ڈاکوؤں کی طرف دیکھنے لگا جو جہاز کے قریب پہنچ چکے تھے۔

ڈاکو جہاز کے قریب رک گئے تھے۔ ایک ڈاکو دوسرے ڈاکو کے گھوڑے پر لدی ہوئی ناہید کو اپنے گھوڑے پر منتقل کرنے کی کوشش کرنے لگا۔

ان دونوں ڈاکوؤں میں ناہید کے لیے کھینچا تانی ہونے لگی۔ ناہید کی چیخیں فضا میں گونج رہی تھیں اور پھر وہ گھوڑے سے گر گئی۔ دونوں ڈاکو بھی گھوڑوں سے اتر آئے اور ناہید پر قبضہ کرنے کے لیے ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کی کوشش کرنے لگے۔

میری نظریں ایک اور ڈاکو کی طرف منتقل ہوگئیں۔ ڈاکو اپنے دوسرے ساتھی پر پل پڑا جس نے اپنے گھوڑے پر جینز اور ٹی شرٹ والی لڑکی کو دبوچ رکھا تھا۔ وہ لڑکی بھی گر گئی اور دونوں ڈاکو بھی گھوڑوں سے اتر کر ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہوگئے۔

میرے اندر کی وہ پُراسرار قوت بیدار ہوگئی تھی جو حاصل کرنے کے لیے میں نے برسوں ریاضت کی تھی۔ اس کے لیے شاؤلن نیپال تک کا سفر کیا تھا۔ بڑے مصائب کٹھنائیاں اٹھائی تھیں اور اب میرے اندر کی وہ پراسرار قوت میری آنکھوں میں سمٹ آئی تھی۔

میری نظریں ڈاکوؤں کے اس گروہ میں متحرک تھیں۔ اب تمام ڈاکو گھوڑوں سے اتر کر ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہورہے تھے۔ سردار پہلے تو چیختا رہا پھر وہ بھی اپنے ایک ساتھی پر پل پڑا۔

جہاز کے مسافر حیرت سے یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے۔ ان کے لیے یہ ایک دلچسپ تماشا تھا۔ جو ڈاکو انہیں لوٹ رہے تھے اور ان کے درمیان سے پانچ عورتوں کو اٹھا کر لے جا رہے تھے۔ وہ آپس میں اس طرح لڑ رہے تھے جیسے ایک دوسرے کے ازلی دشمن ہوں۔

ڈاکو تو ان عورتوں کے حصول کے لیے آپس میں لڑ رہے تھے اور وہ پانچوں عورتیں موقع پاکر چیختی چلاتی ہوئی دہاڑیں

بھاگ نکلیں۔

ڈاکوؤں کی دست بدست لڑائی جاری تھی اور پھر ایک فائر ہوا۔ کسی ڈاکو نے گولی چلا دی تھی اور پھر دست بدست لڑائی ایک باقاعدہ محاذ میں تبدیل ہوگئی۔ ڈاکو ایک دوسرے پر گولیاں برسا رہے تھے۔

ناہید اور دوسری عورتیں گرتی پڑتی قریب پہنچ گئی تھیں۔ جانکی نے آگے بڑھ کر ناہید کو سنبھال لیا اور بلی دوڑ کر ناہید سے لپٹ گئی۔

ڈاکوؤں میں زبردست فائرنگ ہورہی تھی۔ چند گولیاں جہاز کی باڈی میں بھی لگی تھیں۔ فضا فائرنگ کی آواز سے گونج رہی تھی اور پھر میں جیسے ہوش میں آگیا اور اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ مجھے یوں لگا جیسے میں نیند سے بیدار ہوا ہوں۔ سینے پر بوجھل پن اور سر بھاری محسوس ہونے لگا۔ میں نے سر کو ایک دو جھٹکے دے کر اِدھر اُدھر دیکھا۔

فائرنگ کی شدت میں اضافہ ہوگیا تھا اور جہاز کے مسافر مارے خوف کے اِدھر اُدھر بھاگ رہے تھے۔ بچوں اور عورتوں کے چیخنے کی آوازیں بھی سنائی دے رہی تھیں۔

جہاز کے آس پاس گولیوں کی برسات دیکھ کر میں جیسے ہوش میں آگیا۔ میں نے جھک کر بلی کو گود میں اٹھالیا اور ایک طرف بھاگ کھڑا ہوا۔ جانکی بھی ناہید کا ہاتھ پکڑے دوڑ رہی تھی۔

جہاز کے مسافر ایک ٹیلے کے پیچھے رک گئے۔ ہم بھی اسی طرف دوڑ رہے تھے۔ اچانک ایک زور کا دھماکا ہوا۔ یوں لگا جیسے ایٹم بم پھٹ پڑا ہو۔ جانکی اور ناہید لڑکھڑا کر گر پڑیں۔ میں نے مڑ کر دیکھا اور میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔

ڈاکوؤں میں سے کسی کی گولی جہاز کے فیول ٹینک میں لگی تھی اور فیول ٹینک ایک دھماکے سے پھٹ گیا تھا۔ جہاز کے پرخچے اڑ گئے۔ تاریک فضا روشن ہوگئی۔ آگ کے شعلے اور دھوئیں کے بادل آسمان کی طرف اٹھ رہے تھے۔ ہوا میں اڑتے ہوئے جہاز کے ٹکڑے اِدھر اُدھر گرنے لگے۔ ایک جلتا ہوا ٹکڑا ہم سے تقریباً بیس گز کے فاصلے پر گرا۔ کچھ اور ٹکڑے آس پاس گر رہے تھے۔

"بھاگو یہاں سے!" میں چیخا۔

ناہید اٹھنے کی کوشش کررہی تھی۔ میں نے ایک ہاتھ سے بلی کو گود میں سنبھالے رکھا اور دوسرے ہاتھ سے ناہید کو سہارا دے کر اٹھا دیا۔

"جانکی! ناہید کو سنبھالو اور اس ٹیلے کے پیچھے پہنچنے کی کوشش کرو۔ جلدی کرو۔"

ہم لوگ دوڑتے ہوئے ٹیلے کے پیچھے پہنچ گئے۔ جہاز کے بہت سے مسافر اسی ٹیلے کے پیچھے پناہ لیے ہوئے تھے۔ کچھ لوگ کسی اور طرف بھاگ گئے تھے۔

"رکو مت۔ اسی طرف چلتی رہو۔" میں نے جانکی اور ناہید کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

ہم تینوں ٹیلے کے دوسری طرف پہنچ کر بھی رکے بغیر چلتے رہے۔ میں بار بار پیچھے مڑ کر دیکھتا رہا۔ جہاز اگرچہ اب نظر نہیں آرہا تھا مگر اٹھتے ہوئے شعلے دکھائی دے رہے تھے۔ فضا میں نارنجی سی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔

ہم تیز تیز چلتے ہوئے لوگوں سے دور پہنچ گئے۔ آگے چھوٹے چھوٹے ٹیلوں کا سلسلہ شروع ہوگیا تھا۔ ہم کبھی ان ٹیلوں کے گرد گھومتے ہوئے چلنے لگتے اور کبھی کسی ٹیلے پر چڑھ کر دوسری طرف اتر جاتے۔

میں ایک ٹیلے پر رک گیا اور پیچھے مڑ کر دیکھنے لگا۔ ہم وہاں سے تقریباً دو میل دور نکل آئے تھے۔ جہاز سے اٹھنے والے شعلے اب دکھائی نہیں دے رہے تھے مگر اس طرف ایک محدود حصے میں مدھم سی روشنی نظر آرہی تھی۔

جانکی کی سانس پھول گئی تھی اور اس کے قریب ریت پر بیٹھی ہوئی ناہید ہولے ہولے کراہ رہی تھی۔ میں نے بلی کو گود سے اتار دیا۔ وہ دوڑ کر ناہید سے لپٹ گئی۔

پندرہ بیس منٹ وہاں رکنے کے بعد ہم ٹیلے کے دوسری طرف اترنے لگے۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ جہاز کے مسافر وہیں رکے رہ گئے تھے یا ہماری طرح وہ بھی اِدھر اُدھر پھیل گئے تھے۔ اصولی طور پر تو ہمیں بھی ان لوگوں کے ساتھ ہی رہنا چاہیے تھا لیکن کسی غیبی قوت نے مجھے وہاں سے بھاگنے پر مجبور کردیا تھا اور جانکی تو میرے ساتھ تھی ہی، ناہید اور اس کی بیٹی کو بھی ہم اپنے ساتھ لے آئے تھے۔

اب میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ ہمیں کس طرف جانا چاہیے تھا۔ صحرا میں کسی راستے کا تعین ممکن نہیں تھا اور پھر تاریکی میں تو اس کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا لیکن جانکی، ناہید اور بلی کو کسی محفوظ مقام پر پہنچانا اب میری ذمے داری تھی۔ فوری طور پر تو میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اس ذمے داری کو کس طرح پورا کیا جائے۔ میرے پاس سوائے اس کے کوئی چارہ نہیں تھا کہ ہم چلتے رہیں۔ ہوسکتا ہے اس ریگستان میں کوئی ایسی بستی ہو جہاں ہمیں پناہ مل سکے۔ ایک موقع پر جب جہاز منہ کے بل زمین کی طرف آرہا تھا تو ایک بہت بڑی جھیل نظر آئی تھی۔ اگرچہ جہاز سیدھا ہو

کر چند منٹ میں ہی وہاں سے میلوں دور نکل گیا تھا اور پھر یہ بھی اندازہ نہیں تھا کہ وہ جھیل کس طرف رہ گئی تھی لیکن دل میں امید تھی کہ شاید ہم اس طرح چلتے چلتے اس جھیل تک پہنچ جائیں۔ صحراؤں میں پانی کے کسی ذخیرے یا کسی جھیل کے آس پاس کوئی نہ کوئی آبادی ضرور ہوتی ہے اور یہ امید ہی ہمیں کشاں کشاں لیے جا رہی تھی اور پھر ڈاکوؤں کے سردار کی بات بھی رہ رہ کر میرے ذہن میں گونج رہی تھی۔ اس نے کہا تھا کہ یہاں سے کوسوں دور ایک بستی ہے۔ اس بستی کے لوگوں نے جہاز کو گرتے ہوئے دیکھا تھا اور ممکن ہے وہ صبح تک ہماری مدد کو پہنچ جائیں۔

اچانک میرے ذہن میں ایک اور خیال ابھرا۔ ان ڈاکوؤں نے بھی یقیناً جہاز کو گرتے ہوئے دیکھا ہوگا اور اسی لیے گھوڑوں پر سوار ہو کر اس طرف آئے تھے۔ ان کا مقصد جہاز کے مسافروں کی مدد کرنا نہیں انہیں لوٹنا تھا اور وہ اپنے مقصد میں کامیاب بھی ہوگئے تھے۔ عین آخری لمحوں میں جب وہ مسافروں اور جہاز سے لوٹا ہوا مال اور پانچ عورتوں کو اٹھا کر فرار ہو رہے تھے' میرے اندر کی وہ پُراسرار قوت (چی) بیدار ہوگئی اور یہ اسی پُراسرار قوت کا کرشمہ تھا کہ ڈاکو آپس میں لڑ پڑے تھے۔ وہ پراسرار قوت سمٹ کر میری آنکھوں میں جمع ہوگئی تھی اور میں نے اپنی نظروں کی قوت سے کام لے کر ان ڈاکوؤں کو آپس میں لڑا دیا تھا لیکن یہ بات تو میرے خواب و خیال میں بھی نہیں تھی کہ ڈاکوؤں کی کوئی گولی جہاز کے فیول ٹینک میں لگ جائے گی اور جہاز تباہ ہو جائے گا۔

مجھے یاد آرہا تھا کہ وہ ڈاکو اسی طرف سے آئے تھے جس طرف ہم جا رہے تھے۔ ہو سکتا ہے ڈاکوؤں کا ٹھکانا زیادہ دور نہ ہو۔ چند میل۔۔۔ اور چند میل کا یہ فاصلہ چند گھنٹوں میں طے ہو سکتا تھا بشرطیکہ ہم صحیح سمت میں چلتے رہیں۔

آسمان پر گہرے بادل تھے جن کی وجہ سے تاریکی کچھ اور بھی دبیز ہوگئی تھی۔ ہوا اگرچہ بہت پہلے تھم چکی تھی لیکن مجھے یہ ڈر تھا کہ کہیں بارش شروع نہ ہو جائے۔ ایسی صورت میں ہمیں کہیں پناہ نہ ملتی۔

لیکن ایک اور انکشاف نے میرے پورے بدن میں سنسنی کی لہر سی دوڑا دی۔ مجھے اگرچہ اس کا تجربہ نہیں تھا لیکن سنا تھا اور پڑھا بھی تھا کہ ریگستان کے دن گرم اور راتیں ٹھنڈی ہوتی ہیں۔ صحرائی علاقوں میں دن کے وقت دماغ پگھلا دینے والی گرمی پڑتی ہے تو رات کو جسم میں خون منجمد کر دینے والی سردی ہوتی ہے۔ مجھے اس کا اندازہ ہونا شروع ہوگیا تھا۔

آسمان پر بادلوں کی وجہ سے ہلکی سی خنکی تھی جس میں بتدریج اضافہ ہو رہا تھا۔ ہمارے لباس بھی ایسے نہیں تھے کہ سردی کی شدت کا مقابلہ کر سکتے۔ میں نے جینز اور ٹی شرٹ پہن رکھی تھی۔ جانکی نے بھی ایسا ہی لباس پہنا ہوا تھا۔ بلی کے جسم پر گھٹنوں تک لمبا فراک تھا اور سفید موزے پنڈلیوں تک چڑھے ہوئے تھے جبکہ ناہید کے جسم پر صرف بلاؤز اور پٹی کوٹ تھا۔ اس کی ساڑی تو ڈاکو کے ساتھ کھینچا تانی میں اتر کر گر گئی تھی۔

ہم بہت دور نکل آئے تھے۔ میں نے ایک دو مرتبہ پیچھے مڑ کر دیکھا تو مجھے کہیں مدھم سی روشنی بھی نظر نہیں آئی۔ جہاز کی آگ یا تو بجھ گئی تھی یا ہم نشیبی علاقے میں آگئے تھے جس کی وجہ سے وہ خطہ بھی ہماری نگاہوں سے اوجھل ہوگیا تھا۔

آگے ریت نرم تھی جس کی وجہ سے تیز چلنے میں دشواری پیش آرہی تھی۔ جہاں تک زمین سخت تھی ہمارے چلنے کی رفتار بھی تیز تھی لیکن نرم ریت کی وجہ سے ہماری رفتار کم ہوگئی تھی۔ جانکی اور ناہید تھک گئی تھیں۔ وہ بار بار رک کر ہانپنے لگتیں لیکن میں انہیں چلتے رہنے پر مجبور کر رہا تھا۔

میرے پاس گھڑی نہیں تھی۔ وقت کا اندازہ نہیں ہو سکتا تھا لیکن میرے خیال میں ہمیں چلتے ہوئے کم سے کم چار گھنٹے ہو چکے تھے۔ شام کا اندھیرا پھیلنے کے تھوڑی ہی دیر بعد جہاز تباہ ہوا تھا اور اس کے فوراً ہی بعد ہم بھاگ نکلے تھے۔ اس طرح ایک محتاط اندازے کے مطابق اس وقت دس اور گیارہ بجے کے درمیان کا کوئی وقت ہوگا۔

ناہید چلتے چلتے لڑکھڑا کر گر گئی۔ جانکی نے پہلے تو اسے اٹھانے کی کوشش کی لیکن پھر خود بھی ڈھیر ہوگئی۔ ظاہر ہے مجھے بھی رک جانا پڑا۔ اس وقت میں نے بلی کو کسی دیہاتی کی طرح کندھے پر اٹھا رکھا تھا۔ میں نے اسے نیچے اتارا تو وہ اپنی ماں کے ساتھ جڑ کر بیٹھ گئی۔

"اب مجھ سے نہیں چلا جاتا۔" ناہید نے ہانپتے ہوئے کہا "تم لوگ جاؤ میں تمہارے پیچھے پیچھے آجاؤں گی۔"

"یہ شہر کی کوئی سڑک نہیں ریگستان ہے۔" میں نے اس کے قریب بیٹھتے ہوئے کہا "یہاں تو دن کی روشنی میں کسی سمت کا تعین کرنا مشکل ہوتا ہے۔ تم رات کی تاریکی میں ہمیں کیسے تلاش کرو گی۔"

"مجھ سے اب بالکل نہیں چلا جاتا۔" وہ کراہتے ہوئے بولی "سینے میں درد ہو رہا ہے اور سردی بھی لگ رہی ہے۔ تم لوگ جاؤ۔"

"احمقانہ باتیں مت کرو۔" میں نے کہا "ہم تمہیں رات کی تاریکی میں اس ویرانے میں چھوڑ کر کیسے جا سکتے ہیں۔ یہاں بیٹھے رہنے سے تو اور زیادہ سردی لگنے لگے گی۔ چلتی رہو گی تو خون میں حرارت پیدا ہوگی۔"

مگر ناہید نے اپنی جگہ سے حرکت نہیں کی۔ وہ ہانپتی اور کراہتی رہی۔ جانکی بھی بری طرح ہانپ رہی تھی۔ تقریباً دس منٹ بعد وہ دونوں اپنی کیفیت پر کسی حد تک قابو پانے میں کامیاب ہو سکی تھیں۔ میں نے بلی کو ایک بار پھر کندھے پر اٹھا لیا اور اس طرح ہمارا سفر دوبارہ شروع ہوگیا مگر اب ہمارے چلنے کی رفتار کچھ اور سست ہوگئی تھی۔ وہ دونوں بار بار رک جاتیں۔

ناہید ایک بار پھر گر گئی۔ میں نے اسے اٹھانے کی کوشش کی تو چونک گیا۔ وہ سردی سے کانپ رہی تھی۔ میں نے اپنی ٹی شرٹ اتار کر اسے پہنا دی۔

میرے جسم پر بنیان رہ گئی تھی۔ سردی اگرچہ مجھے بھی لگ رہی تھی مگر میں برداشت کر سکتا تھا۔ پچھلے کئی برسوں کے دوران میں مارشل آرٹ کی ریاضت نے مجھے اس قدر سخت جان بنا دیا تھا کہ میں موسم کی سختیاں برداشت کر سکتا تھا اور پھر میرے اندر وہ پُراسرار قوت پوشیدہ تھی جو مجھے موسم کی شدت سے بچا سکتی تھی۔ میرا مطلب چی کی قوت سے تھا۔ میں اس پُراسرار قوت کے بارے میں پہلے بھی بتا چکا ہوں۔ یہ قوت تو ہر جاندار کے اندر پوشیدہ ہوتی ہے۔ صرف انسان ہی ایک ایسی مخلوق ہے جسے یہ قوت اجاگر کرنے کے لیے خاصی ریاضت کرنی پڑتی ہے اور بہت کم لوگ اس میں کامیاب ہو پاتے ہیں۔ میں اس لحاظ سے خوش قسمت ثابت ہوا تھا کہ اپنی ریاضت' خود اعتمادی اور ماسٹر ہنگ پائی اور ماسٹر لیشی یان کی توجہ اور محنت سے اپنے اندر پوشیدہ اس پُراسرار قوت کو حاصل کرنے میں کامیاب ہوگیا تھا۔ اس قوت کے بل بوتے پر میں نے ڈاکوؤں کو آپس میں لڑنے پر مجبور کر دیا تھا (لیکن جہاز کی تباہی کا مجھے افسوس تھا) اور اب میرے اندر کی یہی پُراسرار قوت مجھے موسم کی سختی سے بچا سکتی تھی۔

جانکی کی حالت بھی اب غیر ہو رہی تھی۔ مسلسل چلتے رہنے سے ٹانگیں تو شل ہو رہی تھیں اب اس پر بھی سردی کا اثر ہونے لگا تھا۔ بلی بھی ہولے ہولے کانپ رہی تھی۔ میں نے اسے اپنے سینے سے لپٹا رکھا تھا۔ تاکہ میرے جسم کی حرارت سے تھوڑی بہت گرمی پہنچاتی رہے۔

اب پھر سخت زمین شروع ہوگئی تھی۔ میں ان دونوں کو چلتے رہنے پر مجبور کرتا رہا لیکن میں جانتا تھا کہ ان کی ہمت جواب دے چکی تھی۔ ناہید تو قدم قدم پر لڑکھڑا کر گر رہی تھی۔ جانکی اپنی حالت غیر ہونے کے باوجود اسے سنبھالے ہوئے تھی۔

وہ رات کا آخری پہر تھا۔ سردی کی شدت میں اضافہ ہوگیا تھا۔ میرے سینے سے لپٹی ہوئی بلی بھی تھر تھر کانپ رہی تھی۔ ناہید سے اب واقعی نہیں چلا جا رہا تھا۔ وہ بار بار لڑکھڑا کر گر رہی تھی۔ جانکی اسے سنبھالنے کی کوشش کرتے ہوئے خود بھی ڈگمگا رہی تھی۔

ایک موقع پر چلتے ہوئے میرے پیر کو ٹھوکر لگی۔ میں نے سنبھلنے کی کوشش کی مگر کامیاب نہیں ہو سکا اور لڑکھڑاتا ہوا نیچے گر گیا۔ بلی بھی میرے ساتھ ہی گری تھی۔ یہ غنیمت تھا کہ ہمارے سامنے جھاڑیاں تھیں اور بلی جھاڑیوں میں گری تھی۔ اس طرح وہ چوٹ لگنے سے محفوظ رہی تھی۔

مجھے پہلی مرتبہ جھاڑیوں کی موجودگی کا احساس ہوا تھا۔ اس کے ساتھ ہی میرے دل میں امید کی ایک کرن سی جاگ اٹھی۔ جھاڑیاں یا سبزہ وغیرہ تو اسی جگہ ہوتا ہے جہاں زمین میں پانی موجود ہو اور ان جھاڑیوں کی موجودگی یہ ثابت کرتی تھی کہ قرب و جوار میں کوئی جھیل یا دریا موجود ہے۔ وہ دریا یا جھیل کہیں آس پاس بھی ہو سکتی تھی اور میلوں دور بھی۔ بہرحال' ایک امید بندھی تھی۔

میں نے بلی کو گود میں اٹھا لیا اور ناہید اور جانکی کی حوصلہ افزائی کرتا ہوا آگے چلنے لگا۔ وہ دونوں بڑی مشکل سے میرا ساتھ دے رہی تھیں۔ میں اگر اکیلا ہوتا تو اب تک کہیں کا کہیں پہنچ چکا ہوتا۔

میرا اندازہ درست ثابت ہوا۔ تقریباً ایک گھنٹے مزید چلتے رہنے کے بعد ہم ایک جھیل کے کنارے پہنچ گئے اور خوش قسمتی سے چند کھنڈر بھی نظر آگئے۔ یہاں یقیناً کسی زمانے میں کوئی بستی رہی ہوگی جو امتدادِ زمانہ سے کھنڈرات میں تبدیل ہو چکی تھی۔ ناہید اور جانکی ایک جگہ پر ڈھیر ہوگئیں۔ میں نے بلی کو بھی ان کے قریب بٹھا دیا اور خود کوئی ایسی جگہ تلاش کرنے لگا جہاں سردی سے محفوظ رہا جا سکے۔

یہ بستی زیادہ بڑی نہیں تھی۔ کوئی مکان سلامت نہیں تھا۔ ٹوٹی پھوٹی دیواریں رہ گئی تھیں۔ البتہ ان مکانوں سے ذرا ہٹ کر ایک ٹوٹا پھوٹا مندر بھی تھا۔ یہ عمارت مکمل طور پر تباہ نہیں ہوئی تھی اور اس میں پناہ لی جا سکتی تھی۔

میں جانکی وغیرہ کو مندر میں لے آیا۔ گہری تاریکی میں ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دے رہا تھا۔ ہم شکستہ دروازے میں داخل ہو کر ایک دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے۔ بلی کو جانکی

نے گود میں لے لیا تھا۔

اب مجھے بھی تھکن کا احساس ہونے لگا تھا۔ ہم رات بھر چلتے رہے تھے۔ اس وقت آگے بڑھتے رہنے کا جذبہ تھا اور تھکن کا احساس نہیں ہوا تھا مگر اب پڑاؤ پر پہنچتے ہی میرا حوصلہ دم توڑ گیا اور قویٰ مضمحل ہونے لگے۔

میں نے دیوار سے ٹیک لگا کر آنکھیں بند کرلیں۔ میرے دائیں طرف جانکی بیٹھی ہوئی تھی اور بائیں طرف ناہید تھی۔ وہ دونوں گہرے گہرے سانس لے رہی تھیں۔

اندر کی فضا باہر کے مقابلے میں بہت بہتر تھی بلکہ نہایت خوشگوار تھی۔ سردی کا احساس بھی بتدریج کم ہو رہا تھا۔

میرا دماغ بوجھل ہو رہا تھا۔ غنودگی سی طاری ہو رہی تھی۔ ناہید مسلسل کراہ رہی تھی۔ اس کے کراہنے کی ہلکی ہلکی آوازیں میری سماعت سے ٹکراتی رہیں لیکن پھر وہ آوازیں بھی معدوم ہوتی چلی گئیں۔ میں نیند کی آغوش میں پہنچ چکا تھا۔

آنکھ کھلی تو میں نے اپنے آپ کو بستر خاک پر دراز پایا۔ ناہید میرے بازو پر سر رکھے اس طرح سو رہی تھی کہ اس کا ہاتھ میرے سینے پر تھا اور گھٹنے دہرے ہو کر پیٹ سے ملے ہوئے تھے۔

دن کی روشنی ہو رہی تھی۔ میں کچھ دیر تک آنکھیں مچ مچا کر صورت حال کا جائزہ لینے کی کوشش کرتا رہا۔ میرے دوسری طرف بلی بھی گرد آلود فرش پر آڑی ترچھی پڑی سو رہی تھی۔ جانکی مجھے نظر نہیں آئی۔ میں نے ناہید کو اپنے آپ سے الگ ہٹایا اور ایک جھٹکے سے اٹھ کر بیٹھ گیا۔

مندر کا ہال زیادہ بڑا نہیں تھا۔ ایک طرف ٹوٹا پھوٹا سا چبوترہ تھا۔ ہر طرف مکڑی کے جالے تنے ہوئے نظر آرہے تھے۔ ایک چمگادڑ بھی پر پھڑپھڑاتی ہوئی باہر نکل گئی لیکن چند سیکنڈ بعد ہی واپس آگئی اور چھت کے قریب ایک دو چکر لگانے کے بعد کسی تاریک گوشے میں غائب ہوگئی۔

جانکی ہال میں موجود نہیں تھی۔ میں اٹھ کر باہر آگیا۔ آسمان پر بادل چھٹ گئے تھے اور سورج چمک رہا تھا۔ تیز دھوپ میں ایک لمحے کو میری آنکھیں چندھیا سی گئیں اور جب میری آنکھیں تیز روشنی سے مانوس ہوئیں تو میں ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

باہیں طرف بستی کے کھنڈر تھے اور سامنے تقریباً سو گز کے فاصلے پر وہ جھیل تھی۔ جو زیادہ بڑی نہیں تھی۔ جھیل کے کناروں پر ناریل یا اس سے ملتے جلتے درخت بھی تھے مگر بالکل ٹنڈ منڈ۔ سوکھے ہوئے۔

جانکی باہر بھی کہیں دکھائی نہیں دی۔ میری پریشانی بڑھنے لگی۔ وہ کہاں جاسکتی ہے؟

"جانکی۔۔۔!" میں نے زور سے پکارا لیکن کوئی جواب نہیں ملا۔ البتہ دوسری آواز کے بعد جانکی کھنڈروں کی طرف سے آتی ہوئی دکھائی دی تو مجھے اطمینان ہوا۔

ایک بہت بڑے سیاہ بادل نے سورج کو ڈھانپ لیا۔ میں جانکی کے ساتھ چلتا ہوا جھیل کے کنارے پر آگیا اور پھر تھوڑی ہی دیر بعد یہ بات میری سمجھ میں آگئی کہ یہ بستی ویران کیوں ہوئی تھی۔ جھیل کا پانی کڑوا تھا۔

ہوسکتا ہے کسی زمانے میں جھیل کا پانی میٹھا رہا ہو۔ جس کی وجہ سے یہاں یہ بستی بھی آباد تھی لیکن شاید کسی وجہ سے پانی کا ذائقہ تبدیل ہوگیا ہو۔ ہوسکتا ہے زیر زمین نمکین پانی کی کوئی رگ جھیل کے پانی سے مل گئی ہو اور اس طرح جھیل کا سارا پانی نمکین ہوگیا۔ یہ پانی کڑوے پن کی حد تک نمکین تھا اور یقیناً یہی وجہ تھی کہ یہاں کی آبادی کسی اور جگہ منتقل ہوگئی تھی اور یہ بستی ویران ہوگئی تھی۔

میں اور جانکی جھیل کے کنارے پر کھڑے باتیں کررہے تھے کہ مندر کی طرف سے ناہید کی چیخ کی آواز سن کر ہم دونوں اچھل پڑے۔ ناہید کی وہ چیخ بڑی خوفناک تھی۔ میں نے مندر کی طرف دوڑ لگا دی۔ جانکی بھی میرے پیچھے دوڑی آرہی تھی۔

ناہید کے ساتھ اب بلی کی چیخیں بھی سنائی دے رہی تھیں۔ میں مندر کے دروازے میں داخل ہوا تو اندر کا منظر دیکھ کر اس طرح رک گیا جیسے زمین نے پیر پکڑ لیے ہوں۔ ناہید اور بلی ایک طرف کھڑی بری طرح چیخ رہی تھیں اور سامنے گرد آلود فرش پر ایک آدمی بے ہوش پڑا تھا۔ اس کی پیشانی سے خون بہہ رہا تھا۔

اس آدمی کو بلاشبہ کسی بھوت یا عفریت سے تشبیہ دی جاسکتی تھی۔ جسم کے نچلے حصے پر میلی سی دھوتی لپٹی ہوئی تھی۔ جسم کا بالائی حصہ برہنہ تھا۔ اس کی رنگت توے جیسی سیاہ اور سینہ بالوں سے بھرا ہوا تھا۔ داڑھی اور مونچھوں کے بال اس طرح آپس میں ملے ہوئے تھے کہ منہ کا دہانہ چھپ کر رہ گیا تھا۔ ماتھے پر سفید دھاریاں (کشٹا) سی بنی ہوئی تھیں۔ اس کے قریب ہی ایک ترشول بھی پڑا ہوا تھا۔ اس کے گلے میں کپڑے کے ایک تھیلے کا اسٹریپ بھی نظر آرہا تھا اور تھیلا شاید اس کے نیچے دبا ہوا تھا۔

"کیا ہوا۔۔۔ کون ہے یہ؟" میں حیرت سے اس شخص کی

طرف دیکھ رہا تھا۔ جانکی نے لپک کر بلی کو گود میں اٹھالیا اور اسے چپ کرانے کی کوشش کرنے لگی۔ میں نے ناہید کو دونوں باہنوں سے پکڑلیا اور پھر اس کی شرٹ پر خون کے دھبے دیکھ کر میں اچھل پڑا "یہ۔۔۔ یہ کیا۔۔۔ یہ خون۔۔۔"

"یہ ایک الگ معاملہ ہے۔" ناہید نے اپنے آپ پر قابو پاتے ہوئے کہا "پہلے اس کو دیکھو۔ پپ۔۔۔ پتا نہیں کون ہے۔"

"لیکن یہ وحشی آیا کہاں سے؟" میں نے کہا۔

"پپ۔۔۔ پتا نہیں۔" ناہید ہکلائی "میں سو رہی تھی کہ سینے پر بوجھ محسوس کرکے میری آنکھ کھل گئی۔ یہ میرے اوپر جھکا ہوا تھا۔ اس کی خوفناک شکل دیکھ کر میں چیخ اٹھی۔ میں نے اسے دھکا دے کر ایک طرف گرا دیا اور جب یہ دوبارہ میری طرف بڑھا تو میں نے قریب پڑا ہوا وہ پتھر اٹھا کر دے مارا۔ یہ چوٹ کھا کر گر پڑا۔ میں نے ادھر اُدھر دیکھا تو تم دونوں غائب تھے۔ میری چیخ سن کر بلی بھی جاگ گئی اور اس وحشی کو دیکھ کر یہ بھی خوف سے چیخنے لگی۔ تم دونوں کہاں چلے گئے تھے ہمیں چھوڑ کر؟"

"اوہ!" میرے منہ سے گہرا سانس نکل گیا۔ اس نے آخری الفاظ جس شاکی لہجے میں کہے تھے اس سے مجھے اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ وہ ہمیں محض وقتی ہم سفر نہیں اپنا ساتھی سمجھنے لگی تھی "اسے تو میں بعد میں دیکھوں گا مگر تمہاری شرٹ پر خون کے یہ دھبے کیسے ہیں؟ اگر ہوائی جہاز کی کریش لینڈنگ کے دوران میں تمہیں کوئی چوٹ لگی تھی تو تم نے بتایا کیوں نہیں تھا۔"

"مجھے چوٹ نہیں لگی تھی۔" ناہید نے جواب دیا "جب وہ ڈاکو مجھے اٹھا کر لے جارہا تھا تو میں نے اس کے بازو پر دانتوں سے کاٹ لیا تھا۔ جس کا بدلہ لینے کے لیے اس نے خوں خوار بھیڑیے کی طرح میرے سینے پر دانت گاڑ دیے تھے۔ میں رات بھر تکلیف میں مبتلا رہی ہوں۔ پیدل چلتے رہنے سے تکلیف کچھ اور بڑھ گئی ہے۔ اس وقت بھی بڑی اذیت محسوس کررہی ہوں۔"

اس اذیت اور کرب کا اندازہ اس کے چہرے سے لگایا جاسکتا تھا۔ رات کو راستے میں، میں نے کئی بار اسے کراہتے ہوئے سنا تھا اس وقت میں نے کوئی خیال نہیں کیا تھا میں تو یہی سمجھتا رہا تھا کہ وہ سردی اور تھکن سے کراہ رہی تھی لیکن اب مختلف صورت حال سامنے آئی تھی۔ اسے سردی سے بچانے کے لیے میں نے اپنی ٹی شرٹ پہنا دی تھی جو اب خون آلود ہوچکی تھی۔

"جانکی۔ تم ناہید کو باہر لے جاکر دیکھو۔ زخم زیادہ خطرناک تو نہیں۔ میں اس وحشی کو دیکھتا ہوں۔" میں نے جانکی سے کہا اور وہ ناہید اور بلی کو لے کر مندر سے باہر چلی گئی اور میں سوچ رہا تھا کہ اگر زخم زیادہ خطرناک بھی ہوا تو ہم کیا کرسکیں گے۔ آبادی سے دور اس ویرانے میں اس کا علاج تو نہیں ہوسکتا تھا۔

میں اس شخص کی طرف متوجہ ہوگیا۔ وہ ابھی تک بے ہوش اور بے حس و حرکت پڑا ہوا تھا۔ اس شخص کو دیکھ کر میرے ذہن میں اچانک ہی ایک اور خیال ابھرا۔ اس کڑوے پانی کی جھیل کے آس پاس تو کسی قسم کی زندگی کے آثار نہیں تھے البتہ نواح میں کوئی بستی ضرور موجود ہوگی۔ اس شخص کا تعلق بھی اسی بستی سے ہوگا۔

اور پھر اچانک میں چونک گیا۔ مجھے یوں محسوس ہوا تھا جیسے اس شخص نے ایک آنکھ میں ذرا سی جھری پیدا کرکے میری طرف دیکھا ہو۔ یہ میرا واہمہ بھی ہوسکتا تھا۔ میں نے اس کے پیر پر ہلکی سی ٹھوکر مار دی۔

"اگر تم ہوش میں آچکے ہو تو شرافت سے اٹھ جاؤ۔ ورنہ میں تمہیں اپنے طریقے سے ہوش میں لانے کی کوشش کروں گا۔" میں نے اس کے پیر پر ایک اور ہلکی سی ٹھوکر مارتے ہوئے کہا۔

اس شخص نے پٹ سے آنکھیں کھول دیں۔ چند لمحے میری طرف دیکھتا رہا پھر حیرت انگیز پھرتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس نے نہ صرف قریب پڑا ہوا ترشول اٹھالیا بلکہ مجھ پر حملہ آور ہونے کی کوشش بھی کی۔

مجھے اس وحشی سے اس اقدام کی توقع نہیں تھی لیکن بہرحال میں غافل بھی نہیں تھا۔ اس نے ترشول سے میرے پیٹ پر وار کرنے کی کوشش کی تھی۔ میں برق سرعت سے ایک طرف ہٹ گیا اور ترشول کو پنجے کے پیچھے ڈنڈے سے پکڑلیا۔

ترشول کا ڈنڈا تقریباً چار فٹ لمبا تھا۔ دوسرا سرا اس وحشی کے ہاتھ میں تھا۔ میں ترشول کو اپنی طرف کھینچ رہا تھا۔ وہ شخص بڑی تیزی سے اٹھ کر کھڑا ہوگیا لیکن ترشول کا ڈنڈا اس نے ہاتھ سے نہیں چھوڑا تھا۔ میں اسے اپنی طرف کھینچنے لگا اور پھر اس نے وہی حربہ استعمال کیا جو ایسے موقع پر کیا جانا چاہیے تھا۔ اس نے اچانک ہی ڈنڈا ہاتھ سے چھوڑ دیا۔ میں اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکا اور لڑکھڑاتا ہوا پشت کے بل گرا۔

اس سے پہلے کہ میں سنبھلنے کی کوشش کرتا، اس نے

میرے اوپر چھلانگ لگا دی۔ مجھے یوں لگا جیسے کوئی وزنی چٹان میرے اوپر گری ہو۔ میں اس کے بوجھ کے نیچے دب گیا۔ وہ دونوں ہاتھ میرے گلے پر دبانے کی کوشش کر رہا تھا۔ میں نے اس کی دونوں کلائیوں پر ہاتھ جما دیے اور اس کے پنجوں کو اپنے گلے سے دور رکھنے کی کوشش کرنے لگا۔ اس کے ناخن بھیڑیے کے پنجوں کی طرح نکیلے تھے اگر وہ میرے گلے تک پہنچ جاتے تو یقیناً میرا نرخرا ادھیڑ کر رکھ دیتے۔

میں آہستہ آہستہ اپنی ٹانگیں دہری کرنے لگا اور پھر پیر اس کے پیٹ پر جما کر اسے پوری قوت سے اوپر اچھال دیا۔ وہ میرے اوپر سے ہوتا ہوا پشت کے بل پیچھے گرا۔

میں بڑی پھرتی سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے بھی اٹھنے میں دیر نہیں لگائی تھی۔ وہ دونوں پنجے پھیلا کر کسی بھیڑیے ہی کی طرح غرا تا ہوا میری طرف بڑھا۔ اس کی آنکھیں اس قدر سرخ تھیں جیسے خون ٹپک رہا ہو۔

وہ مجھے گرفت میں لینے کے لیے لپکا مگر میں بڑی پھرتی سے ایک طرف ہٹ گیا۔ وہ اپنی جھونک میں آگے نکل گیا۔ میں نے پیچھے سے اس کے کولھے پر ایک زوردار کک رسید کر دی۔ وہ لڑکھڑاتا ہوا سامنے والی دیوار سے ٹکرا گیا۔ اس کی پیشانی پر پہلے ہی چوٹ لگی ہوئی تھی۔ دیوار سے سر ٹکرانے سے ایک اور چوٹ لگی تو وہ بلبلا اٹھا لیکن دوسرے ہی لمحے وہ پلٹ پڑا۔

اس میں شبہ نہیں کہ وہ سانڈ کی طرح طاقت ور تھا۔ اس پر قابو پالینا کوئی آسان نہیں تھا اور اس وقت تو وہ سانڈ ہی کی طرح بپھر گیا تھا۔ وہ پھنکارتا ہوا آگے بڑھا تو میں طاقت ور اسپرنگ کی طرح اپنی جگہ سے اچھلا۔

میری فلائنگ کک اس کے سینے پر لگی' وہ بلبلا اٹھا۔ میرا خیال تھا کہ وہ ڈھیر ہو جائے گا لیکن وہ محض لڑکھڑا کر رہ گیا تھا۔ دوسرے ہی لمحے وہ سنبھل کر پھر میری طرف بڑھا۔ وہ جیسے ہی قریب پہنچا میں نے اس کے پیٹ پر اسٹریٹ کک رسید کر دی۔ وہ ذرا سا آگے جھکا تو میں نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے سائڈ کک لگائی اور پھر سنبھلنے کا موقع دیے بغیر اس پر کک برساتا رہا لیکن میری حیرت کی انتہا نہ رہی۔ گوشت کے اس پہاڑ پر کوئی اثر نہیں ہو رہا تھا۔

میں نے ایک اور فلائنگ کک لگانے کی کوشش کی تو اس کا داؤ چل گیا۔ اس نے حیرت انگیز پھرتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے میری دونوں ٹانگیں پکڑ لیں اور مجھے الٹا لٹکا دیا۔ میں بھی اچھے قد کاٹھ اور تن و توش کا مالک تھا لیکن اس نے مجھے چوہے کی طرح اپنے سامنے الٹا لٹکا رکھا تھا۔

میرا سر اس کے پیروں سے چند انچ اوپر تھا۔ میں نے دونوں ہاتھ اس کے ٹخنوں سے ذرا اوپر پنڈلیوں پر جما لیے اور اسے اپنی جگہ سے ہلانے کی کوشش کرنے لگا مگر وہ بڑی مضبوطی سے اپنی جگہ پر جما ہوا تھا۔ میں اس کی ٹانگوں کو زور زور سے جھٹکے دیتا رہا مگر میری کوئی کوشش کامیاب نہیں ہو سکی۔

اس نے میری ٹانگوں کو جھٹکا دے کر چھوڑ دیا۔ پہلے میرا سر زمین سے ٹکرایا پھر میں پورے قد کے ساتھ کسی کٹے ہوئے درخت کی طرح زمین پر گرا۔

ایک لمحے کو تو مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میری گردن کندھوں کے اندر دھنس گئی ہو۔ میں اپنے آپ کو سنبھالنے کی کوشش کر رہا تھا کہ اس وحشی نے پیر میرے سینے پر رکھ دیا۔

مجھے سینے میں دم گھٹتا ہوا محسوس ہوا۔ وہ میرے سینے پر پیر کا بوجھ بڑھاتا جا رہا تھا۔ اس کے ساتھ ہی وہ دوسرا پیر زمین سے اٹھا رہا تھا۔ میری آنکھوں کے سامنے تاریکی چھانے لگی اور پھر اچانک مجھے یاد آگیا کہ شاؤلن ٹیمپل میں جب میں نے اپنے اندر چی کی قوت پر قابو پایا تھا تو کئی من وزنی پتھر سینے پر رکھ کر ہتھوڑی سے تڑوایا تھا۔ وہ میری چی کی قوت تھی جس نے اس وقت نہ تو مجھے سینے پر پتھر کا بوجھ محسوس ہونے دیا تھا اور نہ ہی وزنی ہتھوڑوں کی ضرب۔ وہ سب کچھ یاد آتے ہی میں نے اس وقت بھی چی کی قوت سے کام لینے کا فیصلہ کر لیا۔

میں نے آنکھیں بند کر لیں اور سانس روک لیا اور جب گہرا سانس لیا تو میری مشکل حل ہو چکی تھی۔ وہ اب میرے سینے پر اپنا پورا بوجھ ڈال رہا تھا لیکن اب میں یہ تو سینے پر دباؤ محسوس کر رہا تھا اور نہ ہی گھٹن محسوس ہو رہی تھی۔

اس کا دوسرا پیر زمین سے چھ انچ کے قریب اوپر اٹھا ہوا تھا۔ میں نے وہ پیر پکڑ لیا اور پوری قوت سے موڑتے ہوئے زوردار جھٹکا دیا۔ وہ اچھل کر پیچھے گرا۔

میں ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے بھی سنبھلنے میں دیر نہیں لگائی تھی۔ اس سے پہلے کہ میں اس پر حملہ کرتا' وہ پہل کر گیا۔ اس نے بڑی پھرتی سے لپک کر مجھے گرفت میں لے کر سر سے اوپر اٹھا لیا اور پوری قوت سے ایک طرف اچھال دیا۔

میں دیوار سے ٹکرا کر بھد کی آواز سے نیچے گرا۔ دیوار سے ٹکرانے اور نیچے گرنے سے میرے اندر کا سارا سسٹم ہل کر رہ گیا تھا۔ دماغ میں دھماکے سے ہو رہے تھے۔ میرے سنبھلنے سے پہلے اس نے پھر حملہ کر دیا۔ اس مرتبہ وہ میرے

جسم پر تابڑ توڑ ٹھوکریں برسا رہا تھا۔

ایک ٹھوکر میرے سر پر لگی۔ میرا دماغ ہل کر رہ گیا۔ پہلے آنکھوں کے سامنے نیلی پیلی چنگاریاں سی رقص کرنے لگیں اور پھر اندھیرے کی چادر پھیلنے لگی۔ میں سر کو زور زور سے جھٹکے دینے لگا۔ مجھے اپنے آپ کو سنبھالنا تھا کیونکہ میں جانتا تھا کہ اگر میرے حواس مختل ہو گئے تو وہ میری زندگی کے آخری لمحات ہوں گے۔

میں سر کو زور زور سے جھٹکتا رہا۔ میری یہ کوشش بار آور ثابت ہو رہی تھی۔ تاریکی چھٹنے لگی۔ میرے حواس بحال ہو رہے تھے۔ میں بمشکل سنبھل پایا تھا کہ اس نے زمین پر پڑا ہوا ترشول اٹھا کر مجھ پر حملہ کر دیا۔ میں بڑی پھرتی سے ایک طرف ہٹ گیا۔ ترشول کی اگلی تینوں نوکیں زمین میں پیوست ہو گئیں۔ اگر مجھے وہاں سے ہٹنے میں ایک لمحے کی بھی تاخیر ہوتی تو وہ ترشول میرے سینے کے آر پار ہو چکا ہوتا۔

ترشول زمین میں گڑا ہوا تھا۔ اس کا دستہ اب بھی اس وحشی کی گرفت میں تھا۔ میں نے دونوں ہاتھ ڈنڈے کے درمیانی حصے پر جما دیے اور پوری قوت سے اچھل کر دونوں پیروں کی بھرپور کک اس کے سینے پر رسید کر دی۔

میرا یہ وار کارگر ثابت ہوا۔ وہ بلبلا اٹھا اور لڑکھڑاتا ہوا پشت کے بل گرا۔ میں تیزی سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ ترشول ابھی تک زمین میں گڑا ہوا تھا۔ میں نے ڈنڈے سے پکڑ کر ترشول کو کھینچ لیا اور اپنے حریف کی طرف لپکا۔ وہ اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ میں نے ایک پیر اس کے پیٹ پر رکھ دیا اور ترشول کے دستے کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر اوپر اٹھایا۔

وہ شخص اب مکمل طور پر میرے رحم و کرم پر تھا۔ میرے ہاتھوں کا ایک مضبوط جھٹکا اس کی زندگی کا خاتمہ کر سکتا تھا۔ اس نے بھی شاید صورت حال کو بھانپ لیا تھا۔ اس کا چہرہ خوف کی شدت سے کچھ اور سیاہ پڑ گیا۔ سرخ انگارا آنکھوں میں وحشت سی بھر گئی اور پھر اس نے دونوں ہاتھ جوڑ دیے۔ اس کے ساتھ ہی اس کی بھیک مانگتی ہوئی آواز سنائی دی۔

"ہمارے کو مت ماریو بھایا۔ ہم تمہارا کیا بگاڑت ہے۔ چھما کردیو ہم کا۔"

اچانک ایک اور خیال کوندے کی طرح میرے ذہن میں لپکا۔ مجھے علم نہیں تھا کہ ہم لوگ جہاز کی تباہی کی جگہ سے کتنی دور نکل آئے تھے اور یہ کون سی جگہ تھی۔ کوئی بستی یہاں سے کتنی دور تھی۔ یہ شخص ہماری امیدوں کا واحد مرکز تھا۔ یہی ہمیں کسی آبادی تک لے جا سکتا تھا اگر اسے مار دیا تو ہم پھر ویرانے میں بھٹکتے رہیں گے۔ ویسے بھی حقیقت یہ ہے کہ میرا اسے جان سے مار دینے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ مجھے تو اس بات پر غصہ آگیا تھا کہ پہلے اس نے سوئی ہوئی نابید کو مال غنیمت سمجھ کر اس پر مجرمانہ حملہ کرنے کی کوشش کی تھی۔ خوش قسمتی سے اس کی آنکھ کھل گئی اور اس نے قریب پڑا ہوا پتھر اٹھا کر اس کے سر پر دے مارا۔ پتھر کنپٹی پر کسی نازک جگہ پر لگا تھا جس سے وہ وقتی طور پر بے ہوش ہو گیا تھا اور پھر ہوش آجانے پر بھی وہ بے ہوش کا مکر کیے رہا اور مکاری سے کام لیتے ہوئے اس نے ترشول سے مجھ پر حملہ کرنے کی کوشش کی تھی اگر میں غافل ہوتا تو اس کے پہلے ہی حملے میں مارا جاتا اور اب وہ میرے سامنے پڑا مجھ سے زندگی کی بھیک مانگ رہا تھا۔

"اس عورت نے کیا قصور کیا تھا کہ تم اسے مارنا چاہتے تھے یا۔۔۔"

"ہم اس ناری کو مارنا نہیں چاہت تھا۔ کچھ بھی کرن کو نہیں تھا۔" وہ گھگیایا "ہم تو اس کو دیکھ کر حیران ہووت تھا کہ وہ اس ویران مندر میں کہاں سے آئی رہت ہے۔ ہم تو ویکھن کو بھٹک گیا تھا۔ رام قسم۔۔۔ ہم اس ناری کو کچھ کرن کا نہیں تھا۔"

"پھر تم نے مجھ پر حملہ کیوں کیا تھا؟" میں نے کہا۔

"ہم کا گلتی ہو گئی۔ چھما کردو نا۔" وہ بولا "رام بھلی کرے گا۔ ہم اس کا پرا سچت کروں گا۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے اس کے پیٹ پر سے پیر ہٹا لیا "لیکن اگر تم نے کوئی ہوشیاری دکھانے کی کوشش کی تو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

"میں وچن دیوت ہوں بھایا۔" وہ اٹھتے ہوئے بولا "تم مہان ہو جایا۔ تم نے ہم کا جیون دان کردیا۔ ایک گریب سنیاسی کا جیون دان کردیا۔ بھگوان تمہاری رکھشا کرے گا۔"

وہ راجستھانی زبان بول رہا تھا۔ اس کے بعض الفاظ میری سمجھ میں نہیں آرہے تھے لیکن میں اس کی باتوں کا مفہوم بخوبی سمجھ رہا تھا۔

میں اسے اٹھا کر مندر سے باہر لے آیا۔ ترشول میرے ہاتھ میں تھا لیکن مجھے توقع تھی کہ اب وہ کوئی ایسی حرکت نہیں کرے گا۔ ایک اور بات میرے لیے حیرت کا باعث تھی کہ ہماری اس دھینگا مشتی اور اٹھا پٹخ کے باوجود کپڑے کا وہ میلا سا تھیلا ابھی تک اس کے گلے میں لٹکا ہوا تھا۔

باہر دھوپ چھاؤں کا منظر تھا۔ سورج کبھی بادلوں کے پیچھے چھپ جاتا اور کبھی تیز دھوپ چمکنے لگتی۔ نابید اور جانکی

مندر کی عمارت سے بیس پچیس گز دور ایک جگہ بیٹھی ہوئی تھیں، بلی بھی ان کے قریب موجود تھی۔

اس وحشی کو میرے ساتھ دیکھ کر ناہید کے چہرے پر ایک بار پھر خوف کے سائے لہرا گئے۔

"اب اس سے ڈرنے کی ضرورت نہیں۔" میں نے کہا "یہ ہمارا مطیع ہو چکا ہے۔ اب یہ کوئی حرکت نہیں کرے گا۔"

ترشول بھی میرے ہاتھ میں تھا اس لیے ناہید کچھ مطمئن ہوگئی۔ البتہ بلی ڈر کر اپنی ماں کی ٹانگوں سے لپٹ گئی تھی۔

اس وحشی نے ناہید اور جانکی کے سامنے ہاتھ جوڑ دیے اور معافی مانگنے لگا اور پھر وہ بتانے لگا کہ یہ سب کچھ ایک غلط فہمی کی وجہ سے ہوا تھا۔ وہ پچھلی طرف کے راستے سے مندر کی عمارت میں داخل ہوا تو ایک عورت اور ایک بچی کو زمین پر پڑے دیکھ کر حیران ہوگیا تھا اور پھر ناہید کی قمیص پر خون کے دھبے دیکھ کر وہ سمجھ گیا تھا کہ وہ زخمی ہے۔ وہ اسے دیکھنے کے لیے ہی اس پر جھکا تھا کہ ناہید کی آنکھ کھل گئی۔ اس کے چیخنے سے سنیاسی اچھل کر پیچھے ہٹ گیا اور ناہید نے قریب پڑا ہوا پتھر اٹھا کر اس پر دے مارا۔ جس سے وہ بے ہوش ہو کر گر پڑا اور بعد میں بھی جو کچھ ہوا غلط فہمی کی بنا پر ہوا تھا اور اب وہ باری باری ان دونوں سے معافی مانگ رہا تھا۔

"ناری کے سینے پر زخم کیسا ہے بھایا۔ یہ کیسے گھائل ہوئی تھی؟" اس نے میری طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

میں نے اسے بتایا کہ زخم کیسے لگا تھا تو اس نے فوراً ہی گلے میں لٹکا ہوا تھیلا اتار لیا اور زمین پر آلتی پالتی مار کر بیٹھ گیا۔ اس نے تھیلے میں سے تین چار چھوٹی چھوٹی ڈبیاں نکال لیں اور پھر ایک ڈبیا منتخب کر کے میری طرف دیکھتے ہوئے مدھم لہجے میں کچھ کہنے لگا۔

وہ ناہید کے سینے کا زخم دیکھنا چاہتا تھا مگر ناہید اس کے لیے تیار نہیں تھی۔ اس نے ڈبیا جانکی کے ہاتھ میں تھما دی اور اسے بتانے لگا کہ اس میں سے تھوڑا سا مرہم نکال کر اس کے زخم پر لگا دے۔ جانکی ناہید کو وہاں سے کچھ دور لے گئی اور ایک شکستہ دیوار کی آڑ میں بیٹھ کر اس کے زخم پر مرہم لگانے لگی۔ چند منٹ بعد وہ واپس آگئی۔ جانکی نے ڈبیا سنیاسی کو لوٹا دی۔ سنیاسی نے بتایا کہ اس علاقے میں سانپ اور بچھو بکثرت پائے جاتے ہیں۔ دوسری ڈبیوں میں ایسے مرہم موجود ہیں کہ زہریلے سے زہریلے سانپ یا بچھو کے کاٹے کے زخم پر فوری طور پر لگا دیا جائے تو زہر کا اثر زائل ہو جاتا ہے۔

اس کا نام واسو دیو تھا۔ پیشے کے لحاظ سے وہ سنیاسی تھا اور بعض دواؤں کی تیاری کے لیے جڑی بوٹیوں کی تلاش میں اس طرف آتا رہتا ہے۔ بہت سی دواؤں کی تیاری میں استعمال ہونے والی جڑی بوٹیاں ایسے علاقوں میں پائی جاتی ہیں جہاں کھارا پانی ہو۔ یہاں ایک ایسی بوٹی بھی پائی جاتی ہے جس سے تیار کی جانے والی دوا سے مرگی کا کامیاب علاج کیا جاتا ہے۔

"اور بھایا۔" وہ میری طرف دیکھ کر رازدارانہ لہجے میں بولا "یہاں ایسے چھوٹے چھوٹے جانور بھی پائے جاتے ہیں جن کی چربی سے تیار ہونے والی دوا سو سالہ بڈھے کو بھی اٹھ سال کا جوان بنا دیوت ہے۔ راجستھان کے بڑے بڑے راج مہاراج ہم سے یہ دوا خریدت ہیں۔"

"تم کہاں سے آئے ہو؟" میں نے موضوع بدلتے ہوئے پوچھا "میرا مطلب ہے قریب ترین بستی یہاں سے کتنی دور ہے۔"

"ادھر پانچ کوس کی دوری پر ایک چھوٹی سی بستی ہے۔" اس نے ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے بتایا۔

اس کے کہنے کے مطابق وہ بستی چند گھروں پر مشتمل تھی جبکہ اس سے دس بارہ کوس آگے ایک اور بڑا گاؤں ہے۔ وہ خود جودھ پور کا رہنے والا ہے اور جڑی بوٹیوں اور اپنی دواؤں کی تیاری کے لیے ان چھوٹے چھوٹے جانوروں کی تلاش میں پھرتا رہتا ہے۔ جو اس کے کہنے کے مطابق شکل صورت میں چھپکلی سے ملتے جلتے مگر سائز میں اس سے کسی قدر بڑے ہوتے ہیں۔

"جودھ پور کتنی دور ہے؟" میں نے پوچھا۔

"دھون پور گاؤں سے چھ سات گھنٹے کا راستہ ہے۔ وہاں سے بسیں چلتی ہیں۔" واسو دیو نے بتایا۔

ہمارا جہاز جب ائرپاکٹ میں پھنسا تھا تو ائرہوسٹس نے اعلان کیا تھا کہ جہاز کو جودھ پور ائرپورٹ کی طرف لے جانے کی کوشش کی جائے گی مگر یہ کوشش کامیاب نہیں ہو سکی تھی اور ریگستان میں کریش لینڈنگ کرنی پڑی تھی۔

"تم نے یا بستی کے دوسرے لوگوں نے کل شام کو ہوائی جہاز کو گرتے ہوئے دیکھا تھا؟" میں نے سوال کیا۔

"نہیں بھایا۔" اس نے نفی میں سر ہلا دیا "میں کل دن میں اس بستی میں پہنچا تھا۔ کسی جہاز کو گرتے ہوئے کیا اس بستی کے اوپر سے گزرتے ہوئے بھی نہیں دیکھا تھا۔"

اب تک میں نے اسے یہ نہیں بتایا تھا کہ ہم کون ہیں اور اس ویرانے میں کیسے پہنچے تھے لیکن اب میں نے اسے سب کچھ بتانے کا فیصلہ کر لیا۔

وہ حیرت سے ہماری صورتیں دیکھتا رہا۔ اسے شاید یقین نہیں آرہا تھا کہ ہم رات بھر ریگستان میں پیدل چلتے رہے ہیں۔

"کیا تم ہمیں کسی بستی تک پہنچا سکتے ہو؟" میں نے کہا۔

"کیوں نہیں مہاراج۔" وہ بولا "پانچ کوس کوئی زیادہ دور نہیں ہے۔ ہم ایک گھنٹے میں پہنچ جاویں گے۔"

"تو پھر چلو۔ اب ہمیں یہاں بیٹھے بیٹھے وقت ضائع نہیں کرنا چاہیے۔" میں نے کہا اور اٹھ کر جانے کے لیے تیار ہوگیا۔

ہم جھیل کے کنارے کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے دوسری طرف آگئے۔ آگے تاحد نگاہ ہمارے سامنے ریگستان پھیلا ہوا تھا۔ کہیں کہیں کانٹے دار جھاڑیاں بھی تھیں۔ سنیاسی واسو دیو آگے آگے چل رہا تھا۔ میں بلی کو اٹھائے اس کے پیچھے تھا۔ واسو دیو کا ترشول میرے ہی پاس تھا۔ سنیاسی سے کسی دھوکے کی توقع تو نہیں تھی لیکن پھر بھی میں محتاط تھا۔

کچھ فاصلہ طے کرنے کے بعد میں نے بلی کو جانکی کے حوالے کر دیا اور واسو دیو کے ساتھ ساتھ چلتا ہوا اس سے باتیں کرنے لگا۔ بلی کے ٹھنکنے کی آواز سن کر میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔

"کیا بات ہے بلی۔ تھک گئی ہو؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں۔ بہت تھک گئی ہوں انکل۔ مجھے بھوک بھی لگ رہی ہے۔" بلی نے ٹھنکتے ہوئے جواب دیا۔

اور تب یہ خوفناک انکشاف ہوا کہ کل دوپہر سے ہم نے کچھ نہیں کھایا تھا۔ بنگلور سے ٹیک آف کرنے کے بعد جہاز میں مسافروں کو کھانا سرو کیا گیا تھا اور بمبئی سے ٹیک آف کرنے کے بعد چائے سرو کی جانے والی تھی کہ جہاز ائر پاکٹ میں پھنس گیا اور اس کے بعد جو کچھ بھی ہوا وہ آپ جان چکے ہیں۔

بلی واقعی بہت صابر بچی تھی۔ جو اب تک خاموش رہی تھی۔ رات بھر کے سفر کے دوران میں بھی اس کی زبان پر حرف شکایت نہیں آیا تھا لیکن اب شاید اس کی قوت برداشت جواب دے چکی تھی اور اس نے پہلی بار بھوک کی بات کی تھی۔

"واسو دیو۔" میں اس کے قریب پہنچ گیا "تمہاری اس زنبیل میں کھانے کی کوئی چیز ہے یا نہیں۔" میں نے اس کے تھیلے کو چھوتے ہوئے کہا۔

زنبیل کا مطلب وہ سمجھا ہو یا نہ سمجھا ہو مگر تھیلے کو چھونے سے وہ میری بات کا مطلب سمجھ گیا تھا۔

"کھانے کی چیز۔ ہاں ہاں۔ روٹی ہے اور اچار بھی۔" وہ رک گیا اور تھیلا گلے سے اتار لیا۔

بچوں کے اسکول لنچ باکس کی طرح ایک پرانا سا پلاسٹک کا ڈبا تھا جو ایک پرانے سے شاپنگ بیگ میں لپٹا ہوا تھا۔ اس نے پہلے شاپنگ بیگ کھولا پھر ڈبا۔ اس میں دو موٹی موٹی روٹیاں تھیں اور اس پر مرچوں کا اچار رکھا ہوا تھا۔ اوپر والی روٹی تو اچار سے آلودہ ہوگئی تھی۔ میں نے نیچے والی روٹی الگ کر کے بلی کو دے دی۔ وہ بے چاری بہت بھوکی تھی۔ فوراً ہی دانتوں سے نوالے توڑ کر کھانے لگی۔

"تم کھاؤ گے واسو دیو۔" میں نے سنیاسی سے پوچھا۔

"ناہی بھایا۔" وہ بولا "ہم کا ابھی بھوک ناہی ہے۔ بستی میں جا کر کھالیوں گا۔ تم لوگ پیٹ پوجا کر لیو۔"

پیٹ پوجا۔ میں مسکرا دیا۔ ایک روٹی اور کھانے والے تین۔ میں نے ایک نوالہ توڑ کر اپنے منہ میں رکھ لیا اور باقی روٹی جانکی کے ہاتھ میں دے دی۔ جانکی کو میں اچھی طرح جانتا تھا۔ اس سے بھوک ذرا بھی برداشت نہیں ہوتی تھی لیکن انتہائی حیرت کی بات تھی کہ چوبیس گھنٹے کی بھوکی ہونے کے باوجود اس نے کوئی فریاد نہیں کی تھی۔ اس کی وجہ بھی میں سمجھ سکتا تھا۔ وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ اس ویرانے میں کھانے کو کچھ نہیں ملے گا۔

جانکی نے روٹی کو الٹ پلٹ کر دیکھا پھر بڑی ایمان داری سے روٹی کو دو حصوں میں تقسیم کیا۔ ایک حصہ ناہید کو دے دیا اور دوسرا حصہ خود ندیدوں کی طرح کھانے لگی اور پھر اچار کی مرچ چباتے ہی وہ چلانے لگی۔

"پانی۔۔۔ پانی۔۔۔" وہ سی سی کرتے ہوئے اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔

"باؤلی ہوئی ہو۔" میں نے کہا "یہاں ریگستان میں تمہیں پانی کہاں سے ملے گا۔ کس نے کہا تھا مرچ چبانے کو۔"

واسو دیو چلتے چلتے رک گیا۔ اس نے مسکرا کر جانکی کی طرف دیکھا اور پھر تھیلے میں سے پیالے سے رنگ کا ایک قرص (گولی) نکال کر جانکی کی طرف بڑھا دی۔

"یہ چوس لے سُندری۔ ساری پیاس مر جاوے گی۔"

اگر عام حالات میں واسو دیو سے آمنا سامنا ہوا ہوتا تو جانکی اسے قریب بھی نہ پھٹکنے دیتی۔ وہ نہایت بدہیئت اور کریہہ صورت تھا مگر صورت حال ایسی تھی کہ جانکی نے نہ صرف اس کے ہاتھ کی دی ہوئی روٹی کھالی تھی بلکہ وہ گولی بھی

اس کے ہاتھ سے جھپٹ لی اور اس سے پہلے کہ میں کچھ کہتا اس نے گولی منہ میں ڈال لی۔

وہ گولی واقعی حیرت انگیز طور پر پُر تاثیر تھی۔ منہ میں رکھنے کے چند سیکنڈ بعد ہی جانکی پُرسکون ہوگئی۔ اسے اب نہ تو مرچیں لگ رہی تھیں اور نہ ہی پیاس۔

"اور تمہارا کیا حال ہے؟" میں نے چلتے چلتے ناہید کی طرف دیکھا "لگتا ہے وہ مرہم لگانے سے تمہیں بھی کافی فائدہ ہوا ہے۔"

"ہاں۔" ناہید نے جواب دیا "وہ تکلیف تقریباً نوّے فی صد ختم ہو چکی ہے۔ سنیاسی کی یہ مرہم تو تریاق ثابت ہوئی ہے میرے لیے۔"

ہم باتیں کرتے ہوئے چلتے رہے۔ بلی کو میں نے پھر کندھے پر اٹھالیا۔ واسودیو نے کہا تھا کہ ہمیں زیادہ سے زیادہ پانچ کوس کا فاصلہ طے کرنا ہوگا۔ ہم دو گھنٹوں سے مسلسل چل رہے تھے مگر یہ فاصلہ ختم ہونے میں ہی نہیں آرہا تھا۔ اس ریگ زار میں دور دور تک کسی بستی کے آثار دکھائی نہیں دے رہے تھے۔

آدھا گھنٹا مزید چلتے رہنے کے بعد ہم ایک ٹیلے پر رک گئے۔ دوسری طرف نشیب میں بہت دور کچھ بکھرے ہوئے درخت نظر آرہے تھے۔ انہی درختوں میں چند مکانوں کے ہیولے بھی دکھائی دے رہے تھے۔ ہم جیسے جیسے قریب پہنچتے رہے وہ مکان واضح ہوتے چلے گئے۔

ہمیں وہاں پہنچنے میں آدھا گھنٹا اور لگ گیا۔ وہ کوئی باقاعدہ آبادی نہیں تھی۔ پانچ چھ کچے مکان تھے۔ ایک محدود رقبے پر ناریل کے کچھ درخت اور تھوڑا بہت سبزہ تھا جس کے وسط میں ایک چھوٹی سی جھیل نظر آرہی تھی بلکہ جھیل کے بجائے ایک بڑا تالاب کہنا مناسب ہوگا اور چند گھروں پر مشتمل یہ آبادی بھی پانی کے اس مختصر سے ذخیرے کی وجہ سے تھی۔ میں نے صحراؤں میں نخلستانوں کے بارے میں سنا تھا اور یہ ایک چھوٹا سا نخلستان ہی تھا۔ زیر زمین پانی چشمے کی طرح بہہ کر ایک بہت بڑے تالاب کی صورت میں جمع ہوگیا تھا۔ جو اس مختصر سی آبادی کا باعث بن گیا تھا۔

ناریل کے علاوہ یہاں کچھ اور درخت بھی تھے جنہیں میں شناخت نہیں کرسکا۔ ان درختوں کے نیچے پانچ چھ اونٹ اور تین گدھے بندھے ہوئے تھے۔ ان جانوروں کے علاوہ کسی اور ذی روح کا نام و نشان دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

ان مکانوں کا رخ تالاب کی طرف تھا۔ ہم اوپر سے گھوم کر سامنے پہنچے تو ایک درخت کے نیچے چارپائی پر دو آدمی بیٹھے چلم پی رہے تھے۔ ہمیں دیکھ کر وہ دونوں اٹھ گئے۔ دونوں کے لباس ان ڈاکوؤں سے مختلف نہیں تھے جنہوں نے جہاز کے مسافروں پر حملہ کیا تھا۔ بڑی بڑی مونچھوں کی وجہ سے ان کی شکلیں بھی بڑی خوفناک ہوگئی تھیں۔ ان دونوں کے کندھوں پر رائفلیں ٹنگی ہوئی تھیں اور دونوں کے سینے پر کراس کرتے ہوئے بیلٹ تھے جن میں گولیاں بھری ہوئی تھیں۔

انہیں دیکھ کر میرا ماتھا ٹھنکا تھا اور میرے ذہن میں اس وقت صرف ایک ہی خیال ابھرا تھا کہ ہم ایک مصیبت سے نکل کر کسی اور بڑی مصیبت میں پھنسنے والے تو نہیں تھے؟

"یہ کون ہیں واسودیو؟ انہیں ادھر کیوں لے کر آئے رے۔" ان میں سے ایک آدمی نے پوچھا۔ اس کا قد مجھ سے کم نہیں تھا۔

"یہ پردیسی ہیں وجے ٹھاکر۔" واسودیو نے جواب دیا "ادھر ریگستان میں بھٹک رہے تھے۔ بولت ہیں کسی جہاز سے گرت گئے تھے۔ بے چارے بہت پریشان تھے۔ میں ان کو لے آیا۔ شہر جانے کا ہے۔"

"تیرا دماغ تو کھراب نہیں ہوت گیو واسودیو۔" شخص نے سنیاسی کو گھورا "جہاز سے گرت گیو ہیں تو بچ کیسے ہیں یہ لوگاں۔"

"ہم کا تو یہی بولت ہیں جی۔" واسودیو نے جواب دیا

"اچھا اچھا۔۔۔ بہت بری حالت ہورہت ہے ان کی۔" وجے ٹھاکر نے ہماری طرف دیکھتے ہوئے کہا "ان ناریوں کو شیلا مائی کے پاس لے جاؤ اور جوان۔۔۔ تم ادھر کو آؤ۔ ہمارے کنے۔ ناراین جا شیلا مائی سے کہہ کر ان کے بھوجن کا بندوبست کرو۔ مجھے تو یہ بھوکے دکھت ہیں۔"

واسودیو اور نارائن، جانکی، ناہید اور بلی کو لے کر مکان کے دروازے کی طرف چل پڑے۔ اندر داخل ہونے سے پہلے جانکی نے مڑ کر میری طرف دیکھا تھا۔

"بیٹھ جا مورکھ۔" وجے ٹھاکر نے چارپائی کی طرف اشارہ کیا "اور بتا تم کون لوگاں ہو اور جہاز والی بات کیا ہے۔"

میں چارپائی پر بیٹھ گیا اور کچھ دیر بعد میں وجے ٹھاکر جہاز کے بارے میں بتانے لگا۔ اس دوران میں اس کا ساتھی ناراین پانی کا گلاس لے آیا۔ مجھے واقعی بہت شدید کی پیاس لگی تھی۔ ایک ہی سانس میں پورا گلاس خالی کر چند لمحے خاموش رہا اور ایک بار پھر انہیں اپنی داستان سنانے لگا۔ ان دونوں کے چہروں سے لگتا تھا جیسے انہیں میری کہ

باش یقین نہ آیا ہو اور اس کی تصدیق بھی ہوگئی۔ میرے خاموش ہونے پر وجے ٹھاکر نے کہا۔

"تمہاری بات اپنے حلق سے نہ اترے ہے بھایا۔"

اس کی نظریں میرے چہرے پر مرکوز تھیں "پر تم جن ڈاکوؤں کی بات کرت ہو نا۔ وہ رانا شمشیر سنگھ کا کروہ ہے۔ یہ علاقہ اس کا ناہی ہے۔ وہ تو یہاں سے پچاس کوس دور ہی رہت ہے۔ اچھا بھایا۔" اس نے گہرا سانس لیا "تم کہت ہو تو ہم مان لیتا ہوں۔ تم لوگاں سہر جانے کا ہے نا۔ پہنچا دیویں گے۔ جرور پہنچا دیویں گے۔ پر آج کا دن اور رات یہاں رہنا پڑے گا۔ کل سویرے چلاں گے۔"

تھوڑی دیر بعد ہی دائیں طرف مکان سے ایک اور آدمی برآمد ہوا۔ اس کا حلیہ بھی اس سے ملتا جلتا ہی تھا۔ سر پر سیندوری رنگ کی پگڑی تھی۔ وجے ٹھاکر تیز تیز لہجے میں اس سے باتیں کرنے لگا۔ ان کی گفتگو کا ایک لفظ بھی میری سمجھ میں نہیں آسکا تھا۔ دوسرا آدمی سر ہلاتا رہا پھر اونٹوں کی طرف چلا گیا۔ اس نے ایک اونٹ کی رسی کھول لی اور کچھ ہی دیر بعد وہ اونٹ پر سوار ریگستان کی طرف جا رہا تھا۔

میں چارپائی پر پیر لٹکائے بیٹھا ہوا تھا۔ بے پناہ تھکن کی وجہ سے اونگھ سی طاری ہو رہی تھی۔ میں بڑی مشکل سے اپنی آنکھیں کھلی رکھے ہوئے تھا۔ تقریباً آدھے گھنٹے بعد نارائن اور واسو دیو بھی مکان سے باہر آگئے۔ نارائن نے ایک تھال اٹھا رکھا تھا جس میں دو روٹیاں اور ایک کٹوری میں اچار رکھا ہوا تھا۔ دوسرے کٹورے میں اونٹ کے خشک گوشت کے تلے ہوئے قتلے رکھے ہوئے تھے۔

کھانا کھانے کے بعد میرے لیے بیٹھے رہنا مشکل ہوگیا۔ میں چارپائی پر لیٹ گیا۔ وجے ٹھاکر وغیرہ سامنے دوسری چارپائی پر بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کی باتوں کی آواز مکھیوں کی بھنبھناہٹ کی طرح میری سماعت سے ٹکرا رہی تھی۔ میری آنکھیں بند ہوگئیں اور میں نیند کی گہرائیوں میں اترتا چلا گیا۔

میری آنکھ کھلی تو سہ پہر ہو رہی تھی۔ اگرچہ ہوا چل رہی تھی لیکن اس میں ہلکی سی تپش تھی اور میرا جسم پسینے میں تر ہو رہا تھا۔ دماغ میں سنسناہٹ سی ہو رہی تھی۔ میں کچھ دیر تک تو چارپائی پر لیٹا بے معنی نگاہوں سے ادھر اُدھر دیکھتا رہا پھر اٹھ کر بیٹھ گیا۔ میرے آس پاس کوئی نہیں تھا لیکن چند منٹ بعد ہی واسو دیو ایک مکان سے نکل کر سامنے آگیا۔

"بوہت سویا ہو مہاراج۔" وہ میرے قریب آتے ہوئے بولا۔

"ہاں۔ تھکن بہت تھی۔ گہری نیند آگئی۔" میں نے کہا "وہ تینوں کہاں ہیں؟" میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"وہ تینوں بھی سو رہت ہیں۔" واسو دیو نے جواب دیا۔

اسی دوران میں ریگستان میں ایک طرف دھول کا بادل سا دکھائی دیا تو واسو دیو درختوں سے نکل کر ذرا آگے چلا گیا۔ میں بھی اس طرف دیکھنے لگا۔

وہ کوئی شتر سوار تھا جو اسی طرف آرہا تھا۔ اونٹ کے دوڑنے سے ریت اڑ رہی تھی۔ میں ایک درخت کے نیچے کھڑا اس طرف دیکھتا رہا۔ شتر سوار لمحہ بہ لمحہ قریب آتا گیا۔

واسو دیو تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا ایک مکان میں چلا گیا اور میں وہیں کھڑا اس شتر سوار کو دیکھتا رہا جو قریب پہنچ گیا تھا۔ اس کے منہ پر ڈھاٹا بندھا ہوا تھا۔ آنکھوں کے علاوہ پورا چہرا چھپا ہوا تھا۔ درختوں کے نیچے پہنچ کر اونٹ رک گیا اور اس کا سوار میری طرف دیکھنے لگا۔

وہ اونٹ کو بٹھا کر نیچے اتر آیا اور چہرے کا ڈھاٹا کھول دیا۔ اس کے داڑھی نہیں تھی مگر مونچھیں بڑی خوفناک تھیں۔ ٹھوڑی پر دائیں طرف تقریباً ایک انچ لمبا زخم کا نشان تھا اور آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ اس نے میری طرف دیکھ کر دونوں ہاتھوں سے نمسکار کیا مگر منہ سے کچھ نہیں بولا۔

اسی دوران میں وجے ٹھاکر وغیرہ بھی مکان سے باہر آگئے اور سب لوگ درخت کے نیچے بچھی ہوئی چارپائیوں پر بیٹھ گئے۔ واسو دیو نے پانی کا ایک گلاس شتر سوار کی طرف بڑھا دیا جسے وہ ایک ہی سانس میں غٹاغٹ پی گیا۔

وہ خالص ہندی زبان میں باتیں کر رہے تھے۔ ایک آدھ لفظ ہی میری سمجھ میں آرہا تھا لیکن ایک آدھ لفظ سے پوری گفتگو کا مفہوم اخذ کرنا مشکل تھا۔ میں اٹھ کر وہاں سے تقریباً بیس گز دور تالاب کی طرف آگیا اور کنارے پر بیٹھ کر منہ ہاتھ دھونے لگا۔

میں بیس پچیس منٹ تک وہاں بیٹھا رہا اور پھر بلی کی آواز سن کر چونک گیا۔ وہ انکل انکل کہتی ہوئی میری طرف دوڑی آرہی تھی۔

جانکی اور ناہید ایک درخت کے نیچے کھڑی تھیں اور وجے ٹھاکر وغیرہ چارپائیوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔ میری آنکھوں میں الجھن سی تیر گئی۔ ان دونوں کے ساتھ ایک بھاری بھرکم اور دراز قامت عورت بھی تھی جس نے راجستھانی لباس پہن رکھا تھا۔

میں بلی کے ساتھ ان کے قریب آگیا۔ وہ بھاری بھرکم عورت شتر سوار سے کچھ کہہ رہی تھی۔ میں نے چبھتی ہوئی

نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔ اس نے مختصر سی چولی اور پھول دار کپڑے کا گھاگھرا پہن رکھا تھا۔ اس کی عمر پینتالیس کے لگ بھگ ہی ہوگی۔ رنگت تانبے جیسی اور چہرے کے نقوش خاصے دل فریب تھے۔ اس عمر میں بھی وہ بڑی پُرکشش لگ رہی تھی۔

"شیلا مائی۔" وجے ٹھاکر اس عورت سے کہہ رہا تھا "یہ نارياں تمہاری مہمان ہیں مگر تم نے ان کی دیکھ بھال پر توجہ نہیں دی۔"

"ارے یہ سو رہی تھیں ٹھاکر۔" اس عورت نے، جسے شیلا مائی کہہ کر مخاطب کیا گیا تھا، جواب دیا "ابھی سورج ڈھل جائے تو یہ اشنان کر کے کپڑے بدل لیویں گی۔ پھر تم ان کو دیکھتے ہی رہ جاؤ گے۔"

"ٹھیک ہے۔ اب تم جاؤ ان کو۔۔۔ اور ان کا خیال رکھو۔" وجے ٹھاکر نے کہا اور پھر میری طرف دیکھ کر بولا "تم بھی اشنان کرلو بھایا۔ تمہارے شریر پر بھی ریت جمی ہوئی ہے۔ ادھر تالاب میں ایک کھاڑی سی نکلی ہوئی ہے۔ ادھر کو چلے جاؤ۔" اس نے ایک طرف اشارہ کیا۔

شیلا مائی، جانکی وغیرہ کو اندر لے جا چکی تھی۔ میں اس کے بعد بھی وہاں بیٹھا رہا۔ اس شتر سوار کا نام وکرم سنگھ تھا۔ ان کی باتوں سے اندازہ ہوا کہ آج رات وہاں کچھ اور لوگ آنے والے تھے اور صبح ہمیں ان کے ساتھ روانہ کردیا جائے گا۔

میرے دل میں طرح طرح کے وسوسے اٹھ رہے تھے۔ مجھے ان کی نیتوں پر شک ہو رہا تھا۔ سنیاسی واسو دیو کا رویہ بھی پراسرار سا ہوگیا تھا۔ میری چھٹی حس بتا رہی تھی کہ ہم کسی اور بڑی مصیبت میں پھنسنے والے ہیں۔

واسو دیو چائے بنوا کر لے آیا..... بغیر دودھ کا قہوہ اس وقت واقعی مزہ دے گیا۔ میرے اعصاب پر طاری کشیدگی کسی حد تک کم ہوگئی۔

سورج کا سرخ تھال افق کے کنارے پر پہنچ گیا تھا۔ لگتا تھا جیسے وہ ریت میں دھنسنے کی کوشش کر رہا ہو۔ آسمان پر اب بھی کہیں کہیں بادلوں کے ٹکڑے تیر رہے تھے۔ سورج کی سرخی سے فضا بڑی دہشت ناک ہوگئی تھی۔ ریگستان کو دیکھ کر یوں لگ رہا تھا جیسے خون کا سمندر لہریں لے رہا ہو۔

میں اٹھ کر تالاب کی اس کھاڑی کی طرف چلا گیا جو تیس چالیس گز اندر تک چلی گئی تھی۔ یہ کھاڑی تقریباً بیس فٹ چوڑی تھی۔ دونوں کناروں پر گھنی جھاڑیاں تھیں۔ میں نے جھاڑیوں میں گھس کر اِدھر اُدھر دیکھا اور کپڑے اتار کر پانی میں گھس گیا۔ میرے کپڑوں میں اس وقت جینز کی پینٹ اور نیان شامل تھی۔ ٹی شرٹ تو میں ناہید کو دے چکا تھا۔ نیان بہت زیادہ گندی تھی جسے میں نے دھو کر جھاڑیوں پر پھیلا دیا اور پانی میں غوطے لگانے لگا۔

○☆○

وہ کمرا خاصا بڑا تھا۔ فرش پر چٹائی اور اس کے اوپر اونٹ کے بالوں کا گدہ سا بچھا ہوا تھا۔ ایک کونے میں گھڑونچی پر پانی کا گھڑا رکھا ہوا تھا جس کے اوپر ایلومینیم کا ایک پرانا سا گلاس بھی تھا۔ گھڑونچی کے قریب ہی اسٹول پر ایک لالٹین بھی رکھی ہوئی تھی۔

کمرے میں کوئی کھڑکی وغیرہ نہیں تھی۔ ایک روشن دان پچھلی دیوار میں تھا جس میں سلاخیں لگی ہوئی تھیں۔ یہ روشن دان چوڑائی میں آٹھ انچ سے زیادہ نہیں تھا البتہ لمبائی میں چار فٹ سے بھی زیادہ تھا۔

دوسرا روشن دان بائیں طرف کی دیوار میں تھا جو اتنا ہی لمبا چوڑا تھا۔ اس کے دوسری طرف غالباً کوئی اور کمرا تھا۔

کمرے کا دروازہ لکڑی کا نہیں تھا۔ لوہے کی سلاخوں والا تھا۔ ایسے دروازے عام طور پر جیل کی کوٹھڑیوں میں ہوتے ہیں۔ واسو دیو نے ہمیں بتایا تھا کہ یہاں کسی زمانے میں ڈھور ڈنگر بند کیے جاتے تھے۔ اس لیے یہاں اس قسم کے سلاخوں والے دروازے لگائے گئے تھے کہ ہوا کی آمد و رفت جاری رہے لیکن میں واسو دیو کی اس توجیہہ سے مطمئن نہیں ہوا تھا۔

میں دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔ میرے دائیں طرف ناہید بیٹھی ہوئی تھی۔ بلی اس کے گھٹنے پر سر رکھے سو رہی تھی۔ سامنے جانکی بیٹھی ہوئی تھی۔ اس نے دونوں ٹانگیں سامنے کو پھیلا رکھی تھیں اور ہاتھ پیچھے لگا رکھے تھے۔ اس کا سارا بوجھ ہاتھوں پر تھا۔

ابھی شام ہوئے زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی۔ ہم لوگ کھانا کھا چکے تھے۔ کچھ دیر بعد شیلا مائی دروازے میں نمودار ہوئی اور جانکی اور ناہید کو اپنے ساتھ چلنے کا اشارہ کیا۔ ناہید نے بلی کا سر آہستگی سے زمین پر ٹکا دیا اور وہ دونوں شیلا مائی کے ساتھ چلی گئیں۔

ان دونوں کی واپسی تقریباً ایک گھنٹے بعد ہوئی تھی۔ انہوں نے نہانے کے بعد کپڑے بدل لیے تھے اور ان کے لباس دیکھ کر میں چونکے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ مختصر سے لباس میں ناہید کچھ حجاب سا محسوس کر رہی تھی اور وہ ایک طرف سمٹ کر بیٹھ گئی تھی۔

شاید اس وقت رات کے دس بجے ہوں گے۔ اونٹوں کی آوازیں سن کر میں چونک سا گیا۔ شام کے وقت وجے ٹھاکر اور شترسوار کی باتوں سے پتا چلا تھا کہ آج رات کو کچھ لوگ آنے والے تھے اور میرا خیال تھا کہ وہ لوگ آ گئے تھے۔ میں اٹھ کر باہر آ گیا۔

اونٹوں کے بلبلانے کی آواز تیز ہو گئی۔ اس کے ساتھ ہی ایک دو نسوانی چیخیں بھی سنائی دیں۔ جانکی اور ناہید نے بھی چونک کر میری طرف دیکھا۔ میں انہیں وہیں رکنے کا اشارہ کر کے تیزی سے باہر نکل گیا۔

کمرے کے سامنے برآمدہ اور اس سے آگے وسیع آنگن تھا۔ اس آنگن میں بھی دو نیم کے اور تین چار ناریل کے درخت تھے۔ یہاں بھی شاید اونٹ یا گدھے بندھے ہوں گے کیونکہ سوکھے ہوئے فضلے کی بو فضا میں پھیلی ہوئی تھی۔

میں تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا بیرونی دروازے کے قریب آ گیا۔ یہ دروازہ محض بھڑا ہوا تھا۔ میں نے ایک پٹ کھولا اور باہر نکل گیا۔

باہر گہری تاریکی تھی مگر درختوں کے نیچے کچھ سرگرمی دکھائی دے رہی تھی۔ اسی وقت اونٹ کی بلبلاہٹ اور ایک عورت کی خوف زدہ سی چیخ بیک وقت سنائی دی۔ میں دروازے سے نکل کر دو تین قدم آگے بڑھا ہی تھا کہ کسی طرف سے اچانک ہی ایک سایہ نمودار ہوا اور میرے سامنے آ کر راستہ روک لیا۔ اس کے ہاتھ میں رائفل تھی۔

"نہیں مورکھ۔ تم آگے نہیں جاؤ گے۔ واپس جاؤ۔" تاریکی میں اس شخص کی غراہٹ سنائی دی۔

"وہ... وہ عورت کون ہے جو چیخ رہی ہے۔" میں نے کہا۔

"تمہیں اس سے کوئی غرض نہیں ہونی چاہیے کہ وہ استری کون ہے تم اندر جاؤ۔" وہ شخص پھر غرایا اور رائفل کی نال میرے سینے پر رکھ کر مجھے پیچھے دھکیلنے لگا۔

میں نے اس سے الجھنا مناسب نہیں سمجھا اور خاموشی سے واپس آ گیا۔ دروازے میں داخل ہوا تو اس شخص نے دھڑ سے دروازہ بند کر کے باہر سے کنڈا چڑھا دیا۔ میں کمرے کی طرف جانے کے بجائے وہیں رک گیا۔

یہ دوہٹ کا دروازہ تھا۔ زنجیر چڑھائے جانے کے باوجود اس میں تقریباً آدھے انچ کی جھری رہ گئی تھی۔ میں اس جھری سے آنکھ لگا کر باہر دیکھنے لگا۔ اس طرف کسی طرف سے ایک آدمی لالٹین لے کر درختوں کے نیچے پہنچ گیا۔

لالٹین کی یرقان زدہ زرد روشنی میں سات آٹھ سائے حرکت کرتے ہوئے دکھائی دیے۔ ان میں تین عورتیں تھیں۔ اس کا اندازہ میں نے ان کے لباس سے لگایا تھا۔ وہ نے ساڑیاں پہن رکھی تھیں اور ایک کے جسم پر شلوار قمیص تھی۔ ان کے ساتھ چار آدمی تھے اور ان سب کے پاس رائفلیں تھیں۔ ان میں سے ایک نے غراتے ہوئے ان عورتوں کو آگے بڑھنے کا حکم دیا مگر وہ اپنی جگہ پر کھڑی رہیں۔ اس شخص نے ایک عورت کو بازو سے پکڑ کر آگے دھکیلا تو وہ خوف زدہ انداز میں چیخ اٹھی۔

"نہیں نہیں۔ بھگوان کے لیے مجھے کچھ مت کہو۔ چھوڑ دو مجھے۔"

"تمہیں چھوڑ بھی دیں تو اس ویرانے میں کہاں جاؤ گے۔" اس شخص نے جواب دیا "رات کو تو یہاں بھیڑیے آ جاتے ہیں۔ چیر پھاڑ کے رکھ دیں گے تمہیں۔ اندر چلو۔ ہم کم از کم تمہیں چیر پھاڑ کر کھائیں گے تو نہیں۔"

میرے دماغ میں سنسناہٹ سی ہونے لگی۔ اب مجھے کوئی خوش فہمی نہیں رہی تھی۔ یہ لوگ ان عورتوں کو کہیں سے اغوا کر کے لائے تھے۔ اب مجھے جانکی اور ناہید کی خیریت بھی خطرے میں نظر آ رہی تھی۔

وہ لوگ ان عورتوں کو لے کر کسی اور مکان میں چلے گئے۔ کچھ دیر تک عورتوں کی آہ و زاری کی آوازیں سنائی دیتی رہیں اور پھر خاموشی چھا گئی۔ باہر بھی صرف ایک آدمی کا چلتا پھرتا ہیولا دکھائی دے رہا تھا۔ وہ شاید اونٹوں کو چارا وغیرہ ڈال رہا تھا۔ کبھی کبھی کسی اونٹ کے بلبلانے کی آواز بھی سنائی دے جاتی اور پھر وہ انسانی ہیولا بھی غائب ہو گیا۔ میں بھی دروازے سے ہٹ کر کمرے میں آ گیا۔

"کیا ہوا؟ یہ کون عورتیں چیخ رہی تھیں؟" جانکی نے پوچھا۔

"یہاں آتے ہی میرے ذہن میں جو خدشات سر ابھارنے لگے تھے۔ وہ حقیقت کا روپ دھار رہے ہیں۔" میں نے اپنی جگہ پر بیٹھتے ہوئے جواب دیا۔

"کیا مطلب! کیسے خدشات؟" اس مرتبہ ناہید نے سوال کیا۔

"ہم دھوکا کھا گئے۔" میں نے کہا "یہ اچھے لوگ نہیں ہیں اور میرا خیال ہے کہ ان کا تعلق بھی ڈاکوؤں کے کسی گروہ سے ہے۔"

"لیکن... ہمارے پاس اب کیا ہے جو یہ لوٹنا چاہیں گے۔" ناہید بولی "جو کچھ تھا وہ تو پہلے ہی ان ڈاکوؤں نے لوٹ لیا اور پھر وہ جہاز بھی تباہ ہو گیا جس میں ہمارا سامان تھا۔"

"تم بھول رہی ہو کہ عزت ہی عورت کی سب سے بڑی دولت ہوتی ہے۔ اگر عورت حسین ہو تو اس کی قیمت کئی گنا بڑھ جاتی ہے۔" میں نے جواب دیا "میرا خیال ہے یہ لوگ کہیں سے یہ عورتوں کو کہیں سے اغوا کر کے لائے ہیں۔ چیخنے کی آواز نئی عورتوں کی تھی۔"

لالٹین کی زرد روشنی میں ناہید کا چہرہ کچھ اور زرد ہو گیا۔ جانکی کے چہرے پر بھی پیلاہٹ دوڑ گئی۔ اس نے جلدی سے اٹھ کر دروازہ بند کر کے اندر سے کنڈا لگا دیا۔ میرے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آ گئی۔ اس کی یہ احتیاط فضول تھی۔ سلاخوں والے دروازے کو اندر سے کنڈا لگانے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ باہر سے ہاتھ ڈال کر کنڈا کھولا جا سکتا تھا۔ دروازہ بند کر کے ہم محفوظ نہیں رہ سکتے تھے۔

دروازہ بند کر کے جانکی منکے کے قریب رک گئی۔ پہلے پانی پیا پھر ایک گلاس بھر کے ناہید کے قریب آ گئی۔ ناہید نے بھی ایک ہی سانس میں گلاس خالی کر دیا۔

ناہید میرے ساتھ جڑ کر بیٹھ گئی تھی۔ وہ کچھ زیادہ ہی خوف زدہ ہو رہی تھی۔ ہم سرگوشیوں میں باتیں کر رہے تھے کہ باہر سے قدموں کی آواز سن کر خاموش ہو گئے۔ چند سیکنڈ بعد ہی واسو دیو دروازے کے سامنے نمودار ہوا۔ اس نے ایک ہاتھ میں تانبے کا تھال اٹھا رکھا تھا جس میں تین پیالیاں رکھی ہوئی تھیں۔ اس نے سلاخوں میں ہاتھ ڈال کر دروازہ کھولا اور اندر آ گیا۔

"یہ کیا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"چائے۔" واسو دیو نے کہا "سر کے لوگ رات کو بھی چائے پیتے ہیں۔ وکرم شہر سے دودھ لے کر آیا ہے اس لیے اس سے دودھ والی چائے بنالی ہے۔ سب لوگ پی رہے ہیں۔ آپ بھی پیو۔"

اس نے ہم تینوں کے سامنے ایک ایک پیالی رکھ دی۔ پھر جب وہ واپس جانے لگا تو میں نے اسے روک لیا۔

"شہر سے کون لوگ آئے ہیں واسو دیو۔" میں نے پوچھا "یہ عورتیں کون تھیں، جو چیخ رہی تھیں؟"

"کیا بتاؤں بھایا۔" واسو دیو میرے سامنے بیٹھ گیا "وہ دونوں وجے ٹھاکر، وکرم اور ہمیر سنگھ کی لوگائیاں ہیں۔ دو مائیں تھیں تو بڑی خستہ سے رہ رہی تھیں۔ تیسری سہ سے آئی تھی اداس ہو گئی۔ اس نے دوسری دونوں استریوں کو بھی ورغلایا اور تین دن پہلے چوری چھپے تینوں سہر چلی گئیں۔ آج وکرم لکھا انہیں واپس لے آیا ہے اس لیے چیخ چلا رہی تھیں۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولا "اب ہی بتاؤ نا بھایا۔ جہاں پتی ہو گا تو لوگائی کو بھی تو وہیں رہنا ہے نا۔ کوئی پتی اپنی پتنی کے بغیر تو نہیں رہ سکتا نا۔"

"مگر وہ کیسے بھاگ گئیں۔ شہر یہاں سے قریب ہے کیا؟" میں نے پوچھا۔

"سہر تو بہت دور ہے۔" واسو دیو نے جواب دیا "سہر میں رہنے والی یہ ناریاں ریگستان کا سفر نہیں کر سکتیں مگر تم راجستھان کی ناریوں کو نہیں جانتے بھایا۔ یہ اونٹ پر سو سو کوس کا سفر کر لیتی ہیں اور تھکتی نہیں ہیں۔"

اگر واسو دیو یہ سمجھ رہا تھا کہ میں نے اس کی بات کا یقین کر لیا ہے تو یہ اس کی حماقت تھی۔ جب تک ہم چائے پیتے رہے وہ بیٹھا باتیں کرتا رہا اور پھر خالی پیالیاں لے کر چلا گیا۔ جاتے ہوئے اس نے ایک بار پھر یہ کہا تھا کہ صبح ہمیں شہر بھیج دیا جائے گا۔

اس کے جانے کے بعد جانکی نے دروازہ بند کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی۔ کوئی فائدہ نہیں تھا۔

رات کا ابتدائی حصہ تھا مگر ہر طرف سناٹا تھا۔ اس سناٹے میں کبھی کبھی کسی اونٹ کے بلبلانے یا گدھے کے ہنہنانے کی آواز سنائی دے جاتی۔

دروازہ بند نہ ہونے کی وجہ سے ہم اپنے آپ کو بالکل غیر محفوظ سمجھ رہے تھے اور میرا خیال تھا کہ ہم رات بھر جاگتے رہیں گے تاکہ اگر صورت حال کوئی ناخوشگوار رخ اختیار کرے تو اس کا کسی حد تک تو مقابلہ کیا جا سکے۔ ویسے میں نے طے کر رکھا تھا کہ ان لوگوں نے رات کو کسی وقت کوئی گڑبڑ کرنے کی کوشش کی تو میں ناہید اور جانکی کو بچانے کے لیے زندگی کے آخری لمحوں تک مقابلہ کروں گا۔ ناہید سے اگرچہ ہمارا کوئی تعلق نہیں تھا۔ جہاز کے حادثے کے بعد ہی ان ماں بیٹی سے ہمارا واسطہ پڑا تھا اور پچھلے چوبیس گھنٹوں کے دوران میں ان سے کچھ انس سا ہو گیا تھا اور ان دونوں کی حفاظت بھی میں اپنی ذمے داری سمجھتا تھا۔

لیکن میرے سارے عزائم دھرے کے دھرے رہ گئے۔ میرا دماغ بوجھل ہو رہا تھا۔ پورے بدن میں سنسناہٹ سی پھیلنے لگی اور نیند کے بوجھ سے پلکیں جھکی جا رہی تھیں۔ اس وقت مجھے ایک ایسی آواز سنائی دی جیسے کوئی رو رہا ہو۔ سناٹے میں رونے کی آواز بڑی پُراسرار لگ رہی تھی۔ میں نے سر کو دو تین جھٹکے دیے اور اندرونی دیوار میں روشن دان کی طرف دیکھنے لگا۔ اس کے دوسری طرف بھی کمرا تھا اور رونے کی وہ آواز اسی طرف سے آ رہی تھی۔

میں نے جانکی اور ناہید کی طرف دیکھا۔ وہ دونوں فرش پر آڑی ترچھی پڑی سو رہی تھیں۔ میں نے باری باری ان دونوں کو پکارا مگر کوئی ردعمل ظاہر نہیں ہوا۔

میں اپنے آپ کو گھسیٹ کر جانکی کے قریب آگیا اور اس کے بازو پر ہاتھ رکھ کر اسے ہلانے لگا۔

"جانکی۔۔۔ جانکی۔۔۔ سو گئیں کیا۔۔۔؟" مجھے اپنی آواز بھی کنوئیں کی گہرائیوں سے آتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔

ہلانے یا پکارنے کا جانکی پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ میں ناہید کی طرف مڑ گیا۔ اب تو میرے بازو میں بھی اتنی قوت نہیں رہی تھی کہ میں اسے حرکت دے سکتا۔ اسی وقت رونے کی آواز ایک بار پھر سنائی دی وہ کوئی عورت تھی جو سسکیاں بھر رہی تھی۔ میں نے پھر روشن دان کی طرف دیکھا اور اٹھ کر اس طرف بڑھا لیکن ابھی دوسرا ہی قدم اٹھایا تھا کہ سنسناہٹ پورے جسم میں پھیل گئی۔ ٹانگیں بے جان سی ہوگئیں۔ ان میں جسم کا بوجھ اٹھانے کی قوت نہیں رہی اور میں آہستہ آہستہ نیچے جھکتا چلا گیا۔ اس کے بعد مجھے کوئی ہوش نہیں رہا۔

○☆○

آنکھ کھلی تو پچھلی دیوار کے روشن دان سے آنے والی دھوپ میرے چہرے پر پڑ رہی تھی۔ میری آنکھیں چندھیا سی گئیں۔

میں کچھ دیر آنکھیں بند کیے پڑا رہا۔ پورے جسم پر بوجھل پن اور بے پناہ تھکن کا احساس ہو رہا تھا جیسے میں میلوں دور سے بھاگتے بھاگتے تھک کر گر گیا ہوں۔ ٹانگیں شل ہو رہی تھیں اور دماغ پر بھی جیسے منوں بوجھ لدا ہوا ہو۔ میں نے ایک بار پھر آنکھیں کھول دیں۔

یہ ماحول مجھے اجنبی سا لگا۔ مجھے یاد نہیں آرہا تھا کہ میں یہاں کب اور کیسے آیا تھا۔ میں نے سر کو دو تین جھٹکے دیے۔ دماغ پر چھائی ہوئی دھند آہستہ آہستہ چھٹنے لگی اور پھر سب کچھ یاد آتا چلا گیا۔ میں ایک جھٹکے سے اٹھ کر بیٹھ گیا اور اس کے ساتھ ہی میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔

جانکی، ناہید اور بیلی اس کمرے میں نہیں تھیں۔

میں دروازے کی طرف لپکا لیکن ایک جھٹکے سے رک گیا۔ اس مرتبہ مجھے اپنا دل کنپٹیوں میں دھڑکتا ہوا محسوس ہوا۔ کنپٹیاں سلگ اٹھیں۔ دماغ کی نسوں میں شدید تناؤ پیدا ہوگیا۔ دروازے پر باہر بڑا سا تالا لگا ہوا تھا۔

مجھے اپنے آپ کو سنبھالنے میں ایک منٹ لگ گیا۔ مجھے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ گزشتہ رات ہماری چائے میں بے ہوشی کی کوئی چیز ملا دی گئی تھی۔ جانکی اور ناہید تو چائے پیتے کے تھوڑی ہی دیر بعد بے ہوش ہوگئی تھیں اور میں اپنی قوت ارادی کے بل بوتے پر اس کے بعد بھی کافی دیر تک جاگتے رہنے کی کوشش کرتا رہا تھا اور جب میں نے ساتھ والے کمرے سے کسی عورت کے رونے کی آواز سن کر اٹھنے کی کوشش کی تھی تو میری قوت مدافعت بھی جواب دے گئی تھی اور میں بھی انٹا غفیل ہوگیا تھا اور وہ لوگ رات ہی کو کسی وقت جانکی وغیرہ کو اٹھا کر لے گئے تھے۔

اب ساری بات میری سمجھ میں آگئی تھی۔ کھارے پانی والی جھیل کے کنارے ٹوٹے ہوئے مندر میں سنیاسی واسو دیو سے میرا مقابلہ ہوا تھا۔ وہ میرے ہاتھوں مارا جاتا لیکن اپنی موت کو سامنے دیکھ کر اس نے ہاتھ جوڑ دیے تھے۔ میں بھی اسے مارنا نہیں چاہتا تھا کیونکہ اس کی رہنمائی کے بغیر ہم اس ظالم ویرانے سے نہیں نکل سکتے تھے لیکن وہ بے حد مکار نکلا اور ہمیں دھوکے سے یہاں لے آیا۔ وجے ٹھاکر کو دیکھ کر کل ہی شبہات نے میرے ذہن میں جنم لینا شروع کر دیا تھا اور رات کو ان عورتوں کے چیخنے اور رونے کی آوازیں سن کر تو میرے شبہات یقین میں بدل گئے تھے اور ان کی تصدیق بھی ہوگئی تھی۔

میں دروازے کی سلاخوں کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر جھنجوڑنے لگا۔ آہنی دروازے کی دھڑدھڑاہٹ کی آواز دور تک پھیل گئی۔

"واسو دیو۔۔۔ واسو۔۔۔ کہاں ہو تم؟" میں چیخ چیخ کر اس مکار سنیاسی کو پکارنے لگا۔

دو منٹ بعد ہی دو آدمی دروازے کے سامنے نمودار ہوئے۔ ایک تو واسو دیو تھا اور دوسرا لمبا تڑنگا آدمی جس نے ایک ہاتھ میں آٹومیٹک رائفل اٹھا رکھی تھی۔ یہ چہرہ میرے لیے اجنبی تھا شاید یہ ان لوگوں میں شامل تھا جو رات کو ان تین عورتوں کو لے کر یہاں آئے تھے۔

"کیا بات ہے۔ کیوں چیختا پڑا ہے مورکھ۔" واسو دیو نے غراتے ہوئے کہا۔ وہ ایک دم بدلا ہوا تھا۔ چہرے پر بڑی کرختگی اور آنکھوں کی سرخی کچھ اور بڑھ گئی تھی۔

"یہ تالا کھولو۔ وہ دونوں عورتیں اور بچی کہاں ہیں؟" میں نے اس کی غراہٹ سے متاثر ہوئے بغیر کہا۔

"وہ تینوں آرام سے ہیں مورکھ اور تو بھی اپنی خیریت چاہتا ہے تو آرام سے بیٹھا رہ۔" واسو دیو نے جواب دیا۔

"تم نے ہمارے ساتھ دھوکا کیا ہے۔ میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔" میں چیخا۔

"اپنی جان سب کو پیاری ہوتی ہے منش۔" واسو دیو نے مسکراتے ہوئے جواب دیا "اس وقت ہم تیرے آگے ہاتھ جوڑتا تو تو ہم کا مار دیتا۔ اپنا جیون بچانے کا ایک ہی رستہ تھا۔ جو میں نے اختیار کیا۔ میں تمہیں سہرا کا راستہ بتانے کے لیے تو نہیں لایا تھا۔ تم نے مندر میں مار مار کر میرا برا حال بنا دیا تھا۔ ہم وہ مار کبھی نہیں بھولوں گا۔ پر دیکھ، میں نے تجھے زندگی بھر مار کھاتا رہے گا۔"

اس مار کا ایسا بدلہ لیا ہے کہ تو زندگی بھر مار کھاتا رہے گا۔"

واسو دیو بات کرتا ہوا دروازے کے بالکل قریب آگیا تھا۔ میں نے اچانک ہی سلاخوں سے ہاتھ نکال کر اسے سر کے بالوں سے پکڑ کر زوردار جھٹکے سے اپنی طرف کھینچ لیا۔

واسو دیو کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ وہ اپنے آپ کو چھڑانے کی کوشش کرنے لگا۔ میں نے ایک زوردار جھٹکا دیا۔ واسو دیو گھوم گیا۔ اس کی پشت دروازے کی سلاخوں سے لگ گئی۔ میں نے بڑی پھرتی سے ایک بازو اس کے گلے میں لپیٹ لیا اور دوسرے ہاتھ سے بدستور اس کے بال جکڑے رکھے۔

واسو دیو بری طرح اچھل رہا تھا۔ وہ دونوں ہاتھوں سے میرے گلے سے میری گرفت چھڑانے کی کوشش بھی کر رہا تھا لیکن میری یہ گرفت ایسی نہیں تھی جسے وہ چھڑا سکتا۔

اس کے ساتھ آیا ہوا گن مین بھی ایک لمحے کو بدحواس ہوگیا۔ اسے شاید میری طرف سے کسی ایسے اقدام کی توقع نہیں تھی۔ وہ چند سیکنڈ تو مبہوت سا کھڑا یہ سب کچھ دیکھتا رہا پھر رائفل ایک طرف پھینک کر اس نے بھی دونوں ہاتھ میرے بازو پر جما دیے مگر وہ نہیں جانتا تھا کہ میری یہ گرفت زیادہ دیر کے بعد ہی چھوٹ سکتی تھی۔

واسو دیو بری طرح پیر پٹخ رہا تھا۔ وہ چیخنا چاہتا تھا مگر اس کی آواز گھٹ کر رہ گئی تھی۔ حلق سے کتے جیسی خرخراہٹ اور غراہٹ کی آوازیں نکل رہی تھیں۔

گن مین نے میرے بازو سے اپنے ہاتھ ہٹا لیے۔ وہ بری طرح ہانپ گیا تھا۔ اس نے لپک کر رائفل اٹھالی اور اس کے بٹ سے میرے پیٹ پر وار کرنے لگا لیکن واسو دیو کے گلے پر میری گرفت ڈھیلی نہیں ہوئی۔ مجھ پر جنون سا طاری ہو رہا تھا۔ اس کی گردن پر میرے بازو کا شکنجہ گزرنے والے ہر لمحے کے ساتھ مزید ٹائٹ ہو رہا تھا۔

گن مین پیچھے ہٹ گیا۔ اس نے رائفل سیدھی کرلی۔ اس کی نال میرے پہلو سے لگا کر انگلی ٹریگر پر رکھ دی۔ میں سمجھ گیا کہ اب کیا ہونے والا ہے لیکن میرا جنون کم نہیں ہوا اور پھر اس نے فائر کرنے کے بجائے رائفل پیچھے ہٹائی اور بھنا ہوا باہر کی طرف دوڑ گیا۔

صرف دو منٹ بعد تین چار آدمی دوڑتے ہوئے آنگن والے دروازے سے اندر داخل ہوئے اور پھر وہ بھی چیختے چلاتے ہوئے آگے لپکے۔ اس دوران میں واسو دیو کی مزاحمت ختم ہو چکی تھی۔ اس کے دونوں بازو پہلوؤں میں لٹک گئے تھے۔ وہ لوگ چیختے چلاتے ہوئے جیسے ہی قریب پہنچے میں نے واسو دیو کو ایک جھٹکے سے چھوڑ دیا۔ وہ مٹی کی بوری کی طرح بھد سے نیچے گرا۔ میں نے صرف ایک لمحے کو اس کا چہرہ دیکھا تھا۔ اس کی آنکھیں حلقوں سے ابل پڑی تھیں اور زبان باہر لٹک گئی تھی۔

دو آدمیوں نے واسو دیو کو ٹانگوں سے پکڑ کر دروازے سے دور گھسیٹ لیا۔ میں دروازے سے ہٹ کر پیچھے والی دیوار کے ساتھ جا کھڑا ہوا اور اپنے سانس پر قابو پانے کی کوشش کرنے لگا۔

ایک آدمی واسو دیو پر جھکا ہوا تھا۔ وہ یہ جاننے کی کوشش کر رہا تھا کہ وہ زندہ ہے یا مر چکا ہے اور میں جانتا تھا کہ اس کی یہ کوشش بیکار تھی۔ میری اس گرفت میں آنے کے بعد کسی کے زندہ بچ جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

وہ آدمی ایک جھٹکے سے سیدھا ہوگیا۔

"یہ مر گیو دے!" وہ اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھ کر چیخا "اس نے ہتیا کردی واسو دیو کی۔ یہ ہتیارا ہے۔ مارو اسے۔"

گن مین نے رائفل میری طرف تان لی اور انگلی ٹریگر پر پہنچ گئی۔ اس کی انگلی کی معمولی سی حرکت میری زندگی کا خاتمہ کر سکتی تھی اور اب مجھے بھی جیسے ہوش آگیا تھا۔ غصے اور طیش میں، میں نے واسو دیو کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا اور اب سوچ رہا تھا کہ ایسا کر کے میں نے جانکی، ناہید اور بیلی کی کوئی مدد..... نہیں کی تھی۔ میں زندہ رہ کر تو ان کی مدد کر سکتا تھا لیکن میری موت کے بعد وہ میری مدد سے محروم ہو جاتیں اور مکمل طور پر ان کے رحم و کرم پر ہوتیں۔

میں نے آنکھیں بند کرلیں اور گولی کی آواز کا انتظار کرنے لگا۔ ایک دھماکا ہوتا اور اس کے ساتھ ہی میری زندگی کا خاتمہ ہو جاتا لیکن گولی نہیں چلی بلکہ ایک اور گرج دار چیختی ہوئی آواز سنائی دی۔ میں نے آنکھیں کھول دیں۔

وہ وجے ٹھاکر تھا جو دوڑتا ہوا اندر آیا تھا۔ گن مین نے رائفل نیچے کرلی۔ مجھے زندگی کے چند اور لمحے مستعار مل گئے۔ گن مین تیز تیز لہجے میں وجے ٹھاکر کو بتانے لگا۔ وجے ٹھاکر، واسو دیو کی لاش پر جھک گیا۔ اس کی زبان اب بھی باہر لٹکی ہوئی تھی اور آنکھیں حلقوں سے باہر تھیں۔ وجے ٹھاکر

نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا تو اس کا سر ایک طرف ڈھلک گیا۔ گردن کی ہڈی ٹوٹنے کے بعد تناؤ ختم ہو چکا تھا۔

دجے ٹھاکر اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے دروازے کے قریب آکر میری طرف دیکھا۔ میرا خیال تھا کہ وہ مجھے گولی مار دینے کا حکم دے گا لیکن اس کی آنکھوں میں عجیب سی چمک تھی۔ اس نے مڑ کر اپنے ساتھیوں سے کچھ کہا۔ گن مین نے جیب سے چابیوں کا گچھا نکال کر ایک چابی منتخب کی اور تالا کھول دیا۔

گن مین اور دجے ٹھاکر دروازے ہی میں کھڑے رہے اور چار آدمی اندر گھس آئے۔ وہ چاروں موت کے فرشتوں کی طرح میری طرف بڑھنے لگے اور میں اپنی جگہ پر بے حس و حرکت کھڑا انہیں آگے آتے ہوئے دیکھتا رہا۔

میں سمجھ گیا وہ میرے ساتھ کیا کرنے والے تھے۔ گولی سے اڑا دینے کے بجائے اپنے ایک ساتھی کے قتل کا بدلہ لینے کے لیے وہ کوئی دوسرا طریقہ اختیار کرنا چاہتے تھے۔ میری طاقت کا اندازہ انہیں ہو چکا تھا۔ اس لیے وہ چاروں بہت محتاط انداز میں آگے بڑھ رہے تھے۔

ان کا خیال تھا کہ میں زیادہ سے زیادہ مزاحمت کروں گا۔ انہیں مجھ سے جارحانہ انداز کی توقع نہیں تھی لیکن وہ جیسے ہی قریب پہنچے میں کسی نہایت طاقت ور اسپرنگ کی طرح اپنی جگہ سے اچھلا۔ اس طرح کھڑے کھڑے فلائنگ کک لگانا بڑی مہارت کا کام ہوتا ہے اور اس میں ذرا سی غلطی اپنے لیے ہی نقصان کا باعث بنتی ہے لیکن مجھے مارشل آرٹ کے ہر شعبے میں ایسی تربیت دی گئی تھی کہ اس میں غلطی کا امکان نہیں تھا۔

اپنی جگہ سے اچھلتے ہی میں نے پھیپھڑوں کی پوری قوت سے YELL بھی کیا تھا۔ کمرا میری دہاڑ سے گونج اٹھا۔ اس قسم کی دہاڑ بھی حریف کا حوصلہ پست کرویتی ہے۔ وہ چاروں بھی کسی قدر بدحواس ہو گئے۔

میں نے ڈبل فلائنگ کک لگائی تھی۔ میرا ایک پیر ایک آدمی کے منہ پر اور دوسرا پیر دوسرے آدمی کے سینے پر لگا۔ وہ دونوں بلبلاتے ہوئے پشت کے بل جا گرے۔ میں بھی زمین پر گرتے ہی سنبھل گیا۔ اس کے ساتھ ہی میں نے تیسرے آدمی کے پیٹ پر اسٹریٹ کک رسید کردی۔ وہ پیٹ پکڑ کر چیختا ہوا دہرا ہو گیا۔ البتہ چوتھے آدمی نے عقل مندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے میری ٹانگ پر زوردار ٹھوکر رسید کردی۔ میں... لڑکھڑایا مگر فوراً ہی سنبھل گیا۔

جس شخص کے منہ پر فلائنگ کک لگی تھی، اس کا شاید ایک دانت اپنی جگہ سے اکھڑ گیا تھا۔ اس کے منہ سے بہہ رہا تھا اور وہ بری طرح چیختے ہوئے اچھل رہا تھا۔ جس سینے پر کک لگی تھی، وہ سنبھل گیا تھا۔ البتہ تیسرا ابھی پیٹ پکڑے ہوئے تھا۔

دو آدمی بیک وقت حملہ آور ہوئے۔ میں دونوں کو دے کر اپنے آپ کو بچا گیا۔ ان میں سے ایک تو اپنی جھونک میں دیوار سے جا ٹکرایا جبکہ دوسرے نے بڑی سے پلٹ کر حملہ کردیا تھا۔

یہ کمرا زیادہ بڑا نہیں تھا۔ مجھے کھل کر اپنے حربی مظاہرے کا موقع نہیں مل رہا تھا۔ حریف اگر ایک ہوتا جگہ ہوتی مگر وہاں ہم پانچ آدمی تھے۔ جس وجہ سے تنگ ہو گئی تھی۔

میں ان سے دور رہ کر ان کا مقابلہ کرنے کی کوشش تھا۔ وہ بھی اب محتاط ہو گئے تھے اور پھر مجھ سے ایک ہو گئی جس کا انہوں نے بھرپور فائدہ اٹھایا۔ دو آدمی مجھ لپٹ گئے۔ وہ مجھے گرانے کی کوشش کررہے تھے۔ میں ایک کی پسلیوں میں کہنی سے ضرب لگائی۔ اس کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔ میں دوسرے کی گردن پر بازو لپیٹنے کی کوشش کررہا تھا کہ میرے سر پر قیامت ٹوٹ پڑی۔

چوتھے آدمی نے پانی سے بھرا ہوا مٹکا اٹھا کر میرے سر دے مارا تھا۔ گھڑا میرے سر پر ٹوٹا اور میں سر سے پیر تک میں شرابور ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی اس شخص کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی تھی۔ اس شخص نے ایک زبردست جھٹکے سے اپنے آپ کو چھڑا لیا اور پھر وہ چاروں مجھ پر پڑے۔ پہلے تو میں اپنے آپ کو سنبھالنے کی کوشش کرتا رہا، کامیاب نہیں ہو سکا۔ ایک آدمی نے میرے گھٹنے کے طرف ٹھوکر ماری۔ میں لڑکھڑا کر گرا اور پھر مجھے موقع نہیں مل سکا۔

میرے جسم پر لاتوں اور گھونسوں کی بارش ہو۔ میں اپنے آپ کو بچانے کی کوشش کرتا رہا اور پھر ایک مجھے کھڑے ہونے کا موقع مل گیا۔ ایک آدمی کو تو میں چار ہاتھ جڑ ہی دیے تھے لیکن دوسرا جونک کی طرح لپٹ گیا اور مجھے دھکیلتا ہوا دیوار تک لے گیا۔ جبکہ نے مجھ پر گھونسے بازی کی پریکٹس جاری رکھی۔

میں اگرچہ بھرپور مزاحمت کررہا تھا لیکن مجھے جو تھا، وہ ہاتھ سے نکل گیا۔ وہ چاروں تابڑ توڑ حملے کررہے ایک گھونسا میرے جبڑے پر لگا۔ میرا ایک دانت ہل میں اپنے خون کا ذائقہ محسوس کرکے مجھ پر ایک بار

ساطاری ہو گیا۔ میں نے زخمی شیر کی طرح دہاڑتے ہوئے حملہ آوروں کو پیچھے دھکیل دیا لیکن اس مرتبہ مجھے بھی زیادہ ہاتھ پیر چلانے کا موقع نہیں مل سکا۔

کنپٹی پر لگنے والے ایک گھونسے سے میرا دماغ جھنجنا آنکھوں کے سامنے نیلی پیلی سی چنگاریاں رقص کرنے لگیں۔ میں سنبھلنے کی کوشش کررہا تھا کہ دو تین گھونسے اور میرے حواس مختل ہونے لگے اور آنکھوں کے سامنے پہلے دھند اور پھر تاریکی چھانے لگی۔ میں تیورا کر نیچے گرنے کے بعد بھی میرے جسم پر گھونسوں اور ٹھوکروں کی بارش ہوتی رہی۔ میری آنکھوں کے سامنے تاریکی گہری ہوتی چلی گئی اور پھر مجھے کچھ ہوش نہیں رہا۔

○☆○

چیخوں کی وہ آواز مجھے میلوں دور سے آتی ہوئی محسوس ہورہی تھی لیکن پھر وہ آواز واضح ہوتی گئی۔ میرے حواس بتدریج بحال ہورہے تھے۔

کنپٹیاں سلگ رہی تھیں اور دماغ میں دھماکے سے ہورہے تھے۔ جسم کا کوئی حصہ ایسا نہیں تھا جہاں ٹیسیں نہ اٹھ رہی ہوں۔ ظالموں نے مجھے روئی کی طرح دھنک کر رکھ دیا تھا۔

میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔ میرے جسم پر صرف پتلون رہ گئی تھی۔ بنیان تو چیتھڑوں میں بدل کر میرے جسم سے الگ ہو گئی تھی۔

دلدوز چیخوں کی وہ آواز اب واضح ہو گئی تھی۔ یہ آواز بچ والی دیوار کے روشن دان سے آرہی تھی۔ میں اٹھ کر دیوار کے قریب پہنچ گیا اور سر اٹھا کر روشن دان کی طرف دیکھنے لگا۔

روشن دان میرے قد سے تقریباً چار فٹ اوپر تھا۔ میں نے ایک کرسلا نیں پکڑلیں اور اپنے جسم کو آہستہ آہستہ اوپر کھینچنے لگا۔ میں بڑی مشکل سے اپنے چہرے کو سلاخوں کے برابر لا سکا تھا اور پھر دوسری طرف کا منظر دیکھ کر میرا خون کھول اٹھا۔

وہ دو آدمی تھے جو ایک نازک اور دھان پان سی عورت کو دبوچے ہوئے تھے۔ یہ ان تین عورتوں میں سے ایک تھی نہیں گزشتہ رات یہاں لایا گیا تھا۔ اس کے کپڑے کمرے ادھر اُدھر بکھرے ہوئے تھے اور وہ دونوں وحشی بھیڑیوں طرح اسے نوچ رہے تھے۔ وہ عورت اپنے آپ کو چھڑانے کی کوشش کرتے ہوئے چیخ رہی تھی۔

میں زیادہ دیر تک یہ منظر نہیں دیکھ سکا۔ سلاخیں میرے ہاتھوں سے چھوٹ گئیں اور میں نیچے گر گیا۔ میرے دماغ میں آندھیاں سی چل رہی تھیں۔ میں دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھا ناہید اور جانگی کے بارے میں سوچنے لگا۔ وہ دونوں کہاں ہیں۔ ان کا کیا حشر ہوا ہو گا۔

مجھے اس طرح بیٹھے ہوئے شاید آدھا گھنٹا گزر گیا تھا۔ قدموں کی آہٹ سن کر میں نے سامنے دیکھا۔ دو آدمی دروازے کے سامنے نمودار ہوئے۔ ایک کے ہاتھ میں رائفل تھی اور دوسرے کے ہاتھ میں پیتل کا تھال جس میں کھانا رکھا ہوا تھا اور پانی کا گلاس بھی۔ میں اٹھ کر دروازے کے قریب آگیا۔

"پیچھے۔ پیچھے ہٹو۔ اس دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑے ہو جاؤ۔" گن مین نے رائفل تان کر غراتے ہوئے کہا۔

میں دل ہی دل میں مسکرا دیا..... واسودیو والے تجربے کے بعد وہ لوگ کوئی نیا خطرہ مول نہیں لینا چاہتے تھے۔ میں پیچھے ہٹتا ہوا دیوار کے ساتھ لگ گیا۔ دوسرے آدمی نے دروازے کے قریب آکر پہلے گلاس سلاخوں کے اندر رکھا پھر تھال بھی دروازے کے نیچے سے اندر سرکا دیا۔ اسی دوران میں اس کی نظریں مسلسل میری طرف اٹھی رہی تھیں۔ اسے شاید اندیشہ تھا کہ میں اس پر جھپٹ نہ پڑوں۔

"جانگی اور ناہید کہاں ہیں؟" میں نے اپنی جگہ سے حرکت کیے بغیر گن مین کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "تم لوگ اچھا نہیں کررہے۔ پچھتاؤ گے۔"

"شکر کرو دجے ٹھاکر کی وجہ سے تمہاری جان بچ گئی۔" گن مین نے گھورتے ہوئے جواب دیا "ویسے تم ہو بڑے جان دار آدمی۔ فولاد بھرا ہوا ہے تمہاری بانہوں میں۔ تم نے جس طرح واسودیو کی گردن مروڑی ہے وہ سب کے لیے حیرت کی بات ہے۔ وہ سانڈ تو چار آدمیوں کے قابو میں بھی نہیں آتا تھا۔"

"وہ تھا ہی اس قابل۔" میں نے کہا "اس نے ہمارے ساتھ دھوکا کیا تھا۔ اسے تو اس سے بھی زیادہ بھیانک موت ملنی چاہیے تھی۔ ویسے تم نے میری بات کا جواب نہیں کیا۔ وہ دونوں عورتیں کہاں ہیں؟"

"تمہاری دونوں عورتیں ابھی تک خیریت سے ہیں۔ انہیں کسی نے چھوا تک نہیں۔" گن مین نے جواب دیا "شکر کرو واسودیو ہم میں سے نہیں تھا اگر وہ ہمارا ساتھی ہوتا تو تمہارے شریر کے ٹکڑے ٹکڑے کردیے جاتے لیکن تمہاری وجہ سے ہمارا پروگرام غارت ہو گیا ہے۔"

"کیسا پروگرام؟" میں نے الجھی ہوئی نگاہوں سے اس

کی طرف دیکھا۔

"کل صبح منڈی لگنے والی ہے۔ ہمیں آج وہاں پہنچ جانا چاہیے تھا مگر تمہارے ہاتھوں واسو دیو کی ہتیا کی وجہ سے ہمیں آج کا دن یہاں رکنا پڑا۔ اب تم یہ بھوجن کرلو اور ایک بات کا خیال رکھنا۔ اب اگر تم نے کوئی ایسی حرکت کی تو تم زندہ نہیں بچو گے۔"

"تم لوگ بھی ایک بات یاد رکھنا۔" میں نے کہا "اگر میری ساتھیوں میں سے کسی کو کچھ ہوا تو میں تم لوگوں کو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ ایک ایک کی گردن مروڑ دوں گا۔"

گن مین مجھے گھور کر رہ گیا اور پھر وہ دونوں وہاں سے چلے گئے۔ ان کے جانے کے بعد بھی میں کافی دیر تک اپنی جگہ پر کھڑا رہا۔ ساتھ والے کمرے سے اب عورت کی سسکیوں اور آہوں کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ میں نے اچک کر روشن دان کی سلاخوں کو پکڑ لیا اور دوسری طرف دیکھنے لگا۔

اس طرف کا منظر دیکھ کر میں دہل گیا۔ کمرے میں اس عورت کے سوا اور کوئی نہیں تھا۔ وہ بے لباس تھی اور دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے گھٹنوں میں سر دیے سسکیاں بھر رہی تھی۔ اس نے دونوں بازو گھٹنوں پر لپیٹ رکھے تھے۔ دوسری طرف کی ایک کھڑکی سے آنے والی دھوپ براہ راست اس پر پڑ رہی تھی۔ اس کے بائیں بازو پر کندھے سے ذرا نیچے خون کا دھبا بھی صاف نظر آرہا تھا۔ اس کی ہلکی ہلکی سسکیاں کمرے کی فضا میں بڑا افسوس ناک تاثر پیدا کر رہی تھیں۔

"اے۔ کیا تم میری آواز سن رہی ہو۔" میں نے ہولے سے اسے پکارا۔

اس نے چونک کر گھٹنوں پر جھکا ہوا سر اٹھایا اور وحشیانہ نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔

"اِدھر۔ تمہارے سامنے والی دیوار کے روشن دان میں۔" میں نے اسے توجہ دلانے کے لیے کہا۔ میری آواز سرگوشی سے زیادہ نہیں تھی۔

اس نے میری طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں وحشت کچھ اور بڑھ گئی تھی۔ دوسرے ہی لمحے اس نے لپک کر چند فٹ دور فرش پر پڑی ہوئی ساڑی اٹھا کر اپنے اوپر ڈال لی اور میری طرف دیکھنے لگی۔ اس کے ساتھ جو کچھ ہوا تھا' وہ میں اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا تھا۔

"کون ہو تم؟" اس کے لہجے میں خوف نمایاں تھا۔

"قیدی۔" میں نے جواب دیا "یہاں تمہارے علاوہ دوسری عورتیں بھی ہیں۔ وہ کہاں ہیں؟"

"پتا نہیں مگر تم کون ہو؟" اس نے پھر پوچھا۔

"میں بھی ان وحشیوں کی قید میں ہوں۔ میرے ساتھ عورتیں تھیں ان لوگوں نے ہمیں دھوکے سے اپنا قیدی اور ان عورتوں کو مجھ سے الگ کردیا۔ ان کے ساتھ میرے ہاتھ سلاخوں پر پھسل رہے تھے' میں جملہ ادھورا کر گرفت جمانے کی کوشش کرنے لگا مگر ہتھیلیوں میں وجہ سے اپنی گرفت قائم نہ رکھ سکا اور دھب سے نیچے

میں نے متجسس نگاہوں سے ادھر اُدھر دیکھا ایک کونے میں گھڑونچی اور اس کے قریب لکڑی کا دیکھ کر میری آنکھیں چمک اٹھیں۔ اسٹول تقریباً دو فٹ تھا جسے میں نے اٹھا کر دیوار کے قریب رکھ دیا اور اس اوپر گھڑونچی رکھ دی۔

میں گھڑونچی پر کھڑا ہوگیا۔ دونوں چیزیں خاصی تھیں۔ ان کی چولیں ہل رہی تھیں۔ میں نے گھڑونچی پر ہو کر روشن دان کی سلاخوں کو تھام لیا اور اپنا دایاں ہاتھوں پر ہی رکھا۔

اب میرا چہرہ روشن دان کے سامنے تھا اور میں دشواری کے بغیر دوسرے کمرے میں دیکھ سکتا تھا۔ وہ عو اب بھی سامنے والی دیوار کے ساتھ بیٹھی اس طرف دیکھ تھی۔ اس نے ساڑی سے اپنا جسم ڈھانپ لیا تھا۔

"کیا تم ان دو عورتوں کے بارے میں کچھ جانتی ہو کے ساتھ ایک بچی بھی تھی۔" میں نے اسے متوجہ ہوئے پوچھا۔

"وہ۔۔۔ وہ سب دوسرے مکان میں ہیں۔" اس سسکی بھرتے ہوئے کہا۔

"تم کون ہو۔ یہ لوگ تمہیں کہاں سے لائے ہیں؟ نے پوچھا۔

"مم۔۔۔ میں۔۔۔" وہ بولی "انہوں نے مجھے رنگ پو دھوکے سے اٹھایا تھا۔"

"رنگ پور۔ کیا تم رنگ پور کی رہنے والی ہو۔ یہ ہے؟" میں نے پوچھا۔

"میں احمد آباد کی رہنے والی ہوں۔ اپنے گھر والو ساتھ سیر و تفریح کے لیے آئی ہوئی تھی۔ تین دن پہ تاریخی عمارتوں کی سیر کرتے ہوئے میں اپنے گھر والو بچھڑ گئی۔ میں انہیں تلاش کرتی پھر رہی تھی کہ ایک آد میرے قریب آکر بتایا کہ میرے گھر والے ڈاک بنگلے پر انتظار کر رہے ہیں۔ میں اس کے ساتھ ڈاک بنگلے میں وہاں میرے گھر والے نہیں تھے۔ البتہ دو آدمی اور تھے سمجھ گئی کہ میرے ساتھ دھوکا ہوا ہے۔ میں نے وہاں

بھی اکڑ نہیں گئی تیری۔ کوئی بات نہیں۔ سب کچھ بھول جائے گا۔"

میں کچھ کہنا چاہتا تھا کہ روشن دان کی طرف سے اس عورت کے چیخنے کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔

"نہیں نہیں۔ چھوڑ دو مجھے۔۔۔ بھگوان کے لیے مجھے چھوڑ دو۔" وہ چیخ چیخ کر فریاد کر رہی تھی۔

میں پچھلی دیوار کی طرف لپکا اور اچک کر روشن دان کی سلاخوں سے لٹک گیا۔ دو آدمی اس عورت کو گھسیٹتے ہوئے لے جا رہے تھے۔ چادر کی طرح لپٹی ہوئی ساڑی ایک بار پھر اس کے بدن سے جدا ہوگئی تھی۔ وہ دونوں وحشی اسے گھسیٹتے ہوئے کمرے سے باہر لے گئے۔ میں نیچے اتر آیا۔ گن مین بھی جا چکا تھا اور دروازے کے اندر کی طرف رکھا ہوا کھانے کا تھال بھی غائب تھا۔ اس نے موقع پاکر تھال باہر کھینچ لیا تھا۔ البتہ پانی سے بھرا ہوا گلاس وہیں رکھا ہوا تھا۔

میں دیوار سے ٹیک لگائے کھڑا گہرے گہرے سانس لیتا رہا۔ اس عورت کی چیخیں دیر تک میرے کانوں میں گونجتی رہیں۔ میرے ہونٹ خشک ہو رہے تھے۔ حلق میں کانٹے سے چبھنے لگے۔ میں نے آگے بڑھ کر دروازے کے قریب رکھا ہوا گلاس اٹھالیا اور ایک ہی سانس میں پانی حلق میں انڈیل لیا اور وہیں بیٹھ کر اپنی کیفیت پر قابو پانے کی کوشش کرنے لگا۔

وہ دن گزر گیا۔ میں دروازے کے قریب ہی دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھا رہا۔ اس دوران میں نہ تو کسی عورت کے چیخنے کی آواز سنائی دی تھی اور نہ ہی ڈاکوؤں کا کوئی آدمی میری طرف آیا تھا۔

صورت حال عجیب سی پیچیدگی اختیار کر گئی تھی۔ نہ جہاز کو حادثہ پیش آتا اور نہ ہم اس مصیبت میں گرفتار ہوتے اور میرا خیال میں اس سے نجات حاصل کرنا کچھ آسان نہ تھا۔

شام کا اندھیرا پھیل گیا۔ کمرے میں مچھر بھنبھنانے لگے۔ لالٹین تو موجود تھی لیکن میرے پاس ماچس نہیں تھی کہ لالٹین جلا کر روشن کرلیتا۔ اندھیرا گہرا ہوتا جا رہا تھا اس کے ساتھ ہی مچھروں کی یلغار بڑھتی گئی۔ یہ مچھر تو کم بخت ان قزاقوں سے بھی زیادہ خطرناک اور خوں خوار تھے جو میرا خون چوس رہے تھے۔

قدموں کی آہٹ سن کر میں چونک گیا اور پھر بائیں طرف سے مدھم سی روشنی دکھائی دینے لگی جو بتدریج واضح ہوتی چلی گئی۔

وہ وہی دونوں آدمی تھے جو دن میں بھی آچکے تھے۔ ایک گن مین تھا اور دوسرے کے ہاتھ میں کھانے کا تھال تھا۔ وہ

میں نے کہا تھا۔ اس دوران میں نہ تو کسی عورت کے چیخنے کی آواز سنائی دی تھی اور نہ ہی ڈاکوؤں کا کوئی آدمی میری طرف آیا تھا۔

صورت حال عجیب سی پیچیدگی اختیار کر گئی تھی۔ نہ جہاز کو حادثہ پیش آتا اور نہ ہم اس مصیبت میں گرفتار ہوتے اور میرا خیال میں اس سے نجات حاصل کرنا کچھ آسان نہ تھا۔

شام کا اندھیرا پھیل گیا۔ کمرے میں مچھر بھنبھنانے لگے۔ لالٹین تو موجود تھی لیکن میرے پاس ماچس نہیں تھی کہ لالٹین جلا کر روشن کرلیتا۔ اندھیرا گہرا ہوتا جا رہا تھا اس کے ساتھ ہی مچھروں کی یلغار بڑھتی گئی۔ یہ مچھر تو کم بخت ان قزاقوں سے بھی زیادہ خطرناک اور خوں خوار تھے جو میرا خون چوس رہے تھے۔

قدموں کی آہٹ سن کر میں چونک گیا اور پھر بائیں طرف سے مدھم سی روشنی دکھائی دینے لگی جو بتدریج واضح ہوتی چلی گئی۔

وہ وہی دونوں آدمی تھے جو دن میں بھی آچکے تھے۔ ایک گن مین تھا اور دوسرے کے ہاتھ میں کھانے کا تھال تھا۔ وہ

بھاگنے کی کوشش کی تو انہوں نے مجھے پکڑ لیا اور کچھ سونگھا کر بے ہوش کردیا۔

"انہوں نے بعد میں مجھے جنگل میں واقع کسی مکان میں رکھا۔ وہاں دو عورتیں اور بھی تھیں۔ کل رات یہ لوگ ہمیں اونٹوں پر لاد کر یہاں لے آئے۔ میرے ماتا پتا نجانے کس حال میں ہوں گے۔ یہ انسان نہیں درندے ہیں۔ انہوں نے میری کیا حالت کردی ہے۔" اس نے اپنے جسم پر ساڑی بنا دی۔

میں کانپ اٹھا۔ اس کے جسم پر جگہ جگہ دانتوں سے کاٹے جانے کے نشان تھے۔ وہ واقعی انسان نہیں درندے تھے۔ اس نے ساڑی کو دوبارہ چادر کی طرح اپنے جسم پر لپیٹ لیا اور سسکیاں بھرنے لگی۔

اس کی عمر بمشکل تیس کے لگ بھگ رہی ہوگی۔ دبلی پتلی' نازک سی۔ چہرے کے نقوش بڑے تیکھے اور جاذب نظر تھے۔ موٹی موٹی سیاہ آنکھیں جن میں بے پناہ وحشت بھری ہوئی تھی۔ بال لہریے دار اور گردن تک کٹے ہوئے تھے۔

میں کچھ کہنا چاہتا تھا کہ دروازے کی طرف سے غراہٹ سن کر چونک گیا۔ میں نے گردن گھما کر پیچھے دیکھا۔ وہی گن مین تھا جو پہلے بھی آچکا تھا۔

"دیکھ لیا لونڈیا کو۔ سالی ٹھیٹے پر ہاتھ نہ دھرن دیوے تھی۔" اس نے میری طرف دیکھ کر کہا۔ اس کے ہونٹوں پر بڑی مکروہ سی مسکراہٹ آگئی تھی۔

"تم لوگ انسان نہیں درندے ہو۔" میں نے چیخ کر کہا۔ اسی دوران میں بے خیالی میں گھڑونچی پر بوجھ زیادہ پڑ گیا اور وہ میرے پیروں کے نیچے سے پھسل گئی۔ میں روشن دان کی سلاخوں سے لٹکا رہ گیا اور پھر میں نے ہاتھ چھوڑ دیے اور دھب سے نیچے گرا۔

"تم لوگ ٹھیک نہیں کر رہے۔ میں تم میں سے کسی کو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔" میں دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے غرایا۔

"تو اپنی کھال بچا بھایا۔" وہ دو قدم پیچھے ہٹتے ہوئے بولا "وجے ٹھاکر کو پتا نہیں تم سے عشق کیوں ہوگیا ہے وہ نہ ہوتا تو تیرا ابھی تیا پانچا ہو چکا ہوتا۔ زیادہ ہوشیار مت بن۔ وکرم تم بہت گرمی کھائے ہوئے ہے۔ تونے اس کا دانت توڑا ہے نا۔ اسے موقع مل گیا تو وہ تیری گردن توڑ دے گا اور تونے سوچن نہیں کیا۔ پسند نہیں آیا کیا۔"

"میں تمہارا خون پیوں گا۔" میں نے جواب دیا۔

"واہ بھئی واہ۔" وہ مسکرا دیا "اتنی مار کھانے کے بعد

دونوں دروازے سے چند فٹ دور ہی رک گئے۔ میں سمجھ گیا کہ وہ آگے نہیں آئیں گے اسی لیے میں دروازے کے قریب سے اٹھ کر سامنے والی دیوار کے ساتھ بیٹھ گیا۔ گن مین تو رائفل تانے کھڑا رہا اور دوسرے آدمی نے دروازے کی سلاخوں کے نیچے سے تھال اندر سرکا دیا اور قریب ہی پانی کا گلاس بھی رکھ دیا۔

"تم میں سے کسی کے پاس ماچس ہو تو دے دو۔ لالٹین جلانی ہے۔" میں نے اپنی جگہ سے حرکت کیے بغیر کہا۔

گن مین نے جیب سے ماچس نکال کر سلاخوں میں سے میری طرف اچھال دی۔ ماچس میرے گھٹنے سے ٹکرا کر گری جسے میں نے اٹھالیا اور اپنی جگہ سے اٹھ کر دروازے کی طرف بڑھا۔ وہ دونوں پیچھے ہٹ گئے۔ میں نے لالٹین جلا کر ماچس باہر پھینک دی۔ گن مین نے جھک کر ماچس اٹھائی اور وہ دونوں کچھ کہے بغیر واپس چلے گئے۔

میں نے تھال اپنی طرف سرکا لیا۔ توے کی پکی ہوئی دو موٹی موٹی روٹیاں ایک کٹوری میں اچار اور اونٹ کے گوشت کے تلے ہوئے قتلے تھے جن میں سے ہلکی سی بساند آرہی تھی۔

میں دو دن سے فاقے سے تھا۔ پیٹ سے دشمنی کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ اپنے حقیقی دشمنوں سے نمٹنے کے لیے مجھے جسمانی طاقت کی ضرورت تھی اور یہ توانائی کھانے پینے سے ہی حاصل ہوسکتی تھی۔ یہی سوچ کر میں نے کھانے پر ہاتھ صاف کرنا شروع کردیا۔

کھانے کے بعد میں سامنے والی دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گیا اور ٹانگیں آگے کو پھیلالیں۔ میں کبھی اونگھنے لگتا اور کبھی آنکھیں پوری طرح کھول کر باہر تاریکی میں گھورنے لگتا۔

سناٹے میں کسی وقت کسی اونٹ کے بلبلانے کی آواز سنائی دے جاتی اور اس کے بعد پھر خاموشی چھا جاتی۔

وہ شاید آدھی رات کا وقت تھا۔ نسوانی چیخ کی وہ آواز سناٹے کو چیرتی ہوئی دور تک پھیل گئی تھی۔ میں اچھل پڑا۔ چیخ کی بازگشت ابھی ختم نہیں ہوئی تھی کہ فضا شیطانی قہقہوں سے گونج اٹھی۔ مجھے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ وہ وحشی پھر کسی عورت کو بھنبھوڑنے لگے تھے۔ وہ نسوانی چیخ پھر سنائی دی لیکن اس مرتبہ آواز گھٹی گھٹی سی تھی۔ میرے ذہن میں اچانک ہی ناہید اور جانکی کا خیال ابھر آیا۔ چیخ کی آواز میں نہیں پہچان سکا تھا مگر وہ ان دونوں میں سے بھی کوئی ہوسکتی تھی۔

میں اٹھ کر دروازے کے قریب آگیا اور سلاخیں پکڑ کر کھڑا ہوگیا۔ میرا بس نہیں چل رہا تھا کہ دروازہ توڑ کر باہر نکل جاؤں اور ان لوگوں کو موت کے گھاٹ اتار دوں جو کسی معصوم عورت کی عزت سے کھیل رہے تھے۔ ان کے شیطانی قہقہوں کی گونج فضا میں بکھرتی جارہی تھی۔

میرے ہاتھ سلاخوں پر پھسلتے ہوئے نیچے آگئے۔ ایک ہاتھ کی انگلیاں باہر کے کنڈے میں لگے ہوئے تالے سے مس ہوئیں تو میں غیر ارادی طور پر تالے کو ٹٹولنے لگا۔

میرے دماغ میں اچانک ہی جھماکا سا ہوا۔ مجھے بنکاک کا وہ واقعہ یاد آگیا جب میں تھائی اور جانکی کے ساتھ جہاںگ رائے سے واپس آیا تھا تو بنکاک ائرپورٹ پر دارا کے آدمیوں نے ہمیں ایک وین میں اغوا کرنے کی کوشش کی تھی۔ وین کے دروازے لاک تھے۔ اندر سے ہینڈل نکلے ہوئے تھے۔ اس وقت میری نظریں وین کے ایک دروازے کے لاک پر مرکوز ہوگئی تھیں اور لاک کھل گیا تھا اور ابھی تین دن پہلے ہی تو میں نے اپنی نظروں کی اس پُراسرار قوت سے کام لے کر جہاز کے مسافروں کو لوٹنے والے ڈاکوؤں کو آپس میں لڑا کر ان کا خاتمہ کردیا تھا۔ یہ الگ بات تھی کہ ان میں سے کسی کی چلائی ہوئی گولی جہاز کے فیول ٹینک میں لگی تھی اور جہاز بھی تباہ ہوگیا تھا۔

میں نہیں جانتا تھا کہ میری نظروں کی یہ پُراسرار قوت میرے اندر پوشیدہ چی کی وجہ سے تھی یا اس کا سبب کچھ اور تھا۔ بہرحال میں نے اس وقت بھی اس پُراسرار قوت سے کام لینے کا فیصلہ کرلیا اور تالے کو ہاتھ میں پکڑ کر نظریں اس پر جما دیں۔

ایک سیکنڈ سے بھی کم وقفے میں کلک کی ہلکی سی آواز ابھری اور تالا کھل گیا۔ میں نے بڑی آہستگی سے تالے کو کنڈے میں سے نکال کر ایک سلاخ میں اٹکا کر کنڈا کھول دیا اور آہستگی سے دروازہ کھول کر باہر نکل آیا۔

دوسرا قدم اٹھاتے ہی میں رک گیا۔ کمرے میں دائیں جا کر لالٹین بجھا دی اور دروازہ بند کرکے تالا کنڈے میں اٹکا دیا اور دبے قدموں بیرونی دروازے کی طرف چلنے لگا۔

گہری تاریکی تھی۔ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دے رہا تھا لیکن مجھے اندازہ تھا کہ آنگن کا باہر والا دروازہ کس طرف ہے۔ راستے میں کوئی رکاوٹ بھی نہیں تھی اس لیے میں تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا چلتا رہا۔

دروازے کو باہر سے کنڈا لگا ہوا تھا۔ میں نے ادھر اُدھر دیکھا۔ دیوار چھ فٹ سے زیادہ اونچی نہیں تھی۔ میں اچک کر اوپر چڑھ گیا اور بڑی آہستگی سے دوسری طرف کود گیا۔

آسمان پر بادل تھے اور باہر درختوں کی وجہ سے تاریکی کچھ زیادہ ہی گہری تھی۔ میں رک کر ادھر اُدھر دیکھنے لگا۔ پانچ چھ مکان تھے۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ جانکی وغیرہ کو کس مکان میں رکھا گیا تھا اور وہ لوگ کس مکان میں تھے اور یہ کہ وہ نسوانی چیخ کس مکان سے سنائی دی تھی۔

میں ابھی یہ سوچ ہی رہا تھا کہ وہ گھٹی گھٹی چیخ دوبارہ سنائی دی۔ میں اچھل پڑا۔ اس چیخ سے مجھے یہ پتا چل گیا کہ وہ شیطان کس کمرے میں تھے۔ میں دبے قدموں اس طرف چلنے لگا۔

یہ مکان بھی پہلے مکان جیسا ہی تھا۔ آنگن اور پچھلی طرف کمرے۔ آنگن کا دروازہ اندر سے بند تھا۔ میں دیوار چڑھ کر بڑی آہستگی سے دوسری طرف کود گیا۔

اس آنگن میں بھی نیم کے دو درخت تھے۔ میں چند لمحے دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے کھڑا رہا اور پھر بہت محتاط انداز میں چلتا ہوا۔ ایک درخت کے نیچے رک گیا۔ آنگن کافی کشادہ تھا۔ جس کے آخر میں غالباً دو کمرے تھے۔ ان کے دروازے دائیں رخ پر تھے جو یہاں سے نظر نہیں آرہے تھے البتہ اس طرف بہت مدھم روشنی دکھائی دے رہی تھی۔ جس کا مطلب تھا کہ کسی کمرے میں لالٹین جل رہی تھی۔ دبی دبی چیخوں اور شیطانی قہقہوں کی آوازیں بھی اسی طرف سے سنائی دے رہی تھیں۔

میں آگے بڑھنا ہی چاہتا تھا کہ ایک آواز سن کر رک گیا۔

"میں اب چلتا ہوں۔" یہ وجے ٹھاکر کی آواز تھی "تم لوگ رات بھر اس چھوکری سے کھیل مت کرتے رہنا۔ سویرے جلدی جانا ہے۔"

اس کے چند سیکنڈ بعد ہی ایک انسانی ہیولا اس طرف سے آتا ہوا دکھائی دیا۔ میں نے ادھر اُدھر دیکھا اور درخت کے تنے کے ساتھ چپک کر کھڑا ہوگیا۔ درخت کا تنا اگرچہ زیادہ موٹا نہیں تھا لیکن یہاں گہری تاریکی تھی اور مجھے یقین تھا کہ وہ مجھے نہیں دیکھ سکے گا۔

وجے ٹھاکر مجھ سے چار پانچ فٹ کے فاصلے سے گزر گیا اور دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔ اس نے دروازہ بھیڑنے کی بھی ضرورت نہیں سمجھی تھی۔ اسے یونہی کھلا چھوڑ گیا تھا۔

میں درخت کی آڑ سے نکل کر آہستہ آہستہ اس طرف چلنے لگا۔ جس طرف سے وجے ٹھاکر آیا تھا۔ میرا اندازہ درست نکلا۔ اس طرف دو ہی کمرے تھے۔ پہلے کمرے کا دروازہ اگرچہ کھلا ہوا تھا مگر اندر تاریکی تھی البتہ دوسرے کمرے میں روشنی تھی اور دروازہ پوری طرح کھلا ہوا تھا۔ وہ شیطان اس کمرے میں تھے۔ ان کے ہنسنے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں اور پھر ایک روتی ہوئی نسوانی آواز سنائی دی۔

"خدا کے لیے چھوڑ دو مجھے۔ مرجاؤں گی میں۔ چھوڑ دو مجھے۔ خدا کے لیے چھوڑ دو۔"

میرے دماغ میں آندھیاں سی چلنے لگیں۔ مجھے ناہید کی آواز پہچاننے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔ جو اُن شیطانوں کو خدا کے واسطے دے کر اپنی جاں بخشی کی فریاد کررہی تھی۔

"تمہارا خدا سرحد کے دوسری طرف رہتا ہے سُندری۔ یہ ہندوستان ہے یہاں تو کالی ماں کی پوجا کرنے والے سُورماؤں کا راج ہے۔ یہاں تو بھگوان بھی بے بس ہے۔ تمہارا خدا یہاں آکر تمہاری کوئی مدد نہیں کرسکتا۔ اسی لیے۔۔۔"

میں اس سے آگے نہیں سن سکا۔ وہ جو کوئی بھی تھا واقعی شیطان تھا اور اس قسم کے لوگوں کے سامنے تو واقعی ان کا بھگوان بھی بے بس ہوتا ہے۔

میں اس وقت اپنے پورے بدن میں سنسناہٹ سی محسوس کررہا تھا۔ میری مٹھیاں بھنچ گئیں۔

میں دروازے کے قریب دیوار کے ساتھ چپک کر کھڑا ہوگیا۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ اندر کتنے آدمی تھے۔ سوچے سمجھے بغیر خوار بھیڑیوں کے بھٹ میں گھس جانا موت کو دعوت دینے کے مترادف تھا۔ میں متجسس نگاہوں سے ادھر اُدھر دیکھنے لگا اور پھر میرے دل کی دھڑکن تیز ہوگئی۔ دروازے کے دوسری طرف تین چار فٹ آگے دو رائفلیں دیوار کے ساتھ کھڑی تھیں۔

میں نے اپنا سانس روک لیا اور آہستہ آہستہ آگے سرکنے لگا اور پھر بڑی تیزی سے دروازے کے سامنے سے گزر کر دوسری طرف پہنچ گیا اور ایک رائفل اٹھالی۔

"اے۔ کون ہے رے اُدھر؟"

اندر سے ایک آواز سنائی دی۔ میں دونوں ہاتھوں میں رائفل تھامے دروازے کے سامنے آگیا۔ اس وقت ایک آدمی دروازے کی طرف بڑھ رہا تھا۔ وہ شاید یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ دروازے کے سامنے سے کون گزرا ہے لیکن مجھے دیکھ کر وہ اس طرح بے حس و حرکت ہوگیا جیسے پتھر کا ہو کر رہ گیا ہو۔ اس کی آنکھوں میں بے پناہ دہشت ابھر آئی تھی۔ میں نے ایک لمحہ ضائع کیے بغیر پوری قوت سے رائفل کا بٹ

اس کے سینے پر رسید کردیا۔ وہ بلبلاتا ہوا پیچھے الٹ گیا۔

کمرے میں دو آدمی اور تھے۔ جن میں سے ایک نے زمین پر پڑی ہوئی ناہید کے ہاتھوں کو سر کے پیچھے لے جاکر گرفت میں لے رکھا تھا اور دوسرا کسی خونی بھیڑیے کی طرح ناہید کو بھنبھوڑ رہا تھا اور ناہید سرپٹخ رہی تھی۔

اپنے ساتھی کی چیخ سن کر وہ دونوں چونک گئے۔ پہلا آدمی ناہید کے ہاتھ چھوڑ کر تیزی سے پیچھے ہٹ گیا۔ میں نے دوسرے آدمی کے کندھے پر رائفل کے بٹ سے زوردار وار کیا۔ وہ بھی چیختا ہوا دوسری طرف الٹ گیا۔

ناہید کے بدن پر لباس نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔ وہ مٹی کے فرش پر پڑی ہاتھ پیر پٹخ رہی تھی۔ وہ شاید اپنے حواس میں نہیں تھی۔ اس کے سینے پر ایک زخم تو پہلے ہی تھا۔ گردن کے قریب بھی خون کا ایک دھبا نظر آرہا تھا۔

"ناہید۔ اٹھو۔ جلدی کرو۔" میں نے چیخ کر کہا۔

میری آواز سن کر ناہید نے آنکھیں کھول دیں۔ بے پناہ ویرانی تھی۔ ان آنکھوں میں لیکن صورت حال کا ادراک کرتے ہی اس کی آنکھوں میں زندگی کی چمک عود کر آئی۔ وہ بڑی مشکل سے اٹھ سکی تھی۔

میں نے ان تینوں کو رائفل کی زد پر لے رکھا تھا۔ ان تینوں کے چہروں پر بے پناہ خوف تھا۔ آنکھوں میں وحشت تھی۔ وہ لوگ دو بدو لڑائی میں میری قوت کا اندازہ لگا چکے تھے اور اب تو میرے ہاتھ میں ہتھیار بھی تھا۔

میں نے بہت بڑا رسک لیا تھا۔ میں نے سوچا تھا کہ اگر ان بدمعاشوں پر قابو پالیا جائے تو میں ان تمام عورتوں کو لے کر صحرا میں اس طرف نکل جاؤں گا جس طرف سے پہلے روز میں نے اس شتر سوار کو آتے ہوئے دیکھا تھا۔ کھارے پانی کی جھیل پر سنیاسی واسو دیو نے بتایا تھا کہ چند گھروں پر مشتمل اس چھوٹی سی بستی سے دس بارہ کوس آگے ایک بڑا قصبہ ہے اور میرا خیال تھا کہ ہم صبح ہونے تک اس قصبے میں پہنچ جائیں گے لیکن میں نے تصویر کے دوسرے رخ کو بھی نظر انداز نہیں کیا تھا۔ اگر میرا منصوبہ ناکام ہوگیا تو دنیا کی کوئی طاقت کم از کم مجھے تو بھیانک موت سے نہیں بچا سکے گی۔

"ناہید! وہ چادر اٹھا کر اوڑھ لو اور اس طرف آجاؤ۔" میں نے ناہید کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

ناہید نے چادر اٹھا کر اوڑھ لی اور میرے قریب آگئی۔ میں نے کچھ دیر پہلے یہاں سے وجے ٹھاکر کو واپس جاتے ہوئے دیکھا تھا اور پھر ناہید کی حالت دیکھ کر کوئی احمق بھی سمجھ سکتا تھا کہ اس کا دامن عصمت تار تار ہوچکا ہے۔ اس کے منہ سے نکلنے والی سسکیاں اور ہچکیاں بھی اس کی تصدیق کررہی تھیں۔

"مار دو انہیں۔" وہ سسکیاں بھرتے ہوئے بولی "مار دو انہیں میرے بھائی۔ انہیں بھون دو گولیوں سے۔ یہ انسان نہیں خوں خوار درندے ہیں۔ ان تین دنوں میں انہوں نے ہم عورتوں کو بری طرح روندا ہے۔ ہمیں اپنے گندے وحشی تلے پامال کیا ہے۔ یہ کالی کے پجاری ہیں تباہی اور بربادی ہر کارے۔ یہ انسان نہیں بھیڑیے ہیں۔ مار دو انہیں میرے بھائی۔ زندہ مت چھوڑو انہیں۔ مار دو۔ انہیں ختم کردو۔"

وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ میرا دل کانپ کر رہ گیا۔ اس نے کہا تھا کہ "ان تین دنوں میں انہوں نے ہم عورتوں کو بری طرح روندا ہے" میرے ذہن میں جانکی کا خیال آیا۔ کیا وہ بھی ان بدمعاشوں کی ہوس کا شکار ہوچکی ہے۔

"ہمیں مار کر بھی تم لوگ یہاں سے زندہ نہیں جا سکو گے۔" میرے سامنے کھڑے ہوئے تینوں بدمعاشوں میں سے ایک نے کہا "ہم نہیں جانتے ہیں کہ تم اس کوٹھری سے کیسے نکلے ہو۔ یہاں تک چلے آنے کو اپنی کامیابی مت سمجھو۔ تمہاری موت تمہارے سر پر منڈلا رہی ہے لیکن تم بندوق پھینک کر اپنے آپ کو ہمارے حوالے کردو تو تمہیں معاف کرسکتے ہیں۔ پھینک دو بندوق۔"

"نہیں بھائی۔ بندوق مت پھینکنا۔" ناہید چیخی درندے ہیں۔ تمہیں بھی مار ڈالیں گے۔"

"نہیں۔ میں وچن دیتا ہوں کہ تمہیں کچھ نہیں جائے گا۔" اس شخص نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

بات کرتے کرتے اس کی نظریں میرے پیچھے کی طرف اٹھ گئیں۔ اس کی آنکھوں میں ہلکی سی چمک ابھر آئی۔ اسی لمحے مجھے اپنے عقب میں ہلکی سی آہٹ سنائی دی۔ چھٹی حس نے خطرے کی گھنٹی بجادی۔ میں تیزی سے مڑا مگر مجھے دیر ہوچکی تھی۔ میرے کندھے پر لگنے والی خاصی زوردار تھی۔

میں بری طرح لڑکھڑا گیا۔ سنبھلنے کی کوشش کرنے سے پہلے ہی وہ آدمی چیل کی طرح مجھ پر جھپٹ پڑا۔ جس نے بندوق پھینک دینے کا مشورہ دیا تھا۔

اسی وقت ناہید کی زوردار چیخ سنائی دی۔ دروازے سے مجھ پر حملہ کرنے والے نے اسے بھی کسی بھاری چیز سے ضرب لگائی تھی اور وہ چیختی ہوئی زمین پر گر گئی تھی۔

میرا حریف مجھ سے رائفل چھیننے کی کوشش کررہا تھا۔ اس نے رائفل پر گرفت بھی مضبوط کرلی تھی۔ میں نے

بیروں پر اچھالنے کی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہوسکا اس کے عکس اس نے مجھے ایک طرف دھکیل دیا۔ اس کا ایک ساتھی ٹھوکروں سے بھی میری تواضع کررہا تھا۔

رائفل کے ٹریگر والے حصے پر میرے حریف کا ہاتھ آگیا تھا اور پھر کھینچا تانی میں اس کی انگلی سے ٹریگر دب گیا۔

گولیوں کی تڑتڑاہٹ کے ساتھ ہی ناہید کی خوفناک چیخ بھی فضا میں گونج اٹھی۔ وہ زد میں آگئی تھی اور رائفل سے نکلنے والی گولیاں اس کے جسم میں پیوست ہوگئیں۔ میں نے گردن گھما کر اس کی طرف دیکھا۔ اس کے بدن سے خون کے کئی فوارے پھوٹ پڑے تھے اور پھر اسی لمحے میری کھوپڑی کے پچھلے حصے پر زوردار ٹھوکر لگی اور اس کے ساتھ ہی میرا ذہن تاریکی میں ڈوبتا چلا گیا۔

○☆○

وہی کمرا تھا اور میں فرش پر تقریباً اوندھا پڑا ہوا تھا۔ میرے ہاتھ پیر پشت پر بندھے ہوئے تھے۔ میں جس رخ پر پڑا تھا وہاں سے دروازہ نظر نہیں آرہا تھا۔ میں نے سر کو ایک دو جھٹکے دیے اور بڑی مشکل سے پہلو بدلنے میں کامیاب ہوسکا تھا۔ اب مجھے دروازہ بھی نظر آرہا تھا اور کمرے کا باقی حصہ بھی۔

یہ کمرا ناہید کا مقتل بنا تھا۔ فرش کے ایک بڑے حصے پر خون پھیلا ہوا تھا جو جم کر سیاہ ہوچکا تھا۔ ناہید کی لاش وہاں سے اٹھالی گئی تھی۔

پچھلے واقعات کسی فلم کی طرح میری نظروں کے سامنے گھومتے چلے گئے۔ میں اپنے کمرے سے نکل کر یہاں آیا تھا تو وہ خوں خوار بھیڑیوں کی طرح ناہید کو بھنبھوڑ رہے تھے۔ دروازے کے باہر رکھی ہوئی رائفل میرے ہاتھ لگ گئی تھی اور میں نے ان تینوں پر تقریباً قابو پا ہی لیا تھا کہ عقب سے کسی نے مجھ پر حملہ کردیا۔ اس طرح بازی پلٹ گئی اور نہ صرف میں مار کھا گیا بلکہ ناہید بھی جان سے ہاتھ دھو بیٹھی۔

بے ہوش ہونے سے پہلے میں نے اس شخص کا چہرہ دیکھ لیا تھا جس نے دروازے کے باہر سے مجھ پر حملہ کیا تھا۔ وہ وجے ٹھاکر تھا جو پہلے تو باہر چلا گیا تھا مگر بعد میں واپس آگیا تھا یا تو اس کی چھٹی حس نے اسے کسی خطرے سے آگاہ کیا تھا اور یا ہوسکتا ہے وہ ساتھ والے مکان میں گیا ہو جہاں سے اس نے اپنے کسی آدمی کی چیخ سن لی تھی۔

میں فرش پر پھیلے ہوئے خون کے اس دھبے کو گھورتے ہوئے سوچ رہا تھا کہ مندر کے کھنڈر میں سنیاسی واسو دیو سے تصادم کے بعد قدم قدم پر شکست میرا مقدر کیوں بن گئی تھی۔ کیا میری صلاحیتیں دم توڑ رہی تھیں؟

میں نے سر جھٹک کر ان خیالات کو ذہن سے نکال دیا۔ ایسی کوئی بات نہیں تھی۔ میری صلاحیتوں کو زنگ نہیں لگا تھا۔ وہ تو پیچیدہ ہی کچھ ایسی ہوجاتی تھی کہ میری دھنائی ہوجاتی تھی ورنہ میری صلاحیتوں میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ یہ میری زندگی کا پہلا تجربہ تھا کہ اس طرح اپنے حریفوں سے پٹ رہا تھا لیکن یہ ضروری تو نہیں تھا کہ میں ہمیشہ بالادست ہی رہوں۔ مارشل آرٹ میں مہارت حاصل کرلینے کا یہ مطلب بھی نہیں تھا کہ میں سپرمین اور ناقابل تسخیر بن گیا ہوں۔ فتح اور شکست لڑائی کے حصے ہیں۔ اب شکست میرے حصے میں آرہی تھی اور یہ میں جانتا تھا کہ ایک مرتبہ مجھے ان پر بالادستی حاصل ہوگئی تو ان میں سے کوئی بھی میرے ہاتھوں سے بچ نہیں سکے گا۔

میں نے بچپن میں ہندوستان کے بارے میں بہت سی کہانیاں سنی تھیں جن سے میں نے یہ نتیجہ اخذ کیا تھا کہ ہندوستان کوئی بہت ہی پراسرار ملک ہے لیکن میں نے ان باتوں پر کبھی یقین نہیں کیا تھا۔ ہندوستان کے بہت سے لوگ سنگاپور میں آباد تھے۔ ان میں چاچا پرتاب سنگھ جیسے لوگ بھی تھے۔ مخلص اور ہمدرد۔ میں نے ان لوگوں میں ایسی کوئی بات نہیں دیکھی تھی۔ جسے پراسرار کہا جاتا۔ البتہ سنگاپور ہی میں آباد بعض ہندو ایسے بھی تھے جو دوسروں سے تو کیا اپنے آپ سے بھی مخلص نہیں تھے۔ فریب، دھوکا اور مکاری ان کی سرشت میں شامل تھی اور شاید ایسے ہی لوگوں کی وجہ سے ہندوستان کو پراسرار کہا جاتا تھا۔

میں حادثاتی طور پر ہندوستان پہنچ گیا تھا اور یہاں آتے ہی میں جن تجربات سے گزر رہا تھا اسی سے میں یہ رائے بہ آسانی قائم کرسکتا تھا کہ دھوکا اور فریب یہاں کی مٹی میں شامل ہے۔ ان لوگوں کو تو ہمارے ساتھ ہمدردی کا اظہار کرنا چاہیے تھا۔ ہماری مدد کرنی چاہیے تھی لیکن صورت حال اس کے برعکس تھی۔ پہلے ڈاکوؤں کے ایک گروہ نے جہاز کے مصیبت زدہ مسافروں کو لوٹنے کی کوشش کی اور پھر خود ہی تباہ ہوگئے اور اب یہ لوگ۔۔۔ یہ انسان نہیں شیطان تھے۔

میں جیسے جیسے سوچتا رہا، میرے دماغ میں سنسناہٹ بڑھتی گئی اور پھر باہر سے کسی کے کھانسنے کی آواز سن کر میں نے دروازے کی طرف دیکھا۔ دروازہ بند تھا۔ وہ آواز دوبارہ سنائی نہیں دی۔ میں ایک بار پھر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

کمرے میں لالٹین کی زرد روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ بائیں طرف روشن دان سے بہت مدھم سا اجالا دکھائی دے رہا تھا

جس سے مجھے یہ اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ رات بیت چکی تھی اور دن طلوع ہونے والا تھا۔ مجھے کوئی اندازہ نہیں تھا کہ آنے والا یہ نیا دن اپنے دامن میں ہمارے لیے کیا لے کر آرہا تھا۔

چند منٹ اور گزر گئے اور پھر باہر سے اونٹوں کے بلبلانے کی آوازیں سنائی دیں اور اس کے تھوڑی ہی دیر بعد دو تین آدمیوں کی بھی زور زور سے بولنے کی آواز میری سماعت سے ٹکرانے لگی۔ دروازے کے باہر ایک بار پھر کھانسی کی آواز سنائی دی۔

میں نے ایک بار پھر پہلو بدلا اور بیٹھنے کی کوشش کرنے لگا مگر کامیاب نہیں ہوسکا۔ اسی دوران میں باہر قدموں کی آواز ابھری جو قریب آکر رک گئی اور اس کے کچھ ہی دیر بعد دروازہ کھل گیا۔

وہ دو آدمی تھے اور دونوں کے پاس رائفلیں تھیں۔ ان میں سے ایک رائفل تانے کھڑا رہا اور دوسرا میرے قریب بیٹھ کر میرے پیروں کی رسی کھولنے لگا۔

"یہ تمہارے لیے آخری موقع ہے۔" وہ کہہ رہا تھا "تمہارے صرف پیر کھولے جارہے ہیں۔ اگر تم نے اس مرتبہ کوئی گڑبڑ کرنے کی کوشش کی تو تمہیں بے دریغ گولی سے اڑا دیا جائے گا۔ اس لیے اگر تمہیں اپنا جیون پیارا ہے تو کوئی ایسی حرکت کرنے کی کوشش مت کرنا۔"

میں نے کوئی جواب دینا مناسب نہیں سمجھا۔ میرے پیر کھول کر اس نے مجھے سہارا دے کر اٹھا دیا اور لالٹین بجھا دی اور وہ دونوں مجھے دھکے دیتے ہوئے کمرے سے باہر لے آئے۔

ہم اس مکان سے نکل کر درختوں کے جھنڈ کی طرف آگئے جہاں جانکی بھی دوسری تین عورتوں کے ساتھ موجود تھی۔ بلی اس کی ٹانگوں سے لپٹی رو رہی تھی۔ بلی کو دیکھ کر میرے دل پر گھونسا سا لگا۔ کیا اسے پتا چل گیا تھا کہ اس کی ماں اس سے بچھڑ چکی ہے اور وہ مامتا کے سائے سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے محروم ہوچکی ہے۔

وجے ٹھاکر کے آدمی اونٹوں پر کجاوے کس رہے تھے اور وجے ٹھاکر خود ایک طرف کھڑا احکامات جاری کررہا تھا۔ تھوڑی ہی دیر بعد شیلا مائی بھی ایک مکان سے نکل کر سامنے آگئی۔ اس نے بڑی سی ایک پوٹلی اٹھا رکھی تھی۔

جانکی اور دوسری عورتوں کو مختلف اونٹوں پر بٹھایا جانے لگا۔ وہ دونوں آدمی مجھے بھی دھکیلتے ہوئے ایک اونٹ کی طرف لے گئے۔ اونٹ کے قریب پہنچ کر میں نے غیر ارادی طور پر بائیں طرف دیکھا اور ٹھٹک گیا۔ چند گز آگے مجھے جھاڑیوں میں ایک پیر نظر آیا۔ میں اس طرف چلنے لگا۔ مجھے روکا نہیں گیا۔

اور پھر جھاڑیوں کے قریب پہنچ کر میں کانپ اٹھا۔ ناہید کی برہنہ لاش جھاڑیوں میں پڑی ہوئی تھی۔ اس کا جسم کولہے سے چھلنی تھا۔ زخموں سے بہنے والا خون جم کر سیاہ ہوچکا تھا اور میرا خیال ہے لاش اکڑ چکی تھی۔ اس کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں۔ مجھے یوں لگا جیسے وہ میری طرف دیکھ رہی ہو۔

یہ سفاکی اور بربریت کی انتہا تھی۔ ایک انسان کی لاش کو مردہ کتے کی طرح پھینک دیا گیا تھا۔ ایسے شقی القلب انسان میں نے آج تک نہیں دیکھے تھے مگر یہ لوگ انسان تھے ہی کب۔ شیطان تھے یہ تو۔

"اس کو دیکھن سے دل بھر گیا ہو تو چلو بھایا۔"

یہ آواز سن کر میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ وہ گن مین رائفل لیے میرے قریب کھڑا تھا۔ ہم اونٹوں کے قریب آگئے۔ سب لوگ اونٹوں پر بیٹھ چکے تھے۔ جانکی اور وہ تینوں عورتیں الگ الگ اونٹوں پر تھیں۔ ان کے ساتھ ایک ایک آدمی بھی پیچھے بیٹھا ہوا تھا۔ وجے ٹھاکر نے ایک اونٹ پر بلی کو سنبھال رکھا تھا جو بری طرح روتے اور چیختے چلاتے ہوئے مچل رہی تھی اور بار بار ماں کو پکار رہی تھی۔ میرے ہاتھ پشت سے کھول کر آگے باندھ دیے گئے۔

"چل بھایا۔ بیٹھ اس اونٹ پر۔" میرے ساتھ آنے والے نے کہا۔

"میرے ہاتھ تو کھول دو۔ میں اونٹ پر کیسے بیٹھوں گا۔" میں نے کہا۔

"نہ بھایا۔ یہ غلطی میں نہ کرسکتا۔" اس نے جواب دیا "یوں ادھر پیر رکھ کر اوپر چڑھ جا اور کجاوے کو یہاں سے پکڑ لے۔"

میں اونٹ پر کسے ہوئے کجاوے کو دیکھنے لگا۔ اس پر دو آدمیوں کے بیٹھنے کی گنجائش تھی۔ میں لکڑی پر پیر رکھ کر اوپر چڑھ گیا اور دوسرا پیر دوسری طرف لٹکا لیا۔ آگے سے کجاوے کی لکڑی نصف دائرے کی طرح اوپر کو اٹھی ہوئی تھی۔ میں بندھے ہوئے ہاتھوں کو الگ الگ نہیں کرسکتا تھا۔ اس لیے دونوں ہاتھ ایک ہی جگہ اس لکڑی پر جما دیے۔

میرے شتربان نے منہ پر ڈھاٹا باندھ لیا اور میرے پیچھے بیٹھ کر اونٹ کی نکیل کی رسی پکڑلی اور رسی کو جھٹکے دیتا ہوا ہش ہش کرنے لگا۔ رسی کھینچنے سے اونٹ بلبلا اٹھا اور پھر ایک جھٹکے سے اٹھ گیا۔ اونٹ پر بیٹھنے کا میرا یہ پہلا تجربہ تھا

اور زوردار جھٹکے لگنے سے میں گرتے گرتے بچا تھا۔

دوسرے اونٹ بھی بلبلاتے ہوئے اٹھ گئے۔ میں نے گردن گھما کر دیکھا۔ تمام آدمیوں نے اپنے چہروں پر ڈھاٹے باندھ لیے تھے۔ ان کی صرف آنکھیں نظر آرہی تھیں۔

دن کا اجالا پھیل رہا تھا۔ جانکی اور تینوں عورتوں کے چہروں پر خوف کے سائے نظر آرہے تھے۔ بلی بدستور اپنی ماں کو پکارتے ہوئے رو رہی تھی۔ وجے ٹھاکر نے ہاتھ اٹھا کر اشارہ کیا اور تمام اونٹ بلبلاتے ہوئے ایک طرف چل پڑے۔ شیلا مائی بھی ایک الگ اونٹ پر بیٹھی ہوئی تھی۔ اس نے بھی چہرے پر ڈھاٹا باندھ رکھا تھا اور میں نے اسے اس کے کپڑوں سے پہچانا تھا۔

اونٹ اس نخلستان سے نکل کر مشرق کی طرف چلنے لگا تھا۔ میں نے ایک مرتبہ مڑ کر ان جھاڑیوں کی طرف دیکھا جہاں ناہید کی بے کفن لاش پڑی ہوئی تھی۔ مجھے ناہید کی موت کا بے حد افسوس ہوا تھا اور بلی پر ترس آرہا تھا جو وحشیوں کے اس دیس میں اکیلی رہ گئی تھی۔

میں سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ اونٹ کی بے ڈھنگی چال سے زوردار جھٹکے لگ رہے تھے۔ میں قدرے آگے جھکا ہوا تھا اور سامنے والی لکڑی کو بڑی سختی سے پکڑ رکھا تھا۔

نخلستان بہت پیچھے رہ گیا۔ اونٹ ایک قطار میں چلتے رہے۔ میں نے کسی فلم میں اونٹوں کے ایک کارواں کو صحرا میں چلتے ہوئے دیکھا تھا۔ فلم میں کارواں کا وہ منظر بہت اچھا لگا تھا اور آج میں خود ایک کارواں میں شامل تھا لیکن میری حیثیت ایک قیدی کی تھی۔ میرے ہاتھ بندھے ہوئے تھے اور میں اس سفر سے بالکل بھی لطف اندوز نہیں ہورہا تھا۔ اس کے برعکس دل و دماغ میں طرح طرح کے وسوسے ابھر رہے تھے۔ انہوں نے ہمیں اپنا قیدی کیوں بنا رکھا ہے اور یہ لوگ ہمیں کہاں لے جارہے ہیں۔

سامنے افق پر سرخی پھیل رہی تھی۔ سورج نکلنے والا تھا۔ دن کے وقت صحرا میں سفر کرنا آسان نہیں تھا۔ جیسے جیسے سورج بلند ہوتا جائے گا ریت بھی تپتی جائے گی۔ اوپر آگ برساتا ہوا سورج اور نیچے تپتی ہوئی ریت۔ اس جہنم میں سفر کرنے کا تصور ہی ہولناک تھا۔

سورج نکل آیا۔ دھوپ کی روپہلی کرنیں شروع میں تو بہت بھلی لگیں لیکن پھر ان کی حدت بڑھتی گئی اور بدن پر سوئیاں سی چبھتی ہوئی محسوس ہونے لگیں۔ ہم مشرق کی طرف سفر کررہے تھے۔ دھوپ براہ راست چہروں پر پڑ رہی تھی۔ تیز روشنی میں آنکھیں چندھیا رہی تھیں۔

ہمارے چاروں طرف تاحد نگاہ ریگستان پھیلا ہوا تھا۔ ہوا نے ریت پر لہریں سی بنا دی تھیں اور لگتا تھا جیسے یہ ریت کا لہریں لیتا ہوا سمندر ہو جس میں ہم سفر کررہے تھے۔

ایک گھنٹا گزر گیا۔ مجھے یوگا کی پریکٹس تھی اور میں گھنٹوں ایک ہی اسٹانس میں بیٹھا رہ سکتا تھا لیکن یہاں ایسی صورت حال نہیں تھی۔

اونٹ کے جھٹکوں کی وجہ سے میری کمر دکھنے لگی تھی۔ کبھی میں آگے کو جھک جاتا اور کبھی سیدھا ہوجاتا۔ اگر میرے ہاتھ کھلے ہوتے تو شاید اتنی زیادہ تکلیف نہ انھانی پڑتی۔

دھوپ خاصی تیز ہوگئی تھی۔ میرے جسم کا اوپر کا حصہ برہنہ تھا۔ اس لیے دھوپ براہ راست سوئیوں کی طرح چبھ رہی تھی۔ پسینے کی دھاریں پورے بدن پر کیچوؤں کی طرح رینگ رہی تھیں پھر شاید قدرت کو ہم پر رحم آگیا۔

آسمان پر بادلوں کے ٹکڑے تو پہلے ہی سے تھے لیکن اب وہ ابر پارے آپس میں جڑتے جارہے تھے اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے آسمان بادلوں سے ڈھک گیا۔

ہمارے اس قافلے میں سات اونٹ شامل تھے۔ جو ایک قطار میں چل رہے تھے۔ وجے ٹھاکر کا اونٹ سب سے آگے تھا۔ اس نے چیخ کر کچھ کہا اور اس کے ساتھ ہی شتر سواروں نے اونٹوں کی رفتار تیز کردی۔ میرے اونٹ پر بیٹھے ہوئے آدمی نے نکیل کی رسی کو ایک مخصوص انداز میں جھٹکا دیا۔ اونٹ پہلے بلبلایا اور پھر دوڑنے لگا۔

پہلے تو مجھے ہلکے ہلکے جھٹکے لگ رہے تھے لیکن اب میں باقاعدہ اچھل رہا تھا۔ میں نے آگے کو جھک کر لکڑی کو اس قدر مضبوطی سے پکڑ رکھا تھا کہ میری انگلیوں کے جوڑوں میں درد ہونے لگا۔

عورتوں کی چیخیں فضا میں گونج رہی تھیں لیکن شتر سواروں پر ان کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ وہ اونٹوں کو دوڑاتے رہے اور پھر وہ حادثہ پیش آگیا جس کی شاید میں توقع کررہا تھا۔

ایک عورت اونٹ سے گر گئی۔ اس کی چیخیں بڑی خوفناک تھیں کچھ آگے جاکر اونٹ روک لیے گئے اور دو آدمی اپنے اونٹوں سے اتر کر اس طرف دوڑے جہاں وہ عورت ریت پر پڑی چیخ رہی تھی۔

یہ وہی عورت تھی جسے اس روز میں نے اپنے ساتھ والے کمرے میں روتے ہوئے دیکھا تھا۔ یہ غنیمت تھا کہ اسے زیادہ چوٹ نہیں لگی تھی۔ اسے دوبارہ اونٹ پر بٹھا دیا گیا اور قافلہ پھر چل پڑا۔

تین گھنٹوں کے جان لیوا سفر کے بعد درختوں کا ایک جھنڈ سا نظر آیا۔ یہ کیکر کے درخت تھے جو تقریباً ایک فرلانگ کے رقبے پر پھیلے ہوئے تھے۔ اس جگہ پانی کا کوئی چشمہ وغیرہ نہیں تھا لیکن شاید زیر زمین پانی موجود تھا جس سے کیکر کے یہ درخت پرورش پا گئے تھے۔

ان درختوں کے قریب اونٹ روک لیے گئے۔ اونٹوں کے بیٹھنے کا انداز بھی بڑا روح فرسا تھا۔ اونٹ جب آگے کی طرف جھکا تو میں منہ کے بل گرتے گرتے بچا تھا۔

کیکر کے درختوں کے اس ذخیرے میں دو چار نیم کے درخت بھی تھے۔ ہم ان درختوں کے نیچے بیٹھ گئے۔ جانکی اپنے اونٹ سے اترتے ہی میری طرف دوڑی تھی لیکن اسے میرے قریب آنے کا موقع نہیں دیا گیا۔ وہ مجھ سے چند فٹ دور بیٹھ گئی۔

شیلا مائی نے اپنی پوٹلی کھول لی۔ جس میں روٹیاں بندھی ہوئی تھیں ان کے ساتھ مرچوں کا اچار تھا۔ اس نے ایک ایک روٹی ہم سب میں تقسیم کردی۔ ہر روٹی پر اچار کی.... ایک مرچ بھی رکھ دی گئی تھی۔ میرے ہاتھ اس وقت بھی نہیں کھولے گئے البتہ جانکی کو یہ اجازت دے دی گئی کہ وہ مجھے اپنے ہاتھ سے روٹی کھلا دے۔

جانکی میرے قریب آگئی۔ آج کئی روز بعد مجھے جانکی کو دیکھنے اور بات کرنے کا موقع ملا تھا۔ اس کا چہرہ ستا ہوا تھا اور آنکھوں میں ویرانی سی تھی لیکن میرے سامنے آکر وہ اپنے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ لانے میں کامیاب ہوگئی۔

ہم انگریزی میں باتیں کرنے لگے۔ ناہید کی افسوسناک موت پر ہم دونوں نے اپنے دلی جذبات کا اظہار کیا اور بلی کے بارے میں باتیں کرتے رہے کہ اس کا کیا ہوگا۔ بلی وجے ٹھاکر کے پاس ہی بیٹھی روٹی کھا رہی تھی۔ وجے ٹھاکر نے نجانے اس بلی پر کیا جادو کیا تھا کہ وہ ہمیں بھول کر اس کے پاس ہی بیٹھی رہی تھی۔

باتوں ہی باتوں میں، میں نے محتاط الفاظ میں جانکی سے وہ سوال بھی پوچھ ہی لیا جو کافی دیر سے میرے ذہن میں کلبلا رہا تھا۔ جانکی کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آگئی اور پھر اس نے بتا بھی دیا کہ وہ ان وحشیوں کی ہوس سے محفوظ ہی رہی ہے۔

میرا خیال تھا کہ شاید جانکی کو علم ہو کہ ہمیں کہاں لے جایا جارہا ہے لیکن اسے بھی کچھ معلوم نہیں تھا۔

تقریباً آدھے گھنٹے بعد ہمارا کارواں ایک بار پھر چل پڑا۔

ہم لوگ صبح ساڑھے چھ بجے کے قریب اس نخلستان سے روانہ ہوئے تھے۔ ایک بجے کے قریب ایک گھنے جنگل میں داخل ہوگئے۔ تقریباً چھ گھنٹوں کے اس سفر میں ہمیں کوئی آبادی دکھائی نہیں دی تھی یا پھر یہ بات تھی کہ یہ لوگ قصداً ایسے راستے پر چلتے رہے تھے جہاں آبادی نہ ہو۔ اس جنگل سے مجھے اندازہ ہوا کہ شاید اس کے دوسری طرف کوئی آبادی ہو کیونکہ جنگل میں جانے والے راستوں پر ٹائروں کے نشان بھی نظر آرہے تھے جس سے اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ یہاں مختلف گاڑیوں کی آمدورفت بھی ہوتی رہی ہے۔

ہم جیسے جیسے آگے بڑھ رہے تھے جنگل گنجان ہوتا جارہا تھا لیکن بالآخر ہم آدھے گھنٹے بعد ایک کھلی جگہ پر نکل آئے اور پھر میری آنکھیں حیرت کے باعث کھلی کی کھلی رہ گئیں۔

وہ بہت شان دار اور وسیع و عریض عمارت تھی۔ اس کی بیرونی چار دیواری کو دیکھ کر اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ عمارت کے اردگرد کئی ایکڑ زمین گھیری گئی تھی۔ عمارت کا گیٹ کسی پرانے قلعے کی طرح تھا جو اس وقت بند تھا۔

وجے ٹھاکر اپنے اونٹ سے اتر کر گیٹ کے قریب پہنچا۔ ذیلی دروازہ کھٹکھٹانے لگا۔ وہ دروازہ فوراً ہی کھل گیا۔ اس سے برآمد ہونے والا آدمی بھی شکل و صورت سے ڈاکو ہی لگتا تھا۔ کندھے پر آٹومیٹک رائفل لٹکی ہوئی تھی۔ وجے ٹھاکر نے دیر اس سے بات کرتا رہا اور پھر اس شخص نے اندر جاکر گیٹ کا ایک حصہ کھول دیا اور ہمارا قافلہ اندر داخل ہوگیا۔

چار دیواری کے اندر کا منظر میرے لیے اور بھی حیران کن تھا۔ فصیل کے ساتھ ساتھ اندرونی طرف لاتعداد کمرے بنے ہوئے تھے۔ جن کے سامنے برآمدے بھی تھے۔ سامنے بہت شان دار عمارت تھی جس کے سامنے ایک وسیع و عریض بارہ دری بنی ہوئی تھی اور اس کے اطراف میں کسی اسٹیڈیم کی سیٹوں کی طرح سنگ مرمر کی سیڑھیاں بنی ہوئی تھیں۔ میرا خیال تھا کہ اس بارہ دری میں کوئی کھیل تماشے ہوتے ہوں گے اور چاروں طرف وہ سیڑھیاں تماشائیوں کے بیٹھنے کے لیے تھیں۔

اس فصیل کے اندر پورا شہر آباد تھا۔ درمیان میں بہت وسیع و عریض میدان تھا جہاں تھوڑے تھوڑے فاصلے پر اونٹ اور گھوڑے وغیرہ بندھے ہوئے تھے۔ اس میدان کے ایک طرف گاڑیوں کی پارکنگ کے لیے جگہ تھی جہاں اس وقت دس بارہ لینڈ کروزر قسم کی قیمتی گاڑیاں کھڑی تھیں۔ فصیل کے ساتھ ساتھ واقع بہت سے کمرے آباد تھے۔ ہر طرف لوگوں کی چہل پہل نظر آرہی تھی۔ گیٹ سے ایک

دی وجے ٹھاکر کے اونٹ کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا جو خ ایک جگہ رک گیا۔ ہمارا قافلہ بھی وہاں رک گیا۔ اس ا سکیٹ کا ایک چھوٹا سا حوض بنا ہوا تھا جس میں پانی راہوا تھا۔

ہم لوگوں کو اتارنے کے بعد اونٹوں کو اس حوض کے ب کھونٹوں سے باندھ دیا گیا۔ وجے ٹھاکر اس آدمی کے تھ ایک طرف چلا گیا تھا۔ اس کی واپسی تقریباً دس منٹ ہوئی تھی۔

ایک طرف فصیل کے ساتھ ان کمروں کے سامنے پہنچتے میں اچھل پڑا۔ میرے دل کی دھڑکن تیز ہوگئی۔ ہر تیسرا یا ٹاکرا ایسا تھا جس میں لوہے کی سلاخوں والا دروازہ لگا ہوا اور ایسے کئی کمروں میں عورتیں اور مرد قید تھے۔ بعض روتوں کے رونے کی آوازیں بھی سنائی دے رہی تھیں۔

جانکی اور ان تینوں عورتوں کو ایک کمرے میں بند کردیا ۔ بلی بھی ان کے ساتھ تھی۔ مجھے ایک اور کمرے میں قید کرکے سلاخوں والے دروازے کو باہر سے تالا لگا دیا گیا۔

یہ کمرا دس بائی دس فٹ سے زیادہ بڑا نہیں تھا۔ فرش پر سرخ رنگ کی میلی سی چادر بچھی ہوئی تھی۔ کمرے میں ایک بلب اور چھت پر لٹکا ہوا پنکھا دیکھ کر مجھے حیرت بھی ہوئی کہ شہر سے میلوں دور ویرانے میں واقع اس عمارت میں ربراہ بجلی پیدا کرنے کا جنریٹر لگا ہوا تھا۔ میں نے پنکھا بھی ل دیا اور بلب بھی جلا دیا۔

اس کمرے میں پچھلی طرف بھی ایک دروازہ تھا۔ وہ روم تھا جس میں نلکے کے نیچے پلاسٹک کی ایک بالٹی رکھی تھی۔ باتھ روم کی پچھلی دیوار میں اوپر ایک روشن دان تھا جس میں لوہے کی موٹی موٹی سلاخیں لگی ہوئی تھیں۔

چھ گھنٹوں تک اونٹ پر مسلسل سفر نے میرا انجر پنجر ا کردیا تھا جسم کا جوڑ جوڑ دکھ رہا تھا۔ میں دیوار سے ٹیک دری پر بیٹھ گیا۔ یہ غنیمت تھا کہ اس کمرے میں بند کرنے پہلے میرے ہاتھ کھول دیے گئے تھے۔ میری کلائیوں پر کی رگڑ سے سرخ نشان پڑ گئے تھے۔ جن میں جلن سی ی تھی۔

میں سوچ رہا تھا کہ یہ کون سی جگہ ہے اور ہمیں یہاں لایا گیا ہے دوسرے لوگ کون ہیں۔ بہت سے کمروں ردوں اور عورتوں کو بند دیکھ چکا تھا۔ یہ جیل تو ہرگز نہیں ی تھی۔ اسے کاروان سرائے بھی نہیں کہا جاسکتا تھا۔ ں پرانی اتنی شان دار عمارت جیل یا کاروان سرائے ہوسکتی تھی۔ یہ تو کسی راجہ کا محل ہی ہوسکتا تھا۔

تقریباً آدھا گھنٹا گزر گیا تھا۔ میں سامنے وسیع و عریض میدان میں لوگوں کو آتے جاتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ مجھے ان لوگوں کی سرگرمیاں بڑی پراسرار سی لگ رہی تھیں اور پھر ایک آدمی دروازے کے سامنے رک گیا۔ اس کے ایک ہاتھ میں تاروں سے بنا ہوا چھینکا تھا جس میں چائے کے متعدد گلاس رکھے ہوئے تھے۔ اس نے ایک گلاس چھینکے سے نکال کر سلاخوں کے اندر دروازے کے قریب رکھ دیا اور جب وہ واپس جانے لگا تو میں نے اسے روک لیا۔

"یہ کون سی جگہ ہے اور یہاں اتنے لوگوں کو قید میں کیوں رکھا گیا ہے؟" میں نے اپنی جگہ سے اٹھ کر دروازے کے قریب آتے ہوئے پوچھا۔

وہ شخص پہلے تو مجھے اوپر سے نیچے تک دیکھتا رہا پھر بولا۔

"کیا تمہیں نہیں معلوم؟"

"نہیں۔" میں نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"یہ غلاموں کی منڈی ہے بھایا۔" اس شخص نے جواب دیا "یہ جو قیدی ہیں سب کنیزیں اور غلام ہیں۔ انہیں نیلامی کے لیے یہاں لایا گیا ہے اور تم بھی ان میں سے ایک ہو۔ وجے ٹھاکر اس مرتبہ بڑی اچھی چیزیں لے کر آیا ہے اور تمہارے جیسا جوان تو میں نے آج تک نہیں دیکھا۔ وجے ٹھاکر روکڑا کما کرلے جائے گا اس مرتبہ۔"

میں سناٹے میں آگیا۔ دماغ اس طرح سن ہوگیا جیسے برف جم گئی ہو۔ میں وحشت زدہ سی نظروں سے اس شخص کی طرف دیکھ رہا تھا۔ مجھے اس کی باتوں کا یقین نہیں آرہا تھا۔ آج کے جدید ترین دور میں کنیزوں اور غلاموں کی تجارت! لیکن اس شخص نے غلط بھی نہیں کہا تھا۔ یہاں جو کچھ دکھائی دے رہا تھا اس سے اس کی باتوں کی تصدیق ہو رہی تھی۔

اس شخص نے جو کچھ بھی بتایا وہ بہت خوفناک تھا۔ اس کے کہنے کے مطابق یہاں ہر تین مہینوں بعد کنیزوں اور غلاموں کی منڈی لگتی ہے۔ بردہ فروشوں کے گروہ پورے ہندوستان میں سرگرم عمل رہتے ہیں۔ لڑکیوں اور عورتوں کو اغوا کرکے یہاں لے آیا جاتا ہے۔ بعض مرد بھی ان کے ہتھے چڑھ جاتے ہیں لیکن زیادہ توجہ حسین اور جوان عورتوں پر دی جاتی ہے۔

یہاں تین دن تک میلا سا لگا رہتا ہے۔ ہندوستان کے کونے کونے سے دولت مند لوگ کنیزیں اور غلام خریدنے کے لیے یہاں آتے ہیں۔ نیلامی رات کے وقت اس بارہ دری میں ہوتی ہے جس کے چاروں طرف خریداروں کے بیٹھنے کے لیے سیٹیں بنی ہوئی ہیں۔

"انسانوں کی خرید و فروخت تو جرم ہے۔ کیا یہاں کی حکومت ان کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کرتی؟" میں نے اس کے خاموش ہونے پر کہا۔

"سرکار!" وہ شخص مسکرا دیا "میں تو یہ جانتا ہوں بھایا کہ دنیا کے ہر ملک میں انسانوں کی خرید و فروخت کو سنگین ترین جرم سمجھا جاتا ہے مگر دنیا میں ہر جگہ یہ گھناؤنا کاروبار ہوتا ہے۔ انداز مختلف ہیں۔ طریقے الگ الگ ہیں۔ یہ منڈی کسی بھی آبادی سے میلوں دور ہے مگر سرکار سب کچھ جانتی ہے۔ قانون کی رکھشا کرنے والوں کو بھتا ملتا ہے تو وہ اس کے خلاف کارروائی کیوں..... کریں گے۔ یہاں تو سیاسی لیڈر بھی آتے ہیں اور خوب صورت کنیزیں خرید کر کے جاتے ہیں۔ تم چائے پیو بھایا۔ یہ سب کچھ مت سوچو۔ تمہاری تقدیر پر تو مہر لگ چکی ہے۔ سوچنا اب تمہارا کام نہیں ہے۔"

وہ شخص چلا گیا اور میں دیر تک بیٹھا اس صورت حال کے بارے میں سوچتا رہا۔ میرے دماغ پر دھند سی چھائی ہوئی تھی۔ یہ سب کچھ دیکھنے اور سننے کے بعد بھی مجھے یقین نہیں آ رہا تھا کہ یہاں انسانوں کی تجارت ہوتی ہے۔ میں جیسے جیسے سوچتا گیا میرا ذہن الجھتا گیا۔ ہندوستان واقعی بہت پراسرار ملک ہے۔

مجھے بھی نیلامی کی سولی پر چڑھایا جانے والا تھا۔ یہ سوچ کر ہی میرا دل قہقہے لگانے کو چاہ رہا تھا۔ میں نے سلاخوں کے قریب رکھا ہوا گلاس اٹھالیا اور چائے کے ہلکے ہلکے گھونٹ لینے لگا۔

میرے دماغ میں اب بھی سنسناہٹ سی پھیلی ہوئی تھی اور میں سوچ رہا تھا کہ کیا میری کہانی یہیں پر ختم ہو جائے گی؟ کیا میں اپنے ماں باپ، بھائی اور ان درجنوں بے گناہوں کا بدلہ نہیں لے سکوں گا جنہیں دارا اور اس کے ساتھیوں نے بے دردی سے موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ کیا دارا اسی طرح دندناتا پھرے گا۔ اسے اس کے گھناؤنے جرائم کی سزا نہیں ملے گی اور کیا میری باقی زندگی غلامی میں گزرے گی۔ میرے گلے میں طوق پڑا رہے گا اور میں اپنی مرضی سے سانس بھی نہیں لے سکوں گا؟

یہ سوچیں بڑی بھیانک تھیں لیکن حقیقت سے بھی ان کا گہرا تعلق تھا۔ ان سے فرار کا کوئی راستہ نظر نہیں آ رہا تھا۔

نخلستان میں ایک کوشش کر چکا تھا لیکن مقدر نے میرا ساتھ نہیں دیا تھا اور یہاں تو ایسا کوئی چانس نظر نہیں آتا تھا اگر میری ایسی کوئی کوشش کامیاب ہو بھی گئی تو یہاں سے نکل نہیں سکوں گا۔

وقت کی رفتار جیسے تھم گئی تھی۔ میں سلاخوں سے بیٹھا باہر دیکھتا رہا۔ لوگوں کی سرگرمیاں بڑھ گئی تھیں۔ کاروان اور یہاں آئے تھے۔ لوگوں کی باہو کے ساتھ کی بلبلاہٹ کی آوازیں بھی فضا میں گونج رہی تھیں۔ تین اور شان دار گاڑیاں پارکنگ ایریا کی طرف جاتے دیکھی تھیں۔ یہ خریداروں کی گاڑیاں تھیں۔ ان کی رہائش کا انتظام بھی عمارت کے مرکزی حصے میں تھا لوگوں کو ہاتھوں ہاتھ لیا جا رہا تھا۔

شام کا اندھیرا پھیلنے لگا۔ وسیع و عریض میدان عمارت کے مختلف حصوں میں برقی قمقمے جگمگا اٹھے کی سرگرمیاں کچھ اور تیز ہو گئیں۔ ہر طرف سے شور کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔

آٹھ بجے کے قریب وہی آدمی میرے لیے کھانا آگیا جو پہلے چائے لایا تھا۔ پیتل کے تھال میں دو روٹیاں ہوئی تھیں۔ ایک کٹوری میں پانی کی طرح مونگ کی دال تھی اور دوسری کٹوری میں آلو کی بھجیا تھی۔

میں ابھی کھانا کھا رہا تھا کہ وجے ٹھاکر دروازے سامنے نمودار ہوا۔ اس کے ہاتھ میں کالے رنگ بنیان تھی اور ایک نیکر جو اس نے سلاخوں سے اند دی۔

"روٹی کھا کر نہا لینا اور یہ کپڑے پہن لینا۔" اور رکے بغیر واپس چلا گیا۔

اور پھر تقریباً دو گھنٹوں بعد مجھے راہداریوں کی طرف لے جایا گیا۔ اس وقت میرے ہاتھ بھی آزاد تھے اور ہاتھ بھی آزاد تھے۔ میرے ہاتھ اس باندھے گئے تھے کہ انہیں شاید یہ یقین تھا کہ بیسیوں موجودگی میں میں کوئی گڑبڑ کرنے کی کوشش نہیں کر

وہ منظر دیکھ کر میری آنکھیں مارے حیرت کھلی رہ گئیں۔ بارہ دری بقعہ نور بنی ہوئی تھی۔ چار سیٹوں پر وہ دولت مند لوگ بیٹھے ہوئے تھے جو خوب کنیزیں اور غلام خریدنے کے لیے ہندوستان کے شہروں سے یہاں آئے تھے۔

اس وقت بارہ دری کے وسط میں ایک نہا صورت عورت کھڑی تھی۔ اس کی عمر تیس بتیس ہوگی۔ اس کے جسم پر نہایت مختصر سا لباس تھا۔ وہ ہرنی کی طرح سہمی ہوئی تھی۔ اس کے قریب ہی

ت آدمی کھڑا تھا جس نے زرق برق مقامی لباس پہن رکھا وہ اس حسینہ کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملا تھا۔ اس کے حسن و شباب کی تعریفوں کے پل باندھنے کے تھ ساتھ وہ اس کے جسم کے مختلف حصوں کو چھو رہا تھا اور عورت ایسے ہر موقع پر اپنا بدن چرانے کی کوشش کر رہی

اور پھر اس کی بولی لگنے لگی۔ بولی دینے والے اپنی جگہ اٹھ کر آتے۔ اس حسینہ کے بدن کو ٹٹول کر دیکھتے اور بولی اپنی جگہ پر چلے جاتے۔

ایک گھنٹے میں تین لڑکیاں نیلام ہو گئیں۔ ان کی قسمت سودے ہو گئے۔ ان کی قیمت لگ گئی اور وہ ایک ہاتھ سے سرے ہاتھوں میں منتقل ہو گئیں۔ ان کی تقدیر پر غلامی کی مہر دی گئی تھی۔

آدھی رات کے قریب دو غلام بھی نیلام ہوئے اور پھر بارہ دری میں لایا گیا۔ میں نے محسوس کیا تھا کہ میرے تے ہی وہاں کچھ ہلچل سی مچ گئی تھی۔ مکھیوں کی بھنبھناہٹ طرح سرگوشیاں ابھرنے لگیں۔

نیلامی کی آواز لگانے والے کو غالباً میرے بارے میں کچھ بتا دیا گیا تھا۔ وہ اپنی چرب زبانی سے مجھے سُپرمین ت کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ میرے جسم کے مختلف وں پر ہاتھ مار کر میرے اندر بھری ہوئی طاقت اور میرے دی جسم کے بارے میں بتا رہا تھا۔

اس نے مجھے یوسف ثانی کا نام بھی دیا تھا۔ وہ جو کچھ بھی رہا تھا کچھ غلط بھی نہیں تھا۔ گوری چٹی رنگت، دراز ت اور ابھرے ہوئے مسلز، میرے جسم پر سیاہ رنگ کی اور بنیان تھی جو خاص طور پر پہنائی گئی تھی۔ اس مختصر ن لباس میں میرے مسلز کچھ اور بھی نمایاں ہو گئے تھے۔

ایک دو آدمیوں نے میرے قریب آکر مجھے اس طرح تھا جیسے قربانی کا بکرا خریدنے سے پہلے ٹٹولا جاتا ہے۔ میں نے آپ میں عجیب سی کیفیت محسوس کر رہا تھا۔ سنسنی تھی برقی لہروں کی طرح میرے پورے جسم میں دوڑ رہی تھی۔ دل چاہ رہا تھا کہ یہاں سے بھاگ جاؤں۔ ہو سکتا ہے میں کی کوشش میں کامیاب بھی ہو جاتا مگر جانکی کے بغیر میں کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔

اس دوران میں وجے ٹھاکر بھی اوپر آگیا۔ وہ مسکراتی نظروں سے کبھی مجھے دیکھتا اور کبھی چاروں طرف بیٹھے ئے لوگوں کو دیکھنے لگتا۔ دوسرا شخص میرا ایک ہاتھ پکڑ کر اٹھاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"سنیا سی واسو دیو کو آپ سب لوگ جانتے ہیں۔ بہت سی نظریں اسے تلاش بھی کر رہی ہیں مگر آج وہ یہاں نہیں ہے۔ آپ لوگ جانتے ہیں واسو دیو ایک بپھرا ہوا سانڈ تھا۔ وہ چار آدمیوں کے قابو میں بھی نہیں آتا تھا مگر یہ نوجوان۔" اس نے میرا ہاتھ کچھ اور اوپر اٹھا دیا "یہ ہے وہ نوجوان جس نے دو منٹ میں واسو دیو کی گردن مروڑ دی اور اسے نرک میں پہنچا دیا۔"

ایک بار پھر سرگوشیوں کی بھنبھناہٹ سنائی دینے لگی۔ میرے دماغ میں آندھیاں سی چلنے لگیں۔ اس نے سب کے سامنے مجھے قاتل ثابت کر دیا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا۔

"اس کا خریدار وہی ہوگا جو اسے سنبھال سکے۔ ہے کوئی ایسا دل والا جو اس شیر کو اپنے گھر لے جا سکے۔ میری بولی پچیس ہزار۔"

سرگوشیوں کی بھنبھناہٹ ایک بار پھر فضا میں ارتعاش پیدا کرنے لگی۔

"پچاس ہزار!"

ایک طرف سے یہ کھنکتی ہوئی نسوانی آواز سنتے ہی سناٹا سا چھا گیا۔ خاموشی اس قدر گہری تھی جیسے وہاں زندگی کا وجود

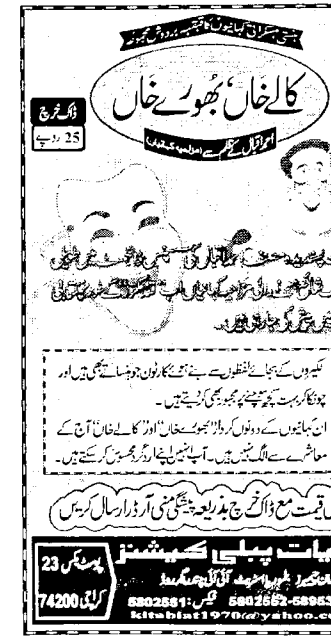

ہی نہ رہا ہو۔ سب لوگ مڑ کر اس طرف دیکھنے لگے اور پھر وہ خاموشی زیادہ دیر تک برقرار نہ رہ سکی۔ لوگوں کی سرگوشیاں ایک بار پھر مکھیوں کی بھنبھناہٹ سی پیدا کرنے لگی۔ میں نے بھی چونک کر اس آواز کی طرف دیکھا۔ اس کے ساتھ ہی مجھے سینے میں سانس رکتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ میری بولی لگانے والی اپنی جگہ سے اٹھ رہی تھی۔ میں نے زندگی میں بڑی حسین عورتیں دیکھی تھیں اور بعض تو ایسی تھیں جن پر نظر ٹھہرتے ہی دل میں کچھ ہونے لگتا تھا مگر یہ تو کچھ اور ہی چیز تھی۔ کسی اپسرا نے عورت کا روپ دھار لیا تھا۔

چھ فٹ کے قریب قد، بھرا بھرا سڈول جسم، غزال جیسی موٹی موٹی سیاہ آنکھیں، سیب جیسے گال اور گلاب کی پنکھڑیوں جیسے سرخ ہونٹ۔ اس کا لباس بھی عجیب تھا جس سے بدن کے نشیب و فراز بہت نمایاں ہو رہے تھے۔ اس کے چہرے پر شاہانہ تمکنت اور کھڑے ہونے کا انداز بڑا دل فریب تھا۔ وہ پُر وقار انداز میں قدم اٹھاتی ہوئی بارہ دری میں آگئی۔ چند لمحے میرے سامنے کھڑی بڑی دل فریب نظروں سے میرے سراپا کا جائزہ لیتی رہی پھر ہاتھ بڑھا کر بازو کے مسل ٹٹولنے لگی۔ اس کے ساتھ ہی اس کے ہونٹوں پر پُراسرار سی مسکراہٹ آگئی۔

لوگوں کی سرگوشیاں اب بھی جاری تھیں۔ میں تین چار گھنٹوں سے یہاں کنیزوں اور غلاموں کو نیلام ہوتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ بعض حسین ترین عورتیں بھی نیلام ہوئی تھیں لیکن کسی کے لیے کوئی بھی بولی پانچ ہزار سے زیادہ نہیں بڑھی تھی اور اس اپسرا نے میرے لیے ڈبل بولی لگا کر لوگوں کو حیران کر دیا تھا اور غالباً چہ میگوئیاں اسی سلسلے میں ہو رہی تھیں۔

"ہیرے کی قدر جوہری جانتا ہے۔" بولی کی آواز لگانے والا کہہ رہا تھا "یہ ہیرا صرف پچاس ہزار میں۔ کوئی اور قدر داں۔"

"ساٹھ ہزار۔" ایک اور مردانہ آواز سنائی دی۔

سب لوگوں نے مڑ کر اس طرف دیکھا۔ بھاری بھرکم اور اونچے لمبے قد کے مالک اس شخص نے راجستھانی لباس پہن رکھا تھا۔ سر پر گلابی رنگ کی پگڑی تھی۔ شان بڑھانے کے لیے کمر کے ساتھ میان میں تلوار بھی لٹکی ہوئی تھی۔

"ایک لاکھ۔" میرے سامنے کھڑی ہوئی حسینہ نے بولی لگائی۔ ایک بار پھر سناٹا چھا گیا۔

"سوا لاکھ۔" اس کے حریف نے پچیس ہزار بڑھا دیے۔

"دو لاکھ۔" حسینہ نے پچھتر ہزار کا اضافہ کر کے ہونٹوں پر بڑی دل فریب مسکراہٹ بکھیر دی تھی۔

"ڈھائی لاکھ۔" حریف نے نئی بولی لگائی۔

سناٹا برقرار تھا۔ لوگ حیرت سے ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہے تھے۔ شاید پہلے ایسا کبھی نہیں ہوا تھا۔ دونوں نے ایک طرف کھڑے ہوئے وحشت زدہ نظروں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ پھر ان کی باچھیں کھلی جا رہی تھیں۔

"تین لاکھ۔" حسینہ نے بولی لگائی اور مسکراتی ہوئی نظروں سے میری طرف دیکھنے لگی۔

"دھنے واد روپ متی جی۔" حریف نے دونوں ہاتھ اٹھا دیے۔

بولی تین لاکھ پر رک گئی۔ روپ متی نام کی اپسرا نے فاتحانہ انداز میں چاروں طرف دیکھا۔ ایک مسکراتی ہوئی نظر میرے چہرے پر ڈالی اور پُر وقار انداز میں قدم اٹھاتی ہوئی اپنی جگہ پر چلی گئی۔

بولی کی آواز لگانے والا اشتعال دلانے والے انداز میں بولی بڑھانے کی آواز لگاتا رہا لیکن سناٹے میں کوئی آواز نہیں سنائی دی۔ اس نے بولی روپ متی کے نام پر ختم کر دی۔ میرے گلے میں نصف انچ موٹی سیاہ رسی کا طوق پہنانے کے لیے آگے بڑھا تو روپ متی اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئی۔

"نہیں۔" اس نے بلند آواز میں کہا "اس کی ضرورت نہیں۔ اسے میرے آدمیوں کے حوالے کر دو۔"

نیلام ہونے والی ہر عورت اور مرد کے گلے میں یہ طوق پہنا دیا جاتا تھا لیکن روپ متی نے مجھے غلامی کا طوق پہنانے سے منع کر کے بھی لوگوں کو حیرت میں ڈال دیا تھا۔

دو لمبے تڑنگے آدمی بارہ دری میں آگئے اور مجھے بانہوں سے پکڑ کر عمارت کے اندر لے گئے۔ اندر عمارت بہت شان دار تھی۔ کئی راہداریوں سے گزرتے ہوئے وہ ایک کمرے کے سامنے رک گئے۔ دروازہ کھول کر مجھے اندر دھکیل دیا اور دروازہ بند کر کے باہر سے تالا لگا دیا۔ کمرے میں قالین بچھا ہوا تھا۔ فرنیچر نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔ میں دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھا صورت حال پر غور کرنے لگا۔ کیا میرا مقدر یہی تھا کہ باقی زندگی ایک غلام کی غلامی میں گزار دوں؟

یہاں آنے کے بعد جانکی کو مجھ سے الگ کر دیا گیا تھا۔ مجھے کچھ علم نہیں تھا کہ اس کی بولی مجھ سے پہلے لگی تھی یا اس کی نیلامی ابھی باقی تھی۔ کیا میں اسے دوبارہ دیکھ سکوں گا یا نہیں۔ قسمت کی عجیب ستم ظریفی تھی۔ اس نے میرے لیے سب کچھ چھوڑ دیا تھا۔ قدم قدم پر اپنی زندگی داؤ پر لگائی تھی اور بالآخر مجھ سے اس طرح بچھڑ جائے گی۔ یہ تو میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔

میرے ذہن میں روپ متی کا خیال ابھر آیا۔ وہ بلاشبہ دنیا کی حسین ترین عورت تھی۔ اس نے مجھے تین لاکھ میں خریدا تھا۔ مجھ سے پہلے کسی بھی غلام کی بولی تیس پینتیس ہزار سے اوپر نہیں گئی تھی اور میری بولی تین لاکھ پر ختم ہوئی تھی۔

بولی شروع ہوتے ہی میں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ روپ متی مجھے ہر قیمت پر خریدنا چاہتی ہے۔ اس کا حریف بولی بڑھاتا تو یہ اور آگے بڑھتی مگر حریف نے ہتھیار ڈال دیے تھے اور روپ متی نے مجھے تین لاکھ میں خرید لیا تھا اور یہاں کی روایت کے برخلاف اس نے میرے گلے میں غلامی کا طوق بھی نہیں ڈالنے دیا تھا۔

روپ متی نے مجھے کیوں خریدا تھا؟ یہ سوالیہ نشان بار بار میرے ذہن میں ابھر رہا تھا۔

میں ابھی یہ سب کچھ سوچ ہی رہا تھا کہ باہر قدموں کی آواز سنائی دی۔ جو دروازے کے سامنے رک گئی۔ چند سیکنڈ بعد دروازہ کھلا۔ کسی نے ایک عورت کو اندر دھکیلا اور دروازہ دھڑ سے بند ہو گیا۔

وہ عورت منہ کے بل قالین پر گری۔ اس کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی تھی اور جب اس نے اپنا چہرہ اوپر اٹھایا تو میں اچھل پڑا۔

وہ جانکی تھی۔

جانکی نے بھی میری طرف دیکھا اور پھر ہم دونوں والہانہ انداز میں ایک دوسرے کی طرف لپکے اور اس طرح ایک دوسرے سے لپٹ گئے جیسے صدیوں سے بچھڑے ہوئے ہوں۔

میں نے جانکی کو اپنے سے الگ کیا تو اس کی آنکھیں بھیگی ہوئی تھیں۔ وہ چند لمحے میری طرف دیکھتی رہی اور پھر مجھ سے لپٹ گئی۔

اسی لمحے دروازہ کھلا۔ میں نے آواز سن کر اس طرف دیکھا۔

روپ متی دروازے میں کھڑی عجیب سی نظروں سے ہماری طرف دیکھ رہی تھی۔ اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات ابھر آئے تھے اور آنکھوں میں وحشت ناچ رہی تھی۔

مشہور مصنفین کی مشہور کتابیں

روشنی کے مینار
اسلام کے خاموش مبلغوں اولیائے کرام کے دلچسپ اور پُراثر واقعات ضیاء تبسم بنگرامی کے قلم سے
قیمت -/150 روپے ڈاک خرچ -/25 روپے

عظمت کے مینار
ضیاء تبسم بنگرامی کے مضامین کا دوسرا مجموعہ
قیمت -/150 روپے ڈاک خرچ -/25 روپے

ایمان کا سفر
محی الدین نواب کی ۱۰ معاشرتی کہانیوں کا مجموعہ وہ فن پارے جن کی آپ کو تلاش ہے۔
قیمت -/150 روپے ڈاک خرچ -/25 روپے

کچرا گھر
محی الدین نواب کی کہانیوں کا دوسرا مجموعہ جسے آپ آنکھوں سے نہیں دل سے پڑھیں گے۔
قیمت -/100 روپے ڈاک خرچ -/25 روپے

آدھا چہرہ
محی الدین نواب کا پہلا طویل معاشرتی ناول۔ ان لوگوں کے لیے ایک تازیانہ جو بگیڑی کے لبادے میں اپنا اصل چہرہ چھپا کر رکھتے ہیں
قیمت -/250 روپے ڈاک خرچ -/25 روپے

کالی کہانیاں
جرائم، جادو، شیطان، ارواح طرز و مزاج، اسرار و خوف، سسپنس اور تجسس پر مبنی ۲۶ کہانیاں
قیمت -/30 روپے ڈاک خرچ -/23 روپے

نک ویلوٹ کی چوڑیاں
مشروچہ بنک ویلوٹ جو بے قیمت چیزیں گراں قدر معاوضے پر چڑاتا ہے
دو حصے۔ قیمت فی حصہ -/60 روپے
قیمت -/60 روپے ڈاک خرچ -/23 روپے

-/500 روپے کی کتابیں ایک ساتھ منگانے پر ڈاک خرچ معاف
یہ رعایت پیشگی منی آرڈر ارسال کرنے پر ہی حاصل ہو گی

روپ متی کو اس طرح اچانک سامنے دیکھ کر میرا دل یک بارگی اُچھل پڑا۔ کنپٹیاں سلگنے لگیں۔ میں نے جانکی کو خود سے الگ کرنے کی کوشش کی مگر اس نے میرے گرد اپنی بانہوں کا حصار کچھ اور بھی مضبوط کردیا۔ اس کے دل کی دھڑکن مجھے اپنے سینے میں محسوس ہو رہی تھی۔ اس کا چہرہ دوسری طرف تھا اس لیے وہ روپ متی کو نہیں دیکھ سکی تھی۔

میں نے روپ متی کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں وحشت بڑھ گئی تھی۔ چہرے پر تناؤ نمایاں طور پر محسوس ہو رہا تھا۔ میرے دل میں ایک عجیب سا خوف جاگ اٹھا۔ میں اب روپ متی کا زر خرید غلام تھا۔ وہ میرے ساتھ کچھ بھی سلوک کرسکتی تھی لیکن میں روپ متی سے خوف زدہ نہیں تھا۔ خوف زدہ تو میں ان حالات سے تھا جنہوں نے مجھے ایک عورت کی غلامی میں دے دیا تھا۔ غلاموں کی اس منڈی میں آنے کے فوراً ہی بعد مجھے اور جانکی کو ایک دوسرے سے الگ کردیا گیا تھا۔ میں تو سمجھ بیٹھا تھا کہ اب کبھی جانکی کی صورت نہیں دیکھ پاؤں گا۔ غلاموں اور کنیزوں کے خریدار مختلف شہروں سے آئے ہوئے تھے۔ مجھے روپ متی نے خریدا تھا اور اس کمرے میں آنے کے بعد میں یہی سوچتا رہا تھا کہ جانکی کا خریدار نجانے کون ہوگا۔ وہ کس شہر میں جائے گی۔ میں کبھی اس کا سراغ پا بھی سکوں گا یا نہیں لیکن پھر قسمت نے ایک عجیب کرشمہ دکھایا۔ جانکی کی بولی بھی روپ متی ہی نے جیتی تھی اور قدرت نے ایک بار پھر اسے مجھ سے ملا دیا تھا لیکن اب روپ متی کو سامنے دیکھ کر میرے دل میں اچانک ہی یہ خوف اجاگر ہوگیا تھا کہ کہیں جانکی کو مجھ سے دوبارہ الگ نہ کردیا جائے۔ میری نیلامی کے وقت روپ متی نے جس طرح مجھے ٹٹول کر دیکھا تھا' جس طرح میری بولی بڑھاتی چلی گئی تھی اس سے میں پہلے ہی اندازہ لگا چکا تھا کہ وہ ہر قیمت پر مجھے حاصل کرنا چاہتی ہے۔ اب تک اس منڈی میں فروخت ہونے والا میں سب سے مہنگا غلام تھا اور کوئی آقا یہ برداشت نہیں کرسکتا تھا کہ اس کا زر خرید غلام اس کی مرضی کے بغیر کوئی قدم اٹھا سکے۔ میرا خریدار کوئی مرد نہیں ایک حسین عورت تھی۔ غالباً دنیا کی حسین ترین عورت۔ وہ کیسے برداشت کرسکتی تھی کہ اس کا غلام اس کی مرضی کے بغیر کسی عورت سے اس طرح ملے کہ وہ ایک نظر آئیں۔

سب سے زیادہ خوفناک بات یہ تھی کہ ہمیں اس طرح ایک دوسرے سے لپٹے دیکھ کر روپ متی یہ سمجھ گئی تھی کہ ہم ایک دوسرے کے لیے اجنبی نہیں ہیں اور اس حقیقت کا انکشاف ہمارے لیے نقصان دہ ثابت ہوسکتا تھا۔

روپ متی کی آنکھوں کی دہشت اب تحیر میں بدلتی جارہی تھی۔ اسے غالباً اس بات پر حیرت تھی کہ اپنی نئی مالکہ کو سامنے دیکھ کر بھی ہم ایک دوسرے سے الگ نہیں ہوئے تھے۔

روپ متی کے عقب میں وہی دو ہٹے کٹے راجپوت کھڑے تھے جو مجھے اس کمرے میں ڈال گئے تھے۔ وہ دونوں بھی تعجب خیز نگاہوں سے ہماری طرف دیکھ رہے تھے اور پھر ان میں سے ایک روپ متی کے پہلو سے کترا کر آگے بڑھ آیا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے پتلون کی جیب سے پستول نکال لیا تھا۔ یہ تو میں جانتا تھا کہ وہ مجھے یا جانکی کو گولی نہیں مارے گا۔ پستول تو اس نے محض ڈرانے کے لیے نکالا تھا لیکن روپ متی نے بازو پھیلا کر اسے مزید آگے بڑھنے سے روک دیا۔ اس کی نظریں بدستور میرے چہرے پر مرکوز تھیں۔ ہونٹوں پر بہت خفیف سی مسکراہٹ بھی ابھر آئی تھی اور غالباً اب وہ اس صورتِ حال سے لطف اندوز ہو رہی تھی اور ستم کی بات تو یہ تھی کہ جانکی ابھی تک ان کی موجودگی سے بے خبر تھی۔ وہ مجھ سے اس طرح لپٹی ہوئی تھی جیسے اسے اندیشہ ہو کہ اس کی گرفت ڈھیلی پڑی تو ہم پھر ایک دوسرے سے الگ ہوجائیں گے۔

"جانکی!" میں نے اس کے کان کے قریب سرگوشی کی "ہم اس وقت تنہا نہیں ہیں۔ دروازے میں کچھ لوگ کھڑے ہیں۔"

جانکی یوں اچھل کر مجھ سے الگ ہوگئی جیسے میں نے اسے اپنے قرب و جوار میں کہیں ایٹم بم پھٹنے کی اطلاع دی ہو۔ وہ سنبھل کر وحشت زدہ سی نظروں سے روپ متی اور اس کے قریب کھڑے ہوئے افراد کی طرف دیکھنے لگی۔

"اب اس میں کوئی شبہ نہیں رہا کہ تم دونوں پہلے ہی سے ایک دوسرے کو جانتے ہو اور ایک دوجے سے پریم بھی کرتے ہو۔" روپ متی کہہ رہی تھی۔ اس کی آواز میں کھنک سی تھی جیسے پانی سے لبریز' چاندی کی دو ننھی ننھی کٹوریاں ہولے ہولے آپس میں ٹکرا رہی ہوں "میں پریم کو برا نہیں سمجھتی۔ انسان کو زندگی میں کبھی نہ کبھی' کسی نہ کسی سے پریم ضرور کرنا چاہیے۔ پریم کے بغیر یہ جیون بالکل پھیکا پھیکا سا لگتا ہے لیکن یہ پریم کتھا اس وقت اچھی لگتی ہے جب انسان آزاد ہو۔ اس کی زندگی اپنی ہو۔ خواہشات اس کی مرضی کے تابع ہوں لیکن جب زندگی کا مالک و مختار کوئی اور ہو' سانسوں کی ڈور کسی دوسرے کے ہاتھ میں ہو تو پریم کی باتیں بڑی عجیب سی لگتی ہیں۔" وہ ایک لمحے کو خاموش ہوئی پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولی "پریم تو آزاد فضاؤں کا پنچھی ہے۔ قید میں رہ کر وہ پرواز نہیں کرسکتا بلکہ پھڑ پھڑا کر رہ جاتا ہے اور۔"

"زیادہ فلسفہ بگھارنے کی ضرورت نہیں۔" جانکی نے روپ متی کی بات کاٹ دی۔ اس کے لہجے میں بے پناہ تلخی تھی "آج تم نے دولت کے بل بوتے پر ہمیں خرید لیا ہے لیکن یہ بات ذہن میں رکھنا کہ کل کو ہم بھی تمہیں اپنے پیر چاٹنے پر مجبور کرسکتے ہیں۔"

روپ متی کے چہرے پر شدید تناؤ پیدا ہوگیا۔ اس کی موٹی موٹی آنکھوں میں چنگاریاں سی مچلنے لگیں۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہنے کے لیے ہونٹوں کو حرکت دیتی' دوسرا آدمی اس کے عقب سے نکل کر تیزی سے آگے بڑھا۔ اس کے ہاتھ میں بید کی چھڑی تھی جس کی موٹائی ہاتھ کی چھوٹی انگلی کے برابر اور لمبائی تین فٹ کے قریب تھی۔ اس نے جانکی کو گستاخی کی سزا دینے کے لیے چھڑی والا ہاتھ اوپر اٹھایا۔ بید کی لچک دار چھڑی ہوا کو چیرتی ہوئی "زوں" کی آواز کے ساتھ جانکی کی طرف بڑھی لیکن اس سے پہلے کہ چھڑی جانکی کے بدن کے کسی حصے کو چھوتی' میں نے بڑی پھرتی سے ہاتھ بڑھا کر چھڑی کو پکڑ لیا اور اس کے ساتھ ہی ایک زوردار جھٹکا دیا۔

اس لمبے تڑنگے شخص کو شاید میری طرف سے اس ردِعمل کی توقع نہیں تھی۔ وہ جھٹکا کھا کر اپنی ہی جھونک میں لڑکھڑاتا ہوا سامنے والی دیوار سے جا ٹکرایا۔

میں نے طاقت کا یہ ہلکا سا مظاہرہ اپنی جگہ سے حرکت کیے بغیر بیٹھے بیٹھے ہی کیا تھا۔ چھڑی اب میرے ہاتھ میں تھی۔ میں ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔ دیوار سے ٹکرانے والا وہ شخص بڑی تیزی سے پلٹا تھا۔ اپنی اس توہین پر اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا تھا اور پھر اس نے حیرت انگیز پھرتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے میری طرف چھلانگ لگا دی لیکن مجھ پر حملہ کرنے کی حسرت اس کے سینے ہی میں دم توڑ گئی۔ وہ جیسے ہی میرے قریب پہنچا' میں تیزی سے نیچے جھکا اور اسے دونوں ہاتھوں پر اٹھا کر اچھال دیا۔ وہ دیوار سے ٹکرا کر نیچے گرا۔ اس کے حلق سے تیز کراہ نکل گئی تھی۔

روپ متی کے دائیں طرف کھڑا ہوا دوسرا آدمی پستول سنبھال کر تیزی سے آگے بڑھا لیکن روپ متی نے ایک بار پھر ہاتھ اٹھا کر اسے روک دیا۔

"نہیں تیج سنگھ۔" وہ بولی "تم مداخلت نہیں کرو گے۔ مجھے یہ دیکھنے کا موقع دو کہ میں نے اس غلام پر پیسے ضائع تو نہیں کیے اور تم یہ پستول جیب میں رکھ لو۔ میں کوئی گڑبڑ پسند نہیں کروں گی۔"

تیج سنگھ نے عجیب سی نظروں سے روپ متی کی طرف دیکھا۔ اس نے کچھ کہنا بھی چاہا مگر روپ متی نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

میرا حریف اب وہی تھا جسے میں نے اٹھا کر دیوار پر دے مارا تھا۔ اسے اٹھنے میں دو تین سیکنڈ لگے تھے۔ وہ پورے قد کے ساتھ میرے سامنے کھڑا تھا۔ اس کے چہرے پر شدید تناؤ سا پیدا ہوگیا تھا اور آنکھیں ایک دم سُرخ ہوگئی تھیں۔

"چھوکرے!" اس کے حلق سے بھیڑیے کی سی غراہٹ نکلی "تم نے دھرمیش کے ساتھ پنگا لے کر اچھا نہیں کیا۔ میں چاہوں تو ایک سیکنڈ میں تمہاری ہڈیوں کا سُرمہ بنا سکتا ہوں لیکن راج کماری نے تم پر روکڑا خرچ کیا ہے اور میں نہیں چاہتا کہ وہ روکڑا (رقم) بدبودار گوشت کا ڈھیر بن جائے۔"

"تم میرے روکڑے کی پروا مت کرو دھرمیش۔" روپ متی نے کہا "جب اس کی نیلامی ہو رہی تھی تو تم نے وجے ٹھاکر کو کہتے ہوئے سنا تھا کہ اس نے واسو دیو جیسے سانڈ کی گردن بھی دو منٹ میں مروڑ دی تھی۔ یہ ایک اچھی بات ہے کہ اسے خریدتے ہی اس کی طاقت دیکھنے کا موقع مل رہا ہے۔ تم میرے روکڑے کی فکر مت کرو۔ اگر تم نے اس کی گردن مروڑ دی تو میں تمہاری وہ خواہش پوری کردوں گی جو اب بھی تمہارے دل میں مچل رہی ہے۔"

دھرمیش نے روپ متی کی طرف دیکھا۔ روپ متی کے ہونٹوں پر بڑی دل فریب مسکراہٹ آگئی۔ ہونٹوں میں مخصوص انداز میں خم پیدا ہوتے ہی اس کے بائیں گال پر ایک ننھا سا ڈمپل پیدا ہوگیا۔ اس چھوٹے سے چاہ زنخداں نے اس کے حسن میں کئی گنا اضافہ کردیا۔ اس نے اس کے ساتھ ہی اپنے بدن کو اس زاویے سے حرکت دی کہ اس کے دائیں کندھے پر ٹکا ہوا کپڑے کا اسٹریپ سرک کر کندھے کے بالکل کنارے پر آگیا اور اس کے بدن کا سامنے والا وہ حصہ کچھ اور عریاں ہوگیا۔

میں نے اس نظر سے روپ متی کی طرف نہیں دیکھا تھا۔ بلکہ حقیقت تو یہ تھی کہ ابھی تک اسے نظر بھر کر دیکھنے کا موقع ہی نہیں ملا تھا مگر گال پر نمودار ہونے والے چاہ زنخداں اور اس قیامت خیز منظر نے میرے سینے میں بھی ہلچل سی مچا دی تھی مگر... یہ دل فریب منظر میرے لیے نہیں تھا بلکہ دھرمیش کو اشتعال دلانے کے لیے تھا تاکہ وہ مجھ پر حملہ آور ہو اور روپ متی کو میری طاقت کا مظاہرہ دیکھنے کا موقع بھی

ل سکے۔

ویسے یہ بات میں سمجھ گیا تھا کہ روپ متی کے حوالے سے دھرمیش کے سینے میں کون سی خواہش مچل رہی ہوگی اسی لیے تو روپ متی اسے اشتعال دلا رہی تھی۔

"اور تم۔۔۔" روپ متی معنی خیز نگاہوں سے میری طرف دیکھتے ہوئے بولی "تم جانتے ہو' میں نے تمہیں تین لاکھ روپوں میں خریدا ہے۔ تم میرے غلام ہو۔ تمہیں دیکھ کر میں اندازہ لگا سکتی ہوں کہ تم غلامی کے مفہوم سے بھی آشنا نہیں ہو لیکن غلاموں کے ساتھ جو سلوک ہوتا ہے' تم اس کے تصور سے بھی کانپ اٹھو گے مگر میں تمہیں بھی شروع ہی میں ایک موقع فراہم کررہی ہوں۔ دھرمیش کو اپنی طاقت پر گھمنڈ ہے۔ اسے آج تک کوئی سورما چھو نہیں سکا لیکن تم نے اسے اٹھا کر پٹخ دیا۔ تمہاری یہ ادا مجھے پسند آئی اگر تم دھرمیش کو پچھاڑنے میں کامیاب ہوگئے تو تمہیں بہت سی "مراعات" مل سکتی ہیں۔"

میں دل ہی دل میں مسکرا دیا۔ وہ ایک تیر سے دو شکار کرنا چاہتی تھی۔ اس نے دھرمیش کو جو جھلک دکھائی تھی وہ میرے لیے بھی تھی۔ اس نے مجھے بھی اشتعال دلانے کی کوشش کی تھی مگر۔۔۔ میں ایسی خرافات سے ابھی بہت دور تھا۔ میری زندگی میں کتنی حسین لڑکیاں آئی تھیں مگر میرے دل میں کبھی ایسی کوئی بات نہیں آئی تھی۔ صرف ایک مرتبہ گولڈن ٹرائی اینگل میں سونیا کے فریب میں آگیا تھا۔ اس کے بعد زندگی میں کئی ایسے موڑ آئے تھے کہ میری جگہ کوئی اور ہوتا تو ہر موڑ پر پھسلتا مگر میں بڑی مضبوطی سے قدم جمائے چل رہا تھا۔ اس سے زیادہ استقلال کیا ہوسکتا ہے کہ جانکی جیسی کافر ادا حسینہ مستقل طور پر میرے ساتھ تھی اور میں اپنے آپ کو اب تک اس سے بچائے ہوئے تھا لیکن یہاں اس کمرے میں مجھے اور جانکی کو ایک دوسرے سے لپٹے دیکھ کر روپ متی نے کچھ غلط مطلب اخذ کیا اور اب اپنے حسن و شباب کی جھلک دکھلا کر مجھے اپنے پالتو سانڈ دھرمیش کے خلاف اشتعال دلا رہی تھی۔

دھرمیش واقعی سانڈ ہی تھا۔ ساڑھے چھ فٹ کے قریب قد' کسرتی بدن اور بازوؤں کے ابھرے ہوئے مسلز۔ اگر اس کا ایک ہاتھ بھی مجھے پڑ جاتا تو میں کئی قلابازیاں کھاتا ہوا دور جا گرتا لیکن میں سمجھ گیا تھا کہ اس میں صرف طاقت تھی۔ اس کے استعمال کا سلیقہ نہیں تھا۔ میں یہ بھی جان گیا تھا کہ وہ گرم دماغ کا آدمی ہے۔ ٹھنڈے دماغ کا ہوتا تو اس طرح جانکی کو مارنے کے لیے نہ لپکتا اور نہ ہی سوچے سمجھے بغیر پلٹ کر مجھ پر حملہ آور ہوتا جس کی سزا اسے بھگتنا پڑی تھی۔

یہ کمرا خاصا بڑا تھا۔ دھرمیش مجھ سے تقریباً آٹھ فٹ دور کھڑا خوں خوار نظروں سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔ وہ کبھی مٹھیاں بھینچتا اور کبھی انگلیوں کو خوفناک پنجے کی طرح موڑنے لگتا۔ اس کے جبڑوں کے مسلز بھی ابھر آئے تھے۔ وہ اپنی جگہ پر کھڑا اس طرح ہل رہا تھا جیسے حملہ کرنے کے لیے موقع کی تلاش میں ہو۔

میں اپنی جگہ پر پُرسکون حالت میں کھڑا تھا۔ بید کی چھڑی ابھی تک میرے ہاتھ میں تھی۔ میں نے ایک نظر جانکی کی طرف دیکھا۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھ چکی تھی۔ میں نے چھڑی اس کی طرف اچھال دی جسے اس نے ہوا ہی میں جھپٹ لیا اور سامنے والی دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑی ہوگئی۔

میرا خیال ہے' اس وقت رات کے تین بجنے والے تھے۔ باہر غلاموں اور کنیزوں کا نیلام اب بھی جاری تھا۔ کمرے کے عقبی روشن دان سے لوگوں کی ملی جلی آوازیں سنائی دے رہی تھیں اور غالباً کسی کو معلوم نہیں تھا کہ اس کمرے میں ایک خوفناک ڈراما شروع ہونے والا ہے۔

دھرمیش کسی پہلوان کی طرح دونوں ہاتھ سامنے نکالے آگے بڑھنے لگا۔ شاید وہ اکھاڑے کے پہلوانوں کی طرح کشتی کے شروع میں پنجے لڑانا چاہتا تھا۔ اس طرح حریف ایک دوسرے کی طاقت کا کچھ اندازہ لگا لیتے ہیں لیکن میں ایسی حماقت نہیں کرسکتا تھا۔

میں اپنی جگہ پر کھڑا گہری نظروں سے دھرمیش کی طرف دیکھتا رہا۔ دھرمیش کی نظریں بھی میرے چہرے پر مرکوز تھیں۔ اس نے جب دیکھا کہ میں پنجہ لڑانے کے موڈ میں نہیں ہوں تو وہ ارنے بھینسے کی طرح ڈکراتا ہوا میری طرف لپکا۔ اس کے ہاتھ اس طرح آگے کو بڑھے ہوئے تھے جیسے وہ میری گردن کو گرفت میں لینا چاہتا ہو۔ وہ جیسے ہی قریب پہنچا میں نے اپنی جگہ سے حرکت کی اور قدرے دائیں طرف ہٹتے ہوئے اس کی بائیں بغل کے نیچے رائونڈ ہاؤس کک لگا دی۔ میں نے اگرچہ پوری قوت استعمال نہیں کی تھی لیکن بغل کے نیچے ضرب خاصی زور دار لگی تھی۔ وہ اپنی جگہ سے تقریباً ایک فٹ اوپر اچھلا۔ اس کی آنکھوں میں عجیب سی دہشت ابھری آئی تھی۔ میں بھی ممکن جوابی حملے سے بچنے کے لیے اپنی جگہ سے اچھل کر دور ہٹ گیا تھا لیکن اس نے فوری طور پر حملہ نہیں کیا۔

چند سیکنڈ بعد اس نے ایک بار پھر حملہ کردیا۔ اس مرتبہ میں کوئی جوابی کارروائی کرنے کے بجائے اچھل کر دور ہٹ گیا۔ اپنے حملے کو ناکام ہوتے دیکھ کر شاید اس کا دماغ بھنا گیا تھا۔ اس نے فوراً ہی پلٹ کر دوسرا حملہ کیا۔ اس مرتبہ میں نہ صرف اپنے آپ کو بچا گیا بلکہ اس کے پہلو میں ایک ہلکی سی کک بھی لگانے میں کامیاب ہوگیا تھا۔ وہ لڑکھڑایا تو مجھے بھی موقع مل گیا۔ میں کھڑے کھڑے ایک ٹانگ پر گھوم گیا۔

میری پہلی اسپن کک اس کے بائیں بازو پر کندھے سے نیچے لگی۔ وہ کراہ اٹھا۔ دوسری ایسی ہی کک اس کے سینے پر لگی۔ تیسری کک لگانے کا مجھے موقع ہی نہیں مل سکا کیونکہ وہ لڑکھڑا کر نیچے گر گیا تھا۔

مجھے پے در پے حملے کرتے دیکھ کر روپ متی بے اختیار چیخ اٹھی۔ "واہ! کیا داؤ لگایا ہے۔ ایک اور۔۔۔"

چیخ سنگھ کو شاید روپ متی کی زبان سے میری تعریف پسند نہیں آئی۔ دوسرے ہی لمحے وہ بھی دھرمیش کی حمایت میں چیخ اٹھا۔

"منا! اٹھ۔ گردن مروڑ دے اس کی۔ ڈر مت۔ داؤ لگا۔" وہ چیخ چیخ کر دھرمیش کا حوصلہ بڑھا رہا تھا۔

دھرمیش اٹھ گیا۔ میں نے سنبھلنے کا موقع دیے بغیر اسے سائیڈ کک لگانے کی کوشش کی لیکن اس نے حیرت انگیز پھرتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے میری ٹانگ پکڑلی۔ میں ایک ٹانگ پر۔۔۔ کھڑا کر نیچے گرا اور اپنے آپ کو سنبھالنے کی کوشش کرتے ہوئے دوسری آزاد ٹانگ سے اس کے پیٹ پر کک لگانا چاہی تو میری یہ ٹانگ بھی اس کی گرفت میں آگئی۔ اب میری پوزیشن کچھ ایسی تھی کہ اس نے میرے دونوں پیر ٹخنوں کے قریب سے اپنی بغلوں میں دبوچ رکھے تھے۔ میں پشت کے بل گرا اور میرا سر زمین پر لگا ہوا تھا۔ وہ اگر چاہتا تو دباؤ ڈال کر بڑی آسانی سے میری گردن توڑ سکتا تھا لیکن اس کے بارے میں میرے تمام اندازے سو فی صد درست ثابت ہوئے تھے۔ اس میں طاقت تو بلاشبہ بے پناہ تھی مگر اس کے استعمال کا سلیقہ نہیں تھا۔ یہ اس کے لیے بہترین موقع تھا کہ مجھے زیر کرلیتا لیکن اس نے حماقت کا ثبوت دیتے ہوئے میری ٹانگوں کو گرفت میں لے رکھا اور اپنی جگہ پر کھڑے کھڑے گھومنے لگا اور میری کھوپڑی کو قالین پر رگڑنے لگے۔ میں نے بھی اپنے دونوں ہاتھ اپنی ٹانگوں پر جمالیے اور سر کو کسی قدر اوپر اٹھانے میں کامیاب ہوگیا۔

دھرمیش مجھے پھرکی کی طرح گھما رہا تھا۔ میرے بدن کا سارا خون جیسے سر میں جمع ہوگیا تھا۔ دماغ کی نسیں جیسے پھٹی جارہی تھیں۔ تین چار چکر دینے کے بعد وہ رک گیا لیکن مجھے چھوڑا نہیں۔ میری ٹانگیں بدستور اس کی گرفت میں تھیں۔ اس کے رک جانے سے میرا سر زمین سے ٹکرایا تھا۔ اگر قالین نہ ہوتا تو کھوپڑی کی کھال پھٹ جاتی۔

دماغ کی نسوں میں تناؤ شدید سے شدید تر ہوتا جارہا تھا۔ کانوں میں سیٹیاں سی بجنے لگیں۔ میں پوری طرح اس کی گرفت میں تھا۔ میرے دونوں ہاتھ اگرچہ آزاد تھے لیکن ان سے کوئی کام لینے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔

صورت حال واقعی بے حد نازک اور سنگین تھی۔ آنکھوں کے آگے نیلی پیلی چنگاریاں سی رقص کرنے لگیں۔ میں سوچ رہا تھا کہ اگر یہی صورت حال کچھ دیر اور برقرار رہی تو میرے دماغ کی نسیں پھٹ جائیں گی اور ناک اور کانوں سے خون بہنا شروع ہوجائے گا۔

دھرمیش نے بھی یہ اندازہ لگالیا تھا کہ اس کا یہی داؤ مجھے شکست سے دوچار کرسکتا ہے اس لیے وہ میری ٹانگوں کو گرفت میں رکھنے کے لیے پوری قوت استعمال کررہا تھا۔

"منا! اس کے سر پر دباؤ ڈال۔ گردن توڑ دے اس کی۔"

چیخ سنگھ کی آواز مجھے بہت دور سے آتی ہوئی محسوس ہوئی تھی۔ اس نے صورت حال کا بالکل صحیح تجزیہ کیا تھا اور دھرمیش کو میری گردن توڑ دینے کا مشورہ دیا تھا۔

"وجو! سنبھالو اپنے آپ کو۔۔۔ اٹھو۔۔۔ سنبھالو!"

یہ جانکی کی آواز تھی جو کسی گہرے کنوئیں کی تہ سے آتی ہوئی محسوس ہوئی تھی لیکن اس آواز نے مجھے ایک نیا حوصلہ بخشا اور میں نے اپنا آخری حربہ استعمال کرنے کا فیصلہ کرلیا۔

یہ چی کی وہ پُراسرار قوت تھی جس نے مجھے ہر تکلیف اور اذیت سے بے نیاز کردیا۔ میں یہ بھول گیا کہ میرے دماغ میں شدید تناؤ ہے اور نسیں پھٹنے والی ہیں۔ میں نے اپنے دونوں ہاتھ اوپر کرلیے۔ مٹھیاں خود بخود بھنچ گئیں اور میں اپنے آپ کو اوپر اٹھانے لگا۔

آپ میری پوزیشن کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ اس طرح اپنے آپ کو ایک انچ اوپر اٹھانا بھی ممکن نہیں تھا مگر میرے اندر چی کی پُراسرار قوت نے اپنا کام شروع کردیا تھا۔ وہ قوت جسے حاصل کرنے کے لیے میں نے شاؤلن ٹیمپل کے غاروں میں بڑی ریاضت کی تھی۔

میرے کندھے ایک ایک انچ کرکے آہستہ آہستہ اوپر اٹھنے لگے۔ میرے دونوں بازو میرے سینے کے سامنے اوپر کی طرف اٹھے ہوئے تھے۔ دونوں ہاتھوں کی مٹھیاں اس طرح بھنچی ہوئی تھیں جیسے میں نے کسی چیز کا سہارا لے رکھا ہو۔

چیخ سنگھ اور جانکی کی ملی جلی آوازیں میری سماعت سے

ٹکرا رہی تھیں۔ جانکی میری حوصلہ افزائی کررہی تھی اور تیج سنگھ دھرمیش کو اشتعال دلا رہا تھا۔

دھرمیش میری ٹانگوں کو پوری قوت سے گرفت میں لیے ہوئے تھا۔ وہ بار بار جھک کر میرے سر کو زمین سے ٹکرانے کی کوشش کررہا تھا لیکن اب اس کی کوئی کوشش کامیاب نہیں ہورہی تھی۔ میں اپنے آپ کو آہستہ آہستہ اوپر اٹھا رہا تھا۔ میری ٹانگوں پر اس کی مضبوط گرفت اب میرا سہارا بن گئی تھی۔ یہاں مارشل آرٹ کے حوالے سے وہ بات بالکل سچ ثابت ہورہی تھی کہ حریف کو اس کی قوت سے شکست دی جائے۔ میں دھرمیش کی قوت کو اس کے خلاف استعمال کررہا تھا۔

میں چاقو کی طرح بالکل دہرا ہوگیا۔ میرا سر اب اس کے سینے کے برابر پہنچ گیا۔ میں نے دونوں بازو سیدھے کرلیے۔ میں دونوں ہاتھ دھرمیش کی گردن کے پیچھے لے جانے کی کوشش کررہا تھا اور وہ سمجھ گیا کہ میں کیا کرنا چاہتا تھا۔ وہ زور زور سے سر کو جھٹکے دینے لگا لیکن اس کی گردن میری گرفت میں آگئی۔

"منا!" تیج سنگھ چیخا "اس کی ٹانگیں چھوڑ دے۔۔۔"

لیکن منا کو اب بہت دیر ہوچکی تھی۔ میں نے اس کی گردن پر دونوں ہاتھوں سے گرفت جماتے ہی اپنے آپ کو نیچے کی طرف زوردار جھٹکا دیا۔

اس طرح زوردار جھٹکے سے دھرمیش کے قدم اکھڑ گئے۔ وہ بھی میرے ساتھ جھکتا چلا گیا۔ میری پشت زمین پر لگی اور دھرمیش میرے اوپر سے الٹی قلابازی کھاتا ہوا "دھب" کی آواز کے ساتھ پشت کے بل میرے پیچھے کی طرف گرا۔ اس کے منہ سے کراہ نکل گئی تھی۔

میری ٹانگیں اس کے شکنجے سے آزاد ہوچکی تھیں لیکن میرے اندر اٹھنے کی سکت نہیں رہی تھی۔ میں بے دم سا پڑا تھا۔ میرے جسم کا سارا خون اب بھی میرے سر میں جمع تھا۔ لگتا تھا جیسے خون کی روانی ٹھہر گئی ہو۔ دماغ میں دھماکے سے ہورہے تھے۔

جانکی کی آواز میری سماعت سے ٹکرا رہی تھی۔ وہ چیخ چیخ کر میری حوصلہ افزائی کررہی تھی۔ پہلے تو یہ آواز مجھے بہت دور سے آتی ہوئی محسوس ہوئی پھر بتدریج واضح ہوتی چلی گئی۔

میں نے سر کو دو تین جھٹکے دیے۔ جمود ٹوٹنے لگا۔ میرے حواس بحال ہونے لگے اور جسم میں توانائی عود کر آنے لگی۔ میں پہلو کے بل ہوگیا اور کہنیاں قالین پر ٹکا کر اٹھنے کی کوشش کرنے لگا۔

میں اٹھنے میں تو کامیاب ہوگیا لیکن اپنی ٹانگوں پر کھڑا نہ رہ سکا اور لڑکھڑا گیا۔ کم بخت دھرمیش نے میری ٹانگیں۔۔۔ دو منٹ تک اپنے بازوؤں کے شکنجے میں کس کر رکھی تھیں جس سے خون کی روانی متاثر ہوئی تھی۔

میں نے باری باری دونوں ٹانگوں کو ہلکے ہلکے جھٹکے دیے۔ اس دوران میں، میں نے ایک نظر روپ متی کی ماں کو بھی دیکھا تھا۔ اس کے چہرے پر سرخی تھی اور آنکھوں میں تحیر کا سمندر لہریں لے رہا تھا۔ اس کے قریب کھڑا تیج سنگھ اب بھی چیخ چیخ کر اپنے منا کو حوصلہ دلا رہا تھا۔

دروازے کے قریب وہ دونوں اب اکیلے نہیں تھے۔ ان کے پیچھے دروازے میں اور باہر راہداری میں مجھے کئی چہرے نظر آئے۔ سب لوگ حیرت زدہ سی نگاہوں سے سب کچھ دیکھ رہے تھے۔

جانکی سامنے والی دیوار کے قریب کھڑی اب بھی چیخ چیخ کر میری حوصلہ افزائی کررہی تھی۔ اس کی آواز نے ہی میرا کام کیا تھا اور میں اپنے پیروں پر کھڑا ہونے میں کامیاب ہوسکا تھا۔

دھرمیش اب بھی بے سُدھ سا پڑا تھا۔ تیج سنگھ اس کے قریب جھکا مسلسل چیخ رہا تھا۔ بالآخر دھرمیش کے جسم میں حرکت پیدا ہوئی اور وہ کہنیوں کا سہارا لے کر اٹھ گیا۔ وہ ابھی بھی ٹھیک طرح سے کھڑا نہیں ہوا جارہا تھا۔ وہ بدمست ہاتھی کی طرح جھوم رہا تھا۔

میں اب پوری طرح اپنے حواس میں آچکا تھا اور دھرمیش کو پوری طرح سنبھلنے کا موقع دیے بغیر میں نے اس پر حملہ کردیا۔ میری سائیڈ کک اس کے دائیں بازو کی کہنی پر لگی۔ وہ کراہ اٹھا اور بازو جھٹکنے لگا۔ میں نے ایک اور سائیڈ کک لگانے کی کوشش کی لیکن اس مرتبہ وہ اپنے آپ کو نہ صرف بچا گیا بلکہ سنبھل کر جوابی کارروائی کے لیے بھی پر تولنے لگا۔

اس مرتبہ دھرمیش کا انداز بالکل مختلف تھا۔ وہ تجربہ کار اور منجھا ہوا پہلوان نظر آرہا تھا۔ اس کا انداز بہت محتاط تھا۔ اس مرتبہ میں بھی محتاط تھا۔ پہلے ذرا سی لاپروائی کا نتیجہ بھگت چکا تھا۔ دھرمیش میں طاقت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی مگر بات وہی تھی۔ اسے طاقت کے استعمال کا سلیقہ نہیں تھا۔ اگر وہ اس ہنر سے واقف ہوتا تو اب تک میری زندگی کا خاتمہ ہوچکا ہوتا اور میں اس حقیقت سے بھی واقف تھا کہ اگر اس مرتبہ میں اس کے ہاتھ آگیا تو زندہ نہیں بچ سکوں گا اس لیے اب میں اسے ایسا کوئی موقع نہیں دینا چاہتا تھا۔

دھرمیش نے لپک کر مجھے گرفت میں لینے کی کوشش کی۔ میں اپنے آپ کو بچا گیا مگر اس نے بڑی پھرتی سے پلٹ کر دوبارہ حملہ کردیا۔ اس کے پیر کی ٹھوکر میرے بائیں پہلو پر لگی۔ میں لڑکھڑا گیا لیکن فوراً ہی سنبھل گیا۔ دھرمیش نے دوبارہ میری طرف لپکا۔ اس کا خیال تھا کہ میں سنبھل کر دوبارہ اٹھ کر کھڑا ہوگیا تھا اس لیے اس کے داؤ میں آجاؤں گا لیکن میں لڑکھڑا گ

کی کوشش کرتا' اس نے میری گردن دبوچ لی۔ اس کا ایک گھٹنا میرے سینے پر اور دونوں انگوٹھے میرے نرخرے پر تھے۔ میرے سینے اور نرخرے پر دباؤ بڑھ رہا تھا۔

دھرمیش پر جنون طاری ہو چکا تھا اور مجھے لگتا تھا کہ اب وہ مجھے زندہ نہیں چھوڑے گا۔ نرخرے اور سینے پر دباؤ بڑھ رہا تھا اور مجھے اپنا سانس رکتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ وہ طاقت کا پہاڑ تھا جو میرے اوپر لدا ہوا تھا۔ میرے لیے صرف ایک چانس تھا۔

میں اس کی گردن کو گرفت میں لینے کی کوشش کرنے لگا۔ وہ سر کو جھٹکے دے کر اپنے آپ کو بچانے کی کوشش کر رہا تھا لیکن بالآخر اس کے بال میری گرفت میں آ گئے۔ میں نے اس کے بال مٹھی میں جکڑ لیے اور دوسرے ہاتھ کی ہتھیلی سے اس کی زخمی پیشانی پر ضرب لگائی۔ وہ کراہ اٹھا اور سر کو جھٹکا دے کر بال چھڑانے کی کوشش کرنے لگا مگر کامیاب نہ ہو سکا۔

میں نے اس کی زخمی پیشانی پر ایک اور ضرب لگائی اور پھر دونوں ہاتھوں سے اس کی گردن کو گرفت میں لے لیا۔

میری اپنی حالت اگرچہ غیر تھی۔ نرخرے پر اس کے انگوٹھوں کا دباؤ کچھ اور بڑھ گیا تھا۔ سانس رکنے لگا تھا مگر میں صرف ایک بات جانتا تھا کہ میری معمولی سی کمزوری میری موت کا باعث بن جائے گی۔ میں نے اپنی تمام تر قوت اپنی بانہوں میں مجتمع کر لی اور دونوں ہاتھوں کے انگوٹھے اس کی جسلی کی ہڈیوں سے ذرا اوپر گردن پر جما دیے۔

گردن کے دونوں طرف کے یہ پریشر پوائنٹ اب میرے انگوٹھوں کے نیچے تھے۔ یہ خطرناک ترین پریشر پوائنٹ تھے۔ انگوٹھوں کا غیر معمولی دباؤ حریف کی موت کا باعث بن سکتا تھا مگر میں دھرمیش کو مارنا نہیں چاہتا تھا۔ پہلے میں نے انگوٹھوں کا بہت معمولی سا دباؤ ڈالا جسے وہ برداشت کر گیا پھر میں آہستہ آہستہ دباؤ بڑھانے لگا۔

دھرمیش کے چہرے پر اب جنون کے بجائے تکلیف اور اذیت کے آثار نمودار ہونے لگے۔ میری گردن پر اس کی گرفت بتدریج کمزور پڑنے لگی اور بالآخر اس کے ہاتھ ڈھیلے پڑ گئے۔ اس کے بدن میں تناؤ سا پیدا ہونے لگا۔ چہرے پر بے پناہ کرب ابھر آیا تھا۔ اس کے حلق سے چیخ جیسی گھٹی گھٹی سی آواز خارج ہونے لگی اور پھر اس کا جسم ڈھیلا پڑنے لگا۔

دو پہر اسی لمحے فضا فائر کی آواز سے گونج اٹھی۔ گولی میرے سر سے چند انچ کے فاصلے پر قالین میں لگی تھی۔ میں نے اس کی دھمک محسوس کی تھی۔ میں نے دھرمیش کو اپنے اوپر سے ایک طرف دھکیل دیا۔ وہ مٹی کی بوری کی طرح "بھد" سے نیچے گرا۔ میں ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑا

ایک عجیب منظر میری نگاہوں کے سامنے تھا۔ تیج سنگھ کی کلائی اپنے دونوں ہاتھوں میں بڑی مضبوطی رکھی تھی۔ تیج سنگھ کے ہاتھ میں پستول تھا جس کا وقت اوپر کی طرف تھا۔ وہ جھٹکے دے کر اپنی کلائی چ کوشش کر رہا تھا لیکن جانکی کی گرفت خاصی مضبوط سنگھ کے چہرے پر کرب و اذیت کے آثار ابھر آئے خیال میں جانکی عام سی عورت تھی۔ نازک اندام نہیں جانتا تھا کہ جانکی زندگی کی کٹھنائیوں کی بھٹی سے تھی۔ اس نے شاذلن نیمپل میں مارشل آرٹس کی تر لی تھی۔ اس کی گرفت آہنی شکنجے سے کم نہیں تھی۔

تیج سنگھ کی انگلی ابھی تک ٹریگر پر تھی۔ ہاتھ کو جھٹکا لگنے سے ٹریگر دب گیا۔ اس مرتبہ گولی جانکی بالکل قریب سے گزرتی ہوئی سامنے والی دیوار میں چ قریب پلستر ادھیڑتی ہوئی پیوست ہو گئی۔

پہلے فائر کی آواز کے ساتھ ہی کمرے کے اند ہوئے لوگ چیختے ہوئے باہر بھاگ گئے تھے اور اب کے سامنے راہداری میں کھڑے یہ تماشا دیکھ ر کمرے کے اندر صرف دو افراد رہ گئے تھے۔ ایک اور دوسرا وہ شخص جس نے میرے نیلام کی بولی میں کا مقابلہ کیا تھا۔

مجھے صورت حال کا اندازہ لگانے میں دشوا نہیں آئی۔ میری اور دھرمیش کی لڑائی کے دوران میں چیخ چیخ کر دھرمیش کی حوصلہ افزائی کرتا رہا تھا۔ اسے خلاف داؤ بتاتا رہا تھا لیکن اس نے جب دیکھا کہ پوری طرح میرے شکنجے میں پھنس چکا ہے اور اس کوئی امید نہیں تو تیج سنگھ نے دھرمیش کو بچانے موت کے گھاٹ اتارنے کے لیے پستول نکال لیا نے عین وقت پر اس کی یہ حرکت دیکھ لی اور اس پڑی۔ اس کا ہاتھ بروقت تیج سنگھ کے پستول والے تھا جس سے پستول کا رخ بدل گیا اور گولی میرے سر انچ دور قالین میں لگی۔ اگر جانکی بروقت کارروائی میری کھوپڑی میں سوراخ ہو چکا ہوتا۔

میں نے دھرمیش کی طرف دیکھا۔ وہ بے حس پڑا تھا۔ اس کا پیٹ پھول پچک رہا تھا جس کا مطلب زندہ تھا۔ میرا اسے مارنے کا کوئی ارادہ بھی نہیں نے اس کی گردن کی نسوں پر صرف اتنا ہی دباؤ ڈالا کچھ دیر کے لیے اتنا غفیل ہو جائے۔

میں نے مڑ کر ایک بار پھر روپ متی کی طرف دیکھا۔ وہ ہلہ جو الہ بنی ہوئی تھی۔ اس کا چہرہ غصے کی شدت سے سرخ رہا تھا۔ آنکھوں سے چنگاریاں سی برس رہی تھیں۔

"تیج سنگھ۔" وہ چیخی "پستول پھینک دو۔"

"نہیں راج کماری۔" تیج سنگھ نے جواب دیا۔ اس کی واز گھٹی گھٹی سی تھی "اس نے میرے منا کو مار دیا۔ میں ے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

"میں تمہیں حکم دیتی ہوں' پستول پھینک دو۔" روپ نی پھر چیخی۔

لیکن پستول پھینکنا بھی اب تیج سنگھ کے اختیار میں نہیں ا۔ جانکی نے اس کی کلائی اس طرح اپنی گرفت میں لے لی تھی کہ وہ پستول بھی ہاتھ سے نہیں چھوڑ سکتا تھا اور پھر کی نے دونوں انگوٹھوں کے ناخن اس کی کلائی کی رگ میں پست کر دیے۔

تیج سنگھ کے چہرے پر اذیت کے تاثرات بڑھ گئے اور ں کے ساتھ ہی پستول کے دستے پر اس کی انگلیوں کی گرفت میلی پڑ گئی اور پستول اس کے ہاتھ سے نکل کر نیچے گر گیا۔ روپ متی کے قریب کھڑے ہوئے شخص نے جھپٹ کر پستول ٹھا کر مجھے زور پر لے لیا۔ اس کا خیال تھا کہ میں ان میں سے سی پر حملہ کرنے کی کوشش کروں گا مگر میرا ایسا کوئی ارادہ میں تھا۔

جانکی نے ابھی تک تیج سنگھ کی کلائی گرفت میں لے رکھی ی۔ تیج سنگھ بھی دھرمیش کی طرح قد آور اور تنومند آدمی تھا ر اس میں شبہ نہیں کہ جانکی نے میرے ساتھ مارشل رٹ کی تربیت حاصل کی تھی اور اسے لڑائی کا خاصا تجربہ ی حاصل تھا مگر مجھے اس بات پر بھی حیرت ضرور تھی کہ تیج لہ جیسا مضبوط قد کاٹھ کا شخص جانکی سے اپنی کلائی نہیں ڑا سکا تھا۔

جانکی غالباً اب بھی اس کی کلائی چھوڑنے کو تیار نہیں ی۔ اس نے شاید یہ طے کر لیا تھا کہ اپنے ناخنوں سے اس کلائی کی رگ کاٹ کر ہی رہے گی۔

روپ متی اب چیخ چیخ کر جانکی کو حکم دے رہی تھی کہ وہ نگھ کو چھوڑ دے مگر جانکی پر اس کے چیخنے چلانے کا کوئی اثر ں ہو رہا تھا۔

میرے خیال میں بات اس وقت تک بہت بڑھ چکی ی۔ صورت حال بہت سنگین تھی۔ ہم روپ متی کے زر ید غلام تھے۔ اس صورت حال کے بعد وہ ہمارے ساتھ لی بھی بے رحمانہ سلوک کر سکتی تھی لیکن میں اس صورت حال کو مزید سنگین نہیں بنانا چاہتا تھا۔ روپ متی نے اگرچہ وعدہ کیا تھا کہ اگر میں دھرمیش کو پچھاڑ دوں تو مجھے کچھ "مراعات" مل جائیں گی لیکن مجھے اس پر اعتماد نہیں تھا۔ روپ متی نے اگرچہ تیج سنگھ کو بھی شروع ہی میں مداخلت کرنے سے منع کیا تھا لیکن اس نے دھرمیش کو میرے ہاتھوں پٹتے دیکھ کر مجھے گولی مارنے کی کوشش کی تھی مگر جانکی کی بروقت مداخلت سے میری جان بچ گئی تھی اور اب میں زیادہ ہنگامہ نہیں کرنا چاہتا تھا اسی لیے میں نے جانکی کو اشارہ کیا کہ وہ تیج سنگھ کو چھوڑ دے۔

جانکی نے ایک پیر اوپر اٹھا کر ٹانگ دہری کر لی اور تیج سنگھ کی ٹانگوں کے بیچ میں گھٹنے سے زوردار ٹھوکر مار دی۔ تیج سنگھ چیختا ہوا دہرا ہو گیا۔ جانکی نے زوردار جھٹکے سے اس کی کلائی چھوڑ دی۔

تیج سنگھ بالکل دہرا ہو گیا۔ اس نے ایک ہاتھ ٹانگوں کے بیچ میں رکھا ہوا تھا اور مضروب کلائی کو زور زور سے جھٹکے دے رہا تھا۔

جانکی روپ متی کے سامنے تن کر کھڑی ہو گئی۔

"اپنے کتوں کو پٹے ڈال کر رکھا کرو ورنہ کسی کے ہاتھوں مارے جائیں گے۔" وہ روپ متی کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے غرائی۔

روپ متی کا چہرہ کچھ اور سرخ ہو گیا۔ اس نے کچھ کہنا چاہا مگر اس کے قریب کھڑا ہوا شخص اس سے پہلے ہی بول پڑا۔

"اے چھوکری۔" اس کے لہجے میں غراہٹ نمایاں تھی "راج کماری روپ متی نے تمہیں ڈیڑھ لاکھ روپے دے کر خریدا ہے۔ اب تم ان کی کنیز ہو۔ تمہیں اب اس لہجے میں بات کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں۔ اب اگر تم نے ایک بھی لفظ کہا تو تمہاری زبان کھینچ لوں گا۔"

"یہ بھی اپنے آپ کو مرد سمجھتا ہے مگر میرے پنجے سے اپنی کلائی نہیں چھڑا سکا اور تم۔" جانکی اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولی "اگر تمہیں بھی مرد ہونے کا دعویٰ ہے تو آؤ پنجہ لڑا لو۔"

اس شخص نے پستول کو نال کی طرف سے پکڑ لیا اور بھنائے ہوئے انداز میں جانکی کی طرف بڑھا مگر روپ متی نے ہاتھ اٹھا کر اسے روک دیا۔

"نہیں ٹھاکر بھنور سنگھ۔" وہ بولی "تم جانتے ہو جب پہلی مرتبہ کسی کے ماتھے پر غلامی کا ٹھپا لگتا ہے تو وہ اسی طرح اپنے حواس کھو بیٹھتا ہے۔ یہ چھوکری بھی غالباً پہلی مرتبہ

منڈی میں کی ہے اور میرے خیال میں اس کا تعلق کسی اچھے گھرانے سے ہے اسی لیے کتیا کی طرح چلا رہی ہے۔"

"بہت بھونک لیا تم نے بھی۔ اپنی زبان کو لگام دو!" جانکی چیخی۔

روپ متی نے اس مرتبہ کسی شدید ردِعمل کا اظہار نہیں کیا۔ اس کے برعکس وہ مسکرا کر رہ گئی۔ ٹھاکر بھنور سنگھ اور اس سے پہلے تیج سنگھ نے اسے راج کماری کہہ کر مخاطب کیا تھا جس کا مطلب تھا کہ اس کا تعلق کسی بہت اونچے خاندان سے تھا اور اس بات کی عکاسی تو اس کی حیثیت بھی کر رہی تھی۔ وہ کوئی معمولی عورت ہرگز نہیں تھی۔ کچھ دیر پہلے ہی ٹھاکر بھنور سنگھ نے انکشاف کیا تھا کہ روپ متی نے جانکی کو ڈیڑھ لاکھ روپے میں خریدا تھا اور میری اپنی قیمت کا تو مجھے علم تھا۔ جو عورت کھڑے کھڑے ساڑھے چار لاکھ روپے میں دو انسانوں کو خرید سکتی تھی وہ کوئی معمولی عورت تو ہرگز نہیں ہو سکتی تھی۔ وہ اگر چاہتی تو اس کے ایک اشارے پر وہاں کھڑے ہوئے آدمی جانکی کا بھرتا بنا سکتے تھے۔ زر خرید غلام یا کنیز کی حیثیت ہی کیا ہوتی ہے مگر روپ متی نے ایسا کوئی ردِعمل ظاہر نہیں کیا۔ اس کے برعکس اس کے ہونٹوں پر بڑی دل فریب مسکراہٹ آگئی تھی۔ وہ ٹھاکر کی طرف مڑی تو اس کے ہونٹوں کی مسکراہٹ کچھ اور گہری ہو گئی۔

"ٹھاکر بھنور سنگھ جی۔" اس کے لہجے میں چاندی کی گھنٹیوں جیسی کھنک عود کر آئی تھی "آپ اس غلام کو خریدنا چاہتے تھے لیکن نیلام کی بازی ہم نے جیت لی۔" اس نے میری طرف اشارہ کیا "پھر اس چھوکری کی پہلی بولی بھی آپ نے لگائی تھی۔ دوسری بولی ہماری تھی لیکن اس کے فوراً ہی بعد ہم نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اگلی بولی نہیں لگائیں گے تاکہ اس کی بولی آپ کے حق میں ختم ہو جائے مگر ایک اور ٹھاکر بیچ میں کود پڑا اور آپ دستبردار ہو گئے۔ اس طرح ہمیں مجبوراً بولی بڑھانی پڑی۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگی "ہماری وجہ سے آپ کو نیلام میں زک اٹھانی پڑی جس کے لیے ہم شرمندہ ہیں۔ ہم آپ کو پہنچنے والی کوفت کی تلافی کرنا چاہتے ہیں۔ آپ کی خدمت میں ایک حقیر سا تحفہ پیش کرنا چاہتے ہیں اگر آپ کو کوئی اعتراض نہ ہو تو؟"

"راج کماری روپ متی جی۔" ٹھاکر بھنور سنگھ بولا "آپ کی مہربانی ہے جو آپ میرے بارے میں اس طرح سوچ رہی ہیں۔ آپ کا معمولی اور حقیر سا تحفہ بھی میرے لیے بہت بڑا اعزاز ہو گا۔"

"تو پھر میری طرف سے یہ تحفہ قبول کیجیے بھنور جی۔" روپ متی نے مسکراتے ہوئے جانکی کی طرف اشارہ کیا۔

میں ایک دم سناٹے میں آگیا۔ میرے دماغ پر جیسے سی جم گئی۔ سوچنے سمجھنے کی تمام قوتیں سلب ہو گئیں۔ میں کہنا چاہتا تھا مگر قوتِ گویائی نے بھی جیسے ساتھ چھوڑ دیا میں پھٹی پھٹی سی نظروں سے کبھی روپ متی کی طرف تھا اور کبھی جانکی کی طرف۔

جانکی کا چہرہ بھی دھواں ہو گیا تھا لیکن اس کے میری طرح مختل نہیں ہوئے تھے اور وہ میری طرح خاموش بھی نہیں رہ سکی۔

"تم ایسا نہیں کر سکتیں۔" وہ روپ متی کی طرف ہوئے چیخی "میں کوئی بے جان چیز نہیں ہوں جسے دوسروں کو دے دیا جائے۔ میں ایک انسان ہوں۔ ایک انسان۔ مجھے دھوکے سے پکڑ کر۔"

"خاموش۔" روپ متی پہلی مرتبہ اونچی آواز میں "تمہاری آزادی تو اس وقت سلب ہو گئی تھی جب تم جیسے مخنس کا سایہ تم پر پڑا تھا۔ میں نے ایک بڑی رقم کر کے تمہیں خریدا ہے۔ اب تم میری ملکیت ہو۔ میری مرضی پر منحصر ہے کہ تم سے اپنے پیروں کی چٹواؤں یا کسی کوٹھے میں دے دوں۔" وہ ایک لمحے کو خا ہوئی پھر بولی "اب ٹھاکر بھنور سنگھ تمہارا آقا ہے۔ ٹھاکر تجربہ کار آدمی ہیں۔ انہیں غلام اور کنیزیں پالنے کا شوق یہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ تم جیسی خوب صورت کنیز طرح رکھا جا سکتا ہے۔ ٹھاکر جی!" اس نے آخری ٹھاکر بھنور سنگھ سے مخاطب ہو کر کہے تھے "ہماری طرف یہ تحفہ قبول کیجیے اور اب اسے یہاں سے لے جائیے۔"

"شکریہ راج کماری جی!" ٹھاکر بھنور سنگھ کی کھل گئیں۔

"نہیں۔ تم ایسا نہیں کر سکتیں رنڈی!" جانکی چیخی روپ متی کی طرف لپکی۔

لیکن اس سے پہلے کہ وہ روپ متی کے قریب پہنچ ٹھاکر بھنور سنگھ کا اشارہ پا کر تین مسٹنڈے کمرے کے گھس آئے اور جانکی سے لپٹ گئے۔ جانکی چیخ چیخ کر گا پٹکتے ہوئے مزاحمت کرنے لگی۔ وہ بری طرح ہاتھ پیر چلا بھی مگر ان تین مسٹنڈوں کے سامنے اس کی ایک نہیں چل وہ بے بس چڑیا کی طرح پھڑپھڑا کر رہ گئی۔ وہ تینوں مس اسے اٹھا کر باہر لے گئے۔

میں اب بھی اپنی جگہ بے حس و حرکت کھڑا تھا۔ میرا غ ابھی تک سُن تھا۔ وہ لوگ جانکی کو اٹھا کر لے گئے اور کچھ نہیں کر سکا تھا اور شاید کچھ کبھی نہیں سکتا تھا۔ جانکی چیخیں دیر تک میرے کانوں میں گونجتی رہیں۔

اور پھر جیسے میرے دماغ پر طاری جمود ٹوٹ گیا۔ میں ش میں آگیا۔

فضا میں کھمبیوں کی سی بھنبھناہٹ تھی۔ دروازے کے راہداری میں بہت سے لوگ جمع تھے جو روپ متی کی سرگوشیوں میں تبصرے کر رہے تھے۔ ٹھاکر ں سخاوت پر آدمی جانکی کو لے جا چکے تھے لیکن وہ ابھی تک نور سنگھ کے ہاتھ میں پکڑے ہوئے پستول کا ں موجود تھا اور اس کا خیال تھا کہ شاید اب میں کچھ نہ ے میری طرف تھا۔ اس کا خیال تھا کہ شاید اب میں کچھ نہ ھ ضرور کروں گا لیکن میرا اب بھی ایسا کوئی ارادہ نہیں ا۔ اتنے لوگوں کی موجودگی میں کچھ کرنا خودکشی کے مترادف ا میں ایک غلام تھا اور یہاں سب وہ لوگ تھے جو غلام یدے آئے تھے۔ بہ الفاظِ دیگر وہ سب آقا تھے اور کسی آقا ظام سے کیا ہمدردی ہو سکتی ہے۔

میرے اس طرح خاموش رہنے کا یہ مطلب نہیں تھا کہ ے جانکی سے کوئی ہمدردی نہیں رہی تھی اور میں بے حس گیا تھا۔ میں نے تو کچھ اور ہی سوچا تھا مگر جانکی نے میری یچ پر پانی پھیر دیا تھا۔

اس میں شبہ نہیں کہ آج کے دور میں غلاموں کی خرید و دخت ایک سنگین جرم ہے لیکن اس کے باوجود یہاں اموں کی جو منڈی لگی تھی وہ میرے لیے حیرت انگیز تھی۔ جگہ اگرچہ کسی آبادی سے میلوں دور تھی مگر زمین کی ہائیوں میں تو نہیں تھی کہ کسی کو اس کا پتا نہ چلتا اور یہ ولی ایک دن کی بات بھی نہیں تھی۔ غالباً برسوں سے یہ مناؤنا ترین کاروبار ہو رہا تھا۔ انڈیا کے دور دراز کے شہروں ے لوگ یہاں آکر غلاموں اور کنیزوں کی خرید فروخت رتے تھے جس کا مطلب تھا کہ لوگ اس منڈی کے بارے ں جانتے تھے۔ یہاں کی حکومت بھی واقف تھی لیکن یہ روبار ہو رہا تھا۔

غلاموں کے اس غیر قانونی کاروبار کے خلاف پہلے بھی وازیں اٹھائی جاتی ہوں گی لیکن یہ دھندا جاری تھا۔ یہ روبار کرنے والے بہت طاقت ور تھے۔ خریداروں میں بھی ر رسوخ والے لوگ تھے۔ روپ متی کی مثال میرے امنے تھی۔ اس کے بارے میں ابھی تک میں کچھ نہیں جان کا تھا لیکن اس کی حیثیت دیکھ کر یہ تو اندازہ ہو گیا تھا کہ اس کے پاس دولت کی کمی نہیں تھی۔ وہ اس دولت سے ہر چیز خرید سکتی تھی۔ انسان بھی اور انسان کی آزادی بھی۔ اس دولت کے بل بوتے پر اس کا ایسا رسوخ... ہو گا کہ کوئی اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا تھا۔

جب میری بولی لگی تھی تو میں واقعی پریشان ہو گیا تھا لیکن جانکی کو دوبارہ اپنے قریب دیکھ کر میں نے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا تھا اور ذہن میں اس سنگین ترین صورتِ حال سے نجات کا ایک منصوبہ بھی ترتیب دینے لگا تھا۔

روپ متی نے جس انداز سے میری بولی لگائی تھی اور میں نے اس کی آنکھوں میں جو پُراسرار سی چمک دیکھی تھی اس سے میں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ اس نے مجھے محض غلام بنانے کے لیے نہیں خریدا تھا۔ اتفاق سے جانکی کی خریدار بھی وہی تھی اور اس طرح ہم دوبارہ مل گئے تھے۔ ہمیں ایک ہی جگہ پر رہنا تھا۔ میں نے سوچا تھا کہ سب سے پہلے ہم روپ متی کا اعتماد حاصل کریں گے اور اس کے بعد رہائی کی کوئی ترکیب سوچی جائے گی مگر جانکی کی گرم دماغی نے میری سوچوں پر پانی پھیر دیا۔ وہ روپ متی کا سامنا ہوتے ہی اس سے الجھ پڑی۔ دھرمیش نے جانکی کو اس کی گستاخی کی سزا دینا چاہی تو میں ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا نہ رہ سکا اور اس طرح بات بڑھتی چلی گئی۔ میں اور دھرمیش ایک دوسرے کے حریف بن کر سامنے آئے۔ روپ متی نے فائٹ کے شروع میں مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ اگر میں دھرمیش کو پچھاڑ دوں تو مجھے بہت سی مراعات مل جائیں گی۔ مجھے اس کے وعدے پر اعتبار تو نہیں تھا لیکن اگر واقعی مجھے کچھ مراعات حاصل ہو جاتیں تو ہم اس سے فائدہ اٹھا سکتے تھے مگر جانکی نے سارا کھیل بگاڑ دیا تھا جس کے نتیجے میں روپ متی نے اسے دوسرے کی جھولی میں ڈال دیا تھا۔

اس میں شبہ نہیں کہ روپ متی بہت دولت مند تھی۔ وہ لاکھوں روپے مالیت کے تحائف اپنے دوستوں کو پیش کر سکتی تھی۔ ڈیڑھ لاکھ روپے میں خریدی ہوئی کنیز کی کیا حیثیت تھی لیکن میں اچھی طرح جانتا تھا کہ اس نے ٹھاکر بھنور سنگھ کو یہ تحفہ اس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے یا خیر سگالی کے جذبے کے تحت نہیں دیا تھا۔ وہ تو دونوں بولیوں میں اس کا حریف تھا۔ جانکی کو اس کی جھولی میں ڈال دینا دراصل جانکی کے خلاف انتقامی کارروائی تھی۔ جانکی کو اس کی بدزبانی اور گستاخی کی سزا دینے کے لیے ایک بگڑے ہوئے رئیس کے قدموں میں ڈال دیا گیا تھا اور اس کا سب سے زیادہ دکھ مجھے ہوا تھا۔ جانکی کے ساتھ آنے والے وقت میں

کیا ہوگا؟ اس کا اندازہ میں لگا سکتا تھا۔

میں نے گہرا سانس لیتے ہوئے ادھر اُدھر دیکھا۔ دھرمیش ابھی تک بے ہوش پڑا ہوا تھا اور تیج سنگھ اس کے قریب بیٹھا اسے ہوش میں لانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس کی اپنی حالت بھی اچھی نہیں تھی۔ مجھے متوجہ پا کر اس نے میری طرف دیکھا اور بھیڑیے کی طرح غراتے ہوئے بولا۔

"اگر میرے منا کو کچھ ہو گیا تو میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

"میری زندگی کا چراغ گل کرنے کے لیے تمہیں راج کماری روپ متی سے اجازت لینی پڑے گی جس نے مجھے خریدنے کے لیے روکڑا خرچ کیا ہے۔" میں نے اپنی جگہ سے حرکت کیے بغیر پُرسکون لہجے میں جواب دیا "ویسے تم اطمینان رکھو۔ تمہارے منا کو کچھ نہیں ہوگا۔ بس چند روز بدن کی مالش کرنی پڑے گی۔"

میری اس بذلہ سنجی پر تیج سنگھ تو تلملا کر رہ گیا البتہ روپ متی کے ہونٹوں پر دلفریب مسکراہٹ آگئی تھی۔ میں نے اس کے نام کا حوالہ خاص طور پر دیا تھا۔ اس طرح میں یہ ظاہر کرنا چاہتا تھا کہ میں تیج سنگھ کا نہیں' روپ متی کا زر خرید غلام ہوں اور اب میری مالک و وارث وہی ہے۔ یہ بات کہہ کر گویا میں نے اپنے اس منصوبے پر عمل شروع کر دیا تھا جس کے تانے بانے میں نے اس کمرے میں جاگنی کے آتے ہی بُننا شروع کر دیے تھے۔ اگرچہ جاگنی اب جا چکی تھی مگر مجھے روپ متی کا اعتماد حاصل کرنا تھا۔ ایک وفادار غلام بن کر۔

"تیج سنگھ۔" روپ متی نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "دھرمیش کو اٹھا کر اپنے کمرے میں لے جاؤ اور جب یہ ہوش میں آجائے تو روانگی کی تیاری کرو۔ ہم صبح سورج نکلنے سے پہلے ہی یہاں سے روانہ ہو جائیں گے۔ میں اپنے کمرے میں جا رہی ہوں۔ یہ غلام میرے ساتھ جائے گا۔"

روپ متی کے اس فیصلے پر تیج سنگھ چونکے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ اس نے کچھ کہنا چاہا مگر روپ متی نے ہاتھ اٹھا کر زبان کھولنے کا موقع نہیں دیا۔

"راج کماری جی!" قریب کھڑے ہوئے بھنور سنگھ نے کہا "آپ دیکھ چکی ہیں' یہ کتنا خطرناک آدمی ہے۔ اس کے باوجود آپ اسے اپنے کمرے میں لے جانا چاہتی ہیں۔ بغیر محافظوں کے۔۔۔"

"میرے محافظوں کا حال تو آپ بھی دیکھ چکے ہیں ٹھاکر جی۔" روپ متی نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا "یہ اصیل ہے اور میں اس سے کوئی خطرہ محسوس نہیں کرتی۔ آپ اطمینان رکھیے۔ یہ مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا۔ تم میرے ساتھ آؤ۔" اس نے مجھے اشارہ کیا "تمہاری طاقت اور مہارت کا مظاہرہ میں دیکھ چکی ہوں۔ اس میں شبہ نہیں کہ تم پلک جھپکنے کی دیر میں بڑے بڑے سورماؤں کی گردن مروڑ سکتے ہو لیکن راج کماری روپ متی سے بغاوت کا خیال بھی ذہن میں مت لانا۔ ایسی صورت میں تمہیں ہندوستان تو کیا' دنیا کے کسی گوشے میں بھی پناہ نہیں ملے گی۔ آؤ میرے ساتھ۔"

راہداری میں کھڑے ہوئے لوگ بھی روپ متی کے اس فیصلے پر حیران اور پریشان تھے۔ ہم جیسے ہی کمرے سے نکلے' لوگ راستہ دینے کے لیے ایک طرف ہٹتے چلے گئے۔ روپ متی بڑی شان اور تمکنت سے آگے چل رہی تھی۔ میں اس کے پیچھے ایک مطیع اور فرماں بردار غلام کی طرح جھکائے چل رہا تھا۔

ہم ایک اور راہداری میں مڑ گئے۔ یہ بہت وسیع و عریض عمارت تھی۔ یہاں راہداریوں کا جال سا بچھا ہوا تھا۔ ہر راہداری میں آمنے سامنے کئی کئی کمرے تھے۔ ہر کمرا بھرا ہوا تھا۔ میرے اندازے کے مطابق ہندوستان کے دور دراز شہروں سے آئے ہوئے سیکڑوں لوگ تھے جو اس وقت قدیم محل نما عمارت میں مقیم تھے۔ یہ سب دولت مند لوگ تھے جو غلام اور کنیزیں خریدنے آتے تھے جبکہ غلاموں کی ان کے تاجروں کے لیے رہائش کا انتظام باہر والے حصے میں کیا گیا تھا جہاں وسیع و عریض میدان کے اطراف میں کمرے کے ساتھ ساتھ لاتعداد کمرے بنے ہوئے تھے۔

میرے خیال میں اس وقت صبح کے چار بجنے والے تھے مگر ہر شخص جاگ رہا تھا۔ تمام راہداریاں روشن تھیں۔ لوگوں کی آمد و رفت جاری تھی۔ ہم جس طرف سے گزرتے' لوگ مڑ مڑ کر ہماری طرف دیکھنے لگتے۔ روپ متی واقعی روپ متی تھی۔ اس کے حسن میں کوئی شبہ نہیں تھا وہ ایک مکمل عورت تھی۔ اس نے لباس بھی ایسا پہن رکھا تھا کہ اس کے گداز و حسین بدن کے تمام نشیب و فراز ہویدا ہو رہے تھے۔ اس کی چال میں بھی ایک تمکنت تھی۔ لوگ اس کی طرف دیکھنے پر مجبور ہو جاتے تھے اور اس کے ساتھ میں تھا۔ میں نے کبھی اپنے بارے میں اس طرح نہیں سوچا تھا لیکن میری زندگی میں جتنی بھی عورتیں تھیں' اپنی اداؤں سے اور اپنی باتوں سے مجھے احساس دلاتی رہتی تھیں کہ میں گلفام سے زیادہ خوب رو اور حسین ہوں۔ مجھے نیلام کرنے والے نے تو مجھے یوسف ثانی کا خطاب

تھا اور میری نیلامی کی بولی میں روپ متی جیسی عورت بولی لگاتے ہوئے تین لاکھ تک چلی گئی تھی۔ ان سب باتوں سے اب مجھے بھی احساس ہونے لگا تھا کہ میں کچھ ہوں۔

ایک راہداری میں مڑ کر ہم زینے پر چڑھنے لگے۔ اس زینے کے سامنے والے حصے پر سنگ مرمر کی نہایت نفیس کام کی خوب صورت جالیاں لگی ہوئی تھیں جن سے نہ صرف تازہ ہوا کے جھونکے اندر آرہے تھے بلکہ سامنے کا وسیع و عریض کمپاؤنڈ بھی نظر آرہا تھا۔ زینے کی پہلی لینڈنگ سے وہ بارہ دری بھی نظر آرہی تھی جہاں مجھے نیلام کی سولی پر چڑھایا گیا تھا۔ وہ حصہ اب بھی روشنیوں سے بقعۂ نور بنا ہوا تھا۔ بارہ دری میں نیلامی کا کاروبار اب بھی جاری تھا۔ مختلف آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔

زینے کے اختتام پر ہم راہداری میں دائیں طرف مڑ گئے۔ یہاں بھی کچھ لوگوں کی آمد و رفت جاری تھی۔ راہداری کے اختتام پر لکڑی کے اسٹول پر ایک ادھیڑ عمر آدمی بیٹھا ہوا تھا جس نے میرون رنگ کا ڈریس پہن رکھا تھا۔ کمر پر بالشت بھر چوڑا سنہری بیلٹ تھا جس میں بائیں طرف ہولسٹر بھی لگا ہوا تھا جس سے پستول کا دستہ جھانک رہا تھا۔ سر پر بل دار پگڑی بندھی ہوئی تھی۔ وہ روپ متی کو دیکھتے ہی اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور بائیں طرف کے کمرے کا دروازہ کھول دیا۔

روپ متی اندر داخل ہو گئی جبکہ میں باہر ہی کھڑا رہا۔ وہ دربان بڑی عجیب سی نظروں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ روپ متی نے کمرے کے وسط میں رک کر میری طرف دیکھا۔

"تم باہر کیوں رک گئے۔ اندر آؤ۔" اس نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

میں سر جھکائے اندر داخل ہو گیا۔ دربان نے دروازہ بند کر دیا۔

ڈرائنگ روم کے طور پر آراستہ یہ وسیع کمرا بہت شان دار تھا۔ فرش پر دبیز قالین بچھا ہوا تھا۔ فرنیچر بھی قیمتی تھا۔ بائیں طرف ایک اور دروازہ تھا جو کھلا ہوا تھا۔ اس کے دوسری طرف بیڈ روم تھا جس کا کچھ حصہ نظر آرہا تھا۔

یوں تو محل نما اس عمارت میں وہ دولت مند لوگ مقیم تھے جو غلام اور کنیزیں خریدنے کے لیے یہاں آتے تھے لیکن عمارت کے اوپر کا یہ حصہ راج مہاراج قسم کے لوگوں کے لیے مخصوص تھا۔ یہاں کے اخراجات بھی زیادہ تھے۔

روپ متی بیڈ روم میں داخل ہو گئی۔ اس نے مجھے بھی ساتھ آنے کا اشارہ کیا۔ یہ کمرا بہت شان دار طریقے پر آراستہ تھا۔ مسہری پر آرام دہ میٹریس تھا جس پر ہلکے نیلے رنگ کی ریشمی چادر بچھی ہوئی تھی۔ کمرے کے پچھلی طرف کشادہ کھڑکی تھی جس سے تازہ ہوا کے جھونکے اندر آرہے تھے۔ کھڑکی عمارت کی عقبی سمت میں کھلتی تھی لیکن باہر چونکہ ابھی اندھیرا تھا اس لیے کچھ نظر نہیں آرہا تھا۔

"بہت تھک گئی ہوں۔" روپ متی یہ کہتے ہوئے مسہری پر ڈھیر ہو گئی۔

وہ کچھ اس انداز میں بستر پر گری تھی کہ میرے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ میں سر جھکائے کھڑا اس کی طرف سے نظریں چرانے کی کوشش کرتا رہا مگر کم بخت یہ نظریں بار بار اس کی طرف اٹھ رہی تھیں۔

"صبح ہوتے ہی پھر ایک طویل سفر کرنا ہے۔" وہ میری طرف دیکھتے ہوئے بولی "میرے پیر دبا دو۔ بہت تھکن ہو رہی ہے۔"

میں کانپ اٹھا۔ غلام کی حیثیت سے یہ میرے لیے پہلا حکم تھا۔ کسی اور کام کے لیے کہا جاتا تو میں عمل کرنے میں ایک لمحے کی بھی تاخیر نہ کرتا مگر اس کے پیر دبانے میں مجھے کچھ تامل تھا۔ اس لیے نہیں کہ میں اس کے پیر دبانے کو اپنی توہین سمجھتا تھا بلکہ اس لیے کہ اس حکم کی تعمیل کرتے ہوئے مجھے اپنی عزت خطرے میں نظر آرہی تھی۔ میرا وہ شبہ بالکل درست ثابت ہو رہا تھا کہ روپ متی نے مجھے محض غلام بنانے کے لیے نہیں خریدا تھا بلکہ حقیقت یہ تھی کہ وہ میری رعنائی پر مرمٹی تھی جس کے لیے اس نے تین لاکھ روپے خرچ کر دیے تھے اور میں سمجھتا ہوں کہ اگر میری بولی پچاس لاکھ تک جاتی تب بھی وہ پیچھے نہ ہٹتی۔

مجھے وہ وقت یاد آگیا جب تھائی نے مجھے کمرے میں لے جا کر ہنٹر اٹھا لیا تھا اور مجھے کپڑے اتارنے کا حکم دیا تھا اور پھر اپنی قمیص بھی اتار دی تھی۔ تھائی نے بھی میرے جسم کو ٹٹول کر دیکھا تھا اور پھر مجھے اپنے جسم پر ہنٹر برسانے کا حکم دیا تھا لیکن یہاں صورتِ حال مختلف تھی۔ میں سر جھکائے خاموش کھڑا رہا۔

"سنا نہیں تم نے۔ ہم نے کیا کہا ہے۔" روپ متی کی آواز اگرچہ کسی قدر بلند تھی لیکن لہجے میں سختی نہیں تھی۔

میں نے جھک کر دونوں ہاتھ اس کے پیروں پر رکھ دیے اور پنڈلیوں کو آہستہ آہستہ دبانے لگا۔ چند سیکنڈ بعد ہی اس نے گھٹنے اوپر اٹھا لیے۔ اس کے ساتھ ہی لباس بھی سمٹ گیا۔ پنڈلیاں برہنہ ہو گئیں۔ میرے دل کی دھڑکن کچھ اور تیز ہو گئی۔

میں نے جیسے ہی اس کی پنڈلی پر ہاتھ رکھا' میرا دل اچھل

کر حلق میں آگیا۔ کنپٹیاں سُلگنے لگیں۔ روپ متی بھی کراہ اٹھی تھی۔

ممکن ہے میں جذبات کی اس دلدل میں پھنس جاتا مگر دروازے پر دستک کی ہلکی سی آواز سن کر میں جیسے ہوش میں آگیا۔ روپ متی نے بھی آنکھیں کھول دیں۔ میں سیدھا ہو کر کھڑا ہوگیا۔ روپ متی بڑبڑاتی ہوئی اٹھ گئی اور باہر والے کمرے کی طرف چلی گئی۔ میں وہیں کھڑا رہا۔ روپ متی نے باہر کا دروازہ کھول دیا حالانکہ وہ دروازہ کھولنے کا حکم مجھے بھی دے سکتی تھی لیکن اس نے خود اٹھ کر دروازہ کھولا تھا۔

باہر تیج سنگھ تھا۔ اس نے اندر داخل ہو کر ادھر ادھر دیکھا اور پھر مجھے بیڈ روم میں کھڑے دیکھ کر اس کی آنکھوں میں نفرت سی بھر گئی۔

"کیا بات ہے تیج سنگھ۔" روپ متی قدرے دُرشت لہجے میں بولی "دھرمیش کیسا ہے اب۔ ہوش میں آیا یا نہیں۔"

"دھرمیش اب ٹھیک ہے راج کماری جی۔" تیج سنگھ نے بدستور میری طرف دیکھتے ہوئے کہا "چتوڑ گڑھ کا راج کمار کنور بلونت سنگھ آپ سے ملنا چاہتا ہے۔"

روپ متی کی بھویں سکڑ گئیں۔ وہ چند لمحے خشمگیں نظروں سے تیج سنگھ کی طرف دیکھتی رہی جیسے راج کمار بلونت سنگھ کی خواہش میں اس کا قصور ہو۔

"راج کمار کو اندر لا کر بٹھاؤ۔ میں ابھی آتی ہوں۔" روپ متی کے لہجے میں ناگواری تھی۔

وہ پھر بیڈ روم میں آگئی۔ اس نے بیچ کے دروازے پر پردہ کھینچ دیا تھا۔ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھ کر اس نے اپنا حلیہ درست کیا۔ اس دوران میں دوسرے کمرے سے اب کچھ آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ روپ متی نے مجھے وہیں رکنے کا اشارہ کیا اور دوسرے کمرے میں چلی گئی۔

میں اپنی جگہ پر کھڑا دوسری طرف کی آوازیں سنتا رہا۔ وہ غالباً چتوڑ گڑھ کا راج کمار تھا جو اس وقت کہہ رہا تھا۔

"ہمیں یہاں پہنچنے میں کچھ تاخیر ہوگئی راج کماری روپ متی جی۔ مگر سنا ہے آپ نے ایک ایسا ہیرا خرید لیا ہے جس کی مثال نہیں ملتی۔ کہاں چھپا کر رکھا ہے اسے۔ ہمیں بھی تو اس کے درشن کرا دیجئے راج کماری جی۔"

"ہاں۔ وہ ہیرا ہی ہے۔ آپ بھی دیکھیں گے تو پھڑک اٹھیں گے کنور جی۔ میں ابھی بلاتی ہوں اسے۔" روپ متی نے جواب دیا۔

اور پھر چند سیکنڈ بعد ہی دروازے کا پردہ ہٹا اور تیج سنگھ کی صورت دکھائی دی۔ وہ بڑی خشمگیں نگاہوں سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔ اب وہ میرے بالکل سامنے آیا تھا تو میں نے دیکھا کہ اس کا دایاں بازو گلے میں پڑی ہوئی پٹی میں رکھا ہوا تھا۔ میرے ہونٹوں پر بے اختیار مسکراہٹ آگئی۔ کالی پٹی لپٹی ہوئی تھی۔ جانکی نے کچھ زیادہ ہی زور لگا دیا تھا۔

"میری صورت کیا دیکھ رہا ہے۔ چل۔ راج کمار نے طلب کیا ہے تجھے۔" اس کے لہجے میں نفرت بھری ہوئی تھی مگر آواز زیادہ اونچی نہیں تھی۔

مجھے اس کے بارے میں اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی۔ ہماری دشمنی کی بنیاد تو اسی وقت رکھی گئی تھی جب میں نے دھرمیش کو پچھاڑا تھا اور تیج سنگھ نے مجھے گولی مارنے کی کوشش کی تھی۔ مجھے اب روپ متی کے پاس ہی رہنا تھا۔ کم از کم اس وقت تک جب تک مجھے نجات کا کوئی راستہ نہ مل جاتا اور اس کا مطلب تھا کہ میری اور تیج سنگھ و دھرمیش کی دشمنی لمبے عرصے تک چلنے والی تھی۔

تیج سنگھ کے حکم پر میں نپے تلے قدم اٹھاتا ہوا دوسرے کمرے میں آگیا۔

ایک صوفے پر روپ متی بیٹھی ہوئی تھی جبکہ سامنے والے صوفے پر دو آدمی بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ دونوں مجھے دیکھ کر بے اختیار اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑے ہوگئے۔

"واہ۔" ان میں سے ایک کے منہ سے بے اختیار نکلا۔ وہ دراز قامت اور صحت مند جسم کا مالک تھا۔ عمر تیس بتیس کے لگ بھگ رہی ہوگی۔ اس نے راجستھانی لباس پہن رکھا تھا۔ سر پر گہرے نیلے رنگ کی پگڑی بندھی ہوئی تھی۔ مونچھیں زیادہ بھاری نہیں تھیں مگر ہونٹوں کے کناروں پر اوپر کی طرف بل کھائی ہوئی تھیں۔ گلے میں موتیوں کی ایک مالا بھی پڑی ہوئی تھی "واہ روپ متی جی۔" وہ کہہ رہا تھا "تو واقعی ہیرا ہے۔ کالی ماں کی قسم۔ اگر ہم ہوتے تو اسے کر دوسرے کے پاس جانے نہ دیتے۔ وجے ٹھاکر کو منہ مانگی قیمت دے کر خرید لیتے لیکن۔۔۔"

وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے "لیکن میرے خیال میں وقت اب بھی ہاتھ سے نہیں نکلا آپ نے یہ ہیرا تین لاکھ میں خریدا ہے۔ ہم آپ کو چھ لاکھ دینے کو تیار ہیں۔ ہمارے پاس بہت دولت ہے۔"

"دولت تو ہمارے پاس بھی بہت ہے کنور جی۔" روپ متی نے مسکراتے ہوئے جواب دیا "آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ ہم شوق سے خریدی ہوئی کوئی چیز بیچتے نہیں ہیں۔ ہے طور پر دے سکتے ہیں لیکن اس وقت ہم تحفہ دینے کے موڈ بھی نہیں ہیں۔"

"دس لاکھ۔۔۔ پندرہ لاکھ۔" کنور بلونت سنگھ نے میری بولی لگائی۔ میں چونک گیا۔ اس کے پاس واقعی بہت دولت تھی اور وہ مجھے ہر قیمت پر خریدنے پر آمادہ نظر آرہا تھا۔

"کنور جی!" روپ متی ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑی ہوگئی۔ اس کے چہرے پر تناؤ سا پیدا ہوگیا "آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ ہم اپنے گھر کی کوئی چیز بیچتے نہیں ہیں۔ آپ ہماری توہین کررہے ہیں۔ تشریف لے جائیں۔"

"آپ تو ناراض ہوگئیں روپ متی جی۔" کنور بلونت سنگھ معنی خیز انداز میں مسکرا دیا "ایک غلام کے لیے آپ اپنے دوستوں کو بھی ناراض کررہی ہیں۔ خیر۔ جیسی آپ کی مرضی لیکن یہ بات یاد رکھ لیں کہ یہ غلام بالآخر آئے گا ہمارے پاس۔ میں چلتا ہوں۔ نمسکار۔" اس نے دونوں ہاتھ جوڑ دیے۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ گہری ہوگئی تھی اور آنکھوں میں مکاری چمکنے لگی تھی۔

روپ متی چند لمحے اپنی جگہ پر بے حس و حرکت کھڑی رہی۔ اس کی خوب صورت آنکھوں میں تشویش ابھر آئی تھی۔ اس نے تیج سنگھ کو رخصت کردیا اور میری طرف دیکھنے لگی پھر آگے بڑھ کر وہ میرے بالکل سامنے کھڑی ہوگئی۔ دونوں ہاتھ میرے بازوؤں کے فولادی مسلز پر رکھ دیے اور میری آنکھوں میں جھانکنے لگی۔

میرے خون کی گردش تیز ہوگئی۔ دل کی دھڑکن کنپٹیوں میں محسوس ہونے لگی۔ روپ متی کی آنکھوں میں ستارے سے ناچ رہے تھے۔ میں زیادہ دیر تک اس سے نظریں نہ ملا سکا۔ میں نے نظریں جھکائیں تو ایک بار پھر میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ روپ متی کا تنفس بے ربط ہو رہا تھا اور اس کے نیم برہنہ سینے کا زیر و بم قیامت ڈھا رہا تھا۔

روپ متی نے اچانک میرے بازو چھوڑ دیے اور دوڑتی ہوئی دوسرے کمرے میں جا کر بستر پر گر گئی۔ میں مبہوت سا اپنی جگہ پر کھڑا رہا۔ روپ متی نے ایک بڑی رقم خرچ کر کے مجھے غلام کی حیثیت سے خریدا تھا لیکن اس کا اب تک کا رویہ بالکل مختلف تھا۔ سب سے پہلے اس نے مجھ سے پیر دبوائے تھے لیکن میں جانتا تھا کہ یہ کام خدمت کے طور پر نہیں لیا گیا۔ پیر دباتے ہوئے اس پر جو کیفیت طاری ہوئی تھی وہ ایک دوسری کہانی تھی اور اب وہ جس انداز میں میرے سامنے کھڑی ہوئی تھی یہ بھی ایک دوسری کہانی تھی۔

روپ متی کی اس کیفیت سے قطع نظر میرے خیال میں یہاں ایک اور کہانی جنم لے چکی تھی۔ کنور بلونت سنگھ نے میرے لیے پندرہ لاکھ کی آفر دے دی تھی اور روپ متی نے انکار کردیا تھا اور اس طرح میرے خیال میں ان دونوں کے بیچ بھی دشمنی کی بنیاد پڑ چکی تھی۔

میں ایک عجیب سی صورت حال سے دوچار ہوگیا تھا۔ جانکی مجھ سے الگ ہوگئی تھی۔ مجھے کچھ پتا نہیں تھا کہ ٹھاکر بھنور سنگھ کون تھا۔ وہ کس شہر کا رہنے والا تھا اور جانکی کو لے کر کہاں جائے گا لیکن بہرحال میں نے اسے تلاش کرنا تھا اور اس سے پہلے اپنے غلامی کے طوق سے نجات حاصل کرنی تھی اور میں جانتا تھا کہ اس میں مجھے خاصی مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔

دوسری طرف روپ متی نے اپنے آدمیوں کے مقابلے میں میری حمایت کرکے میرے لیے مزید مشکلات پیدا کردی تھیں۔ اس نے کہا تھا کہ اگر میں دھرمیش کو پچھاڑ دوں تو مجھے بہت سی مراعات حاصل ہوجائیں گی۔ یہ جملہ گویا دھرمیش کے مقابلے میں میری حمایت کا اعلان تھا۔ میں نے دھرمیش کو ادھ موا کردیا تھا جس کے نتیجے میں وہ دونوں میرے دشمن ہوگئے تھے۔ میں نہیں جانتا تھا کہ وہ دونوں کون تھے۔ ان کا آپس میں کیا رشتہ تھا اور روپ متی سے ان کا کیا تعلق تھا۔ وہ دونوں اس کے غلام تو ہرگز نہیں ہوسکتے تھے۔

تیج سنگھ اور دھرمیش نہایت خوب رو اور بھرپور جوان آدمی تھے اور پھر میری بولی لگاتے ہوئے بھی روپ متی کی آنکھوں میں عجیب سی چمک ابھر آئی تھی۔ اس نے میرے بازوؤں کے مسلز بھی ٹٹول کر دیکھے تھے اور ابھی کچھ دیر پہلے جس طرح وہ میرے بازو تھام کر میرے سامنے کھڑی ہوئی تھی اور اس کی آنکھوں میں جس طرح پُراسرار چمک ابھری تھی اس سے میں نے روپ متی کے بارے میں ایک مختلف رائے قائم کرلی تھی۔

میں اپنی جگہ پر کھڑا یہی سب کچھ سوچ رہا تھا کہ روپ متی کی آواز سن کر چونک گیا۔ وہ مجھے خواب گاہ میں طلب کررہی تھی۔ میں اندر داخل ہو کر اس کے سامنے مسہری کے قریب کھڑا ہوگیا۔

وہ مسہری پر تکیے سے ٹیک لگائے نیم دراز تھی۔ اس کی نظریں میرے بدن کا طواف کررہی تھیں۔ آنکھوں میں اس وقت بھی وہی پُراسرار سی چمک تھی۔

"بیٹھ جاؤ۔" اس کی آواز میں ہلکا سا ارتعاش تھا۔ ساتھ ہی اس نے مسہری کے سامنے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

میں جھجکتا ہوا کرسی پر بیٹھ گیا۔ میری اس فرماں برداری کا مطلب یہ نہیں تھا کہ میں نے ذہنی طور پر اپنے آپ کو اس کا غلام تسلیم کرلیا تھا بلکہ حقیقت یہ تھی کہ میں اطاعت اور

فرماں برداری کا مظاہرہ کرکے اس کا اعتماد حاصل کرنا چاہتا تھا تاکہ اپنی آزادی کا کوئی راستہ نکال سکوں۔ میں غلام بن کر ساری زندگی تو یہاں نہیں رہ سکتا تھا۔ میں اپنا مشن نہیں بھولا تھا۔ مجھے اپنے ماں باپ کی المناک موت یاد تھی۔ وہ بیسیوں بے گناہ بھی یاد تھے جنہیں میری وجہ سے دارا اور اس کے ساتھیوں نے موت کے گھاٹ اتارا تھا۔ مجھے وہ منظر بھی یاد تھا جب میرے ماں باپ کے قتل کے برسوں بعد ٹھیک اسی جگہ پر' جہاں میرے ماں باپ کا خون بہایا گیا تھا' تھائی کو بھی بے دردی سے موت کے گھاٹ اتار دیا گیا تھا۔ تھائی میری محسنہ تھی۔ ماں باپ کے بعد سب سے زیادہ محبت مجھے اسی سے ملی تھی اور پھر جانکی تھی جس نے قدم قدم پر میرا ساتھ دیا تھا اور اب وہ ایک نئی مصیبت میں گرفتار ہوگئی تھی۔

میں یہ سب کچھ کیسے بھول سکتا تھا اور پھر مجھ جیسا شخص کسی کا غلام بن کر کیسے رہ سکتا تھا لیکن وقت نے مجھے بہت کچھ سکھا دیا تھا۔ میں نے وقت سے سمجھوتا کرلیا تھا۔ وقت ہی نے مجھے ایک عورت کے قدموں میں لا پھینکا تھا تو میں اس وقت ہی کے سہارے اس صورتِ حال سے نجات بھی حاصل کرنا چاہتا تھا۔

میرے سامنے اس وقت ایک اور موقع بھی تھا جس سے میں فائدہ اٹھا سکتا تھا۔ نیلامی ختم ہونے پر روپ متی نے میرے گلے میں غلامی کا طوق ڈالنے کی اجازت نہیں دی تھی۔ اس نے مجھے دھرمیش کے ساتھ لڑتے ہوئے بھی دیکھ لیا تھا اور یہ بھی جان گئی تھی کہ میں کس قدر خطرناک ہوں۔ نیلامی کے وقت دبے ٹھاکر نے بھی گویا میری تعریف کرتے ہوئے لوگوں کو خبردار کردیا تھا کہ میں نے ستیاسی واسودیو جیسے سانڈ کی گردن مروڑ دی تھی اور جب روپ متی مجھے اکیلے ہی اپنے ساتھ کمرے میں لانا چاہ رہی تھی تو ٹھاکر بھنور سنگھ نے بھی اسے خبردار کردیا تھا لیکن روپ متی نے اس کی پروا نہیں کی تھی اور کسی محافظ کے بغیر مجھے اکیلے ہی اپنے کمرے میں لے آئی تھی۔ اسے شاید اپنے آپ پر اعتماد تھا۔ عورت کے لیے کسی مرد کو غلام بنانے کے لیے ضروری نہیں ہوتا کہ وہ ہاتھ میں ہنٹر اٹھائے رکھے۔ میرے خیال میں مرد کو مطیع کرنے کے لیے عورت کو ہنٹر اٹھانے کی ضرورت نہیں ہوتی اور روپ متی جیسی بھرپور' جوان اور حسین عورت تو سرکش سے سرکش مرد کو بھی اپنے پیر چاٹنے پر مجبور کرسکتی ہے۔ جب میں اور دھرمیش حریف بن کر ایک دوسرے کے سامنے کھڑے ہوئے تھے تو روپ متی نے دھرمیش کو بھی یہ آفر دی تھی کہ اگر وہ میری گردن مروڑ دے تو وہ اس کی دیرینہ خواہش پوری کرسکتی ہے اور اس کے ساتھ ہی اس نے بڑے دل فریب انداز میں کندھے سے اسٹریپ سرکا کر ایک جھلک بھی دکھلا دی تھی۔ اس کی اس بات سے بھی میں اندازہ لگا چکا تھا کہ دھرمیش جیسا کڑیل جوان اس کے حسن کا اسیر ہے اور اپنی خواہش پوری کرنے کے لیے وہ کچھ بھی کرسکتا ہے مگر اس وقت تو اس کی یہ حسرت سینے ہی میں گھٹ کر رہ گئی تھی۔

تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ روپ متی کو اپنے آپ پر اعتماد تھا اسی لیے وہ کسی محافظ کے بغیر مجھے اکیلے ہی اپنے کمرے میں لے آئی تھی اور دوسری طرف میرے لیے یہ بہترین موقع تھا کہ روپ متی کا گلا گھونٹ کر کمرے سے نکلوں اور جانکی کو تلاش کرکے یہاں سے فرار ہونے کی کوشش کروں لیکن میں اس حقیقت سے بھی بخوبی واقف تھا کہ یہاں سے فرار ہونا ممکن نہیں۔ یہاں سیکڑوں لوگ تھے۔ ہر ایک کے پاس اسلحہ بھی تھا اور بالفرض میں جانکی کو تلاش کرکے غلاموں کی اس منڈی سے نکلنے میں کامیاب ہو بھی گیا تو سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ ہم کہاں جائیں گے۔ اس قدیم محل نما عمارت کے چاروں طرف میلوں دور تک گھنا جنگل تھا اور جنگل کے بعد میلوں دور تک بے آب و گیاہ ریگستان پھیلا ہوا تھا۔ ہم یہاں سے فرار ہو کر کتنی دور جاسکیں گے؟ چند میل! اور اس کے بعد ہمیں گھیر لیا جائے گا اور ممکن ہے ہمیں زندہ پکڑنے کے بجائے موت کے گھاٹ اتار دیا جائے۔ ایک غلام کی زندگی کی وقعت ہی کیا ہوتی ہے۔ یہی سب کچھ سوچتے ہوئے میں نے اس موقع سے فائدہ اٹھانے کی کوشش ہی نہیں کی تھی۔ میں تو نجات حاصل کرنے کا کوئی ایسا راستہ تلاش کرنا چاہتا تھا جس پر آگے جاکر کوئی دشواری پیش نہ آئے۔

میں کرسی پر بیٹھا یہی سب کچھ سوچتا رہا۔ ایک مرتبہ نظریں اٹھا کر دیکھا تو روپ متی کی آنکھیں بند تھیں۔ وہ سو چکی تھی۔ اس کے سینے کا ہموار زیر و بم اس کی پُرسکون کیفیت کا اظہار کررہا تھا۔ میں نے بھی کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر آنکھیں بند کرلیں۔ کل دن بھر صحرا میں اونٹوں پر سفر اور پھر رات بھر جاگنے کی وجہ سے میں بُری طرح تھک گیا تھا۔ آنکھیں بند کرتے ہی میں نیند کی آغوش میں پہنچ گیا۔

مجھے اندازہ نہیں کہ میں کتنی دیر سویا تھا لیکن پسلیوں پر پڑنے والی ایک زوردار ٹھوکر مجھے ہوش میں لے آئی۔ میرے منہ سے بے اختیار کراہ نکل گئی اور میں کرسی سمیت الٹ گیا۔ اس سے پہلے کہ میں حواس پر قابو پاکر اپنے آپ کو سنبھالتا' ایک اور زوردار ٹھوکر نے مجھے ایک بار پھر کراہنے پر

مجبور کردیا۔

میں نے اپنے آپ کو سنبھالنے کی کوشش کرتے ہوئے ٹھوکر برسانے والے کی طرف دیکھا۔ وہ تیج سنگھ تھا۔ اس کی آنکھوں میں شدید نفرت کی چنگاریاں بھڑک رہی تھیں۔ آنکھوں میں درندگی تھی۔

چہرے پر درندگی کی طرف دیکھا۔ روپ متی مسہری پر میں نے تھی۔ وہ شاید ساتھ والے کمرے میں بھی نہیں تھی اور تھی۔ کو بدلہ چکانے کا موقع مل گیا تھا۔

"اٹھ جا حرام کے پلے" وہ میری ٹانگ پر ایک اور رسید کرتے ہوئے خوں خوار بھیڑیے کی طرح غرایا "مالکن کی رہا ہے۔ ایک غلام کی یہ جرأت! یاد گاہ میں پڑا اینٹھ رہا ہے۔ روکڑا خرچ کرکے تجھے خریدا گیا ہے۔ تو تو غلام ہے۔ روکڑا خرچ کرکے تجھے خریدا گیا ہے۔ تو کے آداب نہیں جانتا تو میں تجھے سکھاؤں گا۔ اٹھ جا حرام۔۔۔!"

اس نے ایک اور ٹھوکر مارنے کی کوشش کی مگر میں نے کر کلائی پکڑ لی اور بڑی پھرتی سے اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔ محض ٹھوکریں مارنے پر اکتفا کرتا تو شاید میں برداشت لیکن گالیوں سے میری قوتِ برداشت جواب دے گئی

اس کا سیدھا ہاتھ ابھی تک گلے میں لٹکے ہوئے سلنگ میں تھا۔ بائیں ہاتھ میں وہی بید کی چھڑی تھی جسے اس ابھی تک استعمال نہیں کیا تھا لیکن میں جیسے ہی اٹھ کر ہوا' اس نے چھڑی سے وار کردیا۔ میں اس مرتبہ بھی میں مار کھا گیا۔ چھڑی میرے بائیں بازو پر لگی۔ وار رہا تھا۔ مجھے ایسا لگا جیسے میرے بازو پر اس جگہ انگارے گئے ہوں۔ اس نے دوسرا وار کیا لیکن اس بار میں نے کو بائیں ہاتھ پر روک کر گرفت میں لے لیا اور دائیں کو ایک بھرپور تیج اس کے چہرے پر رسید کردیا۔ اس کی سے خون بہہ نکلا۔ وہ بری طرح ڈکرایا تھا لیکن دوسرے اس نے چھلانگ لگا دی اور مجھے دھکیلتا ہوا دیوار تک یا۔ اسی دوران میں' میں دوسری کرسی سے ٹکرایا تھا اور الٹ گئی تھی۔

میری کھوپڑی دیوار سے ٹکرائی تھی۔ میرا دماغ جھنجنا آنکھوں کے سامنے نیلی پیلی چنگاریاں سی رقص کرنے تیج سنگھ مجھے چھوڑ کر پیچھے ہٹ گیا اور دوسرے ہی لمحے رے نیچے کو جھکائے اڑنے بھینسے کی طرح میری طرف وہ میرے پیٹ میں سر کی ٹکر مارنا چاہتا تھا اور اس مقصد کامیاب بھی ہوگیا۔

ٹکر زوردار تھی۔ میرے منہ سے کراہ نکل گئی۔ وہ مجھے سنبھلنے کا موقع نہیں دینا چاہتا تھا۔ اس نے پیچھے ہٹ کر ایک اور ٹکر مارنے کی کوشش کی لیکن اس مرتبہ میں نے بڑی پھرتی سے ایک طرف ہٹتے ہوئے اس کی گردن پر ہاتھ ڈال دیا۔

تیج سنگھ کی گردن اب میرے بازو کی پیٹ میں تھی اور وہ بری طرح مچل رہا تھا۔ میں اگر چاہتا تو ایک ہی جھٹکے میں بڑی آسانی سے اس کی گردن مروڑ سکتا تھا لیکن اس کے ساتھ ہی میں یہ بھی جانتا تھا کہ صورتِ حال سنگین ہوجائے گی۔ ایک غلام کے ہاتھوں کسی معزز آدمی کے قتل کو کوئی بھی برداشت نہیں کرے گا۔ اس طرح میرے لیے مشکلات پیدا ہوسکتی تھیں اور میں اپنے لیے صورتِ حال کو سنگین تر نہیں بنانا چاہتا تھا۔ میں نے دوسرے ہاتھ سے اس کے پیٹ میں ایک گھونسا رسید کردیا۔ وہ کراہتا ہوا تقریباً ایک فٹ اوپر اچھلا۔ اس کے ساتھ ہی میں نے اس کی گردن کو ہلکا سا جھٹکا دے کر چھوڑ دیا۔ وہ سینے کے بل نیچے گرا۔

دبیز قالین ہونے کی وجہ سے غالباً اسے زیادہ چوٹ نہیں لگی تھی۔ وہ فوراً ہی اٹھ کر مجھ پر حملہ آور ہوا لیکن ٹھیک اسی وقت کڑکتی ہوئی ایک نسوانی آواز کمرے میں گونجی۔ میں نے اپنے آپ کو تیج سنگھ کے حملے سے بچانے کی کوشش کرتے ہوئے آواز کی سمت دیکھا۔ وہ روپ متی تھی جو دروازے میں کھڑی تھی۔ اس کے چہرے پر بے پناہ کرختگی تھی۔

"یہ کیا ہو رہا ہے؟" وہ ایک بار پھر چیختی ہوئی آگے بڑھی۔ بجلی کی طرح کڑکتی ہوئی یہ آواز اس کی کھنکتی ہوئی آواز سے بالکل مختلف تھی۔

میں اپنے آپ کو تیج سنگھ کی زد سے بچا کر دیوار کے ساتھ ایک طرف سرک گیا تھا جبکہ تیج سنگھ بھی اپنی جگہ رک گیا تھا۔ اس کا مجروح ہاتھ سلنگ سے نکل گیا تھا جسے وہ ہلکے ہلکے جھٹکے دے رہا تھا۔ اس کا سانس پھولا ہوا تھا۔ اس نے دوسرے ہاتھ کی آستین سے ناک سے رستے والا خون پونچھا اور بے ربط تنفس پر قابو پانے کے لیے گہرے گہرے سانس لینے لگا۔ میں دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے پُرسکون کھڑا اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کی سفید قمیص پر خون کے چھینٹے نظر آرہے تھے۔

"میں پوچھتی ہوں' یہ کیا ہو رہا ہے۔ تم بولتے کیوں نہیں تیج سنگھ۔" روپ متی کی آواز میں بجلی کی سی کڑک تھی۔

"میں اس غلام کو گستاخی کی سزا دے رہا تھا راج کماری۔" تیج سنگھ نے ایک بار پھر ناک سے رستے والا خون پونچھتے ہوئے جواب دیا "میں جب کمرے میں آیا تو یہ حرامی

کرسی پر بیٹھا سو رہا تھا۔ میں نے اسے جگایا تو اس نے مجھ پر حملہ کردیا۔ یہ اپنے آپ کو بہت بڑا سورما سمجھتا ہے۔ میں اس گستاخی پر اسے سبق سکھانا چاہتا تھا۔"

"اگر یہ میری خواب گاہ میں کرسی پر سو رہا تھا اور اس نے تمہارے ساتھ بھی گستاخی کی تھی تو تم نے اسے گولی کیوں نہیں مار دی۔" روپ متی بولی۔ اس کی آنکھیں اب بھی شعلے اگل رہی تھیں۔

"میرے پاس پستول ہوتا تو ضرور ایسا کرتا۔" تیج سنگھ نے جواب دیا۔

"یہ جھوٹ بول رہا ہے مالکن۔" میں نے روپ متی کی طرف دیکھتے ہوئے پُرسکون لہجے میں کہا۔

"تو پھر سچ کیا ہے؟" روپ متی نے کہا۔ اس کے لہجے کی کڑک اب بھی برقرار تھی۔

"یہ درست ہے کہ میں اس کرسی پر بیٹھا اونگھ رہا تھا۔ اس نے مجھے جگانے کی کوشش نہیں کی بلکہ ٹھوکر مار کر مجھے گرا دیا۔ اس کے بعد بھی یہ مجھ پر ٹھوکریں برساتا رہا اور بید کی چھڑی سے وار کیے۔" میں نے اسے اپنا بازو دکھایا جس پر تقریباً تین انچ لمبی سرخ لکیر بن گئی تھی "اگر تیج سنگھ میری کھال بھی ادھیڑ دیتا تو میں اف نہ کرتا لیکن اس نے مجھے ماں کی گالی دی تھی۔ اسے سمجھا دو مالکن کہ اب اگر اس نے منہ سے کوئی ایسا لفظ نکالا تو میں اس کی زبان گدی سے کھینچ لوں گا۔"

"یہ جھوٹ بکتا ہے راج کماری۔۔۔"

"چپ رہو۔" روپ متی نے غراتے ہوئے تیج سنگھ کی بات کاٹ دی "میں جان چکی ہوں کہ کون جھوٹ بول رہا ہے اور کون سچا ہے لیکن اسے سزا دینے کا اختیار کس نے دیا تمہیں؟"

"راج کماری' یہ آپ کی خواب گاہ میں۔۔۔"

"اسے خواب گاہ میں' میں لے کر آئی تھی اور میری ہی اجازت سے یہ کرسی پر بیٹھا تھا" راج کماری نے ایک بار پھر اس کی بات کاٹ دی "میں جب اس کمرے سے گئی تھی تو یہ سو رہا تھا۔ میں نے اسے گستاخی نہیں سمجھا تو تم نے اپنے آپ کو اس کا آقا کیسے سمجھ لیا۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولی "میں بات کی تہ تک پہنچ چکی ہوں۔ تم نے دھرمیش کی شکست کا بدلہ لینے کے لیے اس کے ساتھ زیادتی کی ہے۔ اس مرتبہ تو میں تمہیں معاف کررہی ہوں لیکن آئندہ ایسی کوئی بات برداشت نہیں کروں گی۔ اب تم جاسکتے ہو۔ اور سنو۔ اس وقت سات بج رہے ہیں۔ میں نے روانگی کا پروگرام ملتوی کردیا ہے۔ اب میں پہلا بجے روانہ ہوں گی لیکن تم اور دھرمیش ناشتا کرکے کے اندر اندریہاں سے روانہ ہوجاؤ۔"

"آپ مالکن ہیں راج کماری۔۔۔ لیکن آپ ہیں۔ اس غلام پر اعتماد کرنا خطرناک ہوگا۔" تیج سنگھ اسے گھورا "تم سے جو کہا گیا ہے وہ کرو۔ اب تم جا ہاں رنگو کو اندر بھیج دو۔"

تیج سنگھ خوں خوار نظروں سے میری طرف دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ ہماری دشمنی کی جڑ گہری ہوگئی تھی۔ اس وقت روپ متی نے طرف داری کی تھی۔ اس نے ایک نئے زر خرید کو اپنے پرانے اور وفادار ملازم کی بات پر زیادہ تھی اور روپ متی کی اس حمایت نے جلتی پر تیل تھا۔

تیج سنگھ کے جانے کے چند سیکنڈ بعد ہی وہی داخل ہوا جسے یہاں آتے ہوئے میں نے راہ اسٹول پر بیٹھے دیکھا تھا۔

"رنگو۔" روپ متی اس کی طرف دیکھتے "ہمارے لیے ناشتا لے کر آؤ۔ بھوک لگ رہی سنو۔ ناشتا دو آدمیوں کا ہونا چاہیے۔ سمجھے۔"

رنگو سر ہلاتا ہوا واپس چلا گیا۔ روپ متی ا والے دروازے کے قریب ہی کھڑی تھی۔ وہ۔ اٹھاتی ہوئی میرے قریب آگئی۔

"ہمیں صبح سویرے ہوا خوری کی عادت ہے اٹھ کر عقبی لان میں چلے گئے تھے۔" وہ کہہ رہی میں ایک بار پھر وہی کھنک لوٹ آئی تھی "ہمیں کہ ہماری عدم موجودگی میں تمہیں تیج سنگھ کی ز ہونا پڑا۔ ہم یہ بھی سمجھتے ہیں کہ اس نے یہ سب لیکن ہمیں امید ہے کہ وہ آئندہ ایسی کوئی حرکت گا۔"

میں تو کہنا چاہتا تھا کہ میرے ساتھ اتنی مہربانی کیوں؟ میں تو ایک غلام ہوں لیکن الفاظ میں آسکے۔ اس نے ایک قدم مزید آگے بڑھ کر میرا پکڑ لیا۔ چند لمحے چھڑی کے اس سرخ نشان کو جھک کر اپنے ہونٹ میرے بازو پر ٹھیک اس جگ جہاں چھڑی کی ضرب نے سرخ لکیر بنا دی تھی۔

میرے روم روم میں سنسنی کی لہریں سی دوڑ

دھماکے سے ہونے لگے۔ دل کی کیفیت تو یہ تھی جیسے سینے پنجرہ توڑ کر باہر نکل جائے گا۔ ایک عجیب بے خودی کی سی یت تھی جو مجھ پر طاری ہورہی تھی۔ میں نے سر جھٹک کر نے حواس پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے روپ متی کی ف دیکھا۔ اس کے شعلوں کی طرح تپتے ہوئے ہونٹ اب ے میرے بازو کی سرخ لکیر پر تھے اور نظریں میرے چہرے کی ی اٹھی ہوئی تھیں۔ اس کی آنکھوں میں عجیب سی چمک ے میں نے بڑی آہستگی سے اس سے اپنا بازو چھڑا لیا۔ وہ گہرا سانس لے کر رہ گئی۔

میں نے صرف ایک لمحے کو اس کی طرف دیکھا اور پھر ہوئی کرسیاں وغیرہ درست کرنے لگا اور پھر میں مسہری کے سے گھوم کر کمرے کی عقبی کھڑکی کی طرف چلا گیا اور ی پردہ سمیٹ کر ایک طرف ہٹانے لگا۔

عمارت کے عقب میں بہت وسیع و عریض اور بہت صورت لان تھا جس میں دو تالاب بھی بنے ہوئے تھے فوارے بھی لگے ہوئے تھے۔ سبز مخملیں گھاس کے اف میں کیاریوں میں انواع و اقسام کے پھول کھلے ہوئے ۔ یہ خوب صورت لان عقبی فصیل تک پھیلا ہوا تھا جو ت سے تقریباً پچاس گز کے فاصلے پر تھی۔ فصیل کے ساتھ ناریل کے درخت بھی قطاروں کی صورت میں ہوئے تھے۔ فصیل اگرچہ خاصی بلند تھی مگر اس کے اوپر ارتاروں کی باڑ لگی ہوئی تھی۔ فصیل کے دوسری طرف نک جنگل پھیلا ہوا تھا۔

باہر کی فضا میں دھوپ چھاؤں کا منظر تھا۔ آسمان پر کے بڑے بڑے ٹکڑے تیر رہے تھے۔ سورج کبھی کسی رے کے پیچھے چھپ جاتا اور کبھی سامنے آکر دنیا پر سنہری ں نچھاور کرنے لگتا۔

میں کھڑکی کے قریب کھڑا یہ دل فریب منظر دیکھ رہا تھا کہ ردن پر گرم گرم سانسوں کا لمس محسوس کرکے چونک ہستگی سے گردن گھما کر پیچھے دیکھا تو روپ متی میرے کھڑی تھی۔ اتنا قریب کہ اس کی سانسیں میری گردن کو ہی تھیں۔ میں نے روپ متی کے چہرے کی طرف۔ اس کی آنکھوں میں سرخی تھی۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ ی شب بیداری کی وجہ سے تھی یا اس کی وجہ کچھ اور

میں پہلو بچا کر اس کے قریب سے گزر گیا اور مسہری پر چادر درست کرنے لگا پھر تکیے کو ٹھیک طرح سے اس کی رکھا اور ادھر ادھر دیکھتے ہوئے سوچنے لگا کہ اب مجھے کیا کرنا چاہیے۔

روپ متی کو اپنی طرف آتے دیکھ کر میں سنبھل گیا۔ اس کے ہاتھ میں ایک چھوٹی سی ڈبیا دیکھ کر میں چونکے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ اسٹین لیس اسٹیل کی یہ ڈبیا پالش کی ڈبیا سے زیادہ بڑی نہیں تھی۔

"لاؤ۔ تمہارے زخم پر یہ مرہم لگا دوں۔ تکلیف سے نجات مل جائے گی۔" وہ میرے سامنے رکتے ہوئے بولی۔

مجھے شدید جلن کی تکلیف تو ہو رہی تھی لیکن میں ضبط کیے ہوئے تھا۔ میں نے ڈبیا لینے کے لیے ہاتھ آگے بڑھا دیا مگر اس نے ڈبیا میرے ہاتھ میں دینے کے بجائے ڈھکنا ہٹا کر انگلی سے مٹیالے سے رنگ کا مرہم نکالا اور میرے بازو کے زخم پر لگانے لگی۔ چھڑی کی ضرب سے کھال پھٹی نہیں تھی' سرخ ہوگئی تھی جس میں شدید جلن ہو رہی تھی۔ مرہم لگتے ہی مجھے سکون سا مل گیا۔ یہ اس مرہم کا کمال تھا یا روپ متی کی انگلی کے لمس کا اثر کہ جلن بتدریج غائب ہوتی چلی گئی اور ٹھنڈک کا احساس ہونے لگا۔

"بس کیجئے مالکن۔ اب مجھے تکلیف نہیں ہو رہی۔" میں نے مدھم سے لہجے میں کہا۔

روپ متی نے ہاتھ ہٹا لیا۔ میں نے اس کے دوسرے ہاتھ سے ڈبیا لے لی اور ڈھکنا اٹھا کر ڈبیا پر لگانے لگا۔ روپ متی ہاتھ دھونے کے لیے ملحق باتھ روم میں گھس گئی اور ٹھیک اسی وقت دروازے پر ہلکی سی دستک ابھری۔

میں نے ڈبیا ڈریسنگ ٹیبل پر رکھ دی اور سٹنگ روم میں آکر باہر کا دروازہ کھول دیا۔ وہ دربان رنگو تھا جس کے ساتھ ایک اور آدمی بھی تھا۔ اس نے ایک بڑی سی ٹرے اٹھا رکھی تھی جس میں رکھے ہوئے ناشتے کی چیزیں ایک خوان پوش سے ڈھکی ہوئی تھیں۔

میں نے اسے اندر آنے کا راستہ دے دیا اور ٹرے کافی ٹیبل پر رکھنے کا اشارہ کیا۔ اس نے آگے بڑھ کر ٹرے میز پر رکھ دی اور پھر دو گلاس اور پانی سے لبریز جگ بھی باہر سے لاکر رکھ دیے۔

ان دونوں کے جانے کے بعد میں نے دروازہ بھیڑ دیا اور وہیں کھڑے ہو کر روپ متی کا انتظار کرنے لگا اور پھر اسے آنے میں دو منٹ سے زیادہ نہیں لگے تھے۔ وہ میز کے سامنے صوفے پر بیٹھی تو میں نے مؤدبانہ انداز میں جھک کر ٹرے پر سے خوان پوش اٹھا لیا اور دونوں ہاتھ سینے پر باندھ کر ایک طرف کھڑا ہوگیا۔

"یہ ناشتا میں نے دونوں کے لیے منگوایا ہے۔ بیٹھو تم

بھی۔" روپ متی نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"مالکن۔ غلام پر اتنی مہربانی نہ کیجئے کہ وہ غلامی کے آداب کو فراموش کردے۔ آپ ناشتا کیجئے۔ میں بعد میں کھالوں گا۔" میں نے کہا۔

وہ چند لمحے عجیب سی نظروں سے میری طرف دیکھتی رہی پھر بولی۔

"غلام! ہاں ٹھیک ہے' تم میرے غلام ہو۔ میں نے ایک بڑی رقم خرچ کرکے تمہیں خریدا ہے لیکن تم ناشتا میرے ساتھ بیٹھ کر کرو گے۔ یہ میرا حکم ہے۔"

میں روپ متی کا حکم نہیں ٹال سکتا تھا۔ اس کے سامنے دوسرے صوفے پر بیٹھ گیا۔ پراٹھے' انڈے کا آملیٹ' آلو میتھی کی بھجیا اور ایک کٹوری میں اچار بھی تھا۔ روپ متی نے ناشتا شروع کیا تو میں نے بھی ہاتھ بڑھا دیا۔ اس وقت مجھے واقعی بہت سخت بھوک لگی تھی اس لیے بے تکلفی سے کھانے لگا۔ یہ احساس تو مجھے بہت بعد میں ہوا کہ روپ متی نے ٹرے خالی ہونے تک صرف دو چار نوالے ہی لیے تھے اور وہ ہاتھ روکے بیٹھی دلچسپ نظروں سے میری طرف دیکھ رہی تھی۔

"بھوجن اور منگواؤں؟" اس نے کہا۔

"نہیں مالکن۔" میں نے یہ کہتے ہوئے پلیٹ کی طرف دیکھا۔ اس میں اب چپا پراٹھا ہی رہ گیا تھا یا پھر تھوڑا سا آملیٹ بچا تھا۔ مجھے واقعی بہت شرمندگی ہو رہی تھی "مجھے افسوس ہے مالکن۔ میں نے کھانا کھانے کے آداب کا بھی خیال نہیں رکھا۔ مجھے اس طرح ندیدے پن کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہیے تھا۔"

"تمہیں بھوک لگی ہوئی تھی' تم نے کھالیا۔ اس میں ندیدے پن کی کیا بات ہے اور اس میں شرمندہ ہونے کی بھی ضرورت نہیں۔" روپ متی نے یہ کہتے ہوئے پلیٹ میں بچا ہوا پراٹھا اٹھالیا "جب آدمی کھانے کے لیے بیٹھا ہو تو اسے کسی قسم کی جھجک کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہیے۔ دسترخوان سے خالی پیٹ اٹھ جانے کو میں حماقت ہی سمجھتی ہوں۔"

میں جواب میں کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ دروازے پر پہلے ہلکی سی دستک کی آواز ابھری اور پھر دروازہ کھل گیا۔

تیج سنگھ اور دھرمیش کو اندر داخل ہوتے دیکھ کر میرے دل کی دھڑکن بڑھ گئی لیکن میں نے فوراً ہی اپنی کیفیت پر قابو پالیا اور اپنی جگہ پر بیٹھا رہا۔

مجھے روپ متی کے ساتھ کھانے کی میز پر اس طرح بیٹھے دیکھ کر وہ دونوں سُلگ اٹھے تھے۔ دونوں کی آنکھوں میں چنگاریاں سی بھر گئی تھیں۔

تیج سنگھ کا سیدھا ہاتھ اب پھر گلے میں لٹکا رکھا ہوا تھا۔ اس کی ناک پھول کر کپوڑا ہو رہی تھی اور ناک کے اوپر کسی قسم کی دوا لگائی گئی تھی۔ اس کی بھی سوجا ہوا تھا۔ جبکہ دھرمیش کی پیشانی پر بھی آرہی تھی۔ اس کا چہرہ ستا ہوا تھا اور صورت بیمار نظر آرہا تھا۔

"کیا بات ہے تیج سنگھ ..... اور تم کیسے ہو" روپ متی نے باری باری دونوں کی طرف دیکھا لہجے میں بے اعتنائی نمایاں تھی۔

"ٹھیک ہوں راج کماری۔" دھرمیش نے "ہم پوچھنے آئے تھے کہ ہمارے لیے کیا حکم ہے"

"میں نے شاید تیج سنگھ سے کہہ دیا تھا کہ کرکے روانہ ہوجاؤ۔ ہم شام کو یہاں سے روپ متی نے جواب دیا۔

"راج کماری۔" اس مرتبہ تیج سنگھ بولا "رات ہوجائے گی اور آپ جانتی ہیں کہ راستہ بغیر محافظوں کے اس علاقے میں رات کے وقت

"کیا تم لوگ میری حفاظت کرسکتے ہو؟" بات کاٹتے ہوئے باری باری ان دونوں کو گھورا جاؤ اور میری فکر مت کرو۔ میں راج بھون پہنچ فیصلہ کروں گی۔"

تیج سنگھ نے کچھ کہنا چاہا مگر روپ متی نے اسے روک دیا اور زبان سے کچھ کہے بغیر انہیں اشارہ کیا۔

وہ دونوں خوں خوار نظروں سے میری طرف چلے گئے۔ روپ متی نے جس انداز میں واپس فیصلہ کرنے کی بات کہی تھی' اس سے مجھے اندازہ دونوں اس کے ملازم تھے اور غالباً باڈی گارڈ جس طرح میرے ہاتھوں پٹے تھے' روپ متی طرح بددل ہوگئی تھی۔

یہ سب کچھ اچانک ہی ہوا تھا اور میر روپ متی کا اس طرح رویہ تبدیل کرلینا مناسب وہ بھی اس وقت جبکہ وہ اپنے گھر سے دور تھی کے لیے خطرناک بھی ثابت ہوسکتے تھے۔ میں کا اظہار کیا تو روپ متی کے ہونٹوں پر خفیف آگئی۔

"مجھے درندے پالنے کا شوق ہے۔" وہ بولی

سُدھانا اور انہیں کنٹرول میں رکھنا جانتی ہوں۔ جو جانور سرکشی کرتا ہے یا میں سمجھتی ہوں کہ وہ میرے کام کا نہیں رہا' میں اسے گولی مار دیتی ہوں۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولی "یہ دونوں بھی میرے پالتو ہیں۔ میں نے انہیں اپنی حفاظت کے لیے رکھا تھا لیکن اب یہ بھونکتے زیادہ اور کام کم کرتے ہیں۔ واپس جاکر ان کا فیصلہ کروں گی۔"

میرے کانوں کی لویں تپنے لگیں۔ روپ متی کی بات بالکل واضح تھی۔ اس نے کتے پالے تھے جو اب نہ صرف سرکشی پر آمادہ تھے بلکہ ان میں پہلے جیسا دم خم بھی نہیں رہا تھا۔ اسے اپنی دانست میں میری صورت میں ایک نیا اور تازہ دم کتا مل گیا تھا اور وہ ان دونوں ناکارہ کتوں سے چھٹکارا حاصل کرنے کا فیصلہ کرچکی تھی۔

روپ متی نے شاید میری کیفیت کو محسوس کرلیا تھا۔ وہ گہری نظروں سے میری طرف دیکھتی رہی لیکن زبان سے کچھ نہیں بولی۔

میں نے اٹھ کر برتن سمیٹے اور باہر لے جاکر دربان رنگو کے حوالے کردیے۔ میں واپس آیا تو وہ خواب گاہ میں جاچکی تھی۔ میں نے ایک کرسی کی پشت پر پڑا ہوا کپڑا اٹھا کر میز صاف کی اور خواب گاہ کے دروازے میں جھانکنے لگا۔

روپ متی اس کمرے میں بھی نظر نہیں آئی۔ وہ باتھ روم میں تھی۔ میں پیچھے ہٹ کر ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ اب میری جھجک دور ہوچکی تھی۔ روپ متی نے مجھے غلام کی حیثیت سے خریدا تھا لیکن ابھی تک میرے ساتھ غلاموں جیسا سلوک نہیں کیا تھا۔ ناشتا بھی مجھے اپنے ساتھ بٹھا کر کرایا تھا۔ غلاموں یا نوکروں کے ساتھ ایسا مہربانی کا سلوک نہیں کیا جاتا جس کا واضح مقصد تھا کہ اس نے مجھے کسی اور مقصد کے لیے خریدا تھا اور میری خاطر اپنے دو پرانے ملازموں بہ الفاظِ دیگر باڈی گارڈز کو بھی برطرف کرنے کا فیصلہ کرلیا تھا۔

میں کرسی پر ٹیک لگائے بیٹھا یہی سب کچھ سوچتا رہا۔ شاید آدھا گھنٹا گزر گیا تھا۔ خواب گاہ سے کوئی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ میرا خیال تھا کہ روپ متی باتھ روم سے نکل کر مسہری پر سوگئی ہوگی۔ وہ بھی تو رات بھر جاگی تھی۔ پہلے میں نے سوچا کہ اندر جھانک کر دیکھ لوں مگر پھر اس خیال کو ذہن سے نکال دیا اور اپنی جگہ پر بیٹھا رہا۔

چند منٹ اور گزر گئے اور پھر خواب گاہ سے ہلکی سی آواز سن کر میں چونک گیا۔ میری نظریں بے اختیار دروازے کی طرف اٹھ گئیں۔ دروازے کے سامنے ہلکے نیلے رنگ کا غالباً شیفون کا باریک سا پردہ پڑا ہوا تھا جو تھوڑا سا سمٹا ہوا تھا۔ سامنے والی دیوار کے ساتھ ڈریسنگ ٹیبل پڑی ہوئی تھی۔ ڈریسنگ ٹیبل ذرا سی آڑی رکھی ہوئی تھی اور اس کے آئینے میں کمرے کے دوسرے حصے کا منظر دیکھا جاسکتا تھا۔

آئینے پر نظر پڑتے ہی میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ کنپٹیاں سلگ اٹھیں اور دماغ میں دھماکے سے ہونے لگے۔ روپ متی باتھ روم سے بے لباس ہی باہر نکل آئی تھی۔ میں نے آنکھیں بند کرلیں۔

چند منٹ بعد میں نے آنکھیں کھول دیں۔ روپ متی لباس پہن چکی تھی لیکن وہ لباس بھی ایسا تھا کہ اس کے بدن کے خطوط نمایاں ہوگئے تھے۔ اس وقت تولیا اس نے پگڑی کی طرح سر کے بالوں پر لپیٹ رکھا تھا۔ تولیا سر سے ہٹاتے ہوئے اس کی نظریں ڈریسنگ ٹیبل کی طرف اٹھ گئیں۔

ایک لمحے کو ہماری نگاہوں کا تصادم ہوا اور روپ متی کے ہونٹوں پر دل فریب مسکراہٹ آگئی۔ میرے دل کی دھڑکن ایک بار پھر تیز ہوگئی۔ مجھے اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ بہت پہلے روپ متی نے بھی مجھے ڈریسنگ ٹیبل کے آئینے میں دیکھ لیا تھا۔

وہ تولیے سے بالوں کو جھٹک رہی تھی پھر اس نے تولیا ایک طرف ڈال دیا اور مسہری کے اوپر سے گھوم کر ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھ کر برش سے بال سنوارنے لگی۔ میں اسی جگہ پر بیٹھا اسے دیکھتا رہا۔

اپنے آپ کو بنانے سنوارنے میں اسے آدھا گھنٹا لگ گیا اور پھر وہ اٹھ کر کھڑی ہوگئی۔ اس نے مجھے اشارے سے اندر بلالیا۔

"کیسی لگ رہی ہوں؟" اس نے ہونٹوں پر دلکش مسکراہٹ لاتے ہوئے پوچھا۔

میں چونک گیا۔ وہ اپنے غلام سے پوچھ رہی تھی کہ کیسی لگ رہی ہے اور اس میں شبہ نہیں کہ ہلکے سے میک اپ میں اس کا حسن نکھر آیا تھا۔ اس نے گرے رنگ کا ٹخنوں تک اسکرٹ پہن رکھا تھا جس کے ایک طرف اوپر تک چاک تھا۔ وہ اس طرح کھڑی تھی کہ چاک کھل گیا تھا اور اس کی ٹانگ ران تک برہنہ ہورہی تھی۔ جسم کے بالائی حصے پر رنگ کا نہایت مختصر بلاؤز تھا۔ کانوں میں ہیرے کے آویزے اور گلے میں خوب صورت لاکٹ تھا جس میں جڑا ہوا بلب کی روشنی میں جگمگا رہا تھا۔

"بہت اچھی مالکن۔" یہ الفاظ میرے منہ سے

مشکل سے نکلے تھے۔

روپ متی کے ہونٹوں کی مسکراہٹ گہری ہوگئی۔ اس کے رخسار پر نمودار ہونے والا ننھا سا ڈمپل اس کے حسن میں اضافے کا باعث بن رہا تھا۔

روپ متی نے مڑ کر ایک بار پھر آئینے میں اپنا جائزہ لیا اور دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے مجھے ساتھ آنے کا اشارہ کیا۔

اس وقت دس بجنے والے تھے۔ راہداری میں اِکّا دُکّا لوگوں کی آمدورفت جاری تھی۔ ہم زینے سے ہوتے ہوئے نیچے آگئے۔ نچلی راہداری میں زیادہ لوگوں کی آمدورفت تھی۔ جو لوگ رات بھر جاگتے رہے تھے وہ تو شاید اپنے کمروں میں جاچکے سو رہے تھے لیکن صبح سے اب تک بہت سے نئے لوگ بھی آگئے تھے اور ایک دوسرے سے ملاقاتیں کررہے تھے۔

لوگ عجیب سی نظروں سے روپ متی کو اور مجھے دیکھ رہے تھے۔ روپ متی کو اپنے حسن و شباب پر فخر تو تھا ہی' وہ مجھ پر بھی گھمنڈ کررہی تھی۔ اس نے اپنی شان بڑھانے کے لیے مجھے اپنے ساتھ لیا تھا۔ اس کے کچھ شناسا بھی ملے تھے اور وہ لوگ مجھ جیسے خوب رو غلام کی خریداری پر اسے مبارک باد دے رہے تھے۔

روپ متی اپنی شان بڑھانے کے لیے مجھے ساتھ لے کر تقریباً دو گھنٹوں تک اس محل نما عمارت میں گھومتی رہی اور بعض لوگوں سے ملاقاتیں کرتی رہی۔

عمارت کے سامنے والا وسیع و عریض کمپاؤنڈ اب بھی پوری طرح آباد تھا اور ایک بہت بڑی کاروان سرائے کا منظر پیش کررہا تھا۔ آنگن کے وسط میں کہیں اونٹ بندھے ہوئے نظر آرہے تھے اور کہیں خچر یا گھوڑے۔ ہر طرف لوگوں کی آمدورفت جاری تھی البتہ وہ بارہ دری ویران تھی جہاں گزشتہ رات غلاموں اور کنیزوں کی نیلامی ہوئی تھی۔ یہاں کا کاروبار تو رات کا اندھیرا پھیلنے کے بعد شروع ہوتا تھا۔

روپ متی کے ساتھ گھومتے ہوئے میں متجسس نگاہوں سے چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔ مجھے جس چیز کی تلاش تھی وہ نظر نہیں آئی۔ ٹھاکر بھنور سنگھ بھی کہیں دکھائی نہیں دیا اور ایک موقع پر یہ معلوم ہوگیا کہ ٹھاکر بھنور سنگھ آج صبح سویرے ہی اپنے آدمیوں کو لے کر یہاں سے چلا گیا تھا۔ اس کے ایک جاننے والے نے روپ متی کو بتایا کہ بھنور سنگھ تو کل رات بھی ٹھہرنے کے موڈ میں تھا مگر کسی نے اسے ڈرا دیا کہ روپ متی کے نئے غلام نے آج صبح ہی تج سنگھ کی دھنائی کردی تھی اور ممکن ہے' وہ جانکی کو حاصل کرنے کے لیے اس (بھنور سنگھ) سے بھی بھڑ جائے۔ اس لیے بھنور سنگھ کوئی اور کنیز خریدنے کا خیال ذہن سے نکال کر روپ متی سے تحفے میں ملنے والی کنیز پر ہی اکتفا کرکے واپس چلا گیا تھا۔

میرے دل پر گھونسا سا لگا۔ جانکی جا چکی تھی۔ مجھے پتا نہیں وہ کہاں گئی تھی لیکن مجھے بہرحال اسے تلاش کرنا تھا اور یہ اسی صورت میں ممکن تھا جب میں خود آزادی حاصل کرلیتا۔ میری آزادی سلب ہوچکی تھی لیکن اپنے ساتھ روپ متی کا طرزِ عمل دیکھ کر مجھے امید ہوچلی تھی کہ میں بہت جلد اپنے مقصد میں کامیاب ہوجاؤں گا۔

ہم عمارت سے نکل کر عقبی لان میں آگئے۔ یہاں بھی بڑی رونق تھی۔ آسمان پر اب بھی بادل تیر رہے تھے اور موسم بڑا خوشگوار تھا۔ یہاں مجھے پہلی مرتبہ روپ متی جیسی ایک حسین عورت نظر آئی۔ اس نے بھی شان دار لباس پہن رکھا تھا۔ وہ روپ متی کو دیکھ کر تیزی سے اس کی طرف بڑھی۔ روپ متی نے بھی اسے دیکھ لیا۔

دونوں بڑے پُرجوش انداز میں ایک دوسرے سے ملیں۔ روپ متی کے ساتھ مجھے دیکھ کر اس عورت کی آنکھوں میں چمک سی ابھر آئی۔

"میں ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی یہاں پہنچی ہوں۔" وہ روپ متی سے کہہ رہی تھی "مجھے آتے ہی پتا چل گیا تھا کہ تم نے کیا خریدا ہے۔ واقعی تمہارے ذوق کی داد دینی پڑتی ہے۔ تمہارے اس غلام کے بارے میں جیسا سنا تھا ویسا ہی پایا۔"

وہ بات تو روپ متی سے کررہی تھی لیکن اس کی نظریں میرے سراپا کا جائزہ لے رہی تھی "لیکن سنا ہے یہ بڑا خطرناک ہے اور تم نے اسے اس طرح آزاد چھوڑ رکھا ہے۔"

"یہ مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا۔" روپ متی نے مسکراتے ہوئے جواب دیا "اور یوں بھی ہر ایک کے گلے میں پٹا اچھا نہیں لگتا۔"

وہ دونوں باتیں کرتی ہوئی کچھ آگے نکل گئیں اور میں وہیں کھڑا رہا۔ چند سیکنڈ بعد ہی اپنے کندھے پر کسی کے ہاتھ کا دباؤ محسوس کرکے میں چونک گیا۔ مڑ کر دیکھا تو چتوڑ گڑھ کے راج کمار کنور بلونت سنگھ کو دیکھ کر میرے دل کی دھڑکن تیز ہوگئی لیکن میں نے فوراً ہی اپنی کیفیت پر قابو پالیا۔ وہ میرے سامنے آگیا اور مجھے اس طرح ٹٹول کر دیکھنے لگا جیسے بکرا خریدنے سے پہلے دیکھا جاتا ہے۔

"شان دار۔" وہ بولا "روپ متی نے واقعی ہیرا خریدا ہے لیکن وہ اس کی حفاظت نہیں کرسکے گی۔ تم جیسے غلام تو ہم

جیسے مردوں کے پہلو میں کھڑے اچھے لگتے ہیں۔ وہ تو تمہیں نچوڑ ڈالے گی۔ میں جانتا ہوں' اس نے تمہیں کیوں خریدا ہے۔ کچھ ہی عرصے میں جب تمہاری قوت دم توڑے گی تو وہ تمہیں اٹھا کر اصطبل میں پھینک دے گی۔ وہ اس آدمی کو دیکھ رہے ہو۔" اس نے ایک طرف کھڑے ہوئے دبلے پتلے مگر دراز قامت شخص کی طرف اشارہ کیا۔ اس کے گال نارنگی کی طرح پچکے ہوئے اور آنکھیں اندر کو دھنسی ہوئی تھیں "دو سال پہلے یہ بھی تمہاری طرح نہایت خوب رو اور تندرست و توانا تھا۔ اسے دیکھ کر عورتیں ٹھنڈی سانس بھرا کرتی تھیں۔ روپ متی نے اسے اسی منڈی سے تمہاری طرح منگے داموں خریدا تھا مگر دو سال کے عرصے میں اسے اس طرح نچوڑ کر پھینک دیا کہ اب وہ اپنے جیون سے بھی بیزار ہو رہا ہے لیکن... میں تم پر ایسا وقت نہیں آنے دوں گا۔"

"حکم! آپ کہو تو ہم اسے بھی اٹھا کر لے جائیں۔ دیکھاں گے کہ وہ چھوکری کیا کرلیوے گی۔" بلونت سنگھ کے قریب کھڑے ہوئے ایک لمبے تڑنگے شخص نے کہا۔ اس کے ساتھ ایک اور آدمی بھی تھا اور وہ دونوں مسلح تھے۔ مجھے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ وہ بلونت سنگھ کے محافظ تھے۔

"نہیں۔" بلونت سنگھ نے ہاتھ اٹھا دیا "روپ متی ہماری پرانی جانکار ہے۔ میں شریفانہ طور پر ایک اور کوشش کرلینا چاہتا ہوں۔ اگر بات نہ بنی تو پھر گھی نکالنے کے لیے انگلی ٹیڑھی کرنی ہی پڑے گی۔"

وہ نپے تلے قدم اٹھاتا ہوا اس طرف چل دیا جہاں روپ متی اپنی دوست کے ساتھ باتیں کر رہی تھی۔ میں نے آگے بڑھنا چاہا تو بلونت سنگھ کے محافظوں نے مجھے روک لیا۔

"دو مالک آپس میں بات کر رہے ہوں تو غلاموں کو ان سے دور ہی رہنا چاہیے۔" ان میں سے ایک نے مجھے گھورتے ہوئے کہا۔

میں بھی اسے گھور کر رہ گیا۔ ایک بار تو میرا دل چاہا تھا کہ ان کے ہولسٹروں میں پستولوں کی پروا کیے بغیر بھڑ جاؤں لیکن پھر یہ خیال ذہن سے نکال دیا۔ میں فی الحال اپنے دشمنوں کی تعداد میں اضافہ نہیں کرنا چاہتا تھا اور ویسے بھی میرا اس معاملے سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ اس شخص نے ٹھیک ہی کہا تھا کہ جب دو مالک آپس میں بات کر رہے ہوں تو غلاموں کو دور ہی رہنا چاہیے۔

میں اپنی جگہ پر کھڑا اس طرف دیکھتا رہا۔ کنور بلونت سنگھ اور روپ متی باتیں کر رہے تھے۔ پہلے تو ان دونوں کے چہروں پر مسکراہٹ تھی لیکن پھر بتدریج تاثرات بدلتے گئے۔ روپ متی کے حسین چہرے پر تناؤ سا پیدا ہو گیا تھا۔

بلونت سنگھ نے مڑ کر اپنے آدمیوں کی طرف دیکھا اور ایک طرف چل پڑا۔ اس کے چہرے پر بھی تناؤ سا تھا۔ اس کے دونوں محافظ بھی تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے اس کے پیچھے چل دیے تھے۔ میں بھی لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا روپ متی کے قریب پہنچ گیا۔

"مالکن!" میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "اگر حکم دیں تو میں کنور بلونت سنگھ کو اس کی گستاخی کا مزہ چکھا دوں۔"

"نہیں۔" روپ متی نے نفی میں سر ہلا دیا "میں کوئی بدمزگی نہیں چاہتی۔ ہمیں آج شام سے پہلے یہاں سے چلے جانا ہے۔ بلونت سنگھ بھی دو چار روز بعد سب کچھ بھول جائے گا۔"

میں دیکھ رہا تھا کہ روپ متی کا موڈ آف ہو گیا تھا۔ میں نے جب اسے بلونت سنگھ کے محافظ کی بات بتائی' یعنی مجھے اٹھا لینے والی' تو اس کی آنکھوں میں تشویش کی لہریں ابھر آئیں۔

"اچھا ہوا تم نے بتا دیا۔" وہ مدھم لہجے میں بولی "اس سے کسی بھی اقدام کی توقع کی جاسکتی ہے لیکن مجھے اس کا بندوبست کرنا پڑے گا۔"

اور پھر میرے لیے یہ انکشاف خاصا دلچسپ ثابت ہوا تھا کہ یہاں اس قسم کے واقعات ہوتے رہتے تھے۔ کسی غلام یا کنیز کی بولی پر دو پارٹیوں میں ٹھن جاتی اور کبھی کبھار تو آدھ لاش بھی گر جاتی تھی۔ کبھی کوئی حریف پارٹی کسی اس کا خریدا ہوا غلام یا کنیز چھین لی جاتی تھی۔ زیادہ واردا کنیزوں کے چھیننے کی ہوتی تھیں۔ یہاں آنے والے دول مند لوگ عیاشی کے لیے حسین کنیزیں خرید کرلے جاتے اور جب ان سے دل بھر جاتا تو انہیں اپنے شہروں طوائفوں کے ہاتھ فروخت کردیا جاتا تھا۔

غلاموں یا کنیزوں کو طاقت کے بل بوتے پر چھیننے واردا تیں اس محل نما عمارت کے باہر ہی پیش آتی تھیں ان واردا توں میں بھی کبھی ایک آدھ لاش گر جاتی تھی کبھی تو وہ کنیز ہی ماری جاتی تھی جس کے لیے یہ سارا کھڑا ہوتا لیکن قانون کسی کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ قانون ہاتھ لمبے ضرور تھی مگر یہ جگہ تو قانون کے ہاتھوں کی پہنچ بہت دور تھی اس لیے یہاں کسی کے دل میں قانون کا خ نہیں تھا۔

روپ متی ایک بار پھر تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی عما

آئی۔ میرا خیال تھا کہ وہ اپنے کمرے میں واپس جائے گی اندر داخل ہو کر وہ پہلی راہداری میں بائیں طرف مڑ گئی ایک کمرے کا دروازہ کھول کر بے دھڑک اندر داخل ئی۔ میں بھی اس کے پیچھے ہی تھا۔

یہ بہت بڑا کمرا دفتر کے طور پر آراستہ تھا۔ فرش پر دبیز ن اور شان دار صوفے بچھے ہوئے تھے اور اس وقت... تم نصف درجن آدمی ان صوفوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔ نے ایک بہت شان دار آفس ٹیبل تھی جس کے پیچھے ایک ادھیڑ عمر بہت بھاری بھرکم آدمی بیٹھا ہوا تھا۔ ی پر منجھا کو تاہ گردن' پیشانی تنگ اور آنکھیں چہرے کے سے بہت چھوٹی تھیں۔ تانبے جیسی رنگت پر بڑی بڑی مونچھیں اس کے چہرے پر کچھ عجیب سا تاثر دے رہی تھی۔ وہ ماروا ڑی تھا اور اس نے لباس بھی ماروا ڑی طرز کا رکھا تھا۔

اس کے سامنے کرسی پر دو آدمی بیٹھے ہوئے تھے جن سے تیں کر رہا تھا۔ روپ متی کو دیکھ کر وہ گنجا ماروا ڑی اٹھ کر ا ہو گیا اور ہونٹوں پر بھدی سی مسکراہٹ لاتے ہوئے ں ہاتھ جوڑ دیے۔ وہ غلاموں کی اس منڈی کا مالک ھے تھا۔ جب وہ اٹھ کر کھڑا ہوا تو اس کی ہیبت دیکھ کر دل ہی دل میں مسکرائے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ اس کی توند کی طرح آگے کو نکلی ہوئی تھی۔

میں دروازے کے قریب ہی کھڑا ہو گیا تھا جبکہ روپ میز کے قریب جا کر رک گئی۔ اس نے مدھم لہجے میں ھے سنگھ سے کچھ کہا اور ادھے سنگھ نے اپنی کرسی سے ہٹ کر پچھلی طرف کا ایک دروازہ کھول دیا اور روپ کو ہاتھ سے اشارہ کیا۔ روپ متی اندر داخل ہو گئی۔ اس پیچھے ہی ادھے سنگھ بھی اندر غائب ہو گیا اور دروازہ بند ا۔

ادھے سنگھ کی ہیئت دیکھ کر میرے ذہن میں اس کے ے میں کچھ عجیب سا خیال ابھرا تھا۔ کوتاہ گردن' تنگ ی اور چھوٹی آنکھیں اس کے نہایت مکار اور کینہ پرور ن کی غمازی کر رہی تھیں اور در حقیقت ایسے ہی مکار اور لوگ قانون کی گرفت سے بے نیاز ہو کر بڑے پیمانے پر قسم کے گھناؤنے کاروبار کرسکتے ہیں۔

دفتر میں بیٹھے ہوئے لوگ بار بار میری طرف دیکھ رہے ۔ ان میں سے ایک آدمی اٹھ کر معنی خیز نگاہوں سے میری دیکھتا ہوا باہر چلا گیا تھا۔

تقریباً پندرہ منٹ بعد میز کے پچھلی طرف والا دروازہ کھلا اور پہلے روپ متی برآمد ہوئی پھر ادھے سنگھ باہر نکلا۔ اس نے رخصتی انداز میں روپ متی کو سلام کیا اور اپنی کرسی پر بیٹھ گیا۔

روپ متی میرے قریب سے گزرتی ہوئی دفتر سے باہر نکل گئی۔ میں بھی اس کے پیچھے ہی تھا۔ اس مرتبہ اس کا رخ زینے کی طرف تھا اور پھر چند منٹ بعد ہی ہم اس کے کمرے میں موجود تھے۔ کمرے میں داخل ہونے سے پہلے روپ متی نے دربان رنگو سے چائے لانے کو کہہ دیا تھا۔

کمرے میں داخل ہو کر روپ متی ایک صوفے پر ڈھیر ہو گئی۔ اس نے ایک پیر اٹھا کر سامنے کافی ٹیبل پر رکھ لیا۔ اس طرح اس کے اسکرٹ کا چاک کھل گیا تھا اور ٹانگ اوپر تک برہنہ ہو گئی تھی۔ میں سامنے کھڑا اس کی طرف دیکھتا رہا۔ اس کی خوب صورت آنکھوں میں الجھن اور چہرے پر تشویش اب بھی نمایاں تھی۔ کنور بلونت سنگھ سے ملاقات سے پہلے وہ بالکل تازہ دم تھی اور اب تھکی تھکی سی لگ رہی تھی۔ وہ آنکھیں موندے صوفے پر پڑی رہی۔

دس منٹ بعد دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی۔ میں نے آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا۔ وہ رنگو تھا۔ اس نے اندر داخل ہو کر چائے کی ٹرے میز پر رکھ دی اور واپس چلا گیا۔ میں نے دروازہ بند کردیا۔ میرا خیال تھا کہ دروازے پر دستک اور میز پر ٹرے رکھنے کی آواز سے وہ سنبھل کر بیٹھ جائے گی مگر اس نے نہ تو آنکھیں کھولیں اور نہ ہی میز سے پیر ہٹایا۔

"مالکن!" میں نے ہولے سے پکارا "چائے آگئی ہے۔"

اس نے آنکھیں کھول کر میری طرف دیکھا مگر پیر میز سے نہیں ہٹایا۔

"ٹھیک ہے۔ چائے بناؤ۔" اس کی آواز سے بھی تھکن کا اظہار ہو رہا تھا۔

میں میز کے قریب قالین پر بیٹھ کر چائے بنانے لگا۔ ٹرے میں دو کپ تھے۔ صبح رنگو نے مجھے روپ متی کے ساتھ بیٹھ کر ناشتا کرتے دیکھا تھا اس لیے سمجھ گیا تھا کہ میں کچھ اسپیشل قسم کا غلام ہوں۔ اس لیے وہ اس وقت چائے بھی ہم دونوں کے لیے لایا تھا۔

میں نے چائے بنا کر ایک کپ روپ متی کی طرف بڑھا دیا۔ اس مرتبہ اس نے پیر میز سے ہٹا لیا اور سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔ میں قالین پر ہی بیٹھا رہا اور دوسرا کپ میز پر اپنی طرف سرکا لیا۔ روپ متی نے مجھے کرسی یا صوفے پر بیٹھنے کو نہیں کہا۔ اس کا ذہن شاید کہیں اور الجھا ہوا تھا۔ وہ خاموش

بیٹھی چائے کی چسکیاں لیتی رہی۔

"مالکن!" بالآخر میں نے ہی جمود توڑا "آپ کچھ بجھی بجھی سی نظر آرہی ہیں۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ کنور بلونت سنگھ کی دھمکی نے آپ کو پریشان کر رکھا ہو؟"

"تم ٹھیک سمجھے۔" روپ متی نے گہرا سانس لیتے ہوئے جواب دیا "وہ بہت کینہ پرور آدمی ہے۔ میں نے بیج سنگھ اور دھرمیش کو پہلے بھیج کر غلطی کی ہے لیکن شاید کوئی غلطی نہیں کی۔ وہ دونوں مُہرے پٹ چکے ہیں۔ میرے لیے بیکار ہو چکے ہیں۔ تم نے جس طرح ان کی دھنائی کی تھی اس سے میں اندازہ لگا چکی ہوں کہ اب وہ کسی کام کے نہیں رہے لیکن بہرحال، میں نے اس کا بندوبست کرلیا ہے۔"

"کیسا بندوبست مالکن؟" میں نے پوچھا۔

"میں نے ادھے سنگھ سے بات کی تھی۔ تھوڑی دیر میں دو مسلح محافظ یہاں پہنچ جائیں گے جو جے پور تک ہمارے ساتھ جائیں گے۔" روپ متی نے کہا۔

"کیا آپ کو اپنے اس غلام پر بھروسا نہیں مالکن۔" میں نے کہا۔

اس نے چونک کر میری طرف دیکھا اور پھر اس کے لبوں پر خفیف سی مسکراہٹ آگئی۔

"میں نے تمہیں دوسرے لوگوں سے بالکل مختلف پایا ہے۔" وہ دھیمے لہجے میں بولی "جب کوئی نئی کنیز یا نیا غلام خریدا جائے وہ سرکشی ضرور دکھاتا ہے۔ میں نے تمہیں دیکھتے ہی اندازہ لگالیا تھا کہ تمہارا تعلق کسی اچھے خاندان سے ہے۔ تم نے اب تک جس طرح اطاعت کا مظاہرہ کیا ہے، اس سے میں سمجھ گئی ہوں کہ تم نے حالات سے سمجھوتا کرلیا ہے۔ یہ تم پر میرا اعتماد ہی تھا کہ میں نے دھرمیش اور بیج سنگھ کے مقابلے میں تمہاری حمایت کی حالانکہ وہ میرے پرانے خدمت گار ہیں اور میرے پیر چاٹتے ہیں لیکن ان کے مقابلے میں، میں نے تم پر زیادہ اعتماد کیا۔ یہ جانتے ہوئے کہ تم مجھے دھوکا نہیں دو گے۔ یہ تم پر میرا اعتماد ہی تو ہے کہ تم نقل و حرکت میں آزاد ہو اور میرے کسی محافظ کے بغیر یہاں میرے پاس موجود ہو ورنہ جو غلام خریدے جاتے ہیں ان کے گلوں میں طوق ڈال کر انہیں سلاخوں کے پیچھے بند رکھا جاتا ہے اور یہاں سے لے جانے کے لیے انہیں زنجیروں یا رسیوں سے باندھا جاتا ہے تاکہ وہ سرکشی دکھانے یا فرار ہونے کی کوشش نہ کریں مگر تم۔۔۔"

"آپ مجھے بے وفا نہیں پائیں گی مالکن۔" میں نے اس کی بات کاٹ دی "یہ درست ہے کہ آزادی سلب ہوجانے پر مجھے بھی دکھ ہے مگر آپ نے یہ بھی ٹھیک سوچا کہ بہ وقت سے سمجھوتا کرلیا ہے۔ وقت نے میری پیشانی پر غلا مہرلگائی ہے اور مجھے یقین ہے کہ وقت ہی یہ داغ صاف

روپ متی نے چائے کا آخری گھونٹ لے کر خالی میری طرف بڑھا دیا جسے میں نے میز پر رکھ دیا۔ وہ نظروں سے میری طرف دیکھ رہی تھی۔ میرے منہ سے ہوئے چند الفاظ سے اسے بڑا حوصلہ ملا تھا اور اس کے تاثرات بدل گئے تھے۔ آنکھوں میں بھی وہ تشویش نہیں رہی تھی۔

"تم کون ہو؟" اس کے یاقوتی لبوں سے سرسراتی سی آواز نکلی "غلاموں کی اس منڈی تک کیسے پہنچے ٹھاکر کے ہاتھ کیسے لگے؟"

"کیا آپ وجے ٹھاکر کو جانتی ہیں؟" میں نے نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"وہ صحرا کا چوہا ہے۔" روپ متی کے ہونٹوں پر سی مسکراہٹ آگئی "اسے راجستھان کا ہر وہ شخص جا جسے غلام یا کنیزیں پالنے کا شوق ہے۔ وجے ٹھاکر ہندوستان کے کونے کونے میں گھومتے رہتے ہیں، صورت عورتوں کو دھوکے سے اپنے جال میں پھنسا کر کے اس کے پاس پہنچا دیتے ہیں جنہیں ہر تین اس منڈی میں فروخت کردیا جاتا ہے۔ اس کے بار کہا جاتا ہے کہ وہ ہمیشہ بہترین مال لے کر منڈی میں اور اس میں کوئی شبہ بھی نہیں۔ اس منڈی کے علاو راجستھان کے مختلف شہروں میں حسین عورتیں راج کے پاس فروخت کرتا رہتا ہے مگر میں دیکھ چکی ہوں آدمیوں کے قابو میں آنے والے تو نہیں۔ وجے ٹھ ہتھے کیسے چڑھ گئے؟"

"یہ سب مقدر کا کھیل ہے مالکن۔" میں نے گہ لیتے ہوئے جواب دیا اور اپنی اصلیت ظاہر کیے بغ بارے میں بتانے لگا۔

"میں سنگاپور سے کراچی جانے کے لیے جس ہو میں سفر کررہا تھا وہ ایک حادثے کا شکار ہوگیا۔ ہم ہو کے حادثے میں تو بچ گئے مگر ہمیں ڈاکوؤں کے ایک گ گھیر لیا جن سے بچ کر ہم رات بھر صحرا میں بھٹکتے رہے چند لمحوں کو خاموش ہوا اور پھر اسے بعد کے واقعات لگا۔ میں آخر میں کہہ رہا تھا "ناہید بے چاری وجے اس کے آدمیوں کی ہوس کا شکار ہو کر اپنی جان

بیٹی۔ اس کی چھ سات سالہ بیٹی ہمارے ساتھ تھی۔ میں اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتا کہ وہ کہاں ہے۔ اسے کوئی خرید کرلے گیا یا ابھی تک وجے ٹھاکر کے قبضے میں ہے اور اپنی قسمت کے فیصلے کا انتظار کررہی ہے۔"

روپ متی فوری طور پر کچھ نہیں بولی۔ اس کی نظریں بار بار میرے چہرے کی طرف اٹھ رہی تھیں پھر وہ گہرا سانس لیتے ہوئے بولی۔

"اس جہاز کی تباہی کا تو بہت چرچا رہا ہے۔ ہیلی کاپٹروں اور ایئرفورس کے طیاروں کے ذریعے تلاش کی مہم شروع کی گئی تو دوسرے دن اس کا ملبا ریگستان میں پڑا ہوا ملا۔ جہاز کے زیادہ مسافر ملبے کے آس پاس ہی مل گئے۔ وہ بھوک پیاس اور شدید گرمی سے بدحال تھے۔ انہیں ہیلی کاپٹروں کے ذریعے جودھ پور پہنچا دیا گیا۔ کئی مسافر لاپتا تھے۔ ان کی تلاش اب بھی جاری ہے۔ جائے حادثہ سے میلوں دور مختلف سمتوں میں ایک عورت اور تین مردوں کی لاشیں بھی مل چکی ہیں جن کے بارے میں تصدیق ہوچکی ہے کہ وہ بدنصیب اسی جہاز کے مسافر تھے لیکن آٹھ مسافر ایسے بھی ہیں جن کی تلاش اب بھی جاری ہے اور تم بھی ان میں سے ایک ہو۔"

میں نے جواب دینے کے بجائے اثبات میں سرہلا دیا اور سوچنے لگا کہ طیارے کے حادثے کے بعد وہاں سے 'کسی پناہ کی تلاش میں روانہ ہونے والے چار تو ہم تھے۔ میں، 'جانکی' ناہید اور اس کی بیٹی بیلی۔ ہمارے بعد کچھ اور لوگ بھی پناہ کی تلاش میں ریگستان میں اِدھر اُدھر پھیل گئے۔ ان میں سے چار لقمۂ اجل بن گئے۔ اس طرح میرے حساب سے چار مسافر باقی رہ گئے تھے جو واقعی گمشدہ تھے اور ان کی تلاش جاری تھی۔ میرے خیال میں یا تو وہ کسی ایسی جگہ پہنچ گئے ہوں گے جہاں انہیں پناہ مل گئی ہو یا وہ بھی بھوک، پیاس اور ریگستان کی شدید گرمی سے موت کا شکار ہوگئے ہوں گے اور ممکن ہے ان کی لاشیں اڑتی ہوئی ریت کے نیچے دفن ہوچکی ہوں۔

"وہ عورت کون تھی؟" روپ متی نے سرسراتی ہوئی آواز میں پوچھا۔

میں اس کا مطلب سمجھ گیا۔ وہ جانکی کے بارے میں پوچھ رہی تھی۔

"جانکی!" میرے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا "جانکی دیوی۔ وہ لیڈی ڈاکٹر ہے۔ اس سے میری پہلی ملاقات برسوں پہلے بنکاک میں ہوئی تھی۔ اس وقت سے ہم ایک دوسرے کے ساتھ ہیں۔ اس کے خاندان کے کچھ لوگ ہندوستان میں بھی ہیں۔"

"کیا تم اس سے پریم کرتے ہو یا وہ۔۔۔؟" اس نے جان بوجھ کر جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔ اس وقت وہ براہِ راست میری آنکھوں میں جھانک رہی تھی۔

"نہیں۔ ہم میں انڈراسٹینڈنگ ہے۔" میں نے جواب دیا "ہم طویل عرصے سے ایک ساتھ رہ رہے ہیں لیکن ہم میں کبھی ایسا کوئی تعلق نہیں رہا۔ وجے ٹھاکر نے یہاں پہنچ کر ہمیں ایک دوسرے سے الگ کردیا تھا لیکن پھر اتفاق سے اسے بھی آپ نے خرید لیا۔ دوبارہ ملنے کی خوشی میں وہ مجھ سے لپٹ گئی تھی۔ آپ نے ہمیں دیکھا تو شاید۔۔۔"

"میں غلط سمجھی تھی۔" اس نے میری بات مکمل کردی "اور میں اسے برداشت نہیں کرسکتی تھی۔ میں جس چیز کو اپنا سمجھ لیتی ہوں، اس پر کسی دوسرے کا حق تسلیم نہیں کرتی۔ میں نے نیلامی میں تمہیں دیکھتے ہی پسند کرلیا تھا اور یہ طے کرلیا تھا کہ تمہیں ہر قیمت پر خریدوں گی۔ ٹھاکر بھنور سنگھ چھوٹا آدمی ہے۔ وہ بولی کو آگے نہ بڑھا سکا لیکن اگر تمہاری بولی پچاس لاکھ تک بھی جاتی تو میں پیچھے نہ ہٹتی۔"

میں نے "کیوں" والا سوال نہیں کیا۔ میں اب تک بہت اچھی طرح سمجھ چکا تھا کہ اس نے مجھے کیوں خریدا تھا اور یقیناً اسی لیے اس نے جانکی کو مجھ سے الگ کردیا تھا تاکہ کباب میں ہڈی کا وجود ہی نہ رہے۔

کئی لمحات خاموشی کی نذر ہوگئے۔ میں اس کے بارے میں جاننا چاہتا تھا لیکن اس سے کچھ پوچھ نہیں سکا لیکن جب باتوں کا سلسلہ دوبارہ شروع ہوا تو اس نے میری مشکل حل کردی اور خود ہی اپنے بارے میں بتانے لگی۔

ہندوستان تقسیم ہونے سے پہلے راجستھان لاتعداد چھوٹی بڑی جاگیروں اور ریاستوں میں بٹا ہوا تھا جن پر راجپوت راجے اور مہاراجے حکمران تھے لیکن بعد میں ساری خود مختار ریاستیں ختم کرکے اس خطے (راجپوتانہ) کو راجستھان کے نام سے ہندوستان کا ایک صوبہ بنا دیا گیا۔ راجوں کے اختیارات ختم کرکے ان کے لیے سرکار کی طرف سے گراں قدر وظائف مقرر کردیے گئے۔

روپ متی کا باپ سیوا سنگھ جے پور سے ملحق ایک چھوٹی سی ریاست کا حکمران تھا۔ اس کی ریاست ختم ہوگئی تو کچھ عرصے بعد وہ جے پور آگیا جہاں اس نے ایک بہت بڑی حویلی خریدلی اور عیش و آرام کی زندگی بسر کرنے لگا۔ اس کی صرف دو اولادیں تھیں۔ روپ متی اور اس کا ایک بڑا بھائی جو شکار کا بہت شوقین تھا۔ ایک مرتبہ اپنے چند دوستوں کے ساتھ جنگلوں میں شکار کھیلنے گیا تو خود چیتے کا شکار ہوگیا۔

روپ متی اٹھائیس سال کی عمر کی تھی تو اس کی شادی ہوگئی۔ اس کا شوہر نوران سنگھ بھی ایک سابق راجا کا بیٹا تھا۔ بڑا کڑیل جوان تھا وہ لیکن روپ متی کے ساتھ اسے صرف ایک رات گزارنے کا موقع مل سکا۔ شادی کے اگلے ہی روز بھرے بازار میں اس کے دشمنوں نے اسے گولیوں سے چھلنی کر ڈالا۔

روپ متی بیوہ ہوگئی لیکن اس نے مذہبی رسموں کی قیدی بننے سے انکار کردیا۔ سفید ساڑی کے بجائے وہ اپنی پسند کے کپڑے پہنتی' چہرے پر میک اپ کرتی' زیور بھی پہنتی اور محفلوں میں بھی شریک ہوتی۔ وہ زندگی کی وہ تمام خوشیاں حاصل کرنا چاہتی تھی جو اس کے پتی کو موت کے گھاٹ اتار کر اس سے چھین لینے کی کوشش کی گئی تھی۔ اس نے ایک بیوہ کی حیثیت سے کوئی بھی پابندی قبول کرنے سے انکار کردیا تھا۔

وہ پڑھی لکھی ضرور تھی۔ خود مختار بھی تھی لیکن عقل کی تھوڑی سی اس میں کمی تھی اور اس کی اس بے وقوفی سے دوسرے فائدہ اٹھاتے رہے۔ خود غرض اور ہوس پرست مرد دونوں طرح سے اس سے فائدہ اٹھاتے رہے۔ مالی بھی اور جسمانی بھی۔ وہ مردوں کے ہاتھوں کا کھلونا بنتی رہی۔ وہ کسی ایک مرد کو اپنا جیون ساتھی بنانا چاہتی تھی۔ جس کا بھی انتخاب کرتی وہ اسے خوب صورت کھلونا سمجھ کر کھیلتا اور جب شادی کی بات آتی تو وہ گدھے کے سر سے سینگوں کی طرح غائب ہوجاتا۔ راتوں کو رنگین بنانے کی حد تک تو بات درست تھی لیکن ایک بیوہ سے شادی کرنے کو کوئی بھی تیار نہیں تھا۔

روپ متی کو بہت عرصے بعد عقل آئی تھی لیکن اب وقت گزر چکا تھا۔ وہ اس دلدل میں پھنس چکی تھی جس سے نکلنا ممکن نہیں تھا۔ پہلے تو وہ فریب کا شکار ہوتی رہی تھی' اب وہ اپنی مرضی سے اپنی راتوں کو رنگین اور سنگین بنانے لگی۔

اونچی سوسائٹی میں شہر کا کوئی ایسا خوب رو جوان نہیں تھا جو روپ متی کے حسن و شباب سے فیض یاب نہ ہوا ہو۔ راج کمار اور کنور اس کے ابرو کے اشارے کے منتظر رہتے تھے۔ وہ کتوں کی طرح اس کے آگے پیچھے دُم ہلاتے پھرتے تھے مگر پھر بھی روپ متی تنہا تھی۔ وہ سب کی تھی مگر کوئی اس کا نہیں تھا۔

تیج سنگھ اور دھرمیش اس کے دور کے رشتے دار تھے۔ وہ دونوں سگے بھائی تھے۔ ان کا باپ پہلوان تھا اور یہ دونوں بھی اکھاڑے میں پہلوانی کرتے تھے۔

تیج سنگھ اور دھرمیش کو دیکھا تو روپ متی کا دل اٹھا۔ روپ متی نے ایک بڑی تنخواہ پر ان دونوں بھائیوں کو اپنے پاس ملازم رکھ لیا۔ ان کی تربیت کی' انہیں سوسائٹی میں اٹھنے بیٹھنے کے آداب سکھائے اور انہیں ساتھ لے کر ادھر ادھر آنے جانے لگی۔ کبھی تیج سنگھ دھرمیش کو اور کبھی دونوں اس کے دائیں بائیں نظر آتے تھے۔

روپ متی نے اپنے دھرم کی رسومات سے بغاوت کی تھی۔ اس کے دل سے رشتوں ناتوں کی پاکیزگی بھی ختم ہوگئی تھی۔ تیج سنگھ کو تو وہ فیض یاب کر چکی تھی۔ دھرمیش کو ترسا رہی تھی۔ وہ اسے خلوت میں آنے کا موقع ضرور دیتی اس سے پیر دبواتی' جسم دبواتی مگر اس سے آگے کوئی موقع کبھی نہیں دیا تھا۔ دھرمیش کبھی ایسی کوئی کوشش کرتا تو روپ متی اسے لات رسید کردیتی اور وہ کتے کی طرح "چیاؤں چیاؤں" کرتا ہوا اس کی خلوت گاہ سے بھاگ جاتا۔

دو سال پہلے وہ اپنے ایک دوست کے ساتھ غلاموں کی اس منڈی میں آئی تھی۔ اسے بھی یہ جان کر حیرت ہوئی تھی کہ آج کے جدید دور میں بھی غلاموں اور کنیزوں کی خرید و فروخت ہوتی ہے۔ وہ اپنے دوست کے ساتھ محض تفریح کے لیے سے یہاں آئی تھی لیکن غلامی کے دوران میں اس نے خوب رو اور گبھرو جوان پسند آگیا جس کی بولی کے لیے پارٹیوں میں مقابلہ ہو رہا تھا۔ روپ متی نے بھی بولی لگائی اور یہ بولی اتنی زیادہ تھی کہ نیلامی میں حصہ لینے والے سارے آدمی ایک دوسرے کا منہ دیکھتے رہ گئے۔

روپ متی نے دو سال کے عرصے میں اس جوان کو اس طرح نچوڑ کر رکھ دیا کہ وہ بالکل جھول کر رہ گیا۔ یہ وہی تھا جس کی نشان دہی کنور بلونت سنگھ نے بھی کی تھی۔

تیج سنگھ اور دھرمیش اب کسی حد تک سرکشی کی مائل ہو رہے تھے۔ روپ متی نے ان دونوں بھائیوں کو چھوٹے سے اکھاڑے سے اٹھا کر محل میں لا بٹھایا تھا۔ انہیں ہر طرح کا عیش و آرام حاصل تھا لیکن اب ان دماغوں پر چربی چڑھنے لگی تھی اور وہ کچھ دوسری باتیں لگے تھے۔ روپ متی ان کے بارے میں سب کچھ جانتی وہ یہ بھی جانتی تھی کہ دونوں بھائی حویلی کی جوان اور توکرانیوں کے ساتھ راتیں گزارنے کے علاوہ شہر کی عورتوں کے ساتھ بھی جھک مارتے رہتے تھے اور اب وہ دم فم بھی نہیں رہا تھا۔

روپ متی کئی مرتبہ غلاموں کی اس منڈی میں آچکی تھی پیشہ خالی ہاتھ ہی واپس گئی تھی اور اس مرتبہ میں اس لوں میں پھنسا تھا۔ میں اپنے منہ میاں مٹھو نہیں بنتا لیکن یہ سچ تھا کہ میں بہت ہی خوب رو اور گبھرو جوان

دوپہر ہو چکی تھی۔ روپ متی صوفے پر آڑی ترچھی نیم تھی اور میں اس کے سامنے قالین پر بیٹھا ہوا تھا۔ روپ نے مجھے غلام کی حیثیت سے خریدا تھا لیکن میرے سامنے نے اپنی زندگی کے دھکے چھپے گوشوں سے بھی پردہ اٹھا دیا اپنے بارے میں باتیں کرتے ہوئے اس کے چہرے پر چھائی تھی۔

"یہ دنیا بڑی عجیب جگہ ہے۔" وہ گہرا سانس لیتے ہوئے ہی تھی "کہتے ہیں دولت سے سب کچھ خریدا جا سکتا میرے پاس دولت کی کمی نہیں۔ میں سب کچھ خرید نے رکھتی ہوں۔ انسان بھی۔ حسن و شباب کی دولت ھے بھگوان نے جی کھول کر دی ہے۔ بڑے بڑے ج ایک اشارے پر میرے قدموں پر جھک جاتے ہیں۔ پاس سب کچھ ہے پر من کی شانتی نہیں ہے۔" وہ ہو کر گہرے گہرے سانس لینے لگی۔ میں گہری نظروں ں کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر اداسی بڑھ خوب صورت آنکھوں میں ویرانی سی جھلکنے لگی۔ اس ں کو ایک بار پھر حرکت ہوئی۔ وہ سر سراتی ہوئی سی ں کہہ رہی تھی "یہ زندگی بھی ایک عجب تماشا ہے۔ نیوں کے پیچھے مارے مارے پھرتے ہیں۔ انہیں چھو لینے' پالینے کی آرزو میں مر مر کر جیتے ہیں۔ یہ ہاتھ تیں۔ ترسا ترسا کر مارتی ہیں۔ قریب آکر دور بھاگتی ن بعض اوقات یوں بھی ہوتا ہے کہ خوشیاں ہمارے میں مار مار کی پھرتی ہیں۔ یہ ہمارے قریب آنے کی شش کرتی ہیں' ہم اتنا ہی ان سے دور بھاگنے کی کرتے ہیں۔ یہ ہمارا پیچھا کرتی ہیں اور ہم دیوانہ وار رہتے ہیں پھر ہمارے قدم اس وقت رکتے ہیں جب یہ ہم سے کوسوں میل دور جا چکی ہوتی ہیں۔" وہ ایک خاموش ہوگئی۔ اس کی اداس نظریں میرے چہرے پر یں جیسے کچھ تلاش کر رہی ہوں۔ اس کی سرسراتی آواز میری سماعت سے ٹکرا رہی تھی "میں جیون کی شیوں کی تلاش میں بھٹک رہی ہوں۔ بھگوان جانے ان تک پہنچ بھی سکوں گی یا بے کل آتما کی طرح اسی لتی رہوں گی۔"

میں خاموش بیٹھا ٹکر ٹکر اس کی طرف دیکھے جا رہا تھا۔ اس کی باتیں سن کر مجھے واقعی افسوس ہوا تھا اور اس سے ہمدردی بھی ہونے لگی تھی مگر اس کی ہمدردی میں کھو کر میں اپنے مقصد کو پس پشت نہیں ڈالنا چاہتا تھا۔ روپ متی نے جس طرح مجھے اپنے بارے میں سب کچھ بتا دیا تھا اس سے اگرچہ مجھے آزادی حاصل کرنے میں آسانی ہو سکتی تھی لیکن میں اسے دھوکا نہیں دینا چاہتا تھا۔ اس نے مجھ پر جو اعتماد کیا تھا میں اسے ٹھیس نہیں پہنچانا چاہتا تھا لیکن بہرحال کوئی اور راستہ اپنایا جا سکتا تھا۔

ہم دونوں خاموش بیٹھے ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہے۔ خاموشی کا یہ دورانیہ طویل ہوتا جا رہا تھا پھر دروازے پر دستک کی آواز سن کر ہم دونوں ہی اچھل پڑے۔ میں ایک جھٹکے سے اٹھ گیا اور آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا۔

دو لمبے تڑنگے آدمی راہداری میں کھڑے تھے۔ ان کے جسموں پر ایسے ہی وردیاں تھے جیسا دربان رنگو نے پہن رکھا تھا۔ دونوں کے بیلٹوں میں پستول اڑسے ہوئے تھے۔ رنگو نے بتایا کہ روپ متی کے لیے یہ محافظ اودھے سنگھ نے بھیجے تھے۔

میں گہری نظروں سے ان کا جائزہ لینے لگا۔ دونوں کی بڑی بڑی مونچھوں نے ان کے چہروں کو خاصا خوفناک بنا دیا تھا۔

میں نے روپ متی کو بتایا تو انہیں اندر طلب کرلیا گیا۔ وہ بڑے مستعد انداز میں روپ متی کے سامنے کھڑے تھے۔ وہ چند لمحے گہری نظروں سے ان کا جائزہ لیتی رہی پھر پسندیدگی کے انداز میں سر ہلا دیا۔

"ٹھیک ہے۔" وہ بولی "تم لوگ باہر انتظار کرو۔ ہم پانچ بجے یہاں سے روانہ ہوں گے۔"

وہ دونوں سر ہلاتے ہوئے باہر چلے گئے۔ میں نے محسوس کیا تھا کہ وہ جتنی دیر کمرے میں کھڑے رہے تھے' میری طرف ہی دیکھتے رہے تھے۔

اس وقت دو بج رہے تھے۔ روپ متی نے رنگو سے کہہ کر کھانا منگوا لیا۔ کھانے کے بعد روپ متی روانگی کی تیاری کرنے لگی۔ ڈریسنگ ٹیبل پر پھیلا ہوا میک اپ کا سامان اٹھا کر وہ سوٹ کیس میں ڈالا اور ادھر ادھر پھیلے ہوئے کپڑے سمیٹنے لگی۔ میں بھی کپڑے اٹھا کر تہ کر کے سوٹ کیس میں رکھنے میں اس کی مدد کر رہا تھا۔

"باتھ روم میں کچھ کپڑے ٹنگے ہوئے ہیں۔ وہ بھی اٹھا لاؤ۔" اس نے میری طرف دیکھے بغیر کہا۔

میں باتھ روم میں داخل ہو کر کھونٹیوں پر ٹنگے ہوئے کپڑے اٹھا لیے۔ ان میں جسم کے بالائی حصے کا زیر جامہ بھی

تھا۔ اسے اٹھاتے ہوئے روپ متی کی نظریں میری طرف اٹھ گئیں۔ اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آگئی تھی۔ اس نے وہ زیر جامہ سوٹ کیس میں بھرے ہوئے کپڑوں کے نیچے ٹھونس دیا۔

تیاری مکمل کرنے کے بعد روپ متی کچھ دیر کے لیے اودھے سنگھ کے دفتر میں بھی گئی تھی۔ غالباً بل وغیرہ چکانے کے لیے۔

اور پھر پانچ بجے کے قریب ہم کمرے سے نکل آئے۔ روپ متی بڑے پُروقار انداز میں آگے آگے چل رہی تھی۔ میں اس کے پیچھے تھا۔ میں نے سوٹ کیس اٹھا رکھا تھا جو خاصا بھاری تھا۔

وسیع و عریض کمپاؤنڈ میں اس وقت خاصی چہل پہل تھی۔ دو نئے کاروان آئے تھے۔ اونٹوں کی بلبلاہٹ ہر طرف سے سنائی دے رہی تھی۔ پارکنگ ایریا میں بہت سی شان دار گاڑیاں کھڑی تھیں۔

روپ متی گرے رنگ کی ایک شان دار لینڈ کروزر کے پاس رک گئی۔ اس نے پرس میں سے چابیوں کا گچھا نکال کر دروازہ کھول دیا۔

ڈرائیونگ سیٹ کے پیچھے دو اور سیٹیں تھیں اور ان کے پیچھے بھی کافی کشادہ جگہ تھی جہاں میں نے سوٹ کیس رکھ دیا۔ دونوں محافظ پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئے۔ روپ متی نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی اور میں اس کے حکم پر پسنجرز سیٹ پر بیٹھ گیا۔

روپ متی نے چابی گھمائی مگر انجن اسٹارٹ نہیں ہوا۔ دوسری اور تیسری کوشش بھی ناکام رہی۔ وہ تقریباً دو منٹ تک انجن اسٹارٹ کرنے کی کوشش کرتی رہی مگر کامیابی نہیں ہوئی۔

"ذرا بونٹ کھول کر دیکھو۔ کیا گڑبڑ ہے۔" اس نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"میں انجن کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔ مجھے تو ڈرائیونگ بھی نہیں آتی۔" میں نے جواب دیا۔

"کیا۔۔۔؟" اس نے اس طرح میری طرف دیکھا جیسے میں نے کوئی انوکھی بات کہہ دی ہو۔

روپ متی نے ایک بٹن دبا کر بونٹ کا لاک کھولا اور دروازہ کھول کر نیچے اتر گئی۔ میں بھی نیچے اتر آیا اور پھر بونٹ میں نے ہی اٹھا کر اوپر اٹکا دیا تھا۔

روپ متی گہری نظروں سے انجن کا معائنہ کرنے لگی۔

"اوہ!" اس کے منہ سے بے اختیار نکلا "یہ۔۔۔ یہ ڈسٹری بیوٹر کی لیڈ غائب ہے۔" اس کی آواز میں ہکلاہٹ تھی۔

میں انجن کو نہیں سمجھتا تھا لیکن یہ تو نظر آ رہا تھا روپ متی انگلی سے جس طرف اشارہ کر رہی تھی وہاں ایک تار غائب تھا۔ میں نے روپ متی کی طرف دیکھا اس کے چہرے پر انجانے سے خوف کے ہلکے سے سائے لہرا رہے تھے۔

میرے دماغ میں بھی چیونٹیاں سی رینگنے لگیں۔ ڈسٹری بیوٹر خود بخود غائب نہیں ہو گیا تھا۔ میری چھٹی حس کسی انجانے خطرے کا احساس دلا رہی تھی۔

"یہ یقیناً کسی کی شرارت معلوم ہوتی ہے۔" روپ متی بولی۔

"جی مالکن۔" میں نے اس کی ہاں میں ہاں ملائی۔ "خود بخود تو نکل کر غائب نہیں ہو گیا۔"

"میں سمجھ گئی' یہ کس کی شرارت ہو سکتی ہے۔ تم یہاں رکو۔ میں ابھی آتی ہوں۔" وہ یہ کہتی ہوئی ایک طرف چل پڑی۔

دونوں محافظ بھی نیچے اتر آئے تھے۔ ان میں سے ایک نے پستول نکال کر ہاتھ میں پکڑ لیا تھا جیسے اسے شبہ ہو کہ موقع پا کر کہیں بھاگنے کی کوشش کروں گا لیکن میرا ایسا ارادہ نہیں تھا۔

میں خاموش کھڑا ادھر ادھر دیکھتا رہا۔ گاڑی سے تار نکالنے کے حوالے سے مجھے شبہ تھا کہ یہ کنور بلونت کی شرارت ہو سکتی ہے۔ کل رات اس نے کھلے الفاظ میں روپ متی کو دھمکی دی تھی کہ وہ اس غلام کو (مجھے) چھین لے گا اور آج دن میں بھی محل کے عقبی لان میں کوئی بات ہوئی تھی۔ میں ان کی باتیں نہیں سن سکا لیکن چہروں کے تاثرات سے اندازہ لگا لیا تھا کہ ان میں ہونے والی گفتگو خوشگوار نہیں تھی اور اب گاڑی میں سے ایک تار کا غائب ہو جانا۔ دھیان بلونت کی طرف جاتا تھا۔ وہ شاید ہم لوگوں کو یہاں روکنا چاہتا تھا۔

روپ متی کی واپسی تقریباً پندرہ منٹ بعد ہوئی۔ اس کے ساتھ اودھے سنگھ بھی تھا جس کی توند خوب بھولی طرح پھول چک رہی تھی۔ اس کے پیچھے پیچھے اس کا خدمت گار بھی چلے آ رہے تھے۔

اودھے سنگھ نے گاڑی کے انجن کا معائنہ کیا۔ پھر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ اس کی آنکھوں میں بھی تشویش کی پرچھائیں آئیں۔

"پریشان نہ ہوں روپ متی جی۔" وہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا "میرا خیال ہے کسی نے شرارت سے تار نکال کر ادھر ادھر پھینک دیا ہوگا۔ مل جائے گا۔"

"ہمیں دیر ہو رہی ہے اودھے سنگھ۔" روپ متی کے لہجے میں ناگواری تھی "اگر تار نہ ملا تو کیا ہم یہیں بیٹھے رہیں گے؟"

"نہیں روپ متی جی۔" اودھے سنگھ بولا "میں نے کہا نا آپ پریشان نہ ہوں۔ اودھے سنگھ اپنے مہمانوں کا خیال رکھتا ہے۔ اس کے لیے کبھی کوئی بات مسئلہ نہیں بنی۔"

اور واقعی اودھے سنگھ کے پاس ہر مسئلے کا حل موجود تھا۔ پہلے تو وہ تار تلاش کرنے کی کوشش کی جاتی رہی۔ اس کا خیال تھا کہ کسی نے شرارتاً تار نکال کر ادھر ادھر پھینک دیا ہوگا لیکن میرے خیال میں ایسا نہیں تھا۔ یہ کسی کی شرارت نہیں سازش تھی۔ تار کو نہ ملنا تھا نہ ملا لیکن اودھے سنگھ نے مسئلہ حل کر دیا۔

پارکنگ ایریا میں اور بھی کئی لینڈ کروزر گاڑیاں کھڑی تھیں۔ صحرائی اور ناہموار علاقوں میں طویل سفر کے لیے ایسی گاڑیاں ہی مناسب رہتی ہیں۔ ان میں سفید رنگ کی ایک لینڈ کروزر بھی کھڑی تھی جو اسی میک اور ماڈل کی تھی۔ اودھے سنگھ نے بڑے اطمینان سے اس کا تار نکال کر روپ متی کی گاڑی میں لگا دیا۔

"آپ کا کام ہو گیا دیوی جی۔" وہ دونوں ہاتھ جوڑتے ہوئے بولا "آپ کی گاڑی کا تار کہیں مل جائے گا تو وہ اس میں لگا دیا جائے گا۔"

روپ متی نے مسکراتے ہوئے اس کا شکریہ ادا کیا اور ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ کر اگنیشن کی گھما دی۔ اس مرتبہ پہلی کوشش میں انجن اسٹارٹ ہو گیا۔

لینڈ کروزر اس قدیم محل نما عمارت کے بیرونی گیٹ سے پارکنگ کی طرف جانے والے راستے پر دوڑنے لگی۔ یہ راستہ تھا جہاں سے وہ ٹھاکر کا قافلہ آیا تھا۔ تقریباً دو میل کا فاصلہ طے کرنے کے بعد روپ متی نے گاڑی ایک طرف اور راستے پر موڑ دی۔ یہ راستہ کشادہ تھا درختوں میں بل کھاتا ہوا چلا گیا تھا۔

راستہ ناہموار ہونے کی وجہ سے گاڑی کو ہلکے ہلکے جھٹکے لگ رہے تھے۔ میرے سامنے ڈیش بورڈ کے اوپر دائیں سے تقریباً ایک انچ موٹی آہنی راڈ لگی ہوئی تھی۔ میں نے سہارے کے لیے ایک ہاتھ اس راڈ پر جما رکھا تھا۔

تقریباً ایک میل کا فاصلہ مزید طے کرنے کے بعد پیچھے بیٹھے ہوئے ایک محافظ نے گاڑی رکوائی۔ وہ اپنی طرف کا دروازہ کھول کر نیچے اتر آیا اور میری طرف کا دروازہ کھول دیا۔ میں الجھی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ میرا ایک ہاتھ اب بھی ڈیش بورڈ کی اوپر والی راڈ پر ٹکا ہوا تھا۔ میرا خیال تھا کہ وہ محافظ مجھ سے کوئی بات کرنا چاہتا ہے لیکن اس نے نہایت غیر معمولی پھرتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنی پتلون کی بیک پاکٹ سے ہتھکڑیوں کا جوڑا نکال کر ایک ہتھکڑی میری ایک کلائی میں ڈال دی اور دوسری اس آہنی راڈ میں۔

میں اپنی سیٹ پر اچھل پڑا۔ اس صورت حال نے مجھے پریشان کر دیا تھا۔ روپ متی بھی اچھل پڑی تھی۔ میں نے اس کی طرف دیکھا تو اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات ابھر آئے تھے۔

"یہ۔۔۔ یہ کیا ہے؟" وہ محافظ کو گھورتے ہوئے درشت لہجے میں بولی "تم نے اسے ہتھکڑی کیوں لگائی؟"

"معافی چاہتا ہوں دیوی جی۔" محافظ نے اپنی سیٹ پر بیٹھتے ہوئے جواب دیا "ہمیں حکم ملا تھا کہ آپ کو اور آپ کے اس غلام کو بحفاظت جے پور پہنچانا ہے۔ ہمیں یہ بھی بتایا گیا تھا کہ راستے میں کچھ نامعلوم لوگ آپ کے اس غلام کو چھیننے کی کوشش کریں گے۔"

"لیکن اسے ہتھکڑی لگانے کا کیا مطلب؟" روپ متی نے اسے گھورا۔

"خطرہ صرف موہن لال کے ڈھابے تک ہے۔" محافظ نے جواب دیا "راستے میں اگر کوئی پارٹی حملہ کرتی ہے تو وہ لوگ اسے لے جانے کی کوشش کریں گے لیکن اب وہ ایسی کسی کوشش میں کامیاب نہیں ہو سکیں گے۔ اگر اس غلام کے دل میں بھی فرار ہونے کا کوئی خیال ہو تو اس کا سدباب بھی ہو گیا ہے۔ اب نہ تو کوئی حملہ آور پارٹی اسے ہم سے چھین کر لے جا سکتی ہے اور نہ ہی یہ راستے میں فرار کی کوشش کر سکتا ہے۔"

"یہ فرار کی کوشش نہیں کرے گا۔ اس کی ہتھکڑی کھول دو۔" روپ متی کے لہجے کی ناگواری اب بھی برقرار تھی۔

"معافی چاہتا ہوں دیوی جی۔" محافظ نے جواب دیا "اس غلام کو آپ کے ساتھ بحفاظت منزل تک پہنچانا ہماری ذمے داری ہے۔ اگر ہم اس کی حفاظت نہ کر سکے تو اودھے سنگھ کھڑے کھڑے ہماری کھال اتار دے گا۔ ویسے آپ پریشان نہ ہوں۔ اسے کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔ خطرہ صرف

موہن لال کے ڈھابے تک ہے۔ راستے کا جنگل خطرناک ہے۔ غلام اس جنگل میں فرار ہونے کی کوشش کرتے ہیں لیکن یہ ایسا نہیں کرسکے گا۔ موہن لال کے ڈھابے پر پہنچ کر اس کی ہتھکڑی کھول دی جائے گی۔"

روپ متی نے کچھ کہنا چاہا مگر میں نے اپنا آزاد ہاتھ اٹھا کر اسے روک دیا۔

"کوئی بات نہیں مالکن۔" میں نے کہا "گارڈ ٹھیک کہہ رہا ہے۔ انہیں اپنی ذمے داری پوری کرنے دیں۔ مجھے کوئی تکلیف نہیں ہورہی۔"

روپ متی چند لمحے میری طرف دیکھتی رہی پھر سنبھل کر بیٹھتے ہوئے اس نے گاڑی آگے بڑھادی۔ اس کا موڈ خراب ہوچکا تھا۔ چہرے کے تاثرات بگڑے ہوئے تھے۔

ہم لوگ اپنے پروگرام سے تقریباً ایک گھنٹے کی تاخیر سے روانہ ہوئے تھے۔ سورج ابھی اگرچہ خاصا اوپر تھا لیکن جنگل بہت گھنا ہونے کی وجہ سے فضا میں کچھ اندھیرے کا احساس ہورہا تھا۔

دونوں محافظوں نے ہولسٹروں سے پستول نکال لیے تھے اور بڑی چوکنا نظروں سے دائیں بائیں دیکھ رہے تھے۔ روپ متی بھی خاصی محتاط نظر آرہی تھی۔

"اگر ہم وقت پر روانہ ہوجاتے تو اس جنگل سے نکل کر سورج غروب ہونے کے تھوڑی دیر بعد موہن لال کے ڈھابے پر پہنچ جاتے مگر اب جنگل ہی میں اندھیرا ہوجائے گا۔" ایک محافظ نے کہا۔

"یہ کون سی جگہ ہے۔ میرا مطلب ہے' غلاموں کی یہ منڈی کس جگہ پر ہے؟" میں نے پوچھا۔ میں نے اندازہ لگالیا تھا کہ روپ متی کچھ خوف زدہ سی ہوگئی تھی اور میں باتوں میں اس کا دھیان بٹانا چاہتا تھا۔ ویسے میرے ذہن میں بھی کچھ خدشات سر ابھارنے لگے تھے۔

"یہ محل تین سو سال پرانا ہے۔ اس کی تاریخ کسی کو معلوم نہیں۔" روپ متی نے جواب دیا "سنا ہے' پہلے یہاں آبادی ہوا کرتی تھی لیکن حوادث زمانہ نے اس آبادی کا نام و نشان تک مٹا دیا اور یہاں جنگل پھیلتا چلا گیا۔ یہاں سے قریب ترین آبادی۔" وہ ایک لمحے کو خاموش ہوئی پھر بائیں طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی "اس طرف تقریباً سو کلو میٹر کے فاصلے پر پوکھران ہے اور اس سے چند کلو میٹر آگے رام ڈیوڑھا نامی قصبہ ہے۔ وہاں سے تقریباً سو کلو میٹر آگے پاکستان کی سرحد ہے جہاں سے تھر کا بے آب و گیاہ صحرا شروع ہوتا ہے اور اس طرف۔" اس نے دوسری طرف اشارہ کیا "تقریباً سو کلو میٹر کے فاصلے پر جودھ پور ہے۔ اس سے کلو میٹر پہلے ایک چھوٹا سا نخلستان ہے جہاں موہن ڈھابا ہے۔ اس نخلستان کی آبادی صرف دو تین مشتمل ہے۔ اس کے علاوہ جودھ پور تک کوئی آبا ہے۔ ہر طرف دور دور تک ریگستان پھیلا ہوا ہے۔"

"سو کلو میٹر زیادہ فاصلہ تو نہیں۔" میں نے کہا "کی حکومت کو یہ معلوم نہیں کہ یہاں انسانوں کی گھناؤنا کاروبار ہوتا ہے۔"

"سرکار کو سب کچھ معلوم ہے۔" روپ متی "لیکن سرکار سے زیادہ طاقت اودھے سنگھ جیسے لو پاس ہے جو یہ کاروبار کرتے ہیں۔ ان کے ہاتھ قانون سے زیادہ لمبے ہیں۔ راج مہاراج اور بڑے سیاسی لیڈران کی پشت پناہی کرتے ہیں۔ اس لیے بے خوف ہوکر اس قسم کے غیر قانونی اور گھناؤنے کرتے ہیں۔ کئی سال پہلے۔" وہ ایک بار پھر خاموش اس کی نظریں سرچ لائٹس کی طرح ادھر ادھر گھو تھیں۔ باتوں سے اس کا خوف بھی کسی قدر کم ہوگیا ہے کئی سال پہلے جب غلاموں کی اس منڈی کا بہت تھا تو ایک پولیس پارٹی کو تحقیقات کے لیے اس طرف تھا۔ پولیس کی وہ پارٹی ایک اے سی پی' دو انسپکٹرو سب انسپکٹروں پر مشتمل تھی۔ اگلے روز ان سب کی لاشیں اس جنگل کے شروع میں پڑی ہوئی ملی تھیں۔ یہ خبر دی گئی کہ جنگل میں داخل ہوتے ہی انہیں جنگلی درندوں نے ادھیڑ ڈالا تھا حالانکہ اس جنگل صورت پرندوں' خرگوشوں اور ان جیسے بے ضر جانوروں کے سوا کسی اور خطرناک جانور کا وجود اس واقعے کے بعد قانون کے محافظوں کی کوئی طرف نہیں آئی۔ اس طرح اودھے سنگھ اور دوسرے لوگوں کا یہ کاروبار بلا کسی خوف خطر ہے۔ ویسے اس جنگل کی طرف آنے کا کوئی باقا نہیں ہے۔ محض یادداشت پر بھروسا کرنا پڑتا ہے والے تو ریگستان میں بھٹک کر موت کا شکار بن جاتے

میں خاموش بیٹھا روپ متی کی باتیں سنتا رہا ٹھیک ہی کہا تھا۔ اودھے سنگھ جیسے لوگوں کے ہاتھ زیادہ لمبے ہوتے ہیں۔ وہ تو قانون کو اپنے ساتھ مجبور کردیتے ہیں مگر قانون ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا

اس جنگل میں سفر کرتے ہوئے ایک گھنٹا سورج غروب ہورہا تھا۔ جنگل میں اندھیرا پھیل گیا

متی نے گاڑی کے ہیڈ لیمپس روشن کرلیے تھے۔ مجھے تھائی لینڈ میں بھی اور برما اور چین کے بعض علاقوں میں بھی جنگلوں میں سفر کرنے کا موقع ملا تھا۔ جنگل میں ہوا کی آمدورفت کم ہونے کی وجہ سے حبس اور گھٹن کا احساس زیادہ ہوتا ہے لیکن یہاں کوئی ایسا مسئلہ نہیں تھا۔ ہم شان دار گاڑی میں سفر کررہے تھے جس کے شیشے بند تھے اور اندر ائرکنڈیشنر چل رہا تھا۔

روپ متی کے کہنے کے مطابق اس جنگل میں کم از کم ایک ڈیڑھ گھنٹے اور سفر کرنا تھا۔ اس کے بعد کھلے صحرا میں پہنچ کر گاڑی کی رفتار بڑھائی جاسکتی تھی۔

آدھا گھنٹا اور گزر گیا۔ اب ہمارے چاروں طرف گہری اور ہولناک تاریکی تھی۔ ہیڈ لیمپس کی روشنی میں سامنے درختوں میں روشنی کی ایک سرنگ سی بنتی جارہی تھی۔

اور پھر اچانک ہماری آنکھیں چندھیا گئیں۔ یوں لگا تھا جیسے اچانک ہی ہمارے سامنے سورج طلوع ہوگیا ہو۔ میں اپنی سیٹ پر اچھل پڑا۔ روپ متی بھی بدحواس ہوگئی۔ اسٹیئرنگ اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا اور لینڈ کروزر اپنے راستے سے ہٹ کر جھاڑیوں میں گھس گئی۔ روپ متی نے غالباً غیر ارادی طور پر بریک پیڈل دبا دیا تھا۔ لینڈ کروزر رک گئی اور ایک جھٹکے سے اس کا انجن بند ہوگیا۔

لینڈ کروزر کے مڑ جانے سے سامنے تیز روشنی کا زاویہ بھی بدل گیا تھا۔ میں نے اپنی سیٹ پر سنبھلنے کی کوشش کرتے ہوئے اس طرف دیکھا۔ وہ اسٹیشن ویگن یا اسی قسم کی کوئی گاڑی تھی جس کی اندر کی بتی بھی جل رہی تھی اور کنور بلونت سنگھ سیٹ پر بیٹھا ہوا نظر آرہا تھا۔ ویگن کے ہیڈ لیمپس کی روشنی میں آگے دو آدمی کھڑے نظر آرہے تھے۔ دونوں کے ہاتھوں میں پستول تھے۔

روپ متی کے پیچھے بیٹھے ہوئے محافظ نے دروازہ کھول کر نیچے چھلانگ لگا دی۔ پستول اس کے ہاتھ میں تھا۔ میرا خیال تھا' وہ ویگن کے سامنے کھڑے ہوئے آدمیوں پر حملہ کرے گا یا گولی چلائے گا۔ ایک محافظ سے اسی قسم کی توقع کی جاسکتی تھی لیکن اس نے نہ تو کسی پر حملہ کیا اور نہ ہی گولی چلائی بلکہ خوف زدہ انداز میں چیختے ہوئے تاریک اور گھنے درختوں کی طرف دوڑ لگا دی۔ اسی لمحے سامنے کھڑے ہوئے ایک آدمی کے پستول نے شعلہ اگلا۔ جنگل گولی اور بھاگنے کی کوشش کرنے والے محافظ کی چیخ سے گونج اٹھا۔ بڑا ہی بزدل تھا وہ۔

ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھی ہوئی روپ متی بھی چیخ اٹھی۔ ویگن کے سامنے کھڑا ہوا دوسرا آدمی دوڑتا ہوا لینڈ کروزر کی ڈرائیونگ سائیڈ پر پہنچ گیا۔ اس نے ایک جھٹکے سے دروازہ کھولا اور روپ متی کو بازو سے پکڑ کر نیچے کھینچ لیا۔ روپ متی خوف سے چیخ اٹھی۔

دوسرا آدمی' جس نے محافظ کو گولی ماری تھی' دوڑتا ہوا میری سائیڈ پر پہنچ گیا۔ اس دوران میں ہمارا دوسرا محافظ بھی اپنی طرف کا دروازہ کھول کر نیچے اتر گیا تھا۔ پستول اس کے ہاتھ میں بھی تھا مگر اس کا رخ زمین کی طرف تھا۔ میرا خیال تھا کہ پہلا محافظ بزدل تھا۔ بھاگنے کی کوشش میں مارا گیا تھا۔ یہ دوسرا محافظ حملہ آور کا مقابلہ کرے گا کیونکہ راستے میں اس نے جو باتیں کی تھیں اس سے اندازہ ہوا تھا کہ وہ کچھ ذمے دار آدمی ہے اور اپنے فرض کی ادائیگی کے لیے اپنی جان تک کی بازی لگا دے گا۔ وہ جب مجھے ہتھکڑی لگا رہا تھا تو اس وقت میرے ذہن میں کچھ خدشات بھی ابھرے تھے اور اس وقت میرے وہ خدشات درست ثابت ہورہے تھے۔ وہ دوسرا محافظ قریب آنے والے بلونت سنگھ کے آدمی سے کہہ رہا تھا۔

"کنور جی کو بولو' اپنی امانت سنبھال لیں۔ ہم بہت بڑا رسک لیا ہوں۔ بڑی مشکل سے اسے ہتھکڑی لگا کر رکھا ہوں۔"

"گڈ۔" وہ شخص بولا "تم تو واقعی کام کے آدمی ثابت ہوئے۔ ہتھکڑی کی چابی کہاں ہے؟"

محافظ نے جیب سے چابی نکال کر اس کے حوالے کردی اور میری طرف کا دروازہ ایک جھٹکے سے کھول دیا۔

"یہ بڑا خطرناک آدمی ہے۔ ذرا ہوشیار رہنا اور ہمارا انعام۔" محافظ بولا۔

"اس سے ہماری کوئی دشمنی نہیں۔ یہ تو غلام ہے۔ اسے خریدا تو روپ متی نے تھا مگر سیوا ہمارے کنور جی کی کرے گا اور تمہارا انعام۔" وہ بولا "کنور جی ویگن میں بیٹھے ہیں۔ اپنا انعام لے لو۔"

محافظ تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا ویگن کی اس کھڑکی کے سامنے رک گیا جس کے اندر کنور بلونت سنگھ بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے کچھ کہا بھی تھا جس کے جواب میں بلونت سنگھ کا ہاتھ کھڑکی سے باہر نکلا اور اس ہاتھ میں پستول دیکھ کر میں اچھل پڑا۔ دوسرے ہی لمحے فضا ایک بار پھر فائر کی آواز سے گونج اٹھی۔ محافظ کے منہ سے آواز تک نہیں نکلی تھی۔ گولی نے اس کی کھوپڑی کے پرخچے اڑا دیے تھے۔ وہ زمین پر گر کر تڑپنے لگا۔

دوسری طرف روپ متی کی چیخیں بھی گونج رہی تھیں۔

وہ اپنے آپ کو اس آدمی سے چھڑانے کی کوشش کر رہی تھی۔ وہ دونوں ویگن کے ہیڈ لیمپس کی روشنی میں تھے۔ اس شخص نے ایک ہاتھ سے روپ متی کے بال پکڑ رکھے تھے اور دوسرے ہاتھ سے بھی اسے گرفت میں لینے کی کوشش کر رہا تھا۔ اسی دھینگا مشتی میں روپ متی کا بلاؤز بھی پھٹ گیا تھا اور اس کے سینے کا ایک حصہ برہنہ ہو رہا تھا لیکن اسے شاید برہنگی کی پروا نہیں تھی۔ وہ تو اپنے آپ کو چھڑانے کی جدوجہد کر رہی تھی۔

دوسرا آدمی میرے سامنے کھڑا تھا۔ اس کے ایک ہاتھ میں پستول تھا اور دوسرے ہاتھ میں ہتھکڑی کی چابی۔ ہتھکڑی لگائے جانے کے بعد سے اب تک میں نے ہتھکڑی کی طرف دھیان ہی نہیں دیا تھا لیکن میرے خیال میں اب اس کا وقت آگیا تھا کہ میں اپنے آپ کو اس قید سے آزاد کرالوں۔

میں نے اپنی نظریں ہتھکڑی کے اس حصے پر مرکوز کردیں جو آہنی راڈ میں لگا ہوا تھا۔ دوسرے ہی لمحے کلک کی ہلکی سی آواز ابھری اور ہتھکڑی کھل گئی۔

وہ شخص میری ہتھکڑی کھولنے کے لیے ہی چابی والا ہاتھ آگے بڑھا رہا تھا۔ ہتھکڑی کھلتے دیکھ کر اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں اور اس سے پہلے کہ وہ حیرت کے اس جھٹکے سے سنبھل سکتا، میں نے سیٹ پر تیزی سے گھوم کر اس کے سینے پر زوردار لات رسید کردی۔ وہ چیختا ہوا لڑکھڑایا اور پشت کے بل جھاڑیوں میں جا گرا۔ میں نے پستول بھی اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر ایک طرف جھاڑیوں میں گرتے ہوئے دیکھا تھا۔

میں نے بڑی پھرتی سے ہتھکڑی کو راڈ سے نکالا اور نیچے چھلانگ لگادی۔ وہ شخص اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا مگر میں نے موقع دیے بغیر اس کے سینے پر ایک اور لات جمادی۔ وہ چیختا ہوا ایک بار پھر ڈھیر ہوگیا لیکن اس کے ساتھ ہی میرا دوسرا پیر جھاڑیوں میں الجھ گیا تھا اور میں بھی لڑکھڑا کر گرا تھا۔

وہ شخص مجھ سے پہلے ہی سنبھل چکا تھا۔ اس نے اٹھ کر میری کھوپڑی پر ٹھوکر ماردی۔ میرا دماغ جھنجنا اٹھا۔ آنکھوں کے سامنے نیلی پیلی چنگاریاں سی رقص کرنے لگیں۔ میں نے سر کو زوردار جھٹکا دیا اور کہنیوں کے سہارے اٹھنے کی کوشش کرنے لگا۔ اس شخص کی دوسری ٹھوکر میری پسلیوں پر لگی۔ میں بے اختیار کراہ اٹھا لیکن میں نے فوراً ہی اپنے آپ کو سنبھال لیا اور تیزی سے اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔

ہم لینڈ کروزر کے پہلو میں تھے۔ ہیڈ لیمپس اگرچہ روشن تھے مگر ان کی روشنی سامنے جھاڑیوں اور درختوں پر پڑ رہی تھی۔ ویگن کی روشنی کا رخ بھی ہماری طرف نہیں تھا۔ اس طرف جس جگہ ہم ایک دوجے سے نبرد آزما تھے وہاں کم روشنی تھی بلکہ روشنی کا شائبہ سا تھا۔

وہ شخص مضبوط ڈیل ڈول کا مالک تھا اور کسی چٹان کی طرح میرے سامنے کھڑا تھا اور پھر اچانک ہی اس نے حملہ کردیا۔ وہ غالباً میری گردن پر ہاتھ ڈالنا چاہتا تھا مگر میں تیزی سے جھکائی دے کر ایک طرف ہٹ گیا۔ وہ شخص جھونک میں آگے نکل گیا لیکن پھر فوراً ہی پلٹ پڑا لیکن میرے ساتھ ہی میں بھی اپنی جگہ سے اچھلا تھا۔ میری فلائنگ کک اس کے سینے کے اوپر والے حصے پر لگی۔ وہ بلبلاتا ڈھیر ہوگیا۔

میں نے سنبھل کر دوبارہ اس پر چھلانگ لگادی۔ اس وقت وہ اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا مگر میں نے اسے دبوچ لیا۔ سیدھا بازو اس کی گردن پر لپیٹ کر گرفت مضبوط کرنے کے لیے اس ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں پھنسالیں۔

یہ میرا پسندیدہ داؤ تھا۔ حریف کا زندہ بچ نکلنا کسی طرح ممکن ہی نہیں تھا۔ وہ شخص دونوں ہاتھ میرے بازو پر رکھ کر اپنی گردن سے میری گرفت چھڑانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس نے دونوں پیر بھی مضبوطی سے زمین پر جما لیے تھے زیادہ سے زیادہ طاقت استعمال کرسکے لیکن وہ نہیں جانتا تھا جس مصیبت میں وہ پھنس چکا ہے اس سے اب موت ہی اسے نجات دلا سکتی ہے۔

میں نے بازو کو ایک زوردار جھٹکا دیا۔ اس کی گردن گینڈے کی طرح مضبوط تھی۔ اس جھٹکے کا کوئی اثر نہ ہوا۔ میں نے ایک اور جھٹکا دیا۔ اس مرتبہ اس کے حلق سے گھٹی گھٹی سی چیخ نکل گئی اور پھر میں مسلسل جھٹکے دیتا رہا بری طرح مچل رہا تھا۔ ٹانگیں چلا رہا تھا۔ میں بھی اس کے ساتھ ساتھ جھاڑیوں میں گھومتا جا رہا تھا۔ چوتھے جھٹکے پر کڑک کی آواز ابھری۔

گردن کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ میں نے ایک اور زوردار جھٹکا دیا اور اسے چھوڑ کر ایک جھٹکے سے اٹھ گیا۔ وہ جھاڑیوں میں اس طرح تڑپنے لگا جیسے بکرے کے گلے پر چھری پھیر کر چھوڑ دیا جائے۔

روپ متی کی چیخوں کی آواز اب بھی میری سماعت سے ٹکرا رہی تھی۔ میں لینڈ کروزر کی آڑ سے نکل کر اس کی طرف دوڑا۔

کنور بلونت سنگھ اور اس کا آدمی روپ متی کو ہوئے ویگن میں ڈالنے کی کوشش کر رہے تھے اور روپ متی اپنے آپ کو چھڑانے کے لیے بری طرح مچل رہی تھی۔

میں چیختا ہوا اس طرف دوڑا۔ وہ دونوں چونک گئے۔ بلونت سنگھ کا ساتھی روپ متی کو چھوڑ کر میری طرف لپکا۔ ہم دونوں ایک دوسرے سے ٹکرا کر گرے اور گتھم گتھا ہوگئے۔ وہ شخص میرے نیچے دب گیا تھا لیکن اس نے مجھے اپنے پیروں پر اٹھا کر پیچھے اچھال دیا۔ اسی وقت میں نے روپ متی کی خوفناک چیخ بھی سنی تھی جو بتدریج طویل کراہ میں تبدیل ہوتی ہوئی خاموشی میں ڈوب گئی۔

میں الٹی قلابازی کھاتا ہوا گرا تھا لیکن فوراً ہی سنبھل گیا۔ اسی لمحے مجھے بلونت سنگھ کی چیختی ہوئی آواز سنائی دی۔

"رک جاؤ ورنہ گولی ماردوں گا۔"

اور دوسرے ہی لمحے اس نے اپنی بات پر عمل بھی کر ڈالا۔ اس نے ٹریگر دبایا اور ٹھیک اسی وقت اس کے ساتھی نے میرے اوپر چھلانگ لگادی۔ اس طرح وہ میرے سامنے ڈھال بن گیا اور گولی اس کی گردن میں پیوست ہوگئی۔ میں نے اسے ہاتھوں پر روک لیا اور جب میں نے اسے چھوڑا تو وہ کٹے ہوئے درخت کی طرح ڈھیر ہوگیا۔

کنور بلونت سنگھ کی آنکھیں خوف و دہشت سے پھیل گئیں۔ اس نے ایک اور فائر کیا مگر بدحواسی میں چلائی گئی گولی میرے سر کے کئی فٹ اوپر سے گزر گئی۔ بلونت سنگھ خوف زدہ ہوگیا اور یہ اس بے پناہ خوف کا نتیجہ ہی تھا کہ اس نے راہِ فرار اختیار کرنے کے لیے ایک طرف دوڑ لگادی۔ میں بھی چیتے کی طرح اپنی جگہ سے اچھلا اور اپنا ایک پیر اس کی ٹانگوں میں پھنسا دیا۔ وہ چیختا ہوا منہ کے بل گرا۔ پستول اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر دور جا گرا مگر اس وقت اسے پستول کی نہیں، اپنی جان کی فکر تھی۔ اس نے اٹھ کر ایک بار پھر تاریک درختوں کی طرف دوڑ لگادی۔ میں اٹھ کر کچھ دور تک اس کے پیچھے بھاگا لیکن پھر رک گیا۔ رات کے وقت اس تاریک جنگل میں اس کا پیچھا کرنے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ میں پلٹ کر روپ متی کی طرف لپکا جو ویگن کے قریب بے ہوش پڑی تھی۔

روپ متی کا لباس اس دھینگا مشتی میں تار تار ہوچکا تھا۔ میں نے اسے "مالکن مالکن" کہہ کر دو تین آوازیں دیں لیکن کوئی خاطر خواہ نتیجہ برآمد نہیں ہوا۔ میں نے مالکن اور غلام کے بیچ آداب کو بالائے طاق رکھ دیا اور اس کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر ہلانے لگا۔

"روپ متی۔۔۔ روپ متی۔ اٹھو۔ ہوش میں آؤ۔ آنکھیں کھولو۔۔۔" لیکن روپ متی نے آنکھیں نہیں کھولیں، نہ ہی اس کے جسم میں کوئی حرکت پیدا ہوئی۔

میں پریشانی سے ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ میرے چاروں طرف سناٹا تھا۔ جھینگروں اور دیگر حشرات الارض کی آوازیں ماحول کو کچھ اور بھی وحشت ناک بنا رہی تھیں۔ میں ایک بار پھر روپ متی کو ہوش میں لانے کی کوشش کرنے لگا لیکن اس مرتبہ بھی کامیابی نہیں ہوئی۔ میرے ذہن میں ایک نیا شبہ سر ابھارنے لگا۔ جب میں اس آدمی سے گتھم گتھا تھا تو مجھے روپ متی کی آخری چیخ سنائی دی تھی۔ اس کے سر پر شاید کوئی زوردار ضرب لگائی گئی تھی لیکن اس کا ہوش میں نہ آنا میرے لیے تشویش کا باعث بن رہا تھا۔

میں نے اس کے سینے پر ہاتھ رکھ دیا۔ سینے کے بہت ہلکے سے زیر و بم سے میری تشویش رفع ہوگئی۔ وہ زندہ تھی۔ میں نے اس کی بغلوں میں ہاتھ ڈالا اور اسے گھسیٹ کر ویگن کے ہیڈ لیمپس کی روشنی میں لے آیا۔

میرا خیال درست نکلا۔ اس کی پیشانی پر بائیں طرف گومڑا سا ابھر آیا تھا۔ بلونت سنگھ نے غالباً پستول کے دستے سے ضرب لگائی تھی اور شاید چوٹ کچھ زیادہ ہی زوردار لگی تھی جس سے وہ گہری بے ہوشی میں چلی گئی تھی۔

مجھے اچانک ہی ایک اور خیال آیا اور میں اٹھ کر لینڈ کروزر کی طرف لپکا۔ سیٹوں کے پچھلی طرف جمالار میں نے سوٹ کیس رکھا تھا وہاں دونوں طرف لگے ہوئے ہکس کے ساتھ پانی کے دو مشکیزے لٹکے ہوئے تھے۔ میں نے ایک مشکیزہ۔۔۔ اٹھایا اور دوڑتا ہوا دوبارہ روپ متی کے قریب پہنچ گیا اور مشکیزے کے منہ پر بندھی ہوئی ڈوری کھول کر روپ متی کے منہ پر پانی کے چھینٹے دینے لگا۔

اس مرتبہ مجھے مایوسی نہیں ہوئی۔ دو تین مرتبہ پانی کے چھینٹے دینے کے بعد روپ متی نے کراہتے ہوئے آنکھیں کھول دیں اور پھر اچانک ہی اس نے چیختے ہوئے اٹھنے کی کوشش کی لیکن دوسرے ہی لمحے دونوں ہاتھ سر پر رکھ کر دوبارہ گر گئی اور ہولے ہولے کراہنے لگی۔

"مالکن۔۔۔ مالکن۔۔۔ ہوش میں آیئے مالکن۔" میں نے روپ متی پر جھکتے ہوئے ہولے سے پکارا "سب ٹھیک ہوگیا ہے۔ اب کوئی خطرہ نہیں ہے۔"

روپ متی نے آنکھیں کھول دیں۔ وہ چند لمحے خوف زدہ سی نظروں سے میری طرف دیکھتی رہی پھر کراہتے ہوئے اٹھنے کی کوشش کرنے لگی۔ میں نے اس کی گردن کے نیچے ہاتھ رکھ دیا۔ وہ سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔ اس کا ایک ہاتھ اب بھی سر

پر تھا۔

"کیا ہوا۔ مجھے کیا ہوا تھا؟" وہ اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے بولی۔

اس کے حواس ابھی تک بحال نہیں ہوئے تھے۔ میں نے مشکیزہ اس کے منہ سے لگا دیا۔ کچھ پانی اس کے حلق میں گیا اور کچھ پانی ہونٹوں سے بہہ کر گلے کو تر کرتا ہوا سینے پر بہنے لگا۔

پانی کا ایک آدھ گھونٹ پینے سے اس کے حواس بحال ہو گئے۔ وہ چند لمحے اِدھر اُدھر دیکھتی رہی پھر میری طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

"کیا ہوا۔ وہ لوگ کہاں گئے؟ بلونت سنگھ کہاں ہے؟"

"بلونت سنگھ بھاگ گیا۔" میں نے جواب دیا "باقی سب ٹھیک ہے مالکن۔ اب آپ جلدی سے اپنے آپ کو سنبھالیے تاکہ یہاں سے روانہ ہو سکیں۔" میں اسے لاشوں کے بارے میں بتا کر خوف زدہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔

"ہمارے محافظ کہاں ہیں اور بلونت سنگھ اور اس کے ساتھی۔" وہ کہتے کہتے رک گئی۔ اس کی نظریں بائیں طرف جھاڑیوں میں پڑی ہوئی بلونت سنگھ کے ساتھی کی لاش پر گویا جم کر رہ گئی تھیں۔ اس کی آنکھوں میں خوف ابھر آیا "یہ۔۔۔ یہ۔۔۔" وہ ہکلا کر رہ گئی۔

"صورت حال بڑی خوفناک ہے مالکن۔" میں نے کہا "یہاں چار لاشیں پڑی ہوئی ہیں اور ہمیں زیادہ دیر یہاں نہیں رکنا چاہیے۔"

"چار لاشیں!" اس کی آنکھیں خوف و دہشت سے پھیل گئیں۔

"ہاں مالکن۔" میں نے کہا "دو لاشیں ہمارے محافظوں کی ہیں اور دو کنور بلونت سنگھ کے آدمیوں کی۔" میں ایک لمحے کو خاموش ہوا پھر اسے اردگرد کے واقعے کی تفصیل بتانے لگا۔

وہ خود بھی سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ چکی تھی لیکن اس وقت تو وہ خود مصیبت میں پھنسی ہوئی تھی اور شاید صورتِ حال پر پوری طرح توجہ نہیں دے سکی تھی لیکن اب تفصیل جان کر اس کی آنکھیں حیرت سے پھیلتی چلی گئیں۔

"تم نے میری خاطر۔۔۔"

"اپنی مالکن کی جان بچانے کے لیے۔" میں نے اس کی بات کاٹ دی۔

"مالکن نہیں۔۔۔ روپ متی۔۔۔ صرف روپ متی۔" اس نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"بہتر ہے دیوی جی۔" میں نے کہا۔

"میں نے کہا نا' صرف روپ متی۔" اس نے کہا۔

"ٹھیک ہے روپ متی جی۔" میرے ہونٹوں پر تخفیف کی مسکراہٹ آ گئی "لیکن اب ہمیں یہاں سے روانہ ہونا چاہیے۔ بلونت سنگھ جنگل میں روپوش ہو گیا ہے۔ ہو سکتا ہے نہیں لیکن عین ممکن ہے وہ چھپ کر حملہ کرے اس لیے یہاں بیٹھے رہنا ہمارے لیے خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔"

"بلونت سنگھ۔" روپ متی نے دانت پیسے "اگر تو میں وہ حشر کروں گی کہ زندگی بھر یاد کرے گا اور تم۔۔۔" اس نے ایک بار پھر میرے چہرے پر نظریں جما دیں "میں نے تمہیں قیمت دے کر خریدا تھا لیکن تم نے مجھے بے قیمت خرید لیا ہے۔ تم میرے غلام نہیں۔ میں تمہاری داسی ہوں۔"

"یہ کام کے بولنے کا وقت نہیں روپ متی جی۔" میں نے کہا۔

"اچھا۔ مجھے اٹھاؤ۔" روپ متی نے ایک ہاتھ میری طرف بڑھا دیا۔

میں نے اسے سہارا دے کر اٹھا دیا۔ اس کے کپڑے پھٹ چکے تھے اور جسم کا بالائی حصہ بالکل برہنہ ہو رہا تھا۔ ویگن کے ہیڈ لیمپس کی روشنی میں اس کا بدن کندن کی طرح چمک رہا تھا۔ میں گردن گھما کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔ میری نظریں بلونت سنگھ کے ساتھی کی لاش کے قریب پڑے ہوئے پستول پر جم گئیں۔ میں نے غیر ارادی طور پر آگے بڑھ کر پستول اٹھا لیا اور ویگن کے سامنے آ گیا۔

میں نے دو فائر کیے اور ویگن کے اگلے دونوں ٹائر کے چیتھڑے اڑ گئے۔ جنگل کی پُرسکوت فضا دھماکوں سے گونج اٹھی۔ روپ متی نے مجھے فائر کرتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ خوف زدہ انداز میں چیخ اٹھی اور دوڑ کر مجھ سے لپٹ گئی۔

"اب بلونت سنگھ نہ تو ہمارا پیچھا کر سکے گا اور نہ آسانی سے منڈی تک واپس پہنچ سکے گا۔" میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "اب ہمیں مزید دیر نہیں کرنی چاہیے۔ پہلے آپ گاڑی میں بیٹھ کر کپڑے بدل لیں۔ اس کے بعد ہم یہاں سے روانہ ہو جائیں گے۔"

روپ متی لینڈ کروزر میں گھس گئی اور آخری سیٹ پر بیٹھ کر پیچھے رکھا ہوا سوٹ کیس کھولنے لگی۔ میں نے زمین پر پڑا ہوا پانی کا مشکیزہ اٹھا کر اپنی سیٹ کے آگے فٹ پیر میں ڈال دیا اور گاڑی کے باہر ہی کھڑے ہو کر ادھر ادھر دیکھنے لگا پھر بلونت سنگھ کی ویگن کی طرف بڑھ گیا۔ دروازہ کھلا ہوا

میں اندر کی طرف جھک کر ڈیش بورڈ پر لگے ہوئے بٹنوں کو دبانا چلا گیا اور بالآخر اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا۔ ہیڈ لیمپس بجھ گئے۔ میں دوبارہ لینڈ کروزر کے قریب آ کر کھڑا ہو گیا۔

میری دائیں کلائی میں اب بھی ہتھکڑی پڑی ہوئی تھی جس کا دوسرا کڑا نیچے لٹکا ہوا تھا اور میری انگلیاں اس کڑے سے کھیل رہی تھیں۔ دس منٹ بعد میں نے غیر ارادی طور پر پیچھے مڑ کر دیکھا۔ روپ متی کپڑے بدل چکی تھی۔ جب وہ گاڑی سے اتری تو اتارے ہوئے کپڑے اس کے ہاتھ میں تھے جو دھینگا مشتی کے دوران میں پھٹ چکے تھے۔ اس نے وہ کپڑے جھاڑیوں میں اچھال دیے اور ایک ہاتھ سے پیشانی سہلانے لگی۔

وہ گاڑی کے ہیڈ لیمپس کی روشنی میں آئی تو اس کی پیشانی پر گومڑ خاصا بڑا ہو چکا تھا اور ظاہر ہے اسے تکلیف بھی ہو رہی تھی اسی لیے وہ بار بار پیشانی سہلا رہی تھی۔

"وہ مرہم کہاں ہے جو تم نے۔۔۔ میرا مطلب ہے آپ نے میرے بازو پر لگایا تھا۔" میں نے پوچھا۔

وہ مسکرا اٹھی۔ چہرہ کھل سا گیا۔

"تم کہتا اچھا لگا۔" وہ بولی "اب تم مجھے تم ہی کہو گے اور وہ مرہم۔۔۔ مجھے اس کا خیال ہی نہیں رہا تھا۔ سوٹ کیس میں رکھا ہے۔ میں ابھی نکال کر لاتی ہوں۔"

وہ ایک مرتبہ پھر گاڑی میں گھس گئی۔ اس بار سوٹ کیس کھولنے اور مرہم تلاش کرنے میں دو منٹ سے زیادہ نہیں لگے تھے۔ میں نے دیا سلائی اس کے ہاتھ سے لے لی اور ڈھکنا کھول کر سیدھے ہاتھ کی انگلی سے مرہم نکالا اور اس کی پیشانی پر لگانے لگا۔

"ارے! یہ کیا۔۔۔!" اس کے لہجے میں حیرت تھی "مجھے اس کا خیال ہی نہیں رہا تھا۔ راڈ سے یہ کڑا کیسے کھلا تھا۔"

"گارڈ کو گولی مارنے کے بعد بلونت سنگھ کے آدمی نے یہ کڑا کھول دیا تھا۔ اس سے آگے میں نے اسے کچھ کرنے کا موقع نہیں دیا۔ اسے لات مار کر دور گرا دیا اور گاڑی سے اتر کر اسے دبوچ لیا۔ میرا خیال ہے اس کے ہاتھ سے چابی یہیں کہیں گری ہو گی۔" میں نے جواب دیا اور اس کی پیشانی کے گومڑ پر مرہم لگانے لگا۔

عجیب اتفاق تھا۔ آج صبح سویرے وہ میرے بازو پر یہ مرہم لگا رہی تھی اور اب میں اس کی مسیحائی کر رہا تھا۔ روپ متی نے میرے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیا۔ اس کی نظریں میرے چہرے پر مرکوز تھیں۔ اس کی آنکھوں میں عجیب سی چمک ابھر آئی تھی۔ میں نے آہستگی سے اپنا ہاتھ پیچھے ہٹا لیا۔

"گاڑی کو ذرا پیچھے ہٹاؤ۔ ہتھکڑی کی چابی یہیں کہیں گری تھی۔ ہیڈ لیمپس کی روشنی میں نظر آ جائے گی۔" میں نے اس سے دو قدم پیچھے ہٹتے ہوئے کہا۔

روپ متی میری طرف دیکھتی ہوئی لینڈ کروزر کی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گئی اور انجن اسٹارٹ کر کے گاڑی کو ریورس گیئر میں پیچھے لیتی چلی گئی۔ میں نے ہاتھ کے اشارے سے اسے گاڑی روک لینے کو کہا اور جھک کر نیچے دیکھنے لگا۔

یہ وہی جگہ تھی جہاں وہ آدمی میری لات کھا کر گرا تھا۔ اس جگہ چھوٹی چھوٹی جھاڑیاں تھیں اور میرے خیال میں ان جھاڑیوں میں ایک چھوٹی سی چابی کا ملنا مشکل ہی تھا لیکن یہ میری خوش قسمتی تھی کہ تیز روشنی میں چمکتی ہوئی وہ چابی نظر آ گئی۔ میں نے چابی اٹھائی اور گاڑی کی پسنجرز سیٹ پر بیٹھتے ہوئے چابی روپ متی کی طرف بڑھا دی۔

"دل تو چاہتا ہے کہ دوسری کڑی اپنی کلائی میں پہن کر اس چابی کو دور پھینک دوں اور۔۔۔"

"اس طرح نہ تم گاڑی ڈرائیو کر سکو گی اور نہ میں آرام سے بیٹھ سکوں گا اس لیے بہتر ہے کہ اس خیال کو ذہن سے نکال دو اور میری ہتھکڑی کھول دو۔" میں نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

اس نے مسکراتے ہوئے میری ہتھکڑی کھول دی۔ میں نے ہتھکڑی ڈیش بورڈ کے خانے میں ڈال دی اور کلائی سہلانے لگا۔

روپ متی گاڑی کو مزید پیچھے لے گئی اور پھر اس کا رخ بدل کر اصل راستے کی طرف لانے لگی۔ ہیڈ لیمپس کی روشنی میں تین لاشیں نظر آئی تھیں۔ ایک اس محافظ کی جس نے مجھے ہتھکڑی لگائی تھی اور بالآخر بلونت کی گولی کا نشانہ بن گیا تھا اور دو لاشیں بلونت سنگھ کے آدمیوں کی تھیں۔ ایک تو میرے ہاتھوں گردن تڑوا کر ہلاک ہوا تھا اور دوسرا بلونت سنگھ کی گولی کا نشانہ بنا تھا۔ ہمارے دوسرے محافظ کی لاش وہاں سے کچھ دور تھی جو نظر نہیں آ رہی تھی۔

وہ لاشیں دیکھ کر روپ متی کے چہرے پر ایک بار پھر خوف کے سائے ابھر آئے اور اسٹیئرنگ پر اس کے ہاتھ کانپ گئے۔

"تم ٹھیک ہو نا۔ گاڑی چلا لو گی؟" میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں۔ میں ٹھیک ہوں۔" وہ اپنے آپ کو سنبھالتے ہوئے بولی اور گاڑی کی رفتار بڑھا دی۔

میں اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ مجھے یقین تھا کہ کنور بلونت سنگھ فرار ہو کر زیادہ دور نہیں گیا ہوگا۔ وہ آس پاس ہی کہیں موجود ہوگا۔ ہو سکتا ہے وہ ہم سے بہت قریب تاریکی میں درختوں کے پیچھے چھپا ہمیں دیکھ رہا ہو۔

میں نے اس کی ویگن کے دونوں ٹائر برسٹ کر کے اسے بے بس کر دیا تھا۔ ویگن میں یقیناً ایک اسٹپنی موجود ہوگی لیکن وہ صرف ایک ٹائر کی جگہ لگائی جا سکتی تھی۔ وہ تین پہیوں پر گاڑی نہیں چلا سکتا تھا۔ اب ہمارے تعاقب کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اس تاریک جنگل میں وہ پیدل واپس بھی نہیں جا سکتا تھا۔ شاید اسے یہ رات اپنی ویگن ہی میں بیٹھ کر گزارنی پڑے۔ صبح یا تو وہ پیدل اس قدیم عمارت تک پہنچنے کی کوشش کرے گا یا انسانوں کے بیوپاریوں کی کسی پارٹی کا اس طرف سے گزر ہو تو اسے کچھ سہارا مل جائے۔

روپ متی اب اپنے آپ کو سنبھال چکی تھی۔ اس نے گاڑی کی رفتار بڑھا دی تھی اور اسٹیئرنگ پر اس کی گرفت بھی مضبوط تھی۔ میں نے گردن گھما کر اس کی طرف دیکھا۔ اس کے جبڑے بھنچے ہوئے تھے۔ اس نے جو لباس بدلا تھا میں نے پہلے اس پر توجہ نہیں دی تھی لیکن اب اسے دیکھ کر میں اپنے آپ میں کچھ بے چینی سی محسوس کرنے لگا۔ اس نے کشادہ گلے کی سفید رنگ کی سلیولیس ٹی شرٹ اور گھٹنوں سے ذرا اوپر تک کی ڈینم کی شارٹ پہن رکھی تھی۔

"تمہیں یہ دونوں محافظ اودھے سنگھ نے فراہم کیے تھے۔" میں نے اس کے لباس سے توجہ ہٹانے کے لیے باتوں کا سلسلہ شروع کر دیا "کیا یہ اس کی سازش ہو سکتی ہے؟ میرا مطلب ہے کنور بلونت سنگھ نے اسے رشوت دے کر۔"

"اودھے سنگھ ایسا نہیں کر سکتا۔" روپ متی نے میری بات کاٹ دی "اودھے سنگھ ایک کاروباری آدمی ہے۔ اس کا یہ کاروبار ہم جیسے لوگوں کے سہارے ہی چل رہا ہے۔ وہ اپنے گاہکوں سے مخلص ہے۔ کسی کے ساتھ دھوکا نہیں کر سکتا۔ کسی ایک کے ساتھ دھوکا کرنے کی صورت میں وہ دوسروں کی حمایت سے بھی محروم ہو جائے گا اور اس طرح نہ صرف اس کا کاروبار ٹھپ ہو جائے گا بلکہ اس کا مستقبل بھی خطرے میں پڑ جائے گا۔ نہیں۔ وہ ایسا نہیں کر سکتا۔ یہ بلونت سنگھ کی سازش تھی۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولی "تم جانتے ہو' وہ تمہیں حاصل کرنا چاہتا تھا۔ وہ دو مرتبہ کوشش کر چکا تھا۔ پہلی مرتبہ تمہارے سامنے بات ہوئی تھی۔ اس نے تمہارے لیے پندرہ لاکھ کی پیشکش کی تھی۔ دوسری مرتبہ آج صبح لان میں اس نے اپنی پیشکش پانچ لاکھ کے اضافے کے ساتھ دہرائی تھی۔ پر انکار پر اس نے دھمکی دی تھی کہ میں تمہیں اپنے ساتھ پور نہیں لے جا سکوں گی۔"

"تو پھر اودھے سنگھ کے فراہم کردہ محافظ؟" میں سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"ہاں۔" اس نے اثبات میں سر ہلا دیا "سونی سر بات ہے۔ وہ دونوں محافظ اس سازش میں شریک تھے۔ سنگھ نے معلوم کر لیا ہوگا کہ میں نے اودھے سنگھ سے محافظوں کی خدمات حاصل کی ہیں۔ اس نے محافظوں رابطہ قائم کیا اور انہیں انعام کا لالچ دے کر اپنے ملا لیا۔ وہ دونوں لالچی تھے۔ ان کا یہی انجام ہونا چا تھا۔"

"دونوں نہیں' ایک۔" میں نے کہا "وہ محافظ جس مجھے ہتھکڑی لگائی تھی۔ مجھے اسی وقت اس پر شبہ ہوا دوسرا محافظ تو شاید اس سازش سے بے خبر تھا کیونکہ ہماری گاڑی روکی گئی تھی تو اس نے خطرہ دیکھ کر بھا کوشش کی تھی مگر گولی کا نشانہ بن گیا جبکہ دوسرا اپنی کا انعام لینے کے لیے ویگن کے قریب پہنچا تو بلونت سنگ اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔"

"ہو سکتا ہے تمہارا خیال درست ہو مگر۔" وہ ایک کو خاموش ہوئی پھر میری طرف دیکھتے ہوئے بولی "لیکن مجھ پر جو احسان کیا ہے وہ میں زندگی کے آخری سانس نہیں بھلا سکوں گی۔"

"میں نے کوئی احسان نہیں کیا۔" میں نے جواب "میں تمہارا زر خرید غلام ہوں اور ایک وفادار غلام کا ہے کہ اپنے آقا کی اطاعت کرے اور وقت پڑنے پر اس لیے اپنی جان بھی دے دے۔"

"یہ تم کہہ رہے ہو نا۔" روپ متی کے ہونٹوں پر سی مسکراہٹ آ گئی "کوئی دوسرا ایسا نہیں سوچتا۔ یہا حریف پارٹیاں ایک دوسرے سے کنیزیں اور غلام چھی لے جاتے ہیں اور کنیزیں اور غلام اس کی وفاداری بھرتے ہیں جو طاقت کے بل پر انہیں چھین لیتا ہے۔ اس بات کی پروا نہیں ہوتی کہ انہیں خریدنے والا کون انہیں اپنی عافیت عزیز ہوتی ہے اور وہ طاقت کے غلام ہیں۔"

"ٹھیک کہتی ہو۔" میں نے گہرا سانس لیتے ہوئے دیا "لیکن میرے ساتھ غلاموں جیسا سلوک نہیں کیا گیا میرے گلے میں غلامی کا طوق نہیں ڈالا گیا۔ مجھے زنجیروں

نہیں باندھا گیا۔ میرے پیروں میں بیڑیاں نہیں ڈالی گئیں۔ تم نے مجھ پر اعتماد کیا اور میں تمہارے اعتماد کو ٹھیس نہیں پہنچانا چاہتا تھا۔ تمہیں دھوکا نہیں دینا چاہتا تھا اس لیے اس بُرے وقت میں تمہاری مدد کرنا اپنا فرض سمجھا اور مجھے خوشی ہے کہ میں صحیح رد ہوا اور تمہیں بھی ان درندوں سے بچا لیا۔"

"بلونت سنگھ واقعی درندہ ہے۔ میں اسے بہت اچھی طرح جانتی ہوں۔ اس نے شاید محسوس کر لیا تھا کہ تمہیں اپنے ساتھ لے جانے میں کامیاب نہیں ہو سکے گا اس لیے وہ مجھے ہی ویگن میں ڈال کر وہاں سے بھاگ جانا چاہتا تھا مگر تم نے اس کی کوشش ناکام بنا دی۔ اگر وہ مجھے اپنے ساتھ لے جانے میں کامیاب ہو جاتا تو۔" بات کرتے ہوئے اسے جھرجھری سی آ گئی "وہ میرا جو حشر کرتا تم اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ وہ واقعی درندہ ہے۔ اب بھی وہ چین سے تو نہیں بیٹھے گا۔ کچھ روز تو اپنے زخم چاٹتا رہے گا اور پھر میرے خلاف کوئی کارروائی کرے گا۔"

"کیا وہ جودھ پور جا کر تمہارے خلاف پولیس کو اس واقعے کی رپورٹ کرے گا؟" میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"وہ ایسا نہیں کرے گا۔" روپ متی بولی "پولیس سے پہلے اودھے سنگھ کو اس واقعے کی خبر ہو جائے گی۔ وہ بہت چالاک آدمی ہے۔ لاشیں غائب کر کے اس واقعے کے سارے نشانات مٹا دے گا۔ یہ جنگل اودھے سنگھ کی عمل داری میں سمجھا جاتا ہے۔ قانون کی دسترس سے بہت دور۔ پولیس اس طرف آنے کی حماقت نہیں کرے گی اور پھر بلونت سنگھ خود اس واردات میں ملوث ہے۔ دو آدمی اس کے اپنے ہاتھوں سے مارے گئے ہیں اس لیے وہ پولیس کے پاس جانے کی حماقت نہیں کرے گا لیکن شاید مجھ سے بدلہ لینے کے لیے کوئی دوسرا اوچھا حربہ استعمال کرے۔"

"ایک اور بات میرے ذہن میں آ رہی ہے۔" میں نے کہا "دھرمیش اور بچ سنگھ میرے ہاتھوں زک اٹھا چکے ہیں۔ تم نے بھی ان کے ساتھ بہت سخت رویہ اختیار کیا تھا۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ وہ دونوں بھی اس سازش میں بلونت سنگھ کے ساتھ شریک رہے ہوں؟"

"ہو سکتا ہے' تمہارا خیال درست ہو۔" روپ متی نے جواب دیا "ان کے بارے میں' میں پہلے ہی فیصلہ کر چکی ہوں لیکن اگر وہ اس سازش میں کسی بھی طرح شریک پائے گئے تو میں انہیں کتوں سے نچوا دوں گی۔"

میں اس مرتبہ خاموش رہا اور گاڑی کے ہیڈ لیمپس کی روشنی میں سامنے دیکھتا رہا۔ آگے جنگل اب چھدرا ہونا شروع ہو گیا تھا اور بالآخر "جائے حادثہ" سے روانگی کے آدھے گھنٹے بعد ہم اس جنگل سے نکل آئے۔ اب ہمارے سامنے اور چاروں طرف وسیع و عریض ریگستان پھیلا ہوا تھا۔

گھنے جنگل میں سفر کرتے ہوئے گنجان اور فلک بوس درختوں کی وجہ سے ہمارے اطراف میں تاریکی ہی رہی تھی لیکن کھلی جگہ پر آ کر انکشاف ہوا کہ آسمان پر سے بادل غائب ہو چکے تھے۔ مطلع صاف تھا اور چودھویں کا چاند چمک رہا تھا۔

"آج پونم کی رات ہے۔" روپ متی نے باہر دیکھتے ہوئے کہا "ہمارے دھرم میں پونم کی رات کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے۔ میرا خیال تھا کہ ہم جودھ پور کے ہوٹل اجیت بھون کے رنگا رنگ پروگرام میں شریک ہو سکیں گے۔ ہم وقت پر جودھ پور پہنچ تو جائیں گے مگر میں یہ بگڑی ہوئی صورت لے کر کسی تقریب میں شریک نہیں ہونا چاہتی۔" بات کرتے ہوئے اس کا ایک ہاتھ بے اختیار پیشانی کے گومڑ پر پہنچ گیا تھا۔

میں دل ہی دل میں مسکرائے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ اس حالت میں بھی وہ رنگین محفلوں کے بارے میں سوچ رہی تھی۔

ریت سخت تھی جس پر گاڑی چلانے میں زیادہ دشواری پیش نہیں آ رہی تھی۔ یہاں کوئی باقاعدہ سڑک تو نہیں تھی۔ ایک غیر ہموار سا راستہ تھا جس کی' ہیڈ لیمپس کی روشنی میں واضح طور پر نشان دہی ہو رہی تھی۔ روپ متی لینڈ کروزر کی رفتار بڑھاتی چلی گئی۔

میں خاموش بیٹھا کھڑکی سے باہر دیکھتا رہا۔ پورے چاند کی روشنی میں تاحدِ نگاہ پھیلا ہوا صحرا عجیب پُراسرار سا منظر پیش کر رہا تھا۔ حقیقت تو یہ تھی کہ بڑا سحر تھا چاندنی رات کے اس منظر میں۔

روپ متی بھی اب خاموش تھی۔ اس کی تمام تر توجہ ڈرائیونگ پر تھی۔ ہاتھ مضبوطی سے اسٹیئرنگ پر تنے ہوئے تھے اور نظریں سامنے راستے پر مرکوز تھیں۔

تقریباً ڈیڑھ گھنٹے تک لینڈ کروزر تیز رفتاری سے ریگ زار میں دوڑتی رہی اور بالآخر بہت دور چند روشنیاں جھلملاتی ہوئی نظر آنے لگیں۔

"وہ موہن لال کا ڈھابا ہے۔" روپ متی نے ان روشنیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "وہاں دو چار گھروں کے سوا کوئی آبادی نہیں ہے اور وہ گھر بھی موہن لال

کے بھائی اور نہایت قریبی عزیزوں کے ہیں جو اس ڈھابے پر مل جل کر کام کرتے ہیں۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگی "دراصل پوکھران سے بلوترا جانے والی سڑک اس طرف سے گزرتی ہے اور جودھ پور سے آنے والی سڑک بھی اسی جگہ پر ملتی ہے۔ اس طرح وہاں ایک جنکشن سا بن گیا ہے۔ جودھ پور وہاں سے تقریباً چالیس کلو میٹر کے فاصلے پر ہے۔ بیچ میں کوئی آبادی بھی نہیں۔ اگر جودھ پور زیادہ دور نہ ہوتا تو ممکن ہے اس جنکشن پر بھی کوئی بڑی بستی آباد ہو چکی ہوتی۔ اس صورتِ حال سے فائدہ موہن لال نے اٹھایا اور کئی سال پہلے وہاں ڈھابا کھول لیا۔ دن میں کئی بسیں اس طرف سے گزرتی ہیں۔ رات کو ٹرکوں کی آمد و رفت بھی رہتی ہے جن کی وجہ سے اس ڈھابے پر رونق رہتی ہے اور اس طرح موہن لال کو بھی معقول آمدنی ہو جاتی ہے۔"

"میلوں دور تک آبادی نہیں تو وہاں پانی وغیرہ کی تو بڑی پریشانی ہوگی۔" میں نے کہا۔

"وہاں دراصل ایک چھوٹی سی جھیل ہے۔" روپ متی بولی "جھیل کیا' ایک قدرتی چشمہ ہے جس کا پانی ایک بڑے تالاب میں جمع ہوتا رہتا ہے۔ پانی کی وجہ سے وہاں کھجور اور ناریل کے کچھ درخت بھی ہیں۔ موہن لال نے بڑی محنت سے نیم کے چند درخت بھی لگا رکھے ہیں۔ وہ ایک چھوٹا سا خوب صورت نخلستان ہے۔"

میں سامنے دیکھ رہا تھا۔ روشنیاں قریب آتی جا رہی تھیں اور پھر ہم اس نخلستان میں پہنچ گئے۔ واقعی صرف چند مکان تھے۔ ایک دکان تھی جہاں ضرورت کی ہر چیز دستیاب تھی۔ ریسٹورنٹ تھا۔ اسے چارپائی ہوٹل کہنا زیادہ مناسب ہوگا اور دور تک چارپائیاں بچھی ہوئی تھیں۔ ذرا آگے دو مال بردار ٹرک کھڑے تھے جن کے ڈرائیور اور کلینر دو چارپائیوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔ دور دور تک زمین میں گڑے ہوئے بانسوں کے ساتھ رنگ برنگی ٹیوب لائٹیں لگی ہوئی تھیں۔ بجلی کے لیے موہن لال نے اپنا جنریٹر لگا رکھا تھا۔

روپ متی گاڑی کا انجن بند کر کے نیچے اتر گئی۔ میں نے بھی اس کی تقلید کی اور ہم دونوں ہی قریب پڑی ہوئی چارپائیوں کی طرف بڑھ گئے۔

روپ متی تو ایک چارپائی پر لیٹ گئی اور میں اس کے سامنے دوسری چارپائی پر بیٹھ گیا۔ جنگل میں پیش آنے والے واقعے نے روپ متی کو آپ سیٹ کر دیا تھا اور وہ نڈھال سی لگ رہی تھی۔

دو منٹ بعد ہی مٹکے جیسی توند والا ایک ادھیڑ عمر ہمارے قریب آگیا۔ اس نے دھوتی پہن رکھی تھی۔ جسم بالائی حصے پر بغیر آستین کی صدری جیسی کوئی چیز پہن رکھی جس کے بٹن کھلے ہوئے تھے اور اس کا بالوں بھرا سینہ آرہا تھا۔ گنجے سے سر پر بالشت بھر لمبی چٹیا تھی۔ ماتھے اس کے کٹر ہندو ہونے کی نشان دہی کر رہا تھا۔ وہ اس ڈ کا مالک موہن لال تھا۔ اس نے دونوں ہاتھ جوڑ کر اور لجائی ہوئی نظروں سے روپ متی کی برہنہ ٹانگوں کو دیکھنے لگا۔

"موہن لال جی۔ ہمیں چائے پلا دو مگر ذرا جلد" روپ متی نے اپنی جگہ سے حرکت کیے بغیر کہا "مگر خیال مطلب یہ نہیں کہ تم جو شاندہ بنا کر لے آؤ۔ چائے بہتر ہونی چاہیے۔"

"جی دیوی جی۔" موہن لال نے ایک بار پھر ہاتھ ویسے اور مینڈک کی طرح پھدکتا ہوا چلا گیا۔

طویل ڈرائیونگ نے بھی روپ متی کو تھکا دیا تھا بان کی کھردری چارپائی پر چاروں خانے چت لیٹی ہوئی گہرے سانس لے رہی تھی۔ میں اس کی طرف دیکھے گریز کر رہا تھا۔ سلیولیس اور کشادہ گلے والی ٹی شرٹ میں کے سینے کا زیر و بم بڑا توبہ شکن منظر پیش کر رہا تھا۔

دوسری چارپائیوں پر بیٹھے ہوئے ڈرائیور اور کل دلچسپ نظروں سے اس طرف دیکھ رہے تھے اور پھر ا تڑنگا آدمی اٹھ کر ٹہلتا ہوا اس طرف آگیا۔ لمبا تڑ ڈیل ڈول' سیاہی مائل رنگت اور بڑی بڑی مونچھوں کے چہرے کو بڑا خوفناک بنا دیا تھا۔ اس کی آنکھوں میں سرخی تھی۔ وہ ہوس بھری نظروں سے روپ متی کی دیکھتا ہوا آگے نکل گیا۔ مجھے اس کی نیت میں کچھ فتور تھا لیکن میں کسی بھی ناخوشگوار صورتِ حال سے نمٹنے کے لیے تیار تھا۔

وہ شخص چند گز آگے جا کر مڑا اور ایک بار پھر ہو نظروں سے روپ متی کو دیکھتا ہوا اپنے ساتھیوں جا کر بیٹھ گیا اور سرگوشیوں میں ان سے باتیں کرنے لگ

ڈھابے میں اگرچہ دو تین ملازم بھی موجود تھے موہن لال روپ متی سے خود آرڈر لینے آیا تھا اور چا خود ہی لے کر آیا۔ روپ متی اٹھ کر بیٹھ گئی۔

چائے واقعی خوش ذائقہ تھی۔ ہم چائے پینے فوراً ہی اٹھ گئے۔ روپ متی نے موہن لال کو بلا کر کے دو نوٹ اس کے ہاتھ میں تھما دیے۔ موہن

باچھیں کھل اٹھیں۔

وہ لمبا تڑنگا آدمی ایک بار پھر اٹھ کر ہمارے پاس منڈلانے لگا تھا۔ ہم اس پر توجہ دیے بغیر گاڑی میں بیٹھ گئے۔ روپ متی نے انجن اسٹارٹ کر کے گاڑی آگے بڑھائی تو وہ شخص جان بوجھ کر راستے میں آگیا۔ اس دوران میں دو آدمی چارپائی سے اٹھ چکے تھے۔ روپ متی کی آنکھوں میں شوخی ابھر آئی۔ اس نے صورتِ حال کا اندازہ لگا لیا تھا۔ اس نے کن انکھیوں سے میری طرف دیکھا پھر اسٹیئرنگ پر جماتے ہوئے ہارن بجایا اور اس کے ساتھ ہی بلیسلیٹر پر ایک دم دباؤ ڈال دیا۔ لینڈ کروزر مینڈک کی طرح اچھل کر آگے بڑھی۔ وہ شخص بڑی تیزی سے اچھل کر ایک طرف گرا۔ روپ متی گاڑی کو اسی رفتار سے آگے لیتی چلی گئی۔

"سالا۔ حرامی۔" وہ دانت کچکچاتے ہوئے بولی "عورتوں کو دیکھ کر ان کی رال ٹپکنے لگتی ہے۔ مفت کا مال سمجھتے ہیں۔"

قہقہوں کی آواز سن کر میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ وہ آدمی اٹھ کر کپڑے جھاڑ رہا تھا اور اس کے ساتھی قہقہے لگا رہے تھے۔ میں سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ کچھ آگے جا کر لینڈ کروزر جودھ پور کی طرف جانے والی سڑک پر مڑ گئی اور روپ متی رفتار بڑھاتی چلی گئی۔

تقریباً ایک گھنٹے بعد ہم جودھ پور پہنچ گئے۔ ریگستان میں رنگ پھیلا ہوا یہ شہر اس وقت رنگ برنگی روشنیوں سے جگمگا رہا تھا۔ اس وقت اگرچہ رات کے گیارہ بجنے والے تھے شہر کے کئی علاقوں میں دن کا سا سماں تھا اور بڑی رونق تھی۔

لینڈ کروزر شہر کی مختلف سڑکوں سے گزرتی ہوئی سرکٹ ہاؤس کے گیٹ میں داخل ہو کر پارکنگ لاٹ پر رک گئی۔ باوردی ملازم فوراً ہی ہمارے قریب پہنچ گیا۔

سرکٹ ہاؤس میں کمرا حاصل کرنے میں روپ متی کو دشواری پیش نہیں آئی تھی لیکن مجھے یہ جان کر بڑی حیرت ہوئی کہ اس نے میرے لیے سرونٹ روم کا انتظام کرایا تھا۔ عمارت کے پچھلی طرف چھوٹے چھوٹے کمروں کی ایک قطار تھی۔ سرکٹ ہاؤس میں قیام کرنے والے دولت مندوں کے ملازمین کو انہی کمروں میں ٹھہرایا جاتا تھا۔ مجھے بھی انہی میں سے ایک کمرا دے دیا گیا اور کھانا بھی وہیں بھجوایا گیا۔

مجھے روپ متی کے اس رویے پر بڑا دکھ ہوا لیکن پھر خیال کو ذہن سے جھٹک دیا۔ اس میں افسردہ ہونے کی کیا بات تھی۔ میں اس کا زر خرید غلام ہی تو تھا۔ وہ میرے ساتھ کوئی بھی سلوک کر سکتی تھی۔ جنگل میں اس حادثے کے بعد اور سفر کے دوران میں اس نے مجھ سے جو بھی باتیں کی تھیں وہ محض میرا دل رکھنے کے لیے کی تھیں لیکن بہرحال' یہ اس کی مہربانی تھی کہ اس نے اب بھی مجھ پر اعتماد کیا تھا اور مجھے رسیوں سے باندھ کر ڈالنے کے بجائے کھلا چھوڑ دیا تھا۔

میں رات کو دیر تک روپ متی کے اس طرزِ عمل کے بارے میں سوچتا رہا پھر نیند کی آغوش میں پہنچ گیا۔

صبح چھ بجے مجھے سرکٹ ہاؤس کے ایک ملازم نے جگا دیا۔

"آدھے گھنٹے میں تیار ہو کر ناشتا کر لو۔ تمہاری مالکہ ٹھیک ساڑھے چھ بجے پارکنگ میں پہنچ جائے گی۔"

میں نے کیا تیاری کرنی تھی۔ کمروں کی اس قطار کے آخر میں غسل خانہ تھا۔ میں نے ٹھنڈے پانی سے نہا کر کسل مندی دور کی اور جب کمرے میں واپس پہنچا تو چھوٹی سی سائیڈ ٹیبل پر ناشتا رکھا ہوا تھا۔

ناشتا کر کے میں پارکنگ میں آگیا۔ روپ متی گاڑی کے قریب کھڑی تھی۔ مجھے اس کے رویے نے بہت بد دل کر دیا تھا۔ کئی مرتبہ بھاگ جانے کا خیال آیا تھا لیکن کہاں جاتا۔ یہی سوچ کر ہر مرتبہ بھاگنے کا ارادہ بدل دیا۔

مجھے دیکھتے ہی روپ متی نے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ کر انجن اسٹارٹ کر دیا۔ میں خاموشی سے پسنجر سیٹ پر بیٹھ گیا۔ گاڑی سرکٹ ہاؤس سے نکل کر شہر کی مختلف سڑکوں پر دوڑنے لگی۔ ایک پیٹرول پمپ سے فیول ٹینک فل کروایا گیا اور اس کے تھوڑی ہی دیر بعد گاڑی شہر کی حدود سے نکل کر جے پور کی طرف جانے والے ہائی وے پر دوڑنے لگی۔

"تمہیں شاید میرے رات والے رویے پر دکھ پہنچا ہے۔" روپ متی میری طرف دیکھتے ہوئے بولی "مجھے اس کا افسوس ہے مگر اس کی ایک خاص وجہ ہے جو بعد میں بتاؤں گی۔"

"میں آپ کا غلام ہوں مالکن۔ مجھے آپ کے رویے پر کوئی دکھ نہیں۔"

"وٹ نان سنس۔" روپ متی نے مجھے ڈانٹ دیا "اگر تمہارا یہ باتیں کرو گے تو میں تمہیں اتار دوں گی۔"

"مجھے تو آزادی مل جائے گی البتہ نقصان آپ ہی کا ہوگا۔" میں نے کہا۔

"ٹھیک کہتے ہو۔" اس نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔ "میں تمہیں کھونا نہیں چاہتی مگر تم اس طرح خاموش رہو گے

تو مجھے دکھ ہوگا۔"

اس کی باتوں سے مجھے ایک بار پھر حوصلہ ملا اور میری کیفیت بحال ہونے لگی۔ کچھ ہی دیر بعد میں اس کے گزشتہ رات والے رویے کو بھول چکا تھا۔

"تم پہلی مرتبہ ہندوستان آئے ہو۔ یہ بڑا پُراسرار ملک ہے اور یہ خطہ راجستھان' ہندوستان سے بھی زیادہ پُراسرار ہے۔ ہندوستان کی سیاست میں یہ خطہ صدیوں سے نہایت اہم کردار ادا کرتا رہا ہے۔" وہ مجھے اس خطے کے بارے میں بتانے لگی "یہ شہر جودھ پور جہاں سے ابھی ہم نکل کر آئے ہیں' اس کی اپنی ایک تاریخ ہے۔ صدیوں پہلے قنوج کے راٹھور ہجرت کرکے دنیا کے اس گرم ترین خطے میں آباد ہوئے تھے۔ ان کی وجہ سے یہ علاقہ مارواڑ کہلانے لگا۔ وہ لوگ ایک قبیلے کی صورت میں مندور اور اس کے آس پاس آباد تھے۔ دو سو سال بعد ۱۴۵۹ء میں راؤ جودھا نے اس شہر کی بنیاد رکھی کیونکہ مندور اب رہنے کے قابل نہیں رہا تھا۔ پانچ سو سال بعد راجا امید سنگھ نے اس علاقے کے لوگوں کو روزگار فراہم کرنے کے لیے ۳۴۷ کمروں پر مشتمل ایک عالی شان محل تعمیر کروایا۔ یہ محل آج کل ہوٹل ہے۔"

وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگی "جودھ پور قلعہ چار سو فٹ بلند پہاڑی پر واقع ہے جسے اس زمانے میں بہت اہمیت حاصل تھی۔ اس کے اندر پہنچنے کے لیے سات گیٹوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ اس میں آج کل ایک میوزیم بھی ہے جہاں قدیم سامان حرب اور نوادرات رکھے ہوئے ہیں۔ یہ بڑا خوب صورت شہر ہے۔ اگر وقت ہوتا تو میں تمہیں پورے شہر کی سیر کراتی لیکن پھر کبھی سہی۔"

روپ متی مجھے جودھ پور کے بارے میں بتاتی رہی۔ اس کی باتیں سن کر میرا دل چاہنے لگا کہ میں ان تاریخی عمارتوں کو دیکھوں مگر وہ شہر اب بہت پیچھے رہ گیا تھا۔

گاڑی تیز رفتاری سے دوڑتی رہی۔ سورج طلوع ہو چکا تھا۔ سڑک کے دونوں طرف تاحدِ نگاہ ریگستان پھیلا ہوا تھا جس میں کہیں کہیں چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں نظر آرہی تھیں۔

تقریباً ڈیڑھ سو کلومیٹر کا فاصلہ طے کرکے ہم اجمیر جیسے خوب صورت شہر میں پہنچ گئے۔ روپ متی نے گاڑی ایک شان دار ائیر کنڈیشنڈ ریسٹورنٹ کے سامنے روکی تھی۔ ریسٹورنٹ کی پُرسکون اور خنک فضا میں کھانا کھاتے ہوئے وہ مجھے اجمیر کی تاریخی اہمیت کے بارے میں بتاتی رہی۔ اس کی باتیں سن کر لگتا تھا جیسے اسے راجستھان کے تمام شہروں کی تاریخ ازبر ہو۔

کھانا کھانے اور ایک گھنٹا آرام کرنے کے بعد ہم جے پور کی طرف روانہ ہوگئے جو اجمیر سے ایک سو پینتیس کلومیٹر کے فاصلے پر تھا۔ روپ متی راستے میں آنے والے ہر قصبے' گاؤں' بستی اور ان چھوٹی بڑی جھیلوں کے بارے میں بتاتی رہی جن کی بدولت زندگی اس ریگستان میں سانس لے رہی تھی۔ شام چھ بجے کے قریب ہماری گاڑی جے پور شہر کی حدود میں داخل ہوگئی۔ مجھے یہ دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی کہ اس شہر کی ہر چھوٹی بڑی عمارت کا رنگ گلابی تھا۔

"جے پور کو گلابی شہر بھی کہتے ہیں۔" روپ متی میرے پوچھنے پر بتا رہی تھی "جے پور سے پہلے امبر راجستھان کا دارالحکومت ہوا کرتا تھا لیکن وہاں زندگی کی سہولتیں مفقود ہونے لگیں تو ۱۷۲۸ء میں وہاں سے صرف گیارہ کلومیٹر دور مہاراجا سیوائی جے سنگھ ثانی نے اس شہر کی بنیاد رکھی۔

"اس شہر کی عمارتیں بھی دوسرے شہروں کی طرح مختلف رنگوں میں رنگی ہوئی تھیں لیکن ۱۸۸۳ء میں برطانیہ کے پرنس البرٹ نے جے پور کا دورہ کیا تو اسے خوش آمدید کہنے کے لیے اس شہر کی تمام عمارتوں پر گلابی رنگ کروایا گیا جسے خوشی اور شادمانی کی علامت سمجھا جاتا ہے۔"

شہر کی قدیم اور شان دار عمارتوں کو دیکھ کر مجھے حیرت ہو رہی تھی۔ روپ متی مختصراً راستے میں آنے والی ان عمارتوں کے بارے میں بتا رہی تھی اور بالآخر گاڑی شہر کے مشرقی علاقے میں واقع ایک چھوٹی سی پہاڑی کے دامن میں ایک نہایت عالی شان محل نما عمارت میں داخل ہوگئی۔

یہ روپ متی کی حویلی تھی جو کسی شاہی محل سے کم نہیں تھی۔ بہت وسیع و عریض لان تھا جس کے وسط میں بہت بڑا حوض میں فوارہ لگا ہوا تھا۔

شان دار پورچ میں گاڑی رکی تو دو بتے کتے ملازم اچانک ہی کسی طرف سے نکل کر سامنے آگئے۔ وہ دونوں مخصوص راجستھانی لباس میں تھے۔ انہوں نے ہاتھ جوڑ کر روپ متی کو پرنام کیا اور میری طرف دیکھنے لگے۔ روپ متی نے انہیں کچھ ہدایات دیں اور مجھے ساتھ لے کر برآمدے والے دروازے سے اندر داخل ہوگئی۔

یہ وسیع و عریض ہال دیکھ کر میری آنکھیں حیرت سے کھلی رہ گئیں۔ مجھے لگتا تھا جیسے میں کسی شاہی محل میں ہوں۔ ہر کمرا بہت کشادہ' قیمتی اور شان دار ساز و سامان سے آراستہ تھا۔ پورچ میں ملنے والے دو آدمیوں کے علاوہ جوان اور حسین عورتیں بھی ملی تھیں۔ وہ بھی روپ متی کے خادمائیں تھیں۔

روپ متی مجھے ایک شان دار خواب گاہ میں چھوڑ کر چلی گئی۔ میں کچھ دیر کمرے کے وسط میں کھڑا اِدھر اُدھر دیکھتا رہا پھر آرام دہ بستر پر گر گیا۔ اس طویل سفر نے مجھے بھی بری طرح تھکا دیا تھا۔ بستر پر گرتے ہی میری آنکھیں بند ہونے لگیں۔

روپ متی سے میری اگلی ملاقات کھانے کی میز پر ہوئی تھی۔ مجھے نو بجے کے قریب ایک ملازمہ نے جگایا تھا۔ میں ٹھنڈے پانی سے غسل کرکے تازہ دم ہو کر خادمہ کے ساتھ کھانے کے کمرے میں پہنچا تو روپ متی میری منتظر تھی۔ اسے دیکھ کر میری نظریں خود بخود جھک گئیں۔ بہت ہی شرمناک لباس پہن رکھا تھا اس نے۔

کھانے سے فارغ ہوئے ہی تھے کہ ایک خادم نے ٹھاکر بھنور سنگھ کی آمد کی اطلاع دی۔ بھنور سنگھ کا نام سن کر میری آنکھوں میں چمک سی ابھر آئی جبکہ روپ متی کی خوب صورت پیشانی پر بل پڑ گئے تھے۔ اس نے مہمان کو ڈرائنگ روم میں بٹھانے کو کہا اور کچھ دیر بعد جب وہ ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی تو میں بھی اس کے ساتھ تھا۔

صوفے پر بیٹھا ہوا ٹھاکر بھنور سنگھ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اس کے چہرے سے پریشانی ہویدا تھی۔

"کیا بات ہے ٹھاکر جی۔ آپ کی صورت پر بارہ کیوں بج رہے ہیں۔" روپ متی نے اس کے پرنام کے جواب میں ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔

"غضب ہو گیا روپ متی جی۔" ٹھاکر بولا "وہ داسی فرار ہوگئی ہو آپ نے مجھے تحفے میں دی تھی۔"

"اوہ۔ کیسے؟" روپ متی چونک گئی۔

"کل دوپہر جودھ پور سے آتے ہوئے ہم کھانا کھانے کے لیے پشکر کے ایک ہوٹل میں تھوڑی دیر کے لیے رکے تھے۔" ٹھاکر بھنور سنگھ کہہ رہا تھا "وہ داسی باتھ روم گئی تھی۔ بس غلطی ہوگئی' میں اس کے ساتھ نہیں گیا تھا۔ وہ موقع پاکر پچھلے دروازے سے فرار ہوگئی اور۔"

میں اب ٹھاکر کی بات نہیں سن رہا تھا۔ پشکر کا نام سن کر میرے دماغ میں جھماکے سے ہو رہے تھے۔ میری نظروں کے سامنے کامنی کا چہرہ گھومنے لگا۔ وہی کامنی جس نے ٹاؤن ٹیپل میں میرے ساتھ مارشل آرٹس کی تربیت حاصل کی تھی۔ جانکی سے بھی اس کی دوستی تھی اور جانکی یہ بھی جانتی تھی کہ کامنی پشکر کی رہنے والی تھی اور اتفاق سے جانکی ٹھاکر کے ساتھ پشکر پہنچ گئی تھی جہاں موقع پاکر وہ غائب ہوگئی۔

آپ متی اور ٹھاکر بھنور سنگھ باتیں کر رہے تھے اور میں خاموش لفظوں ہی دل میں مسکرا رہا تھا۔

ٹھاکر بھنور سنگھ کے آجانے سے میری بہت بڑی مشکل حل ہوگئی تھی۔ مجھے یہ پتا چل گیا تھا کہ جانکی کہاں تھی۔ پشکر۔۔۔ کامنی کا شہر تھا اور مجھے یقین تھا کہ ٹھاکر بھنور سنگھ کے بھنور سے نکل کر جانکی سیدھی کامنی ہی کے پاس پہنچی ہوگی۔ میں جانکی کی ذہانت اور ہمت کی داد دیے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ اس نے موقع سے فائدہ اٹھایا تھا اور ایک بڑی مصیبت سے نکل گئی تھی لیکن میرے ذہن میں کچھ اور وسوسے بھی سر ابھار رہے تھے۔ ٹھاکر کے شکنجے سے نکل کر جانکی اپنی منزل پر پہنچ سکی تھی یا کسی اور مصیبت میں گرفتار ہوگئی تھی۔ جانکی کی پیدائش تھائی لینڈ کی تھی۔ وہ بچپن میں شاید ایک مرتبہ ہندوستان آئی تھی مگر اس نے بتایا تھا کہ وہ بنارس گئی تھی اور اس شہر تک ہی محدود رہی تھی اور پھر یہ بہت پرانی بات تھی۔ کئی سال بیت گئے تھے۔ بنارس کی چند روزہ یادیں بھی اس کے ذہن سے مٹ گئی تھیں۔ پچیس تیس برسوں میں تو کسی شہر کا نقشہ ہی بدل جاتا ہے۔ اب اگر اسے بنارس جانے کا بھی اتفاق ہو تو وہ ان راستوں کو تلاش نہیں کر پائے گی جہاں سے وہ بچپن میں صرف ایک مرتبہ گزری تھی۔ بنارس کے حوالے سے بچپن کی ان یادوں سے قطع نظر ہندوستان میری طرح جانکی کے لیے بھی اجنبی تھا۔ پشکر کا اس نے بھی صرف نام ہی سنا تھا۔ اس شہر کے بارے میں وہ بھی کچھ نہیں جانتی تھی۔ کسی اجنبی شہر میں نامعلوم منزل تک پہنچنا آسان نہیں ہوتا اور جانکی جیسی حسین عورت اکیلی ہو تو اس کے لیے خطرات اور بھی بڑھ جاتے ہیں۔ اس کا حلیہ بھی کچھ ایسا ہی تھا۔ [illegible] لباس اور برہنہ پا۔ پولیس ایسے لوگوں کی طرف جلد [illegible] ہو جاتی ہے اور اگر پولیس توجہ نہ بھی دے تو [illegible] حسین اور بد حال عورتیں غنڈوں اور بدمعاشوں کی [illegible] میں تو فوراً ہی آجاتی ہیں۔ وہ تو ایسی حسین عورتوں کی تاک میں رہتے ہیں جنہیں آسانی سے شکار کیا جا سکے۔ یہ میں جانتا تھا کہ جانکی آسانی سے کسی کا شکار ہونے والی نہیں تھی مگر بدترین اندیشوں کو نظر انداز تو نہیں کیا جا سکتا تھا مگر۔۔۔ میرے ذہن میں ایک اور خیال بھی تھا۔ جانکی بغیر سوچے سمجھے فرار نہیں ہوئی ہوگی۔ پشکر شہر کا نام سنتے ہی اس کے ذہن میں کامنی کا نام بھی ابھرا ہوگا اور اسی لیے اس نے اچانک ہی فرار کا منصوبہ بنایا ہوگا اور اسے موقع بھی مل گیا۔

کامنی کوئی غیر معروف شخصیت نہیں تھی۔ اس کا تعلق جے پور کے ایک بہت بڑے برہمن خاندان سے تھا۔ پشکر میں اس کا ماما تھا جس کا نام میں بھول گیا تھا مگر ممکن ہے جانکی

کو یاد ہو۔ ویسے بھی میرے خیال میں کسی بڑے شہر میں بھی کامنی جیسی عورت کو تلاش کرلینا مشکل نہیں تھا۔ وہ کوئی گمنام ہستی تو تھی نہیں۔ اس نے پشکر میں مارشل آرٹس کا ٹریننگ سینٹر کھول رکھا تھا۔ اس کے نام سے سینٹر کو تلاش کرلینا مشکل نہیں ہوگا۔ اس قسم کے خیالات سے مجھے کچھ حوصلہ ملا اور میں نے گویا اپنے طور پر یہ سمجھ لیا کہ جانکی' کامنی کے پاس پہنچ گئی ہوگی اور اب ہر قسم کے خطرات سے محفوظ ہوگی۔

دوسری طرف راجکماری روپ متی بھی کوئی غیر معروف ہستی نہیں تھی۔ اس نے مجھے جو اپنی داستان سنائی تھی اور یہ محل نما حویلی دیکھ کر بھی مجھے اندازہ ہوگیا تھا کہ اسے بھی جے پور کا بچہ بچہ جانتا ہوگا۔ کامنی بھی تو جے پور ہی کی رہنے والی تھی۔ وہ بھی روپ متی کو جانتی ہوگی۔ ہوسکتا ہے جانکی نے کامنی کے میرے بارے میں بھی بتادیا ہو اور عین ممکن ہے مجھے اس غلامی سے رہائی دلانے کے لیے بھی کوئی کوشش کی جائے۔

"ایک بات میری سمجھ میں نہیں آئی ٹھاکر جی۔" روپ متی کی آواز سن کر میرے خیالات منتشر ہوگئے اور میں ایک بار پھر ان کی باتوں کی طرف متوجہ ہوگیا "مجھے حیرت ہے وہ عورت تم جیسے گھاگ آدمی کو کیسے چکما دے گئی!"

"میری بدھی (عقل) گھاس چرنے چلی گئی تھی روپ متی جی۔" ٹھاکر نے پیشانی پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا "وہ بولے تھی کہ اسے باتھ روم جانا ہے۔ یوں انگلی اٹھا دیو تھی۔" اس نے بائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی اٹھادی "میں ویٹریس کو بول دیا کہ اسے باتھ روم کا راستہ دکھا دے۔ یہی میرے سے غلطی ہوگیو تھی۔ مجھے خود اس کے ساتھ جانا چاہیے تھا۔ میں دروازے کے باہر کھڑا رہتا مگر یہ بات اس وقت میری کھوپڑی میں نہیں آیو تھی۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بولا "باتھ روم' ریسٹورنٹ کے پچھلی طرف تھا۔ وہ کتیا خاموشی سے اس طرف سے نکل گئی۔"

"تو تم نے اسے تلاش نہیں کیا...؟" روپ متی نے پوچھا۔

"میں تلاش نہیں کیا!" ٹھاکر کے لہجے میں استعجاب تھا۔ "میں تو کل سارا دن ادھر رہا۔ رات ادھر رہا۔ آج دوپہر تک وہاں رہا۔" وہ کہہ رہا تھا "دو بندے تو میرے اپنے ساتھ تھے جو اسے پہچانتے بھی تھے۔ چار چھ بندے میں نے رانا پریم سنگھ سے مانگ لیے تھے۔ ہم سب اس کو تلاش کیے رہا۔ سارا چھان مارا۔ گاؤ شالا' آشرم' مندر ہر جگہ دیکھ لیا مگر اس کا پتا نہیں چلا۔ پتا نہیں وہ کتیا کہاں غائب ہوگیو ہے۔"

"پولیس میں اس کی گمشدگی کی رپورٹ لکھوا ہوتی۔" روپ متی نے کہا۔

"پولیس کو کیا بتاتا۔" ٹھاکر نے کہا "یہی کہ ہم کنیز خر لایو تھا' وہ بھاگ گیو ہے! نہیں روپ متی جی۔ ہم پولیس پاس بھی نہیں جاسکتے۔"

"تو پھر صبر کرلو۔" روپ متی نے مسکراتے ہو جواب دیا۔

"صبر تو کرلوں گا پر میں ادھر اس لیے آیا ہوں کہ ا لونڈیا کبھی ادھر آجائے تو میرے پاس بھیج دینا۔"

"واہ ٹھاکر جی۔" روپ متی نے ہلکا سا قہقہہ لگایا تو ایسے کہہ رہے ہیں کہ وہ میرے گھر سے گئی ہے اور یہاں آجائے گی۔"

ٹھاکر بھنور سنگھ اپنی حماقت پر خجل سا ہوگیا۔ وہ روپ متی کی طرف دیکھتے ہوئے جھینپ مٹانے کے لیے بولا۔

"یہ آپ کے سر پر کیا ہوا روپ متی جی۔"

"چوٹ لگ گئی تھی۔" روپ متی نے جواب دیا "پور سے نکلتے ہوئے گاڑی کے سامنے اچانک ہی ایک آگیا تھا۔ ایک دم بریک لگانے سے میرا سر ونڈ اسکرین ٹکرا گیا پر آپ پریشان نہ ہوں۔ میں بالکل ٹھیک ہوں۔"

ٹھاکر بھنور سنگھ کے چہرے پر ایسے تاثرات ابھر تھے جیسے وہ واقعی پریشان ہوگیا ہو لیکن دوسرے ہی لمحے کے تاثرات معمول پر آگئے۔

میں ایک مطیع و فرماں بردار غلام کی طرح ایک طر کھڑا ان کی باتیں سنتا رہا۔ دو دن پہلے غلاموں کی منڈی میں نے ٹھاکر کی باتیں سنی تھیں اور اب بھی اس کی باتیں رہا تھا۔ ان باتوں سے میں اندازہ لگا چکا تھا کہ ٹھاکر بھنور بہت ہی لیچڑ قسم کا آدمی ہے۔ ہوسکتا ہے اس کا تعلق اچھے خاندان سے ہو۔ اس کے پاس دولت کی بھی کمی ہوگی لیکن ذاتی طور پر وہ بہت ہی لیچڑ قسم کا آدمی ثابت تھا۔ روپ متی نے ڈیڑھ لاکھ میں خریدی ہوئی کنیز دی تھی جو اسے دھوکا دے کر بھاگ گئی تھی مگر بہرحال روپ متی کا احسان مند تھا۔

ٹھاکر بھنور سنگھ عیاش آدمی تھا۔ وہ عیاشی کے کنیزیں خریدا کرتا تھا اور میں پورے وثوق سے کہہ کہ کہ روپ متی کے لیے بھی اس کا دل للچاتا ہوگا۔ اگر متی اسے معمولی سا اشارہ بھی کردے تو وہ فوراً ہی اس چاٹنے لگے۔

ٹھاکر بھنور سنگھ تقریباً آدھا گھنٹا وہاں رہا۔ اس دوران میں روپ متی نے اسے چائے یا پانی تک نہیں پوچھا تھا اور جب وہ رخصت ہونے لگا تو روپ متی نے اتنے اخلاق کا مظاہرہ ضرور کیا کہ پورچ تک اس کے ساتھ آگئی تھی۔ میں بھی مستعد باڈی گارڈ کی طرح روپ متی کے پیچھے ہی تھا۔

پورچ میں روپ متی کی لینڈ کروزر کے پیچھے نیلے رنگ کی شان دار اسپورٹس کار کھڑی تھی۔ ٹھاکر بھنور سنگھ اسٹیئرنگ کے سامنے بیٹھ گیا۔ انجن اسٹارٹ کرکے اس نے روپ متی کی طرف دیکھ کر ہاتھ ہلایا اور کار کو ریورس میں لیتا چلا گیا۔

"بے وقوف کہیں کا۔" روپ متی بڑبڑائی "ایک لونڈیا اے لات مار کر چلی گئی۔ اس کے ساتھ ہمیشہ ایسا ہی ہوتا ہے۔"

ٹھاکر نے کہا تھا کہ جانکی پشکر کے ایک ہوٹل سے غائب ہوگئی تھی۔ ہم بھی تو اس طرف سے آئے ہیں۔ ہمارے راستے میں تو اس نام کا کوئی شہر یا قصبہ نہیں آیا تھا۔" میں نے ٹھاکر کے بارے میں اس کے تبصرے کو نظرانداز کرتے ہوئے کہا۔

"ہم اجمیر کی طرف سے آئے تھے۔" روپ متی نے اندر آنے کے لیے واپس مڑتے ہوئے کہا "پشکر اجمیر سے چند کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ جودھ پور سے اجمیر کی طرف آتے ہوئے چند میل پرے ایک اور چھوٹا سا قصبہ ہے جہاں سے ایک سڑک پشکر کی طرف نکل جاتی ہے۔ پشکر سے ایک سڑک تو اجمیر کو ملاتی ہے اور دوسری سڑک اوپر سے ہوتی ہوئی جے پور آنے والے بائی پاس سے آن ملتی ہے۔ اب یہ ڈرائیو کرنے والے کی مرضی پر منحصر ہے کہ وہ ان دونوں شہروں میں سے کسی ایک کو بائی پاس کرتا ہوا نکل جائے مگر تم یہ کیوں پوچھ رہے ہو۔ جانکی کی تلاش میں جانے کا ارادہ ہے کیا؟" بات ختم کرتے ہوئے اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آگئی تھی۔

"یہ غلام اتنی جرأت نہیں کرسکتا کہ اپنی مالکن کے متعلق کو دھوکا دے کر بھاگنے کی کوشش کرے۔" میں نے جواب دیا۔

"پھر وہی مالکن۔" روپ متی نے مجھے گھورا "ویسے انکی تمہیں یاد تو آتی ہوگی اور اس کے اس طرح بھاگ جانے پر خوشی بھی ہوئی ہوگی؟"

"جانکی سے میرا کئی برسوں کا ساتھ تھا۔ اس نے کئی مرتبہ میری خاطر اپنی زندگی داؤ پر لگائی تھی اور اب تک جو بھی ہوا' میری وجہ سے ہوا۔ اسے میں آسانی سے نہیں

مشہور ماہرین نفسیات کی آرا پر مشتمل کتاب

احساس کمتری

اسباب تدارک علاج

اس کتاب کا مطالعہ آپ کو بتائے گا کہ

- احساس کمتری سے کس طرح نجات حاصل کی جاسکتی ہے۔
- کامیاب زندگی گزارنے کے اصول کیا ہیں۔

قیمت 25 روپے
ڈاک خرچ 23 روپے

کتاب کی قیمت مع ڈاک خرچ بذریعہ
منی آرڈر ارسال کریں

شعاع کمپلیٹ کارنر
مکتبہ نفسیات
پوسٹ بکس ... 7200
فون: 8602561 فیکس: 8602552-8895313

kitabiat@hotmail.com
kitabiat1970@yahoo.com

بھلا سکتا اور جہاں تک اس کے بھاگ جانے کا تعلق ہے تو مجھے یہ خبر سن کر واقعی خوشی ہوئی ہے۔" میں نے خاموش ہو کر اس کی طرف دیکھا "اب میری دعا ہے کہ وہ دوبارہ غلط ہاتھوں میں نہ پڑ گئی ہو اور وہ کسی محفوظ جگہ پر پہنچ گئی ہو۔"

"تم نے بتایا تھا کہ ہندوستان میں اس کے خاندان کے کچھ لوگ موجود ہیں۔ تمہارے خیال میں پشکر میں اس کے لیے کوئی محفوظ جگہ ہو سکتی ہے؟" روپ متی نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"وہ بچپن میں ایک مرتبہ بنارس گئی تھی۔" میں نے جواب دیا "اب مجھے نہیں معلوم کہ بنارس پشکر سے کتنی دور ہے اور یہ کہ پشکر میں اسے کوئی سہارا مل سکتا ہے یا نہیں۔"

"بنارس ہندوستان کے دوسرے سرے پر ہے۔" روپ متی نے کہا "اور جہاں تک سہارے کا سوال ہے تو جانکی جیسی حسین اور جوان عورتوں کو کوئی سہارا تلاش کرنے میں زیادہ دشواری پیش نہیں آتی۔ ویسے یہ الگ بات ہے کہ وہ سہارا کس قیمت پر ملتا ہے اور کتنا پائیدار ہوتا ہے۔"

ہم باتیں کرتے ہوئے اندر آ گئے۔ اس وقت ایک ملازمہ ہال میں موجود تھی۔ میں نے پہلی مرتبہ گہری نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔ اس کی عمر بیس اکیس سال سے زیادہ نہیں تھی۔ رنگت ایسی گوری کہ ہاتھ لگانے سے میلی ہو جائے۔ اس کے چہرے کے نقوش عام ہندوستانی عورتوں سے مختلف تھے لیکن اس کے حسین ہونے میں کوئی شبہ نہیں تھا۔ وہ اٹھتا ہوا شباب تھی۔ اس نے ہلکے نیلے رنگ کا راجستھانی گھاگرا اور اسی رنگ کی چولی پہن رکھی تھی۔

"یہ مُندری ہے۔" روپ متی نے ملازمہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "اگر تمہیں کسی چیز کی ضرورت ہو تو بلا تکلف اس سے کہہ دینا۔ میں دوسروں کو بھی ہدایت کر دوں گی۔ کوئی بھی ملازم یا ملازمہ تمہاری بات نہیں ٹالے گی۔ آؤ۔ میں پہلے تمہیں اپنی حویلی دکھاؤں۔"

میں نے ایک بار پھر مندری کی طرف دیکھا۔ وہ بھی میری طرف دیکھ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں حیرت بھی تھی اور الجھن بھی۔ حیرت شاید اس بات پر تھی کہ گھر کے پرانے ملازموں کی باگ ڈور اس غلام کے ہاتھ میں دی جا رہی تھی جسے مالکن آج ہی خرید کر لائی تھی۔

"مُندری کے چہرے کے نقوش بتا رہے ہیں کہ یہ ہندوستانی تو نہیں ہے۔" میں نے روپ متی کے ساتھ چلتے ہوئے کہا۔ اسے دیکھ کر نجانے کیوں مجھے چیانگ سائین میں پولیس دومن رنگ سنت کی بیٹی سونیا یاد آ گئی تھی۔ وہ جو گولڈن ٹرائی اینگل تک ہمارے ساتھ گئی تھی اور پھر اس کے بعد ہندوستان کی طرف آ گئی تھی۔ مندری کے چہرے کے نقوش بڑی حد تک سونیا سے مشابہت رکھتے تھے۔

"مندری سو فی صد ہندوستانی ہے۔" روپ متی نے جواب دیا "اس کی ماں تبتی تھی اور باپ پنجاب کا رہنے والا تھا۔ دونوں کا انتقال ہو چکا ہے۔ تین سال پہلے میں ایک کام سے دہلی گئی تھی۔ وہاں اپنے ایک رشتے دار کے گھر میں اسے دیکھا۔ یہ اگرچہ تھی تو ملازمہ ہی مگر اس کے ساتھ بہت افسوس ناک سلوک کیا جاتا تھا۔ میں اسے اپنے ساتھ لے آئی۔ اس وقت سے یہ میرے پاس ہے۔ میں نے سارا کام اس پر چھوڑ رکھا ہے۔ بہت بھروسے کی اور قابلِ اعتماد لڑکی ہے۔"

میں کچھ کہنے کے بجائے خاموشی سے روپ متی کے ساتھ چلتا رہا۔ وہ مجھے گھوم پھر کر اپنی حویلی دکھاتی رہی۔ حویلی کیا تھی، ایک محل تھا۔ کئی غلام گردشیں اور متعدد کمرے تھے۔ ہر کمرا قیمتی ساز و سامان سے آراستہ تھا۔ اوپر کی منزل بھی چار کمرے تھے جن کے آگے بہت وسیع ٹیرس بنا ہوا تھا۔

تقریباً ایک گھنٹے میں اس حویلی میں گھومنے کے بعد ہم مرکزی ہال میں واپس آ گئے۔ جیسا کہ میں پہلے بھی بتا چکا ہوں کہ روپ متی کا باپ ایک چھوٹی سی ریاست کا راجا تھا۔ ریاست ختم ہو گئی تو اسے ہند سرکار کی طرف سے، وظیفہ ملنے لگا۔

باپ اور بھائی کے مرنے کے بعد سرکار سے وہ وظیفہ اب روپ متی کو ملتا تھا۔ نقد لاکھوں روپے سالانہ کے علاوہ سرکار کی طرف سے اور بھی بہت سی مراعات اسے حاصل تھیں۔ ان کے علاوہ اسے اپنے سونر گڑ باشی پتی نرائن سنگھ کی طرف سے بھی کروڑوں کا ورثہ ملا تھا اور یہ ساری دولت اتنی تھی کہ روپ متی کے بعد اس کی آنے والی دو تین نسلیں بھی کوئی کام دھندا کیے بغیر عیش کی زندگی گزار سکتی تھیں۔

بارہ بج چکے تھے۔ ہم ایک بار پھر ہال میں آ گئے۔ وہی ملازمہ ہمارے لیے کافی بنا کر لے آئی۔ اس کا نام کملا تھا۔ کملا بھی مندری کی طرح حسین تھی اور اس کی عمر بھی بائیس تیئیس سال سے زیادہ نہیں تھی۔ تیسری ملازمہ کو میں نے شروع میں صرف ایک بار دیکھا تھا۔ اس کے بعد وہ نظر نہیں آئی تھی۔ جب میں یہاں آیا تھا تو دو بڈھے مرد ملازم دکھائی دیے تھے لیکن ان میں سے کوئی بھی اب تک ایک مرتبہ بھی اندر داخل نہیں ہوا تھا۔ انہیں شاید اندر داخل ہونے کی اجازت نہیں تھی۔

کافی کی چسکیاں لیتے ہوئے روپ متی راجستھان کے مختلف راجواڑوں کے بارے میں بتاتی رہی۔ اس کی ہر بات میں ایک نیا انکشاف تھا۔ تمام راجواڑے سرکار کے دیے ہوئے وظیفوں پر پل رہے تھے۔ ان کے پاس دولت کی ریل پیل تھی اور کرنے کو کوئی کام نہیں تھا۔ انہیں عیاشیوں اور آپس کے جھگڑوں سے فرصت ہی نہیں ملتی تھی۔ کوئی اور کام کیسے کرتے!

باتوں کے دوران میں مجھے اچانک ہی تیج سنگھ اور دھرمیش کا خیال آ گیا۔ وہ لوگ ہم سے کئی گھنٹے پہلے منڈی سے روانہ ہوئے تھے اور میں سمجھ رہا تھا کہ وہ ہم سے پہلے یہاں پہنچ گئے ہوں گے لیکن جب سے ہم آئے تھے ان میں سے کوئی بھی دکھائی نہیں دیا تھا۔ میں نے روپ متی سے ان کے بارے میں پوچھا تو وہ مسکراتے ہوئے بولی۔

"دو چار روز تک تو وہ مجھے اپنی صورت نہیں دکھائیں گے اور جب آئیں گے تو میرے پیر چاٹنا شروع کر دیں گے لیکن میں نے فیصلہ کر لیا ہے۔ ان کے لیے اب میرے پاس کوئی جگہ نہیں ہے۔"

"کیا اس طرح وہ تمہارے دشمن نہیں بن جائیں گے؟" میں نے اس کے چہرے پر نظریں جما دیں۔

"چہ پدی چہ پدی کا شوربا۔" روپ متی نے کہا "ان کی اوقات ہی کیا ہے۔ میں نے انہیں گندی نالی سے اٹھا کر محل میں پہنچایا تھا۔ وہ یہاں عیش کرتے تھے۔ انہوں نے مجھ سے جو کچھ حاصل کر لیا ہے۔ بڑی لمبی چوڑی جائداد بنا لی ہے۔ وہ شرافت سے رہیں گے تو ان کے دن اچھے گزر جائیں گے اور اگر پر پرزے نکالنے کی کوشش کی تو میں انہیں مچھر کی طرح چٹکی میں مسل دوں گی۔"

"وہ چٹکی میں مسلے جانے سے پہلے تمہارے لیے کچھ پریشانیاں تو پیدا کر سکتے ہیں۔" میں نے کہا "یہ سب کچھ میری سمجھ سے ہوا۔ نہ میں بیچ میں آتا اور نہ یہ بدمزگی پیدا ہوتی۔ تم کے بھی کچھ اپنے تعلقات ہوں گے۔ تمہیں کوئی نقصان پہنچانے کے لیے وہ دوسروں سے بھی مدد لے سکتے ہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہیں ان سے یہ دشمنی مہنگی پڑ جائے!"

"ان میں اتنی جرات نہیں کہ میرے خلاف کوئی ایسا ویسا اقدام کر سکیں لیکن سب سے بڑی بات یہ ہے کہ تمہارے سامنے ہوئے مجھے کسی کی دشمنی کی پروا نہیں۔ میں نے تم پر اعتماد (اعتماد، یقین، بھروسا) کیا ہے اور میں..." وہ خاموش ہو گئی۔ میری آنکھوں میں جھانکنے لگی "اور میں نے کسی کو پہچاننے میں کبھی غلطی نہیں کی۔"

"دھوکا اور فریب میری فطرت میں نہیں ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"میں جانتی ہوں۔" روپ متی مسکرائی "منڈی سے روانہ ہونے سے لے کر یہاں تک تمہیں بہت سے مواقع ملے تھے۔ جنگل میں جب ہمیں روکا گیا تھا اور تمہاری جھنگڑی بھی کھل گئی تھی تو تم بڑی آسانی سے وہاں فرار ہو سکتے تھے لیکن تم نے ایسا نہیں کیا۔ اس کے برعکس مجھے ان لوگوں سے بچانے کے لیے اپنا جیون داؤ پر لگا دیا اور جب میں بے ہوش ہو گئی تھی اور تم میرے دشمنوں کو بھی ختم کر چکے تھے اس وقت بھی تمہیں بھاگ جانے کا موقع حاصل تھا مگر تم نے وفا پر آنچ نہیں آنے دی اور پھر۔" وہ ایک لمحے کو خاموش ہو گئی۔ اس کی نظریں بدستور میرے چہرے پر مرکوز تھیں "جودھ پور میں سرکٹ ہاؤس میں قیام کے دوران بھی تمہیں ایسا موقع ملا تھا۔ تم پر کوئی نگرانی نہیں تھی۔ تم سرکٹ ہاؤس سے نکل کر شہر میں گم ہو سکتے تھے۔ جودھ پور بہت بڑا شہر ہے۔ وہاں کسی کو تلاش کر لینا آسان نہیں اور تم بڑی آسانی سے غائب ہو سکتے تھے مگر تم نے وہاں بھی ایسا نہیں کیا۔ کیا یہ اس بات کا ثبوت نہیں کہ تم پر آنکھیں بند کر کے وشواس کیا جا سکتا ہے؟"

"ٹھیک کہتی ہو۔" میں نے جواب دیا "میں تمہارے اس وشواس کو دھوکا نہیں دوں گا لیکن ایک بات میں بھی تم سے نہیں چھپانا چاہتا اور..."

"میں جانتی ہوں تم کیا کہنا چاہتے ہو۔" روپ متی نے میری بات کاٹ دی۔ اس کے ہونٹوں کی مسکراہٹ گہری ہو گئی تھی۔

"کیا...؟" میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔ میرے بارے میں اس کا ایک اندازہ تو درست تھا کہ میں اس کے ساتھ کبھی دھوکا نہیں کروں گا اور اس کے اعتماد کو ٹھیس نہیں پہنچاؤں گا اور اب میں یہ جاننا چاہتا تھا کہ میرے بارے میں اس کا دوسرا اندازہ کہاں تک درست نکلتا ہے۔

"بتا دوں...؟" اس کی آنکھیں چمکنے لگیں۔

"ہاں۔ بتا دو۔" میں بھی مسکرا دیا۔

"یہی کہ تم زندگی بھر میرے غلام بن کر نہیں رہ سکتے اور ایک نہ ایک دن مجھے چھوڑ کر چلے جاؤ گے۔" روپ متی نے پُرسکون لہجے میں کہا۔

میں اچھل پڑا۔ درحقیقت یہی بات تھی جو میں اس سے

کہنا چاہتا تھا۔ وہ واقعی سمجھ دار تھی۔ اس نے میرا ذہن پڑھ لیا تھا۔

"میں جانتی ہوں۔" وہ گہرا سانس لیتے ہوئے بولی "شیر کو پنجرے میں قید کرکے رکھا تو جاسکتا ہے لیکن اس کا من نہیں جیتا جاسکتا اور من جیتنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ اسے پریم کے جال میں رکھا جائے۔"

"ایک بات یاد رہے کہ میں تمہارا زر خرید غلام ہوں۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا "اور کسی غلام سے پریم کرنا بڑی معیوب سی بات ہوگی۔"

"میں پریم کا فلسفہ نہیں جانتی مگر یہ سمجھتی ہوں کہ پریم دھرم' ذات پات' امیری غریبی اور آقا غلام کی تفریق کو نہیں سمجھتا۔ بہرحال۔" وہ جماہی لیتے ہوئے بولی "اس وقت مجھے نیند آرہی ہے۔ بہت تھک گئی ہوں۔ اس موضوع پر صبح بات کریں گے۔"

وہ اٹھ کر کھڑی ہوگئی۔ میں نے بھی اپنی سیٹ چھوڑ دی۔ اسی وقت مندری بھی کسی طرف سے نمودار ہو کر سامنے آگئی۔

"مندری۔" روپ متی اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ "میں سونے جارہی ہوں۔ ان مہاشے کو بھی کمرا دکھا دو اور اسے کسی چیز کی ضرورت ہو تو بندوبست کردینا۔"

"جی مالکن۔" مندری نے جواب دیا۔

روپ متی نے مڑ کر میری طرف دیکھا پھر میرے قریب آکر دونوں بازو پکڑ لیے اور میرے چہرے پر نظریں جمادیں۔ اس کی آنکھوں میں سرخی کے ڈورے تیر رہے تھے۔ میرے دل کی دھڑکن تیز ہوگئی۔ میرا خیال تھا کہ وہ کوئی ایسی حرکت کرے گی جسے کم از کم میری لغت میں غیر اخلاقی ہی کہا جائے گا مگر خیریت گزری۔

"گڈ نائٹ۔" اس نے دھیمے لہجے میں کہا اور میرے بازو چھوڑ کر زینے کی طرف چلنے لگی۔

اوپر جانے والا زینہ ذرا سی گولائی لیے ہوئے تھا۔ نیچے سے اوپر تک سرخ قالین بچھا ہوا تھا۔ وہ سیڑھیاں چڑھتی رہی اور میں اس کی طرف دیکھتا رہا۔ اوپر والی بالکونی پر پہنچ کر روپ متی نے مڑ کر میری طرف دیکھا اور پھر پیچھے ہٹتی ہوئی میری نگاہوں سے اوجھل ہوگئی۔

"میرے ساتھ آؤ۔"

مندری کی آواز سن کر میں چونک گیا۔ وہ مجھ سے چند قدم کے فاصلے پر کھڑی عجیب سی نظروں سے میری طرف دیکھ رہی تھی۔ شاید وہ اب بھی اس الجھن کا شکار تھی کہ ایک زر خرید غلام اس قدر قابل اعتماد اور پیارا کیسے ہوسکتا ہے کہ نہ صرف مالکن اس کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھائے بلکہ اسے رہائش کے لیے شان دار بیڈ روم بھی دیا جائے اور پرانے اور وفادار ملازمین کو یہ حکم بھی دے دیا جائے کہ اس کی ضروریات کا خیال رکھا جائے اور اس کے ہر حکم کی تعمیل کی جائے۔

وہ چند لمحے الجھی ہوئی نظروں سے میری طرف دیکھتی رہی پھر اشارہ کرتے ہوئے ایک طرف چل پڑی۔ میں بھی خاموشی سے اس کے پیچھے چل دیا۔

مندری مجھے اسی کمرے میں لے آئی جس میں میں نے دوپہر سو کر گزاری تھی۔ بہت شان دار بیڈ روم تھا۔ دوپہر کو میں روپ متی کے ساتھ ایک طویل اور تھکا دینے والا سفر طے کرکے آیا تھا۔ منڈی میں جب دھرمیش سے میری لڑائی ہوئی تھی تو میری بنیان پھٹ گئی تھی۔ میرے بدن پر صرف نیکر تھی جو گھٹنوں سے اوپر تھی۔ اس وقت سے میں یہی کپڑے پہنے ہوئے تھا۔ میرا برہنہ جسم گرد آلود تھا اور جب دوپہر کو میں اس بستر پر لیٹا تھا تو سفید اجلی چادر پر گرد کے دھبے لگ گئے تھے جو اب بھی نمایاں طور پر نظر آرہے تھے۔

"کسی چیز کی ضرورت ہو تو بتا دو۔" کمرے میں پہنچ کر مندری نے کہا۔

"میرا جسم بہت گندا ہو رہا ہے۔ میں نہانا چاہتا ہوں۔" میں نے کہا۔

"وہ باتھ روم کا دروازہ ہے۔" مندری نے اشارے سے بتایا "وہاں تمہیں ضرورت کی ہر چیز ملے گی۔"

"کپڑے۔" میرے منہ سے بے اختیار نکلا "کیا مجھے پہننے کے لیے کپڑے مل سکتے ہیں؟"

"تم باتھ روم میں جاؤ۔ میں کوئی بندوبست کرتی ہوں۔" مندری نے کہا اور میرے جواب کا انتظار کیے بغیر باہر چلی گئی۔

میں باتھ روم میں گھس گیا۔ یہ باتھ روم بھی بہت شان دار تھا۔ ایک دیوار پر قدِ آدم آئینہ لگا ہوا تھا۔ اس کے سامنے ہی ایک خوب صورت میڈی سن کیبنٹ تھی جس میں ایشیا سیپٹک اور مختلف اقسام کے لوشن رکھے ہوئے تھے۔ ایک دیوار کے ساتھ لگی ہوئی راڈ پر سفید تولیا ٹنگا ہوا تھا۔ قریب ہی ایک اسٹینڈ پر صابن اور شیمپوز وغیرہ رکھے ہوئے تھے۔

نہانے کے لیے ایک خوب صورت ٹب بھی تھا اور اس سے ذرا ہٹ کر شاور بھی لگا ہوا تھا۔ میں نے نہانے کے لیے شاور کو ترجیح دی۔

ٹھنڈے پانی کی پھوار جسم پر پڑی تو مجھے عجیب سا سکون [illegible] تک شاور کے نیچے کھڑا پھوار سے لطف اندوز [illegible] کا موقع ملا تھا۔

[illegible] کئی روز بعد اس طرح نہانے کا موقع ملا تھا۔

[illegible] شاور کے نیچے ہی کھڑا تھا کہ دروازے پر ہلکی [illegible] دستک سن کر چونک گیا۔

"کون ہے؟" میں نے دروازے کے قریب آکر مدھم [illegible] آواز میں پوچھا۔

"کپڑے لے لو پہننے کے لیے۔" یہ مندری کی آواز [illegible] تھی۔

میں نے دروازہ تھوڑا سا کھول کر ہاتھ باہر نکال دیا۔ [illegible] مندری نے میرے ہاتھ میں کپڑے تھما دیے۔ میں نے [illegible] دروازہ بند کرکے کپڑے کھونٹی پر ٹانگ دیے اور ایک بار پھر [illegible] شاور کے نیچے کھڑا ہوگیا۔

[illegible] اور بالآخر تولیے سے جسم خشک کرکے میں کھونٹی پر ٹنگے [illegible] کپڑے اتار کر پہننے لگا۔ وہ سلیپنگ سوٹ تھا' پاجامہ [illegible] کرتا۔ شرٹ میں سے بڑی مسحور کن خوشبو آرہی [illegible] شرٹ اگرچہ مجھے کسی قدر تنگ تھی لیکن بہرحال میں [illegible] میں سما گیا۔ پاجامہ بھی ٹخنوں سے کافی اوپر تھا۔ یہ کپڑے [illegible] کے بعد جب میں نے قدِ آدم آئینے میں اپنے آپ کو [illegible] تو چونکے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ یہ زنانہ سلیپنگ سوٹ تھا۔ شرٹ کا گلا گولائی میں تھا اور اس پر نصف انچ چوڑی [illegible] صورت بیل بھی لگی ہوئی تھی۔

میرا خیال تھا کہ مندری نے روپ متی سے جاکر کہا ہوگا [illegible] روپ متی نے اپنا یہ سلیپنگ سوٹ بھیج دیا تھا۔ مجھے [illegible] سے غرض نہیں تھی کہ سلیپنگ سوٹ زنانہ تھا یا [illegible] زنانہ۔ میری ضرورت فی الوقت پوری ہوگئی تھی۔ فکرِ فردا [illegible] میں کی جاتی۔

میں باتھ روم سے باہر آگیا۔ مندری جاچکی تھی اور بستر سفید داغ دار چادر کے بجائے ہلکے گلابی رنگ کی چادر بچھی ہوئی تھی۔ کر میرے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آگئی۔ بیڈ سائیڈ [illegible] پر ایک خوب صورت فلاسک اور اس کے قریب ہی [illegible] کا ایک گلاس بھی رکھا ہوا تھا۔ میرے خیال میں فلاسک [illegible] جائے تو ہرگز نہیں ہوسکتی تھی۔ میں نے فلاسک کھول کر [illegible] سونگھی۔ میرا اندازہ درست نکلا۔ اس میں ٹھنڈا پانی تھا۔

میں نے ایک گلاس پانی پیا۔ اِدھر اُدھر دیکھا۔ بیڈ کے [illegible] طرف دیوار پر ایک سوئچ بورڈ لگا ہوا تھا۔ بیڈ پر لیٹے [illegible] ہاتھ اس سوئچ بورڈ تک پہنچ سکتا تھا۔ میں نے بستر پر [illegible] ہاتھ سوئچ بورڈ کی طرف بڑھا دیا۔

میرا اندازہ درست نکلا۔ کمرے میں جلنے والی ٹیوب لائٹ اور نائٹ بلب کے سوئچ اس بورڈ پر تھے۔ میں نے ٹیوب لائٹ آف کرکے نائٹ بلب جلا لیا۔ نیلگوں روشنی آنکھوں کو بڑی بھلی لگ رہی تھی۔ بستر بھی بہت آرام دہ تھا۔ لیٹنے کے تھوڑی ہی دیر بعد میری آنکھیں بند ہونے لگیں۔

صبح دس بجے سے پہلے میری آنکھ نہیں کھل سکی تھی۔ مجھے کسی نے جگانے کی کوشش بھی نہیں کی تھی۔ آنکھ کھل جانے کے بعد بھی میں دیر تک بستر پر پڑا رہا۔ پہلے تو میں سمجھ ہی نہ سکا کہ کہاں ہوں۔ دماغ پر دُھند سی چھائی ہوئی تھی لیکن یہ دھند بتدریج چھٹتی چلی گئی اور مجھے سب کچھ یاد آگیا۔

جہاز کی تباہی کے بعد پناہ کی تلاش میں صحرا میں بھٹکنا' وحشی ٹھاکر کے ہتھے چڑھ جانا' غلاموں کی منڈی میں نیلام ہونا' جانکی کا بچھڑ جانا اور اس عجیب و غریب اور پُراسرار عورت' روپ متی کا زر خرید غلام بن جانا۔ روپ متی کھلی کتاب ہونے کے باوجود میرے لیے بہت ہی پُراسرار تھی۔ اس نے میرے ساتھ غلاموں جیسا سلوک ہرگز نہیں کیا تھا۔ وہ اب تک میرے ساتھ اس طرح کا سلوک روا رکھے ہوئے تھی جیسے میں بھی اس کا ہم پلہ ہوں۔ میری خاطر اس نے نہ صرف پرانے باڈی گارڈز کو نکالنے کا فیصلہ کرلیا تھا بلکہ ایک راج کمار سے دشمنی بھی مول لے لی تھی۔

روپ متی نے میرے اوپر مکمل اعتماد کا اظہار کیا تھا۔ مجھ پر فی الحال کوئی پابندی نہیں تھی۔ اس نے مجھے بالکل آزاد چھوڑ دیا تھا اور میں سمجھتا تھا کہ یہاں سے ایک نئی کہانی شروع ہونے والی ہے بلکہ وہ کہانی جنم لے چکی ہے۔ پریم سنگھ' دھرمیش اور بلونت سنگھ کی فطرت سے میں اچھی طرح واقف ہوچکا تھا۔ وہ تینوں نہ صرف روپ متی سے ذلیل ہوچکے تھے بلکہ میرے ہاتھوں بھی ذلت اٹھا چکے تھے۔ پریم سنگھ اور دھرمیش تو میرے ہاتھوں گدھوں کی طرح پٹے تھے اور کنور بلونت سنگھ کو میری وجہ سے اپنے مقصد میں ناکامی ہوئی تھی۔ اس کا ایک آدمی بھی میرے ہاتھوں مارا گیا تھا اور خود اسے بری طرح ذلیل ہوکر رات کی تاریکی میں جنگل میں فرار ہونا پڑا تھا۔ ان حالات کے پیشِ نظر یہ بات پورے وثوق سے کہی جاسکتی تھی کہ اب میں بھی اس معاملے سے الگ نہیں رہ سکتا تھا۔ وہ تینوں روپ متی سے اپنی ذلت و رسوائی کا بدلہ لینے کے لیے مجھے بھی اس معاملے میں لپیٹنے کی کوشش کرسکتے تھے۔

اور میں سوچ رہا تھا کہ کیا میں یہاں ان معاملات میں الجھ کر رہ جاؤں گا یا اپنے ماں باپ کے قاتلوں کو ٹھکانے لگانے کے لیے کوئی اقدام کرسکوں گا۔ دارا سنگھ پور سے فرار

ہو کر ہندوستان آیا تھا لیکن ظاہر ہے ہندوستان اس کی منزل نہیں تھی۔ اس کی منزل تو لاہور تھی جسے وہ اپنی پناہ گاہ سمجھتا تھا اور مجھے یقین تھا کہ وہ اب تک لاہور پہنچ چکا ہوگا جبکہ میں نے طے کر رکھا تھا کہ اسے دنیا کے کسی کونے میں بھی پناہ نہیں لینے دوں گا لیکن اب میرے سامنے سوال یہ تھا کہ یہاں سے کیسے نکلا جائے؟

میں یہ سب کچھ سوچ ہی رہا تھا کہ کمرے کا دروازہ کھلا اور مندری چائے کا کپ لے کر اندر داخل ہوئی۔ مجھے دیکھ کر اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آگئی۔ اس نے چائے کا کپ سائیڈ ٹیبل پر رکھا اور خاموشی سے باہر چلی گئی۔ میں اٹھ کر باتھ روم میں گھس گیا۔

چند منٹ بعد میں دوبارہ بیڈ کی پشت سے ٹیک لگائے نیم دراز گرم گرم چائے کی چسکیاں لے رہا تھا۔

ایک گھنٹے بعد میں کمرے سے باہر نکل آیا۔ ٹھنڈے پانی کے غسل سے میں اپنے آپ کو بہت ہلکا پھلکا محسوس کرنے لگا تھا۔ میرا خیال تھا کہ روپ متی جاگ چکی ہوگی اور ناشتا بھی کر چکی ہوگی لیکن پتا چلا کہ وہ ابھی تک سو رہی ہے۔ اس نے رات ہی کو کہہ دیا تھا کہ صبح اسے ڈسٹرب نہ کیا جائے اس لیے مندری نے اسے جگانے کی کوشش بھی نہیں کی تھی۔

"بھوجن کرو گے۔ بنا دوں؟" مندری نے میرے قریب آکر کہا۔

"ابھی نہیں۔ مالکن اٹھ جائے تو ناشتا کروں گا۔" میں نے جواب دیا۔

مندری کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آگئی۔ یہ بات میں نے کل ہی نوٹ کرلی تھی کہ میری طرف دیکھتے ہوئے اس کی آنکھوں میں عجیب سی چمک ابھر آتی تھی۔

میں ہال سے ہوتا ہوا باہر آگیا۔ روپ متی کی لینڈ کروزر اب بھی پورچ ہی میں کھڑی تھی۔ میں چند لمحے پورچ میں کھڑا رہا اور پھر گھوم پھر کر کمپاؤنڈ کا جائزہ لینے لگا۔ کمپاؤنڈ کم از کم دو ایکڑ رقبے پر مشتمل تھا۔ بڑے خوب صورت لان بنے ہوئے تھے۔ جن کے کناروں پر پھولوں کے پودے بھی بکثرت تھے۔ بیرونی فصیل نما دیوار کے ساتھ ساتھ ناریل کے درخت تھے۔

حویلی کی عمارت کے ایک طرف تین گیراج بنے ہوئے تھے جن کے دروازے بند تھے۔ میں ان کے سامنے سے گزرا۔ ایک گیراج خالی تھا لیکن دو دروازوں کی جھریوں سے اندر کھڑی ہوئی گاڑیاں نظر آگئیں۔ میں حویلی کی عمارت کے پچھلی طرف آگیا۔

اس طرف بھی بہت لمبی چوڑی کھلی جگہ تھی اور عمارت سے بہت ہٹ کر عقبی دیوار کے ساتھ کوارٹرز بنے ہوئے تھے۔ سرونٹ کوارٹروں کی تو تھی۔ ہر کوارٹر کے سامنے مختصر سا صحن بھی تھا اور باہر اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ ہر کوارٹر دو کمروں پر مشتمل تھا

یہ سب کچھ دیکھ کر مجھے حیرت ہو رہی تھی۔ یہاں اکیلی ہی رہتی تھی۔ اس کی خدمت اور گھر کی کے لیے زیادہ سے زیادہ دو ملازم کافی تھے لیکن اس ملازموں کی ایک فوج پال رکھی تھی۔ پانچ ملازم تو اس حویلی میں موجود تھے۔ تین عورتیں اور دو مرد اور دو (دھرمیش) کو وہ نکالنے کا فیصلہ کر چکی تھی۔

میں حویلی کی وسیع و عریض عمارت کے اوپر سے ہوا ایک بار پھر سامنے کے رخ پر آگیا۔ ایک دیوانا پتا پودوں کو پانی دے رہا تھا۔ اس کے بدن پر صرف دھوتی تھی جو مخصوص انداز میں بندھی ہوئی تھی۔ آبنوسی پنڈا دھوپ میں چمک رہا تھا۔ اس کے قد تراشے ہوئے بال چاندی کی طرح سفید تھے۔ چہرے پر بڑی بڑی سفید مونچھیں عجیب سی لگ رہی میں قریب پہنچا تو اس نے دونوں ہاتھ جوڑ کر پرنام کیا اپنے کام میں مصروف ہوگیا۔

میں کچھ دیر لان میں اِدھر اُدھر ٹہلتا ہوا فوارے قریب رک گیا۔ اس وقت میری نظر اتفاقاً حویلی کی طرف گئی تھی۔ اوپر والی منزل کے ایک کمرے کی کھڑکی کا پٹ ہٹا ہوا تھا اور مجھے یوں لگا جیسے کوئی اس پردے کی جھانک رہا ہو۔ میں اس کی ایک معمولی سی جھلک ہی تھا اور پھر پردہ برابر ہوگیا تھا۔ وہ روپ متی کے علاوہ ہو سکتا تھا۔

میں ایک درخت کے سائے میں کھڑا اِدھر اُ رہا۔ میں اس وقت عجیب ذہنی الجھن میں گرفتار تھا روپ متی کا زر خرید تھا لیکن اس نے مجھے آزاد چھ تھا۔ میں اگر چاہتا تو بڑے اطمینان سے یہاں سے چ مگر میری قوتِ فیصلہ بھی شاید مفلوج ہو کر رہ گئی تھی فیصلہ نہیں کر پا رہا تھا کہ مجھے کیا کرنا چاہیے لیکن ایک طے تھی کہ میں روپ متی کو دھوکا نہیں دینا چاہتا تھا نے مجھ پر اعتماد کیا تھا اور میں اس کے اعتماد کو ٹھیس اپنی نظروں میں نہیں گرنا چاہتا تھا۔

میں نیم کے درخت کے سائے میں کھڑا یہی سوچتا رہا کہ یہاں سے نکل بھی گیا تو کہاں جاؤں گا؟

ملک میرے لیے اجنبی تھا۔ یہاں کے لوگ اجنبی تھے اور پھر میں جن حالات میں یہاں پہنچا تھا وہ بھی بڑے عجیب تھے۔ سمندر میں ہوائی جہاز کی تباہی کے بعد جہازاور مسافروں کی تلاش شروع ہوگئی تھی۔ کچھ مسافر مل گئے تھے۔ کچھ کی لاشیں مل گئی تھیں اور کچھ ابھی تک لاپتا تھے۔

میں اگر یہاں سے نکل کر اپنے آپ کو سرکاری حکام کے سامنے پیش کردیتا تو میرے لیے مزید الجھنیں پیدا ہوسکتی تھیں۔ میں اتنے روز کہاں غائب رہا؟ میں نے کسی اغوا کاروں سے رابطہ کیوں نہیں کیا؟ میری یہ بات ماننے کو کوئی بھی تیار نہیں ہوگا کہ مجھے پکڑ کر غلاموں کی منڈی میں بیچ دیا گیا تھا۔

غلاموں کی منڈی کے بارے میں سب لوگ جانتے تھے۔ حکمران بھی اس حقیقت سے آگاہ تھے کہ راجستھان میں انسانوں کی خرید فروخت کا گھناؤنا کاروبار ہوتا ہے مگر وہ کرنے والے بھی منڈی کے وجود سے انکار کردیں گے۔

دوسری طرف میں جانکی کو بھی نہیں چھوڑنا چاہتا تھا۔ اس نے میری خاطر اپنا سب کچھ لٹا دیا تھا اور اس پر یہ عذاب بھی میری ہی وجہ سے نازل ہوا تھا۔ اسے بے یار و مددگار چھوڑ جانا زیادتی ہوتی۔

میں یہ سب کچھ سوچ ہی رہا تھا کہ روپ متی برآمدے میں نمودار ہوئی۔ وہ ایک لمحے کو وہاں رکی تھی اور پھر برآمدے سے اتر کر نپے تلے قدم اٹھاتی ہوئی میری طرف آئی۔ اس نے شب خوابی کا باریک لباس پہن رکھا تھا جس میں اس کا بدن جھلک رہا تھا۔ وہ شاید نہا کر نکلی تھی اور بال اچھی طرح نہیں پونچھے تھے۔ بالوں سے ٹپکنے والے پانی سے میکسی کا کچھ حصہ اس کے بدن سے چپک گئی تھی۔

وہ میرے سامنے آکر رک گئی اور مجھے اوپر سے نیچے تک دیکھنے لگی اور پھر اس کے ہونٹوں پر معنی خیز مسکراہٹ آگئی۔

"یہ... یہ کپڑے کہاں سے لیے تم نے؟" اس نے الجھی ہوئی نظروں سے میری طرف دیکھا۔

"رات کو مندری نے دیے تھے۔ شاید تمہارے ہی ہیں۔" میں نے جواب دیا۔ میں اس لباس میں پہلے ہی کچھ ناگواری محسوس کر رہا تھا اور اب تو میں جھینپ سا گیا تھا۔

"یہ میرے کپڑے نہیں ہیں۔" اس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا "مندری کے ہیں۔ تم نے مانگے ہوں گے تو اس نے اپنے کپڑے لا دیے لیکن..." وہ ایک لمحے کو خاموش ہوئی پھر میرے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے بولی "لیکن کہیں تمہیں کہ مندری نے رات تمہارے کمرے میں گزاری

میں بری طرح جھینپ گیا "میرے خیالات اتنے پست نہیں ہیں۔"

"برا مان گئے۔" وہ مسکرا دی "میں نے تو یہ بات مذاق میں کہی تھی۔ ویسے تم ہو ایسی چیز کہ تمہیں دیکھ کر ہر جوان عورت کے سینے میں ہلچل سی مچ جاتی ہے۔ بہرحال' آؤ۔ میں تمہیں اپنا گارڈن دکھاؤں۔"

وہ مجھے لان کے مختلف حصوں میں گھماتی ہوئی اس طرف لے گئی جہاں ایک لمبا چوڑا قطعہ گلاب کے پودوں کے لیے مخصوص تھا۔ یہاں کئی رنگوں کے گلاب تھے اور وہ مجھے بتا رہی تھی کہ گلاب کا کون سا پودا کہاں سے لا کر لگایا گیا تھا۔

میں روپ متی کے ساتھ ساتھ چلتا "ہوں ہاں" کرتا رہا۔ اس وقت دوپہر ہو رہی تھی۔ میں نے دس بجے کے قریب چائے کا ایک کپ پیا تھا اور اب پیٹ میں چوہے دوڑ رہے تھے۔

کملا نامی ملازمہ نے برآمدے میں نمودار ہو کر کھانا لگائے جانے کی اطلاع دی تو میں نے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا۔

"آؤ۔ کھانا لگ چکا ہے۔ تمہیں بھی بھوک لگ رہی ہوگی۔" روپ متی نے کہا اور ہم لان سے نکل کر اندر کی طرف چل پڑے۔

میز پر انواع و اقسام کے کھانے لگے ہوئے تھے۔ اس میز کو دیکھ کر لگتا تھا جیسے کسی خاص مہمان کے لیے پر تکلف دعوت کا اہتمام کیا گیا ہو۔ تین ڈشز سبزیوں کی تھیں جن میں پنیر استعمال کیا گیا تھا۔ ایک ڈش چکن فرائی کی تھی۔

ہم دونوں میز پر آمنے سامنے بیٹھے تھے۔ میں نظریں جھکائے کھانا کھاتا رہا۔ میں روپ متی کی طرف دیکھنے سے گریز کر رہا تھا۔ البتہ وہ بار بار میری طرف دیکھ رہی تھی۔

"اے کملا۔" روپ متی کو اچانک ہی جیسے کچھ یاد آگیا "دھرمیش کے کوارٹر کی چابی تو تمہارے پاس ہے نا؟"

"جی مالکن۔" کملا نے جواب دیا۔ اس کے ساتھ ہی اس کی نظریں جھک گئی تھیں جیسے اس کی کوئی چوری پکڑی گئی ہو۔

"اس کے کمرے سے کپڑوں کے دو تین جوڑے نکال لاؤ۔" روپ متی نے کملا سے کہا پھر میری طرف مڑ گئی "میرا خیال ہے دھرمیش کے کپڑے تمہیں پورے آجائیں گے۔ چند روز تو انہی پر گزارہ کرو۔ اس دوران میں کوئی اور بندوبست کرلیا جائے گا۔"

"وہ کوئی اعتراض نہیں کرے گا؟" میں نے کہا۔

"اعتراض!" روپ متی بولی "اگر اس نے ایک لفظ بھی منہ سے نکالا تو میں اس کی زبان کھینچ لوں گی۔ ویسے اطمینان رکھو۔ وہ دونوں بھائی اب ادھر کا رخ نہیں کریں گے۔ فیصلہ سنانے سے پہلے ہی وہ میرے فیصلے سے آگاہ ہو چکے ہیں۔"

کملا روپ متی کا حکم سن کر اسی وقت چلی گئی تھی۔ ہم کھانے سے فارغ ہوئے تو کملا بھی آگئی۔

"میں نے کپڑے ان شریمان جی کے کمرے میں رکھ دیے ہیں۔" اس نے بتایا۔

میں روپ متی کے ساتھ اپنے کمرے میں آگیا۔ بستر پر کپڑوں کا انبار لگا ہوا تھا۔ کئی قیمتی سوٹ ہینگروں میں لگے ہوئے تھے۔ لاتعداد شرٹس اور پتلونیں الگ سے تہ کی ہوئی رکھی ہوئی تھیں۔ کئی جوڑے راجستھانی لباس کے بھی تھے۔ روپ متی نے کملا کو دو چار جوڑے لانے کو کہا تھا مگر وہ شاید اس کے وارڈ روب کے سارے کپڑے نکال لائی تھی۔

میں نے ایک پتلون اٹھا کر اپنی ٹانگوں سے لگا کر دیکھی۔ دھریش قدو قامت میں میرے جیسا ہی تھا اور میرے خیال میں اس کے کپڑے مجھے پورے آسکتے تھے۔ گرے رنگ کی اس پتلون کے ساتھ پہننے کے لیے میں کوئی مناسب شرٹ تلاش کر رہا تھا کہ روپ متی نے وہ پتلون میرے ہاتھ سے لے کر ایک طرف ڈال دی اور نیلے رنگ کی ایک اسٹون واشڈ جینز اور گہرے رنگ کی ٹی شرٹ نکال کر میری طرف بڑھا دی۔

"یہ پہن لو۔ اچھی لگے گی۔" اس نے معنی خیز انداز میں مسکراتے ہوئے کہا "تم یہ کپڑے بدل لو۔ میں کچھ اور تلاش کرتی ہوں۔"

میں کپڑے لے کر باتھ روم میں گھس گیا۔ میرا اندازہ بالکل درست نکلا۔ کپڑے میرے جسم پر بالکل فٹ تھے۔ میں جب باتھ روم سے باہر نکلا تو روپ متی بیڈ پر جھکی ڈھیر میں سے کپڑے الگ کر رہی تھی۔ اس نے گردن گھما کر میری طرف دیکھا اور ایک جھٹکے سے سیدھی ہو گئی۔ اس کی آنکھوں میں عجیب سی چمک ابھر آئی تھی۔ وہ میرے سامنے آکر کھڑی ہو گئی اور میرے بازوؤں کے مسلز ٹٹولنے لگی۔ آدھے آستین کی ٹی شرٹ میں میرے بازوؤں کے مسلز ابھرے ہوئے تھے۔ سینہ بھی کسی باڈی بلڈر کی طرح تنا ہوا تھا اور روپ متی یہی سب کچھ دیکھنا چاہتی تھی اس لیے اس نے میرے لیے ایسے لباس کا انتخاب کیا تھا۔

میں اب تک روپ متی کو اچھی طرح سمجھ چکا تھا۔ وہ جنم جنم کی پیاسی تھی۔ اس نے جب بھی اپنی پیاس بجھانے کی کوشش کی تسکین کے بجائے اس کی پیاس اور بڑھ گئی تھی اور اب وہ مجھ سے تسکین حاصل کرنا چاہتی تھی۔ شروعات تھیں اور میں جانتا تھا آگے کیا ہونے والا ہے۔ میں یہ بھی سمجھتا تھا کہ مجھے اس شر سے اپنے آپ کو طرح بچانا تھا۔ میں گولڈن ٹرائی اینگل کے غار میں دھوکا کھا گیا تھا۔ جانکی عرصے سے میرے پیچھے لگی ہوئی اور میں اپنے آپ کو اس سے بچاتا رہا تھا اور اب روپ متی سے بچنا تھا جو میری مالکن تھی اور میں اس کا غلام۔

روپ متی نے میرے لیے اسی ڈھنگ کے جوڑے نکال کر الگ کر لیے اور کملا کو بلا کر باقی کپڑے لے جانے کا حکم دیا۔

"اور دیکھو۔" روپ متی نے کہا "اگر وہ دونوں عدم موجودگی میں یہاں آئیں تو ان سے کہنا اپنا سامان لے جائیں ورنہ سڑک پر پھینک دیا جائے گا اور اگر آئیں تو صرف اپنے کوارٹرز تک جائیں گے۔ انہیں کے کسی اور حصے میں جانے کی اجازت نہیں ہو گئیں؟"

"جی مالکن۔" کملا نے نظریں جھکا کر جواب نے یہ نہیں پوچھا تھا کہ اب وہ دونوں بھائی یہاں آئیں گے۔

کچھ دیر بعد روپ متی نے تارا سنگھ اور دیوان ملازموں کو بھی یہ حکم سنا دیا۔

چار بجے کے قریب روپ متی مجھے ساتھ آگئی۔ لینڈ کروزر اب بھی پورچ ہی میں کھڑی برآمدے سے اتر کر گیراج کی طرف چلی گئی۔ اسے جاتے دیکھ کر تارا سنگھ بھی دوڑ کر اس کے قریب اپنی جگہ پر کھڑا اس طرف دیکھتا رہا۔

تارا سنگھ نے ایک گیراج کا دروازہ کھول دیا جا کر گرے رنگ کی ایک کار صاف کرنے لگا۔ روپ متی بھی گیراج میں داخل ہو کر کار میں بیٹھ اسٹارٹ کر کے کار کو باہر نکال لائی۔

چند سال پرانے ماڈل کی مرسڈیز تھی جو اب طرح چم چما رہی تھی جیسے ابھی شوروم سے نکلی پورچ اتنا کشادہ تھا کہ وہ کار بغل سے پہلو بہ پہلو کھڑی تھیں۔ روپ متی نے کار لینڈ کروزر سے ذرا آگے روک لی اور پسنجر سیٹ کا دروازہ کھول کر مجھے اشارہ

میں پسنجر سیٹ پر بیٹھ گیا۔ میں نے اس سے پوچھا تھا کہ کہاں جانا ہے۔ پوچھنے کا کوئی حق بھی

میری مالکن تھی اور جہاں چاہے، مجھے لے جا سکتی تھی۔ کار چلانے سے پہلے اس نے مندری کو بلا کر اسے بتا دیا تھا کہ ہم لوگ رات کا کھانا باہر ہی کھائیں گے۔

حویلی سے نکل کر کار شہر کی مختلف سڑکوں پر دوڑنے لگی۔ یہ شہر قدیم تاریخی عمارتوں سے بھرا ہوا تھا۔ لگتا تھا راجستھان کے راجوں مہاراجوں کو قلعہ نما حویلیاں اور محلات بنوانے کے سوا کوئی کام نہیں تھا۔

"یوں تو اس شہر کو دیکھنے کے لیے کئی روز درکار ہیں لیکن تمہیں چند بہت خاص عمارتیں دکھانے کے لیے لائی ہوں۔" روپ متی نے کار ایک اور سڑک پر موڑتے ہوئے کہا۔

"گویا آج تم مجھے سیر کرانا چاہتی ہو۔" میں نے گردن گھما کر اس کی طرف دیکھا۔

"یہی سمجھ لو۔" اس نے جواب دیا "اس کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ تم شہر کی سڑکوں سے واقف ہو جاؤ۔ آج تو میں تمہیں یونہی گھما رہی ہوں۔ کل میں تمہیں ڈرائیونگ سکھانے کے لیے لے جاؤں گی۔"

"ڈرائیونگ!" میں نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا "تمہیں یہ خیال کیسے آگیا کہ مجھے ڈرائیونگ ضرور سیکھنی چاہیے۔"

"مجھے تو حیرت ہے کہ تم نے اب تک ڈرائیونگ سیکھی کیوں نہیں۔" اس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا "تم نے اپنا جو پلس منظر بتایا ہے اس کے پیش نظر تو تمہیں ڈرائیونگ کا ماہر ہونا چاہیے تھا۔ بہرحال، اب میں تمہیں ڈرائیونگ سکھاؤں گی لیکن آج کا دن میں تمہیں شہر کے راستوں سے متعارف کرانا چاہتی ہوں۔"

وہ کار کو شہر کی مختلف کشادہ سڑکوں پر گھماتی رہی۔ وہ مجھے راستے میں پڑنے والی ہر مشہور عمارت کے بارے میں بھی بتاتی جا رہی تھی۔ ہوا محل کو دیکھ کر میں حیران ہوئے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ باہر کی طرف نیچے سے اوپر تک لاتعداد کھڑکیاں تھیں جن میں چھوٹے چھوٹے جھروکے بنے ہوئے تھے۔ گلابی رنگ کی یہ عمارت بہت خوب صورت تھی۔

ہم مختلف سڑکوں سے ہوتے ہوئے جنتر منتر پہنچ گئے۔ یہ بہت وسیع و عریض پارک تھا جہاں آبزرویٹری بنی ہوئی تھی۔ قدیم طرز کی یہ آبزرویٹری مہاراجا جے سنگھ ثانی نے ۱۷۲۸ء میں بنوائی تھی۔

ہم کار سے اتر کر دیر تک جنتر منتر کے مختلف حصوں میں گھومتے رہے۔ روپ متی مجھے ہر چیز کے بارے میں اسی طرح بتا رہی تھی جیسے میں صرف سیاحت کے لیے یہاں آیا ہوں اور وہ میری گائیڈ ہو۔

ایک بات میں نے خاص طور پر نوٹ کی تھی کہ میرے ساتھ چلتے ہوئے روپ متی کا انداز ایسا تھا جیسے وہ اپنے ساتھ میری موجودگی پر بڑا فخر کر رہی ہو۔ لوگ بھی مڑ مڑ کر ہمیں دیکھ رہے تھے۔ جب کوئی عورت میری طرف دیکھتی تو روپ متی یا تو میرا ہاتھ پکڑ لیتی یا میرے ساتھ جڑ کر چلنے لگتی۔

اس پارک کے ایک حصے میں کھانے پینے کی اشیا کے لاتعداد ٹھیلے بھی کھڑے تھے۔ وہیں ایک ٹھیلے کے قریب کھڑے ہو کر ہم نے بھیل پوری کھائی اور ایک دوسرے ٹھیلے سے ناریل میں اسٹرا لگا کر میٹھا پانی پیا۔

روپ متی مجھے شہر کے مختلف حصوں میں گھماتی رہی۔ میں ہر عمارت اور ہر راستے کو ذہن نشین کرتا رہا۔ آج کی یہ سیر بعد میں میرے کام آسکتی تھی۔

مختلف سڑکوں پر گھومتے ہوئے بالآخر ہم جوہری بازار پہنچ گئے۔ یہ شہر کا گنجان آباد اور بارونق کمرشل ایریا تھا۔ یہاں ہر قسم کی بڑی بڑی دکانیں تھیں۔ اس وقت شام ہو چکی تھی اور پورا علاقہ رنگ برنگی روشنیوں سے جگمگا رہا تھا۔ یوں تو مقامی باشندوں کا بھی خاصا رش تھا مگر غیر ملکی سیاح بھی بڑی تعداد میں نظر آرہے تھے۔ یہاں کپڑے، ریڈی میڈ گارمنٹس، لکڑی کی آرائشی مصنوعات، ماربل کی مصنوعات اور زیورات کی بے شمار دکانیں تھیں۔ راجستھانی زیورات کو ان دکانوں میں نمایاں طور پر سجایا گیا تھا۔ غیر ملکی سیاحوں کے لیے ایسی جگہوں میں بڑی کشش ہوتی ہے۔ روپ متی کے اس انکشاف پر مجھے بڑی حیرت ہوئی کہ راجستھان میں ہر سال چھ لاکھ غیر ملکی سیاح آتے ہیں۔

روپ متی نے کار ایک بڑی عمارت کے سامنے پارکنگ لاٹ پر چھوڑ دی تھی اور ہم دونوں پیدل ہی چلتے رہے۔ اس علاقے کو دیکھ کر مجھے سنگاپور کا لٹل انڈیا یاد آگیا۔

روپ متی ایک اور کشادہ بازار میں گھوم گئی۔ یہاں بھی کھوے سے کھوا چھل رہا تھا۔ روپ متی نے میرا ہاتھ پکڑ رکھا تھا جیسے اندیشہ ہو کہ میں اس ہجوم میں کھو جاؤں گا یا اسے چھوڑ کر چلا جاؤں گا۔

اور بالآخر وہ کپڑے کی ایک بہت بڑی دکان میں داخل ہو گئی۔ اسے کپڑے کا ڈیپارٹمنٹل اسٹور کہا جا سکتا تھا۔ ایک حصہ مردانہ کپڑوں اور دوسرا حصہ زنانہ کپڑوں پر مشتمل تھا۔ ریکس میں تھان آراستہ تھے اور شوکیسوں میں ڈمیوں پر خوب صورت ساڑیاں سجی ہوئی تھیں۔

اس دکان میں بھی خاصا رش تھا۔ کئی سیلزمین تھے جو گاہکوں سے نمٹنے میں مصروف تھے۔ دائیں طرف آخر میں کیش کاؤنٹر تھا جہاں سانولی رنگت اور تیکھے نقوش والی ایک جوان لڑکی کے ساتھ ایک ادھیڑ عمر آدمی بھی بیٹھا ہوا تھا۔ سفید پاجامہ اور سفید کلف لگا ہوا کرتہ۔ پیشانی پر سرخ ٹیکا چمک رہا تھا۔ وہ ہندو تھا۔

روپ متی کو دیکھتے ہی وہ اپنی کرسی سے اٹھ گیا۔ اس نے بڑے پُرجوش انداز میں آگے بڑھ کر روپ متی کا استقبال کیا۔

"دھن بھاگ ہمارے (ہماری خوش قسمتی) راج کماری روپ متی جی۔ بہت عرصے بعد درشن دیے ہو اپنے۔" سیٹھ دھنی رام کے ہونٹوں پر کاروباری مسکراہٹ تھی۔

"ذرا مصروفیت رہی۔ اس طرف آنے کا موقع نہیں ملا سیٹھ جی۔" روپ متی نے جواب دیا۔

"تھوڑی دیر پہلے ٹھاکر بھنور سنگھ بھی آئے تھے۔ انہوں نے بتایا تھا کہ آپ نے کوئی ہیرا خریدا ہے۔ کیا وہ۔۔۔" اس نے کن انکھیوں سے میری طرف دیکھا۔

"نہیں دھنی رام جی۔" روپ متی نے جواب دیا "یہ میرے دوست ہمت سنگھ ہیں۔ یہ کل ہی دہلی سے آئے ہیں۔ دوران سفر میں کوئی مسافر غلطی سے ان کا سوٹ کیس اٹھا کر لے گیا۔ ان کے لیے کچھ کپڑے سلوانے ہیں۔"

"غلطی سے نہیں روپ متی جی۔" دھنی رام مسکرایا "ٹرینوں میں چوری کی وارداتیں عام ہوگئی ہیں۔ کوئی چور تاک میں ہوگا۔ انہیں غافل پاکر سوٹ کیس اٹھا لے گیا۔ زیادہ نقصان تو نہیں ہوا شریمان جی؟" اس نے آخری الفاظ کہتے ہوئے میری طرف دیکھا۔

"کم یا زیادہ۔ اس سے اب کوئی فرق نہیں پڑتا۔" میں نے جواب دیا۔ مجھے روپ متی کے جھوٹ بولنے پر بڑی حیرت ہوئی تھی۔ میرے بارے میں بتاتے ہوئے وہ یہ بات بھی جانتی ہوگی کہ جلد یا بدیر اس کا یہ جھوٹ کھل جائے گا۔

دھنی رام نے کاؤنٹر کی پچھلی دیوار پر لگا ہوا ایک بٹن دبا دیا۔ اس کے فوراً ہی بعد کاؤنٹر کے ساتھ تنگ سے زینے سے ایک آدمی اتر کر نیچے آگیا۔ دکان کے اوپر والے حصے میں درزی خانہ تھا اور وہ آدمی ٹیلر ماسٹر تھا۔ دھنی رام نے اسے میرے بارے میں بتایا اور جب ٹیلر ماسٹر نے مجھے اوپر آنے کا اشارہ کیا تو روپ متی بھی ہمارے ساتھ ہی اوپر آگئی۔

اوپر بہت بڑا درزی خانہ تھا۔ کئی کاریگر بیٹھے کام کررہے تھے۔ ان میں عورتیں بھی تھیں۔ ٹیلر ماسٹر نے ایک فیشن بک ہمارے سامنے رکھ دی۔ روپ متی فیشن بک کھول کر دیکھنے لگی۔

روپ متی نے میرے کپڑوں کے ڈیزائن بھی اپنی مرضی سے پسند کیے۔

ایک گھنٹے بعد ہم نیچے آگئے۔ کپڑا پسند کرنے میں جو ایک گھنٹا لگ گیا اور بالآخر ہم اس دکان سے باہر آگئے۔

"تم نے دھنی رام سے میرے بارے میں جھوٹ کیوں بولا؟" میں نے اس کے ساتھ چلتے ہوئے کہا "کیا تم سمجھتی ہو کہ اسے پتا نہیں چلے گا کہ میں کون ہوں بلکہ میں تو جانتا ہوں کہ اس نے تمہاری بات کا یقین ہی نہیں کیا ہوگا اور سمجھ رہا ہوگا کہ میں ہی وہ غلام ہوں جسے۔۔۔"

"اس غلام کو تو میں نے اسی وقت آزاد کردیا تھا جب اس نے جنگل میں بلونت سنگھ اور اس کے گرگوں سے میری جان بچائی تھی۔" روپ متی نے میری بات کاٹتے ہوئے کہا "اور اب میں تمہاری زبان سے کبھی غلام کا لفظ نہ سنوں۔ میری طرف سے آخری وارننگ ہے۔ سمجھے!"

"جی مالکن۔" میں نے سعادت مندی سے جواب دیا۔

"کیا۔۔۔؟" اس نے گھور کر میری طرف دیکھا۔ پھر مسکراتے ہوئے اس کے منہ سے بے اختیار قہقہہ نکل گیا۔

اس وقت نو بجنے والے تھے۔ مرسیڈیز ایک بار پھر مختلف سڑکوں پر دوڑنے لگی اور بالآخر بھوانی سنگھ روڈ پر رام باغ پیلس ہوٹل کے گیٹ میں داخل ہو کر پارکنگ لاٹ میں رک گئی۔ وسیع و عریض رقبے میں پھیلا ہوا یہ ڈی لکس ہوٹل تھا۔

یہاں جس طرح روپ متی کا سواگت (استقبال) ہوا اس سے مجھے اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ اکثر یہاں آتی رہتی تھی۔ ڈائننگ ہال بھی پوری طرح بھرا ہوا تھا۔ ہمیں ایک میز مل گئی جس پر "ریزرو ڈ" کی تختی رکھی ہوئی تھی۔ ہمارے بیٹھتے ہی بیڈ ویٹر نے وہ تختی ہٹا دی۔ میں نے دیکھا کہ روپ متی نے حویلی سے نکلنے سے پہلے فون کر کے میز ریزرو کروالی ہوگی۔

کھانے کے بعد ہم ریکریشن ہال میں آگئے۔ یہاں روپ متی کے کئی جانکار (شناسا) تھے۔ وہ اپنے ملنے والوں سے بڑے فخر سے میرا تعارف ہمت سنگھ کے نام سے کرا رہی تھی۔ روپ متی میرے ساتھ چپکی ہوئی تھی۔ میں نے عورتوں کی نظروں سے حسد کی چنگاریاں بھی پھوٹتی دیکھی تھیں اور بعض کی نظروں میں رشک بھی نمایاں تھا۔ کچھ آدمی ایسے بھی تھے جنہوں نے میری طرف بڑی نفرت

نگاہوں سے دیکھا تھا۔ مجھے اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ وہ کسی وقت روپ متی کے قریب رہ چکے تھے اور اب مجھے اس کے ساتھ دیکھ کر ان کے دلوں میں حسد و رقابت کے جذبات جاگ اٹھے تھے۔

ہر میز پر کوئی نہ کوئی جوان اور حسین عورت موجود تھی۔ یہ یا تو شکاری عورتیں تھیں یا ان کا تعلق ایسے گھرانوں سے تھا جہاں شرم و حیا کو بالائے طاق رکھ دیا جاتا ہے۔ ان عورتوں کے لباس ہی نہیں حرکات بھی شرمناک تھیں۔ میں نے سنگاپور اور تھائی لینڈ کے ہوٹلوں اور نائٹ کلبوں میں بڑے شرمناک مناظر دیکھے تھے۔ ہندوستان کے بارے میں سنا تھا کہ یہ پس ماندہ ملک ہے جہاں عورت کو آزادی حاصل نہیں ہے لیکن یہ سب کچھ دیکھ کر تو میں کہہ سکتا تھا کہ ہندوستان کی عورت سب سے زیادہ آزاد ہے۔ ایک مثال تو روپ متی کی صورت میں میرے سامنے تھی۔ شوہر کی موت کے بعد اس نے پابندی کی تمام زنجیروں کو توڑ دیا تھا۔ مذہبی رسم و روایات سے بغاوت کرکے وہ راہ اپنائی تھی جو بہت ہی شرمناک تھی۔ ہر تھوڑے عرصے بعد ایک نئے مرد کو پہلو میں لے کر چلنے کو وہ اپنے لیے باعثِ فخر سمجھتی تھی۔

ہم جس میز پر بیٹھے تھے وہاں روپ متی کے جاننے والے دو افراد اور بھی تھے۔ ایک مرد اور ایک عورت۔ مرد کی عمر چالیس کے لگ بھگ تھی جبکہ عورت کی عمر تیس سے زیادہ نہیں تھی۔ وہ اپنی شکل و صورت، لباس اور باتوں ہی سے فاحشہ لگتی تھی۔ مرد بھی بہت گھاگ تھا۔

میز پر انگلش وہسکی کی بوتل رکھی ہوئی تھی جو ایک گھنٹے سے بھی کم وقت میں آدھی سے زیادہ خالی ہو چکی تھی۔ مجھے شراب سے نفرت تھی اور میں روپ متی کو بھی بار بار ٹوک رہا تھا لیکن وہ دوسری عورت..... وہ نہ صرف خود سوڈا ملائے بغیر پی رہی تھی بلکہ اپنے ہاتھ سے اپنے ساتھی کو بھی پلا رہی تھی اور اس کا ساتھی اپنا گلاس بار بار روپ متی کے ہونٹوں سے لگا رہا تھا اور روپ متی بھی خالص وہسکی حلق میں انڈیلتی جا رہی تھی۔

اسٹیج پر ایک رقاصہ تھرکتے ہوئے اپنے نیم عریاں جسم کی نمائش شروع کر چکی تھی۔ کچھ ہی دیر بعد وہ اسٹیج سے اتر کر ہال میں میزوں کے گرد چکرانے لگی۔ یہ ڈی لکس ہوٹل تھا۔ فائیو اسٹار سے بھی اوپر کی چیز۔ گاہک ایسے تھے جن کا شمار شہر کے معززین میں ہوتا تھا۔ صنعت کار، بزنس مین اور سیاست داں، سابق راجے اور مہاراجے۔ ان میں بہت سے لوگ ایسے تھے جن کے ہونٹوں سے نکلا ہوا ایک جملہ اسٹاک مارکیٹ کو کریش کر سکتا تھا یا سیاست کا رخ بدل سکتا تھا۔ میں سمجھتا ہوں کہ شہر کی ان معزز ترین ہستیوں اور کو... خانے میں ٹھرایا تاڑی پی کر ہنگامہ کرنے اور گندی گا... بکنے والے شرابیوں میں کوئی فرق نہیں تھا۔ وہ بھی نا... ٹھرا پی کر بہک جاتے ہیں اور یہ معززین بھی انگلش وہ... بے قابو ہو رہے تھے۔ کوئی میزوں کے درمیان تھرک... رقاصہ کو پکڑ کر اپنی آغوش میں گرانے کی کوشش کر... کوئی اپنے ساتھ بیٹھی ہوئی عورت کو بے لباس کرنے کی کوشش میں تھا۔

ایک کے بعد دوسری رقاصہ آتی رہی اور اپنے جسم کی نمائش کرکے شہر کے ان باعزت لوگوں کے جذبات کی آگ بھڑکاتی رہی۔

ایک بجنے والا تھا۔ روپ متی اب کسی قدر بہکی تھی۔ میری قوتِ برداشت جواب دے گئی۔ میں نے اس کا ہاتھ سے پکڑ کر کرسی سے اٹھالیا۔

"بس کرو اب!" میں نے اس کے دوسرے ہاتھ سے گلاس لے کر میز پر پٹخ دیا "اور پیو گی تو یہیں ڈھیر ہو جاؤ گی۔"

"تت..... تم کون ہوتے ہو مم..... مجھے روکنے والے۔ مم..... میں..... پیوں گی..... اور..... اور پیوں گی۔" روپ متی اپنا ہاتھ چھڑانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"میں تمہیں اور نہیں پینے دوں گا۔ اب گھر چلو۔" میں نے اس کا ہاتھ نہیں چھوڑا۔

"تت..... تمیز سے..... بات کرو۔ تم میرے غل... ہو۔ مم..... ما..... لک نہیں۔ مم..... میں نے تمہیں تمن... لاکھ میں خریدا..... تھا۔"

وہ ایک بار پھر ہاتھ چھڑانے کی کوشش کرنے لگی۔

میں سناٹے میں آگیا۔ یہ الفاظ ہتھوڑے کی... میرے دل پر لگے تھے۔ دماغ میں سنسناہٹ سی ہونے... ایک لمحے تو ذہن میں خیال آیا کہ اسے چھوڑ دوں۔ آخر اس کا غلام ہی تو تھا۔ مجھے اس طرح بات کرنے کا کوئی... نہیں تھا لیکن..... میں نے فوراً ہی اپنے آپ کو سنبھال... میں غلام ضرور تھا لیکن وفاداری بھی میری سرشت میں... تھی اور ایک وفادار غلام اپنی مالکن کو اس حالت میں... چھوڑ سکتا تھا۔

میں نے کن انکھیوں سے اس مرد اور عورت کی... دیکھا۔ وہ دونوں روپ متی کی بات پر چونک گئے تھے۔ ان... چہروں کے تاثرات بدل گئے۔ وہ دونوں بلا نوش تھے... زیادہ شراب پینے کے باوجود وہ نہیں بہکے تھے جبکہ روپ...

...ر دماغ پر اثر ہونے لگا تھا۔

میں نے میز پر رکھا ہوا روپ متی کا بیگ دوسرے ہاتھ میں اٹھایا اور اسے کھینچتا ہوا دروازے کی طرف لے جانے لگا۔ روپ متی چیخی چلائی تو نہیں البتہ اپنے آپ کو چھڑانے کی کوشش ضرور کرتی رہی۔ ہم دروازے سے دو تین قدم دور ہی تھے کہ ایک ویٹر نے راستہ روک لیا۔

"ایکسکیوزمی سر۔"

"کیا بات ہے؟" میں نے اسے گھورا۔

"بل۔" ویٹر بولا "میڈم کا بل پے نہیں ہوا سر۔" اس نے بل کی پرچی مجھے دکھائی۔

میں نے روپ متی کو چھوڑ دیا۔ وہ دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر گہرے گہرے سانس لینے لگی۔ میں نے ویٹر کے ہاتھ سے پرچی جھپٹ لی۔ تین ہزار سے اوپر کا بل تھا۔ میں نے روپ متی کا پرس کھولا۔ اس میں اچھی خاصی رقم موجود تھی۔ میں نے مطلوبہ رقم نکال کر ویٹر کے ہاتھ میں تھما دی، پرس اپنے کندھے پر لٹکالیا اور روپ متی کا بازو پکڑ کر اسے کھینچتا ہوا ہال سے باہر لے آیا۔ اس مرتبہ اس نے زیادہ مزاحمت نہیں کی۔

لابی سے گزرتے ہوئے ایک اور آدمی نے ہمارا راستہ روک لیا۔

"اے۔" اس شخص کا لہجہ بہت اکھڑ تھا۔ حلیے سے بھی وہ کوئی اچھا آدمی نہیں لگتا تھا۔ وہ اس کلاس کا بھی نہیں تھا جو ایسے بڑے ہوٹلوں میں آمد و رفت اور اخراجات کے متحمل ہو سکتے ہیں "اے۔" وہ ایک بار پھر مجھے کھا جانے والی نظروں سے گھورتے ہوئے کرخت لہجے میں بولا "روپ متی جی کو اس طرح گھسیٹ کر کدھر لے جانے کا ہے؟"

"جہنم میں۔ تم کون ہو؟" میں نے بھی اسی طرح کرخت لہجے میں جواب دیا۔

میرے لہجے کی غراہٹ نے اس شخص کو وہیں رکنے پر مجبور کر دیا۔ میں روپ متی کو کھینچتا ہوا پارکنگ میں لے آیا۔ اس کی کار کے قریب پہنچ کر میں نے اس کے پرس میں سے چابی نکالی اور دروازہ کھول کر روپ متی کو ڈرائیونگ سیٹ پر دھکیل دیا اور چابی دروازے کے لاک سے نکال کر اگنیشن میں لگا دی۔

"دوسری طرف کا لاک کھولو اور انجن اسٹارٹ کرو۔" میں نے کہا اور کار کے سامنے سے گھوم کر دوسری طرف آگیا۔

اور ٹھیک اسی وقت وہ آدمی بھی پارکنگ میں پہنچ گیا۔ اس کے ساتھ ایک اور آدمی بھی تھا۔ ان دونوں کے تیور اچھے نہیں دکھائی دیتے تھے۔

"اے۔" وہی شخص آگے بڑھتے ہوئے غرایا "روپ متی جی کو چھوڑ دو ورنہ ہم تمہاری ہڈیاں توڑ دیں گا۔"

"دیکھو۔" میں نے پُرسکون لہجے میں کہا "میں روپ متی کو اغوا کرکے نہیں لے جا رہا۔ میں اس کا دوست ہوں۔ اس نے شراب زیادہ پی لی ہے اس لیے میں اسے زبردستی وہاں سے نکال کر لایا ہوں۔ ویسے تم لوگ کون ہو اور روپ متی سے تمہارا کیا تعلق ہے۔"

"روپ متی تو ہمارے دلاں کی رانی ہووے ہے۔" اس شخص نے جواب دیا "اب تم چلے جاؤ۔ ہم اس کو گھر چھوڑ دیواں گا۔"

میرا خون کھول اٹھا۔ روپ متی کے بارے میں نئے نئے انکشاف ہو رہے تھے۔ اس نے اپنے آپ کو اتنا گرا لیا تھا کہ ان جیسے تھرڈ ریٹ غنڈے بھی آس لگائے بیٹھے تھے۔

میں نے ان دونوں کو سمجھانے کی کوشش کی مگر وہ تو لڑنے پر بضد تھے۔ روپ متی نشے میں تھی اور ان دونوں کا خیال تھا کہ مجھے راستے سے ہٹا کر وہ اسے اپنے ساتھ لے جائیں گے لیکن میں ایسا کیوں ہونے دیتا۔ میں نے ایک بار پھر انہیں سمجھانے کی کوشش کی مگر ان میں سے ایک نے چاقو نکال لیا۔

اب میری قوتِ برداشت جواب دے گئی تھی۔ وہ شخص چاقو لہراتا ہوا آگے بڑھا۔ میں نے کندھے پر لٹکا ہوا روپ متی کا پرس کار کی چھت پر رکھ دیا اور گھوم کر بڑی تیزی سے لات چلا دی۔ میرے پیر کی ٹھوکر اس کے ہاتھ پر لگی۔ چاقو اس شخص کے ہاتھ سے نکل کر ہوا میں اڑتا ہوا چوتھی یا پانچویں کار کے پیچھے جا گرا۔

وہ شخص حملہ آور ہونے کے لیے میری طرف لپکا۔ میں نے بڑی پھرتی سے نیچے بیٹھ کر ٹانگ گھما دی۔ اس مرتبہ میرے پیر کی ٹھوکر اس کے ٹخنے سے ذرا اوپر پنڈلی پر لگی۔ وہ کراہتا ہوا نیچے گرا۔

میں بڑی پھرتی سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور آگے بڑھتے ہوئے دوسرے شخص کے پہلو میں سائیڈ کک رسید کر دی۔ وہ بھی کراہتا ہوا ڈھیر ہو گیا۔ وہ دونوں غنڈے ہوں گے۔ لڑنا بھی جانتے ہوں گے لیکن اسٹریٹ فائٹنگ اور لڑائی کی ٹیکنیک کے استعمال میں بڑا فرق ہوتا ہے۔

وہ دونوں سنبھل گئے تھے۔ اس مرتبہ ان دونوں نے بیک وقت میرے اوپر چھلانگ لگا دی۔ کوشش کے باوجود میں

ا ب کو نہیں بچا سکا۔ وہ مجھے رگیدتے ہوئے ایک دوسری کار تک لے گئے۔ ان میں سے ایک نے بڑی پھرتی سے مجھے پیچھے سے گرفت میں لے لیا اور دوسرا میرے پیٹ اور سینے پر گھونسے برسانے لگا۔

اس دوران میں کار کا انجن اسٹارٹ ہونے کی آواز سن کر میں چونک گیا۔ وہ روپ متی کی کار تھی جو ایک جھٹکے سے حرکت میں آگئی تھی۔ اس کی چھت پر رکھا ہوا پرس نیچے گر گیا۔

میں ان دونوں سے پٹ رہا تھا مگر میرا دھیان روپ متی کی طرف تھا۔ وہ نشے میں تھی اور کار کو بڑے خطرناک انداز میں پارکنگ سے نکال کر لے گئی تھی۔ گیٹ پر بریکوں کی تیز چرچراہٹ کی آواز سنائی دی اور اس کے بعد کار پھر خطرناک انداز میں اچھل کر آگے بڑھی تھی۔

وہ شخص اب بھی مجھ پر گھونسے برسا رہا تھا۔ ایک گھونسا میرے منہ پر لگا۔ ہونٹ پھٹ گیا اور خون بہہ نکلا۔ میں نے اپنا سارا بوجھ اس شخص پر ڈال دیا جس نے مجھے پیچھے سے گرفت میں لے رکھا تھا۔ اپنے آپ کو اوپر اٹھا کر میں نے دونوں پیر پوری قوت سے سامنے والے شخص کے سینے پر رسید کردیے۔ وہ بلبلاتا ہوا لڑکھڑا کر پیچھے گرا۔

اپنے پیر زمین پر ٹکتے ہی میں بڑی تیزی سے نیچے جھکا۔ دوسرا شخص بھی میرے اوپر سے قلابازی کھاتا ہوا پشت کے بل گرا۔ میں نے ان دونوں پر ٹھوکروں کی بارش کردی۔

"اے۔ کون ہے۔ ادھر کیا ہو رہا ہے؟"

یہ آواز سنتے ہی وہ دونوں اٹھ کر پارکنگ ایریا کی عقبی سمت میں بھاگ نکلے۔ میں نے جھک کر روپ متی کا پرس اٹھالیا اور گہرے گہرے سانس لینے لگا۔

وہ پارکنگ کا نگران تھا۔ اس نے روپ متی کی کار کو خطرناک انداز میں نکلتے ہوئے دیکھا تھا اور ہمارے لڑنے کی آوازیں سن کر اس طرف آگیا تھا۔ اس کے ہاتھ میں پستول بھی نظر آرہا تھا۔

"کیا ہوا حکم! وہ کون لوگ تھے؟" اس نے میرے قریب آکر پوچھا۔ وہ مجھے پہلے روپ متی کے ساتھ دیکھ چکا تھا ورنہ ممکن ہے کسی شک میں مجھے ہی دھر لیتا۔

"بدمعاش تھے۔" میں نے جواب دیا "میری دوست کا پرس چھین کر بھاگنے کی کوشش کررہے تھے۔ بھاگ گئے سالے۔"

"کدھر گئے وہ؟" نگران نے پوچھا۔

"اس طرف۔" میں نے ہاتھ سے ایک طرف اشارہ کیا "پیچھے جانا بیکار ہے۔ اب وہ ہاتھ نہیں آئیں گے۔"

نگران نے میرا مشورہ مان لیا اور ان بدمعاشوں کا پیچھا کرنے کی کوشش نہیں کی اور پھر میرے ہونٹوں سے خون بہتے دیکھ کر وہ چونک گیا۔

"آپ زخمی ہو حکم۔ آپ کے منہ سے رت (خون) بہہ رہا ہے۔" اس کے لہجے میں تشویش تھی "آؤ۔ آپ کو ڈاکٹر کے پاس لے چلوں۔"

"میں ٹھیک ہوں۔ معمولی چوٹ ہے۔ پریشانی کی کوئی بات نہیں۔" میں نے انگلیوں سے ہونٹ ٹٹولتے ہوئے جواب دیا۔ نگران نے اپنی جیب سے رومال نکال کر میری طرف بڑھادیا۔

میں اس کے ہاتھ سے رومال لے کر ہونٹوں سے بہنے والا خون پونچھنے لگا۔ مجھے روپ متی کی طرف سے تشویش تھی۔ وہ نشے میں تھی اور بڑے خوفناک انداز میں کار کو پارکنگ سے نکال کرلے گئی تھی۔ وہ راستے میں کسی حادثے کا شکار بھی ہوسکتی تھی۔

میں نگران کا شکریہ ادا کرکے پارکنگ سے باہر آگیا۔ گیٹ پر بھی ایک باوردی گن مین کھڑا تھا۔ وہ بھی مجھے روپ متی کے ساتھ آتے ہوئے دیکھ چکا تھا اور ظاہر ہے اس نے روپ متی کو واپس جاتے ہوئے بھی دیکھا تھا۔ میرے ہاتھ میں زنانہ پرس تھا اور ہونٹوں سے خون بہہ رہا تھا۔ ماحول میں مجھے کوئی اٹھائی گیرہی سمجھا جاسکتا تھا لیکن گیٹ مین چونکہ مجھے پہلے روپ متی کے ساتھ کار میں یہاں آتے دیکھ چکا تھا اس لیے اسے مجھ پر کوئی شبہ نہیں ہوا۔ اس کے برعکس اس کی نگاہوں میں تشویش تھی۔

"وہ گاڑی کس طرف گئی ہے۔ میرا مطلب ہے روپ متی کی گاڑی؟" میں نے گارڈ سے پوچھا اور ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

"کماری جی کی گاڑی اس طرف گئی ہے حکم۔" گارڈ نے ایک طرف اشارہ کیا۔

میں تیزی سے آگے بڑھ گیا مگر چند قدم چلنے کے بعد رک گیا۔ میرے دماغ میں اچانک ہی آندھیاں سی چلنے لگی تھیں۔ طرح طرح کے خیالات آرہے تھے۔ روپ متی اور ان حالات سے نجات حاصل کرنے کا یہ بہترین موقع تھا۔ روپ متی شراب کے نشے میں بڑی تیزی سے گاڑی لے کر گئی تھی۔ اس بات کی کوئی ضمانت نہیں تھی کہ وہ خیریت سے گھر پہنچ سکے گی۔ راستے میں وہ کسی خوفناک حادثے کا شکار بھی ہوسکتی تھی۔

میرے پاس روپ متی کا پرس تھا جس میں ہزاروں روپے کی رقم موجود تھی۔ میں یہ رات کہیں بھی گزار لیتا اور روپے کی رقم کے لیے روانہ ہوجاتا۔ وہاں کامنی کا صبح سویرے پہنچ کر سینئر تلاش کرنا زیادہ مشکل نہ ہوگا اور مارشل آرٹس ٹریننگ سینٹر تلاش کرنا زیادہ مشکل نہ ہوگا اور مجھے یقین تھا کہ جاکی بھی وہیں ہوگی۔ ہم دونوں کامنی کی مدد سے نہایت آسانی سے ہندوستان سے نکل سکتے تھے۔

یہ خیال آتے ہی میں ایک طرف چل پڑا لیکن چند گز کا فاصلہ طے کرنے کے بعد میرے قدم ایک بار پھر رک گئے۔ میرا ضمیر مجھے ملامت کررہا تھا۔ جس عورت نے میرے ساتھ نیکی کی تھی۔ بھاری رقم خرچ کرکے مجھے غلام کی حیثیت سے خریدا تھا مگر میرے ساتھ غلاموں جیسا سلوک نہیں کیا تھا۔ اس نے مجھے تمام آسائشیں مہیا کی تھیں۔ ابھی چند گھنٹے پہلے ہی تو وہ میرے لیے کپڑے بنوانے کے لیے ہزاروں روپے خرچ کرکے آئی تھی۔ کیا میں اس عورت کو دھوکا دوں جس نے میرے ساتھ اس قدر ہمدردی کا سلوک روا رکھا تھا؟ اس میں شبہ نہیں کہ اس میں اس کی اپنی بھی کوئی غرض پوشیدہ تھی لیکن مجھے زیب نہیں دیتا تھا کہ میں اس کے ساتھ دھوکا کروں۔ اس کے اعتماد کو ٹھیس پہنچاؤں۔ میں نے تو اپنے دشمنوں کے ساتھ بھی کھلی جنگ لڑی تھی۔ ہمیشہ للکار کر سامنے سے وار کیا تھا۔ میں نے تو وار اچھے دشمن پر بھی کبھی دھوکے سے وار نہیں کیا تھا۔ روپ متی تو میری محسنہ تھی۔ اس کی جگہ اگر کوئی اور شخص مجھے خرید لیتا تو وہ مجھے غلام بنا کر ہی رکھتا۔ میرے گلے میں غلامی کا طوق ہوتا اور شاید پیروں میں بیڑیاں بھی لیکن روپ متی نے میرے ساتھ یہ سب کچھ نہیں کیا تھا۔ اس نے تو بڑے فخر سے اپنے جاننے والوں سے دوست کی حیثیت سے میرا تعارف کرایا تھا۔ ہوٹل میں صرف ایک مرتبہ اس نے مجھے غلام کہا تھا۔ وہ اس وقت شراب کے نشے میں تھی لیکن اگر اس نے مجھے غلام کہہ بھی دیا تھا تو غلط نہیں کہا تھا۔ میں اس کا غلام ہی تو تھا۔

میرا ضمیر مجھے کچوکے لگا رہا تھا۔ کیا میں روپ متی کو چھوڑ کر بھاگ جاؤں؟ بلکہ اس وقت وہ میری ہمدردی اور توجہ کی مستحق تھی۔ اسے میری ضرورت تھی۔

نہیں۔ میں ایسا نہیں کرسکتا تھا۔ دھوکا اور فریب میری سرشت میں شامل نہیں تھا۔ میں نے سر جھٹک کر پراگندہ خیالات کو ذہن سے نکال دیا اور ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

ہوٹل کے گیٹ کی طرف سے ایک خالی ٹیکسی اسی طرف آرہی تھی۔ میں نے ٹیکسی کو رکنے کا اشارہ کیا اور ٹیکسی جیسے ہی میرے قریب رکی، میں جھٹ سے پچھلی سیٹ کا دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گیا۔ میرے ہونٹوں سے اب بھی خون رس رہا تھا اور ہاتھ میں پکڑا ہوا رومال بھی خون سے تر ہوچکا تھا۔ ڈرائیور نے اپنے سامنے لگے ہوئے آئینے کو ایڈجسٹ کرکے مجھے دیکھا اور پیچھے مڑکر دیکھے بغیر بولا۔

"کہاں چلوں حکم۔ اسپتال یا پولیس اسٹیشن!"

"سیدھے چلتے رہو۔ میں تمہیں راستہ بتادوں گا۔" میں نے سنبھل کر بیٹھتے ہوئے کہا "ویسے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ میں کوئی مجرم نہیں ہوں۔"

"منہ پر چوٹ کیسے لگی حکم؟" ڈرائیور نے گاڑی آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

"ہوٹل کے پارکنگ ایریا میں دو غنڈوں نے میری دوست کا پرس چھیننے کی کوشش کی تھی۔ پرس اور اپنی دوست کو بچانے کی کوشش میں ان میں سے کسی کا ہاتھ پڑ گیا۔" میں نے جواب دیا۔

ٹیکسی کی رفتار تیز ہوگئی۔ میں کھڑکی سے باہر دیکھ رہا تھا۔ میرا خیال تھا کہ مجھے راستوں کا پتا چل جائے گا مگر بڑی مایوسی ہوئی۔ ڈرائیور میری ہدایت پر ٹیکسی کو مختلف سڑکوں پر گھماتا رہا اور بالآخر اس نے ایک جگہ ٹیکسی روک لی۔

"رات کے دو بج رہے ہیں حکم۔" اس نے پیچھے مڑکر میری طرف دیکھتے ہوئے کہا "اگر پولیس والوں نے روک لیا تو تمہارا حلیہ دیکھ کر تمہیں تھانے پہنچادیں گے۔ تمہیں جانا کہاں ہے۔ مجھے جگہ کا نام بتاؤ۔"

"جگہ کا نام ہی تو پتا نہیں۔" میں نے گہرا سانس لیتے ہوئے جواب دیا "میں اس شہر میں نیا ہوں۔ وہ راستہ بھی بھول گیا ہوں جس طرف سے آیا تھا۔"

"کسی ہوٹل یا گیسٹ ہاؤس یا کسی کے گھر مہمان ٹھہرے ہوئے ہو؟" ڈرائیور نے پوچھا۔

"روپ متی۔ راج کماری روپ متی نام ہے اس کا۔ میں اسی کی حویلی میں ٹھہرا ہوا ہوں۔" میں نے جواب دیا۔

"ایسا بولنے کا ہے نا۔" ڈرائیور رسید دھا ہو کر بیٹھ گیا اور ٹیکسی ایک جھٹکے سے آگے بڑھادی۔

اور پھر ٹھیک پندرہ منٹ بعد ٹیکسی روپ متی کی حویلی کے گیٹ کے سامنے رک رہی تھی۔ میں نے پرس کھول کر ڈرائیور کو منہ مانگا کرایہ ادا کردیا اور آگے بڑھ کر گیٹ کے ستون پر نصب کال بیل کا بٹن دبادیا۔

دو منٹ بعد گیٹ کی چھوٹی سی کھڑکی سے کسی نے جھانک کر دیکھا اور پھر زیلی دروازہ کھل گیا۔ میں اندر داخل ہوگیا۔ وہ تارا سنگھ تھا جو عجیب سی نظروں سے میری طرف دیکھ رہا

تھا۔

"روپ متی آگئی یا نہیں؟" میں نے اندر داخل ہوتے ہی پوچھا۔

"مالکن تو آگئی۔ بہت دیر ہوئی۔" تارا سنگھ نے جواب دیا۔

میں تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا آگے چلنے لگا۔ پورچ میں لینڈ کروزر کے پیچھے مرسیڈیز کھڑی تھی۔ میں جیسے ہی برآمدے میں داخل ہوا، دروازہ کھل گیا۔ وہ مندری تھی جو اب تک جاگ رہی تھی اور اس نے غالباً جالی والے دروازے سے مجھے آتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ میری حالت دیکھ کر اس کی آنکھوں میں تشویش ابھر آئی۔

"روپ متی کہاں ہے؟" میں نے مندری کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"اوپر۔ اپنے کمرے میں۔" مندری نے جواب دیا "مگر تمہیں کیا ہوا۔ یہ کیا حالت ہورہی ہے تمہاری؟" اس کے لہجے میں تشویش تھی۔

"جھگڑا ہوگیا تھا۔" میں یہ کہتے ہوئے زینے کی طرف بڑھ گیا۔

روپ متی اپنے کمرے میں موجود تھی۔ کمرے کی حالت دیکھ کر میں چونکے بغیر نہیں رہ سکا۔ ہر چیز بکھری ہوئی تھی۔ کوئی بھی چیز اپنی جگہ پر نظر نہیں آرہی تھی۔

میرے لیے یہ اطمینان کافی تھا کہ روپ متی خیریت سے تھی۔ اسے راستے میں کوئی حادثہ پیش نہیں آیا تھا۔ البتہ وہ گھر آنے کے بعد اپنا غصہ اس طرح اتار رہی تھی کہ اس کا کمرا کسی میدانِ جنگ کا منظر پیش کررہا تھا۔

مجھے دیکھ کر وہ کچھ اور بپھر گئی اور بیڈ پر پڑی ہوئی لوشن کی ایک بوتل اٹھا کر میری طرف کھینچ ماری۔ میں بڑی پھرتی سے جھک کر اپنے آپ کو بچا گیا۔ بوتل دیوار پر لگ کر ٹوٹ گئی۔ لوشن بکھر گیا۔ کمرے کی فضا میں تیز خوشبو پھیل گئی۔

روپ متی اب بھی نشے میں تھی۔ وہ کوئی اور چیز اٹھانے کے لیے جھکی۔ میں نے تیزی سے آگے بڑھ کر اسے دونوں بانہوں میں پکڑ کر جھنجوڑ ڈالا۔

"ہوش میں آؤ روپ متی۔" میں نے درشت لہجے میں کہا "تم نشے میں ہو۔ تمہیں نہیں معلوم کیا کررہی ہو۔ ہوش میں آؤ۔"

"مم۔ میں نشے۔۔۔ میں ہوں۔" اس نے ہکلاتے ہوئے کہا اور اپنے آپ کو مجھ سے چھڑا کر دو قدم دور ہٹ گئی۔ اس نے دونوں ہاتھ اپنی شرٹ کے گریبان پر رکھے اور ایک زور دار جھٹکے سے قمیص پھاڑ ڈالی "یہ یہ دیکھو۔ ٹھرٹ سیدھی پھٹی ہے نا۔ اگر میں نشے۔۔۔ میں ہوتی تو یہ قمیص سیدھی۔۔۔ نہ پھٹتی۔ مم۔ میں۔۔۔ میں نشے میں نہیں ہوں۔ تم نکل جاؤ۔ یہاں سے۔۔۔"

میں نے ادھر اُدھر دیکھا۔ بیڈ سائیڈ ٹیبل پر پانی کا جگ رکھا ہوا تھا۔ میں نے جگ اٹھا کر روپ متی پر انڈیل دیا۔ چیخ اٹھی اور مارنے کے لیے میری طرف لپکی۔ میں نے اس کے دونوں ہاتھ اپنے ایک ہاتھ کی گرفت میں لے لیے اور دوسرے ہاتھ سے اس کے منہ پر دو چار کرارے طمانچے جڑ دیے۔ وہ چیختے ہوئے اپنے آپ کو چھڑانے کی کوشش کررہی تھی۔ اس کے منہ سے چند گندی گالیاں بھی نکلی تھیں لیکن میں نے اس کی پروا نہیں کی اور اسے دھکا دے کر بیڈ پر گرا دیا۔

وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑی ہوگئی۔ تھپڑوں سے اس کا دماغ ٹھکانے پر آگیا تھا۔ سارا نشہ ہرن ہوگیا۔ وہ میرے سامنے کھڑی چند لمحے میری طرف دیکھتی رہی اور پھر مجھ سے لپٹ کر رونے لگی۔

مجھے روپ متی کی حالت پر واقعی ترس آرہا تھا۔ وہ مجھ سے لپٹی سسکیاں بھر بھر کر رو رہی تھی۔ میں اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگا۔ اس دوران میں آہٹ سن کر میں نے دروازے کی طرف دیکھا۔ دروازہ کھلا ہوا تھا اور باہر مندری کھڑی تھی۔ وہ غالباً میرے پیچھے ہی اوپر آگئی تھی اور باہر کھڑی سب کچھ دیکھتی رہی تھی۔

میں نے روپ متی کو بیڈ پر ڈال دیا۔ وہ بستر پر اوندھی پڑی سسکیاں بھرتی رہی۔ میں نے دروازے کی طرف دیکھا۔ مندری آگے آنا چاہتی تھی مگر میں نے اسے واپس جانے کا اشارہ کیا اور اوندھی پڑی ہوئی ایک کرسی سیدھی کرکے بیڈ کے قریب بیٹھ گیا۔

روپ متی اوندھی پڑی سسکیاں بھرتی رہی۔ اس کا جسم ہولے ہولے کانپ رہا تھا۔ میں چند لمحے اس کی طرف دیکھتا رہا پھر اٹھ کر کمرے میں بکھری ہوئی چیزیں سمیٹنے لگا جس میں مجھے تقریباً ایک گھنٹا لگ گیا۔

لوشن کی جو بوتل دیوار پر لگ کر ٹوٹی تھی اس کی کرچیاں دیوار کے قریب بکھری ہوئی تھیں۔ میں نے موٹی موٹی کرچیاں اٹھا کر ایک طرف ڈال دیں۔ لوشن گرنے سے قالین پر داغ پڑ گیا تھا۔

میں دوبارہ بیڈ کے سامنے کرسی پر بیٹھا تو روپ متی اس وقت بھی بستر پر اوندھی پڑی تھی اور سسکیاں اب بھی جاری تھیں۔

"مالکن!" میں نے دھیمے لہجے میں پکارا تو وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کر بیٹھ گئی۔ اس کی آنکھیں سرخ ہورہی تھیں۔

"تم نے پھر مجھے مالکن کہا۔" اس کے لہجے میں اب بھی شکایت تھی۔

"میں تو آپ کا غلام ہوں مالکن۔" میں نے جواب دیا "کوئی غلام اپنی مالکن سے بدتمیزی سے بات نہیں کرسکتا۔ بھول میں مجھ سے گستاخی ہوئی تھی۔ اس کی معافی مانگتا ہوں۔"

اس نے مجھے بازو سے پکڑ کر بیڈ پر کھینچ لیا اور مجھ سے لپٹ کر ایک بار پھر رونے لگی۔ پہلے میں غصے میں تھا لیکن اب پُرسکون تھا۔ وہ مجھ سے لپٹی تو میں اپنے آپ میں عجیب سنسنی محسوس کرنے لگا۔ میں اسے الگ ہٹانا چاہتا تھا مگر اس نے مجھے بڑی سختی سے اپنی بانہوں کے شکنجے میں لے رکھا تھا اور جب میں اسے اپنے سے الگ کرنے میں کامیاب ہوا تو اس نے شاید پہلی مرتبہ توجہ سے میری طرف دیکھا تھا۔ میرا ہونٹ سوجا ہوا تھا۔ میں نے خون اچھی طرح صاف کرکے ٹیوب والی کریم لگالی اور باتھ روم سے باہر آگیا۔

روپ متی کپڑے بدل چکی تھی۔ میں نے ایک نظر اس کی طرف دیکھا اور پھر باہر نکل گیا۔ میری توقع کے عین مطابق مندری بالکونی میں ایک کرسی پر بیٹھی ہوئی تھی۔ میں نے اسے کافی بنا کرلانے کو کہا اور دوبارہ کمرے میں آگیا۔ روپ متی بیڈ کی پشت سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی۔ میں اس کے سامنے کرسی پر بیٹھ گیا۔

"ہوٹل میں جو کچھ بھی ہوا تھا مجھے اس کا بے حد افسوس ہے۔ مجھے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔" میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"تم نے جو کچھ بھی کیا، بہت ٹھیک کیا۔" روپ متی نے جواب دیا "شرمندگی تو مجھے ہے کہ میں نے نشے میں تمہیں نجانے کیا کچھ کہہ دیا تھا۔ اس بات کی خوشی بھی ہے کہ کوئی تو میرا ہاتھ روکنے والا ہے۔ جسے مجھ سے واقعی ہمدردی ہے۔"

وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بولی "تمہاری جگہ کوئی اور ہوتا تو ایسا ہرگز نہ کرتا بلکہ گلاس بھر بھر کے مجھے اپنے ہاتھ سے پلاتا۔ سب لوگ اب تک ایسا ہی کرتے رہے ہیں۔ تم ان لوگوں سے بالکل مختلف ثابت ہوئے ہو۔" وہ ایک بار پھر خاموش ہوگئی۔ میں اس کی طرف دیکھتا رہا۔ کئی لمحات خاموشی میں بیت گئے۔ وہ ایک بار پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگی۔

"تم نے موقع سے فائدہ بھی نہیں اٹھایا۔ میں تمہیں ہوٹل میں ہی چھوڑ آئی تھی۔ اس وقت میں نشے میں تھی۔ ہوش میں نہیں تھی۔ مجھے احساس بھی نہیں ہوسکا تھا کہ طرف سے نظریں چرانے کی کوشش کررہا تھا مگر میری نظریں کم بخت بار بار اسی کی طرف اٹھ رہی تھیں۔

میں نے اس کے ہاتھ سے لوشن کی بوتل اور کاٹن لے لی۔

"لاؤ۔ میں خود لگالیتا ہوں۔ تم کمرے میں جاکر کپڑے بدل لو۔" میں نے اس سے نظریں چراتے ہوئے کہا۔

اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آگئی۔ رخسار پر پڑنے والا ننھا سا ڈمپل پہلے سے کہیں زیادہ حسین لگا۔

"اوہ! سمجھ گئی۔" وہ بولی "ہونٹ صاف کرکے وہ کریم لگالینا۔" اس نے کیبنٹ میں رکھی ہوئی ایک ٹیوب کی طرف اشارہ کیا اور باتھ روم سے باہر نکل گئی۔

میں دیوار میں لگے ہوئے قدِ آدم آئینے کی طرف گھوم گیا۔ میرا نچلا ہونٹ درمیان سے کٹ گیا تھا۔ اوپر کا ہونٹ بھی سوجا ہوا تھا۔ میں نے خون اچھی طرح صاف کرکے ٹیوب والی کریم لگالی اور باتھ روم سے باہر آگیا۔

روپ متی کپڑے بدل چکی تھی۔ میں نے ایک نظر اس کی طرف دیکھا اور پھر باہر نکل گیا۔ میری توقع کے عین مطابق مندری بالکونی میں ایک کرسی پر بیٹھی ہوئی تھی۔ میں نے اسے کافی بنا کرلانے کو کہا اور دوبارہ کمرے میں آگیا۔ روپ متی بیڈ کی پشت سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی۔ میں اس کے سامنے کرسی پر بیٹھ گیا۔

"ہوٹل میں جو کچھ بھی ہوا تھا مجھے اس کا بے حد افسوس ہے۔ مجھے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔" میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"تم نے جو کچھ بھی کیا، بہت ٹھیک کیا۔" روپ متی نے جواب دیا "شرمندگی تو مجھے ہے کہ میں نے نشے میں تمہیں نجانے کیا کچھ کہہ دیا تھا۔ اس بات کی خوشی بھی ہے کہ کوئی تو میرا ہاتھ روکنے والا ہے۔ جسے مجھ سے واقعی ہمدردی ہے۔"

وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بولی "تمہاری جگہ کوئی اور ہوتا تو ایسا ہرگز نہ کرتا بلکہ گلاس بھر بھر کے مجھے اپنے ہاتھ سے پلاتا۔ سب لوگ اب تک ایسا ہی کرتے رہے ہیں۔ تم ان لوگوں سے بالکل مختلف ثابت ہوئے ہو۔" وہ ایک بار پھر خاموش ہوگئی۔ میں اس کی طرف دیکھتا رہا۔ کئی لمحات خاموشی میں بیت گئے۔ وہ ایک بار پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگی۔

"تم نے موقع سے فائدہ بھی نہیں اٹھایا۔ میں تمہیں ہوٹل میں ہی چھوڑ آئی تھی۔ اس وقت میں نشے میں تھی۔ ہوش میں نہیں تھی۔ مجھے احساس بھی نہیں ہوسکا تھا کہ

تمہیں چھوڑ کر جا رہی ہوں۔ تم اگر چاہتے تو کہیں بھی جا سکتے تھے۔ تمہارے سامنے کوئی رکاوٹ نہیں تھی مگر تم سیدھے یہاں چلے آئے اور یہاں آکر بھی تم نے موقع سے فائدہ نہیں اٹھایا۔ کوئی اور ہوتا تو بھیڑیے کی طرح رات بھر مجھے بھنبوڑتا رہتا۔ میرے شریر (بدن) کی بوٹیاں نوچتا رہتا۔ میں نشے میں تھی۔ مجھے کچھ پتا نہ چلتا کہ میرے ساتھ کیا ہو رہا ہے مگر تم مجھے تھپڑ مار مار کر ہوش میں لے آئے۔" وہ بات کرتے ہوئے اپنے گال سہلانے لگی۔

میں نے پہلی مرتبہ غور سے اس کی طرف دیکھا۔ اس کے دونوں گالوں پر میری انگلیوں کے نشان نظر آ رہے تھے۔ غصے میں ہاتھ زیادہ ہی سخت پڑ گیا تھا۔

"مجھے افسوس ہے۔ مجھے تم پر ہاتھ نہیں اٹھانا چاہیے تھا۔" میں نے ندامت کا اظہار کیا۔

"نہیں۔ تم نے بہت ٹھیک کیا۔" روپ متی بولی "اگر تم ہاتھ نہ اٹھاتے تو میں ہوش میں نہ آتی اور مجھے ان باتوں کا احساس بھی نہ ہوتا۔"

"بات دراصل یہ ہے کہ۔۔۔" میں نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا "یہ درست ہے کہ تم نے مجھے ایک بڑی رقم خرچ کر کے خریدا تھا لیکن تم نے میرے ساتھ جو سلوک روا رکھا ہے اسے میں کبھی نہیں بھول سکوں گا۔ تم میری محسنہ ہو اور میں اپنی محسنہ کو برباد ہوتے نہیں دیکھ سکتا۔"

"برباد تو میں پہلے ہی ہو چکی ہوں۔" اس نے گہرا سانس لیتے ہوئے جواب دیا "لیکن مجھے خوشی ہے کہ تمہاری صورت میں مجھے ایک ایسا آدمی تو ملا جسے مجھ سے واقعی ہمدردی ہے۔ جو میری بھلائی چاہتا ہے۔ جو میرا ہاتھ روک سکتا ہے اور مجھے طمانچے مار سکتا ہے۔"

"اپنی بربادی کی ذمے دار تم خود ہو۔" میں نے کہا "میں یہ بات ماننے کو تیار نہیں کہ عورت کمزور ہوتی ہے اور مرد اس کی کمزوری سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ عورت کے بارے میں میرا نظریہ دوسروں سے مختلف ہے۔ میں عورت کو طاقت کا سرچشمہ سمجھتا ہوں۔ عورت ہی مرد کو جنم دیتی ہے اور عورت ہی کے وجود سے مرد توانائی و قوت حاصل کرتا ہے۔ عورت ماں ہو سکتی ہے، بہن ہو سکتی ہے، بیٹی ہو سکتی ہے، بیوی ہو سکتی ہے مگر کنیز اور لونڈی نہیں ہو سکتی۔"

"اس میں شبہ نہیں کہ خدا نے عورت کو مرد کی تسکین کے لیے بنایا ہے۔ اس میں وہ کشش پیدا کی ہے کہ مرد بے اختیار اس کی طرف کھنچا چلا جاتا ہے اور اس کشش کی بدولت اپنے ظاہری غلبے کے باوجود اندر سے مظ ہے۔ بڑے بڑے جابر و فاتح اور رستم زماں اور عورت کے سامنے اپنے اقتدار و تحکم کو بالائے جھک جاتے ہیں۔

"عورت کمزور نہیں۔ اس نے اپنے آپ کو لیا ہے۔ میرا کہنے کا یہ مطلب بھی نہیں کہ عورت ہے اور وہ مردوں پر حکومت کر سکتی ہے۔ اسے ہاتھ لینے کی ضرورت نہیں۔ وہ اپنے اندر کی طاقت مقابلہ کر سکتی ہے۔ اس کے ظلم و ستم کا شکار ہو سکتی ہے۔ اگر عورت اپنے اندر کی طاقت کا ادراک وہ اس طرح برباد نہ ہو مگر المیہ یہ ہے کہ عورت نے کو کمزور سمجھ لیا ہے اور مرد اس کے اس احساس فائدہ اٹھا کر اس سے کھلونے کی طرح کھیلتا ہے اور کا جی بھر جاتا ہے تو اٹھا کر پھینک دیتا ہے۔"

"تم پہلے مرد ہو جو عورت کے حق میں اس رہے ہو۔" روپ متی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اس لیے کہ میں عورت کی عظمت ہوں۔" میں نے جواب دیا۔ مزید کچھ کہنا چاہتا تھا کو دروازے میں داخل ہوتے دیکھ کر خاموش ہو گیا

"ارے۔ تم ابھی تک جاگ رہی ہو؟" چونک کر کہا۔

"میرا خیال ہے جس کے دل میں تمہارے بھی ہمدردی ہے وہ چین کی نیند نہیں سو سکتا۔"

"تم جس حالت میں گھر میں آئی تھیں اس سے چہرے پر بھی ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ اسے کافی میں نے ہی کہا تھا۔"

روپ متی کو پُرسکون دیکھ کر مندری کے رونق سی آگئی تھی۔ اس نے دونوں ہاتھوں میں صورت سی ٹرے اٹھا رکھی تھی جس میں کافی ہوئے تھے۔ اس نے آگے بڑھ کر ایک مگ ڈریسنگ ٹیبل پر، جگہ بنا کر رکھ دیا اور دوسرا قریب سائیڈ ٹیبل پر۔ دونوں مگ دیکھ کر میں مندری کی ذہانت کی داد دیے بغیر نہیں رہ سکا دودھ والی تھی اور روپ متی کے لیے بغیر دودھ کی

روپ متی اٹھ کر باتھ روم میں گھس گئی اور کے چھینٹے مار کر واپس آگئی۔ میں نے کمرے میں چیزیں سمیٹ کر ایک طرف ڈال دی تھیں۔ منہ اٹھا کر سیفے سے ان کی جگہوں پر رکھنے لگی۔

"تم جا کر سو جاؤ مندری۔" روپ متی نے اس کی طرف دیکھ کر کہا "چار بج رہے ہیں۔ یہ کام صبح کر لینا۔"

مندری نے کام چھوڑ دیا۔ اس نے ایک نظر روپ متی کو دیکھا اور پھر میری طرف دیکھتی ہوئی باہر چلی گئی۔

چائے کی چسکیوں کے دوران میں گفتگو کا سلسلہ ایک بار پھر چل نکلا۔ موضوع وہی تھا - عورت کی کمزوری۔ میں نے اپنی اور جانکی کے بارے میں بتا رہا تھا۔ وہ بھی عورتیں تھیں انہوں نے اپنے اندر کی طاقت استعمال کی تھی اور کا مظاہرہ نہیں کیا تھا۔ بڑی دلیری سے دنیا کے ترین مردوں کا مقابلہ کرتی آئی تھیں اور تھائی نے تو دے دی تھی مگر مرد کی طاقت کے سامنے سر نہیں اور جانکی اب بھی میرے شانے بشانہ صورتِ حال کا رہی تھی۔

انکی اور تھائی کے بارے میں ذرا تفصیل سے جان کر تی کے چہرے کے تاثرات بدل گئے تھے۔

اب مجھے افسوس ہو رہا ہے۔" روپ متی میرے ہونے پر بولی۔

کس بات کا افسوس؟" میں نے سوالیہ نگاہوں سے طرف دیکھا۔

تمہاری دوست جانکی کو تم سے جدا کرنے لگا۔" اس "تھاکر بھنور سنگھ کی ساتھ سے وہ اسے بھی چکما دے گئی۔ کاش! مجھے پتا ہوتا کہ وہ کہاں ہے؟"

مجھے؟" میری نظریں اس کے چہرے پر مرکوز تھیں۔ جذبہ کن تیز ہونے لگی تھی۔ میں نے اس سے تھوڑی دوری کا مظاہرہ کیا تھا۔ اسے عورت کی عظمت کا دلایا تھا اور وہ اس قدر متاثر ہوئی تھی کہ اب اسے مجھ سے الگ کرنے کا پچھتاوا ہو رہا تھا اور میں جانتا تھا سے آگے وہ کیا کہنا چاہتی تھی۔

اگر وہ اب بھی تھاکر بھنور سنگھ کے پاس ہوتی تو میں ساتھ لے آتی۔" روپ متی نے جواب دیا۔

اسے خوشی کے میرا دل بلیوں اچھلنے لگا۔ مجھے اس کی ہوائی شہر نہیں تھا۔ اس نے جو کچھ بھی کہا تھا، خلوص دل سے کہا تھا۔

میں اس کا پتا بتا دوں تو کیا تم اسے لے آؤ گی؟" تھاکر کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔

اس طرح میں اپنی زیادتی کا پرائسچت (تلافی) کر سکوں۔" اس نے گہرا سانس لیتے ہوئے جواب دیا نہیں کیا پتا کہ وہ کہاں ہو گی اور کس حال میں ہو گی؟"

"میں جانتا ہوں وہ کہاں ہے۔" میں نے کہا۔

"کیا۔۔۔!" وہ اچھل پڑی "جانکی بشنکر میں غائب ہوئی تھی۔ تم اس وقت سے میرے پاس ہو۔ اب سے پہلے تم حویلی سے بھی باہر نہیں گئے تھے۔ تم کیسے کہہ سکتے ہو کہ اس کے بارے میں جانتے ہو جبکہ بشنکر بھی یہاں سے تقریباً ڈیڑھ سو کلو میٹر دور ہے۔"

"وہ بشنکر میں غائب ہوئی تھی اس لیے جانتا ہوں وہ کہاں ہو گی۔" میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"تم پہیلیاں بجھوا رہے ہو۔" اس نے مجھے گھورا "یا میں یہ سمجھوں کہ تم دونوں نے پہلے ہی سے ایسا کوئی منصوبہ بنا رکھا تھا کہ اپنے آقا کی قید سے فرار ہو کر کہاں پہنچنا ہے۔"

"ہمارا پہلے سے کوئی منصوبہ نہیں تھا۔" میں نے بدستور مسکراتے ہوئے کہا اور چند لمحوں کی خاموشی کے بعد اسے کامنی کے بارے میں بتانے لگا۔ آخر میں، میں کہہ رہا تھا "بشنکر پہنچ کر جانکی کو بھی کامنی کا خیال آیا ہو گا اسی لیے وہ باتھ روم جانے کے بہانے ہوٹل سے غائب ہو گئی۔"

"اوہ!" روپ متی کے منہ سے گہرا سانس نکل گیا۔ "جب تمہیں معلوم تھا کہ جانکی کہاں ہو سکتی ہے تو تم نے یہاں سے بھاگنے کی کوشش کیوں نہیں کی جبکہ تمہیں آج رات موقع بھی میسر تھا؟"

"میں نے کہا نا کہ میری سرشت میں دھوکا اور فریب شامل نہیں ہے اور میں نے یہ بھی کہا تھا کہ میں کبھی تمہارے اعتماد کو ٹھیس نہیں پہنچاؤں گا اور تمہیں میرے وہ الفاظ بھی یاد ہوں گے۔۔۔"

"کون سے الفاظ؟" اس نے سوالیہ نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔

"میں نے کہا تھا کہ زندگی بھر تمہارا غلام بن کر یہاں نہیں رہ سکتا۔ ایک نہ ایک دن ضرور یہاں سے جاؤں گا لیکن تمہیں دھوکا دے کر نہیں۔" میں نے جواب دیا "بے شک مجھے فرار ہونے کا بہترین موقع حاصل تھا لیکن میں کبھی تمہارے ساتھ دغا نہیں کروں گا۔ میں یہاں سے اس طرح جاؤں گا کہ تم خود مجھے رخصت کرو گی۔"

"شاید ایسا ہی ہو گا۔" روپ متی نے ٹھنڈا سانس بھرتے ہوئے جواب دیا "تم نے میرے اوپر احسانات کا اتنا بوجھ لاد دیا ہے کہ میری گردن جھکتی چلی جا رہی ہے۔ میں نے پہلے بھی تمہیں ہر پابندی سے آزاد رکھا تھا اور اب تو میں پابندی کا کوئی خیال ذہن میں بھی نہیں لا سکتی۔ میں سمجھتی ہوں کہ تین لاکھ روپے خرچ کر کے مجھے ایک اچھا دوست مل

گیا ہے۔ بہت ہی اچھا دوست۔"

"دوست اور دوستی۔" میں نے کہا "کسی سیانے نے کہا ہے کہ جب کوئی دوست بناؤ تو اپنے دل میں ایک قبرستان بھی بنالو جس میں اس کی تمام برائیاں دفن کرسکو۔ تم نے اب تک جتنے بھی دوست بنائے ہیں وہ سب دوستی کے مفہوم سے ناآشنا تھے۔ تم بھی نہیں جانتی تھیں کہ دوستی کیا ہوتی ہے۔ تم نے اپنی تعریف کرنے والے ہر شخص کو اپنا دوست سمجھا اور تنقید کرنے والے کو اپنا دشمن گردانا۔ ابن الوقت لوگ دوسروں کی تعریف کرکے اپنا الوسیدھا کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور جب ان کا مقصد پورا ہوجاتا ہے تو طوطے کی طرح نظریں پھیر لیتے ہیں۔ اچھا دوست وہی ہے جو تمہیں غلط کاموں سے ٹوکے۔ تم پر تنقید کرے۔ ممکن ہے تمہارے حلقے میں ایسے لوگ بھی رہے ہوں جنہیں تم نے اپنا دشمن اور حاسد سمجھ کر چھوڑ دیا اور تم ایسے لوگوں کے جال میں پھنسی رہیں جو تمہاری چاپلوسی کرکے، تمہاری تعریفیں کرکے تمہاری دولت اور تمہارے حسن و شباب سے فیض یاب ہوتے رہے اور تم بخوشی ان کے ہاتھوں لٹتی رہیں۔ میں نے ابھی کہا تھا ناکہ دوست بنانے کے ساتھ اپنے دل میں ایک قبرستان بھی بنانا پڑتا ہے جس میں دوست کی برائیوں کو دفن کیا جاسکے۔ تمہیں بھی اپنے دل میں ایک قبرستان بنانا پڑے گا جس میں میری برائیوں کو دفن کرسکو۔ میں بھی انسان ہوں۔ میرے اندر بھی بہت سی برائیاں ہیں اور۔۔۔"

"نہیں۔" روپ متی نے مجھے ٹوک دیا "تمہارے اندر کوئی برائی نہیں ہوسکتی۔"

"یہ تو تمہاری اعلیٰ ظرفی ہے کہ تمہیں میرے اندر ابھی تک کوئی برائی نظر نہیں آئی لیکن وہ کیا کہتے ہیں کہ انسان کو پرکھنے کے لیے ایک یا دو ملاقاتیں کافی نہیں ہوتیں۔ اسے جاننے اور پہچاننے کے لیے اس کے اندر بسنا پڑتا ہے۔ ایک ملاقات میں دوستی کرنے والے لوگ ہمیشہ نقصان اٹھاتے ہیں اس لیے پہلے انسان کو پرکھ لو، جان لو پھر دوستی کا دعویٰ کرو۔ اگر تم دوستی کو سچے دل سے نبھاؤ گی تو دوستی کا اصل مقام بھی پالوگی۔"

"میر، تمہارے اندر بسے بغیر تمہیں جان چکی ہوں اور تمہیں پرکھ بھی لیا ہے۔" روپ متی نے مسکراتے ہوئے کہا "ویسے تم باتیں بہت اچھی کرلیتے ہو لیکن اس وقت ہم تمہاری دوست جانکی کے بارے میں باتیں کررہے تھے۔"

"جانکی تمہاری بھی بہت اچھی دوست ثابت ہوگی۔" میں نے کہا۔

"اسے بھی مجھ سے کوئی شکایت نہیں ہوگی لیکن بتایا تھا تم نے اس لڑکی کا؟" وہ سوالیہ نگاہوں سے میری دیکھنے لگی۔

"کامنی۔" میں نے جواب دیا "وہ یہیں جے پور کی والی ہے۔ پشکر میں تو اس کا ماما ہے۔ اس کے ماما، باپ) جے پور ہی میں ہیں۔ بڑا معزز برہمن خاندان ہے کے باپ کا نام مجھے یاد نہیں رہا لیکن چند سال پہلے کامیئر (MAYER) بھی رہ چکا ہے۔"

"اوہ۔ تم پنڈت ہری رام کی بات تو نہیں کر اس نے چونک کر میری طرف دیکھا۔

"شاید یہی نام ہے۔" میں نے اثبات میں گردن

"اگر کامنی پنڈت ہری رام ہی کی بیٹی ہے تو رات جانکی اس حویلی میں ہمارے ساتھ بھی کھانا ہوگی۔" روپ متی نے کہا "ویسے بھی میں تم سے وہ ہوں کہ کل رات جانکی ہر حالت میں یہاں ہوگی پشکر میں کامنی کے پاس ہوئی تو۔۔۔"

"مجھے یقین ہے وہ وہیں ہوگی۔" میں نے جواب کھڑکی کی طرف دیکھنے لگا۔ باہر دن کی روشنی پھیلنے باتوں میں وقت گزرنے کا احساس ہی نہیں رہا تھا سے اٹھ گیا "رات آنکھوں میں بیت گئی۔ اب تمہیں بھی نیند آرہی ہوگی۔"

"بالکل نہیں۔" وہ مسکرا دی "دل تو چاہتا زندگی تمہارے سامنے بیٹھی تمہیں دیکھتی رہوں اور زبان سے نکلنے والے شہد (الفاظ) سنتی رہوں لیکن تمہیں نیند آرہی ہے۔ تم یہیں سوجاؤ۔ میرے پلنگ قالین پر لیٹ جاؤں گی۔"

"تم آرام سے اپنے بستر پر سوجاؤ۔ میں نیچے جا اپنے کمرے میں۔" میں نے کہا۔

"اور ہاں۔" روپ متی نے کہا "کل دوپہر کھاتے ہی ہم پشکر روانہ ہوجائیں گے۔ میں جانکی کر آؤں گی۔"

میں نے ایک لمحے اس کی طرف دیکھا پھر اٹھ کمرے سے باہر آگیا۔

میں اپنے بستر پر لیٹا دیر تک روپ متی کے سوچتا رہا۔ وہ فریب کا شکار ہوتی رہی تھی۔ اسے دھوکا دیا گیا تھا۔ اسے محبت کی تلاش تھی لیکن پھنستی چلی گئی تھی۔ اس نے اپنے دھرم سے بغاوت کی تھی۔ اسے سمجھانے والا کوئی نہیں

ملا، بہتی گنگا سمجھ کر ہاتھ دھوتا رہا لیکن اس کے بارے میں میرا اندازہ بڑی حد تک درست نکلا تھا۔ اس کی رگوں میں شریف ماں باپ کا خون تھا۔ مجھ سے بھی ذرا سی ہمدردی ملی، محبت کے دو بول سنے تو رو پڑی۔ مجھے یقین تھا کہ اگر اسے کوئی چاہنے والا دوست مل جائے تو وہ راہِ راست پر آسکتی تھی۔

میں صبح چھ بجے کے قریب سویا تھا اور مجھے دو بجے کے قریب جھنجھوڑ کر جگا دیا گیا۔ وہ روپ متی تھی جو میرے اوپر جھکی کندھوں سے پکڑے مجھے جھنجھوڑ رہی تھی۔

مجھے بستر چھوڑنے میں پندرہ منٹ لگ گئے اور پھر پندرہ بیس منٹ تک میں باتھ روم میں شاور کے ٹھنڈے پانی کے نیچے کھڑا رہا۔ اس طرح دماغ کی تپش اور ساری کسل مندی دور ہوگئی۔

تین بجے کے قریب ہم نے کھانا کھایا اور چار بجے کے قریب ہم لینڈ کروزر پر پشکر کے لیے روانہ ہوگئے۔ روپ متی نے تارا سنگھ کو بھی ساتھ لے لیا تھا جو رائفل سنبھال کر پچھلی سیٹ پر بیٹھ گیا تھا۔

جے پور سے اجمیر جانے والی شاہراہ اگرچہ کافی کشادہ تھی لیکن اس سڑک پر ٹریفک کی بھی بھرمار تھی۔ جے پور سے اجمیر، پشکر، جودھ پور، چتوڑ گڑھ اور صوبہ گجرات اور مدھیہ پردیش آنے جانے والا سارا ٹریفک اسی نیشنل ہائی وے سے گزرتا تھا۔

شہر سے کئی میل آگے نکل آنے کے بعد ہائی وے کے دونوں طرف ریگستان شروع ہوگیا۔ اس وقت دھوپ تیز تھی۔ ریگستان کی طرف دیکھتے ہوئے لگتا تھا جیسے الاؤ دہک رہے ہوں۔ باہر یقیناً شدید گرمی ہوگی لیکن لینڈ کروزر میں "اے سی" چل رہا تھا اور اندرونی فضا بڑی خوشگوار تھی۔

روپ متی پر میری رات کی باتوں کا خاصا اثر ہوا تھا اور شاید یہ اسی کا نتیجہ تھا کہ اس وقت اس نے نیم عریاں لباس کے بجائے پینٹ اور ٹی شرٹ پہن رکھی تھی۔ میں نے بھی دھریش ہی کا دوسرا جوڑا پہن لیا تھا۔ یہ بھی جینز اور ٹی شرٹ ہی تھی۔

میرا نیچے کا ہونٹ کچھ زیادہ ہی سوج گیا تھا اور مجھے بات کرنے میں بھی دشواری پیش آرہی تھی۔ روانگی سے پہلے میں نے کریم ہونٹوں پر لگائی تھی اور وہ ٹیوب بھی گاڑی کے ڈیش بورڈ کے خانے میں رکھ لی تھی۔

اس وقت ہم دھرمیش اور تیج سنگھ کے بارے میں باتیں کررہے تھے۔ روپ متی کا خیال تھا کہ اب وہ حویلی کا رخ نہیں کریں گے مگر مجھے روپ متی سے اختلاف تھا۔ ابھی تو وہ دونوں بھائی اپنی چوٹیں سہلا رہے ہوں گے اور مجھے یقین تھا کہ وہ موقع ملتے ہی کچھ نہ کچھ ضرور کریں گے۔ انہیں ذلت میری وجہ سے اٹھانی پڑی تھی اور میں یہ بات بھی پورے وثوق سے کہہ سکتا تھا کہ ان کا نشانہ بھی میں ہی بنوں گا۔

جے پور سے پشکر کا فاصلہ اگرچہ ڈیڑھ سو کلو میٹر سے کچھ کم ہی تھا اور روپ متی کا خیال تھا کہ ہم زیادہ سے زیادہ دو گھنٹوں میں وہاں پہنچ جائیں گے مگر تقریباً ستر کلو میٹر کا فاصلہ طے کرنے کے بعد ایک چھوٹی سی بستی میں داخل ہونے سے پہلے ایک زوردار دھماکا ہوا اور لینڈ کروزر سڑک پر لہرا گئی جسے روپ متی نے بڑی مہارت سے سنبھال لیا۔

گاڑی کا اگلا ٹائر برسٹ ہوگیا تھا۔ روپ متی بہت آہستہ آہستہ گاڑی کو چلاتی ہوئی بستی تک لے گئی اور ایک ڈھابے کے سامنے روک لی۔ سڑک پر کچھ اور گاڑیاں بھی تھیں۔ آنے جانے والی بسیں تھوڑی دیر کے لیے یہاں رکتی تھیں۔

فضا میں اب بھی جسم کو جھلسا دینے والی تپش تھی۔ گاڑی میں اگرچہ فاضل ٹائر موجود تھا مگر روپ متی چاہتی تھی کہ برسٹ ہونے والا ٹائر بھی درست کروالیا جائے کیونکہ راستے میں اس قسم کا کوئی اور حادثہ بھی پیش آسکتا تھا۔

ہم گاڑی سے اتر کر ڈھابے کے سامنے نیم کے درختوں کے نیچے کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ یہاں کچھ اور لوگ بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ تارا سنگھ کسی پنکچر لگانے والے کو تلاش کرنے چلا گیا۔ اس کی واپسی پندرہ منٹ بعد ہوئی تھی۔ اس کے ساتھ آنے والا آدمی گاڑی کے نیچے جیک لگا کر پہیا نکال کر لے گیا تھا۔ تارا سنگھ ہمارے قریب ہی کرسی پر بیٹھ گیا۔ روپ متی نے کولڈ ڈرنکس منگوالیے اور ہم جھلستی ہوئی فضا میں ٹھنڈے مشروب کی چسکیاں لیتے رہے۔

تقریباً ایک گھنٹے بعد ہم گاڑی میں آکر بیٹھ گئے۔ روپ متی نے انجن اسٹارٹ کردیا اور ٹھیک اسی وقت میری نظر سڑک کی دوسری طرف ایک کار کی طرف اٹھ گئی۔ مخالف سمت سے آنے والی سرخ رنگ کی وہ کار اس وقت وہاں آکر رکی تھی۔

اس کار میں اسٹیئرنگ کے سامنے بیٹھے ہوئے شخص کو دیکھ کر میرے دل کی دھڑکن تیز ہوگئی۔ وہ چتوڑ گڑھ کا راج کمار بلونت سنگھ تھا۔ کار کی پچھلی سیٹ پر بڑی بڑی مونچھوں اور خوفناک شکل والا ایک گن مین بیٹھا ہوا تھا۔

بلونت سنگھ نے بھی ہمیں دیکھ لیا۔ وہ چونک سا گیا اور پھر اس کی نظروں میں نفرت کی چنگاریاں سی پھوٹتی ہوئی محسوس ہوئیں۔ میں نے روپ متی کو اس طرف متوجہ کیا۔ بلونت

سنگھ کو دیکھ کر روپ متی کا چہرہ دھواں ہوگیا۔

بلونت سنگھ اپنی کار سے اتر گیا اور نپے تلے قدم اٹھاتا ہوا سڑک پار کر کے ہماری طرف آنے لگا۔

"تم بیٹھی رہو۔ گھبراؤ نہیں۔ یہ چوہا ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔" میں نے روپ متی کا ہاتھ تھپتھپایا اور دروازہ کھول کر نیچے اتر آیا اور گاڑی کے سامنے سے گھوم کر روپ متی والی کھڑکی کے سامنے کھڑا ہوگیا۔

بلونت سنگھ کا گن مین بھی کار سے اتر گیا تھا۔ اس نے رائفل دونوں ہاتھوں میں اس طرح تھام لی تھی کہ اسے کسی بھی لمحے استعمال کرسکتا تھا۔

بلونت سنگھ نپے تلے قدم اٹھاتا ہوا میرے سامنے رک گیا۔ اس کی نظریں شعلے اگل رہی تھیں اور میں کسی بھی طرح کی صورت حال سے نمٹنے کے لیے اپنے آپ کو تیار کرچکا تھا۔

"میں کسی زر خرید سے کوئی بات نہیں کرنا چاہتا۔ سامنے سے ہٹ جاؤ۔" بلونت سنگھ خوں خوار نظروں سے میری طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ اس کے لہجے میں غراہٹ نمایاں تھی۔

"نا لکین تک پہنچنے سے پہلے تمہیں اس زر خرید سے ہی بات کرنی ہوگی۔" میں نے پرسکون لہجے میں جواب دیا "ویسے تم بہت ڈھیٹ ہو اور بے غیرت قسم کے آدمی ہو۔ اس رات جنگل میں جو کچھ ہوا تھا اس کے بعد تو تمہیں کہیں ڈوب مرنا چاہیے تھا۔"

"اے!" وہ بھیڑیے کی طرح غرایا "اپنی اوقات میں رہ۔ تو جانتا نہیں، کس سے بات کررہا ہے۔ مچھر کی طرح چٹکی میں مسل کر رکھ دوں گا۔ اس رات دھوکے سے تمہارا داؤ چل گیا تھا تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ تم بہت بڑے سورما ہو۔ اس وقت میرے ایک اشارے پر تم زندگی بھر کے لیے سلاخوں کے پیچھے پہنچ جاؤ گے۔"

"کوئی اشارہ کرنے سے پہلے ہی میں تمہاری انگلی توڑ دوں گا اور ویسے بھی میرا خیال ہے کہ تم ایسا کرنے کی ہمت نہیں کرسکتے۔ اس رات جنگل میں گرنے والی چار لاشوں میں زیادہ حصہ تمہارا ہے۔ میرے ہاتھوں تو صرف ایک آدمی مارا گیا تھا۔ ایک تمہارے گرگے کے ہاتھوں مرا تھا اور دو تمہاری گولیوں کا نشانہ بنے تھے۔ اب اگر تم کسی کو اشارہ کرسکتے ہو تو ضرور کرو۔" میں نے جواب دیا۔ میری نظریں اس کے چہرے پر مرکوز تھیں۔

ایک لمحے کو بلونت سنگھ کے چہرے کے تاثرات بدل گئے لیکن اس نے فوراً ہی اپنی کیفیت پر قابو پالیا۔

اس دوران میں روپ متی اپنی سیٹ پر خاموش بیٹھی رہی تھی۔ اس نے دونوں ہاتھ بڑی سختی سے اسٹیئرنگ پر رکھے تھے۔ اس کے چہرے پر اب بھی خوف کے سائے رقص کررہے تھے۔

تارا سنگھ بھی گاڑی سے اتر گیا تھا۔ وہ رائفل سنبھالے گاڑی کی آڑ میں اس طرح کھڑا ہوگیا تھا کہ سڑک کی دوسری طرف کھڑا ہوا بلونت سنگھ کا باڈی گارڈ اس کی رائفل کی زد میں تھا۔

لوگ ہمارے آس پاس سے گزر رہے تھے۔ کسی نے ہم پر توجہ نہیں دی تھی۔ کاروبار حیات معمول کے مطابق جاری تھا۔ کوئی نہیں جانتا تھا کہ موسم کی حدت میں یہاں کس قسم کا لاوا ابھی کھول رہا ہے۔

"بلونت سنگھ!" میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا "ایک بار تم گدھے کی طرح میرے ہاتھوں پٹ چکے ہو اور ذلیل ہوچکے ہو۔ وہاں تمہارا حشر دیکھنے والے بھی موجود ہوگئے تھے لیکن اگر تم اس بھرے بازار میں دوبارہ ذلیل ہونا چاہتے ہو تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔ میں تمہیں یہ کرنے کا موقع دیتا ہوں۔ اٹھاؤ ہاتھ۔"

بلونت سنگھ خوں خوار نظروں سے مجھے گھور رہا تھا۔ اس کے ہونٹ کانپ رہے تھے لیکن زبان سے ایک لفظ تک نہیں نکلا۔

"میں جانتا ہوں تم میں اتنی جرأت نہیں ہے۔" میں نے طنزیہ انداز میں مسکراتے ہوئے کہا "تم مجھ سے اور روپ متی سے اپنی ذلت کا بدلہ لینا چاہتے ہو۔ ضرور لو۔ لیکن کوئی قدم اٹھانے سے پہلے سوچ لینا کہ میں روپ متی کا محافظ ہوں۔ اس کی طرف اٹھنے والا ہر ہاتھ جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دوں گا۔"

بلونت سنگھ خوں خوار نظروں سے میری طرف دیکھتا رہا پھر اس نے ایک نظر روپ متی کی طرف دیکھا اور کچھ کہے بغیر پلٹ کر تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا اپنی کار کی طرف چلا گیا۔ کار کے قریب کھڑے ہوئے گن مین نے کار کا دروازہ کھول دیا۔ بلونت سنگھ نے دھڑ سے دروازہ بند کردیا اور انجن اسٹارٹ کرنے لگا۔ میرے اور اس کے درمیان اگرچہ پچیس تیس فٹ کا فاصلہ تھا لیکن کار کے اسٹیئرنگ پر اس کے ہاتھوں کی کپکپاہٹ صاف نظر آرہی تھی۔

بلونت سنگھ کا گارڈ بھی پچھلی سیٹ پر بیٹھ چکا تھا اور پھر اس قدر زوردار جھٹکے سے حرکت میں آئی تھی کہ قریب سے گزرنے والے لوگ اچھل پڑے تھے۔

بلونت سنگھ کی کار کا رخ جے پور کی طرف تھا۔ میں مسکراتی ہوئی نظروں سے دور ہوتی ہوئی اس کار کو دیکھتا رہا پھر لینڈ کروزر کے اوپر سے گھوم کر اپنی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ تارا سنگھ بھی پچھلی سیٹ پر بیٹھ چکا تھا۔

کار کا "اے سی" بند تھا۔ کھڑکیاں کھلی ہوئی تھیں اور گاڑی اندر سے تنور کی طرح تپ رہی تھی۔ میں نے روپ متی کی طرف دیکھا۔ اس کے ہاتھ سختی سے اسٹیئرنگ پر جمے ہوئے تھے۔ جبڑے بھنچے ہوئے تھے، پیشانی پر پسینے کے قطرے چمک رہے تھے۔ اس کی ٹی شرٹ بھی پسینے سے تر ہورہی تھی۔

"تمہارا یہ دوست تو بہت بزدل نکلا۔" میں نے روپ متی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "میرا خیال تھا یہاں ہنگامہ ہوگا۔ طوفان اٹھ کھڑا ہوگا۔ ایک آدھ لاش گرے گی مگر... کچھ نہیں ہوا۔ وہ ہماری طرف آیا تو بہت غصے میں تھا مگر چوہے کی طرح دُم دبا کر بھاگ گیا۔"

روپ متی نے گردن گھما کر میری طرف دیکھا۔ اس کے ہونٹوں پر پہلی مرتبہ خفیف سی مسکراہٹ آئی تھی۔

"وہ بڑا کمینہ آدمی ہے۔" وہ سامنے رکھے ہوئے ڈبے میں سے ٹشو پیپر نکال کر ہتھیلیوں کا پسینہ پونچھتے ہوئے بولی "چھپ کر پیٹھ پر وار کرنے والا۔ اس وقت اگر تم اس سے دب جاتے تو وہ مجھے اٹھا کر لے جانے کی کوشش کرتا اور ہوسکتا ہے اس کوشش میں کامیاب بھی ہوجاتا لیکن تمہارے تیور دیکھ کر وہ دم دبا کر بھاگ گیا لیکن مجھے یقین ہے کہ وہ خاموش نہیں رہے گا اور ہمارے خلاف کچھ کرنے کے لیے موقع تلاش کرے گا۔"

"میں اسے ایسا موقع ضرور دوں گا۔" میں نے کہا "اب تم گاڑی کا "اے سی" چلا دو۔ گرمی سے دم گھٹا جارہا ہے اور میرا خیال ہے روانہ ہونے سے پہلے ٹھنڈے پانی کی ایک ایک بوتل ہوجائے۔" میں نے اس کے جواب کا انتظار کیے بغیر مڑ کر تارا سنگھ کو اشارہ کیا۔ وہ جلدی سے گاڑی سے اتر گیا۔

روپ متی نے اپنی طرف کھڑکی کا شیشہ چڑھا دیا۔ پہلے کے اندر کی فضا بتدریج خوشگوار ہوتی چلی گئی۔ کچھ ہی دیر بعد تارا سنگھ ٹھنڈی بوتلیں لے آیا۔

روپ متی اب بڑی حد تک پرسکون ہوچکی تھی۔ چند منٹ بعد ہماری لینڈ کروزر اس بستی سے نکل کر نیشنل ہائی وے پر دوڑنے لگی۔

ہم بلونت سنگھ ہی کے بارے میں باتیں کرتے رہے۔ روپ متی خوف زدہ تھی۔ اس کا خیال تھا کہ بلونت سنگھ ایک بار پھر ذلیل ہوا تھا اور اپنی اس توہین کا بدلہ لینے کے لیے وہ انتقامی کارروائی ضرور کرے گا۔

میں بلونت سنگھ کی فطرت سے واقف ہوچکا تھا۔ اس کی کمینگی کا اندازہ تو مجھے اسی وقت ہوگیا تھا جب اس نے غلاموں کی منڈی میں روپ متی کو دھمکی دی تھی اور پھر اس نے جنگل میں گھات لگا کر حملہ کیا تھا اور مجھے روپ متی سے چھیننے کی کوشش کی تھی لیکن اسے چار لاشیں چھوڑ کر رات کی تاریکی میں جنگل میں فرار ہونا پڑا تھا اور اب محض اتفاق سے اس سے آمنا سامنا ہوگیا تھا۔ میرے خیال میں وہ روپ متی کو دھکانا چاہتا تھا لیکن میں اس کے آڑے آگیا۔ اس نے تو یہ سوچا بھی نہیں ہوگا کہ ایک زر خرید غلام اس طرح اس کے سامنے تن کر کھڑا ہوجائے گا۔ اس نے جنگل والے واقعے کے حوالے سے مجھے بھی دھمکانے کی کوشش کی تھی مگر میں جانتا تھا کہ وہ ہمارے خلاف پولیس کے پاس جانے کی ہمت نہیں کرسکے گا کیونکہ اس کے اپنے ہاتھ بھی دو آدمیوں کے خون سے رنگے ہوئے تھے اور یہ بات اس کی سمجھ میں آگئی تھی کہ اس حوالے سے اگر ہمارے خلاف کوئی کارروائی کرے گا تو خود بھی نہیں بچ سکے گا۔

میرے اکڑ جانے سے اس وقت تو وہ دُم دبا کر بھاگ گیا تھا لیکن میں روپ متی کے اس خیال سے متفق تھا کہ وہ موقع ملتے ہی وار کرے گا اور چھپ کر وار کرے گا۔

اگر راستے میں گاڑی پنکچر نہ ہوتی اور بلونت سنگھ سے سامنا نہ ہوتا تو ہم چھ بجے سے پہلے ہی شکر پہنچ چکے ہوتے لیکن اس وقت جب ہم شہری حدود میں داخل ہوئے تو سات بجنے والے تھے۔

شکر، جے پور جیسا بڑا شہر تو نہیں تھا لیکن اس کی اپنی ایک تاریخی اہمیت تھی۔ یہ شہر سیاحت کا مرکز تھا۔ یہاں بے شمار تاریخی عمارتیں تھیں۔ یہ شہر پہاڑی کے دامن میں آباد تھا اور اس کے پہلو میں ایک خوب صورت جھیل بھی تھی۔ اس جھیل کو گنگا کی طرح پوتر (پاکیزہ) سمجھا جاتا تھا اور ہر سال یہاں ایک بہت بڑا میلا بھی لگتا تھا۔

لینڈ کروزر ہلکی رفتار سے مختلف سڑکوں پر دوڑتی رہی۔ ایک پارک کے قریب سے گزرتے ہوئے میں نے روپ متی کو گاڑی روکنے کو کہا تو اس نے ایک دم بریک لگا دیے۔ اس طرح اچانک بریک لگنے سے پچھلی سیٹ پر بیٹھا ہوا تارا سنگھ

اچھل کر اگلی سیٹ سے ٹکرایا اور اس کے منہ سے ہلکی سی کراہ نکل گئی تھی۔

پارک کے ایک کونے میں دو کمروں پر مشتمل ایک چھوٹی سی عمارت پر "ٹائی کون ڈو" سینٹر کا بورڈ لگا ہوا تھا۔

"میرا خیال ہے وہاں سے کامنی کے ٹریننگ سینٹر کا پتا معلوم ہو سکتا ہے۔" میں نے اس بورڈ کی طرف اشارہ کیا۔

روپ متی نے انجن بند کر دیا اور مجھے اشارہ کرتی ہوئی نیچے اتر گئی۔ ہمارے ساتھ تارا سنگھ بھی آ گیا تھا۔

میرا خیال درست نکلا۔ اس ٹریننگ سینٹر کے ماسٹر نے اپنا ایک شاگرد ہمارے ساتھ کر دیا۔ میں نے اس لڑکے کو پسنجرز سیٹ پر بٹھا دیا اور خود پیچھے تارا سنگھ کے ساتھ بیٹھ گیا۔ وہ لڑکا روپ متی کو راستہ بتاتا رہا اور بالآخر گاڑی ایک بہت بڑے احاطے کے سامنے رک گئی۔ گیٹ پر کامنی کے نام سے اس کے مارشل آرٹ ٹریننگ سینٹر کا نام لکھا ہوا تھا۔

وہ لڑکا واپس چلا گیا۔ ہم بھی گاڑی سے اتر کر احاطے کے پھاٹک میں داخل ہو گئے۔ اس وقت شام کا دھندلکا پھیل رہا تھا۔

یہ عمارت دراصل بہت پرانی حویلی تھی۔ گیٹ کے ساتھ ہی دائیں طرف ایک کمرا تھا جس کی دیواروں کا پلستر ادھڑا ہوا تھا۔ سامنے ایک بہت بڑا میدان تھا جو دبیز گھاس سے ڈھکا ہوا تھا۔ اس میدان کے دوسری طرف حویلی کی عمارت تھی۔ اس عمارت کے کھنڈر بننے میں کچھ ہی کسر باقی رہ گئی تھی۔

حویلی کی عمارت پر سامنے کی طرف بڑی بڑی دو سرچ لائٹیں لگی ہوئی تھیں جن کی روشنی میدان میں پڑ رہی تھی اور میدان میں کم و بیش دو سو اسٹوڈنٹس تھے جو مختلف ٹولیوں میں بٹے ہوئے اپنے ٹیچرز کے ساتھ پریکٹس کر رہے تھے۔

اس احاطے کے گیٹ میں داخل ہوتے ہوئے میرے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی تھی۔ میں اس امید پر یہاں آیا تھا کہ جانکی مل جائے گی لیکن اب دل میں طرح طرح کے وسوسے سر ابھارنے لگے تھے۔ اگر جانکی یہاں نہ ہوئی تو؟

گیٹ کے دائیں طرف والے کمرے کی کھڑکی کھلی ہوئی تھی اور اندر روشنی ہو رہی تھی۔ ہم جیسے ہی قریب پہنچے، ایک آدمی کمرے سے نکل کر ہمارے سامنے آ گیا۔ یہ کمرا دراصل اس ٹریننگ سینٹر کا استقبالیہ تھا۔ اندر دیواروں کے ساتھ بورڈ لگے ہوئے تھے جن پر چھوٹے چھوٹے خانے بنے ہوئے تھے۔ بہت سے خانوں میں کارڈز لگے ہوئے تھے۔ کلب کے اسٹوڈنٹس اندر داخل ہو کر اپنے اپنے کارڈ یہاں جمع کروا دیتے تھے اور واپسی پر لے لیتے تھے۔

"کامنی دیوی کہاں ملے گی؟" میں نے اس شخص سے پوچھا۔

"وہاں۔ اس طرف۔" اس نے میدان کے اس پار حویلی کی عمارت کی طرف اشارہ کیا اور ابھی ہوئی نظروں سے باری باری ہماری طرف دیکھنے لگا۔ وہ غالباً تارا سنگھ کو دیکھ کر پریشان ہو رہا تھا۔

"تارا سنگھ۔ تم یہیں رکو۔ ہم تھوڑی دیر میں آتے ہیں۔" میں نے تارا سنگھ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اور روپ متی کے ساتھ حویلی کی عمارت کی طرف چلنے لگا۔

ہم گھاس کے میدان کے اوپر سے گھومتے ہوئے جا رہے تھے اور جب ہم حویلی کی عمارت کے سامنے پہنچے ایک لڑکی اسٹوڈنٹس کے ایک گروپ سے الگ ہو کر تیز قدم اٹھاتی ہوئی ہماری طرف آ گئی۔ اس نے اپنے اسٹائل سیاہ لباس پہن رکھا تھا۔ سینے پر سنہری دھاگے سے اسٹائل مخصوص مونوگرام بھی بنا ہوا تھا۔ میں نے اسے دور ہی پہچان لیا۔

وہ کامنی تھی اور اتنے عرصے میں ذرا بھی نہیں بدلی تھی۔

لیکن حیرت تھی کہ وہ مجھے دور سے نہیں پہچان سکی مگر قریب پہنچتے ہی ایک جھٹکے سے رک گئی۔ چند لمحے غیر یقینی نظروں سے میری طرف دیکھتی رہی پھر جیسے حواس آ گئی۔ سب سے پہلے اس نے مجھے بو (BOW) کیا پھر دونوں ہاتھ جوڑ کر مجھے اور روپ متی کو پرنام کیا اور دوسرے ہی دوڑ کر مجھ سے لپٹ گئی۔

روپ متی متحیر سی نگاہوں سے ہمیں دیکھ رہی تھی۔ نے کامنی کو اپنے سے الگ کیا اور اسے اوپر سے نیچے دیکھنے لگا۔ اس کی صحت پہلے سے بہت بہتر ہو گئی تھی۔ کے علاوہ اس میں اور کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔ آنے سے پہلے وہ اپنے اسٹوڈنٹس کے ایک گروپ کو پڑھا رہی تھی۔ اس کا چہرہ پسینے سے تر ہو رہا تھا اور لباس بھیگا ہوا تھا۔

"مجھے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا۔" وہ میرے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے بولی "میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ تم یہاں آؤ گے۔"

"محض اتفاق کہہ لو۔" میں نے جواب دیا "دو مختلف لفظوں میں یہ کہہ لو کہ دل کو دل سے راہ ہوتی ہے۔ دل ملنے کی لگن تھی سو تم سے ملاقات ہو گئی اور ان سے بھی

روپ متی۔ یہ سابق ریاست..."

"میں انہیں کون نہیں جانتا۔" کامنی نے میری بات کاٹ "ان کے چرچے تو پورے راجستھان میں ہیں۔" میں نے وں کیا کہ اس کے لہجے میں ہلکا سا طنز تھا۔

روپ متی نے بھی غالباً اس طنز کو محسوس کر لیا تھا۔ وہ ے کھڑے پہلو بدل کر رہ گئی۔

"ایک منٹ!" کامنی نے کہا اور اپنے اسٹوڈنٹس کی ف چلی گئی۔

وہ ایک جگہ کھڑی ہو کر اونچی آواز میں بولنے لگی۔ تمام سٹوڈنٹس اس کی طرف متوجہ تھے اور پھر صف بندی ہو گئی۔ ٹ کے لحاظ سے ہر گروپ کے اسٹوڈنٹس قطاروں میں ڑے ہو گئے۔ ان میں لڑکے بھی تھے اور لڑکیاں بھی۔ ہر روپ کے سامنے ان کا کیپٹن تھا۔ کامنی ان سب کے نے تھی۔ میں روپ متی کے ساتھ کھڑا دلچسپ نظروں انہیں دیکھ رہا تھا۔ روپ متی کی آنکھوں میں حیرت لہریں لے رہی تھی۔

کامنی اونچی آواز میں اپنے اسٹوڈنٹس کو میرے بارے بتا رہی تھی۔

"یہ ہم سب کی خوش قسمتی ہے کہ آج شاؤلن ٹیمپل کا عظیم ماسٹر ہمارے درمیان موجود ہے۔ ان کا مکمل رف میں بعد میں کسی وقت کراؤں گی۔ اس وقت ہم ان کا گرمجوشی (استقبال) خیر مقدم کرتے ہوئے انہیں ویل کم ٹ دیں گے۔"

اور یہ "ویلکم ٹریٹ" بڑا دلچسپ تھا۔ بالکل اسی طرح ہم شاؤلن ٹیمپل میں اپنے گرینڈ ماسٹر کو سالانہ تقریب موقع پر تعظیم دیا کرتے تھے۔ آخر میں وسیع و عریض میدان "ہل" اور نعروں سے گونج اٹھا۔

روپ متی کی آنکھیں مارے حیرت کے پھٹی جا رہی تھیں۔ کامنی نے اسے اپنے بارے میں اگرچہ بہت سی باتیں تھیں مگر میری زندگی کا یہ پہلو محض اتفاق سے اس کے آ گیا تھا۔

کامنی نے اپنے ٹائیگن کو کچھ ہدایات دیں۔ ایک لڑکے کونڈو ڈرنکس لانے کو بھیج دیا اور ہمیں لے کر حویلی کے کشادہ کمرے میں آ گئی۔ دیواروں کے ساتھ شیشے کے والے شیلف بنے ہوئے تھے جن میں لاتعداد فیاں اور میڈلز سجے ہوئے تھے۔

کمرا کامنی کا دفتر تھا۔ وہ میرے سامنے گویا بچھی ہی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے۔ وہ خوشی سے پھولی پڑ رہی تھی۔

تھوڑی دیر بعد ایک جوان لڑکی کولڈ ڈرنکس لے کر آ گئی۔ اس نے بڑے احترام سے ہمیں ڈرنکس پیش کیے اور ایک طرف کھڑی ہو گئی۔ اس کی نظریں میری طرف لگی ہوئی تھیں۔

"بڑی اچھی جگہ ہے۔" میں نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے کہا "کرائے پر ہے یا..."

"یہ حویلی میرے ماما کی ہے۔" کامنی نے بتایا "انہوں نے مجھے دے دی ہے۔ سب سے پہلے تو میں نے میدان میں گھاس لگوائی تھی۔ ایک دو کمروں کو درست کروایا ہے۔ آہستہ آہستہ کام کرواؤں گی اور بھگ ... کی (مرضی) ہوئی تو ایک روز اسے ایشیا کا سب سے بڑا مارشل آرٹ کلب بنا دوں گی۔"

"مجھے امید ہے کہ تم اپنے مقصد میں ضرور کامیاب ہو گی۔" میں نے کہا۔

کولڈ ڈرنکس کی چسکیوں کے ساتھ دوسری باتیں ہوتی رہیں۔ کامنی نے یہ بھی بتایا کہ اس کا باپ ابھی تک اس سے ناراض ہے۔ البتہ ماما کی مکمل حمایت حاصل ہے اور ماما کی حمایت اور حوصلہ افزائی کی وجہ سے ہی وہ اس حد تک کامیابی حاصل کر سکی ہے۔ ماما اسے بہت اوپر دیکھنا چاہتا ہے۔

میں اپنے آپ میں بے چینی محسوس کرنے لگا۔ مختلف موضوعات پر باتیں ہو رہی تھیں لیکن ابھی تک کامنی کی زبان پر جانکی کا نام نہیں آیا تھا۔ میرے دل میں ایک بار پھر وسوسے سر ابھارنے لگے۔ کیا جانکی اس کے پاس نہیں آئی تھی؟ وہ ٹھاکر بھنور سنگھ سے فرار ہو کر کسی اور کے ہتھے تو نہیں چڑھ گئی؟

کامنی نے تو ویسے بھی مجھ سے جانکی کے بارے میں نہیں پوچھا تھا حالانکہ وہ جانتی تھی کہ ہم دونوں اکٹھے ہی تھے۔ اگر جانکی اس کے پاس نہیں آئی تھی تو اسے میرے ساتھ نہ دیکھ کر کامنی کو کم از کم اس کے بارے میں پوچھنا تو چاہیے تھا۔

اچانک میرے ذہن میں ایک اور خیال ابھرا۔ ممکن ہے جانکی نے یہاں آ کر کامنی کو سب کچھ بتا دیا ہو۔ ایسی صورت میں اسے یہ بھی معلوم ہو چکا ہو گا کہ روپ متی مجھے غلام کی حیثیت سے خرید کر لے گئی تھی۔ روپ متی اس وقت میرے ساتھ تھی۔ کامنی اسے اچھی طرح جانتی تھی۔ میں نے جب روپ متی کا تعارف کرایا تھا تو بات کرتے ہوئے کامنی کے لہجے میں طنز نمایاں تھا۔ یہ عین ممکن تھا کہ روپ متی کی موجودگی کی وجہ سے کامنی جان بوجھ کر جانکی کا نام زبان پر نہ لا

رہی ہو۔

"ایک بات پر مجھے بڑی حیرت ہو رہی ہے۔" کامنی نے کہتے ہوئے پہلے روپ متی کی طرف دیکھا پھر میری طرف دیکھنے لگی "غلاموں کے ساتھ اس طرح برابری کا سلوک میں نے پہلی بار دیکھا ہے بلکہ میں محسوس کر رہی ہوں کہ مالکن دبی ہوئی ہے۔"

"کیا۔۔۔؟" میں اچھل پڑا۔ اب مجھے یقین ہو گیا کہ جانکی اس کے پاس پہنچ چکی ہے۔

"میں تمہاری آزادی کے لیے روپ متی جی کو منہ مانگی قیمت دینے کو تیار ہوں۔" اس نے روپ متی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

روپ متی کا چہرہ دھواں ہو گیا لیکن اس نے فوراً ہی اپنی کیفیت پر قابو پا لیا۔

"کامنی جی۔" وہ کرسی سے اتر کر زمین پر گھٹنے ٹیک کر بیٹھ گئی اور دونوں ہاتھ جوڑ دیے "میں نے شریمان جی کو نہ پہلے غلام سمجھا تھا نہ اب سمجھتی ہوں۔ یہ تو میرے لیے دیوتا سمان ہیں۔ میں ان کی داسی ہوں۔ ان کے احسان کے بوجھ سے تو میں اپنا سر بھی نہیں اٹھا سکتی۔"

اس مرتبہ میں نے کامنی کے چہرے کا رنگ بدلتے ہوئے دیکھا۔ اس کا خیال تھا کہ شاید اس کی بات سن کر روپ متی بھڑک اٹھے گی لیکن یہاں تو صورت حال ہی مختلف ہو گئی تھی اور روپ متی کامنی کے سامنے جھک گئی تھی۔

"کامنی جی۔" روپ متی کہہ رہی تھی "ہم تو جانکی دیوی کو لینے آئے ہیں۔ شریمان کو یقین ہے کہ وہ آپ کے پاس پہنچ گئی ہے اگر جانکی دیوی مل جائے تو میں سمجھوں گی کہ میرے گناہوں کا پرائشچت ہو گیا۔"

کامنی چند لمحے حیرت سے اس کی طرف دیکھتی رہی پھر اس نے میری طرف دیکھا اور کرسی سے اٹھ گئی۔ اس نے روپ متی کو بانہوں سے پکڑ کر اٹھایا اور اسے سینے سے لگا لیا۔

"مجھے چھما (معاف) کر دو روپ متی جی۔" وہ اسے اپنے سے الگ کرتے ہوئے بولی "میں تمہیں غلط سمجھی تھی۔ انجانے میں کچھ کہہ دیا ہو تو چھما کر دو۔"

"کر دیا چھما۔" میں نے مداخلت کرتے ہوئے کہا "جانکی کہاں ہے؟"

"گھر پر ہے اور بالکل خیریت سے ہے۔" کامنی نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"اس نے تمہیں سب کچھ بتا دیا ہو گا۔" میں نے کہا "جب مجھے پتا چلا کہ وہ چتر میں ایک ہوٹل سے غائب ہو گئی ہے تو میں سمجھ گیا تھا کہ وہ تمہارے ہی پاس آئی ہے۔ اتنی دیر سے تمہاری زبان پر اس کا نام نہیں آیا تو میں حیران ہو رہا تھا۔"

"میں روپ متی کی وجہ سے خاموش تھی۔" کامنی کے ہونٹوں کی مسکراہٹ گہری ہو گئی "میں نے سوچا تھا کہ اسے الگ لے جا کر بتا دوں گی لیکن جلد ہی بات کھل گئی۔ جانکی تمہارے لیے پریشان ہے۔ اس نے بتایا تھا کہ اس کی ایک دولت مند عورت تمہیں خرید کر لے گئی ہے۔ اس دولت مند عورت کا نام اس کے ذہن سے نکل گیا۔ آج دوپہر جب اس نے روپ متی کا نام بتایا تو ہمارے سمجھ پور چلے گئے تاکہ روپ متی سے تمہارے سلسلے میں بات کی جا سکے۔ میں بھی جاننا چاہتی تھی لیکن انہوں نے زبردستی یہاں روک دیا۔"

"اوہ!" میرے منہ سے بے اختیار نکلا۔ کامنی مجھ سے اتنا لگاؤ تھا کہ جانکی سے میرے بارے میں میری بازیابی کے لیے کوشش شروع کر دی تھی اور اس کے لیے بڑی سے بڑی رقم خرچ کرنے کے علاوہ کوئی اور بھی اٹھانے کو تیار ہو جاتی۔

ہماری باتیں سن کر روپ متی کے چہرے کے تاثرات لحظہ بدل رہے تھے۔ میرے بارے میں انکشافات ہو رہے تھے وہ سوچ رہی ہو کہ کس مصیبت میں پھنس گئی۔ میں اس کی طرف دیکھتے ہوئے یہی بات کہی تو وہ مسکرائے بغیر نہ رہ سکی۔

"میں تو اسے اپنی خوش قسمتی سمجھتی ہوں کہ ایسے شخص سے ملاقات ہو گئی لیکن یہ راز میں نہیں سمجھ سکی کہ اتنے عظیم مارشل آرٹسٹ ہو تو دے ٹھاکر کے بیٹے گئے تھے؟"

"اسے بھی میں الیہ ہی کہوں گا۔" میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا "دھوکے سے تو شیر کو بھی جال میں پھنسایا جا سکتا ہے۔ میں بھی دھوکے میں مار کھا گیا تھا اور وہ مجھے غلاموں کی منڈی تک لے گئی۔"

ہم ابھی یہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ کامنی کی ایک خوب صورت جوان لڑکی دروازے میں نمودار ہوئی اور اس نے کامنی اور مجھے بو کیا اور پھر کامنی کی طرف دیکھ کر بولی۔

"نویج رہے ہیں میڈم۔ کلاس آف کر دی جائے؟"

"او۔ ہاں۔" کامنی ایک جھٹکے سے اٹھ گئی "میں وقت کا خیال ہی نہیں رہا۔"

کامنی نے ہم سے معذرت کی اور دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ ہم بھی اس کے پیچھے ہی کمرے سے باہر آ گئے۔ کامنی کی نائب نے کلاس ڈسمس کرنے کا اعلان کر دیا۔ تمام لڑکیاں ادھر ادھر بکھرنے لگیں۔

کامنی حویلی کے ایک اور کمرے میں چلی گئی اور تقریباً دس منٹ بعد لباس تبدیل کر کے واپس آ گئی۔ اب اس نے ساڑی پہن لی تھی۔ اسے اس لباس میں دیکھ کر کوئی بھی نہیں کہہ سکتا تھا کہ یہ لڑکی مار دھاڑ کی ماہر ہو گی۔

حویلی کے پہلو میں کامنی کی ماروتی کار بھی کھڑی تھی۔ کار سامنے لے آئی اور انجن چلتا چھوڑ کر نیچے اتر آئی اور حویلی کے اندرونی حصے سے برآمد ہونے والے دو آدمیوں کو کار صاف کرنے اور دیگر کاموں کے بارے میں ہدایات دینے لگی۔ اس نے اپنے نائبین کو بھی رخصت کر دیا اور پھر ہماری طرف متوجہ ہو گئی۔

روپ متی نے بتایا کہ ہمارے پاس اپنی گاڑی موجود ہے مسکراتے ہوئے بولی۔

"کوئی بات نہیں۔ تم دونوں میری گاڑی میں بیٹھو۔ تمہارا ڈرائیور گاڑی پیچھے پیچھے لے آئے گا۔"

کامنی نے اسٹیئرنگ سنبھال لیا اور ہم دونوں پیچھے بیٹھ گئے۔ گیٹ کے پاس گاڑی روکنی پڑی۔ روپ متی نے تارا کو ہدایت کر دی کہ وہ لینڈ کروزر کو ماروتی کے پیچھے لیتا آئے۔

دونوں گاڑیاں مختلف سڑکوں پر دوڑتی ہوئی براہما مندر کے تقریباً دو فرلانگ آگے ایک بہت بڑی حویلی کے کھلے گیٹ میں داخل ہو کر رک گئیں۔ یہ کامنی کے ماما کی حویلی تھی جہاں ان کی رہائش تھی۔ کامنی نے مجھے شاؤلن کراٹے میں بتایا تھا کہ اس کا تعلق جے پور کے معزز ترین کشتری خاندان سے ہے جو صدیوں سے اس خطے میں دھرم کی رکشا کرتا آ رہا ہے۔ ہندوستان کے مندر تو دراصل سونے کی چڑیا تھے جن پر پنڈتوں اور پجاریوں کا قبضہ تھا۔ کامنی کے آباؤ اجداد نے بھی ان مندروں سے بڑی لمبی چوڑی ذاتی جائیدادیں بنائی تھیں اور مالی لحاظ سے وہ لوگ بھی راجستھان کے بڑے راجوں سے کم نہیں تھے۔ بعض پنڈتوں نے تو کئی راجاؤں سے بھی زیادہ دولت جمع کر رکھی تھی۔

کامنی کے خاندان کی دولت کا اندازہ میں اس حویلی سے لگا رہا تھا جس میں اس نے مارشل آرٹ کلب کھول رکھا تھا اور جس میں اس حویلی کے کمپاؤنڈ میں کھڑا تھا جو کسی محل سے کم نہیں تھی۔

ہم گاڑی سے اتر کر برآمدے کے سامنے سرخ پتھر کی کشادہ سیڑھیوں پر چڑھ رہے تھے کہ سامنے محرابی دروازے سے جانکی نمودار ہوئی۔ مجھے دیکھ کر وہ چند لمحوں تک پلکیں جھپکاتی رہی پھر دوڑ کر مجھ سے لپٹ گئی۔

"مجھے یقین تھا، تم یہاں تک ضرور پہنچو گے۔" وہ مجھ سے الگ ہوتے ہوئے بولی اور پھر اس کی نظر روپ متی کی طرف اٹھ گئی "یہ۔۔۔ یہ کتیا۔۔۔"

میں نے جلدی سے جانکی کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔

"روپ متی میری مالکن نہیں ہماری دوست ہے۔" میں نے مدھم لہجے میں کہا "اگر یہ میرا ساتھ نہ دیتی تو میں کبھی تم تک نہیں پہنچ سکتا تھا۔ ہمیں تو اس کا احسان مند ہونا چاہیے کہ۔۔۔"

"اس میں بھی کوئی چال ہو گی اس کی۔" جانکی نے منہ سے میرا ہاتھ ہٹاتے ہوئے کہا "اس ٹھاکر نے اسے جا کر بتا دیا ہو گا کہ اس نے بھیک میں جو کنیز اسے دی تھی وہ شکر میں غائب ہو گئی ہے۔ اس نے تم سے اگلوا لیا کہ میں شکر میں کہاں پناہ لے سکتی ہوں۔ تم دنیا کے سب سے بڑے احمق ہو جو اسے سب کچھ بتا دیا اور لے کر یہاں آ گئے۔"

"نہیں جانکی۔ یہ بات نہیں ہے۔" میں نے کہا "مجھے دیکھو۔ میں آزاد ہوں۔ اپنی مرضی کا مالک و مختار ہوں۔ منڈی میں جو کچھ ہوا تھا، بھول جاؤ اسے۔ روپ متی کو اپنے اس رویے پر پچھتاوا ہے۔ وہ تم سے نہ صرف معافی مانگنے آئی ہے بلکہ تمہیں ساتھ لے جانے کے لیے آئی ہے تاکہ ہم دونوں پہلے کی طرح اکٹھے رہ سکیں۔"

"شریمان جی ٹھیک کہتے ہیں جانکی دیوی۔" روپ متی نے کہا "مجھ سے جو غلطیاں اور کوتاہیاں ہوئی ہیں، میں ان کی تلافی کرنا چاہتی ہوں اور مجھے یقین ہے کہ تم موقع ضرور دو گی۔"

جانکی کو اس کی بات کا یقین نہیں آ رہا تھا۔ یقین تو شاید اسے میری باتوں کا بھی نہیں آ رہا تھا۔ میں اور کامنی تقریباً آدھے گھنٹے تک وہیں کھڑے اسے سمجھاتے رہے اور بڑی مشکل سے اسے یہ یقین دلانے میں کامیاب ہو سکے کہ اس مرتبہ ہمارے ساتھ کوئی دھوکا نہیں ہو رہا اور روپ متی پورے خلوص سے ہماری مدد کرنا چاہتی ہے۔

میں نے مڑ کر دیکھا تو اہل خانہ محرابی دروازے کے قریب خاموش کھڑے ہماری طرف دیکھ رہے تھے۔ ان میں ایک ادھیڑ عمر عورت تھی جو کامنی کی مامی تھی۔ دو نوعمر لڑکیاں تھیں۔ ایک کی عمر چودہ اور دوسری کی بارہ کے لگ بھگ رہی ہو گی۔ ایک نو دس سال کی عمر کا لڑکا تھا جس نے گیروے رنگ

کا کرتہ اور اسی رنگ کی دھوتی پہن رکھی تھی۔ اس کا سر گنجا تھا مگر کھوپڑی پر قدرے بائیں طرف بالشت بھر لمبی چٹیا تھی۔ گلے میں رنگ برنگے موتیوں کی دو مالائیں اور ماتھے پر کشکا بھی تھا۔ دونوں لڑکیاں اور وہ لڑکا کامنی کے عم زاد تھے۔ میرا تعارف ہونے پر وہ سب بہت خوش ہوئے۔

ہمیں اندر لا کر ہال نما کمرے میں بٹھا دیا گیا۔ یہ وسیع و عریض کمرا قیمتی سازو سامان سے آراستہ تھا۔ فرش پر دبیز قالین اور آرام دہ صوفے۔ سامنے والی دیوار کے ایک طاقچے میں کسی دیوی کی مورتی بھی رکھی ہوئی تھی۔

ان لوگوں نے کامنی کے انتظار میں ابھی تک کھانا نہیں کھایا تھا۔ چند منٹ بعد ایک طرف قالین پر دسترخوان بچھا دیا گیا۔ ملازمہ نے ہر ایک کے سامنے پیتل کی ایک ایک تھالی رکھ دی تھی جس میں پیتل کی کٹوریوں میں دو تین قسموں کے سالن تھے۔ ایک میں دال، ایک میں آلو میتھی کی بھجیا اور تیسری کٹوری میں پڑی ہوئی چیز میری سمجھ میں نہیں آسکی۔ میں نے صرف آلو میتھی کی بھجیا پر ہی اکتفا کیا تھا۔

کھانے سے فارغ ہوئے تو دس بج چکے تھے اور اس وقت جے پور واپس جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ تارا سنگھ کے لیے بھی ایک سرونٹ کوارٹر میں رات گزارنے کا بندوبست کر دیا گیا تھا۔

کامنی نے جے پور فون کر کے اپنے ماما کو اطلاع دے دی تھی کہ میں پہنچ گیا ہوں۔ وہ میرے بارے میں چنتا (فکر) نہ کریں اور کل واپس آجائیں۔

ہم کافی دیر تک ہال میں بیٹھے کامنی کے گھر والوں سے باتیں کرتے رہے پھر کامنی ہمیں اوپر کی منزل پر اپنے کمرے میں لے آئی۔ اس وسیع و عریض کمرے میں دو بیڈ بچھے ہوئے تھے جس سے مجھے اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ جانکی بھی اسی کمرے میں رہائش پذیر تھی۔ ان دو مسہریوں کے علاوہ ایک صوفہ سیٹ اور تین چار کرسیاں بھی رکھی ہوئی تھیں۔ میں اور جانکی صوفے پر بیٹھ گئے جبکہ روپ متی اور کامنی بھی سامنے والے بیڈ پر بیٹھ گئیں۔

ہمیں وہاں بیٹھے ہوئے زیادہ وقت نہیں گزرا تھا کہ ایک ملازمہ ٹرے اٹھائے کمرے میں داخل ہوئی۔ ٹرے میں چار بڑے گلاس رکھے ہوئے تھے جن میں کافی کلر کا کوئی مشروب بھرا ہوا تھا۔ میں یہی سمجھا تھا کہ کوک یا پیپسی ہوگی۔ میں نے ایک گلاس لے لیا اور پہلا گھونٹ بھرتے ہی اچھل پڑا۔ یہ نہ کوک تھی نہ پیپسی اور نہ کوئی اور کولا۔ میں نے ایک اور چسکی لی۔ ہلکی سی کھٹاس لیے ہوئے بہت خوشگوار ذائقہ تھا۔

"یہ کیا ہے؟" میں نے ایک اور گھونٹ بھر کر [illegible] طرف دیکھا۔

"جل زیرہ۔" کامنی نے مسکراتے ہوئے جواب [illegible] "بھنے اور پسے ہوئے زیرے کا شربت جس میں شکر کے [illegible] تھوڑی سی لیموں کی کھٹائی بھی ملا دی جاتی ہے۔ خوش ذا [illegible] ہونے کے علاوہ یہ نہ صرف نظام ہضم کو درست رکھتا ہے [illegible] گرمی کا بھی دشمن ہے۔"

اس میں شبہ نہیں کہ یہ جل زیرہ واقعی بہت [illegible] ذائقہ تھا اور ہاضم بھی کیونکہ اس کے پینے کے فوراً [illegible] مجھے ڈکار بھی آگئی تھی اور کھانا کھانے کے بعد میں پیدا [illegible] جو بوجھل پن محسوس کر رہا تھا اس سے بھی نجات مل گئی۔ جل زیرہ تو جلد ہی ختم ہوگیا لیکن ہماری باتوں کا [illegible] دراز ہوتا گیا۔ وقت گزرنے کا احساس کسی کو نہیں تھا۔ باتوں کا ایک فائدہ یہ ہوا کہ روپ متی کے بارے میں [illegible] کے ذہن میں جو شبہات تھے وہ رفع ہوگئے۔ جانکی صوفے [illegible] اٹھ کر روپ متی کے قریب جا بیٹھی تھی۔

وہ رات کا آخری پہر تھا۔ میں صوفے پر دراز ہوگیا [illegible] پھر پتا نہیں کب میری آنکھ لگ گئی تھی۔

صبح نو بجے کے قریب میری آنکھ کھلی تو کامنی اپنے [illegible] آڑی ترچھی پڑی سو رہی تھی اور دوسرے بیڈ پر جانکی [illegible] روپ متی ایک دوسرے سے لپٹی گہری نیند کے مزے [illegible] رہی تھیں۔ یہ دلچسپ منظر دیکھ کر میں مسکرائے بغیر نہ [illegible] سکا تھا۔

○☆○

ہم دوپہر سے پہلے پہلے واپس آنا چاہتے تھے لیکن کامنی کے ماما نے روک لیا جو اس روز صبح سویرے [illegible] پور سے واپس آگیا تھا۔ کامنی کا بھی اصرار تھا کہ ہم [illegible] وہاں رہیں۔ گو کہ میری کوئی مصروفیات نہیں تھیں [illegible] جے پور پہنچ کر اپنے بعض معاملات سیدھے کرنا چاہتا [illegible] جلد سے جلد ہندوستان سے نکل کر پاکستان جا سکوں [illegible] لیے سب سے بڑا مسئلہ کاغذات کا حصول تھا۔

گو کہ ہم حادثاتی طور پر ہندوستان پہنچے تھے [illegible] اور پاسپورٹ وغیرہ بھی تباہ ہونے والے جہاز کے ساتھ راکھ ہو چکے تھے۔ ہم پناہ کی تلاش میں وہاں سے روانہ [illegible] تھے اور پھر وجے ٹھاکر کے بتائے چڑھ کر نہایت [illegible] میں جائے حادثہ سے سیکڑوں میل دور پہنچ گئے تھے [illegible] گمشدہ مسافروں کی تلاش کا سرکاری سلسلہ بھی اب [illegible] گیا تھا۔ ادھر ادھر بکھر جانے والے چند مسافر تو زندہ

تھے اور کچھ کی لاشیں ملی تھیں۔ البتہ چار مسافر اب بھی لاپتا تھے جن میں دو عورتیں' ایک مرد اور ایک بچی شامل تھی اور سرکاری طور پر ان کی تلاش بھی ختم کردی گئی تھی۔ ان کے بارے میں یہ باور کرلیا گیا تھا کہ وہ بھی بھوک پیاس اور گرمی کی شدت سے ریگستان میں ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرگئے ہوں گے اور ان کی لاشیں ریت نے ڈھانپ دی ہوں گی۔

جہاز کے گمشدہ وہ چار مسافر کون تھے؟ یہ میں جانتا تھا۔ ناہید کو وجے ٹھاکر کے آدمیوں نے موت کے گھاٹ اتار کر اس کی لاش بھیڑیوں کی خوراک بننے کے لیے پھینک دی تھی۔ اس کی بیٹی بلی' جانکی اور میں غلاموں کی منڈی میں نیلام ہوگئے تھے۔ بلی کے بارے میں کچھ پتا نہیں تھا کہ اسے کس نے خریدا تھا اور کہاں گئی تھی۔ میں اور جانکی بچھڑنے کے بعد ایک بار پھر یک جا ہوگئے تھے۔

روپ متی اب میری آقا نہیں' دوست بن گئی تھی۔ اس کی طرف سے مجھے کوئی رکاوٹ نہیں تھی۔ ہم جب بھی چاہتے یہاں سے رخصت ہوسکتے تھے لیکن ہمارے لیے سب سے بڑا مسئلہ کاغذات کا حصول تھا۔ ایک آسان طریقہ تو یہ تھا کہ ہم کسی پولیس اسٹیشن پہنچ کر اپنے بارے میں بتادیتے لیکن پولیس سب سے پہلے یہ سوال کرتی کہ ہم اتنے دن کہاں غائب رہے اور اس طرح ہمیں وہ کہانی سنانی پڑتی جس پر پولیس یقین نہ کرتی اور ہمارے لیے مزید الجھنیں پیدا ہوسکتی تھیں۔

دو دن پشکر میں گزارنے کے بعد ہم جے پور واپس آگئے۔ یہاں کچھ اور سنگین نوعیت کے حالات ہمارے منتظر تھے۔

حویلی کو دیکھ کر یوں لگتا تھا جیسے ہلاکو کی فوج یہاں سے گزری ہو۔ سامان بکھرا ہوا تھا۔ بہت سی اشیا ٹوٹی ہوئی تھیں۔ ابتری دیکھ کر لگتا تھا جیسے کسی نے بڑے اطمینان سے توڑ پھوڑ کی ہو۔ مندری کا ایک بازو گلے میں پڑی ہوئی پٹی میں لٹکا ہوا تھا اور پیشانی پر بھی بینڈیج نظر آرہی تھی۔ روپ متی کا دوسرا ملازم دیوان سنگھ بھی زخمی تھا اور کملا غائب تھی۔

روپ متی یہ سب کچھ دیکھ کر سناٹے میں آگئی۔ یہ صورتِ حال میرے لیے بھی تشویش ناک تھی اور میرے ذہن میں سب سے پہلے بلونت سنگھ کا نام ابھرا تھا کیونکہ دو دن پہلے پشکر جاتے ہوئے راستے میں اس سے ملاقات ہوگئی تھی اور ہماری یہ مختصر سی لب سڑک ملاقات ایک دوسرے کو دھمکیاں دینے تک ہی محدود رہی تھی اور اب یہ صورتِ حال دیکھ کر میں یہ سمجھنے پر مجبور تھا کہ ہماری عدم موجودگی میں بلونت سنگھ ہی یہاں آیا ہوگا۔ ممکن ہے اس کے ساتھ آدمی اور بھی ہوں اور ہمیں یہاں موجود نہ پاکر اس نے توڑ پھوڑ کرکے اپنا غصہ ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی ہو۔ مندری دیوان سنگھ وغیرہ نے انہیں روکنے کی کوشش کی ہوگی جس پر انہیں تشدد کا نشانہ بنایا گیا۔

"یہ سب کیسے ہوا۔ کون تھے وہ لوگ؟" روپ متی نے مندری سے پوچھا۔ وہ غصے کی شدت سے ہولے ہولے کانپ رہی تھی۔

"تیج سنگھ اور دھرمیش۔" مندری نے جواب دیا۔ "دونوں آج صبح یہاں آئے تھے۔ دیوان سنگھ نے انہیں حویلی میں داخل ہونے سے روک دیا لیکن وہ دونوں زبردستی گھس آئے اور دیوان سنگھ کو مار پیٹ کر گیراج میں بند کردیا۔" وہ ایک لمحے کو خاموش ہوگئی۔ اس کے چہرے پر کرب کے آثار نمایاں تھے۔ وہ بات جاری رکھتے ہوئے بولی۔ "میں نے بھی انہیں آپ کا پیغام پہنچادیا اور سرونٹ کوارٹر سے اپنا سامان اٹھا کر چلے جانے کو کہا۔ وہ دونوں زبردستی گھس آئے اور توڑ پھوڑ شروع کردی۔ میں نے مزاحمت کی کوشش کی تو تیج سنگھ نے مجھے بھی مارا پیٹا اور میرے مرد ورکر زور زور سے چیخنے چلانے لگے۔ یہاں بہت تکلیف دہ صورتِ حال پیدا ہوگئی تھی۔ اس نے تندرست ہاتھ سے دوسرے کندھے کو چھوا۔ "میں چونکہ بغیر نہیں رہ سکتا۔ ویسے تو مجھے پہلے ہی اندازہ تھا کہ اپنی ذلت کا بدلہ لینے کے لیے وہ دونوں بھائی کوئی نہ کوئی کارروائی ضرور کریں گے لیکن یہ توقع نہیں تھی کہ وہ میرے گھر کو توڑ پھوڑ اور مار پیٹ کریں گے۔"

"کملا اور شانتی کہاں ہیں؟" روپ متی نے اپنی ملازماؤں کے بارے میں دریافت کیا۔

"شانتی تو کل شام مجھے بتا کر اپنی بہن کے گھر گئی تھی۔ آج دوپہر کے بعد آنے کو کہا تھا اور کملا۔ وہ ان کے ساتھ چلی گئی۔" مندری نے جواب دیا "جب وہ توڑ پھوڑ کررہے تھے تو وہ خاموشی سے ایک طرف کھڑی تھی۔ اس نے انہیں روکنے کی کوشش بھی نہیں کی۔"

"ان کی یہ ہمت۔" روپ متی نے دانت پیسے۔ "میرے ٹکڑوں پر پلنے والے کتے اب مجھ پر بھونکنے لگے ہیں۔" وہ بکھرے ہوئے ٹوٹے پھوٹے سامان کو دیکھتی ہوئی میری طرف دیکھتے ہوئے بولی "تم میرے ساتھ آؤ۔"

"کہاں۔۔۔؟" میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"پولیس اسٹیشن۔ ان حرامیوں کے خلاف

رپٹ لکھوانے۔" روپ متی نے کہا۔

"ایک بات کہوں روپ متی۔" میں نے اس کی طرف دیکھا۔ چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولا "پولیس تمہاری مدد نہیں کرسکے گی۔"

"کیوں۔۔۔؟" روپ متی نے مجھے گھورا۔

"ان دونوں نے یہ کارروائی بہت سوچ سمجھ کر کی ہے۔" میں نے جواب دیا "انہوں نے اپنی توہین اور ذلت کا جو بدلہ لیا تھا۔ اس کے لیے انہوں نے گرم جوشی کا مظاہرہ کرنے کے بجائے ٹھنڈے دماغ سے کام لیا۔ کئی روز انتظار کیا۔ جو کچھ بھی ہوا باقاعدہ پلاننگ کے تحت ہوا ہے اور اس میں انہیں کسی کی پشت پناہی بھی حاصل ہے۔" میں چند لمحے خاموش ہوا پھر بولا "ایک بات اور بتادوں۔ کہنے کو تو تم بڑے باڈی گارڈ تھے۔ تمہارے تنخواہ خوار لیکن میں تمہیں یہ کہہ سکتا ہوں کہ انہوں نے تم سے زیادہ طاقت ور لگتی ہے۔"

"کیا کہنا چاہتے ہو؟" روپ متی بولی۔ اس کی نظریں میرے چہرے پر مرکوز تھیں۔

"تم نے زندگی بھر دولت لٹائی۔ اپنے آپ کو لٹایا۔ تمہارے چاہنے والوں کا حلقہ بہت وسیع ہے۔ ان میں راج گھرانوں کی ہیں۔ بڑے بڑے راج مہاراج بھی۔ صنعت کار بھی ہیں۔ ایسے بڑے بڑے بزنس مین بھی جن کے ایک اشارے پر ہرمیں خون کی ندیاں بہہ سکتی ہیں لیکن کیا اس وقت تم چار آدمی بھی جمع کرسکتی ہو جو تمہاری حمایت میں ان سے لڑنے کے لیے تیار ہوں۔" میں اس کے چہرے پر نگاہیں جمائے کہہ رہا تھا "نہیں روپ متی۔ ایسی صورت میں کوئی بھی تمہاری مدد کو نہیں آئے گا۔ زبانی طور پر ساتھ نبھانے والے تو بہت ہوں گے مگر عملی طور پر کوئی کچھ نہیں کرے گا اور یہ جو کچھ ہوا ہے۔" میں نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ "باقاعدہ پلاننگ کے تحت ہوا ہے اور عین ممکن ہے اس سلسلے میں انہیں پولیس کی آشیرباد بھی حاصل ہو۔ تیج سنگھ اور دھرمیش جیسے لوگ ایسا کوئی کام کرنے سے پہلے اپنے فائدے بھی کرلیتے ہیں۔ ویسے اگر تم پولیس کے پاس جانا چاہتی ہو تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔ تمہاری یہ خوش فہمی دور ہوجائے گی کہ تم توپ قسم کی کوئی چیز ہو۔"

روپ متی چند لمحے گھورتی ہوئی نگاہوں سے میری طرف دیکھتی رہی پھر مجھے اشارہ کرتی ہوئی باہر جانے کے لیے مڑ گئی۔ میں اس کے پیچھے چل پڑا۔

مارا سنگھ رائفل سنبھال کر لینڈ کروزر کی پچھلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ روپ متی طوفانی رفتار سے گاڑی چلا رہی تھی۔ پولیس اسٹیشن زیادہ دور نہیں تھا۔ وہاں پہنچنے میں چند منٹ سے زیادہ نہیں لگے۔

میرے خدشات درست نکلے۔ انسپکٹر نے ملاقات کے لیے پہلے تو آدھا گھنٹا انتظار کروایا اور پھر تیج سنگھ اور دھرمیش کے خلاف رپورٹ لکھنے سے انکار کردیا۔ البتہ یہ مہربانی ضرور کی کہ جائے وقوعہ کا معائنہ کرنے کے لیے دو کانسٹیبل ہمارے ساتھ بھیج دیے۔

کانسٹیبل حویلی میں گھوم پھر کر بکھرے ہوئے اور ٹوٹے پھوٹے سامان کو دیکھتے رہے۔ مندری نے انہیں ساری تفصیل بتادی تھی۔

"کوئی چیز چوری تو نہیں ہوئی۔ وہ اپنے ساتھ کچھ لے کر تو نہیں گئے؟" ایک کانسٹیبل نے ملازمہ سے پوچھا۔

"نہیں۔" مندری نے جواب دیا "وہ سرونٹ کوارٹر سے صرف اپنی کچھ چیزیں لے کر گئے ہیں۔ اس کے سوا اور کوئی چیز ساتھ لے کر نہیں گئے۔"

"اس کا مطلب ہے کہ یہ نہ تو چوری کی واردات ہے اور نہ ڈکیتی کی۔ البتہ ایک بات میری سمجھ میں آتی ہے۔" کانسٹیبل بولا "وہ اپنا سامان لینے آئے ہوں گے۔ تم لوگوں نے انہیں روکا ہوگا جس پر غصے میں آکر انہوں نے کچھ چیزیں اٹھا کر پٹخ دیں لیکن یہ کوئی کیس نہیں بنتا راج کماری جی۔ اگر ایسے چھوٹے چھوٹے ذاتی معاملات میں پولیس کو گھسیٹا جائے تو ہم کوئی اور کام تو کر ہی نہیں سکیں گے۔"

"گیٹ آؤٹ!" روپ متی دہاڑی۔

روپ متی اس زور سے چیخی تھی کہ اس کے قریب کھڑی ہوئی جانکی بھی اچھل پڑی۔ پولیس والوں نے گھورتی ہوئی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا اور پھر دروازے کی طرف چل پڑے۔

پولیس والوں کے اس طرزِ عمل اور اس "جواب" پر میں دل ہی دل میں مسکرا دیا۔ پولیس کے بارے میں روپ متی کی خوش فہمی تو تھانے ہی میں دور ہوگئی تھی اور اب دو کانسٹیبلوں کے اس رویے پر اس کی طبیعت صاف ہوگئی۔ وہ غصے سے تھر تھر کانپ رہی تھی۔ میں نے آگے بڑھ کر بڑی نرمی سے اسے ہاتھ سے پکڑ کر صوفے پر بٹھادیا اور مندری کو اشارہ کیا۔ وہ لپک کر پانی لے آئی۔

"پانی پیو۔ غصہ ٹھنڈا ہوجائے گا۔" میں نے آہستگی سے کہا۔

روپ متی نے گلاس پکڑا تو اس کا ہاتھ بھی کپکپا رہا تھا۔

کچھ پانی چھلک کر اس کی شرٹ پر گرا۔ میں نے گلاس لے کر اس کے ہونٹوں سے لگا دیا۔ اس کی یہ حالت دیکھ کر مجھے اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ شراب نے اسے اندر سے کھوکھلا کردیا تھا اور وہ شاید بلڈ پریشر کی مریضہ بن گئی تھی۔ غصے میں چیختے ہوئے اس طرح ہاتھ پیر کانپنے کا مطلب تو یہی ہوسکتا تھا۔

"میں نے تمہیں پہلے ہی کہا تھا کہ پولیس کے پاس جانے کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔" میں نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتے ہوئے نرم لہجے میں کہا "میں اس قسم کے حالات سے گزر چکا ہوں اور جانکی اس بات کی گواہ ہے۔ غنڈوں نے ہمارا جینا حرام کردیا تھا۔ جانکی اور میری انجمانی دوست تھائی کے گھر جلا کر خاک کردیے گئے۔ ہم اپنی جان بچانے کے خوف سے بھاگے پھر رہے تھے۔ پولیس ہماری کوئی مدد نہیں کرسکتی تھی بلکہ اصل بات تو یہ تھی کہ پولیس ان بدمعاشوں کے ہاتھ بک چکی تھی جو ہمیں موت کے گھاٹ اتارنا چاہتے تھے۔ ہم اپنی جان بچانے کے خوف سے چھپتے پھر رہے تھے اور وہ غنڈے پورے شہر میں دندناتے رہے تھے۔ پولیس بھی ہماری تلاش میں تھی۔ ہمیں کہیں پناہ نہیں مل رہی تھی۔ یہ بنکاک کی بات ہے مگر ہر جگہ کی پولیس ایک جیسی ہی ہوتی ہے اور ہندوستان کی پولیس کے بارے میں تو سنا ہے کہ یہ دنیا کی سب سے زیادہ کرپٹ پولیس ہے۔ میں نے تمہیں پہلے ہی خبردار کردیا تھا کہ پولیس کے پاس جانے کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ تم ایک سابق ریاست کی راج کماری ہو۔ تمہارے تعلقات بہت وسیع ہیں۔ تمہارے پاس دولت کی بھی کمی نہیں ہے۔ تم حسین بھی ہو اور جوان بھی۔ تم نے ہر لحاظ سے لوگوں کو خوش رکھا ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ دولت سے ہر چیز خریدی جاسکتی ہے لیکن وہ دونوں پہل کرگئے ہیں۔" میں چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بولا "کسی بڑی شخصیت سے پنگا لینا کوئی معمولی بات نہیں ہوتی۔ اس قسم کے کام پولیس کے تعاون اور مدد کے بغیر نہیں ہوتے اور پھر وہ دونوں بہت عرصہ تمہارے پاس رہ چکے ہیں۔ تمہاری کمزوریوں سے واقف ہیں اور وہ ان سے پورا پورا فائدہ اٹھانے کی کوشش کریں گے۔ پولیس والوں کا رویہ تم دیکھ چکی ہو۔" میں نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے بات جاری رکھی "ایک معمولی کانسٹیبل جو عام حالات میں تمہارے سامنے سر اٹھانے کی جرأت نہیں کرسکتا' اس نے کس قدر دیدہ دلیری سے کہہ دیا کہ یہ کوئی کیس ہی نہیں بنتا۔ کیا کوئی معمولی کانسٹیبل اس قسم کی بات کرسکتا ہے؟ یہ تو دراصل اس انسپکٹر کے الفاظ تھے جو کانسٹیبل کی زبان سے کہلوائے گئے تھے۔ اس کا مطلب اب تم خاموش بیٹھی رہو۔ ویسے اس کو بھی غنیمت تمہارے خلاف کوئی کیس نہیں بنادیا گیا۔"

"میرے خلاف کیس!" روپ متی نے چونک طرف دیکھا۔ وہ اپنی کیفیت پر بڑی حد تک قابو پاچکی توڑ پھوڑ میں نے کی ہے؟ میرے خلاف کیوں کیس بنا

"تار پیٹ۔ توڑ پھوڑ۔" میں نے کہا "وہ دونوں ملازم تھے۔ تم نے کسی بات پر ناراض ہوکر انہیں نکال دیا اور جب وہ اپنا ذاتی سامان لینے کے لیے حو آئے تو تم نے اپنے نوکروں سے ان کی پٹائی کرادی اور الزام لگانے کے لیے خود ہی اپنے گھر میں توڑ پھوڑ کرا

"تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہوگیا۔" روپ مجھے گھورا "جب یہاں یہ سب کچھ ہوا تھا تو میں یہاں تھی۔"

"تم کہیں بھی ہو مائی ڈیئر۔ یہ الزام تم پر لگ سکتا میں نے کہا "پولیس کے پاس بڑے اختیارات ہوتے قانون تو موم کی گڑیا ہے جسے وہ اپنی مرضی کے مطابق شکل چاہیں' دے سکتے ہیں۔ اگر تم خاموش بیٹھی رہیں ایسی کوئی بات نہ ہو لیکن اگر تم نے ان کے خلاف دباؤ ڈالنے کی کوشش کی تو تمہارے خلاف ایسا کوئی جاسکتا ہے۔"

"میں انہیں معاف تو ہرگز نہیں کروں گی۔" نے کہا "میرے ٹکڑوں پر پلنے والے کتے مجھے ہی دوڑیں۔ میں یہ ہرگز برداشت نہیں کرسکتی۔"

"پھر کیا کرو گی؟" میں نے سوالیہ نگاہوں سے طرف دیکھا۔

"ان دونوں حرامیوں کا تو جو ہوگا سو ہوگا۔ اس دار کو تو میں ایسا سبق سکھاؤں گی کہ زندگی بھر یاد کرے گا" وہ اٹھ کر ٹیلی فون کے پاس چلی گئی اور ریسیور اٹھا ملانے لگی۔ میں بھی اس کے قریب جاکر کھڑا ہوگیا۔ فون مانیٹک سسٹم والا تھا۔ اس میں اسپیکر بھی لگا ہوا سے فون پر ہونے والی گفتگو کمرے میں موجود وہ سب بھی سن سکتے تھے۔

روپ متی نے پولیس کے ایک اسسٹنٹ کمشنر ملایا تھا۔ دوسری گھنٹی پر ہی کال ریسیو کرلی گئی اور ایک آواز سنائی دی۔

"اے سی پی (اسسٹنٹ کمشنر پولیس) ہیئر اسپیکنگ!"

"میں راج کماری روپ متی بول رہی ہوں مہندر ناتھ جی۔" روپ متی نے کہا۔ دونوں طرف سے چند رسمی جملوں کا تبادلہ ہوا اور پھر روپ متی اسے اپنا مسئلہ بتانے لگی۔

"آپ حوصلہ رکھیے روپ متی جی۔" دوسری طرف سے کہا گیا "میں معلوم کرتا ہوں' کیا معاملہ ہے۔ انسپکٹر نے اگر ایسی کوئی بات کی ہے تو اس کے خلاف ایکشن ضرور لیا جائے گا۔ میں چند منٹ بعد آپ کو فون کروں گا۔"

روپ متی نے ریسیور رکھ دیا اور بکھرے ہوئے سامان کو دیکھنے لگی۔ جانکی بھی ایک کرسی پر بیٹھ چکی تھی۔ مندری اس کے قریب ہی کھڑی تھی۔ روپ متی نے مندری کو چائے بنانے کے لیے کہا تو جانکی اٹھ کر کھڑی ہوگئی۔

"یہ بے چاری چائے کیسے بنائے گی۔ میں بناتی ہوں۔" جانکی مندری کو ساتھ لے کر کچن میں چلی گئی۔

تقریباً بیس منٹ بعد وہ چائے بنا کر لے آئی۔ ہم چائے کی چسکیاں لے رہے تھے کہ فون کی گھنٹی بجی۔ روپ متی نے ریسیور اٹھائے بغیر ایک بٹن دبادیا۔

"یس روپ متی۔" وہ فون کی طرف کسی قدر جھک کر بولی۔

"اے سی پی مہندر ناتھ بول رہا ہوں روپ متی جی۔" دوسری طرف سے وہی بھاری آواز سنائی دی "میں نے انسپکٹر جگت سنگھ سے بات کی ہے۔ وہ تو کوئی اور ہی کہانی سنا رہا ہے۔"

"کیسی کہانی؟" روپ متی بولی۔

"انسپکٹر کے کہنے کے مطابق تیج سنگھ اور دھرمیش بھی آپ سے پہلے اس کے پاس گئے تھے۔" مہندر ناتھ کہہ رہا تھا "وہ دونوں زخمی تھے۔ آپ نے انہیں نوکری سے نکال دیا ہے اور وہ اپنا ذاتی سامان لینے حویلی گئے تھے۔ آپ نے سامان ان کے حوالے کرنے کے بجائے اپنے نوکروں سے انہیں پٹوایا۔ ان کے کہنے کے مطابق آپ نے کسی غنڈے کو بھی اپنے گھر میں رکھا ہوا ہے۔ اس غنڈے نے چند روز پہلے بھی انہیں مارا پیٹا تھا۔ بہرحال' انسپکٹر ان دونوں بھائیوں کی رپورٹ پر آپ کے خلاف کارروائی کرنے کا ارادہ رکھتا ہے لیکن میں نے اسے روک دیا ہے۔"

روپ متی نے جواب دیے بغیر ریسیور پٹخ دیا۔

"باسٹرڈ!" وہ چیخی "دیکھ لوں گی۔ ان سب کو دیکھ لوں گی۔"

"چائے پیو۔" میں نے کپ اٹھا کر اس کی طرف بڑھادیا "اور تمہیں میری ذہانت کی داد دینی چاہیے کہ میں نے جو کچھ کہا تھا' وہ درست ثابت ہوا۔ اب صورتِ حال تمہارے سامنے واضح ہوگئی ہے اور اس میں کوئی شک و شبہ نہیں ہونا چاہیے کہ ان دونوں بھائیوں کے ہاتھ تم سے زیادہ لمبے ہیں۔ تمہارے ساتھ رہتے ہوئے انہوں نے تمہاری حیثیت سے پورا پورا فائدہ اٹھایا اور اپنے لیے وہ جگہ بنالی جس کے بارے میں تم نے کبھی سوچا بھی نہیں ہوگا اور تم وہیں کی وہیں رہیں۔"

"میں انہیں چھوڑوں گی نہیں۔" روپ متی غرائی۔

"ان الفاظ کی رٹ لگانے سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔" میں نے کہا "اس کیس میں اب میرا نام بھی آگیا ہے۔ ان کی اصل دشمنی تو مجھ سے ہی ہے۔ یہ سارا ہنگامہ میری ہی وجہ سے شروع ہوا تھا۔ میری ہی وجہ سے تم نے بھی انہیں ذلیل کیا۔ وہ اصل انتقام تو مجھ سے لینا چاہتے ہیں۔ میرے اگرچہ اپنے معاملات بھی خاصے گمبھیر ہیں۔ میں نے سوچا تھا کہ کسی نہ کسی طرح تم سے اجازت لے کر چلا جاؤں گا لیکن اب ان حالات میں تمہیں تنہا چھوڑ کر نہیں جاسکتا۔ تیج سنگھ اور دھرمیش کو سبق سکھانے کے لیے ہمیں دوسرا طریقہ اختیار کرنا پڑے گا۔"

وہ چند لمحے میری طرف دیکھتی رہی اور پھر ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑی ہوگئی۔

"ایسا ہی کرنا پڑے گا۔ ان کتوں کو میں اپنے پیر چاٹنے پر مجبور کردوں گی۔" وہ بڑبڑاتی ہوئی اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔

میں نے بھی ایک نظر اِدھر اُدھر دیکھا۔ کوئی چیز بھی اپنی جگہ پر نظر نہیں آرہی تھی۔ کئی قیمتی چیزیں توڑ دی گئی تھیں۔ میرے حساب سے لاکھوں کا نقصان ہوا تھا۔

میں نے تارا سنگھ اور دیوان سنگھ کو بھی اندر بلالیا اور ہم سب مل کر بکھری ہوئی چیزیں سمیٹنے لگے۔

○☆○

تین چار دن گزر گئے۔ اس دوران میں کوئی نئی بات نہیں ہوئی تھی۔

اسی روز روپ متی نے تیسرے گیراج میں سے نیلے رنگ کی ایک شیراڈ کار نکالی اور مجھے اپنے ساتھ بٹھا کر حویلی سے تقریباً تین میل دور ایک بہت بڑے میدان میں آگئی۔ وہ مجھے ڈرائیونگ سکھانے کے لیے یہاں لائی تھی اور یہ وسیع و عریض میدان شاید اسی مقصد کے لیے مخصوص تھا کیونکہ یہاں اور بھی بہت سے لوگ تھے جو ڈرائیونگ سیکھنے کے لیے آئے ہوئے تھے۔ کئی گاڑیاں ڈرائیونگ سکھانے والے اسکولز کی تھیں جن کے دونوں طرف نام لکھے ہوئے تھے۔

بہت سی پرائیویٹ گاڑیاں بھی تھیں اور دلچسپی کی بات یہ تھی کہ ڈرائیونگ سیکھنے والوں میں زیادہ تعداد خواتین کی تھی۔

روپ متی نے مجھے اسٹیئرنگ کے سامنے بٹھا دیا اور خود ساتھ والی سیٹ پر بیٹھ کر کسی ماہر ٹرینر کی طرح اسٹیئرنگ پر گرفت، گیئر، بریک، کلچ اور ایکسیلیریٹر کے استعمال کے بارے میں بتانے لگی۔ میں اتنا بدھو بھی نہیں تھا کہ ان چیزوں کو نہ سمجھ سکتا۔ تھائی لینڈ میں اکثر جاپانی، تھائی اور گانگ وغیرہ کے ساتھ کسی کار میں سفر کرتے ہوئے انہیں دیکھتا رہتا تھا۔ میں ان سب چیزوں کے استعمال سے کسی حد تک واقف تھا اور مجھے یقین تھا کہ زیادہ سے زیادہ دو دن میں گاڑی چلانا سیکھ جاؤں گا۔

روپ متی کی ہدایت کے مطابق میں نے گیئر کو نیوٹرل میں رکھ کر اگنیشن کی چابی گھمائی اور کلچ پیڈل دبا کر گیئر بدلنے لگا۔ روپ متی کا ایک ہاتھ میرے ہاتھ پر تھا۔ وہ انجن کو فرسٹ گیئر میں ڈالنے میں میری مدد کر رہی تھی اور پھر اس کی ہدایت کے مطابق میں آہستہ آہستہ کلچ پلیٹ کو ڈھیلا چھوڑنے لگا۔ اس کے ساتھ ہی کار بھی آہستہ آہستہ حرکت میں آنے لگی۔

روپ متی نے ایک ہاتھ اسٹیئرنگ پر بھی رکھا ہوا تھا۔ کار ہلکی رفتار سے چلتی رہی اور وہ مجھے مختلف ہدایات دیتی رہی۔ میدان میں اور بھی بہت سی گاڑیاں ادھر اُدھر گھومتی ہوئی نظر آ رہی تھیں۔ دو تین چھکڑا قسم کے ٹرک بھی نظر آ رہے تھے۔ ان پر بھی ڈرائیونگ اسکولز کے نام لکھے ہوئے تھے۔

تقریباً ایک گھنٹا گزر گیا۔ اب روپ متی نے اسٹیئرنگ پر سے ہاتھ ہٹا لیا تھا اور گیئر بھی میں خود ہی بدلتا رہا۔ تاہم اس میں روپ متی کی ہدایات شامل تھیں۔ کار کی رفتار کبھی ذرا تیز ہو جاتی اور کبھی آہستہ۔

"تم تو واقعی بہت ذہین ثابت ہوئے۔" روپ متی نے یہ کہتے ہوئے اپنی سیٹ کی پشت سے ٹیک لگا لی۔ "میرا تو خیال تھا کہ ان باتوں کو سمجھنے میں ہی تم تین دن لگا دو گے لیکن اب میں پورے وثوق سے کہہ سکتی ہوں کہ کل شام تک تم شہر کی پُرہجوم سڑکوں پر گاڑی دوڑاتے پھرو گے۔"

"اگر بے وقوف ہوتا تو اب تک کسی کے ہاتھوں مارا جا چکا ہوتا اور میری ہڈیاں بھی گل سڑ چکی ہوتیں۔" میں نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے۔ تھوڑی دیر اور پریکٹس کر لو پھر واپس چلتے ہیں۔ مجھے بھوک لگنے لگی ہے۔" روپ متی نے کہا۔

"تم بھی جانگی کی طرح ہو۔ بھوک برداشت نہیں کر سکتیں۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور اپنی ڈرائیونگ کی طرف متوجہ ہو گیا۔

میں نے میدان کا ایک اور چکر لگا لیا۔ دوسرے چکر کے لیے کار گھمائی ہی تھی کہ اچانک ہی سامنے سے ایک کھٹارا سا ٹرک آتا ہوا دکھائی دیا۔ اس کے آگے ریڈی ایٹر کے سامنے آہنی پائپوں کا ایک جنگلا سا لگا ہوا تھا تاکہ کسی حادثے کی صورت میں ریڈی ایٹر اور انجن کو زیادہ نقصان نہ پہنچے۔

ٹرک میں دو آدمی تھے۔ ایک زیر تربیت ڈرائیور اور دوسرا شاید ٹرینر تھا۔ فاصلہ زیادہ ہونے کی وجہ سے ان کے چہرے نظر نہیں آ رہے تھے۔ ٹرک کی رفتار بھی کم تھی۔ میرا خیال تھا کہ قریب پہنچنے سے پہلے ہی ٹرک کا رخ بدل جائے گا یا میں اپنی کار کو ایک طرف ہٹا لوں گا۔ فاصلہ کم ہوتا گیا۔ میں نے کوئی غیر معمولی بات محسوس نہیں کی۔

اب تقریباً بیس گز کا فاصلہ رہ گیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی میں بری طرح چونک گیا۔ ٹرک میں بیٹھے ہوئے دونوں آدمیوں کے چہرے اب صاف نظر آ رہے تھے۔

وہ تیج سنگھ اور دھرمیش تھے۔ اسٹیئرنگ کے سامنے تیج سنگھ تھا اور اس کے ساتھ والی سیٹ پر دھرمیش۔ ان دونوں کے چہروں پر بے پناہ خنکی تھی۔

ان دونوں کو دیکھ کر میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ اس سے پہلے کہ میں کچھ سوچ سکتا، ٹرک کی رفتار ایک دم تیز ہو گئی۔ ٹرک کسی خوں خوار درندے کی طرح اور بندوق سے نکلی ہوئی گولی کی سی تیز رفتاری سے ہماری طرف بڑھ رہا تھا۔ میرے حواس ایک لمحے کو مختل ہو کر رہ گئے تھے۔

روپ متی چیختی ہوئی اپنی سیٹ پر اچھل پڑی۔ گزرنے والے ہر لمحے کے ساتھ فاصلہ کم ہو رہا تھا۔ ٹرک موت کے فرشتے کی طرح دندناتا ہوا ہماری طرف بڑھ رہا تھا۔ مجھے اپنی آنکھوں کے سامنے موت ناچتی ہوئی نظر آنے لگی۔ مجھے یہ اعتراف کرنے میں کوئی ندامت نہیں کہ اس وقت میرے حواس ساتھ چھوڑ چکے تھے۔ دماغ جیسے سُن ہو گیا تھا اور قوت فیصلہ بھی ساتھ چھوڑ چکی تھی۔ اسٹیئرنگ پر میرے ہاتھوں کی گرفت بالکل ڈھیلی پڑ گئی تھی۔

ٹرک بالکل سامنے پہنچ گیا تھا اور کسی بھی لمحے ٹکرا ہو سکتا تھا۔ روپ متی چیختی ہوئی میری طرف گری۔ اس نے دونوں ہاتھ اسٹیئرنگ پر آگے اور اس نے پوری قوت سے اسٹیئرنگ کو بائیں طرف گھما دیا۔

کار تیزی سے بائیں طرف گھوم گئی۔ اسی لمحے ایک دھماکا ہوا اور ہماری کار لٹو کی طرح گھوم گئی۔ وہ ٹرک کار کی پچھلی سائیڈ کو ٹکراتا ہوا نکل گیا تھا۔

میں پہلے دھکا کھا کر دروازے سے ٹکرایا پھر اسٹیئرنگ کی طرف جھکا۔ میرا سر اسٹیئرنگ سے ٹکرا گیا۔ روپ متی بھی چیختی ہوئی ایک طرف گری تھی۔ اس کا سر ڈیش بورڈ سے ٹکرا گیا۔ کار لٹو کی طرح گھومتی ہوئی ہلکے سے دھماکے سے ایک اور کار سے ٹکرا کر رک گئی۔

اس وقت ایک اور دھماکے کی آواز سنائی دی۔ ہماری کار کی سائیڈ سے ٹکرانے کے بعد وہ ٹرک ایک اور کار سے ٹکرا گیا تھا۔ دھماکے کے ساتھ نسوانی چیخوں کی آواز بھی سنائی دی تھی۔

مجھے اپنے آپ کو سنبھالنے میں تیس سیکنڈ لگ گئے۔ میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ وہ ٹرک تیز رفتاری سے میدان سے باہر جا رہا تھا۔ جس دوسری کار کو اس نے ٹکر ماری تھی اس کے اندر سے اب بھی نسوانی چیخوں کی آواز سنائی دے رہی تھی۔

میں روپ متی کی طرف متوجہ ہو گیا۔ وہ سر کو دونوں ہاتھوں میں تھامے سیٹ پر جھکی ہوئی تھی۔ میں نے اس کے کندھوں پر ہاتھ رکھ دیا اور اسے اوپر اٹھانے لگا۔

میدان میں تمام گاڑیاں رک چکی تھیں اور لوگ گاڑیوں سے اتر کر ہماری اور دوسری کار کی طرف دوڑ رہے تھے۔ چند سیکنڈ بعد ہی ہماری کار کے گرد آٹھ دس آدمی جمع ہو چکے تھے۔ ہماری کار کے دونوں طرف کے دروازے کھول دیے گئے۔ ایک آدمی دوسری طرف سے روپ متی کو بازو سے پکڑ کر نیچے اتارنے لگا۔ ایک آدمی نے مجھے بھی بازو سے پکڑ کر نیچے اتارنا چاہا لیکن میں نے اس کا ہاتھ ہٹا دیا اور خود ہی نیچے اتر آیا۔ میرے حواس اب آہستہ آہستہ بحال ہو رہے تھے۔

ہر شخص ہماری مدد کرنے پر تُلا ہوا تھا لیکن جب انہیں پتا چل گیا کہ ہم میں سے کوئی زخمی نہیں ہوا، بہت معمولی چوٹیں آئی ہیں تو لوگوں کو اطمینان ہوا۔ میں نے تو اپنے آپ کو سنبھال لیا تھا لیکن روپ متی اس صدمے سے نڈھال ہو رہی تھی۔ میں لوگوں کو بتاتا ہوا اس کے قریب پہنچ گیا اور اس کے دونوں بازوؤں سے پکڑ کر جھنجھوڑنے لگا۔

"ہوش میں آؤ روپ متی۔ سب ٹھیک ہے۔ کچھ نہیں ہوا۔" میں نے کہا۔

"انہیں سائے میں لے جاؤ۔ وہاں درختوں کے نیچے۔" ایک آدمی چیخا۔ ایک عورت بھی لوگوں کو ادھر اُدھر ہٹاتی ہوئی آگے آ گئی اور روپ متی کو سہارا دے کے میدان کے باہر درختوں کی طرف لے جانے لگی۔

میں دوسری کار کی طرف آ گیا۔ وہ کسی ڈرائیونگ اسکول کی کار تھی۔ اسے ٹرک نے سامنے والے حصے پر ٹکر ماری تھی اور فینڈر کو ادھیڑتا ہوا نکل گیا تھا۔ زوردار جھٹکا لگنے سے آگے والی ونڈ اسکرین ٹوٹ گئی تھی۔ اس کار میں بھی دو عورتیں ہی تھیں۔ ایک زیر تربیت اور ایک ٹرینر جس کے بازو اور چہرے سے خون رس رہا تھا۔ یہ زخم اسے شیشے کی کرچیوں سے آئے تھے۔ زیر تربیت ڈرائیور ایک نوجوان لڑکی تھی۔ وہ دونوں بہت زیادہ بدحواس ہو رہی تھیں۔

ان دونوں کو بھی میدان کے باہر درختوں کے سائے میں پہنچا دیا گیا۔ ایک آدمی اپنی کار میں سے فرسٹ ایڈ باکس نکال لایا۔ اس کا تعلق کسی ڈرائیونگ اسکول سے تھا اور ایسی ہر گاڑی میں فرسٹ ایڈ بکس لازمی ہوتا تھا۔ وہ آدمی بکس کھول کر زخمی لیڈی ٹرینر کے زخموں پر بینڈیج کرنے لگا۔

میں روپ متی کے قریب بیٹھ گیا۔ وہ اب اپنے آپ کو کافی حد تک سنبھال چکی تھی۔ اس کی پیشانی پر پہلا گومڑ دو تین دن پہلے ہی ٹھیک ہوا تھا اور اب ایک نیا گومڑ ابھر آیا تھا۔

ہمارے چاروں طرف لوگ جمع تھے اور اس ٹرک ڈرائیور کو برا بھلا کہہ رہے تھے۔ اکثر لوگوں کا خیال تھا کہ وہ کوئی زیر تربیت ڈرائیور تھا جس سے ٹرک بے قابو ہو گیا تھا اور وہ بدحواسی میں بریک پیڈل کے بجائے ایکسیلیریٹر دبا تا چلا گیا تھا۔ لوگ ہمیں خوش قسمت قرار دے رہے تھے کہ ہم لوگ ایک خوفناک حادثے سے بچ گئے تھے۔

اس ہجوم میں ایک آدمی ایسا بھی تھا جو نہ صرف روپ متی کو پہچانتا تھا بلکہ اس نے اس شک کا اظہار کیا تھا کہ یہ حادثہ محض اتفاق نہیں تھا۔ وہ ٹرک ڈرائیور اناڑی نہیں تھا۔ اس نے جان بوجھ کر روپ متی کی کار کو کچلنے کی کوشش کی تھی۔

میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا اور پھر روپ متی کی طرف دیکھنے لگا۔ روپ متی نے عقل مندی یہ کی کہ اپنی زبان بند رکھی۔ بعض لوگوں کا خیال تھا کہ ہمیں پولیس کو اس واقعے کی اطلاع ضرور دینی چاہیے لیکن ایک اور آدمی نے ہماری یہ مشکل یہ کہہ کر حل کر دی کہ اس ٹرک پر نہ تو کوئی نام لکھا ہوا تھا اور نہ ہی نمبر پلیٹیں لگی ہوئی تھیں۔ حادثے کا شکار ہونے والی دوسری دو خواتین بھی پولیس کے پاس جانے کو تیار نہیں تھیں۔

روپ متی اب اپنے آپ کو پوری طرح سنبھال چکی تھی۔ ہم دونوں میدان میں اپنی کار کے قریب آگئے۔ نئی کار کا سوا ستیاناس ہوگیا تھا۔ پچھلی طرف کا ایک حصہ جہاں ٹکر لگی تھی' اندر کی طرف پچک گیا تھا۔ اس طرف سے فینڈر بھی اکھڑ کر دہرا ہوگیا تھا۔ کار کی باڈی کا وہ حصہ دب کر پہیے کو چھو رہا تھا۔ اس زوردار ٹکر میں بھلا اس سائیڈ کی بیک لائٹ کیسے محفوظ رہ سکتی تھی۔

میں کار کا معائنہ کرنے کے بعد زمین پر بیٹھ گیا۔ دونوں پیر پہیے پر رکھے اور باڈی کے پچکے ہوئے حصے کو باہر کی طرف کھینچنے لگا۔ مجھے ناکامی نہیں ہوئی۔ باڈی کا وہ حصہ پہیے سے اتنی دور ہٹ گیا کہ کار چلا۔ نے میں کوئی دشواری پیش نہیں آسکتی تھی۔

روپ متی نے اسٹیئرنگ سنبھال لیا اور میں پسنجرز سیٹ پر بیٹھ گیا۔

"ڈرائیونگ میں کوئی دشواری تو پیش نہیں آئے گی؟" میں نے روپ متی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"نہیں' میں اب بالکل ٹھیک ہوں۔" روپ متی نے پیشانی سہلاتے ہوئے کہا اور انجن اسٹارٹ کرکے کار ہلکے سے جھٹکے سے آگے بڑھادی۔

"اب وہ حرامی پوری طرح میرے مقابلے پر آگئے ہیں۔" روپ متی نے میری طرف دیکھے بغیر کہا "آج تو انہوں نے ہمیں موت کے گھاٹ اتارنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔"

"موت ہمارے بہت قریب سے گزری ہے۔" میں نے کہا "ٹرک کو سر پر آتے دیکھ کر میں واقعی بدحواس ہوگیا تھا۔ میرا دماغ بالکل مفلوج ہوگیا تھا۔ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اس موقع پر مجھے کیا کرنا چاہیے۔ اگر تم بروقت اسٹیئرنگ کو نہ گھما دیتیں تو ہمارے کچلے جانے میں کوئی کسر نہیں رہ گئی تھی۔"

"اب پانی سر سے گزر چکا ہے۔" روپ متی بولی "ان کا کوئی بندوبست کرنا ہی پڑے گا۔"

"ہاں۔ اب اس کے سوا کوئی چارہ نہیں۔" میں نے جواب دیا "لیکن ایک بات تمہیں ذہن میں رکھنی ہوگی۔ حویلی میں توڑ پھوڑ کے بارے میں تم نے پولیس کو اطلاع دے دی۔ درست کیا۔ تمہارا قانونی فرض پورا ہوگیا لیکن اس واقعے کے بارے میں تم کسی سے کچھ نہیں کہوگی۔ میرا مطلب ہے کسی کو یہ نہیں بتاؤ گی کہ اس ٹرک میں کون تھے۔"

"اطمینان رکھو۔" روپ متی بولی "انہیں یہی تاثر دیا جائے گا کہ ہم ان سے ڈر گئے ہیں اور دبک گئے ہیں۔"

ایک بار پھر پیشانی سہلانے لگی اور بولی "میرا پروگرام تھا کہ ہم دوپہر کا کھانا کسی ریسٹورنٹ میں کھائیں گے مگر ان حرامیوں نے سب کچھ غارت کردیا۔"

"کسی ریسٹورنٹ میں کھانا کھانے کے کئی مواقع ملیں گے۔" میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

روپ متی بھی میری طرف دیکھ کر مسکرادی۔

میدان سے روانہ ہونے کے بیس منٹ بعد ہماری کار حویلی کے گیٹ میں داخل ہورہی تھی۔

○☆○

تین دن میں' میں نے ڈرائیونگ سیکھ لی اور بقول روپ متی میں اب شہر کی پُرہجوم سڑکوں پر بھی گاڑی دوڑا سکتا تھا۔ نیلی شیراڈ مرمت کے لیے ورکشاپ بھیج دی گئی تھی اور روپ متی نے مرسڈیز میرے حوالے کردی تھی۔

اس روز والے واقعے کے بارے میں جاننے کے بعد جانکی اب ہر وقت میرے ساتھ رہنے لگی تھی۔ میں جب بھی باہر جانے لگتا' وہ میرے ساتھ ہولیتی۔ اس دوران میں کامنی بھی دو تین مرتبہ یہاں آچکی تھی۔

کامنی کو میں نے سب کچھ بتادیا تھا کہ ہم کن حالات میں یہاں پہنچے تھے۔ اسے میں نے یہ بھی بتادیا تھا کہ ہم جلد از جلد لاہور پہنچنا چاہتے تھے تاکہ دارا کو تلاش کرکے میں اپنا مشن کو پایۂ تکمیل تک پہنچا سکوں لیکن یہاں ایک نئی کہانی شروع ہوچکی تھی اور میں ان حالات میں روپ متی کو چھوڑ کر نہیں جانا چاہتا تھا۔ وہ میری محسنہ تھی۔ اس نے مجھے آزادی دی تھی اور میں ایسا احسان فراموش نہیں تھا کہ ان حالات میں اسے چھوڑ کر چلا جاتا۔

جانکی نے روپ متی کو بھی میرے بارے میں سب کچھ بتادیا تھا اور اس رات جب ہم کھانے کے بعد روپ متی کے کمرے میں بیٹھے چائے پی رہے تھے تو روپ متی نے اس موضوع پر بات چھیڑی تھی۔

"مجھے افسوس ہے کہ میں نے تمہیں تمہاری مرضی کے خلاف یہاں روکے رکھا۔" وہ میری طرف دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھی "تمہیں اپنے ماتا پتا کے ہتیاروں (قاتلوں) کی تلاش ہے لیکن قسمت تمہیں یہاں لے آئی۔ میں تمہیں مزید نہیں روکنا چاہتی تم جب چاہو' جاسکتے ہو اور سلسلے میں مجھ سے جہاں تک ممکن ہوسکے گا' تمہاری مدد کروں گی۔"

"اب کچھ مصلحتیں ہیں جن کی وجہ سے میں کچھ عرصے پر مجبور ہوں۔" میں نے جواب دیا "تم جانتی ہو کہ حالات میں یہاں پہنچے ہیں۔ جہاز کے حادثے کے بعد پناہ کی تلاش میں چل پڑے تھے اور بدقسمتی سے وہ ہاتھ لگ گئے۔ اگر ہم دو چار دن میں پولیس سے کہہ کر انہیں اپنے بارے میں بتادیتے تو کوئی پریشانی نہ ہوتی۔ اب دو مہینوں سے زیادہ وقت گزر چکا ہے۔ اب اگر ان کے پاس جائیں گے تو ہم سے یہ ضرور پوچھا جائے گا کہ عرصہ کہاں اور کیوں غائب رہے اور تم۔" میں نے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے بات جاری رکھی "تم ضروری ہو۔ ایک سابق راجا کی بیٹی لیکن اب تم کی راج کماری ہو۔ اس کا تمہیں خود بھی اندازہ ہے۔ تم اس سلسلے میں ہماری کوئی مدد نہیں کرسکتیں۔ علاوہ۔" میں چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بات جاری ہوئے کہنے لگا "تم اس وقت جن حالات میں پھنس چکی نہیں اکیلا چھوڑ کر نہیں جاسکتا۔ کم از کم ان دو کا بندوبست کرنے کے بعد ہی یہاں سے جانے کا ام بناؤں گا۔"

"ہاتھی مرکر بھی سوا لاکھ کا۔۔۔ تم نے یہ ضرب المثل نی ہوگی۔" روپ متی نے مسکراتے ہوئے کہا "میں راج کماری سہی لیکن اب بھی میرے اندر دم خم ہے۔ بہت کچھ کرسکتی ہوں۔ تم نے خود ہی کہا تھا کہ دولت ب کچھ خرید اجاسکتا ہے۔ پہلے میں دولت کو بے مقصد ارہی تھی لیکن اب اس سے کام لوں گی۔ میں یہاں لوگوں کے جانے کا بندوبست کرسکتی ہوں۔"

"وہ کیسے؟" میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف

"جیسلمیر میں میرے خاندان کے کچھ لوگ آباد ہیں۔" نے کہا "جیسلمیر پاکستان کی سرحد کے قریب ہے۔ اس طرف سرحد پر چوری چھپے لوگوں کی آمدورفت ہے۔ سرحدی علاقوں میں اسمگلروں کی پارٹیاں سرگرم رہتی ہیں۔ وہاں کوئی نہ کوئی ایسا آدمی مل ہی جائے گا لوگوں کو سرحد پار کرادے گا۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے جواب دیا "لیکن پہلے تیج سنگھ کا بندوبست ہوجائے۔ اس کے بعد یہاں سے پروگرام بنائیں گے۔"

رات ہم دیر تک باتیں کرتے رہے پھر میں اٹھ کر اپنے کمرے میں آگیا۔ جانکی روپ متی کے پاس ہی بیٹھی رہی۔ ان دونوں میں اب خوب گاڑھی چھننے لگی تھی۔

وہ رات کا آخری پہر تھا۔ میں نیند میں کچھ بے چینی سی محسوس کررہا تھا اور پھر اپنے سینے پر ہلکا سا بوجھ محسوس کرکے میری آنکھ کھل گئی۔

کمرے میں نائٹ بلب کی نیلگوں روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ چند لمحوں تک تو میری سمجھ میں کچھ نہ آسکا اور پھر یہ سنسنی خیز انکشاف ہوا کہ جانکی میرے ساتھ لیٹی ہوئی تھی۔ اس کا ایک ہاتھ میرے سینے پر تھا اور ایک ٹانگ بھی میری ٹانگ پر تھی۔

مجھے سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ جانکی پر ایک بار پھر دورہ پڑا تھا۔ ریگستان میں وجے ٹھاکر کے ہتھے چڑھنے کے بعد سے وہ مجھ سے دور ہی رہی تھی۔ یہاں آنے کے بعد بھی ہم میں فاصلہ رہا تھا لیکن آج شاید اس کے صبر کا پیمانہ چھلک گیا تھا اور وہ موقع پاکر میرے بیڈ پر آگئی تھی۔

میرا خیال تھا کہ جانکی جاگ رہی ہوگی لیکن وہ گہری نیند میں تھی۔ میں نے بڑی آہستگی سے اسے اپنے سے الگ کیا اور بیڈ سے اٹھ کر دیوار کے قریب پڑی ہوئی سیٹی پر لیٹ گیا۔ جانکی کو اس طرح گہری نیند میں دیکھ کر میں سمجھ گیا تھا کہ وہ کسی بری نیت سے میرے کمرے میں نہیں آئی تھی لیکن اس کے ساتھ لیٹے رہنا میں نے مناسب نہیں سمجھا تھا۔ سیٹی پر لیٹتے ہی میں ایک بار پھر نیند کی آغوش میں پہنچ گیا۔

ریگستان میں تباہ ہونے والے جہاز کے گمشدہ چار مسافروں کی تلاش کی مہم اگرچہ سرکاری طور پر ختم کردی گئی تھی لیکن اخبارات اب بھی وقتاً فوقتاً اس سلسلے میں کچھ نہ کچھ لکھتے ہی رہتے تھے اور اس روز جے پور سے شائع ہونے والے انگریزی اخبار میں چھپنے والی ایک خبر نے مجھے چونکا دیا۔ خبر کیا تھی' ایک مختصر سا فیچر تھا اور مضمون نگار نے اس کی تیاری میں بڑی محنت کی تھی۔ گمشدہ چار مسافروں کے بارے میں بڑی تفصیل سے لکھا تھا۔ ناہید کے بارے میں تو لکھا تھا کہ وہ کراچی کی ایک کھیپیئی عورت تھی جو اسمگلنگ کے سلسلے میں کراچی اور سنگاپور کے درمیان چکر لگاتی رہتی تھی۔ اس مرتبہ وہ اپنی بیٹی کے ساتھ جہاز پر سفر کررہی تھی۔ اس کے بارے میں مضمون نگار نے اس خیال کا اظہار کیا تھا کہ ممکن ہے وہ بھی مرکھپ چکی ہوں اور صحرا کی ریت میں دفن ہوچکی ہوں۔

میرے اور جانکی کے بارے میں اس سے زیادہ تفصیل تھی۔ میرے بارے میں لکھتے ہوئے سنگاپور کے پولیس انسپکٹر چیانگ شو' میرے پڑوسیوں' والد کے دوستوں اور بنکاک کے کچھ لوگوں کے حوالے بھی دیے گئے تھے۔ اس فیچر میں میرے بارے میں بتایا گیا تھا کہ میرے بچپن میں میرے ماں

باپ کو پرانی دشمنی کی بنا پر قتل کردیا گیا تھا اور میں انتقام لینے کے لیے اپنے ماں باپ کے قاتلوں کا پیچھا کررہا تھا۔ اس اخباری اطلاع کے مطابق میں پاکستان جانے کے لیے جانکی دیوی کے ساتھ اس جہاز میں سفر کررہا تھا جو ریگستان میں گر کر تباہ ہوگیا تھا۔ مضمون نگار نے خدشہ ظاہر کیا تھا کہ ممکن ہے ہم دونوں بھی مرچکے ہوں لیکن اس کے ساتھ ہی اس نے اس قوی امکان کا بھی اظہار کیا تھا کہ ہوسکتا ہے ہم دونوں زندہ ہوں اور راجستھان کے کسی شہر میں موجود ہوں۔ اخبار نے آخر میں ایک نوٹ بھی لکھا تھا کہ اس سلسلے میں مزید تفصیلات آئندہ دو تین روز میں شائع کی جائیں گی۔

یہ مختصر سا مضمون جانکی اور روپ متی نے بھی پڑھا تھا اور یہ بھی غنیمت تھا کہ ریگستان میں وجے ٹھاکر کے ہاتھ آنے سے لے کر نیلام ہونے تک اور اس کے بعد بھی ہم نے اپنے اصل نام کسی کو نہیں بتائے تھے۔ صرف روپ متی ایسی تھی جسے میں نے جانکی کا نام بتایا تھا اور میرا نام تو اسے اب بھی معلوم نہیں تھا۔ وہ مجھے شریمان جی ہی کہتی تھی اور اسے تو یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ میں مسلمان ہوں لیکن اب اخبار میں یہ مختصر سا فیچر پڑھنے کے بعد وہ بڑی گہری نظروں سے میری طرف دیکھ رہی تھی۔

"ہوں۔" وہ گہرا سانس لیتے ہوئے بولی۔ اس کی نظریں میرے چہرے پر مرکوز تھیں "تم نے اپنے بارے میں بہت کچھ بتایا تھا لیکن کچھ باتیں تم نے مصلحتاً چھپائی تھیں۔ مثلاً۔"

"مثلاً یہ کہ میں مسلمان ہوں۔" میں نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا "تمہیں میرے دھرم کے بارے میں جان کر شاید دکھ ہوا ہو۔"

"بالکل نہیں۔" اس مرتبہ روپ متی نے میری بات کاٹ دی "میں تنگ نظر اور متعصب نہیں ہوں اور ویسے بھی میں خود کون سی اپنے دھرم کی پابند ہوں۔ دھرم کا تو محض ٹھپا ہے۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بولی "جانکی بھی ہندو ہے اور کئی سال سے تمہارے ساتھ ہے۔ میرا خیال ہے کہ ہم دین اور دھرم کے چکروں سے نکل جائیں تو بہتر زندگی گزار سکتے ہیں۔"

"ایسا بھی نہیں ہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا "دھرم کوئی بھی ہو اس میں ضابطۂ اخلاق اور ضابطۂ حیات ہوتا ہے۔ مذہبی پابندیاں نہ ہوں تو انسان جانوروں سے بھی بدتر ہوجائے۔ بہرحال، میں اس موضوع پر بحث نہیں کرنا چاہتا۔ مجھے تو یہ جان کر خوشی ہوئی کہ تم میں ایسا کوئی تعصب نہیں ہے۔"

"لیکن اس انکشاف کے بعد ہمارے لیے
ضرور پیدا ہوجائیں گی۔" روپ متی نے کہا "اگر
دھرمیش کو پتا چل گیا کہ تم دونوں وہی ہو تو وہ
مشکلات پیدا کرسکتے ہیں۔"

"انہیں کیسے پتا چلے گا۔" میں نے کہا "اخبا
تصویریں تو چھپی نہیں جن سے وہ ہمیں پہچان
بہرحال، ہم محتاط رہیں گے اور تم مجھے اس نام
جس نام سے مجھے دوستوں سے متعارف کرایا تھا
میں تو بھول گیا۔"

"ہمت سنگھ۔" روپ متی نے کہا "اور یہ
غلط نہیں رکھا تھا۔ تم واقعی ہمت والے ہو۔"
ہونٹوں پر مسکراہٹ آگئی۔

جانکی خاموش بیٹھی ہماری باتیں سن رہی
دیر بعد ہماری گفتگو کا موضوع بھی بدل گیا۔ دھر
سنگھ کے بارے میں بات کرتے ہوئے کملا کا
چونک گیا۔ مجھے یاد آیا کہ جب روپ متی نے کملا
لیے دھرمیش کے کپڑے لانے کے لیے کہا تھا تو
کوارٹر کی چابی کملا کے پاس تھی اور اس بات پر
بھی گئی تھی جس سے میں یہ اندازہ لگا چکا تھا
دھرمیش کے تعلقات کچھ زیادہ ہی گہرے تھے
دونوں بھائیوں نے حویلی میں آکر توڑ پھوڑ کر
کے کہنے کے مطابق کملا ایک طرف خاموش کھڑ
اور پھر ان کے ساتھ ہی چلی گئی تھی۔

ان ساری باتوں سے میں اس نتیجے پر پہنچا
شروع ہی سے ان کے ساتھ تھی اور موقع ملتے
ساتھ چلی گئی تھی۔

"کملا کا بیک گراؤنڈ کیا ہے؟" میں نے
طرف دیکھتے ہوئے کہا "وہ کب سے تمہارے پا
یہاں کس کے توسط سے آئی تھی؟"

"میری ایک دوست نے اس کے لیے
تھی۔" روپ متی نے جواب دیا "کملا دراصل
رہنے والی ہے۔ یہ قصبہ یہاں سے چند میل کے
ہے۔ اس کا باپ قصبے میں تانگا چلاتا تھا۔ شرابی
کوئی بھی ایسا عیب نہیں تھا جو اس میں نہ ہو۔
جوئے اور شراب میں اڑا دیتا پھر اس نے تانگا
اس کی بیوی لوگوں کے گھروں میں کام کرتی تھی
اسے جھوٹا موٹا کھانا اور کچھ پیسے مل جاتے تھے
پیسے چھین لیتا۔ اس نے گھر کی ساری چیزیں بیچ ڈا

کی نظریں جوان بیٹی پر پڑ گئیں۔ وہ اسے بھی بھیج دیتا
ف۔
کملا کی ماں شوہر کے مظالم سے تنگ آگئی تھی۔ اس
ب یہ سنا کہ وہ اپنی بیٹی کا بھی سودا کررہا ہے تو وہ کانپ
اس نے میری دوست لکشمی کو بتایا جس کے گھر کا کام
کرتی تھی۔ لکشمی اس کے شرابی شوہر کو ڈرا دھمکا کر کملا
پھر لے آئی۔

کملا کے باپ کو اس بات کا بڑا دکھ تھا کہ سونے کی چڑیا
کے ہاتھ سے نکل گئی اور وہ اپنی بیوی کو قصوروار سمجھتا
ایک رات شراب کے نشے میں اس نے اپنی بیوی کو اس
یہاں کہ وہ بے چاری جان سے ہاتھ دھو بیٹھی۔ اس کے
جیل ہوگئی۔

"کملا چار سال لکشمی کے پاس رہی۔ تقریباً ایک سال
امریکا جانے لگی تو کملا کو میرے حوالے کردیا۔ کملا اس
سے میرے پاس ہے۔" روپ متی چند لمحوں کو خاموش
پھر بات جاری رکھتے ہوئے گویا ہوئی "شروع میں تو یہ
ٹھیک رہی لیکن بعد میں پریشانی نکالنے لگی۔ ایک
میں نے اسے دھرمیش کے کوارٹر سے نکلتے ہوئے دیکھ
یہاں نے اسے ڈانٹا اور حویلی سے نکال دینے کی دھمکی بھی
تھی۔ وہ چند روز تک تو محتاط رہی لیکن پھر اسی ڈگر پر چل
میں نے اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا۔"

"اور میرا خیال ہے اب وہ دھرمیش کے ساتھ ہوگی۔"
نے اس کے خاموش ہونے پر کہا۔

"ظاہر ہے۔ وہ اور کہاں جاسکتی ہے۔" روپ متی نے
دیا۔

"اور یہ دونوں بھائی کہاں ملیں گے۔ ان کا کوئی ٹھکانا؟"
نے پوچھا۔

"چند مہینے پہلے میری عدم موجودگی میں تیج سنگھ ایک
حکومت کو حویلی میں لے آیا تھا۔ میں نے سرزنش کی تو
نے جھیل کے قریب ایک مکان کرائے پر لے لیا تھا۔
زام نوکروں کے لیے یہ دونوں بھائی اکثر وہاں جاتے
تھے اور میرا خیال ہے اب بھی وہیں ہوں گے۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے کہا "کل رات ہم ان کے گھر
اسکتے۔"

"چلیے۔" روپ متی نے گھور کر میری طرف دیکھا۔
ہم نہیں سے پہلے کہ وہ ہمارے خلاف کوئی اور حرکت
کیا بتا دینا چاہیے کہ ہم بے بس نہیں ہیں۔"
لاش متی مجھے گھورتی رہی مگر بولی کچھ نہیں۔

میں جانتا تھا کہ یہ پنگا لینے والی بات ہے لیکن اس کے بغیر چارہ نہیں تھا۔ وہ دو مرتبہ ہمارے خلاف سنگین نوعیت کی کارروائیاں کرچکے تھے۔ دوسری مرتبہ تو انہوں نے ہمیں موت کے گھاٹ اتارنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی اور میرے خیال میں تیسری مرتبہ انہیں پکل کرنے کا موقع نہیں دینا چاہیے تھا کیونکہ اس طرح وہ ہمیں کوئی نقصان بھی پہنچا سکتے تھے۔

نیلی شیراڈ مرمت ہوکر ورکشاپ سے آچکی تھی۔ اگلے روز ہم نے اسی گاڑی کا انتخاب کیا اور رات نو بجے کے قریب ہم تینوں اس گاڑی پر بیٹھ کر روانہ ہوگئے۔ میں ڈرائیو کررہا تھا۔ روپ متی میرے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھی ہوئی تھی اور جانکی پچھلی نشست پر تھی۔

سڑکوں پر ٹریفک کا ہجوم تھا۔ میرے اندر ابھی کچھ جھجک تھی اس لیے میں نے کار کی رفتار ہلکی ہی رکھی تھی۔

آدھے گھنٹے بعد ہم جھیل کے ساتھ والی سڑک پر پہنچ گئے۔ جھیل کے کناروں پر گنجان آبادی تھی۔ مختلف گلیوں میں گھومنے کے بعد روپ متی کے کہنے پر میں نے ایک جگہ کار روک لی۔

"یہ گلی مڑو گے تو دائیں طرف دوسرا مکان ہے۔"

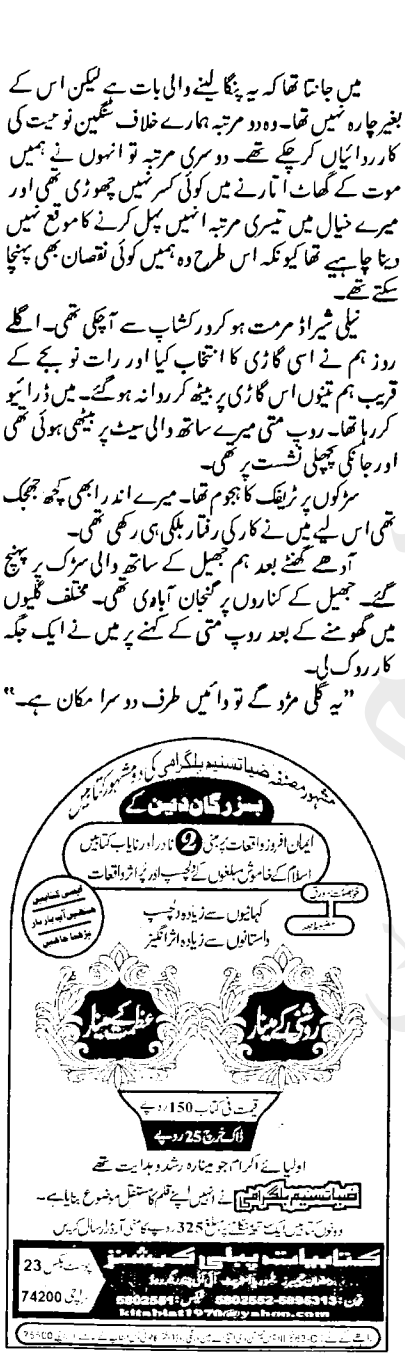
مشہور مصنف ضیا تسنیم بلگرامی کی دلچسپ ہوشربا تحریر
بزرگان دین کے
ایمان افروز واقعات پر مبنی 2 نادر اور نایاب کتابیں
اسلام کے خاموش مبلغین کے دلچسپ اور پُراثر واقعات
کہانیوں سے زیادہ دلچسپ
داستانوں سے زیادہ اثر انگیز
روشنی کرنیں
عظمت کے مینار
قیمت فی کتاب 150/- روپے
ڈاک خرچ 25 روپے
اولیائے اکرام جو مینارۂ رشد و ہدایت تھے
ضیا تسنیم بلگرامی نے انہیں اپنے قلم کا مستقل موضوع بنایا ہے۔
دونوں کتابیں ایک ساتھ منگوانے پر صرف 325 روپے کا منی آرڈر ارسال کریں
کتاب بیات پبلی کیشنز
23
74200
فون: 5823541 فیکس: 5823552-5836313

روپ متی نے اشارے سے بتایا۔

میں نے روپ متی کو کار ہی میں بیٹھے رہنے کو کہا اور جانکی کو اشارہ کرتے ہوئے نیچے اتر آیا۔

گلی زیادہ کشادہ نہیں تھی۔ تقریباً ہر مکان کے دروازے کے سامنے دو دو تین تین سیڑھیاں تھیں۔ اس مکان کے سامنے بھی تین سیڑھیاں تھیں۔ دروازہ ایک بالشت کے قریب کھلا ہوا تھا۔

میں چوروں کی طرح مکان میں داخل نہیں ہونا چاہتا تھا۔ میں نے سب سے اوپر والی سیڑھی پر کھڑے ہو کر دستک دی۔ کوئی جواب نہیں ملا۔ دوسری اور تیسری دستک کے جواب میں بھی خاموشی رہی۔ میں نے جانکی کو اشارہ کیا اور دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔

صحن بہت کشادہ اور فرش سرخ اینٹوں کا تھا۔ بائیں طرف مدھم روشنی کا بلب جل رہا تھا۔ دو کمرے دائیں طرف تھے۔ دو سامنے۔ بائیں طرف ایک چھ سات فٹ چوڑا گلیارہ سا تھا۔

سامنے اور دائیں طرف والے کمروں کے دروازے بند تھے اور اندر تاریکی تھی۔ میں اس گلیارے کی طرف بڑھ گیا۔ جانکی بھی میرے پیچھے تھی۔

سامنے نظر آنے والے کمروں کے پچھلی طرف بھی مختصر سا صحن تھا جس کے اختتام پر دائیں بائیں کمرے تھے۔ مجھے اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ پرانی طرز کے اس مکان میں دو خاندان رہائش پذیر تھے یا رہ سکتے تھے بلکہ ایسے مکان میں تو کئی کئی خاندان رہتے تھے لیکن اس وقت یہ مکان بظاہر خالی ہی نظر آ رہا تھا۔

میں کچھ اور آگے بڑھا تو بائیں طرف ایک کمرے کا دروازہ چند انچ کے قریب کھلا ہوا تھا اور اندر روشنی ہو رہی تھی۔

میں اور جانکی دبے قدموں دروازے کے قریب پہنچ گئے۔ میں دیوار کے ساتھ چپک کر کھڑا ہو گیا اور اندر سے کوئی آواز سننے کی کوشش کرنے لگا۔ مجھے ناکامی نہیں ہوئی۔ ایک نسوانی ہنسی کی دبی دبی سی آواز سنائی دے رہی تھی۔

جانکی بڑی آہستگی سے دروازے کے دوسری طرف چلی گئی اور اس سے پہلے کہ میں اندر جھانکنے کے لیے آگے جھکتا، اس نے جھری سے آنکھ لگا دی اور ایک جھٹکے سے سیدھی ہو گئی۔ اس کے چہرے پر بڑے ناگوار تاثرات ابھر آئے تھے۔ اس نے مجھے اشارہ کیا۔

میں بھی جھری سے آنکھ لگاتے ہی ایک جھٹکے سے سیدھا ہو گیا۔ اندر بہت ہی قابلِ اعتراض منظر تھا۔

تیج سنگھ بیڈ پر سیدھا لیٹا ہوا تھا اور کملا اس کے
تھی۔ اس کے جسم پر لباس برائے نام ہی تھا۔ کچھ
شدید جھٹکا لگا۔ کملا تو چھوٹے بھائی دھرمیش کی
لیکن اس وقت بڑا بھائی اس سے دل بہلا رہا تھا۔

میں نے جانکی کو اشارہ کیا اور پیر کی ٹھوکر
کھول کر اندر داخل ہو گیا۔ وہ دونوں بدحواس ہو
پڑے۔ کملا نے بیڈ سے چھلانگ لگا دی اور کرسی
چادر اٹھا کر اپنی برہنگی چھپانے کی کوشش کرنے لگی
تیج سنگھ بھی ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا
چھٹی سی نظروں سے میری طرف دیکھ رہا تھا جیسے
آنکھوں پر یقین نہ آ رہا ہو۔

جانکی بھی اندر آ کر دروازے کے سامنے
تھی۔ اسے دیکھ کر بھی تیج سنگھ کی آنکھیں پھٹی
تھیں۔ اس کے چہرے کا رنگ بھی پیلا پڑ گیا تھا لیکن
فوراً ہی اپنی کیفیت پر قابو پا لیا تھا۔

"تمہیں تمہاری موت ہی یہاں کھینچ لائی
میری طرف دیکھتے ہوئے غرایا "اب یہاں سے تمہا
ہی اٹھے گی۔"

"ابھی پتا چل جائے گا کہ ارتھی کس کی اٹھ
میں نے پرسکون لہجے میں جواب دیا "تم نے جو کھا
اب میری باری ہے۔"

جانکی مجھ سے دو قدم آگے نکل گئی تھی۔ اس
کی طرف تھا تاکہ اسے قابو میں کر سکے۔

"تمہارا منا کہاں ہے۔ اسے بھی بلا لو تاکہ
دونوں کا فیصلہ ہو سکے۔" میں نے تیج سنگھ کی طرف
کہا۔ "منا یہ رہا رے۔"

اپنے عقب سے آواز سن کر میں اچھل پڑ
سے پلٹا لیکن مجھے دیر ہو چکی تھی۔ دھرمیش کھا
ہوئی شراب کی بوتل سر پر لگی اور میری آنکھوں
نیلی پیلی چنگاریاں سی ناچنے لگیں۔ بوتل سر پر لگ
تھی اور شراب میرے سر اور چہرے کو تر
گردن پر بہنے لگی۔ سخت ناگوار بو میرے نتھنو
جا رہی تھی۔

میں لڑکھڑا گیا۔ اپنے آپ کو سنبھالنے کی کو
لیکن دوسرے ہی لمحے تیج سنگھ نے میرے اوپر چھ
اور مجھے دھکیلتا ہوا دیوار تک لے گیا۔ میرا
ٹکرایا اور دوسرے ہی لمحے میری نظروں کے سا
چادر پھیلتی چلی گئی۔

میرے دماغ میں دھماکے سے ہو رہے تھے۔ آنکھوں کے سامنے تاریکی بڑھ رہی تھی۔ میں سر کو زور زور سے جھٹکنے لگا۔ میرے ذہن میں اس وقت صرف ایک ہی بات تھی۔ اگر اس وقت میں نے اپنے حواس بحال نہ رکھے تو یہ میری زندگی کے آخری لمحات ہوں گے۔

تیج سنگھ نے ایک بار پھر مجھے گرفت میں لے کر دیوار کے ساتھ پٹخ دیا لیکن اس مرتبہ میرا سر دیوار سے نہیں ٹکرایا تھا۔ اس کے برعکس ایک اور کرشمہ یہ ہوا کہ زوردار جھٹکا لگنے سے میرے حواس بحال ہونے لگے تھے اور آنکھوں کے سامنے پھیلی ہوئی تاریکی بھی چھٹنے لگی اور پھر اسی لمحے میری سماعت سے ٹکرانے والی ایک نسوانی چیخ مجھے ہوش میں لے آئی۔ یہ چیخ اگرچہ کسی گہرے کنوئیں کی تہ سے آتی ہوئی محسوس ہوئی تھی لیکن اس آواز نے میرے ہوش و حواس کو جھنجوڑ کر رکھ دیا تھا۔

میں نے سر کو ایک اور زوردار جھٹکا دیتے ہوئے سامنے کھڑے ہوئے تیج سنگھ کی طرف دیکھا۔ اس کا چہرہ دھند میں لپٹا ہوا تھا لیکن دھند بتدریج چھٹتی چلی گئی اور اس کا چہرہ صاف دکھائی دینے لگا۔

ایسا مکروہ اور خوفناک چہرہ میں نے اس سے پہلے نہیں دیکھا تھا۔ تیج سنگھ اگرچہ خاصا خوب رو آدمی تھا مگر غصے کی شدت نے اس کے چہرے کو بگاڑ کر رکھ دیا تھا۔ انگارے برساتی ہوئی سرخ آنکھیں، بھنچے ہوئے بھاری جبڑے، خوں خوار بھیڑیے کی طرح نکیلے ہوئے دانت اور شدید تناؤ سے اس کے چہرے پر بے پناہ سفاکی آ گئی تھی۔ وہ اس وقت انسان نہیں کوئی خوں خوار درندہ ہی لگ رہا تھا۔

وہ نسوانی چیخ ایک بار پھر میری سماعت سے ٹکرائی۔ اس مرتبہ وہ آواز بہت واضح اور بہت قریب سے آئی تھی۔ میں نے غیر ارادی طور پر اس طرف دیکھا۔ جانکی دھرمیش کی گرفت میں تھی اور وہ اسے مسہری پر گرانے کی کوشش کر رہا تھا۔

تیج سنگھ نے ایک بار پھر دونوں ہاتھ میرے گریبان پر ڈال لیے۔ وہ اس مرتبہ بھی مجھے اٹھا کر پٹخنا چاہتا تھا لیکن اب میں نے اسے موقع نہیں دیا اور اپنے تمام حواس مجتمع کر کے اس کے چہرے پر زوردار ٹکر مار دی۔

تیج سنگھ کی ناک پر لگنے والی ٹکر خاصی زوردار تھی۔ وہ بلبلا اٹھا اور میرے گریبان سے ہاتھ ہٹا کر جھکتا چلا گیا۔ اس کا ایک ہاتھ اپنی ناک پر پہنچ گیا تھا۔ میں نے سنبھل کر اس کی طرف دیکھا۔ اس کی ناک سے بہنے والا خون ہاتھ کو تر کرتا ہوا فرش پر ٹپک رہا تھا۔

میں نے اسے سر کے بالوں سے پکڑ کر سیدھا کیا۔ اس کے چہرے پر کرب و اذیت کے بے پناہ تاثرات امڈ آئے تھے۔ شاید اس کی ناک کا ہانسا ٹوٹ گیا تھا۔ خون دھار کی صورت میں بہہ رہا تھا لیکن مجھے اس پر ذرا بھی ترس نہیں آیا۔ وہ میری جان کا گاہک تھا۔ میں اسے کس طرح معاف کر سکتا تھا۔ میں نے دوسرے ہاتھ کا گھونسا بنایا لیکن پھر مٹھی پوری طرح کھول دی اور کھلی ہتھیلی سے اس کے منہ پر ایک اور زبردست وار کیا۔ وہ ایک بار پھر چیخ اٹھا۔ اس مرتبہ اس کے منہ سے بھی خون بہہ نکلا تھا۔

وہ پیچھے کی طرف لڑکھڑاتا ہوا سائیڈ ٹیبل سے ٹکرایا لیکن فوراً ہی سنبھل گیا اور حیرت انگیز پھرتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس نے سائیڈ ٹیبل پر رکھی ہوئی شراب کی خالی بوتل اٹھائی اور دوسرے ہی لمحے پیچھے ہٹتے ہوئے اس نے بوتل زور سے دیوار پر ماری۔

بوتل پیندے کی طرف سے اس طرح ٹوٹ گئی کہ شیشے کی کئی نوکیں نکل آئیں۔ وہ بوتل کو گردن کی طرف سے پکڑے میری طرف بڑھا۔ اس کا چہرہ ایک بار پھر سفاکی کے نقاب میں چھپ گیا تھا۔ ناک اور منہ سے بہتے ہوئے خون سے اس کا چہرہ کچھ اور بھی بھیانک ہو گیا تھا۔

ٹوٹی ہوئی بوتل ایک خطرناک ہتھیار بن گئی تھی۔ وہ بوتل والا ہاتھ نکالے میری طرف بڑھ رہا تھا۔ ایک دو مرتبہ حملہ آور انداز میں اس نے ہاتھ کو حرکت بھی دی تھی لیکن میں پیچھے ہٹتا چلا گیا۔

میرا پاؤں فرش پر پڑی ہوئی ایک خالی بوتل پر پڑا۔ وہ بوتل فرش پر پھسل گئی۔ میں اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکا اور... لڑکھڑا گیا۔ میں نے اپنے آپ کو سنبھالنے کی بہت کوشش کی مگر کامیاب نہ ہو سکا اور پشت کے بل فرش پر گرا۔ اس سے پہلے کہ میں سنبھل سکتا، تیج سنگھ نے مجھ پر چھلانگ لگا دی۔

چھلانگ لگاتے ہوئے اس نے ٹوٹی ہوئی بوتل سے میرے چہرے پر حملہ کیا اگر میں غیر معمولی پھرتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس کا ہاتھ نہ روک لیتا تو خنجر کی طرح بوتل کی کئی نوکیں میرے چہرے کو اس طرح مسخ کر دیتیں کہ میں خود بھی اپنے آپ کو نہ پہچان سکتا۔

میں نے ایک ہاتھ سے اس کا وار روکا تھا لیکن پھر دوسرا ہاتھ بھی اس کی کلائی پر جما دیا۔ وہ میرے سینے پر سوار تھا اور بوتل والے ہاتھ کو پوری قوت سے نیچے لانے کی کوشش کر رہا تھا۔

اس میں بے پناہ طاقت تھی۔ بوتل آہستہ آہستہ میرے گلے کی طرف نیچے آرہی تھی۔ میں نے دانت بھینچ لیے اور میرے جسم کی پوری طاقت اس وقت میری بانہوں میں سمٹ آئی تھی۔ میں اس بوتل کو اپنی شہ رگ سے دور رکھنے کی بھرپور کوشش کررہا تھا۔

میں یہ اعتراف کرنے میں کوئی شرم محسوس نہیں کرتا کہ اس وقت میں واقعی شدید دباؤ میں تھا۔ میرے جسم کے مسام بڑی تیزی سے پسینہ اگلنے لگے تھے اور چہرے پر بھی پسینے کے قطرے ابھر آئے تھے۔ موت لحہ بہ لحہ میری شہ رگ کے قریب آرہی تھی۔

تیج سنگھ نے ہاتھ کو جھٹکا دیا۔ بوتل کا ایک کنارہ میری ٹھوڑی کو چھو گیا۔ ہاکا سا چرکا لگا اور خون رسنے لگا۔

اس کا ہاتھ نیچے اور نیچے آگیا تھا۔ میرے نرخرے اور بوتل کے درمیان خالبا ایک انچ یا اس سے بھی کم فاصلہ رہ گیا تھا اور یہ فاصلہ بتدریج کم ہورہا تھا۔ کسی بھی لمحے میرا نرخرا اُدھڑ سکتا تھا۔

"اب یا کبھی نہیں۔"

میرے دماغ میں ایک زوردار جھماکا ہوا اور مجھے یوں لگا جیسے میری بانہوں میں نئی قوت بھر گئی ہو۔ میں اس کا ہاتھ اوپر اٹھاتا چلا گیا۔ ٹوٹی ہوئی بوتل پہلے میرے گلے اور پھر میرے چہرے سے اوپر ہوتی چلی گئی اور پھر میں نے اس کے ہاتھ کو ایک زوردار جھٹکا دیا۔

تیج سنگھ دائیں طرف فرش پر الٹ گیا۔ اس کے ہاتھ میں پکڑی ہوئی بوتل دیوار سے ٹکرا کر مزید ٹوٹ گئی۔ اب اس کے ہاتھ میں صرف بوتل کی گردن رہ گئی تھی۔

میں بڑی تیزی سے اٹھ کر کھڑا ہوگیا اور اسے سنبھلنے کا موقع دیے بغیر اپنا پیر اس کی کلائی پر رکھ دیا اور دباؤ ڈالتا چلا گیا۔ اس کی مٹھی بتدریج کھلتی چلی گئی اور ٹوٹی ہوئی بوتل کی گردن بھی اس کے ہاتھ سے نکل گئی۔ میں نے دوسرے پیر سے اس کے اسی بازو کے کندھے پر زوردار ٹھوکر ماری۔

تیج سنگھ بلبلا اٹھا لیکن دوسرے ہی لمحے اس نے دوسرے ہاتھ سے میرے پیر کو پکڑ کر زوردار جھٹکا دیا۔ میں نے پوری قوت سے اچھل کر اپنا پیر اس کی گرفت سے چھڑایا اور ایک طرف ہٹ گیا اور بائیں ہاتھ کی ہتھیلی سے اپنی ٹھوڑی پر رسنے والا خون پونچھنے لگا۔

تیج سنگھ بھی بڑا جگرے والا آدمی تھا۔ جس طرح اس کی ناک کا بانسا ٹوٹا تھا اور شاید سامنے کے ایک دو دانت بھی اپنی جگہ سے ہل گئے تھے' اسے تو ہتھیار ڈال دینا چاہیے تھے لیکن وہ نہ صرف میرا مقابلہ کررہا تھا بلکہ مجھ پر حاوی ہونے کی کوشش بھی کررہا تھا۔

وہ بڑی پھرتی سے اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔ چند لمحے خوں خوار نظروں سے میری طرف دیکھتا رہا پھر ارنا بھینسے کی طرح حملہ آور ہوا مگر میں اسے طرح دے کر اپنے آپ کو بچا گیا اور وہ اپنی ہی جھونک میں دیوار سے جا ٹکرایا۔

میں نے دوسری طرف دیکھا۔ دھرمیش جانکی کو رگید رہا تھا لیکن جانکی بھی بڑی دلیری سے اس کا مقابلہ کررہی تھی اور دھرمیش ابھی تک اسے پوری طرح زیر نہیں کرسکا تھا۔

کملا چارپائی جسم پر لپیٹے کمرے کے ایک کونے میں کھڑی تھی۔ اس کی آنکھوں میں بے پناہ دہشت اور چہرے پر خوف تھا اور پھر وہ موقع پاکر دروازے کی طرف لپکی۔ میں اسے روکنا چاہتا تھا مگر اسی وقت تیج سنگھ نے ایک بار پھر پلٹ کر مجھ پر حملہ کردیا۔

میں غفلت میں اس مرتبہ مار کھا گیا اور وہ مجھے رگیدتا ہوا دیوار تک لے گیا۔ اس سے پہلے کہ میں سنبھل سکتا' اس نے میرے جبڑے پر دو تین بہت ہی کرارے قسم کے گھونسے جڑ دیے۔

میرا دماغ جھنجھنا اٹھا۔ میں نے تیج سنگھ کی کلائی گرفت میں لے کر دوسرے ہاتھ سے اسی بازو کی بغل میں ایک زوردار گھونسا مارا۔ وہ تقریبا ایک فٹ اوپر اچھلا تھا۔ میرا دوسرا گھونسا اس کے کندھے والے جوڑ پر پڑا۔ وہ بری طرح چیخ اٹھا۔ میں نے اس کی ٹانگوں کے بیچ میں گھٹنے سے ضرب لگا کر اسے چھوڑ دیا۔ وہ دہرا ہوگیا اور میں دھرمیش کی طرف لپکا۔ اس نے دونوں ہاتھ جانکی کے گلے پر جمارکھے تھے اور جانکی بری طرح ہاتھ پیر پٹخ رہی تھی۔ اس کے منہ سے خرخراہٹ کی عجیب ہٹی کٹی سی آوازیں نکل رہی تھیں۔

دھرمیش کے چہرے پر بے پناہ درندگی تھی۔ اس کے ہونٹوں سے کف بہہ رہا تھا۔ شاید اسے اس بات کا بھی غصہ تھا کہ اتنی دیر میں ایک عورت اس کے قابو میں نہیں آسکی تھی اور جب وہ اس کے قابو میں آئی تو اس پر جنون طاری ہوگیا تھا اور وہ جانکی کو جان سے مار ڈالنا چاہتا تھا۔

میں نے لپک کر دھرمیش کی پسلیوں پر زوردار ٹھوکر رسید کردی لیکن اس پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ میری دوسری ٹھوکر اس کی کھوپڑی پر پڑی۔ یہ وار کارگر ثابت ہوا اور وہ کراہتا ہوا دوسری طرف الٹ گیا۔ میں نے اسے ایک اور ٹھوکر رسید کردی۔ اس دوران میں تیج سنگھ میری طرف لپکا میں اپنی جگہ پر کھڑے کھڑے اچھلا اور اس کے چہرے پر فائٹنگ کک رسید کردی۔ وہ الٹ کر دروازے میں گرا۔

میرا خیال تھا کہ وہ اٹھ کر مجھ پر حملہ کرے گا لیکن اس نے سنبھلتے ہی دروازے سے باہر چھلانگ لگادی۔

"منا بھاگ!" وہ چیخا۔

منا یعنی دھرمیش بھی کھوپڑی سہلاتا ہوا اٹھ گیا تھا۔ میں نے لپک کر اسے گدی مارنا چاہی لیکن وہ بڑی پھرتی سے ایک طرف ہٹ گیا۔ میں اپنا توازن کھو بیٹھا اور لڑکھڑا کر گر گیا اور جب تک دھرمیش دروازے کی طرف دوڑ لگا چکا تھا۔

میں بھی اس کے پیچھے لپکا۔ میرا خیال تھا کہ وہ دونوں بھائی باہر والے دروازے کی طرف گئے ہوں گے لیکن بائیں طرف دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز سن کر میں نے اس طرف دیکھا۔ اس طرف دیوار کے ساتھ اوپر جانے کے لیے سیڑھیاں تھیں اور وہ دونوں سیڑھیوں پر دوڑے جارہے تھے۔ میں اس طرف لپکا لیکن وہ چھت پر پہنچ چکے تھے۔

میں دوڑتا ہوا کمرے میں واپس آگیا۔ جانکی مسہری پر پڑی تھی۔ اس کی آنکھیں جیسے حلقوں سے ابلی پڑ رہی تھیں۔ چہرہ بالکل سرخ ہورہا تھا۔ اسے شاید سانس لینے میں بھی دشواری پیش آرہی تھی۔ وہ ایک ہاتھ سے اپنا گلا سہلا رہی تھی۔

"جانکی۔ جانکی۔ ہوش میں آؤ۔" میں نے اسے سہارا دے کر اٹھادیا۔

"پپ... پانی..." اس کے حلق سے پھنسی پھنسی سی آواز نکلی۔

میں نے ادھر اُدھر دیکھا۔ الماری کے ساتھ ڈریسنگ ٹیبل پر شیشے کا جگ رکھا ہوا تھا جو آدھے کے قریب پانی سے بھرا ہوا تھا۔ میں نے ہاتھ بڑھا کر جگ اٹھالیا اور جانکی کے ہونٹوں سے لگادیا۔ کچھ پانی جانکی کے حلق میں گیا اور کچھ اس کی ٹھوڑی اور گلے پر بہتا ہوا شرٹ کو تر کرنے لگا۔

پانی کے ایک دو اور گھونٹ پینے کے بعد جانکی کے حواس بحال ہونے لگے۔ وہ متوحش نظروں سے ادھر اُدھر دیکھنے لگی۔

"وہ بھاگ گئے۔" میں نے اس کی نگاہوں کا مطلب سمجھتے ہوئے کہا۔

"تت... تم ٹھیک ہو...؟" وہ میری طرف دیکھنے لگی۔

"ہاں میں ٹھیک ہوں۔" میں نے جواب دیا "کیا تم اٹھ سکتی ہو۔ یہاں زیادہ دیر رکنا مناسب نہیں ہے۔"

میں دیکھ رہا تھا کہ جانکی بالکل نڈھال ہورہی تھی۔ میں نے اسے سہارا دے کر اٹھادیا اور بازو سے پکڑ کر دروازے کی طرف چلنے لگا۔ دو تین قدم چلنے کے بعد وہ سنبھل گئی۔ میں دروازے کے قریب رک کر ادھر اُدھر دیکھنے لگا۔

ڈریسنگ ٹیبل کی اوپر والی دراز ذرا سی کھلی ہوئی تھی اور اس میں کوئی چیز چمکتے دیکھ کر میں اس طرف بڑھ گیا اور دراز پوری طرح باہر کھینچ دی۔ اس کے ساتھ ہی میری آنکھوں میں چمک ابھر آئی۔

دراز میں ایک خطرناک خنجر تھا۔ کھلی ہوئی دراز میں وہی خنجر بلب کی روشنی میں چمک رہا تھا۔ خنجر کے ساتھ ہی چھوٹی نال والا ایک ریوالور بھی پڑا ہوا تھا۔ میں نے وہ ریوالور اٹھالیا۔ کھول کر دیکھا تو اس میں پوری گولیاں بھری ہوئی تھیں۔ وہ ریوالور میں نے جیب میں ڈال لیا اور خنجر اٹھا کر دیکھنے لگا۔ اس کے ایک طرف دھار تھی اور دوسری طرف درانتی کی طرح بہت باریک باریک دندانے بنے ہوئے تھے۔ میں نے خنجر بھی اپنے قبضے میں لے لیا۔ ان دونوں بھائیوں میں سے کسی کو یہ ہتھیار اٹھانے کا موقع نہیں ملا تھا۔ اگر ریوالور ان میں سے کسی کے ہاتھ میں آجاتا تو شاید صورت حال مختلف ہوتی۔

جانکی دروازے سے ٹیک لگائے کھڑی ایک ہاتھ سے گلا سہلا رہی تھی۔ میں نے اس کا دوسرا ہاتھ پکڑا اور کمرے سے باہر آگیا۔ وہ دونوں بھائی جس طرح بھاگے تھے' ان کے واپس آنے کی کوئی توقع نہیں تھی۔

بیرونی دروازے کے قریب آکر میں نے گلی میں ادھر اُدھر جھانکا۔ کوئی غیر معمولی بات نظر نہیں آئی تھی۔ ایک ادھیڑ عمر آدمی اور ایک عورت بائیں طرف جارہے تھے۔ مرد نے کندھے پر تین چار سال کے ایک بچے کو بٹھا رکھا تھا۔

میں نے جانکی کو اشارہ کیا اور ہم مکان سے نکل کر گلی میں آگئے۔ گلی کا موڑ مڑتے ہوئے مخالف سمت سے آنے والے دو اور آدمی بھی ملے تھے۔ وہ اپنے کسی گھریلو مسئلے پر بحث کرتے ہوئے چل رہے تھے اس لیے ہماری طرف کسی نے بھی توجہ نہیں دی تھی۔

روپ متی کی کار دوسری گلی میں موجود تھی لیکن جب ہم کار کے قریب پہنچے تو روپ متی کو کار میں نہ پاکر میرے دل کی دھڑکن تیز ہوگئی۔ میں ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ میرا خیال تھا کہ اپنے آپ کو دوسروں کی نظروں سے بچانے کے لیے روپ متی کار سے اتر کر کسی تاریک گوشے میں دبک گئی ہوگی۔

میں متجسس نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھنے لگا لیکن وہ کہیں دکھائی نہیں دی۔ میں نے سرگوشیانہ انداز میں اس کا نام لے

کرو دو تین مرتبہ پکارا بھی لیکن کوئی جواب نہیں ملا۔

میرے دماغ میں سنسناہٹ سی ہونے لگی۔ اگر روپ متی اپنے آپ کو دوسروں کی نظروں سے بچانے کے لیے کار سے اتر کر کہیں چھپی ہوتی تو ہمیں دیکھ کر یا میری آواز سن کر اسے سامنے آجانا چاہیے تھا۔

میرے ذہن میں طرح طرح کے وسوسے سر اُبھارنے لگے۔ میں نے جانکی کو کار کے قریب چھوڑا اور روپ متی کو اِدھر اُدھر کی گلیوں میں تلاش کرنے لگا۔ میں اس کا نام لے کر سرگوشیوں میں آوازیں بھی دے رہا تھا لیکن روپ متی کا کوئی سراغ نہیں ملا۔ میں واپس آگیا۔ جانکی کار سے ٹیک لگائے کھڑی تھی۔

وہاں سے چند گز کے فاصلے پر بجلی کے کھمبے پر بلب جل رہا تھا جس کی زرد روشنی یہاں تک بھی پہنچ رہی تھی۔ بلب کی روشنی میں جانکی کا چہرہ کچھ اور بھی پیلا سا لگ رہا تھا۔ اس کے بال بکھرے ہوئے تھے اور قمیص دائیں کندھے سے پھٹی ہوئی تھی۔ وہ اس وقت بھی گہرے گہرے سانس لے رہی تھی۔

میری حالت بھی کچھ اچھی نہیں تھی۔ ٹھوڑی کے زخم سے اب بھی بہت ہلکا خون رس رہا تھا جسے میں بار بار آستین سے پونچھ رہا تھا۔ میرے بال بکھرے ہوئے تھے۔ شراب کی بوتل میرے سر پر ٹوٹی تھی۔ میرے بال بھی بھیگے ہوئے تھے اور شرٹ بھی تر تھی۔ شراب کے بھبکے مسلسل میرے دماغ میں گھسے جارہے تھے اور میں اس وقت سے اب تک بڑی مشکل سے یہ بو برداشت کررہا تھا۔

ہم روشنی میں کھڑے تھے اور اس وقت تو ابھی رات کے گیارہ ہی بجے تھے۔ گلی میں اکا دکا لوگوں کی آمد و رفت بھی جاری تھی۔ جب کوئی ہمارے قریب آتا تو ہم رخ بدل لیتے۔ مجھے اندیشہ تھا کہ ہماری حالت دیکھ کر کوئی راہ گیر ہم سے پوچھ تاچھ شروع نہ کردے۔

"روپ متی نہیں ملی۔ کہاں گئی؟" جانکی نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"پتا نہیں کہاں غائب ہوگئی۔" میں نے ایک بار پھر اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

اچانک میرے ذہن میں ایک اور خیال ابھرا۔ وہ دونوں بھائی چھت پر سے بھاگے تھے۔ ہوسکتا ہے وہ مکان کی چھتوں ہی چھتوں پر ہوتے ہوئے اس طرف کہیں گلی میں اترے ہوں اور روپ متی کو اکیلے دیکھ کر اسے اپنے ساتھ لے گئے ہوں۔

"گاڑی میں بیٹھو۔ ہم زیادہ دیر یہاں انتظار نہیں کرسکتے۔" میں نے جانکی سے کہا اور اس کے لیے پچھلا دروازہ کھول دیا۔

جانکی کے بیٹھنے کے بعد میں بھی اوپر سے گھوم کر ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا۔

"تمہاری ٹھوڑی سے خون بہہ رہا ہے۔" جانکی نے سیٹ پر آگے جھکتے ہوئے کہا۔ اس کے لہجے میں تشویش نمایاں تھی۔

"ہاں۔" میں نے انجن اسٹارٹ کرتے ہوئے کہا۔ "غنیمت ہے کہ چوٹ ٹھوڑی تک ہی محدود رہی۔ اگر ٹوٹی ہوئی بوتل کی نوک میری شہ رگ کو چھو جاتی تو میں مرحوم ہو چکا ہوتا۔"

"ایسی باتیں منہ سے مت نکالا کرو۔" جانکی نے کہا۔ چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولی "روپ متی کو تلاش کرو گلیوں میں۔ اگر وہ ان حرام زادوں کے ہاتھ لگ گئی تو وہ کا حشر کردیں گے۔"

"مجھے شبہ ہے کہ وہ دونوں بھائی چھتوں سے ہوتے ہو اس گلی میں کودے ہوں گے اور یہاں روپ متی کو دیکھ اپنے ساتھ لے گئے ہوں گے۔" میں نے کہا۔

"مجھے تمہارے اس خیال سے اتفاق نہیں ہے۔" جا نے کہا "اگر انہوں نے یہاں روپ متی کو دیکھا ہوتا تو وہ گاڑی کو نظر انداز نہ کرتے۔ گلیوں میں پیدل دوڑنے سے لاکھ درجے بہتر ہوتی۔"

جانکی کا خیال بھی غلط نہیں ہوسکتا تھا۔ تیج سنگھ بری طرح زخمی تھا۔ دھرمیش کا چہرہ بھی جانکی نے اپنے ناخنوں سے نوچا تھا۔ وہ اپنے گھر سے بھاگے بھی ننگے پیر تھے۔ اس وقت ان کا حلیہ ایسا تھا کہ کوئی بھی شخص انہیں جرائم پیشہ سمجھ کر پولیس کے حوالے کرسکتا تھا۔ اگر وہ اس طرف آئے ہوتے تو روپ متی سے زیادہ اس گاڑی پر توجہ دیتے جو انہیں فرار ہونے میں مدد دے سکتی تھی۔ تو پھر روپ متی کہاں گئی؟

یہی سوچتے ہوئے میں نے گاڑی آگے بڑھا کر بائیں طرف کی ایک گلی میں موڑ دی۔ دراصل مجھے معلوم نہیں تھا کہ یہ راستہ آگے کس طرف جاتا تھا۔ میں تو گاڑی گلی موڑ کر ریورس میں لینا چاہتا تھا تاکہ جس راستے سے ہم آئے تھے اس راستے سے واپس جاسکیں۔

اس گلی میں اندھیرا تھا۔ میں نے کار کے ہیڈ لیمپس نہیں جلائے تھے۔ کار کو اس گلی میں موڑا ہی تھا کہ کوئی کار سے ٹکرا گیا۔ میں نے جلدی سے بریک لگادیے اور کے ساتھ ہی ہیڈ لیمپس روشن کردیے۔ دوسرے ہی لمحے میں مچھل پڑا۔

کار سے ٹکرانے والا وہ سایہ کملا تھی اور اس کے پیچھے روپ متی تھی جو کملا کو دھکے دیتی ہوئی لا رہی تھی۔ کملا نے بائیں ہاتھ سے اپنے جسم پر لپٹی ہوئی چادر پکڑ رکھی تھی لیکن اس کے جسم کا کچھ حصہ برہنہ ہو رہا تھا۔ ہیڈ لیمپس کی روشنی میں اس کے چہرے پر بے پناہ خوف نظر آرہا تھا۔

"اے روپ متی۔ کہاں غائب ہوگئی تھیں تم؟" میں نے انجن بند کرکے جلدی سے کار سے اتر آیا۔

"یہ کیتا اتفاق سے مجھے اس گلی سے نکلتی ہوئی نظر آگئی تھی۔" روپ متی نے جواب دیا "مجھے گڑبڑ کا احساس ہوا تو میں کار سے اتر کر اس کے پیچھے لپکی۔ اس نے بھی مجھے دیکھ لیا۔ کم بخت نے دوڑا دوڑا کر تھکا دیا۔ اس کا حساب کتاب تو میں حویلی میں جاکر کروں گی اور تم۔۔۔ زخمی ہو رہے ہو۔ ان دونوں حرامیوں کا کیا ہوا؟"

"وہ دونوں بھاگ گئے اور مجھے ٹھوڑی پر معمولی سی چوٹ لگی ہے۔ پریشانی کی کوئی بات نہیں۔ چلو گاڑی میں بیٹھو۔ ہم تو تمہیں گاڑی میں نہ پاکر پریشان ہوگئے تھے۔"

"تم اسے لے کر پیچھے بیٹھو۔ میں ڈرائیو کرتی ہوں۔" روپ متی نے کہا اور اوپر سے گھوم کر ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گئی۔

میں کملا کو بازو سے پکڑ کر دوسری طرف لے آیا۔ پہلے اسے دھکا دے کر اندر بٹھایا اور پھر خود بیٹھ کر دروازہ بند کرلیا۔ کملا میرے اور جانکی کے بیچ سینڈوچ بن کر رہ گئی تھی۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے جسم پر لپٹی ہوئی چادر کو سامنے سے سمیٹ کر پکڑ رکھا تھا۔

روپ متی نے انجن اسٹارٹ کرکے گاڑی اسی گلی میں بڑھا دی اور پھر مختلف گلیوں سے ہوتی ہوئی گاڑی ایک مین روڈ پر نکل آئی۔ میرے ساتھ جڑ کر بیٹھی ہوئی کملا بالکل خاموش تھی لیکن میں اس کے جسم کی کپکپاہٹ کو واضح طور پر محسوس کررہا تھا۔ وہ اس طرح پکڑے جانے پر خوف زدہ تھی اور خوف نے اس کی زبان بھی بند کر رکھی تھی۔

کار مختلف سڑکوں سے ہوتی ہوئی دیا نند مارگ میں چار دروازہ کی طرف نکل آئی اور وہاں سے سورج پول بازار اور رام گنج بازار کا چوک پار کرکے کھلاٹ دروازے سے ہوتی ہوئی کرہارک کی طرف نکل آئی۔

یہاں میں ایک بات اور بھی بتاتا چلوں کہ جے پور ایک تاریخی شہر ہے اس کی بنیاد مہاراجا جے سنگھ ثانی نے ۱۷۲۷ء میں رکھی تھی۔ اس نے تقریباً چوالیس سال جے پور پر راج کیا۔ اس نے جے پور شہر میں بہت سی خوب صورت عمارتوں کے علاوہ شہر کے نواح میں واقع پہاڑی پر ایک بہت مضبوط اور شان دار قلعہ بھی تعمیر کروایا تھا۔ یہ قلعہ ۱۷۳۴ء میں تعمیر ہوا تھا لیکن بعد میں آنے والے مہاراج اس میں ضرورت کے مطابق تبدیلیاں بھی کرتے رہے۔ اس قلعے کا قدیم نام تو سدھرشن گڑھ ہے مگر جے پور سے قلعے تک جانے والا راستہ چونکہ نہار گڑھ نامی بستی سے گزرتا ہے اس لیے اس کا نام ہی نہار گڑھ قلعہ پڑ گیا اور آج کل اسی نام سے جانا جاتا ہے۔

شہر کے تین اطراف میں پہاڑیاں اور ایک طرف ریگستان ہے۔ شہر کو دشمن کے حملوں اور ریگستان کی طرف سے اٹھنے والے ریت کے طوفانوں سے محفوظ رکھنے کے لیے اس کے گرد ایک بہت اونچی اور بہت مضبوط فصیل تعمیر کروائی گئی تھی۔ شہر میں آمد و رفت کے لیے سات مرکزی دروازے تھے جو آج بھی موجود ہیں اور مختلف ناموں سے پہچانے جاتے ہیں۔ بڑھتی ہوئی آبادی کے ساتھ ساتھ شہر فصیل کے باہر بھی چاروں طرف پھیلتا چلا گیا۔ اس قدیم فصیل کے بیشتر حصے آج اگرچہ غائب ہوچکے ہیں لیکن ان دروازوں سے اس کی عظمت کا اظہار ہوتا ہے۔

میں نے چار دروازہ اور گھاٹ دروازہ نامی جن دو دروازوں کا ذکر کیا ہے یہ دروازے بھی اسی فصیل کا ایک حصہ ہوا کرتے تھے۔ آج یہ ان علاقوں کے نام ہیں۔

آگرہ مارگ کی مرکزی سڑک پر کچھ فاصلہ طے کرنے کے بعد کار آدرش نگر کی طرف مڑ گئی۔ اس طرف مڑتے ہی مجھے بھی راستے کی سمجھ آگئی۔ روپ متی کی حویلی آدرش نگر ہی میں تھی۔

حویلی تک پہنچنے میں چند منٹ سے زیادہ نہیں لگے تھے۔ روپ متی نے دور ہی سے ہارن بجا دیا تھا۔ جب ہم قریب پہنچے تو حویلی کا گیٹ کھلا ہوا ملا۔ روپ متی رکے بغیر کار کو اندر لیتی چلی گئی۔

پورچ میں کار رکتے ہی تارا سنگھ وہاں پہنچ گیا۔ کار کا انجن بند ہوتے ہی میں اور جانکی بھی نیچے اتر آئے تھے۔ وہاں تیز روشنی تھی روپ متی فوراً ہی ہماری طرف متوجہ ہوگئی۔ جانکی اب بھی کچھ نڈھال سی ہو رہی تھی اور بار بار ایک ہاتھ سے اپنا گلا سہلا رہی تھی۔ روپ متی فوراً ہی اس کی طرف متوجہ ہوگئی تھی۔ میں نے بھی پہلی بار جانکی کو غور سے دیکھا۔ اس کے گلے پر دھرمیش کی انگلیوں کے نشان ثبت ہوکر رہ گئے تھے۔ نرخرے پر دو تین خراشیں بھی تھیں۔ خون تو نہیں

نکلا تھا البتہ وہ جگہ سرخ ہوگئی تھی۔

روپ متی میری طرف مڑ گئی۔ وہ جیسے ہی میرے سامنے آئی۔ ایک جھٹکے سے رک گئی اور مجھے گھورتے ہوئے بولی۔

"شراب کی بو... کیا..."

"جب ہم تیج سنگھ کے مکان میں داخل ہوئے تو تیج سنگھ کملا کے ساتھ داد عیش دے رہا تھا۔" میں نے مسکراتے ہوئے روپ متی کی بات کاٹ دی "اس کے فوراً ہی بعد دھرمیش بھی شراب کی نئی بوتل لے کر آگیا۔ میں ان کا مہمان تھا۔ انہوں نے شراب سے میری تواضع کرڈالی اور میں پوری بوتل..."

"دھرمیش نے شراب کی بوتل اس کے سر پر توڑ دی تھی۔" جانکی نے میری بات کاٹتے ہوئے کہا۔

"اوہ!" روپ متی بولی "میں بھی راستے بھر حیران رہی کہ گاڑی میں سے شراب کی بو کہاں سے آرہی ہے۔ لگتا ہے انہوں نے تم لوگوں کی کچھ زیادہ ہی تواضع کرڈالی تھی۔ تمہاری ٹھوڑی سے بھی خون بہہ رہا ہے۔ اندر چلو۔ اوپر میرے کمرے میں۔" اس نے کہا اور پھر قریب کھڑے ہوئے تارا سنگھ کی طرف دیکھ کر گویا ہوئی "اس کتیا کو کار سے اتار کر پیچھے سرونٹ کوارٹر میں لے جاکر بند کردو۔ میں تھوڑی دیر بعد اس سے بات کروں گی۔"

کملا ابھی تک کار ہی میں بیٹھی ہوئی تھی۔ تارا سنگھ نے اسے بازو سے پکڑ کر باہر کھینچا تو وہ روپ متی کے قدموں پر گر گئی۔ وہ اس طرح کانپ رہی تھی جیسے شدت کی سردی میں ٹھٹھر رہی ہو۔

"مجھے معاف کردو دیدی..." وہ اس کے پیر پکڑ کر گڑگڑائی۔ "مجھ سے غلطی ہوگئی۔ میں دھرمیش کے بہکاوے میں آگئی تھی۔ مجھے معاف کردو۔ آئندہ ایسی غلطی نہیں ہوگی۔"

"چپ رہ کتیا!" روپ متی نے اسے ٹھوکر مار کر دور گرا دیا "گندی نالی کے کیڑے گندی نالی ہی میں اچھے رہتے ہیں۔ لکشمی نے غلطی کی تھی کہ تمہیں تمہارے باپ سے بچالیا تھا اور اس سے بڑی غلطی مجھ سے ہوئی کہ میں تمہیں یہاں لے آئی۔ یہاں تمہیں کیا دکھ تھا۔ عیش کرتی تھیں لیکن بیچ آخر بیچ ہی ہوتے ہیں۔ تم اس تھالی میں سوراخ کرتی رہیں جس میں کھاتی تھیں۔ میں نے پہلی مرتبہ تمہیں دھرمیش کے ساتھ رنگ رلیاں مناتے ہوئے پکڑا تھا تو تنبیہہ کرکے چھوڑ دیا تھا۔ میرا خیال تھا کہ تم سدھر جاؤ گی لیکن تم وہی سب کچھ کرتی رہیں جس سے میں تمہیں روکنا چاہتی تھی لیکن وہ حرامی پتا نہیں تمہیں کیا سبز باغ دکھاتا رہا اور تم بھی اتنی غیرت نکلیں کہ بیک وقت دونوں بھائیوں کے ساتھ گل چھرے اڑاتی رہیں۔ بہت آگ لگی ہوئی ہے تمہارے اندر... میں بجھادوں گی یہ آگ... برف کی طرح ٹھنڈا کر دوں گی تمہیں۔"

"مجھے چھما (معاف) کردو راج کماری جی۔" کملا اس کے سامنے دونوں ہاتھ جوڑ دیے "میں مجبور تھی۔ وہ جان سے مار ڈالنے کی دھمکیاں دیتے تھے۔"

"لے جاؤ اسے تارا سنگھ۔" روپ متی نے یہ کہتے ہوئے کملا کو ایک اور ٹھوکر مار دی۔

تارا سنگھ اسے بازو سے پکڑ کر کھینچنے لگا۔ کملا کی چادر گر گئی۔ اس کے جسم پر لباس کے نام پر نہایت مختصر زیر جامہ تھا۔ تارا سنگھ پروا کیے بغیر اسے گھسیٹتا ہوا حویلی کے پچھواڑے کی طرف لے آیا۔

مندری بھی آوازیں سن کر پورچ میں آگئی تھی۔ تشویش آمیز نگاہوں سے مجھے اور جانکی کو دیکھ رہی تھی۔ اندر داخل ہوکر روپ متی کے پیچھے چلتے ہوئے اوپر اس کے کمرے میں آگئے۔

کمرے میں آتے ہی جانکی مجھ سے پہلے باتھ روم میں گھس گئی۔ واپس آنے میں اس نے تقریباً بیس منٹ لگا دیے۔ اس نے منہ دھو کر گلے پر اینٹی سیپٹک لوشن لگایا تھا۔ اس کے بعد میں باتھ روم میں گھس گیا۔ پہلے ٹھوڑی کا زخم صاف کرکے اینٹی سیپٹک لوشن لگایا اور پھر کپڑے اتار کر شاور کے نیچے کھڑا ہوگیا۔ میرے سر کے بال اور کپڑے اب بھی شراب سے تر تھے اور بو سے میرا دماغ پھٹا جارہا تھا۔ نہا کر میں نے ایک بار پھر ٹھوڑی پر لوشن لگایا اور پھر بڑا تولیا لپیٹ کر باتھ روم سے نکل کر کمرے میں رکھے ہوئے تیز قدم اٹھاتا ہوا نیچے اپنے کمرے میں آگیا اور دروازہ بند کرکے الماری سے کپڑے نکال کر پہننے لگا۔

میں جب دوبارہ اوپر پہنچا تو جانکی بھی کپڑے بدل چکی تھی اور مندری بھی میرے پیچھے ہی چائے لے کر کمرے میں داخل ہوئی تھی۔ وہ عقل مند عورت تھی۔ اسے احساس تھا کہ ہمیں کس وقت کس چیز کی ضرورت ہوسکتی ہے۔

"مندری۔ دیکھو اس دراز میں بینڈیج کے اسٹرپ ہوں گے۔ ایک نکال لاؤ۔" روپ متی نے کہا۔

مندری نے ڈریسنگ کی ایک دراز کھول کر کاغذ میں لپٹی ٹائٹ کور میں سے ایک بینڈیج اسٹرپ نکال کر روپ متی کی طرف بڑھا دیا۔ روپ متی نے کاغذ پھاڑ کر بینڈیج نکالی اٹھ کر میرے قریب آگئی۔ اس نے ایک ہاتھ سے پہلے میرا چہرہ اٹھایا اور پھر بڑی احتیاط سے زخم پر بینڈیج لگا دی۔ بینڈیج کے ساتھ ایڈ ہیسیو ٹیپ تھا جو میری جلد پر چپک گیا تھا۔ جانکی چائے کی چسکیاں لیتے ہوئے کن انکھیوں سے ہماری طرف دیکھ رہی تھی۔

"ان دونوں حرامیوں کا کیا ہوا؟" روپ متی نے اپنی کرسی پر بیٹھتے ہوئے سوالیہ نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔

"بھاگ گئے وہ دونوں۔" میں نے چائے کی چسکی لیتے ہوئے جواب دیا "اگر مجھے جانکی کی فکر نہ ہوتی تو ان میں سے ایک تو قابو آ ہی جاتا۔" میں چند لمحوں کو خاموش ہوا اور پھر تفصیل سے سب کچھ بتانے لگا۔ آخر میں' میں کہہ رہا تھا "اور جب ہم واپس آئے تو تمہیں غائب پاکر مجھے کچھ اور پریشانی ہوئی تھی۔ وہ تو اچھا ہوا کہ گلی میں کار ریورس کرتے ہوئے تم مل گئیں ورنہ ہم تمہیں وہیں چھوڑ آتے اور تم ہمیں ڈھونڈتی رہتیں۔"

"میں نے محض اتفاق سے کملا کو اس گلی سے نکلتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔" روپ متی نے میرے خاموش ہونے پر کہا "اس نے چادر لپیٹ رکھی تھی۔ میں نے اس پر توجہ نہیں دی تھی لیکن سامنے والی گلی میں داخل ہوتے ہوئے اس نے مڑ کر دیکھا تو کھمبے پر جلنے والے بلب کی روشنی میں اس کا چہرہ نظر آیا اور میں نے بھی کار سے اتر کر اس کے پیچھے دوڑ لگا دی۔" وہ خاموش ہوکر چائے کی چسکیاں لینے لگی اور پھر تفصیل سے بتانے لگی کہ اندھیری اور پر پیچ گلیوں میں کملا کو تلاش کرنے اور پھر اس پر قابو پانے میں اسے کیا کیا پاپڑ بیلنے پڑے تھے۔ وہ ایک بار پھر چائے کی چسکیاں لینے لگی اور چند لمحوں کی خاموشی کے بعد وہ کہہ رہی تھی۔

"تیج سنگھ کے کم از کم دو ٹھکانے ایسے ہیں جن کے بارے میں' میں جانتی ہوں لیکن مجھے یقین ہے کہ وہ ان دونوں میں سے کسی جگہ نہیں ملیں گے۔"

"مثلاً۔ وہ ٹھکانے کیسے ہیں۔ کیا تمہارے خیال میں وہ اپنے آپ کو وہاں محفوظ سمجھ سکتے ہیں؟" میں نے پوچھا۔

"ایک تو ان کا اکھاڑا ہے۔ اجمیری گیٹ کے قریب۔" روپ متی نے جواب دیا "وہ گنجان آبادی کا علاقہ ہے۔ میرے پاس آنے کے بعد وہ اگرچہ اکھاڑا بند کرچکے تھے لیکن کبھی کبھی وہاں جاتے رہتے تھے۔ بڑی لمبی چوڑی جگہ ہے۔ وسیع و عریض احاطے میں ایک طرف اکھاڑا ہے اور اس کے ساتھ ہی تقریباً ڈیڑھ سو سال پرانی وہ عمارت ہے جو اگرچہ کھنڈر بن چکی ہے لیکن اس کے کچھ کمرے اب بھی رہائش کے قابل ہیں۔ یہ عمارت دراصل تیج سنگھ کے استاد نتور سنگھ پہلوان کی ملکیت تھی۔ نتور سنگھ پہلوان کا دور قریب کا کوئی رشتے دار نہیں تھا اور وہ وسیع و عریض عمارت اسے ورثے میں ملی تھی۔ تیج سنگھ چالاک آدمی ہے۔ اس نے نتور سنگھ کو اس طرح شیشے میں اتار لیا کہ اس پہلوان نے اسے اپنا بیٹا بنالیا اور یہ عمارت اس کے نام لکھ دی۔ نتور سنگھ کا کوئی اور رشتے دار تو تھا نہیں جو اس کے اس فیصلے کو چیلنج کرتا۔ بہرحال' تیج سنگھ کے نام جائداد منتقل کرنے کے تقریباً چھ مہینے بعد نتور سنگھ پہلوان پراسرار طور پر ہلاک ہوگیا... اور اس کا دوسرا ٹھکانا۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بولی "بھگوان داس روڈ پر واقع ایک عالی شان بلڈنگ میں وہ لگژری فلیٹ ہے جو اس نے تقریباً ایک سال پہلے خریدا تھا۔ وہ دونوں بھائی چھٹیاں اس فلیٹ میں گزارہ کرتے تھے لیکن مجھے پورا وثوق (یقین) ہے کہ وہ ان دونوں میں سے کسی جگہ پر نہیں ملیں گے۔"

"مجھے تم سے اتفاق ہے۔" میں نے کہا "وہ یقیناً کسی ایسی جگہ پناہ لیں گے جس کے بارے میں تم نہ جانتی ہو۔"

"لیکن کملا ضرور جانتی ہوگی۔" روپ متی نے کہا "میں تو اب تک یہی سمجھتی رہی تھی کہ وہ صرف دھرمیش کے ساتھ گل چھرے اڑاتی رہی ہے لیکن یہ انکشاف تو میرے لیے بڑا ہی سنسنی خیز ہے کہ وہ دونوں بھائی اس بہتی گنگا میں ہاتھ دھوتے رہے ہیں۔ اب مجھے یاد آرہا ہے کہ وہ اکثر تیج سنگھ کے ساتھ بھی باہر جاتی رہی تھی۔ بہرحال' آؤ۔ کملا سے معلوم کرتے ہیں کہ ایسی صورت حال میں وہ کہاں پناہ لے سکتے ہیں۔"

وہ ہاتھ میں پکڑا ہوا خالی کپ میز پر رکھتے ہوئے اٹھ گئی۔ میں نے بھی سیٹ چھوڑتے ہوئے سوالیہ نظر سے جانکی کی طرف دیکھا۔

"تم لوگ جاؤ۔ میں سونا چاہتی ہوں۔" جانکی نے جواب دیا اور کرسی سے اٹھ کر روپ متی کے بیڈ پر لیٹ گئی۔ وہ یہیں سویا کرتی تھی۔ روپ متی کے ساتھ۔

میں روپ متی کے ساتھ نیچے آگیا۔ تارا سنگھ برآمدے میں کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ ہمیں دیکھ کر وہ اٹھ گیا۔

"وہ کہاں ہے؟" روپ متی نے پوچھا۔

"سرونٹ کوارٹر میں راج کماری۔" تارا سنگھ نے جواب دیا اور ہمارے آگے آگے چل دیا۔

تارا سنگھ نے اسے اپنے سرونٹ کوارٹر میں بند کیا تھا۔ دروازے کو باہر سے تالا لگا ہوا تھا اور چابی تارا سنگھ کے پاس

آتش فشاں 163 حصہ 4

موجود تھی۔

صحن والا دروازہ کھلا ہوا ہی تھا۔ میرا اندازہ درست نکلا۔ یہ کوارٹر دو کمروں کے تھے۔ کمروں کے سامنے برآمدہ تھا اور برآمدے میں بتی جل رہی تھی۔

تارا سنگھ نے جیب سے چابیوں کا گچھا نکالا اور ایک چابی منتخب کرکے دائیں طرف والے کمرے کا تالا کھولنے لگا۔ کمرے کے اندر بھی بتی جل رہی تھی جس کی روشنی دوپٹ والے دروازے کی جھریوں سے جھلک رہی تھی۔

تارا سنگھ نے تالا کھول کر دونوں ہاتھوں کے ہلکے سے دھکے سے دروازہ چوپٹ کھول دیا۔

دروازہ کھلتے ہی کمرے کے اندر کا منظر دیکھ کر میں اچھل پڑا۔

کملا ایک پھندے میں چھت سے لٹکی ہوئی تھی۔

میرے رونگٹے کھڑے ہوگئے اور دل کنپٹیوں میں دھڑکتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ بہت ہی خوفناک منظر تھا۔ کملا گلے میں پڑے ہوئے پھندے سے جھول رہی تھی۔ اس کی آنکھیں حلقوں سے ابلی ہوئی اور زبان باہر کو نکلی ہوئی تھی۔ وہ بے حد حسین لڑکی تھی لیکن اس وقت اس کا چہرہ بہت بھیانک ہوگیا تھا۔

اپنے قریب ہی ہلکی سی چیخ سن کر میں چونک گیا۔ وہ روپ متی تھی جو کملا کو اس طرح پھندے سے لٹکے ہوئے دیکھ کر چیخی تھی۔ اس کی آنکھوں اور چہرے پر بے پناہ دہشت تھی۔ ہمارے پیچھے کھڑا ہوا تارا سنگھ بھی دہشت زدہ سا نظر آرہا تھا۔

میں ایک بار پھر سامنے دیکھنے لگا۔ کمرے کی چھت کافی اونچی تھی۔ یہ لینٹر کی چھت نہیں تھی بلکہ تھوڑے تھوڑے فاصلے پر آہنی گارڈر ڈال کر چھت تیار کی گئی تھی۔

کملا نے بستر کی چادر کی ایک چوڑی پٹی پھاڑ کر اسے رسی کی طرح بٹ لیا تھا اور اسے چھت کے آہنی گارڈر میں سے گزار کر پھندا بنا کر اپنے گلے میں ڈال لیا تھا۔ رسی کو چھت کے آہنی گارڈر سے گزارنے اور گلے میں پھندا ڈالنے کے لیے ایک چھوٹی میز اور کرسی استعمال کی گئی تھی۔ میرا اندازہ ہی نہیں بلکہ یہ حقیقت' روز روشن کی طرح عیاں تھی کہ کملا چھوٹی میز پر کرسی رکھ کر اس کے اوپر چڑھی ہوگی۔ پہلے اس نے رسی گارڈر میں سے گزاری پھر گلے میں پھندا ڈال کر کرسی کو پیروں کے نیچے سے گرا دیا اور وہ پھندے سے لٹک رہ گئی۔ کرسی اور میز اس کی جھولتی ہوئی لاش کے عین نیچے فرش پر الٹی پڑی تھیں۔

میں اور میرے پیچھے روپ متی اور تارا سنگھ بھی کمرے میں آگئے تھے۔ تارا سنگھ نے تیزی سے آگے بڑھ کر پہلے میز سیدھی کی پھر کرسی اس کے اوپر رکھ کر اوپر چڑھ گیا اور آہنی گارڈر میں رسی کی گرہ کھولنے لگا۔ میں نے بھی آگے بڑھ کر پھندے سے جھولتی ہوئی کملا کی ٹانگوں کو گرفت میں لے لیا تاکہ رسی کھلنے سے وہ نیچے نہ گر سکے۔

تارا سنگھ کو وہ گرہیں کھولنے میں خاصی دشواری پیش آئی تھی۔ میں نے لاش کو سنبھال کر آہستگی سے نیچے تارا اور چارپائی پر ڈال دیا۔ تارا سنگھ نیچے اتر آیا۔ اس نے کرسی اور میز اٹھا کر ایک طرف رکھ دی اور وحشت زدہ سی نظروں سے میری طرف دیکھنے لگا۔ تارا سنگھ مارو دھاڑ کا آدمی تھا۔ جنگجو قسم کا۔ ممکن ہے زندگی میں ایک دو آدمی اس کے ہاتھوں مارے بھی جاچکے ہوں یا شدید زخمی ہوئے ہوں۔ وہ ایسی باتوں سے خوف زدہ ہونے والا نہیں تھا لیکن کملا کی لاش کو دیکھ کر وہ بھی دہشت زدہ سا ہوگیا تھا۔

میں نے کملا کے گلے پر سے بڑی مشکل سے پھندے کی گرہ کھول کر رسی اس کے گلے سے الگ کی۔ گلے پر رسی کا گہرا نشان بن گیا تھا۔ نرخرے کی جگہ دبی ہوئی نظر آرہی تھی۔

کملا کے جسم پر زیر جامے کے نام پر ایک نہایت ہی مختصر لباس تھا۔ میں نے اس کے سینے پر ہاتھ رکھ دیا۔ کوئی حرکت محسوس نہیں ہوئی۔ اس کے کان کے نیچے گردن پر ایک مخصوص جگہ پر انگلی رکھی۔ وہاں بھی خاموشی تھی۔ میں نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ چارپائی کے تکیے کے قریب چند اوچھنیاں کے علاوہ ایک چھوٹا آئینہ بھی رکھا ہوا تھا۔ میرا خیال ہے ساری چیزیں پہلے میز پر پڑی ہوں گی۔ میز استعمال کرنے کے لیے کملا نے یہ چیزیں اٹھا کر چارپائی پر ڈال دی تھیں۔ میں نے وہ آئینہ اٹھا کر کملا کی ناک کے نیچے لگا دیا لیکن بے سود۔ سوا کچھ نہیں ملا۔ کملا میں اگر زندگی کی رمق ہوتی تو خواہ بہت ہلکی ہی سہی' سانس کی آمد و رفت بھی ہوتی جس سے ناک کے نیچے رکھا ہوا آئینہ دھندلا جاتا لیکن آئینہ بالکل صاف تھا۔

کملا کو پھندے سے لٹکے ہوئے دیکھ کر ہی میں نے تارا سنگھ کو بتا دیا تھا کہ وہ ختم ہوچکی ہے لیکن یہ سب کچھ میں نے تارا سنگھ کو روپ متی کی تسلی کے لیے کیا تھا۔

کملا کا چہرہ بہت بھیانک ہو رہا تھا۔ میں نے بستر کی چادر کھینچ کر اس کے اوپر ڈال دی اور روپ متی کی طرف گیا۔

"ختم ہوچکی ہے۔" میں نے کہا۔ "ہمیں یہاں آ

...گھنٹے تو ہو ہی چکے ہیں۔ اگر کملا نے اس کے ایک ...بھی گلے میں پھندا ڈالا ہوگا تو اتنی دیر لٹکے رہنے کے ...کے زندہ بچ جانے کی توقع نہیں کی جاسکتی۔ پھندے پر ...دو منٹ میں ہی جان نکل جاتی ہے۔

...موت... کتنا بھیانک لفظ ہے۔ ہر ذی روح اس سے ...زدہ رہتا ہے۔ اپنے آپ کو اس سے بچانے کی ہر ممکن ...کی جاتی ہے لیکن... آتا ہتیا (خودکشی)... اپنے ...کو خود موت کے حوالے کرنا واقعی بہت جرأت اور ...کا کام ہے۔

...کملا نے خوف ہی کی وجہ سے اپنے آپ کو پھندے سے ...ختم کرلیا تھا۔ اس نے میرے ہاتھوں تیج سنگھ اور ...ش کا مشرد دیکھ لیا تھا۔ پکڑے جانے کے بعد اسے بھی ...تھا کہ اس کے ساتھ اس سے بھی زیادہ بدتر سلوک کیا ...گا۔ اس تشدد اور اذیت سے بچنے کے لیے اس نے ...کرلیا۔ اس کے خیال میں تمام تکلیفوں اور اذیتوں سے ...یہ ایک آسان راستہ تھا۔

...نے گھوم کر روپ متی کی طرف دیکھا۔ اس کی ...ں میں اب بھی وحشت سی بھری ہوئی تھی۔ اس کی ...دیکھتے ہوئے میں ایک اور بات سوچ رہا تھا۔ اگر پولیس ...واقعے کی اطلاع دی جاتی تو ہم خود ہی کسی چکر میں ...سکتے تھے۔ روپ متی کے ساتھ پولیس کا رویہ میں دیکھ ...کوئی بھی یہ تسلیم نہیں کرے گا کہ کملا نے خودکشی کی ...جب اس کی موت کی خبر سامنے آئے گی تو وہ دونوں ...ہی سامنے آجائیں گے۔ وہ پولیس کو بتائیں گے کہ ہم ...اغوا کرکے لے گئے تھے اور پھر اسے گلا گھونٹ کر ...دیا۔ میں جانتا تھا کہ پولیس ان دونوں بھائیوں کے ...اہمیت دے گی اور روپ متی ایک ایسے چکر میں پھنس ...جس سے نکلنا مشکل ہوجائے گا اور ظاہر ہے میں بھی ...ساتھ لپیٹ میں آجاؤں گا۔

"اب کیا ہوگا؟" روپ متی کی سرسراتی ہوئی آواز سن ...اس کی طرف گھوم گیا لیکن میرے کچھ بولنے سے پہلے ...کو بول پڑا۔

"پولیس کو خبر کردوں راج کماری جی؟"

"نہیں... نہیں رہنے...!" روپ متی اس زور سے چیخی تھی ...جی اچھل پڑا۔ "خبردار۔ اگر تمہاری زبان سے ایک ...نکلا تو..."

"نہیں... راج کماری جی۔" تارا سنگھ سہم گیا۔ "پولیس کو اطلاع دینے کا مطلب ہوگا کہ ہم کسی نئی مصیبت میں پھنس جائیں گے۔" میں نے روپ متی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "پولیس پہلے ہی تمہارے خلاف ہے۔ تمہیں بڑے آرام سے قتل کے کیس میں پھانس لیا جائے گا۔"

"تو پھر..." روپ متی بولی "لاش کو حویلی کے کمپاؤنڈ میں کسی جگہ دبا دیا جائے؟"

"نہیں۔" میں نے نفی میں سر ہلا دیا "کملا کی گمشدگی پر وہ دونوں بھائی پولیس کو تمہارے خلاف ضرور ورغلائیں گے۔ تم پر اس کے قتل کا شبہ بھی ظاہر کیا جائے گا۔ ہوسکتا ہے پولیس حویلی کی تلاشی بھی لے۔ ایسی صورت میں وہ سب سے پہلے کمپاؤنڈ پر توجہ دے گی۔ تازہ کھدی ہوئی جگہ پر فوراً شبہ ہوگا۔ لاش کو ٹھکانے لگانے کے لیے کوئی اور جگہ تلاش کرنی ہوگی۔"

"حرام زادی... کتیا...!" روپ متی کملا کی لاش کی طرف دیکھ کر دانت کچکچاتے ہوئے بولی "مرنے کے بعد بھی میرے لیے مشکلیں پیدا کرگئی۔"

"اب وہ تمہاری کوئی بات نہیں سن سکتی۔" میں نے کہا۔ "لاش کو ٹھکانے لگانے کے لیے ہمیں کوئی ایسی جگہ تلاش کرنی ہوگی جہاں سے اس کا سراغ نہ لگایا جاسکے۔"

"اس وقت ذہن میں صرف ایک ہی بات آرہی ہے۔" وہ بولی۔

"کیا؟" میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"سنگانیر۔" روپ متی نے جواب دیا "یوں تو بہت سی جگہیں ہیں جہاں اس حرافہ کی لاش کو پھینکا جاسکتا ہے لیکن سنگانیر ایسی جگہ ہے جہاں کئی روز تک اس کا پتا نہیں چل سکے گا۔"

"یہ کہاں ہے؟" میں نے پھر پوچھا۔

"یہاں سے تقریباً سولہ کلومیٹر جنوب میں ایک قدیم شہر ہے جو اب تقریباً کھنڈرات میں بدل چکا ہے۔ وہاں پختہ تاریخی عمارتیں اور قدیم مندر بھی ہیں۔ اگرچہ سیاح اس طرف جاتے رہتے ہیں لیکن اس لاش کو ان کھنڈروں میں کہیں بھی ڈالا جاسکتا ہے۔ ویسے بھی وہ علاقہ زیادہ تر جنگل سے پٹا پڑا ہے۔"

"تو پھر ہمیں دیر نہیں کرنی چاہیے۔" میں نے کہا "بہتر ہوگا کہ ہم دن کی روشنی طلوع ہونے سے پہلے پہلے اس لاش کو ٹھکانے لگا دیں۔"

"تارا سنگھ۔" روپ متی اس کی طرف مڑ گئی "اس لاش کو کسی بوری میں ڈال دو یا چادر میں گٹھڑی باندھ دو۔ میں

ابھی آرہی ہوں اور سنو۔۔۔" اس نے تارا سنگھ کے چہرے پر نظریں جما دیں "تمہاری زبان بند رہنی چاہیے۔ کملا کے بارے میں کوئی بات اس حویلی کی چار دیواری سے باہر نہ نکلے۔"

"میں نے آپ کا نمک کھایا ہے راجکماری۔" تارا سنگھ نے جواب دیا۔ روپ متی اس کی طرف دیکھتی ہوئی باہر چلی گئی۔

تارا سنگھ نے کملا کی لاش پر پڑی ہوئی چادر کھینچ کر فرش پر بچھا دی اور میری طرف دیکھنے لگا۔ میں نے اس کے ساتھ مل کر لاش اٹھا کر چادر پر ڈال دی۔ تارا سنگھ نے بڑی بے دردی سے لاش کی ٹانگیں موڑ کر گٹھڑی باندھ دی اور باہر جا کر کہیں سے بوری لے آیا۔ ہم دونوں نے مل کر وہ گٹھڑی اس بوری میں ڈال دی۔

تقریباً آدھے گھنٹے بعد وہ بوری سرونٹ کوارٹر سے نکال کر پیجارو کے پچھلے حصے میں ڈال دی گئی۔ مندری بھی برآمدے میں کھڑی تھی۔ جانکی کے بارے میں مندری نے بتایا کہ وہ سو چکی ہے۔

تارا سنگھ نے اسٹیئرنگ سنبھال لیا۔ مندری اس کے برابر پسنجرز سیٹ پر بیٹھ گئی۔ میں اور روپ متی پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئے۔ روپ متی نے لباس بدل لیا تھا۔ چہرے پر ہلکا سا میک اَپ بھی تھا اور وہ بڑی حد تک تر و تازہ نظر آرہی تھی۔ پیجارو حویلی کے گیٹ سے نکل کر تیزی سے ویران سڑکوں پر دوڑنے لگی۔

مندری کو ساتھ لے جانے والی بات میری سمجھ میں نہیں آئی تھی اور جب یہی سوال میں نے روپ متی سے کیا تو وہ مسکراتے ہوئے بولی۔

"جے پور ائرپورٹ بھی اسی طرف ہے۔ بعض اوقات اس طرف آنے جانے والی گاڑیوں کو چیکنگ کے لیے روک لیا جاتا ہے لیکن اگر گاڑی میں عورتیں ہوں تو چیک نہیں کیا جاتا۔"

روپ متی کی بات میری سمجھ میں آگئی تھی۔

اس وقت تین بجنے والے تھے۔ پیجارو آدرش نگر سے نکل کر موتی ڈونگری روڈ پر آگئی۔ یہی سڑک انڈسٹریل روڈ کو کراس کرتی ہوئی سنگانیر ائرپورٹ کی طرف چلی گئی تھی۔

اس سڑک پر اِکا دُکا گاڑیوں کی آمدورفت جاری تھی۔ شہر سے تقریباً پانچ کلو میٹر دور نکل آنے کے بعد تارا سنگھ نے پیجارو ایک اور ذیلی سڑک پر موڑ دی۔ یہ سڑک بالکل سنسان تھی۔

سنگانیر شہر کی قدر ترتیب میں واقع تھا۔ یہ شہر ویران نہیں تھا۔ بہت زیادہ قدیم عمارتیں کھنڈر میں تبدیل ہو چکی تھیں جبکہ باقی حصہ آباد تھا۔ شہر کے ویران کے ساتھ ایک گنجان اور بہت بڑا جنگل تھا۔ تارا سنگھ پیجارو اس جنگل کی طرف جانے والے راستے پر موڑ اور بالآخر ایک جگہ اس نے گاڑی روک لی۔

کسی بہت قدیم عمارت کے کھنڈر تھے۔ قد آدم جھاڑیوں، بیلوں اور بے تحاشا پھیلے ہوئے درختوں نے عمارت کو تقریباً چھپا رکھا تھا۔

تارا سنگھ نے انجن بند کردیا۔ تمام روشنیاں بھی بجھا دیں۔ اس کے ساتھ میں بھی نیچے اتر آیا۔ ہم دونوں نے کر بوری کو باہر نکالا جسے تارا سنگھ نے کندھے پر لاد کر عمارت کے کھنڈر کی طرف جھاڑیوں میں گھستا چلا گیا۔

میں گاڑی کے قریب کھڑا رہا۔ تارا سنگھ کی واپسی دس منٹ بعد ہوئی تھی۔ وہ ڈرائیونگ سائیڈ کا دروازہ کھول کر اپنی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ اس دوران میں، میں بھی پچھلی سیٹ پر بیٹھ چکا تھا۔

تارا سنگھ نے واپسی کے لیے دوسرا راستہ اختیار کیا۔ جنگل سے نکل کر گاڑی نئے شہر کے باہر ہی باہر ہوتی ہوئی ائرپورٹ کی طرف جانے والی سڑک پر نکل آئی۔ ائرپورٹ کی وجہ سے اس سڑک پر ٹریفک کی آمدورفت تھی۔ ہماری گاڑی بھی اس ٹریفک میں شامل ہوگئی۔

شہر کے پہلے چوراہے پر پولیس کی ایک پارٹی بعض گاڑیوں کو روک رہی تھی۔ ہماری گاڑی کو بھی روکنے کا اشارہ کیا گیا۔ تارا سنگھ نے رفتار کم کردی لیکن گاڑی کو جس طرح رکنے سے پہلے ہی پولیس والے نے آگے بڑھنے کا اشارہ کردیا۔ روپ متی نے ٹھیک ہی کہا تھا۔ پولیس والے سیٹ پر مندری کو بیٹھے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ روپ متی دوسری طرف بیٹھی ہوئی تھی۔ ہو سکتا ہے کانسٹیبل کی نظر پر بھی پڑی ہو لیکن میرا خیال ہے کہ مندری کو دیکھ کانسٹیبل نے گاڑی کو جانے کا اشارہ کردیا تھا۔

تقریباً پندرہ منٹ بعد ہم مختلف سڑکوں سے ہوئے حویلی پہنچ گئے۔

"تم جاکر سو جاؤ مندری۔" روپ متی نے اس کے بعد کہا "اور ایک بات یاد رکھنا۔ کملا یہاں تھی۔ اس روز تیج سنگھ اور دھرمیش کے ساتھ جا نہ تم نے کملا کو دیکھا نہ تم نے اس کے بارے میں دیوان سنگھ اور تارا سنگھ کو بھی یہ بات اچھی طرح

سمجھ گئی راج کماری۔" مندری سر ہلاتی ہوئی باہر چلی

روپ متی نے دروازہ بند کردیا۔ کلک کی ہلکی سی آواز تھ آٹومیٹک لاک کی تاب آن ہوگئی۔ مندری کے پاس ابی موجود تھی۔ صبح اندر آنے کے لیے وہ اپنی چابی سے کھولتی تھی۔ ویسے مندری عام طور پر حویلی کے اندر کمرے میں رہتی تھی لیکن اس وقت روپ متی نے اسے کیوں باہر نکال دیا تھا۔

ہم دونوں اوپر آگئے۔ روپ متی والے کمرے میں جانکی مزے نیند سو رہی تھی۔ ہم نے اسے ڈسٹرب کرنا مناسب سمجھا اور روپ متی مجھے اشارہ کرتی ہوئی کمرے سے باہر اوپر کی منزل پر اگرچہ اور کمرے بھی تھے لیکن روپ نے کیوں آئی تھی۔

میرا خیال تھا کہ وہ میرے کمرے میں آئے گی لیکن وہ راہداری میں مڑ گئی اور اس کے ساتھ میں جس میں داخل ہوا اسے دیکھ کر میری آنکھیں مارے کے کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ یوں تو پوری حویلی ہی کسی محل پیش کرتی تھی لیکن اس وسیع و عریض کمرے کو دیکھ کر جیسے میں واقعی کسی شاہی محل میں آگیا ہوں۔

ت شان دار کمرا تھا۔ درمیان میں ایک بہت بڑا بیڈ تھا جس پر ہلکے گلابی رنگ کی ریشمی چادر بچھی ہوئی فرش پر دبیز قالین تھے اور بہت قیمتی اور آرام دہ پنے ہوئے تھے۔

روپ متی بیڈ پر ڈھیر ہوگئی اور میں اس کے سامنے ایک پر بیٹھ گیا۔

اب یہ ایک نئی پریشانی پیدا ہوگئی۔" روپ متی میری پتے ہوئے بولی "اگر ان دونوں بھائیوں کو شبہ ہوگیا کہ کو پکڑ لائے تھے تو وہ میرے خلاف ایک نیا محاذ کھڑا

تمہارے خلاف نہیں میرے خلاف۔" میں نے تصحیح ا کم آج رات تو تم پکچر میں نہیں آئیں۔ ان دونوں مجھے اور جانکی کو دیکھا تھا۔ کملا وہاں ہماری میں ہی بھاگ گئی تھی۔ کملا کی گمشدگی کے بارے میں ولی شبہ ہوا تو ہم دونوں پر ہوگا۔"

لیکن وہ مجھے نظر انداز نہیں کریں گے۔" روپ متی ب دیا "وہ تو تمہیں دیکھتے ہی سمجھ گئے ہوں گے کہ ہاں سے ہی لے کر آئی ہوں۔"

ہ یہ دوسرا ۔۔۔ یہ بات میرے ذہن میں نہیں رہی تھی۔" میں نے کہا "لیکن اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ انہیں تلاش کس طرح کیا جائے۔"

"میرا تو خیال ہے کہ ہمیں یہ زحمت کرنے کی بھی ضرورت نہیں۔" روپ متی نے جواب دیا "دو چار دن تو وہ کسی پناہ گاہ میں دبکے رہیں گے اور پھر خود ہی سامنے آجائیں گے۔ اس وقت دیکھا جائے گا۔"

"ٹھیک ہے۔" میں یہ کہتے ہوئے صوفے پر نیم دراز ہوگیا۔ صوفہ اس قدر نرم تھا کہ میں اس کے اندر دھنسا جارہا تھا۔

"تم یہاں بیڈ پر آجاؤ۔ میں صوفے پر لیٹ جاتی ہوں۔" روپ متی یہ کہتے ہوئے بیڈ سے اتر گئی۔

میرے منع کرنے کے باوجود وہ اس بات پر مصر رہی کہ میں بیڈ پر سو جاؤں اور بالآخر مجھے اس کی بات ماننی پڑی۔

آج کی اس بھاگ دوڑ نے مجھے بری طرح تھکا دیا تھا۔ تھوڑی دیر میں بھی تکلیف ہو رہی تھی لیکن اس تکلیف سے قطع نظر میں آرام دہ بستر پر لیٹتے ہی سو گیا۔

میں ابھی زیادہ گہری نیند میں نہیں تھا کہ میری آنکھ کھل گئی اور پھر مجھے یوں لگا جیسے بچھو نے ڈنک مار دیا ہو۔ روپ متی میرے ساتھ لپٹی ہوئی تھی۔ اب میں سمجھ گیا کہ وہ مجھے اس کمرے میں کیوں لائی تھی۔

میں نے اسے اپنے سے الگ کرنا چاہا تو وہ اور بھی سختی سے میرے ساتھ لپٹ گئی۔ وہ جاگ رہی تھی۔

"پلیز! مجھے اسی طرح لیٹے رہنے دو۔" وہ خوابیدہ سے لہجے میں بولی "زندگی میں پہلی بار ایسا سکون مل رہا ہے۔ مجھے اس سے محروم نہ کرو۔"

میرے منہ سے گہرا سانس نکل گیا اور میں بے حس و حرکت پڑا رہا۔ روپ متی میرے ساتھ لپٹی رہی اور پھر وہ سو گئی۔

میں نے یہ آدھا گھنٹا کانٹوں کی سیج پر گزارہ تھا۔ روپ متی اس وقت گہری نیند میں پہنچ چکی تھی۔ میں نے بڑی آہستگی سے اسے اپنے سے الگ کیا اور اس سے بھی زیادہ احتیاط اور آہستگی سے بیڈ سے اتر کر ننگے پیر قالین پر چلتا ہوا دروازے کی طرف آگیا۔ دروازہ کھول کر میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا اور باہر نکل کر آہستگی سے دروازہ بھیڑ دیا۔

ہال میں آکر میں ایک صوفے پر ڈھیر ہوگیا اور گہرے گہرے سانس لینے لگا۔ اس وقت میرے دماغ میں سنسناہٹ ہو رہی تھی اور میں پندرہ بیس منٹ بعد اپنی کیفیت پر قابو پا سکا تھا اور پھر پتا نہیں کب میری آنکھ لگ گئی۔

میں دس بجے کے قریب بیدار ہوا تھا۔ جانکی میرے سامنے دوسرے صوفے پر بیٹھی ہوئی تھی اور مندری بھی کام کرتے ہوئے اِدھر اُدھر گھوم رہی تھی۔ مجھے دیکھ کر وہ کچن کی طرف چلی گئی۔

میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔ جانکی گہری نظروں سے میری طرف دیکھ رہی تھی۔

"کیا بات ہے۔ اتنی بڑی حویلی میں تمہیں کوئی کمرا نہیں ملا تھا اور روپ متی بھی اپنے کمرے کے بجائے اس کمرے میں سوئی ہوئی ہے اور میرا خیال ہے اس صوفے پر آنے سے پہلے تم بھی وہیں تھے۔"

"ہاں۔ میں نے روپ متی کو لوری سنا کر' تھپک تھپک کر سلا دیا اور خود یہاں آگیا تھا۔" میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"آج کل تم عورتوں کو بہت تھپکیاں دینے لگے ہو۔ نیت میں فتور تو نہیں آرہا؟" جانکی نے مجھے گھورا۔

"تھپکیاں تو میں نے کل تیج سنگھ کو بھی دی تھیں۔" میں نے جواب دیا۔ "بہرحال' تمہارے گلے کی تکلیف کیسی ہے؟" میں نے موضوع بدل دیا۔

"بہتر ہے۔ صبح تارا سنگھ کو بازار بھیج کر دوا منگوائی تھی۔ اس سے کافی فرق پڑا ہے۔" جانکی نے جواب دیا۔

"رات ہم تمہارے کمرے میں آئے تو تم سو رہی تھیں اسی لیے ہم دوبارہ نیچے آگئے تھے۔" میں نے کہا۔

"میرے کمرے میں آئے تھے؟ کہاں گئے تھے تم لوگ؟" اس نے گھورتی ہوئی نظروں سے میری طرف دیکھا پھر جیسے کچھ یاد آجانے پر بولی "اوہ... تم لوگ کملا سے پوچھ تاچھ کے لیے سرونٹ کوارٹرز میں گئے تھے۔ کیا بتایا اس نے؟"

میں نے جواب دینے کے بجائے اس کے چہرے پر نظریں جمادیں۔ اسی وقت مندری میرے لیے چائے لے کر آگئی۔

"تمہیں مندری نے کچھ نہیں بتایا؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں تو۔ کوئی خاص بات؟" جانکی بولی۔

میں نے مندری کی طرف دیکھا۔ اس نے نظریں چرالیں۔ میں سمجھ گیا۔ رات کو روپ متی نے کہا تھا کہ وہ کملا کے سلسلے میں زبان بند رکھے گی اور اسی لیے اس نے جانکی کو بھی کچھ نہیں بتایا تھا۔

"کیا بات ہوئی۔ تم نے بتایا نہیں؟" جانکی نے پہلے مندری کی طرف دیکھا اور پھر سوالیہ نگاہوں سے میری طرف دیکھنے لگی۔

"کملا نے خودکشی کرلی۔" میں نے جواب دیا۔

"کیا...؟" جانکی اچھل پڑی۔

"رات کو جب ہم سرونٹ کوارٹر میں داخ اس کی لاش پھندے میں لٹکی ہوئی تھی۔" میں اور پھر اسے تفصیل بتانے لگا۔ آخر میں "روپ متی نے اسے دونوں بھائیوں کا طعنہ دیا طعنہ سن کر اس کی غیرت جاگ اٹھی اور اس پھندا ڈال کر آتما ہتیا (خودکشی) کرلی یا وہ اس قد زدہ ہوگئی تھی کہ متوقع تشدد اور اذیت سے بچنے ہی اپنے آپ کو موت کے حوالے کردیا۔"

"اب کیا ہوگا؟" جانکی نے الجھی ہوئی نظرو طرف دیکھا۔

"جو کچھ بھی ہوگا دیکھا جائے گا۔" میں۔ "اوکھلی میں سر دیا ہے تو موسلے تو پڑیں گے ہی۔"

اس کے بعد خاموشی ہی رہی۔ چائے پی دیر بعد میں اپنے کمرے کے باتھ روم میں چلا گیا آدھے گھنٹے بعد میں لان میں مالی کے ساتھ پودا رہا تھا۔

○☆○

دو دن گزر گئے۔

اس دوران میں نہ تو تیج سنگھ اور دھرمیش کوئی ردِعمل سامنے آیا اور نہ ہی کملا کی لاش کچھ سنا گیا جس کا مطلب تھا کہ اس کی لا دریافت نہیں ہوئی تھی۔ اگر لاش دریافت اخبارات میں اس کے بارے میں کوئی خبر ضرور

وہ چوتھا دن تھا۔ منگل کا دن اور پورن ما چودھویں رات کی۔ مندری ویسے تو روزانہ ہی ہی واقع ایک چھوٹے سے مندر میں پوجا کے لیے لیکن پورن ماشی کی شب وہ سنگھ پول گیٹ کے مندر میں گزارتی تھی۔ روپ متی اسے اس سے اگلے دن کی چھٹی دے دیا کرتی تھی اور شام کے بعد تارا سنگھ یا دیوان سنگھ گاڑی لے چھوڑ بھی آیا کرتا تھا۔

اس روز شام سے ذرا پہلے مندری جا کرنے لگی تو جانکی بھی اس کے ساتھ جانے کو تی "میں میرے لیے انوکھی بات ہے۔" گھورتے ہوئے کہا "تم تو دین دھرم کی قید تمہیں پوجا پاٹ کا خیال کیسے آگیا؟"

"کسی درخت کی ایک آدھ شاخ سوکھ جائے تو اس کی جڑیں ختم نہیں ہوجاتیں۔" جانکی نے مسکراتے ہوئے جواب دیا "میری جڑیں تو اس دھرم ہی میں ہیں نا اور جڑیں ابھی سوکھی نہیں ہیں۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بولی "مندری نے اپنے کمرے کے ایک حصے میں چھوٹا سا ایک مندر بنا رکھا ہے۔ تم نے اس کا کمرا نہیں دیکھا۔ میں نے دیکھا ہے۔ وہ روزانہ صبح سویرے اس چھوٹے سے مندر میں رکھی ہوئی درگا ماں کی پوجا کرتی ہے تو مجھے بہت اچھا لگتا ہے۔ میرا بھی دل چاہتا ہے کہ میں بھی کسی بھگوان' دیوی یا دیوتا کی پوجا کروں اس لیے آج میں بھی مندری کے ساتھ مندر جارہی ہوں۔"

"ہندو دھرم میں تو سیکڑوں بھگوان اور ہزاروں دیویاں اور دیوتا ہیں۔ تمہارے من میں کوئی خاص...؟"

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔" جانکی نے میری بات کاٹ دی "پوجا کالی ماں کی کی جائے' گنیش دیوتا کی' شیر انوالی کی یا ہنومان کی۔ پرارتھنا تو (دعا' التجا' درخواست) بھگوان سے ہی کی جاتی ہے۔"

جانکی کی اس توجیہ پر میں مسکرائے بغیر نہیں رہ سکا۔ اس کے دل میں دھرم سے کوئی لگاؤ نہیں تھا۔ مندری کو پوجا کرتے دیکھ کر اس کے دل میں بھی شوق اٹھا تھا اور وہ محض شوقیہ طور پر اس کے ساتھ جارہی تھی۔

"ٹھیک ہے۔" میں نے کہا "تم مندری کے ساتھ جارہی ہو تو صبح ہی واپس آؤ گی۔"

"ہاں... اور تم اپنا خیال رکھنا۔" جانکی نے معنی خیز انداز میں کہا۔ یہ بات کہتے ہوئے اس کے ہونٹوں پر بھی خفیف سی مسکراہٹ آگئی تھی۔

مندری اور جانکی آٹھ بجے کے قریب حویلی سے رخصت ہوگئیں۔ دیوان سنگھ انہیں شیراڈ پر لے گیا تھا۔ اب صرف تارا سنگھ رہ گیا تھا۔ روپ متی نے نو بجے کے قریب کھانے کے بعد اسے بھی چھٹی دے دی۔

"تم بہت دنوں سے اپنے بھتیجے کے پاس جانا چاہتے تھے تم اس کے پاس چلے جاؤ اور ہاں۔ خالی ہاتھ مت جانا۔ اس کے بچوں کے لیے مٹھائی ضرور لے جانا۔" اس نے مٹھی میں دبا ہوا سو روپے کا نوٹ اس کی طرف بڑھادیا۔

تارا سنگھ نے اس کے ہاتھ سے نوٹ لیتے ہوئے معنی خیز نگاہوں سے باری باری ہم دونوں کی طرف دیکھا اور سرونٹ کوارٹر کی طرف چلا گیا۔ چند منٹ بعد وہ ایک پھولا ہوا شاپنگ بیگ ہاتھ میں لٹکائے واپس آگیا۔

"تارا سنگھ کی بیوی کوئی اولاد پیدا کیے بغیر اس جہاں سے سدھار گئی تھی۔" روپ متی نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"اس نے دوسری شادی نہیں کی۔ جے پور میں اس کا بھتیجا رہتا ہے جس کے بچوں سے اسے بہت پیار ہے۔ اپنی تنخواہ میں سے پیسے بچا بچا کر ان کے لیے چیزیں خرید تا رہتا ہے اور ہفتے میں ایک مرتبہ وہاں ضرور جاتا ہے لیکن اس مرتبہ اسے جانے کا موقع نہیں مل سکا اس لیے آج میں نے اسے چھٹی دے دی۔"

تارا سنگھ ایک لمحے کو ہمارے قریب رکا۔ اس نے ہم دونوں کو پرنام (سلام) کیا اور پھر "جے رام جی" کی کہتا ہوا گیٹ کی طرف چلا گیا۔ ہم اس وقت برآمدے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ گیٹ کا ذیلی دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔ اس نے باہر سے دروازہ بھیڑا تو آٹومیٹک لاک کی کلک کی ہلکی سی آواز یہاں بھی سنائی دی تھی۔

میں برآمدے سے اٹھ کر ٹہلتا ہوا لان میں آگیا۔ لان میں بانس کی کھپچیوں سے بنی ہوئی آرام دہ کرسیاں اور میز بھی رکھی ہوئی تھی۔ میں ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ لان کے وسط میں پختہ روش پر فینسی الیکٹرک پولز پر بلب بھی جل رہے تھے۔ اوپر لگے ہوئے شیڈز کی وجہ سے ان کی روشنی زیادہ دور تک نہیں پھیل رہی تھی۔ لان کے دوسرے حصے میں خوب صورت حوض میں فوارہ بھی چل رہا تھا۔ مدھم روشنی اور سبزے میں گھرے ہوئے یہاں بیٹھنا اور بھی اچھا لگ رہا تھا۔ کسی طرف سے آنے والی' رات کی رانی کی بھینی بھینی مہک بھی نتھنوں سے ٹکرا رہی تھی۔

میں جب اٹھ کر اس طرف آیا تو روپ متی بھی اٹھ کر اندر چلی گئی تھی۔ تقریباً آدھے گھنٹے بعد وہ برآمدے والے دروازے میں نمودار ہوئی۔ اس نے دونوں ہاتھوں میں ایک ٹرے اٹھا رکھی تھی۔ جس میں لیمن اسکوائش کی رنگت سے ملتا جلتا مشروب بھرا ہوا تھا۔

میں ایک اور بات دیکھ کر چونکے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ روپ متی نے اندر جاکر لباس بھی تبدیل کرلیا تھا۔ جب سے جانکی یہاں آئی تھی وہ عام طور پر رات کو اون شرٹ اور ڈھیلے ڈھالے پاجامے پر مشتمل سلیپنگ سوٹ پہنا کرتی تھی لیکن آج اس نے گلابی رنگ کی ٹائٹ پہن لی تھی۔

اس کے ہونٹوں پر بھی بڑی دل فریب مسکراہٹ تھی۔ اس نے ٹرے میز پر رکھ دی اور میرے سامنے دوسری کرسی پر بیٹھ گئی۔

"یہ کیا ہے؟" میں نے گلاسوں کی طرف اشارہ کیا۔ ان میں بھرے ہوئے مشروب میں برف کی ٹکڑیاں بھی تیر رہی تھیں۔

"سوم رس۔" روپ متی اس مرتبہ مسکرائی تو اس کے رخسار پر ننھا سا چاہ زنخداں نمودار ہوگیا "میں نے سوچا آج تمہیں چائے کے بجائے سوم رس پلایا جائے۔ اس کا ذائقہ اور سرور تم مدتوں یاد رکھو گے۔"

میں نے ایک گلاس اٹھا کر ہلکی سی چسکی لی۔ دیکھنے میں یہ مشروب لیمن اسکوائش ہی لگتا تھا لیکن اس میں صندل جیسی مہک تھی اور ذائقہ بھی صندل جیسا ہی تھا۔ میں نے گلاس دوبارہ ٹرے میں رکھ دیا اور روپ متی کی طرف دیکھنے لگا۔

باریک نائی میں اس کا بدن جھلک رہا تھا۔ میری نظریں اس کے چہرے پر جم گئیں۔ مجھے اس کی نیت پر شبہ ہو رہا تھا۔ جانکی مندری کے ساتھ چلی گئی تھی۔ ہو سکتا ہے یہ بھی روپ متی کی کوئی سازش ہی ہو۔ میں تو نہیں جانتا تھا کہ مندری ہر پورن ماشی کی شب واقعی کالی کے مندر میں جاتی تھی یا نہیں۔ یہ بات تو مجھے روپ متی ہی نے بتائی تھی۔ اب مجھے اس پر شبہ ہو رہا تھا۔ اس نے باقاعدہ پلاننگ کے تحت مندری کو بھیجا تھا اور ہو سکتا ہے اس کے کہنے پر مندری نے جانکی کو بھی ایسی پٹی پڑھائی ہو کہ وہ بھی اس کے ساتھ جانے کو تیار ہوگئی۔ دیوان سنگھ بھی ان کے ساتھ ہی گیا تھا۔ چار گھنٹے ہو چکے تھے اور وہ اب تک واپس نہیں آیا تھا اور روپ متی نے تارا سنگھ کو بھی رات بھر کے لیے چھٹی دے دی تھی۔ یقیناً کوئی گڑبڑ تھی۔ میری چھٹی حس خطرے کی گھنٹی بجانے لگی۔

"دیوان سنگھ تو ان دونوں کو مندر چھوڑنے گیا تھا نا۔ ابھی تک واپس نہیں آیا۔" میں نے اپنے خیال کی تصدیق یا تردید کے لیے پوچھا۔

"اگر مندری اکیلی جاتی تو وہ اسے چھوڑ کر واپس آجاتا۔" روپ متی نے مسکراتے ہوئے جواب دیا "لیکن جانکی ساتھ تھی۔ صبح واپسی پر انہیں بسوں میں دھکے کھانے پڑتے اس لیے میں نے دیوان سنگھ سے کہہ دیا تھا کہ وہ مندر کے باہر کسی جگہ گاڑی میں ہی رات گزار لے اور ان کا انتظار کرے۔"

"تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟" میں نے یہ کہتے ہوئے روپ متی کے چہرے پر نظریں جما دیں۔

روپ متی کے حلق سے بڑا زوردار قہقہہ نکلا اور پھر وہ ہنستے ہنستے دہری ہوگئی۔ میں اس کے بل کھاتے ہوئے جسم کو دیکھتا رہا۔ اس نے اپنے آپ کو سنبھال کر کرسی کی پشت سے اس طرح ٹیک لگائی کہ اس کے جسم میں تناؤ سا پیدا ہوگیا۔ ہوا سے بال اس کے چہرے پر بکھر گئے۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے بال پیچھے ہٹائے اور ایک جھٹکے سے سیدھی ہوگئی۔

"تم پہلے مرد ہو جو عورتوں سے اس طرح ڈرتے ہو۔" وہ مسکراتے ہوئے بولی "لیکن اطمینان رکھو۔ میں تمہیں کھا نہیں جاؤں گی۔ ویسے ہی دل چاہ رہا تھا کہ آج کی رات میں اور تم اس حویلی میں اکیلے رہیں۔ بس اور کوئی بات نہیں ہے۔"

میں چند لمحے اس کی طرف دیکھتا رہا پھر گردن گھما کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ چودھویں شب کا چاند اپنا نصف سفر مکمل کرنے والا تھا۔ آج پورن ماشی (پورے چاند) کی رات تھی۔ ہندوؤں کے عقیدے بھی بڑے عجیب ہیں۔ پورن ماشی اور اماوس کی راتوں کو ان کے دھرم میں خاص اہمیت حاصل ہے۔

"سوم رس پیو۔ اس میں برف ختم ہو رہی ہے۔"

روپ متی کی آواز سن کر میں چونک گیا۔ اس نے اپنا گلاس اٹھا لیا تھا۔ دوسرا گلاس میں نے اٹھا لیا اور ہلکی ہلکی چسکیاں لینے لگا۔ صندل کی خوشبو والا یہ شربت واقعی بہت خوش ذائقہ تھا۔

مشروب پینے کے بعد بھی ہم کافی دیر وہاں بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ جیسے جیسے وقت گزر رہا تھا' میرے اندر ایک عجیب سی بے چینی بڑھتی جا رہی تھی۔ سینے میں جیسے الاؤ بھڑکنے لگے تھے اور دماغ میں بھی ہلکی ہلکی سی سنسناہٹ ہونے لگی تھی۔ میں بار بار کرسی پر پہلو بدل رہا تھا۔ اس بے چینی کی وجہ میری سمجھ میں نہیں آرہی تھی لیکن ایک تبدیلی میرے اندر آئی تھی جسے میں نے خود بھی نوٹ کیا تھا۔

پہلے میں روپ متی کی طرف دیکھنے سے کترا رہا تھا لیکن اب میری نظریں بار بار اس کی طرف اٹھ رہی تھیں۔ روپ متی بھی بار بار عجیب سی نظروں سے میری طرف دیکھ رہی تھی۔

دور کہیں کسی گھڑیال نے ایک کا گھنٹا بجایا اور روپ متی کرسی سے اٹھ گئی۔

"ایک بج چکا ہے۔ آؤ۔ اب اندر چلیں۔"

میں بھی ایک جھٹکے سے اٹھ گیا اور ایک بار پھر سوچنے لگا کہ اس بے چینی کی کیا وجہ ہو سکتی ہے۔ اچانک مجھے اس مشروب کا خیال آگیا۔ روپ متی نے کہیں اس میں شراب تو نہیں ملا دی تھی۔ لیکن نہیں۔ اس میں اگر شراب کا ایک قطرہ بھی شامل ہوتا تو میں اس کی بو کو فوراً محسوس کر لیتا۔ یہ تو صندل کی خوشبو والا بڑا خوش ذائقہ شربت تھا۔

برآمدے والے دروازے میں داخل ہوتے ہی روپ متی نے دروازہ بند کر کے لاک کر دیا اور جب میں اپنے کمرے کی طرف مڑنے لگا تو روپ متی نے میرا بازو پکڑ لیا۔

"ادھر نہیں اوپر۔" اس نے سرسراتی سی آواز میں کہتے ہوئے دوسرے ہاتھ سے سیڑھیوں کی طرف اشارہ کیا۔

میں نے اس کی طرف دیکھا۔ میرے دل کی دھڑکن تیز ہو رہی تھی اور پھر میں منہ سے ایک بھی لفظ نکالے بغیر اس کے ساتھ سیڑھیاں چڑھنے لگا۔ اس نے اب بھی میرا ہاتھ پکڑ رکھا تھا۔

کمرے میں آکر روپ متی نے دروازہ بند کر دیا اور مجھے بیڈ پر گرا کر قہقہے لگانے لگی۔ میں حیرت سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔ یوں تو میں پوری طرح ہوش میں تھا لیکن سوچنے سمجھنے کی تمام قوتیں جیسے سلب ہو کر رہ گئی تھیں۔

دوسرے ہی لمحے روپ متی نے بھی بیڈ پر چھلانگ لگا دی لیکن پھر کچھ سوچ کر وہ اٹھ گئی۔ شیشے والی الماری میں نیچے کہیں سے شراب کی بوتل نکالی اور دو گلاسوں میں شراب انڈیل کر اس نے ایک طرف رکھے ہوئے چھوٹے فریج میں سے ٹرے نکال کر برف کی ٹکڑیاں دونوں گلاسوں میں ڈال دیں۔ ایک گلاس میرے ہونٹوں کی طرف بڑھا دیا۔

"یہ۔ یہ کیا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"اصل سوم رس۔" روپ متی کے ہونٹوں پر بڑی دل فریب مسکراہٹ تھی۔ "اسے پی کر تم جھوم اٹھو گے۔" اس نے گلاس میرے ہونٹوں سے لگا دیا۔

پہلا گھونٹ بھرتے ہی یوں لگا جیسے پگھلا ہوا لاوا حلق کو جلاتا ہوا پورے سینے میں پھیل گیا ہو۔ شدید جلن ہونے لگی لیکن میں اس جلن کو فوراً ہی بھول گیا۔ میرے اندر تو پہلے ہی سے الاؤ کھول رہا تھا۔

اچانک چھناکے کی آواز سن کر میں چونک گیا۔ لگتا تھا جیسے کوئی شیشہ ٹوٹا ہو اور چھناکے کی یہ آواز نیچے سے آئی تھی۔ میں نے ابھی شراب کے دو ہی گھونٹ بھرے تھے جن سے سینے میں تو شدید جلن ہو ہی رہی تھی مگر شراب ابھی دماغ کو نہیں چڑھی تھی۔

روپ متی نے بھی یہ آواز سنی تھی۔ ایک لمحے کو وہ بھی چونکی لیکن پھر چھناکے کی اس آواز کو نظر انداز کرتے ہوئے اس نے گلاس ایک بار پھر میرے ہونٹوں سے لگا دیا لیکن اس مرتبہ میں نے اس کا ہاتھ پیچھے ہٹا دیا اور ٹھیک اسی

باخبری

لاشعور میں دبے ہوئے خوف، احساسات اور محرکات کو بے نقاب کرنے والی عجیب و غریب کتاب

قیمت 225 روپے

ڈاک خرچ 23 روپے

کتاب کی قیمت مع ڈاک خرچ بذریعہ منی آرڈر ارسال کریں

خط و کتابت کا پتہ

مکتبہ نفسیات

فون: 5902552-5865313 فیکس: 58022284

kitabiat@hotmail.com

kitabiat1970@yahoo.com

لمحے چھناکے کی آواز پھر سنائی دی۔ ایک اور شیشہ ٹوٹا تھا۔ اس کے ساتھ ہی ایک بھاری مردانہ آواز بھی ابھری تھی لیکن سمجھ میں نہیں آسکا تھا کہ وہ کس کی آواز تھی اور کیا کہا گیا تھا لیکن اس مرتبہ روپ متی بھی اپنی جگہ سے اچھل پڑی۔

"اوہ۔۔۔! نیچے کوئی ہے۔"

روپ متی چھلانگ لگا کر بیڈ سے اتر گئی۔ وہ پہلے اس دروازے کی طرف بڑھی جس سے ہم اندر داخل ہوئے تھے لیکن پھر کچھ سوچ کر ٹیرس پر کھلنے والے دروازے کی طرف لپکی۔

یہ دروازہ سفید فارمیکا کی الماری سے ذرا آگے تھا اور اس کے سامنے ہلکے نیلے رنگ کا پردہ پڑا رہتا تھا۔ روپ متی نے پردہ کھینچ کر ایک طرف ہٹا دیا اور دروازہ کھول کر باہر ٹیرس پر نکل گئی۔

میں بھی بیڈ سے اتر آیا۔ میرے قدم لڑکھڑا گئے مگر میں نے فوراً ہی اپنے آپ کو سنبھال لیا اور ٹیرس والے دروازے کے قریب پہنچ گیا۔ روپ متی چیختی ہوئی آواز میں کہہ رہی تھی۔

"کون ہے۔۔۔! نیچے کون ہے؟"

جواب میں نیچے کہیں ایک اور شیشہ ٹوٹا اور اس کے ساتھ ہی ایک گونجتی ہوئی آواز سنائی دی۔

"ارے او منا۔ وہ اوپر ہے رے۔ اوپر جا۔ پکڑلے اس کو۔"

میرے دماغ پر ہتھوڑے برسنے لگے۔ یہ آواز مجھے کچھ جانی پہچانی سی لگی۔ میں ٹیرس پر نکلنا چاہتا تھا مگر روپ متی واپس پلٹی اور بدحواسی میں مجھ سے ٹکرا گئی۔ میں لڑکھڑا کر دروازے سے ٹکرا گیا۔

روپ متی نے دوڑ کر دوسرے دروازے کو اندر سے نہ صرف لاک کردیا بلکہ اوپر سے بولٹ بھی چڑھا دیا۔ میں ٹیرس والے دروازے سے ٹیک لگائے کھڑا رہا۔ شراب کے صرف دو گھونٹ میرے اندر گئے تھے اور الکحل نے اپنا اثر دکھانا شروع کردیا تھا۔ باہر سے آنے والی ٹھنڈی ہوا کے جھونکے بھی اپنا اثر دکھانے لگے تھے۔ میرے دماغ میں سنسناہٹ بڑھتی جارہی تھی۔ میں دروازے سے ٹکا کھڑا روپ متی کی طرف دیکھ رہا تھا جو بدحواسی میں کمرے میں ادھر سے اُدھر بھاگی پھر رہی تھی۔

"کیا بات ہے۔ کیا ڈھونڈ رہی ہو؟" میں نے آگے بڑھتے ہوئے پوچھا حالانکہ یہ سوال پوچھنے میں میرے ارادے کو کوئی دخل نہیں تھا۔

"وہ۔۔۔ وہ آگئے ہیں۔" روپ متی نے مجھے دونوں بانہوں سے پکڑ کر جھنجھوڑ دیا "ہوش میں آؤ ورنہ وہ ہم دونوں کو مار ڈالیں گے۔"

میں ہوش میں تو تھا مگر شاید حواس میرا ساتھ نہیں دے رہے تھے۔ روپ متی مجھے چھوڑ کر ڈریسنگ ٹیبل کی دراز کھول کھول کر دیکھنے لگی۔ وہ درازوں میں بھری ہوئی چیزیں اٹھا اٹھا کر باہر پھینک رہی تھی مگر اسے جس چیز کی تلاش تھی وہ شاید اسے نہیں مل رہی تھی۔

اور پھر اسی وقت کمرے کے دروازے کو باہر سے کھولنے کی کوشش کی جانے لگی۔ روپ متی الماری کی طرف دوڑی۔ اس نے الماری کے دونوں دروازے کھول دیے اور اس میں بھرے ہوئے کپڑے اور دوسری چیزیں باہر پھینکنے لگی۔

دروازے کو اب باہر سے ٹکریں ماری جارہی تھیں۔ میں روپ متی کے قریب پہنچ گیا اور اسے دونوں بانہوں سے پکڑ کر اپنی طرف گھمالیا اور اسے اوپر سے نیچے تک گھورنے لگا۔ مجھے اس وقت یوں لگ رہا تھا جیسے میرے اندر لاوا کھول رہا ہو اور میرا سینہ کسی بھی لمحے آتش فشاں کی طرح پھٹ جائے گا۔

روپ متی کا چہرہ خوف کی شدت سے اس طرح سفید ہورہا تھا۔ جیسے سارا خون نچڑ گیا ہو۔ اس کی آنکھوں میں وحشت بھری ہوئی تھی۔

"ہوش میں آؤ۔" روپ متی نے اپنے بازو چھڑا کر میرے کندھوں سے پکڑ کر جھنجوڑ ڈالا "موت کے فرشتے یہاں تک آچکے ہیں۔ وہ ہم دونوں کو۔۔۔"

"مار ڈالیں گے۔" میں نے اس کا جملہ مکمل کردیا۔

دروازے پر لگنے والی ٹکریں میرے دماغ میں دھماکے پیدا کررہی تھیں۔ روپ متی مجھے چھوڑ کر ایک بار پھر الماری میں رکھی ہوئی چیزیں اٹھا اٹھا کر پھینکنے لگی۔

اسی لمحے ایک زوردار دھماکا ہوا اور دروازہ ٹوٹ کر اندر کی طرف گرا۔ اس کے ساتھ ہی ایک دہاڑتی ہوئی آواز میری سماعت سے ٹکرائی۔

"مار ڈالو اس حرامی کو۔ یہی ہے وہ۔۔۔"

یہ آواز میرے لیے بم کے دھماکے سے کم نہیں تھی۔ نجانے اس آواز میں کیا اثر تھا کہ میں ایک دم جیسے ہوش میں آگیا۔ میں نے سر کو ایک زوردار جھٹکا دیا اور اس طرف متوجہ ہوگیا جو خنجر سے وار کرنے کے لیے دہاڑا تھا۔

طرف لپک رہا تھا۔

اس نے خنجر والا ہاتھ اٹھا کر مجھ پر وار کیا۔ میرا ہاتھ اس کی حرکت میں آگیا۔ میں نے اس کا وار آدھے راستے ہی روک لیا۔ اس کی کلائی میری گرفت میں آگئی اور میں کلائی کو مروڑتا چلا گیا۔

حملہ آور کی آنکھوں میں وحشت سی بھر گئی اور چہرے پر درد کے آثار نمودار ہونے لگے۔ میں نے اس کا بازو موڑ کر اس کی پشت سے لگا دیا۔ وہ آگے جھکتا چلا گیا۔ خنجر ابھی اس کے ہاتھ میں تھا۔ میں نے دوسرے ہاتھ سے اس کی کلائی پر زوردار گھونسا رسید کردیا اور اس کے ساتھ ہی اس کا ہاتھ بھی چھوڑ دیا۔ وہ کراہتا ہوا منہ کے بل گرا۔ مرتبہ خنجر اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر گر گیا تھا۔

روپ متی کی چیخ کی آواز سن کر میں تیزی سے اس مڑا۔ دھرمیش عرف منا روپ متی کو گرفت میں لینے کی کوشش کررہا تھا اور روپ متی مزاحمت کرتے ہوئے چیخ رہی تھی اور اس مزاحمت کے درمیان اس کے جسم پر باریک کپڑے کی نائٹی بھی تار تار ہوچکی تھی۔

"بہت صبر کیا ہوں روپ متی۔" دھرمیش غراتے ہوئے کہہ رہا تھا "اب دیکھوں گا تم کیسے بچتی ہو میرے ہاتھ سے تمہارا یہ مورچا۔۔۔"

اس کا جملہ مکمل ہونے سے پہلے ہی میرا گھونسا اس کی کنپٹی پر پڑا اور وہ روپ متی کو ساتھ لیتا ہوا صوفے پر گرا۔ میں آگے بڑھ کر اس کے بالوں سے پکڑ کر اٹھایا اور جبڑے پر ایک اور زوردار گھونسا جڑ دیا۔ روپ متی ایک بار پھر الماری کی طرف لپکی۔ اس مرتبہ وہ دراز میں کھول کھول کر کچھ تلاش کرنے لگی۔

میں دھرمیش کو ایک اور پنچ لگانا چاہتا تھا لیکن مجھے یوں لگا جیسے میرے سر پر بم پھٹا ہو۔ میں تیزی سے چیخے مڑا۔ کسی آدمی نے اٹھ کر مجھ پر حملہ کردیا تھا۔ میری کھوپڑی پر سونٹا مارنے والے شخص نے میرے چودہ طبق روشن کردیے تھے لیکن میں نے فوراً ہی اپنے آپ کو سنبھال لیا اور مڑ کر اس کے حملہ کیا مگر مجھے اس کی زیادہ تواضع کرنے کا موقع نہیں ملا۔ ایک اور آدمی کمرے میں گھس آیا تھا۔ اس نے پہلے کسی ارنا بھینسے کی طرح ڈکراتے ہوئے میرے پیٹ پر سر ماری اور پھر ان دونوں نے مجھے لاتوں اور گھونسوں پر رکھ

دھرمیش ایک بار پھر روپ متی پر جھپٹ پڑا تھا اور یہ نشانہ کرا فائر کی آواز سے گونج اٹھا۔ اس کے ساتھ ہی دھرمیش کی چیخ بھی سنائی دی تھی۔

میں نے ایک لمحے کو اس کی طرف دیکھا۔ روپ متی کے ہاتھ میں پستول تھا اور دھرمیش کے سینے پر ٹھیک دل کے مقام پر ایک سوراخ ہوچکا تھا' جس سے خون کی دھار بہہ رہی تھی اور پھر وہ کٹے ہوئے درخت کی طرح لہراتا ہوا نیچے گر گیا۔

روپ متی کے چہرے پر بے پناہ وحشت تھی۔ وہ ٹیرس والے دروازے کی طرف دوڑی لیکن اسی وقت تیج سنگھ ٹیرس پر نمودار ہوا۔ اس کا ایک زبردست گھونسا روپ متی کی کنپٹی پر لگا اور وہ چیختی ہوئی ڈھیر ہوگئی۔

وہ دونوں آدمی مجھ پر گھونسوں اور لاتوں کی بارش کررہے تھے۔ میرا دماغ پوری طرح ٹھکانے پر نہیں تھا اور میں بری طرح پٹ رہا تھا لیکن پھر میرا داؤ بھی چل گیا۔

اب میں ان دونوں کی دھنائی کررہا تھا لیکن تیج سنگھ نے پشت سے حملہ کردیا۔ میرے شولڈر بلیڈ پر گویا قیامت ٹوٹ پڑی تھی۔ میں چیختا ہوا نیچے گرا اور پھر ان تینوں نے مجھے اپنا ٹارگٹ بنالیا۔ گھونسے اور ٹھوکریں میرے جسم کے ہر حصے پر برس رہی تھیں۔

میں لوہے کا بنا ہوا تو نہیں تھا کہ مجھ پر کوئی اثر نہ ہوتا۔ میری قوتِ برداشت جواب دے گئی اور میرا ذہن تاریکی میں ڈوبتا چلا گیا۔ آخری چیز جو مجھے یاد تھی وہ پیٹ پر پڑنے والی ایک ٹھوکر تھی اور وہ جملہ تھا جو کسی کنوئیں کی گہرائی سے آتا ہوا محسوس ہوا تھا۔

"چھوڑ دو حرامی کو۔ ختم ہوگیا۔ اس کو اب میونسپلٹی والے ہی اٹھا کر لے جائیں گے۔"

اور اس کے بعد میرے ذہن پر دبیز تاریکی چھا گئی تھی۔

○☆○

وہ ملی جلی آوازیں تھیں جو میری سماعت سے ٹکرا رہی تھیں اور یہ آوازیں بھی میلوں دور سے آتی ہوئی محسوس ہورہی تھیں۔ میں شاید قالین یا بستر پر پڑا ہوا تھا۔ میں نے حرکت کرنے کی کوشش کی تو بے اختیار کراہ اٹھا۔ کندھے اور سر میں اٹھنے والی ٹیسوں نے مجھے کراہنے پر مجبور کردیا تھا۔ میں نے آہستہ آہستہ آنکھیں کھول دیں۔

میری آنکھوں کے سامنے دھند سی چھائی ہوئی تھی۔ میرے اوپر جھکا ہوا وہ چہرہ بھی دھند میں لپٹا ہوا تھا۔ میں نے دو تین مرتبہ آنکھیں جھپکائیں۔ دھند چھٹنے لگی اور وہ چہرہ بھی بتدریج واضح ہوتا چلا گیا۔

وہ نسوانی چہرہ میرے لیے قطعی اجنبی تھا لیکن اس کے حسین ہونے میں کوئی شبہ نہیں تھا۔ صبیح و ملیح چہرہ' موٹی موٹی

سیاہ آنکھیں، ستواں ناک اور پتلے پتلے ہونٹ، پیشانی پر سرخ بندیا چمک رہی تھی جس سے اندازہ ہوا کہ وہ ہندو تھی۔

میں نے آنکھیں بند کرلیں اور ذہن پر زور دینے لگا کہ یہ عورت کون ہے اور میں کہاں ہوں۔۔۔ پھر مجھے سب کچھ یاد آگیا۔ میں نے ایک بار پھر آنکھیں کھول دیں اور ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ یہ روپ متی والا وہی کمرا تھا اور میں بیڈ پر پڑا ہوا تھا۔ دائیں طرف تو وہ عورت کھڑی تھی جو کچھ دیر پہلے میرے اوپر جھکی ہوئی تھی اور بائیں طرف مندری کھڑی تشویش آمیز نظروں سے میری طرف دیکھ رہی تھی۔ میں نے ایک بار پھر اپنی جگہ سے ہلنے کی کوشش کی تو اس مرتبہ بھی کراہ اٹھا۔

"آرام سے لیٹے رہو۔" اس عورت نے ایک بار پھر مجھ پر جھکتے ہوئے کہا "تمہیں آرام کی ضرورت ہے۔ زیادہ حرکت کرو گے تو تکلیف ہوگی۔"

اور پھر اسی وقت میں نے محسوس کیا کہ میرے اوپر چادر پڑی ہوئی تھی اور اس کے نیچے میرا جسم برہنہ تھا۔

"میرے کپڑے کہاں ہیں؟" میں نے گردن گھما کر مندری کی طرف دیکھا۔

"تمہارے کپڑے بہت خراب ہوگئے تھے۔ میں نے باہر ڈال دیے ہیں۔" مندری نے جواب دیا "تمہارے جسم کی چوٹوں کا معائنہ کرنے کے لیے کپڑے اتارنا ضروری تھا۔ یہ ڈاکٹر رادھا ہیں۔ میں تمہارے لیے دوسرے کپڑے لے کر آتی ہوں۔ تم آرام سے لیٹے رہو۔"

مندری کی باتوں میں کوئی ربط نہیں تھا۔ اس کے حواس بھی شاید اس کا ساتھ نہیں دے رہے تھے۔ میں گردن گھما کر ڈاکٹر رادھا کی طرف دیکھنے لگا۔ وہ دراز قامت حسین عورت تھی۔ اس کی عمر چالیس کے لگ بھگ رہی ہوگی۔ اس نے میرون کلر کی ساڑی پہن رکھی تھی۔

"روپ متی کہاں ہے؟" میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"یہی بات میں تم سے پوچھنا چاہتی ہوں۔" ڈاکٹر رادھا نے الجھی ہوئی نظروں سے میری طرف دیکھا "مندری کے بلاوے پر جب میں یہاں آئی تو سب کچھ اس طرح بکھرا ہوا تھا۔ وہاں قالین پر خون کا دھبا تھا جو اب بھی ہے۔ یہ سب کچھ دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ یہاں کوئی بڑی واردات (جنگ) ہوئی ہے۔ تم اس طرف قالین پر بے ہوش پڑے تھے لیکن روپ متی کا پوری حویلی میں سراغ نہیں ملا۔"

"وہ۔۔۔ وہ کہاں گئی؟" میں ادھر ادھر دیکھنے لگا اور پھر ایک جھٹکے سے اٹھ کر بیٹھ گیا۔ مجھے یہ بھی احساس نہیں رہا تھا کہ اس طرح اٹھنے سے چادر کا ایک حصہ میرے جسم سے ہٹ جائے گا۔ میں نے چادر درست کی اور سر کا پچھلا حصہ سہلانے لگا جہاں ایک بڑا سا گومڑا نمودار ہو چکا تھا۔

"اوہ۔۔۔!" میرے منہ سے بے اختیار نکلا "سب لوگ اٹھا کر لے گئے ہیں۔"

"کون لوگ؟" ڈاکٹر رادھا نے الجھی ہوئی نظروں سے میری طرف دیکھا۔

"تیج سنگھ۔" میں نے کہا "دھرمیش کو روپ متی نے مار دیا تھا۔ وہ یہاں گرا تھا۔" میں نے اس طرف اشارہ کیا جہاں قالین پر خون کا دھبا نظر آرہا تھا "ان دونوں بھائیوں کے ساتھ دو آدمی اور تھے۔ پہلے انہوں نے میرے اوپر حملہ کیا تھا۔ میں اپنے آپ کو اور روپ متی کو بچانے کی کوشش کرتا رہا اور جب روپ متی نے دھرمیش کو گولی ماری تو وہ سب مجھ سے لپٹ گئے تھے۔ وہ لوگ مجھے پیٹتے رہے شاید مردہ سمجھ کر چھوڑ گئے۔"

ڈاکٹر رادھا گہری نظروں سے میری طرف دیکھ رہی تھی۔ اس کے خیال میں میرا دماغ پلٹ گیا تھا۔

"تمہارے منہ سے اب بھی شراب کی بو آرہی ہے مسٹر۔۔۔" وہ رک گئی۔ شاید اسے میرا نام معلوم نہیں تھا "تم شاید نشے میں تھے۔ تمہاری باتیں اب بھی میری سمجھ میں نہیں آرہیں۔ تمہیں فی الحال آرام کی ضرورت ہے۔ تمہارے حواس بحال ہو جائیں تو۔۔۔"

"میں بالکل ٹھیک ہوں۔" میں نے اس کی بات کاٹ دی "مم۔۔۔ میں شراب کے نشے میں نہیں تھا۔ روپ متی نے زبردستی دو گھونٹ پلا دیے تھے مگر میں پوری طرح ہوش میں تھا۔"

"جس نے کبھی شراب نہ پی ہو وہ ایک گھونٹ پی کر ہوش میں نہیں رہ سکتا۔" ڈاکٹر رادھا نے میری بات رد کر دی۔

"تمہیں کیسے پتا کہ میں نے کبھی شراب نہیں پی؟" میں نے الجھی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"مندری نے بتایا تھا کہ ایک روز تم نے شراب پینے کی ضد کی تھی۔ روپ متی کو بھی تھپڑ مارے تھے لیکن مجھے حیرت ہے کہ تم اس کے ہاتھ سے دو گھونٹ پینے پر بھی کیسے آمادہ ہو گئے۔" ڈاکٹر رادھا نے یہ کہتے ہوئے میرے چہرے پر نظریں جما دیں۔

"میں خود بھی نہیں سمجھ سکا۔" میں نے نظریں چراتے ہوئے جواب دیا "اس سے پہلے روپ متی نے مجھے جو مشروب پلایا تھا جس سے صندل جیسی خوشبو آرہی تھی

شراب پینے کے تھوڑی ہی دیر بعد مجھے اپنے اندر عجیب سی بے چینی محسوس ہونے لگی۔ خون میں جیسے انگارے بھر گئے ہوں۔ میں چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر اس کی طرف سے نظریں چراتے ہوئے بولا "میں فطرتاً ایک شریف آدمی ہوں۔ طوائفوں میں گھرا رہنے کے باوجود میں نے کبھی اپنے کردار کی کمزوری کا مظاہرہ نہیں کیا لیکن وہ شربت پینے کے بعد میرے اندر ایک سی بھڑک اٹھی تھی اور تمام حیوانی جذبات سرکش ہو گئے۔"

"پوری طرح ہوش میں ہونے کے باوجود میرے حواس میرا ساتھ نہیں دے رہے تھے۔ مجھے روپ متی کے سوا کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا اور پھر وہ مجھے اپنے ہاتھ سے شراب پلانے لگی۔ مجھے شراب سے شدید نفرت ہے لیکن روپ متی کو میں انکار نہ کرسکا۔ ابھی دو ہی گھونٹ پیے تھے کہ نیچے کوئی برتن ٹوٹنے کی آواز سنائی دی۔" میں چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر اسے پورے واقعے کی تفصیل بتانے لگا۔

یہ سب کچھ بتاتے ہوئے مجھے کچھ عجیب سا لگ رہا تھا جیسے میں نہیں بول رہا، میرے اندر سے کوئی اور بول رہا ہو۔ ڈاکٹر رادھا بیڈ کے سامنے کرسی پر بیٹھ گئی تھی اور پوری توجہ سے میری باتیں سن رہی تھی۔

"کیا نام بتایا تھا تم نے۔۔۔ سوم رس۔" وہ میرے چہرے سے نظریں ہٹاتے ہوئے بولی "صندل کے ذائقے والا لیسن کی رنگت جیسا شربت۔"

"ہاں ہاں۔ وہی۔" میں نے جلدی سے کہا "وہ شربت پینے کے بعد ہی میں اپنے آپ میں وہ تبدیلی محسوس کرنے لگا تھا۔"

"تو پھر تم واقعی بے قصور ہو۔" ڈاکٹر رادھا کے منہ سے گہرا سانس نکل گیا۔

"کیا وہ شربت۔۔۔" میں خاموش ہو کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"ہاں۔ ساری خرابی اس شربت ہی کی تھی۔" ڈاکٹر رادھا نے جواب دیا "روپ متی سے میری دوستی بہت پرانی ہے۔ ہم کالج میں ایک ساتھ پڑھے ہیں۔ یہ بہت اچھی لڑکی تھی لیکن شادی کے بعد اس کے پتی کا دیہانت (انتقال) ہوا تو یہ غلط راستے پر چل پڑی۔ میں نے اسے بہت سمجھایا تھا لیکن اس نے میری کبھی نہیں مانی اور اس غلاظت بھرے راستے پر چلتی چلی گئی۔"

"مجھے معلوم نہیں۔ روپ متی نے مجھے سب کچھ بتایا ہوگا۔" میں نے کہا۔

"یہ راجاؤں کا خطہ ہے۔" ڈاکٹر رادھا کہہ رہی تھی "ان کے پرکھوں (آباؤاجداد) کو محلات تعمیر کرنے اور جنگیں لڑنے کا شوق تھا اور یا پھر لونڈیاں پالنے کا۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بولی "لیکن اب دور بدل گیا ہے۔ راج پاٹ ختم ہو چکے ہیں۔ آپس کی جنگیں قصۂ پارینہ بن چکی ہیں۔ موجودہ راجاؤں کو حکومت سے لاکھوں کروڑوں روپے کے وظائف ملتے ہیں۔ ان لوگوں کے پاس عیاشی کے سوا اور کوئی کام نہیں رہ گیا۔ رانیوں اور راجاؤں میں کوئی فرق نہیں رہا۔ راجاؤں نے جوان اور حسین داشتائیں رکھی ہوئی ہیں تو رانیوں نے بھی پہلوان پال رکھے ہیں۔ کئی راجکماریاں اور رانیاں ایسی ہیں جو اپنے شہوانی جذبات کو برقرار رکھنے کے لیے مجھ سے انجکشن لگواتی رہتی ہیں اور راج مہاراج سنیاسیوں کی خدمات حاصل کرتے ہیں تاکہ ان کے نسخوں سے وہ سدا جوان رہیں۔ سوم رس۔۔۔" وہ ایک بار پھر خاموش ہو کر ادھر ادھر دیکھنے لگی پھر مجھ سے نظریں ملائے بغیر کہنے لگی "سوم رس بھی ایسا ہی ایک نسخہ ہے جو خاص قسم کی جڑی بوٹیوں سے تیار کیا جاتا ہے راجاؤں جیسے دولت مند لوگ یہ نسخہ حاصل کرنے کے لیے سنیاسیوں کے قدموں میں دولت کے ڈھیر لگا دیتے ہیں۔"

"لیکن روپ متی۔۔۔"

"اس نے اپنے بارے میں تمہیں جو کچھ بتایا ہے اس سے تم سمجھ گئے ہوگے کہ وہ کس قسم کی صورتِ حال سے دوچار ہے۔" ڈاکٹر رادھا نے میری بات کاٹتے ہوئے کہا "اسے بھی پہلوانوں کا شوق تھا۔ ہر جوان اور خوب رو شخص کو دیکھ کر اس کی رال ٹپکنے لگتی تھی۔ وہ تمہیں بھی اپنی عیاشی کے لیے خرید کر لائی تھی لیکن تم اس کے حسن کے جال میں پھنسنے کے بجائے ناصح بن گئے اور اسے اس دلدل سے نکالنے کی کوشش کرنے لگے۔ وہ مجھے تمہارے بارے میں سب کچھ ٹیلی فون پر بتاتی رہتی تھی۔ مجھے بھی تمہاری طرح اس سے ہمدردی ہے۔ صرف دو روز پہلے اس نے مجھ سے کہا تھا کہ وہ تمہیں زیر کرکے ہی چھوڑے گی۔ میں نے اس وقت بھی اسے سمجھانے کی کوشش کی تھی مگر اس نے میری بات ہنسی میں اڑا دی تھی اور آج۔۔۔"

"اور آج وہ ہو گیا جس کا میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔" میں نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا "مجھے شبہ ہے کہ اس کے دشمن اس حویلی کی مسلسل نگرانی کر رہے تھے اور آج انہیں پتا چل گیا کہ حویلی میں ہم دونوں کے سوا اور کوئی نہیں ہوگا۔ وہ چڑھ دوڑے اگر روپ متی میرے ساتھ یہ حرکت نہ

کرتی تو صورتِ حال مختلف ہوتی۔"

ڈاکٹر رادھا کچھ کہنا چاہتی تھی مگر مندری کو کمرے میں داخل ہوتے دیکھ کر خاموش ہوگئی۔ مندری نے پاجامہ اور کرتہ پلنگ پر رکھ دیا۔

"تمہارے شریر (بدن) پر بہت چوٹیں آئی ہیں۔" ڈاکٹر رادھا نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا "میں نے دوا لگا دی ہے۔ کچھ دوائیں کھانے کے لیے بھی بھجوا دوں گی مگر تمہیں ٹھیک ہونے میں کئی دن لگیں گے۔ بہرحال۔ ہم باہر جا رہے ہیں تم کپڑے بدل لو۔ بعد میں بات کریں گے۔"

وہ دونوں کمرے سے نکل گئیں۔ مندری نے دروازہ بھی بھیڑ دیا تھا۔ میں نے پلنگ سے اتر کر چادر ایک طرف ڈال دی اور کپڑے پہننے لگا۔ ہر حرکت کے ساتھ میرے جسم کے مختلف حصوں میں ٹیسیں اٹھ رہی تھیں۔ کپڑے بدل کر میں نے دروازہ کھول دیا اور باتھ روم میں گھس کر آئینے میں اپنا جائزہ لینے لگا۔

میری پیشانی پر بھی دائیں طرف ایک چھوٹا سا گومڑ نظر آ رہا تھا۔ بائیں آنکھ کے نیچے سیاہ دھبا پڑ چکا تھا۔ میں نے کرتہ اٹھا کر آئینے میں اپنی پشت پر دیکھا۔ بائیں طرف شولڈر بلیڈ پر بھی بڑا سا نیلا دھبا دکھائی دے رہا تھا۔ سب سے زیادہ تکلیف اسی جگہ تھی۔ یہ غنیمت تھا کہ کوئی ہڈی نہیں ٹوٹی تھی۔ اگر ہڈی ٹوٹی ہوتی تو وہ جگہ سوج گئی ہوتی۔

میں باتھ روم سے نکلا تو وہ دونوں کرسیوں پر بیٹھی ہوئی تھیں۔ کمرے کا سارا سامان اسی طرح بکھرا ہوا تھا۔ میں بھی ڈاکٹر رادھا کے سامنے ایک کرسی پر بیٹھ گیا اور مندری کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"تمہیں تو صبح آنا تھا۔ پہلے کیسے آ گئیں اور جانکی کہاں ہے؟"

"مندر میں۔" مندری نے جواب دیا "دیوان سنگھ اسے لینے کے لیے گیا ہوا ہے۔ بس آنے ہی والی ہوگی۔"

مندری نے دیوار پر لگی ہوئی گھڑی کی طرف دیکھا تو میری نظریں بھی اس طرف اٹھ گئیں۔ اس وقت صبح کے چھ بج رہے تھے۔

"تم پہلے کیسے آ گئیں اور جانکی کو وہاں کیوں چھوڑا؟" میں نے مندری کو گھورا۔

"بات دراصل یہ ہے کہ....." مندری نے ڈاکٹر رادھا کی طرف دیکھا اور پہلو بدل کر رہ گئی۔

"کیا بات ہے؟" میرے لہجے میں کرختگی آ گئی "جانکی کہاں ہے؟"

"وہ بالکل ٹھیک ہے۔ تم اس کی چنتا (فکر) مت کرو۔" مندری نے کہا اور چند لمحوں کی خاموشی کے بعد اس نے کچھ بتایا وہ میرے لیے بہت بھیانک اور سنسنی خیز تھا۔

کالی ماتا عرف درگا دیوی کا یہ مندر راجا مان سنگھ نے تعمیر کروایا تھا اور مشرقی بنگال سے پجاری بہت بڑا کام منگوا کر اس سے کالی کا مجسمہ تیار کروایا تھا۔ کالی کا یہ بت اس قدر ہیبت ناک ہے کہ اسے دیکھ کر ہی دل پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے۔

اس مندر کو سیلا دیوی کا مندر بھی کہا جاتا ہے اور یہ کالی کے چرنوں (قدموں) میں انسانی جانوں کی بھینٹ دیتا تھی لیکن بعد میں راجا مان سنگھ نے انسانی جانوں کی بھینٹ پابندی لگا دی اور اس کی جگہ بکری یا کسی اور جانور کی بھینٹ دی جانے لگی۔

"آج رات....." مندری کہہ رہی تھی "کالی کی مورتی کے سامنے تو بکرے کی بھینٹ ہی دی جانے والی تھی مگر مندر کے پچھلے حصے میں کالی کی ایک اور چھوٹی مورتی کے نیچے میں ایک انسان کی بھینٹ دینے کا بھی منصوبہ تھا اور اس کے بارے میں کچھ خاص خاص لوگوں کو ہی معلوم تھا۔ میرا ایک جانکار (شناسا) بوڑھی عورت مجھے بھی اس طرف لے گئی تھی۔ ایک انسان کو کالی کے سامنے موت کے گھاٹ اتارتے کر میں کانپ اٹھی اور وہاں سے بھاگ آئی۔

"جانکی مندر کے مرکزی ہال میں تھی جہاں سیکڑوں لوگ جمع تھے۔ میں بڑی مشکل سے جانکی کو تلاش کرنے میں کامیاب ہو سکی اور جب میں نے اسے اپنے ساتھ چلنے کو کہا تو اس نے انکار کر دیا اور کہا کہ میں فوراً واپس جاؤں اور تمہیں بتا دوں کہ پنڈت مرلی دھر اس مندر میں موجود ہے۔ میں نے جاننے کی کوشش کی تھی کہ پنڈت دھرکون ہے لیکن اس نے مجھے وہاں سے بھگا دیا کہ میں تمہیں اطلاع کر دوں۔

"دیوان سنگھ کی گاڑی وہاں سے تقریباً نصف میل تھی۔ وہ کار کی پچھلی سیٹ پر سو رہا تھا۔ میں نے اسے حویلی واپس چلنے کو کہا اور جب ہم یہاں پہنچے تو حویلی کا گیٹ چوپٹ کھلا دیکھ کر میرا ماتھا ٹھنکا تھا۔

"برآمدے کے دائیں بائیں والے کمروں کی کھڑکی کے شیشے ٹوٹے ہوئے تھے اور برآمدے والا دروازہ کھلا تھا۔ میں اور دیوان سنگھ نے پہلے نیچے والے کمروں میں پھر اوپر آئے تو یہ کمرا اسی حالت میں تھا اور تم وہاں پڑے تھے۔" اس نے ایک طرف اشارہ کیا "پہلے میں

میں لانے کی کوشش کرتی رہی پھر دیوان سنگھ کو ڈاکٹر کی طرف بھیج دیا۔ یہ یہاں سے ذرا ہی آگے ایک میں رہتی ہیں دیوان سنگھ کے جانے کے بعد میں روپ اور تارا سنگھ کو تلاش کرتی رہی لیکن پوری حویلی میں ان میں سے کسی کا سراغ نہیں ملا۔ میں پولیس کو بھی غ دینا چاہتی تھی لیکن مجھے پولیس کا وہ رویہ یاد تھا جب بیچ اور دھرمیش یہاں توڑ پھوڑ کر کے گئے تھے اور پولیس نے روپ متی کو دھمکا کر خاموش کرا دیا تھا اس لیے میں یہ کر خاموش رہی کہ ڈاکٹر رادھا سے مشورہ کرنے کے بعد کوئی ایسا قدم اٹھایا جائے گا۔

"مجھے تمہاری بھی چنتا (فکر) تھی۔ دیوان سنگھ کے جانے کے بعد بھی میں تمہیں بار بار ہوش میں لانے کی کوشش کرتی رہی اور پھر ڈاکٹر رادھا بھی تقریباً ایک گھنٹے کی کوشش کے بعد تمہیں ہوش میں لا سکی ہے۔ بھگوان کا شکر ہے کہ تم ہو لیکن راجکماری کہاں ہے کس حال میں ہوگی۔ یہ چنتا کھائے جا رہی ہے مگر وہ کون لوگ تھے؟"

"تیج سنگھ اور دھرمیش۔ ان کے ساتھ دو غنڈے بھی وہ یہاں سے بھاگتے ہوئے اپنے ساتھ ایک لاش بھی گئے ہیں۔" میں نے کہا۔

"ہائے رام! کس کی لاش؟" مندری کا چہرہ ایک دم زرد ہو گیا۔ اس نے بے اختیار اپنا ایک ہاتھ سینے پر رکھ لیا تھا۔

"دھرمیش کی۔" میں نے جواب دیا "روپ متی نے اسے گولی مار دی تھی۔ تیج سنگھ اور اس کے دونوں غنڈے اس کی پٹائی کرنے لگے۔ میں بے ہوش ہو گیا۔ وہ شاید مجھے مردہ سمجھ کر چھوڑ گئے یا ممکن ہے اس خیال سے عجلت میں بھاگے ہوں کہ شاید دھرمیش کو بچایا جا سکے اور وہ روپ متی کو بھی قتل کر گئے لیکن تم نے کیا نام بتایا تھا کہ جانکی نے کالی کے مندر میں کس کو دیکھا تھا؟"

"پنڈت مرلی دھر۔" مندری نے جواب دیا "اس نے کہا۔ تم یہ نام سن کر سب کچھ سمجھ جاؤ گے۔"

"اوہ!" میں اچھل پڑا۔ مندری نے پہلے بھی یہی نام بتایا تھا۔ کالی کے چرنوں میں انسانی بھینٹ کے تذکرے نے اس کے ذہن کو وقتی طور پر اس حد تک ماؤف کر دیا تھا کہ میں اسے اہمیت نہیں دے سکا تھا۔

یہ وہی پنڈت مرلی دھر تھا جس نے سنگاپور میں دارا کو قتل کیا اور دارا اسی کے ساتھ سنگاپور سے فرار ہو کر ہندوستان گیا تھا اور قسمت نے مجھے اور جانکی کو بھی ہندوستان پہنچا کر عجیب و غریب حالات میں الجھا دیا تھا اور اتفاق سے آج جانکی نے مرلی دھر کو دیکھ لیا تھا۔ اس نے مندری کو واپس بھیج دیا تھا کہ وہ مجھے لے کر کالی کے مندر پہنچ جائے اور مندری کے لیے یہاں کی صورتِ حال بڑی گمبھیر ثابت ہوئی تھی۔

میں یہ سوچے بغیر نہیں رہ سکا کہ کیا دارا بھی یہاں ہو سکتا ہے؟ اس کا پتا تو اس وقت چلے گا جب پنڈت مرلی دھر گرفت میں آئے گا۔

میں ایک بار پھر مندری کی طرف متوجہ ہو گیا۔ وہ ڈاکٹر رادھا کی طرف دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"اب آپ ہی بتائیے رادھا جی کہ ہمیں کیا کرنا چاہیے؟ پولیس کو اطلاع دی جائے یا....."

"معاملہ اس قدر گمبھیر ہے کہ پولیس کی مداخلت ضروری ہو گئی ہے لیکن....." ڈاکٹر رادھا نے کہا "لیکن یہاں ایک لاش بھی گری تھی اور اتفاق سے وہ قتل روپ متی کے ہاتھوں ہوا تھا۔ اگر پولیس کو اطلاع دی جاتی ہے تو روپ متی بھی اس چکر سے نہیں نکل سکے گی۔ میں اس کی دوست ہوں۔ اس کا نمک کھایا ہے اور میں ایسی قانون پسند بھی نہیں ہوں کہ پولیس کے پاس دوڑی جاؤں۔ اس شہر کے بڑے بڑے لوگ تو اس سے بھی زیادہ سنگین معاملات میں ملوث ہیں۔ میرے سینے میں تو ایسے ایسے راز پوشیدہ ہیں کہ اگر میں انہیں ظاہر کر دوں تو اس شہر میں بھونچال آ جائے۔ میں اس راز کو بھی اپنے سینے میں جگہ دے سکتی ہوں۔ اس کے علاوہ....."

"اس کے علاوہ کیا.....؟" میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"تم مسلمان ہو۔" اس نے میرے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔

میں اچھل پڑا۔ اسے کیسے پتا چلا کہ میں مسلمان ہوں؟ میں نے ایک لمحے کو سوچا پھر خیال آیا کہ کچھ دیر پہلے ہی تو میں نے چادر کے نیچے بے لباس پڑا تھا۔ میری بے ہوشی کے دوران میں میرے جسم کی چوٹوں کا معائنہ کرنے کے لیے ان دونوں نے مجھے بے لباس کیا تھا۔ میں نے مندری کی طرف دیکھا۔ اس نے نظریں جھکا لیں۔

"یہ ہندوستان ہے۔ یہاں ہندو اپنے آپ کو برتر و اعلیٰ اور سپر پاور سمجھتے ہیں۔ دوسری اقلیتوں سے تو انہیں خدا واسطے کا بیر ہے۔ سکھ، عیسائی اور مسلمان ان کی زیادتیوں کا نشانہ بنتے رہتے ہیں۔ مسلمان تو انہیں ایک آنکھ نہیں بھاتے۔ ان کا کہنا ہے کہ مسلمانوں نے پاکستان بنایا تھا تو وہ

لوگ اب پاکستان کیوں نہیں چلے جاتے۔ صرف مسلمانوں کو زک پہنچانے کے لیے کٹر اور انتہا پسند ہندوؤں کی کئی تنظیمیں سرگرم عمل ہیں۔ وہ مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔

"یہ لوگ اپنی ہی ذات سے مخلص نہیں تو دوسروں کو کیا سمجھیں گے۔ یہ تو خود اونچ نیچ میں بٹے ہوئے ہیں۔ اونچی ذات کے ہندو نچلی ذات کے ہندوؤں پر آئے دن حملے کرتے رہتے ہیں اور جب نچلی ذات کے ہندوؤں کو موقع ملتا ہے تو وہ اونچی ذات کے ہندوؤں کے دس بیس بندے مار ڈالتے ہیں۔

"روپ متی ایک راج کماری ہے۔ راج پاٹ نہیں رہا تو کیا ہوا۔ اسے سرکاری طور پر تو یہ اعزاز حاصل ہے۔ معاشرے میں اس کا ایک مقام ہے۔ ایک رتبہ ہے۔ یہاں تو اسکول یا کالج میں کوئی مسلمان لڑکا کسی ہندو لڑکی سے دوستی کرلے تو خون کی ندیاں بہہ جاتی ہیں اور جب لوگوں کو یہ پتا چلے گا کہ ایک مسلمان مرد راج کماری روپ متی کے ساتھ اس کی حویلی میں رہ رہا ہے تو یہاں تو قیامت آجائے گی۔ یہاں کے راجواڑے یہ بھول جائیں گے کہ وہ اپنی عیاشی کے لیے دوسری ذاتوں اور اپنی ہی نچلی ذات کی عورتوں کو تو اپنے بستر کی زینت بناتے ہیں لیکن وہ یہ کبھی برداشت نہیں کرسکیں گے کہ ایک ہندو عورت کسی مسلمان کے ساتھ اسی طرح رہے۔ وہ تمہیں بھی قتل کردیں گے اور روپ متی کے بھی ٹکڑے کرڈالیں گے۔"

"حیرت ہے۔" میں نے اس کے خاموش ہونے پر کہا "ایک ہندو عورت کے منہ سے اپنے ہی دھرم (مذہب) کے خلاف ایسی باتیں۔ مجھے یقین نہیں آرہا۔"

"میں نے دھرم کے خلاف کوئی بات نہیں کی۔" ڈاکٹر رادھا نے جواب دیا "میں تو ان جنونیوں کی بات کررہی ہوں جو دھرم کا نام لے کر دھرم کو نشٹ (تباہ و برباد) کررہے ہیں اور ایسے لوگ تو ہر دھرم میں پائے جاتے ہیں۔ ہندو دھرم میں پنڈتوں اور پجاریوں نے تعصب اور نفرت پھیلا رکھی ہے اور تمہارے دین میں یہ کام تنگ نظر، متعصب اور فرقہ پرست ملا انجام دے رہے ہیں۔"

میرے پاس ڈاکٹر رادھا کی اس بات کا کوئی جواب نہیں تھا۔ اس نے غلط بھی نہیں کہا تھا۔ ہندو پنڈتوں کے بارے میں تو میں بہت اچھی طرح جان چکا تھا۔ سب سے بڑی مثال تو بنکاک کا سوامی رگھوناتھ تھا جس نے دھرم کے نام پر عیاشی کا بہت بڑا اڈا قائم کر رکھا تھا۔ کون سے جرائم تھے جو وہاں نہیں ہوتے تھے اور وہ بدبخت بالآخر میرے ہی ہاتھوں انجام کو پہنچا تھا۔

دھرم کو نشٹ کرنے یا پوتر (پاکیزہ) بنانے کی اس بحث سے قطع نظر صورت حال میرے لیے خاصی گمبھیر اور تشویش ناک تھی۔ جانکی کالی کے مندر میں بھی اور ابھی تک واپس آتے ہوئے بھی آئی تھی۔ اس نے پنڈت مرلی دھر کو دیکھ لیا تھا۔ وہ اس کی نگرانی کررہی تھی۔ مجھے اندیشہ تھا کہ وہ خود مرلی دھر کی نظروں میں نہ آگئی ہو۔ جو لوگ بے دردی سے ایک انسان کو پتھر کی مورت کے قدموں میں موت کے گھاٹ اتار سکتے ہیں ان سے کسی رحم دلی کی کیا توقع کی جاسکتی تھی۔

ڈاکٹر رادھا نے اگرچہ اس واقعے کے بارے میں پولیس کو اطلاع نہ دینے کا عندیہ دیا تھا لیکن یہ ضروری نہیں تھا کہ پولیس اس واقعے سے بے خبر رہے۔ دھرمیش کو پتے پر گولی لگی تھی۔ میں نے خود اسے گرتے ہوئے دیکھا تھا۔ سنگھ وغیرہ اسے اٹھا کرلے گئے تھے۔ ہوسکتا ہے وہ اس وقت تک مرا نہ ہو لیکن اگر وہ مرگیا ہوگا تو بیچ سنگھ اپنے مرنے کی خبر خاموش نہیں بیٹھے گا۔ وہ اگرچہ روپ متی کو بھی اغوا کرکے لے گئے تھے لیکن اس امکان کو نظرانداز نہیں کیا جاسکتا کہ وہ پولیس کو خبر کردیں گے۔

"کیا سوچ رہے ہو؟" ڈاکٹر رادھا نے سوالیہ نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔

"اگر بیچ سنگھ نے پولیس کو اطلاع دے دی تو؟" میں نے کہا۔

"وہ ایسا نہیں کریں گے۔" رادھا نے جواب دیا "اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ آدھی رات کے بعد انہوں نے یہاں حملہ کیا تھا اور پھر دوسری بات یہ کہ معاملہ ایک عورت کا ہے اور روپ متی بھی غائب ہے۔ پچھلی بار پولیس نے گھوس (رشوت) کھا کر ان کی حمایت کردی تھی لیکن اس مرتبہ ایسا نہیں ہوگا۔ روپ متی کوئی گری پڑی عورت تو نہیں کہ نظرانداز کردیا جائے گا۔ یہاں کے راجواڑے ان پولیس افسروں کی کھال کھینچ لیں گے جو اس معاملے میں بیچ سنگھ کی حمایت کریں گے۔ بیچ سنگھ بھی اس بات کو سمجھتا ہوگا۔ اگر اس نے پولیس کے پاس جانے کی کوشش کی تو پہلے ہی دھرلیا جائے گا۔ ویسے۔۔۔" وہ خاموش ہوکر دیوار پر لگی گھڑی کی طرف دیکھنے لگی "مجھے یہاں آئے ہوئے تقریباً تین گھنٹے ہوچکے ہیں۔ یہ واقعہ کب پیش آیا تھا؟"

"ڈیڑھ اور دو بجے کے بیچ۔" میں نے پہلو بدلتے ہوئے جواب دیا۔ کرسی اگرچہ آرام دہ تھی مگر جسم کی چوٹوں کی وجہ سے میں کافی بے چینی محسوس کررہا تھا۔

"اس کا مطلب ہے کہ تقریباً پانچ گھنٹے گزر چکے ہیں۔" رادھا نے کہا "اگر انہوں نے اطلاع دی ہوتی تو پولیس اب تک یہاں پہنچ چکی ہوتی۔"

اور پھر ٹھیک اسی وقت حویلی کا پھاٹک دھڑدھڑائے جانے کی آواز سنائی دی۔

پھاٹک دھڑدھڑائے جانے کے اس انداز میں جارحیت نمایاں تھی۔ کوئی عام آدمی اس طرح دستک نہیں دے سکتا تھا۔ ہم تینوں نے معنی خیز انداز میں ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

میں ایک جھٹکے سے اٹھ گیا اور ادھر اُدھر دیکھنے لگا۔ دیوار کے پائے کے قریب اندر کی طرف پستول پڑا ہوا دیکھ کر میں جلدی سے آگے لپکا اور پستول اٹھالیا۔ یہ وہی پستول تھا جس سے روپ متی نے دھرمیش کو گولی ماری تھی۔ میں چند لمحے پستول کو الٹ پلٹ کر دیکھتا رہا پھر مندری کو اشارہ کیا۔

"تم جاکر گیٹ کھولو۔ اگر پولیس یا کوئی اور ہو تو اسے حویلی میں داخل ہونے کی کوشش کرنا۔ میں اس دوران میں دیکھوں گا کہ ہمیں کیا کرنا چاہیے۔"

مندری اٹھ کر تیزی سے باہر نکل گئی۔ ڈاکٹر رادھا نے اٹھ کر دروازہ بند کردیا اور میرے قریب آگئی۔ میں ٹیرس والے دروازے کی طرف آگیا۔ دروازہ کھلا ہوا تھا۔ میں نے پردہ برابر کردیا اور ایک کونا ذرا سا سرکا کر باہر جھانکنے لگا۔ یہاں سے حویلی کا پھاٹک صاف نظر آرہا تھا۔ ڈاکٹر رادھا بھی پردے کے دوسری طرف کا کونا سرکا کر باہر دیکھ رہی تھی۔ اس کے چہرے پر خوف کے تاثرات نمایاں تھے۔ اس نے میرے سامنے بیٹھ کر بڑی بڑی باتیں کی تھیں۔ پنڈتوں اور پجاریوں کو برا بھلا کہا تھا۔ پولیس پر دشنام طرازیاں کی تھیں لیکن میں سمجھتا ہوں کہ کوئی شخص خواہ کتنا ہی بڑا اور نڈر کیوں نہ ہو، پولیس کے نام سے بدک جاتا ہے۔ پولیس ہر ملک کی ایک جیسی ہی ہوتی ہے۔ ایک معمولی سا کانسٹیبل بھی بڑے سے بڑے آدمی کو سڑک پر ننگا کرسکتا ہے اور ڈاکٹر رادھا تو ایک عام سی عورت تھی۔ اس کے خیالات بہت سیدھے سادے تھے۔ وہ نئی محفلوں میں بیٹھ کر تو بے باکی سے اپنے ان خیالات کا اظہار کرسکتی تھی لیکن پولیس کا سامنا کرنا شاید اس کے بس کی بات نہیں تھی۔

چند سیکنڈ بعد ہی مندری پورچ سے نکل کر پھاٹک کی طرف بڑھتی ہوئی نظر آئی۔ پھاٹک کے قریب پہنچ کر اس نے ایک بار پیچھے مڑ کر دیکھا اور ذیلی دروازہ کھول دیا اور اندر داخل ہونے والے کو دیکھ کر میرے منہ سے بے اختیار گہرا

سب لنک ڈائجسٹ کے مشہور سلسلے کتابی شکل میں دستیاب ہیں
اقابلا
ارما
غلام اور حیلیں
دو حصے مکمل قیمت 50/- روپے فی حصہ
ڈاک خرچ -/23 روپے
دو حصے مکمل
قیمت 50/- روپے فی حصہ
ڈاک خرچ -/23 روپے
قیمت : -/40 روپے
ڈاک خرچ -/23 روپے
کتابات پبلی کیشنز، پوسٹ بکس ۲۲۰۰، کراچی

سانس نکل گیا۔
وہ جانکی تھی۔
"یہ کون ہے؟" ڈاکٹر رادھا نے الجھی ہوئی نظروں سے میری طرف دیکھا۔
"جانکی۔" میں نے جواب دیا۔
"اوہ۔۔۔ تو یہ ہے جانکی۔" رادھا بولی "روپ متی نے اس کی بہت تعریف کی تھی۔ یہ تو اس سے بھی کہیں زیادہ حسین ہے۔"
جانکی کی تعریف سن کر میں مسکرائے بغیر نہیں رہ سکا۔ میں نے پردہ پوری طرح ہٹا دیا اور باہر دیکھنے لگا۔ سورج طلوع ہو چکا تھا۔ نرم اور روپہلی دھوپ میں جانکی کا چہرہ دمکتا ہوا نظر آ رہا تھا۔ وہ تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی آگے بڑھ رہی تھی۔ مندری بھی اس کے ساتھ تھی اور شاید وہ تیز لہجے میں اسے کچھ بتانے کی کوشش کر رہی تھی۔
وہ دونوں پورچ کے نیچے میری نگاہوں سے اوجھل ہو گئیں۔ میں بھی اپنی جگہ سے ہٹ گیا اور کمرے کا دوسرا دروازہ کھول دیا۔ ڈاکٹر رادھا بھی کمرے کے وسط میں کھڑی دروازے کی طرف دیکھ رہی تھی۔
ایک منٹ بعد جانکی اندر داخل ہوئی۔ کمرے کی حالت دیکھ کر وہ دروازے ہی میں رک گئی اور پھر مجھے دیکھ کر وہ تیزی سے میری طرف لپکی۔
"اوہ۔۔۔ یہ سب کیا ہوا ہے۔ تم ٹھیک تو ہو نا۔ روپ متی کہاں ہے؟" اس نے ایک ہی سانس میں کئی سوال کر ڈالے۔
"میں ٹھیک ہوں۔" میں نے جواب دیا "بیٹھ جاؤ۔ آرام سے بات کریں گے۔"
جانکی ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔ وہ الجھی ہوئی نظروں سے ڈاکٹر رادھا کی طرف دیکھ رہی تھی اور میں اس کی طرف۔ اس کے بال کسی حد تک بکھرے ہوئے، آنکھیں سرخ اور چہرہ تپتا ہوا تھا۔ ساڑی بھی مسلی ہوئی تھی۔
"مندری۔" ڈاکٹر رادھا نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "بہتر ہو گا کہ تم سب کے لیے چائے یا کافی بنا لاؤ تاکہ ہم کوئی ڈھنگ کی بات سوچ سکیں۔ اس وقت تو ذہن بری طرح الجھا ہوا ہے۔"
مندری باہر چلی گئی۔ میں نے ڈاکٹر رادھا اور جانکی کا تعارف کرایا۔
"جانکی بھی ڈاکٹر ہے۔" میں نے کہا "اس کی ساری زندگی تھائی لینڈ میں گزری ہے۔ ہندوستان میں بھی اس کے خاندان کے کچھ لوگ ہیں لیکن یہاں آ کر ہم عجیب حالات میں الجھ کر رہ گئے ہیں۔ کسی سے رابطہ کرنا ممکن نہیں مل سکا۔"
وہ دونوں کچھ دیر آپس میں باتیں کرتی رہیں پھر جانکی میرے قریب آ گئی اور میری چوٹوں کا جائزہ لینے لگی۔ اس نے میرا کرتہ اٹھا کر میری پشت پر بھی چوٹوں کا جائزہ لیا پھر رادھا سے اس سلسلے میں تبادلۂ خیال کرنے لگی۔
"تمہارا یہ دوست بہت باہمت آدمی ہے۔" ڈاکٹر رادھا نے مسکراتے ہوئے جواب دیا "اگر کسی اور کی اتنی چوٹیں ہوتی تو ہفتہ دس دن تک بستر سے اٹھنے کا نام نہ لیتا۔ دیکھو۔ کتنے مزے سے ٹہل رہا ہے۔"
اتنے میں مندری چائے بنا کر لے آئی۔
"اب کیا کیا جائے۔" ڈاکٹر رادھا نے چائے کا مگ لیتے ہوئے سوالیہ نگاہوں سے میری طرف دیکھا "روپ متی کے بارے میں کیسے معلوم کیا جائے۔"
"تیج سنگھ کے ایک دو ٹھکانے میرے علم میں ہیں۔" روپ متی ہی نے بتایا تھا۔" میں نے جواب دیا "سب سے پہلے ان ٹھکانوں پر معلوم کیا جائے یا پھر میرے ذہن میں ایک ترکیب ہے۔"
"وہ کیا؟" ڈاکٹر رادھا نے پوچھا۔
"میں اور جانکی یہاں سے کسی دوسری جگہ منتقل ہو جاتے ہیں اور مندری کی طرف سے پولیس میں رپورٹ لکھوا دی جائے۔ مندری پولیس کو یہ بتائے گی کہ وہ تیج سنگھ کے ساتھ کالی کے مندر گئی ہوئی تھی۔ صبح واپس آئی تو کمرا اس حالت میں ملا اور روپ متی غائب تھی۔"
"اس طرح بات بہت لمبی ہو جائے گی۔" ڈاکٹر رادھا نے جواب دیا "اور بھی بہت سے لوگ پیٹ میں آئیں گے۔ پولیس تم دونوں کو بھی تلاش کرے گی۔ تم ایمرجنسی کو نہیں جانتے۔ یہاں چبھتے ہوئے خنڈے اور بدمعاش قسم بھرتی کیے جاتے ہیں۔ نہایت سفاک اور بے رحم تشدد کے ایسے ایسے طریقے جانتے ہیں کہ پتھر بھی بولنے مجبور ہو جاتے ہیں۔ اگر تم دونوں ایک بار پولیس کے ہتھے پھنس گئے تو زندگی بھر اپنا پیچھا نہیں چھڑا سکو گے اور میں کسی ایسے چکر میں نہیں پھنسنا چاہتی۔"
"تو پھر۔۔۔؟" میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔
"ہمیں اپنے طور پر انہیں تلاش کرنا چاہیے۔" رادھا نے جواب دیا۔

"ہم دونوں تو اس شہر میں اجنبی ہیں۔ اگر تم اس سلسلے میں ہماری کچھ مدد کر سکو تو۔۔۔؟" میں نے کہا۔
"میں ٹھاکر بھانوت سنگھ سے بات کرتی ہوں۔" ڈاکٹر رادھا نے کہا۔ "وہ میرا اور روپ متی کا دوست ہے۔ قابلِ اعتبار بھی ہے۔ ان دونوں بھائیوں کو بھی اچھی طرح جانتا ہے۔ ہو سکتا ہے وہ اس سلسلے میں ہماری کوئی مدد کر سکے۔"
"کیا اس پر بھروسا کیا جا سکتا ہے؟" میں نے پوچھا۔
"ہاں۔" ڈاکٹر رادھا نے اثبات میں سر ہلایا "وہ ان چند لوگوں میں سے ہے جو روپ متی سے واقعی مخلص ہیں۔ ٹھاکر بھانوت سنگھ بھی روپ متی کو سمجھاتا رہتا تھا لیکن پھر بالکل الگ ہو گیا اور روپ متی سے ملنا بھی چھوڑ دیا۔ مجھے یقین ہے وہ ہماری مدد پر آمادہ ہو جائے گا۔"
"ٹھیک ہے۔" میں نے کہا "میرا خیال ہے ہم نیچے چلتے ہیں۔ تم فون پر اس سے بات کرو۔"
ہم روپ متی والے کمرے سے نکل آئے۔ اس کمرے کی حالت ایسے ہی رہنے دیا گیا تھا۔ نیچے آتے ہوئے ڈاکٹر رادھا مجھے ٹھاکر بھانوت سنگھ کے بارے میں بتاتی رہی۔ اس کے مطابق بھانوت سنگھ کی عمر پینتیس کے لگ بھگ رہی ہو گی۔ وہ دراصل روپ متی کے پتی (شوہر) کا بچپن کا دوست تھا۔ اس کے دیہانت (انتقال) کے بعد جب اس نے روپ متی کو غلط راستے پر چلتے دیکھا تو اسے سمجھانے کی کوشش کرتا رہا۔ اس نے روپ متی کو شادی کی پیشکش بھی کی تھی۔ وہ اسے اپنانے کو تیار تھا مگر روپ متی نے انکار کر دیا۔ بھانوت سنگھ اس کے بعد بھی اسے سمجھانے کی کوشش کرتا رہا اور بالآخر جب وہ سمجھ گیا کہ اب وہ سیدھی راہ پر آنے والی نہیں تو بھانوت سنگھ نے اس سے ملنا ہی چھوڑ دیا لیکن وہ روپ متی کی حالت پر کڑھتا رہتا تھا۔ وہ اکثر ڈاکٹر رادھا سے ملتا اور روپ متی کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کرتا رہتا۔
ڈاکٹر رادھا نیچے آ کر ہال میں اس طرف چلی گئی جہاں میز پر ٹیلی فون رکھا ہوا تھا۔ میں جانکی کے ساتھ اپنے کمرے میں آ گیا۔
"ہاں۔ اب بتاؤ۔" میں نے بیڈ پر نیم دراز ہوتے ہوئے جانکی کی طرف دیکھا جو ایک کرسی پر بیٹھ چکی تھی "تم نے کالی کے مندر میں مرلی دھر کو دیکھا تھا۔ کیا دارا بھی۔۔۔"
"نہیں۔" جانکی نے میری بات کاٹ دی "دارا کے بارے میں فی الحال کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ میں نے صرف مرلی دھر کو دیکھا تھا اور مندری کو یہاں دوڑا دیا تھا۔ میرا خیال تھا تم آ جاؤ گے تو ہم ۔۔۔ گھیرنے کی کوشش کریں گے لیکن مندری یہاں آ کر پھنس گئی۔"
"مندری نے دیوان سنگھ کو واپس بھیج دیا تھا تاکہ تمہیں لے آئے۔ وہ بھی ابھی تک واپس نہیں آیا۔" میں نے کہا۔
"دیوان سنگھ مجھے وہاں تلاش کر بھی نہیں سکتا تھا۔" جانکی نے جواب دیا۔ "چار بجے کے قریب پنڈت مرلی دھر کالی کے مندر سے نکل گیا تھا اور میں بھی اس کے تعاقب میں چل پڑی تھی۔"
"تو کیا وہ اس وقت کالی کے مندر میں نہیں ہے؟" میں نے پوچھا۔
"نہیں۔" جانکی نے جواب دیا "وہ اس وقت نیو گیٹ اور چوڑا راستہ والے چوراہے کے قریب واقع ایک مندر میں ہے۔ میں اس خیال سے اس مندر کی سیڑھیوں پر بیٹھی رہی کہ شاید وہ وہاں سے کہیں اور جائے گا لیکن ایک پجاری سے پتا چل گیا ہے کہ وہ کئی ہفتوں سے اسی مندر میں رہ رہا ہے۔ یہ معلوم ہونے کے بعد میں فوراً ہی وہاں سے چل پڑی اور یہاں کی صورتِ حال دیکھ کر تو میرے حواس اڑ گئے۔ یہ سب کچھ کیسے ہوا؟"
"میرا خیال ہے تیج سنگھ وغیرہ موقع کی تاک میں تھے۔" میں نے جواب دیا اور اسے تفصیل بتانے لگا لیکن سوم رس اور شراب کا قصہ گول کر گیا تھا۔
"اس کا مطلب ہے کہ ہمیں جلد ہی کوئی قدم اٹھانا پڑے گا۔ بصورتِ دیگر روپ متی کی جان کو خطرہ بھی ہو سکتا ہے۔" جانکی نے کہا۔
"ڈاکٹر رادھا نے اپنے ایک دوست کو بلایا ہے۔ اس کے آنے کے بعد ہی دیکھتے ہیں کہ کیا کیا جا سکتا ہے۔" میں نے جواب دیا۔
ہم ابھی باتیں کر رہے تھے کہ مندری دروازے میں نمودار ہوئی۔
"میں ناشتا بنا رہی ہوں۔ تم لوگ بڑے کمرے میں آ جاؤ۔" اس نے باری باری ہم دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اور واپس چلی گئی۔
"تمہاری اب کیا حالت ہے۔ لگتا ہے انہوں نے ٹھیک ٹھاک مار لگائی تھی۔" جانکی نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔
"اپنی غلطی سے ان کے ہتھے چڑھ گیا تھا۔" میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا "اگر میں حواس میں رہتا تو یہ صورتِ حال نہ ہوتی۔"
"کیا مطلب!" جانکی نے مجھے گھورا "تمہارے حواس گھاس چرنے چلے گئے تھے کیا؟"

"وہ لوگ اچانک ہی کمرے میں گھس آئے تھے۔" میں نے بات بناتے ہوئے کہا "ایسی صورت میں حواس پر قابو رکھنا مشکل ہی ہوتا ہے۔"

جانکی چند لمحے گھورتی ہوئی نگاہوں سے میری طرف دیکھتی رہی پھر اٹھ کر باتھ روم میں گھس گئی اور میں ہال میں آگیا۔

ڈاکٹر رادھا ٹیلی فون والی میز کے قریب ہی ایک صوفے پر بیٹھی ہوئی تھی اور مندری کچن میں تھی۔ ویسے مندری کی حقیقت پسندی مجھے پسند آئی تھی۔ صورتِ حال کیسی بھی رہی ہو' اس نے کھانے پینے کا ہمیشہ خیال رکھا تھا۔ کسی پریشانی میں خالی پیٹ رہنے سے پریشانی بڑھ جاتی ہے اور مندری اس حقیقت سے واقف تھی کہ خالی پیٹ رہنے سے کوئی مسئلہ حل نہیں ہوتا۔

چند منٹ بعد جانکی بھی وہاں آگئی۔ نہانے اور کپڑے بدل لینے سے وہ تازہ دم لگ رہی تھی لیکن رات بھر جاگنے کی وجہ سے اس کی آنکھوں میں سرخی برقرار تھی۔

ہم ناشتا کر ہی رہے تھے کہ دیوان سنگھ بھی پہنچ گیا۔ صورت سے وہ خاصا پریشان لگ رہا تھا لیکن جانکی کو دیکھ کر اس کے چہرے پر طمانیت سی آگئی۔ ہم نے اسے بھی اپنے ساتھ ناشتے کی میز پر بٹھالیا۔

ڈاکٹر رادھا کا دوست ٹھاکر بھانوت سنگھ دس بجے کے قریب وہاں پہنچا تھا۔ وہ ایک خوب رو اور بھرپور جوان آدمی تھا۔ پُروقار شخصیت کا مالک۔

"تمہارے بارے میں میرے خیالات کچھ اور تھے۔" وہ تعارف ہونے کے بعد میری طرف دیکھتے ہوئے بولا "میں یہی سمجھتا تھا کہ تم بھی ایسے ہی لوگوں میں سے ہو جو بہتی گنگا میں ہاتھ دھونے کا فن جانتے ہیں لیکن ایک رات پتا چلا کہ تم نے روپ متی کو شراب نوشی پر سرزنش کی تھی اور اسے گھسیٹتے ہوئے ہوٹل سے لے آئے تھے۔ ایسی حرکت تو کوئی ایسا ہی شخص کر سکتا ہے جسے واقعی اس سے ہمدردی ہو۔ اس واقعے کے بعد مجھے تمہارے بارے میں اپنے خیالات بدلنے پڑے تھے۔"

"اب سب سے اہم مسئلہ یہ ہے کہ روپ متی کو کیسے تلاش کیا جائے۔" میں نے کہا "وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کے لیے خطرہ بھی بڑھتا جائے گا۔"

"آج ہی پتا چلالیا جائے گا۔" ٹھاکر بھانوت سنگھ نے کہا "وہ گندی نالی کے کیڑے اگر اپنے آپ کو ہمارے برابر سمجھنے لگے ہیں تو یہ ان کی بھول ہے۔ ناجائز طریقے پر دولت جمع کر لینے کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ انسان کی ذات اور فطرت بھی بدل گئی ہے۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بولا "غلطی اس میں روپ متی ہی کی ہے۔ اس نے اپنے آپ کو اتنا محفوظ سمجھ لیا کہ تھرڈ ریٹ غنڈے بھی امیدیں لگائے بیٹھے تھے۔ بہرحال' میں آج ہی ان کا سراغ لگالوں گا۔ وہ اس شہر میں ہوں یا کہیں اور بچ کر نہیں جاسکیں گے۔"

ہم لوگ باتیں کرتے ہوئے اوپر آگئے۔ کمرے کے بکھرے ہوئے سامان کا جائزہ لیتے ہوئے میری نظر قالین پر ایک طرف پڑے ہوئے چاندی کے ایک تعویذ پر پڑ گئی۔ میں نے جھک کر وہ تعویذ اٹھالیا۔ اس میں سیاہ رنگ کی ڈوری لگی ہوئی تھی جو ٹوٹ جانے سے تعویذ بچ سنگھ یا دھرمیش کے گلے سے گرا تھا۔ میں نے ان دونوں کو ایسے تعویذ پہنے ہوئے دیکھا تھا اور ظاہر ہے یہ انہی میں سے کسی ایک کا ہو سکتا تھا۔

تقریباً ایک گھنٹے بعد ٹھاکر بھانوت سنگھ چلا گیا۔ اس نے وعدہ کیا تھا کہ وہ فوراً ہی اپنے آدمیوں کو ان کی تلاش پر لگا دے گا۔ ڈاکٹر رادھا بھی چلی گئی۔

ہم سب مل کر کمرے کی حالت درست کرنے لگے۔ ہم پر حملہ ہونے سے پہلے نیچے والے کمرے کی کھڑکی کا شیشہ ٹوٹنے اور غالباً تیج سنگھ کی آواز سن کر ہی روپ متی نے اپنا پستول تلاش کرنا شروع کیا تھا لیکن وہ اس قدر بدحواس ہو رہی تھی کہ اس نے ڈریسنگ ٹیبل اور الماری کا سارا سامان نکال کر پھینک دیا تھا۔ اسے یاد نہیں آرہا تھا کہ پستول اس نے کہاں رکھا تھا لیکن بہرحال آخری لمحات میں پستول اس کے ہاتھ آگیا تھا اور اس نے دھرمیش کو گولی ماردی تھی۔ اگر یہ پستول پہلے اس کے ہاتھ میں آچکا ہوتا تو شاید صورتِ حال مختلف ہوتی۔

مجھے بھی اپنے آپ پر ندامت تھی۔ میں کس قدر آسانی سے ان لوگوں سے مار کھا گیا تھا لیکن شاید اس میں میرا بھی قصور نہیں تھا۔ غلطی تو روپ متی کی تھی جس نے اپنی ہوس مٹانے کے لیے مجھے شربت میں سوم رس جیسی چیز پلادی تھی۔ اگر میں اپنے ہوش و حواس میں ہوتا تو تیج سنگھ کو روپ متی کو لے جانے میں کبھی بھی کامیاب نہ ہونے دیتا۔ مجھے ٹھاکر بھانوت سنگھ اور ڈاکٹر رادھا کی اس بات سے اتفاق کرنا پڑا کہ روپ متی کی ذہنیت پر بھی افسوس ہو رہا تھا۔ مجھے ٹھاکر وہ برائی کے راستے پر اتنا آگے نکل چکی تھی کہ اس کی واپسی ناممکن ہو گئی تھی۔

اب یہ بات بھی طے شدہ تھی کہ تیج سنگھ نے پولیس کو اس واقعے کی اطلاع نہیں دی تھی۔ وہ صورتِ حال کی نزاکت اور سنگینی سے واقف تھا۔ خود اس کے پھنس جانے کا بھی احتمال تھا اس لیے وہ پولیس سے دور ہی رہا تھا۔ روپ متی اس کے قبضے میں تھی اور وہ اپنا انتقام لینے کے لیے کچھ بھی کر سکتا تھا اور مجھے روپ متی کے بارے میں تشویش تھی۔ جیسے جیسے وقت گزر رہا تھا' میری تشویش بھی بڑھتی جارہی تھی۔

اس شام میں اور جانکی اس مندر کا جائزہ لینے کے لیے روانہ ہوگئے۔ روپ متی کی تلاش اگرچہ سب سے زیادہ اہم تھی مگر میں نے سوچا کہ اس دوران میں مرلی دھر کے بارے میں بھی کچھ معلومات حاصل کرلی جائیں۔

دیوان سنگھ کار چلا رہا تھا۔ میں اور جانکی پچھلی سیٹ پر بیٹھے ہوئے تھے۔ آج دوپہر کے بعد تارا سنگھ بھی واپس آگیا تھا۔ صورتِ حال جان کر وہ بھی پریشان ہو گیا تھا۔ اسے حویلی میں مندری کے پاس چھوڑ دیا گیا تھا۔

شیراڈ کالا ورش نگر سے نکل کر گووند مارگ والی سڑک پر ہوتی ہوئی اگرہ مارگ پر بائیں طرف مڑ گئی۔ یہ مرزا اسمٰعیل روڈ (ایم آئی روڈ) تھی۔ بہت کشادہ سڑک تھی۔ شہر کے تمام اہم بازار اور بعض سرکاری دفاتر اس سڑک کے آس پاس تھے۔ ماڈرن آرٹ گیلری' راجستھان گورنمنٹ ہینڈی کرافٹ ایمپوریم' سینٹرل کاپیج انڈسٹریز ایمپوریم اور جنرل پوسٹ آفس کی خوب صورت عمارتیں بھی اسی سڑک پر واقع تھیں۔

کار ایک چوراہے پر دائیں طرف مڑ گئی۔ اگلے چوراہے پر سنگاہیر گیٹ اور سامنے شہر کا مشہور ترین جوہری بازار تھا مگر گاڑی اس طرف مڑنے کے بجائے اسٹیٹ بینک آف انڈیا کی عمارت کے سامنے سے ہوتی ہوئی بند گیٹ والے چوراہے پر جا کر راستہ کی طرف مڑ گئی۔ یہ بھی ایک بارونق بازار تھا جو آگے جا کر تپولیا بازار سے مل جاتا تھا۔

جانکی اب تک دیوان سنگھ کو راستہ بتاتی جارہی تھی۔ اس کے کہنے پر دیوان سنگھ نے کار ایک کشادہ گلی میں روک لی۔

"ہمیں واپسی میں شاید تھوڑی دیر ہو جائے۔ تم یہیں رک کر ہمارا انتظار کرنا۔" جانکی نے دیوان سنگھ سے کہا اور اپنی طرف کا دروازہ کھول کر نیچے اتر گئی۔

میں بھی نیچے اتر آیا۔ شام کا وقت تھا۔ بازار میں گہما گہمی تھی اور رونقیں جگمگا رہی تھیں۔ چند گز آگے جانے کے بعد جانکی بائیں طرف ایک کشادہ گلی میں مڑ گئی۔ یہی گلی آگے جا کر کشن پول بازار سے مل جاتی تھی لیکن ہمیں اس گلی میں زیادہ نہیں چلنا پڑا۔

دائیں طرف ایک بہت بڑا گنیش مندر تھا۔ دس سیڑھیاں چڑھنے کے بعد عمارت کا وسیع و عریض برآمدہ تھا۔ لاتعداد ستون تھے جنہوں نے برآمدے کی چھت کو سہارا دے رکھا تھا۔ سیڑھیوں کے عین سامنے والے دو ستونوں گنیش دیوتا کی بہت بڑی بڑی مورتیاں کندہ تھیں۔ ویسے ہر ستون پر چھوٹی بڑی مورتیاں کندہ تھیں۔

سیاہ ماربل کے فرش والے برآمدے میں بہت سے لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ مندر کا اصل ہال سامنے ہی تھا جہاں گنیش دیوتا کی بہت بڑی مورتی رکھی ہوئی تھی۔ مندر میں آنے والے لوگ چھت پر لگی ہوئی گھنٹیاں بجاتے' مورتی کے سامنے ہاتھ جوڑ کر پرارتھنا (دعا) کرتے کوئی چیز بھینٹ چڑھاتے اور ایک طرف ہٹ جاتے۔

"پنڈت مرلی دھر کو میں نے صبح اس راہداری میں جاتے ہوئے دیکھا تھا۔" جانکی نے سرگوشی کرتے ہوئے آنکھ سے ایک طرف اشارہ کیا۔ "کئی پجاری یہاں گھوم رہے ہیں۔ میرا خیال ہے ہمیں کسی سے اس کے بارے میں پوچھ لینا چاہیے۔"

"ٹھیک کہتی ہو۔ اس طرح اگر ہم سارا دن بھی یہاں کھڑے رہیں تو شاید وہ ہماری نظروں میں نہ آسکے۔ چلو اس پنڈت سے پوچھتے ہیں۔ وہ اسی طرف آرہا ہے۔" میں نے ایک پنڈت کی طرف اشارہ کیا۔ اس نے پیلے رنگ کی ایک چادر ساڑی کی طرح اپنے جسم پر لپیٹ رکھی تھی۔ توند مٹکے کی طرح آگے کو نکلی ہوئی تھی۔ مجرب چہرہ' پھولے ہوئے گال اور سرخ آنکھیں اور گلے میں رنگ برنگے موتیوں کی کئی مالائیں نظر آرہی تھیں۔ سر گنجا اور چوڑی پیشانی پر قشقہ۔

میں اس پجاری کی طرف بڑھنا ہی چاہتا تھا کہ بائیں طرف سے آنے والے ایک آدمی کو دیکھ کر ٹھٹک گیا۔ دوسرے ہی لمحے میں نے جانکی کا ہاتھ پکڑا اور اسے کھینچتا ہوا ایک ستون کے پیچھے لے گیا۔

"کیا ہوا؟" جانکی نے الجھی ہوئی نظروں سے میری طرف دیکھا۔ وہ اس طرح کھینچے جانے پر بدحواس ہو گئی تھی۔

"وہ اس آدمی کو دیکھ رہی ہو۔ وہ سفید دھوتی کرتے والا جو مورتی کی طرف جارہا ہے۔" میں نے ستون کی آڑ سے اشارہ کیا "یہ تیج سنگھ کا ساتھی ہے۔ کل رات روپ متی کے کمرے میں داخل ہوتے ہی اس نے خنجر سے مجھ پر حملہ کیا تھا۔"

"اوہ!" جانکی چونک گئی "تمہیں کوئی غلط فہمی تو نہیں

ہوئی۔ میرا مطلب ہے اتنی سنگین واردات کے بعد وہ اس طرح دیدہ دلیری کا مظاہرہ کس طرح کرسکتے ہیں کہ۔۔۔"

"میری نظریں دھوکا نہیں کھا سکتیں۔" میں نے اس کی بات کاٹ دی "کل رات یہ لوگ شاید مجھے مردہ سمجھ کر چھوڑ گئے تھے۔ انہیں تو توقع بھی نہیں ہوگی کہ میں اس طرح گھوم پھر رہا ہوں گا۔ تم ایسا کرو۔۔۔" میں نے خاموش ہو کر اِدھر اُدھر دیکھا اور ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا "تم ٹہلتی ہوئی اس کے قریب چلی جاؤ۔ اسے جال میں پھنسانا تمہارے لیے مشکل نہیں ہوگا۔ تم اسے لے کر اس دروازے سے باہر نکل جاؤ۔ آگے میں سنبھال لوں گا۔"

جانکی میرا مطلب سمجھ گئی۔ اس نے مسکرا کر۔۔۔ میری طرف دیکھا اور آگے بڑھ گئی۔ میں نے ستون کی آڑ سے جھانک کر دیکھا۔ وہ شخص خاصا قد آور اور جسیم تھا۔ مجھے لگا جیسے اس کا تعلق بھی پہلوانوں کے کسی خاندان سے تھا مخصوص انداز میں بندھی ہوئی سفید دھوتی' اجلا سفید کرتہ اور ماتھے پر تیکا۔ وہ بہت بھلا مانس اور شریف آدمی لگ رہا تھا۔ اس کے ایک ہاتھ میں پیتل پلیٹ تھی جس میں ناریل' پھول' مٹھائی اور ایسی ہی چیزیں رکھی ہوئی تھیں۔ اس قسم کی تیار تھالیاں باہر دکانوں پر ملتی تھیں۔

اس نے تھالی گنیش دیوتا کے چرنوں پر رکھ دی اور کرتے کے نیچے ہاتھ ڈال کر چند نوٹ نکالے۔ چند قدم دور کھڑا ہوا۔ ایک پجاری فوراً قریب آگیا اور اس کے ہاتھ سے نوٹ لے کر اپنی چادر کے اندر کسی جیب میں ڈال لیے اور مورتی کے سامنے رکھی ہوئی اس کی تھالی میں سے مٹھائی کا ایک ٹکڑا اٹھا کر اس کی ہتھیلی پر رکھ دیا۔ یہ پرساد تھا۔

ٹھیک اسی وقت جانکی بھی وہاں پہنچ گئی۔ پنڈت نے اسے بھی پرساد دیا۔ جانکی نے مٹھائی کا ٹکڑا منہ میں رکھ لیا اور فوراً ہی اس شخص کی طرف متوجہ ہوگئی۔

میں ستون کی آڑ سے نکل کر تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا دائیں طرف اس دروازے کی طرف بڑھ گیا جس کے بارے میں جانکی کو ہدایت کی تھی۔ وہ دروازہ بھی کافی کشادہ تھا اور اس طرف سے بھی لوگوں کی آمدورفت جاری تھی۔ میں اس دروازے سے نکل کر سائیڈ اسٹریٹ میں آگیا۔

یہ گلی زیادہ کشادہ نہیں تھی۔ مندر کے دروازے پر ایک بلب جل رہا تھا۔ اس گلی میں رہائشی مکان تھے۔ مکانوں کے سامنے مدھم روشنی والے بلب جل رہے تھے۔ دائیں طرف یہ گلی دور تک چلی گئی تھی جبکہ بائیں طرف تقریباً بیس گز آگے جاکر اس کشادہ گلی سے مل جاتی تھی جس طرف مندر کا مرکزی دروازہ اور برآمدہ تھا۔

میں دروازے سے ذرا ہٹ کر ایسی جگہ کھڑا ہوگیا جہاں روشنی زیادہ نہیں تھی۔ مجھے زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا۔ پانچ منٹ بعد جانکی اس آدمی کے ساتھ مندر کے دروازے سے باہر نکلی۔ میں رخ پھیر کر کھڑا ہوگیا۔

صرف ایک منٹ بعد وہ دونوں میرے قریب سے گزرے۔ اس شخص نے ایک ہاتھ جانکی کی کمر میں حمائل کر رکھا تھا۔ کشادہ گلی والے موڑ پر آکر وہ دونوں رک گئے۔

"اس طرف۔" اس شخص نے جانکی سے کہا "اِدھر میری گاڑی کھڑی ہے۔"

"نہیں مسٹر! اس طرف۔۔۔ ہماری گاڑی ادھر کھڑی ہے۔" میں نے اس شخص کے برابر پہنچ کر کہا۔

وہ شخص اس مداخلتِ بے جا پر اچھل پڑا۔ اس نے گردن گھما کر میری طرف دیکھا تو اس کا چہرہ ایک دم دھواں ہوگیا۔ اس نے جانکی کی کمر سے ہاتھ ہٹالیا۔

"نہیں۔ تم کوئی حرکت نہیں کرو گے۔" میرے حلق سے غراہٹ نکلی اور اس کے ساتھ ہی میں نے پستول کی نال اس کے پہلو سے لگا دی "اگر تم نے منہ سے آواز بھی نکالی تو اس پستول کی ساری گولیاں تمہارے جسم میں اتار دوں گا۔ خاموشی سے چلتے رہو۔ بالکل اسی طرح جس طرح پہلے چل رہے تھے۔ اپنا ہاتھ اس کی کمر پر لپیٹ دو۔ شاباش۔"

اس نے میرے حکم کی تعمیل میں ذرا بھی کوتاہی نہیں کی تھی۔ اس نے اپنا بایاں ہاتھ پہلے کی طرح جانکی کی کمر کے گرد حمائل کردیا۔ وہ ہمارے درمیان چلتا رہا۔ پہلے تو وہ جانکی کو نجانے کیسے کیسے سبز باغ دکھا رہا تھا لیکن اب اس طرح خاموش تھا جیسے زبان گنگ ہوگئی ہو۔

ہم بازار کی طرف جانے کے بجائے بیچ کی ایک تنگ سی گلی میں داخل ہوگئے۔ یہاں اِکا دُکا لوگوں کی آمدورفت تھی۔ میں نے اس کے پہلو پر پستول کا دباؤ بڑھا دیا تاکہ وہ موقع سے فائدہ اٹھانے کی کوشش نہ کرے۔

دوسری کشادہ گلی میں نکل کر میں نے ادھر اُدھر دیکھا۔ ہماری شیراڈ بائیں طرف تقریباً دس گز کے فاصلے پر کھڑی تھی۔ دیوان سنگھ ایک بند دکان کے تھڑے پر ایک اور آدمی کے ساتھ باتیں کررہا تھا۔ ویسے اس کشادہ گلی میں زیادہ تر دکانیں تھیں اور خاصی رونق تھی۔

دیوان سنگھ ہمیں دیکھتے ہی اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ میں اس شخص کے ساتھ بالکل جڑ کر چل رہا تھا تاکہ کوئی راہ گیر میرے ہاتھ میں پستول نہ دیکھ لے۔ کار کے قریب پہنچ کر جانکی

گھوم کر دوسری طرف چلی گئی۔

کے دروازے لاک نہیں تھے۔ جانکی دوسری طرف کھول کر اندر بیٹھ چکی تھی۔ میں نے اپنی طرف کا کھول کر اس شخص کو اندر دھکیلا اور خود بھی اس کے بیٹھ کر دروازہ بند کرلیا۔ دیوان سنگھ نے اپنی سیٹ پر ئے ایک مرتبہ پیچھے مڑ کر دیکھا تھا اور پھر انجن کر کے کار آگے بڑھادی۔

انی نے عقل مندی کی۔ اس نے بیٹھتے ہی اس شخص کی بھی لے ڈالی اور اس کی دھوتی کے بند کے بل میں اپنا پستول نکال لیا۔

دیوان سنگھ۔" میں نے اس کی طرف دیکھے بغیر کہا مختصر اور رفتار تیز مگر احتیاط سے۔ حادثہ نہیں ہونا

دیوان سنگھ نے سر ہلا دیا۔

ار واپسی کا راستہ اختیار کرنے کے بجائے تپولیا بازار ل نکل گئی۔ سورج پول گیٹ سے چاند پول بازار تک ی سڑک بہت کشادہ تھی۔ اس پوری سڑک کو ناموں ط سے کئی حصوں میں تقسیم کردیا گیا تھا۔ سڑک کے طرف کشادہ سروس روڈز اور ان کے ساتھ بڑی بڑی تھیں۔ کئی ذیلی گلیاں اور بازار تھے۔

ار سورج پول گیٹ سے کافی آگے نکل کر دائیں طرف ور تقریباً دو کلو میٹر کا فاصلہ طے کرکے آگرہ مارگ سے ولی گووند مارگ کی طرف نکل آئی اور پھر آدرش نگر میں نک پہنچنے میں زیادہ دیر نہیں لگی تھی۔

وچ میں کار سے اترتے ہوئے اس شخص کی ٹانگیں ہولے کانپ رہی تھیں۔

وہ سورج بھان سنگھ تھا۔

وہ بیچ سنگھ کا دوست بھی تھا اور اس کا شاگرد بھی۔ چند پہلے وہ بیچ سنگھ سے پہلوانی کے داؤ پیچ سیکھا کرتا تھا لیکن تی کی نوکری کے بعد ان دونوں بھائیوں نے اکھاڑا بند سورج بھان سنگھ نے شہر کے ایک پس ماندہ علاقے میں اڑا کھول لیا۔ کوشش کے باوجود اس کے شاگردوں کی چوٹی سے اوپر نہیں جاسکی تھی۔ اس علاقے میں وہ نے کے بجائے داوا کے نام سے مشہور ہوگیا۔ ڈیل ڈول ت سے اس علاقے کے کھڑ ریٹ غنڈے' بدمعاش' اش اور اٹھائی گیرے اسے دادا مان کر اس کے میں جمع ہونے لگے۔ اس طرح سورج بھان سنگھ کا بدمعاشی کا اڈا بن گیا۔

سورج بھان سنگھ نے اپنے اردگرد جمع ہونے والوں سے اس طرح فائدہ اٹھایا کہ اس نے علاقے کے دکان داروں' ٹھیلے والوں اور خوانچہ فروشوں سے بھتا وصول کرنا شروع کردیا۔ اس علاقے سے گزرنے والے رکشے اور ٹیکسیوں سے بھی غنڈا ٹیکس وصول کیا جانے لگا۔

سورج بھان سنگھ نے اپنے اس گروہ کو رکھشا منڈل کا نام دیا تھا۔ جو دکان دار بھتا دینے سے انکار کردیتا' توڑ پھوڑ سے اس کی دکان کو تہس نہس کردیا جاتا اس لیے ہر دکان دار طے شدہ رقم ہر مہینے اس کی جھولی میں ڈال دیتا۔

پولیس سورج بھان سنگھ کی ان سرگرمیوں سے آگاہ تھی لیکن علاقے کے انسپکٹر کو بھی اس کی طرف سے باقاعدگی سے بھتا مل رہا تھا اس لیے پولیس نے اس کی طرف سے آنکھیں بند کر رکھی تھیں۔ صرف اس ایک علاقے پر کیا منحصر' پورے شہر میں یہ سلسلہ چل رہا تھا۔

سورج بھان سنگھ کے کہنے کے مطابق ایک ہفتہ پہلے تیج سنگھ نے اسے بلا کر روپ متی کے اغوا کا پروگرام بنایا تھا۔ وہ اس سے اپنی توہین کا انتقام لینا چاہتا تھا۔

"مجھے تیج سنگھ نے پچاس ہزار کی پیشکش کی تھی۔" سورج بھان سنگھ کہہ رہا تھا "پہلی دروازہ کے دادا لالہ رنجیت کو بھی اس نے اپنے ساتھ ملالیا تھا۔ کل رات ہمارے ساتھ وہی تھا۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولا "میرا ایک آدمی ایک ہفتے سے حویلی کی نگرانی کررہا تھا اور کل رات اس نے اطلاع دی کہ میدان صاف ہے تو ہم نے ہلا بول دیا۔ مجھے وہاں مقابلے کی زیادہ توقع نہیں تھی۔ تیج سنگھ نے تمہارے بارے میں بتایا تھا' دو چار ہاتھ سے زیادہ مار برداشت نہیں کرسکو گے لیکن وہاں صورتِ حال مختلف نکلی۔" وہ ایک بار پھر خاموش ہو کر خشک ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگا پھر بولا "روپ متی نے دھرمیش کو گولی ماری تو تیج سنگھ نے اس کی کنپٹی پر ایک ہاتھ مار کر اسے بے ہوش کردیا اور ہم تینوں تم پر پل پڑے اور پھر تمہیں مردہ سمجھ کر چھوڑ گئے۔ بعد میں تیج سنگھ نے یہ بھی کہا تھا کہ اگر تم زندہ بچ بھی گئے تو وہاں رکنے یا پولیس کے پاس جانے کے بجائے بھاگنے کی کوشش کرو گے۔ تم سے اس کی زیادہ دشمنی بھی نہیں تھی۔ وہ تو روپ متی سے بدلہ لینا چاہتا تھا جس کی وجہ سے اسے اس قدر ذلت اٹھانی پڑی تھی۔"

"دھرمیش زندہ ہے یا۔۔۔؟"

"صبح تک تو زندہ تھا۔" اس نے میری بات کاٹ دی۔ "تیج سنگھ نے رات کے پچھلے پہر ہی ایک ڈاکٹر کو بلالیا تھا جس

نے اس کے سینے کے زخم سے گولی نکال دی تھی لیکن میرا خیال ہے اس کے بچنے کا زیادہ چانس نہیں ہے۔ خون بہت زیادہ بہہ چکا تھا۔ بہرحال، میں تیج سنگھ سے اپنی رقم لے کر صبح دس بجے کے قریب وہاں سے آگیا تھا۔ اس کے بعد کا مجھے کچھ علم نہیں لیکن تم۔۔۔" وہ وحشت زدہ سی نظروں سے میری طرف دیکھنے لگا "میرا تو خیال تھا کہ اگر تم زندہ بچ بھی گئے تو کئی ہفتوں تک اسپتال کے بستر سے نہیں اٹھ سکو گے لیکن۔۔۔"

"تمہیں تیج سنگھ نے یہ نہیں بتایا تھا کہ وہ دونوں بھائی دو مرتبہ گدھوں کی طرح مجھ سے پٹ چکے ہیں۔" میں نے کہا "بہرحال۔ وہ لوگ اس وقت کہاں ہیں اور روپ متی کے ساتھ انہوں نے کیا سلوک کیا ہے؟"

"روپ متی کو باندھ کر ایک کمرے میں ڈال دیا گیا تھا۔ دھرمیش کی طرف سے مطمئن ہونے کے بعد ہی تیج سنگھ اس کے بارے میں کوئی فیصلہ کرے گا لیکن اگر دھرمیش مرگیا تو تیج سنگھ روپ متی کو بھی اذیتیں دے کر ہلاک کردے گا۔"

"ایسا وقت آنے سے پہلے ہی میں تیج سنگھ کو ختم کردوں گا۔" میں نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا "وہ لوگ کہاں ہیں؟"

"یہ میں نہیں بتاؤں گا۔" سورج بھان سنگھ نے جواب دیا "تیج سنگھ کو پتا چل جائے گا کہ تم مجھے اغوا کرکے لائے ہو۔ وہ اس حویلی کی اینٹ سے اینٹ بجادے گا۔"

"اسے ایسا موقع نہیں ملے گا۔" میں نے کہا "اس کا ٹھکانا بتاؤ؟"

"تم میری بوٹیاں نوچ دو تو بھی میں تمہیں نہیں بتاؤں گا۔" سورج بھان سنگھ نے ٹھوس لہجے میں جواب دیا۔

"نہیں۔ میں تمہیں ہاتھ بھی نہیں لگاؤں گا لیکن میرے پاس ایسے طریقے بھی ہیں کہ تم خود ہی زبان کھول دو گے اور فر فر بولنے لگو گے۔" میں نے کہا اور ادھر اُدھر دیکھنے لگے۔

اور پھر پندرہ بیس منٹ کے اندر اندر میں نے وہ انتظام کرلیا جس کی مجھے ضرورت تھی۔ سورج بھان سنگھ کو ایک چارپائی پر لٹا کر باندھ دیا گیا۔ اس کا کرتہ میں نے اتروالیا تھا۔ چارپائی سے پانچ چھ فٹ اوپر ایک ڈبا باندھ کر اس میں فریج کا ٹھنڈا پانی اور برف ڈال دی۔ ڈبے کے پیندے میں ایک سوراخ کردیا تاکہ قطرہ قطرہ پانی ٹپکتا رہے۔

سورج بھان سنگھ وحشت زدہ سی نظروں سے باری باری ہم تینوں کی طرف دیکھ رہا تھا۔ کبھی وہ اوپر لٹکے ہوئے ڈبے کو دیکھنے لگتا تھا۔ اس کے ہاتھ پیر اس طرح بندھے ہوئے تھے کہ وہ اپنی جگہ سے حرکت نہیں کرسکتا تھا۔

میں نے دیوان سنگھ کو اشارہ کیا۔ اس نے [illegible] پیندے کے سوراخ میں پھنسی ہوئی کپڑے کی چندھیا [illegible] ٹھنڈے پانی کے قطرے سورج بھان سنگھ کے [illegible] لگے۔ میں نے دیوان سنگھ کی مدد سے چارپائی کو اس [illegible] سے ہلا کر اس طرح سیٹ کیا کہ پانی کے قطرے اب [illegible] بھان سنگھ کے سینے پر عین دل کے مقام پر ٹپک رہے تھے۔

"میں نے وعدہ کیا تھا کہ تمہیں ہاتھ نہیں لگاؤں گا۔" میں نے سورج بھان سنگھ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "لیکن یہ قطرے چند منٹ بعد ہی تمہیں چیخنے پر مجبور کردیں گے۔"

سورج بھان سنگھ کی آنکھوں میں دہشت سی بھر گئی۔ میں نے مندری کو اشارہ کیا اور ہم ہال میں آگئے۔ جانکی پہلے ہی کچن میں جاچکی تھی۔ اسے شاید چائے کی طلب تھی۔ کچھ دیر بعد وہ ہم سب کے لیے چائے بنا کر لے آئی۔ دیوان سنگھ قالین پر آلتی پالتی مار کر بیٹھ گیا تھا۔ تاراسنگھ بھی وہیں تھا۔ مندری اسے وہیں چائے دے آئی تھی۔

"ایک بات کہوں حکم۔ برا تو نہیں مانو گے۔" دیوان سنگھ نے کہا۔

"ہاں۔ بولو۔" میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"سورج بھان سنگھ کو میں بہت اچھی طرح جانتا ہوں۔ پانی کے قطرے اس کا کیا بگاڑ لیں گے۔ اسے تو ہم تارا سنگھ کے حوالے کردو۔ ہم گیراج میں لے جاکر سب کچھ اگلوالیں گے۔" دیوان سنگھ نے کہا۔

"صرف آدھا گھنٹا۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا "اگر میری یہ ترکیب ناکام ہوگئی تو پھر میں اسے تمہارے حوالے کردوں گا۔"

"دیکھ لو حکم۔" دیوان سنگھ بولا "ماتاں کے بھروسے نہیں مانتے۔"

"ایک مرتبہ آزما تو لو۔ صبر کرلو چند منٹ۔" میں نے کہا۔

اور پھر آدھا گھنٹا پورا ہونے سے پہلے ہی سورج بھان سنگھ کی چیخوں کی آواز سنائی دینے لگی۔ میں نے مسکرا کر دیوان سنگھ کی طرف دیکھا اور پھر ہم سب ہال سے اٹھ کر اس کمرے میں آگئے۔

چارپائی پر بندھا ہوا سورج بھان سنگھ کسمسا رہا تھا۔ خوف سے اس کا چہرہ پیلا ہورہا تھا اور وہ رہ رہ کر چیخ رہا تھا۔

"ابھی تو صرف ابتدا ہوئی ہے۔" میں نے اس کے قریب پہنچ کر کہا "قطرہ قطرہ ٹپکنے والا یہ پانی تمہارے سینے میں سوراخ کرے گا اور پھر پانی کے یہ قطرے براہِ راست دل پر پڑیں گے اور دل میں بھی سوراخ کردیں گے۔ اس وقت تک شاید تم زندہ نہیں رہ سکو گے۔"

"نہیں!" وہ چیخا "تم یہ نہیں کرسکتے۔"

"میں تو کچھ بھی نہیں کررہا۔" میں نے جواب دیا "لیکن تمہیں اذیت سے بچنا چاہتے ہو تو۔۔۔"

"نہیں۔ میں کچھ نہیں بتاؤں گا۔ تیج سنگھ مجھے زندہ نہیں چھوڑے گا۔" وہ پھر چیخا۔

"ٹھیک ہے۔" میں نے کندھے اچکا دیے "آرام سے مرو۔ میں تو تمہیں کچھ بھی نہیں کہہ رہا۔"

میں ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ مندری اور دیوان سنگھ بھی ایک طرف کھڑے حیرت سے سورج بھان سنگھ کی طرف دیکھ رہے تھے۔ پانی کے قطرے وقفے وقفے سے ٹپک رہے تھے۔ ہر پانی کی ایک ہی جگہ ٹپکنے والا پانی کا ہر قطرہ اس کے جسم میں ایک جھٹکا سا پیدا کردیتا لیکن وہ چارپائی پر اس طرح بندھا ہوا تھا کہ اپنی جگہ سے ایک انچ بھی حرکت نہیں کرسکتا تھا۔

سورج بھان سنگھ نے سختی سے دانت بھینچ رکھے تھے۔ وہ ہمارے سامنے اپنے آپ کو بزدل ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا لیکن اس کی یہ کیفیت چند منٹ سے زیادہ برقرار نہیں رہ سکی اور وہ ایک بار پھر چیخنے لگا۔

پانی دنیا کی نرم ترین شے ہے لیکن یہ سنگلاخ چٹانوں میں بھی سوراخ کردینے کی طاقت رکھتا ہے۔ انسان تو گوشت و ہڈیوں کا بنا ہوا ہے۔

"مجھے مجھے کھول دو۔۔۔" وہ چیخا "بب۔۔۔ بتاتا ہوں۔۔۔"

"گڈ۔" میں مسکراتے ہوئے کرسی سے اٹھ کر چارپائی کے قریب آگیا اور اوپر رسیوں کی مدد سے لٹکا ہوا ڈبا ایک طرف ہٹا دیا "ہاں۔ اب شروع ہوجاؤ۔ ہمارے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔" میں نے کہا۔

"وہ۔۔۔ وہ۔۔۔ گنیش گڑھ میں ہیں۔ روپ متی بھی وہیں ہے۔" سورج بھان سنگھ نے جواب دیا۔

"گنیش گڑھ میں کس جگہ؟" میں نے سوال کیا اور اس کو قریب بلالیا تاکہ وہ اس کا بتایا ہوا پتا سمجھ سکے۔

سورج بھان سنگھ چند لمحے خاموش رہا پھر اس مکان کا پتا جہاں تیج سنگھ پناہ لیے ہوئے تھا۔

"ٹھیک ہے۔" میں نے کہا اور دیوان سنگھ کی طرف دیکھتے ہوئے بولا "تارا سنگھ کو اندر بلالو اور اس کے ہاتھ پیر کھول دو۔ گیراج یا کسی سرونٹ کوارٹر میں ڈال دو۔"

اور پھر چند منٹ بعد ہی سورج بھان سنگھ کو پیر ہاتھ باندھ کر ایک سرونٹ کوارٹر میں ڈال دیا گیا۔ وہ کمرا بالکل خالی تھا اور اس بات کا بھی خیال رکھا گیا تھا کہ وہ اپنی بندشیں نہ کھول سکے۔

ہال میں آنے کے تھوڑی ہی دیر بعد فون کی گھنٹی بجی۔ مندری نے ریسیور اٹھالیا۔ وہ ایک منٹ تک کسی سے بات کرتی رہی پھر ریسیور میری طرف بڑھا دیا۔

وہ ٹھاکر بھانوت سنگھ تھا۔

"ہیلو ہمت سنگھ!" اس کی آواز میری سماعت سے ٹکرائی۔ اسے میرا نام ہمت سنگھ ہی بتایا گیا تھا "میں نے تیج سنگھ کے ٹھکانے کا پتا لگالیا ہے۔"

"گنیش گڑھ میں۔" میں نے کہا۔

"اوہ!" ٹھاکر کے لہجے میں حیرت تھی "تو تم بھی۔۔۔"

"ہاں۔ میں بھی ہاتھ پر ہاتھ دھرے نہیں بیٹھا تھا۔" میں نے اس کی بات قطع کرتے ہوئے کہا "بہتر ہوگا کہ تم بھی یہاں آجاؤ تاکہ ہم جلد سے جلد کوئی قدم اٹھا سکیں۔"

"میں آدھے گھنٹے میں پہنچ رہا ہوں۔" ٹھاکر بھانوت سنگھ نے جواب دیا اور لائن بے جان ہوگئی۔ میں نے بھی ریسیور رکھ دیا اور جانکی کی طرف دیکھتے ہوئے بولا "ٹھاکر بھانوت سنگھ نے بھی تیج سنگھ کے ٹھکانے کا پتا چلالیا ہے۔ وہ آدھے گھنٹے میں یہاں پہنچ رہا ہے اور پھر ہم گنیش گڑھ کی طرف روانہ ہوجائیں گے۔"

میں دیوان سنگھ سے گنیش گڑھ کے بارے میں پوچھنے لگا۔ میرا خیال تھا کہ یہ کسی قصبے یا آبادی کا نام ہوگا لیکن گنیش گڑھ شہر کے شمال مشرق میں چند کلو میٹر کے فاصلے پر ایک پہاڑی تھی۔ جس پر ایک پرانا قلعہ اور گنیش دیوتا کا ایک چھوٹا سا مندر بھی تھا۔ اس پہاڑی تک پہنچنے کے لیے راجاؤں کے مرگھٹ کے پاس سے گزرنا پڑے گا۔ یہ ایک تاریخی شمشان بھومی ہے۔ جس جگہ کسی راجا کی چتا جلائی گئی، وہیں اس کی یادگار تعمیر کردی گئی ہے۔"

گنیش گڑھ میں کوئی باقاعدہ آبادی تو تھی نہیں۔ پہاڑیوں پر ادھر ادھر قدیم عمارتیں بکھری ہوئی تھیں۔ بہت سی عمارتیں کھنڈر بن چکی تھیں۔ البتہ کہیں کہیں بعض ایسی عمارتیں تھیں جہاں اب بھی دولت مندوں کی رہائش تھی اور تیج سنگھ ایسی ہی کسی عمارت میں چھپا بیٹھا تھا۔

ٹھاکر بھانوت سنگھ تقریباً چالیس منٹ بعد پہنچا تھا۔ ہم تقریباً آدھا گھنٹا پروگرام بناتے رہے اور پھر روانگی کے لیے تیار ہوگئے۔ میں نے صرف دیوان سنگھ کو ساتھ لیا تھا۔ جانکی

بھی ہمارے ساتھ ہولی تھی۔

ٹھاکر جیپ پر آیا تھا۔ وہ ڈرائیونگ سیٹ پر تھا۔ میں اس کے ساتھ بیٹھ گیا۔ جانکی اور دیوان سنگھ پچھلی سیٹوں پر بیٹھ گئے تھے۔ بغیر پڑ کی جیپ تھی اور ہم آسانی سے چاروں طرف دیکھ سکتے تھے۔

روپ متی والا پستول میرے پاس تھا۔ جو ریوالور میں تیج سنگھ کے گھر سے اٹھا کر لایا تھا وہ میں نے جانکی کو دے دیا تھا۔ جانکی بھی اس وقت جینز اور ٹی شرٹ پہنے ہوئے تھی اور ریوالور اس نے پیچھے کمر پر جینز کی بیلٹ میں اڑس رکھا تھا۔

جیپ آورش نگر سے نکل کر مختلف سڑکوں پر ہوتی ہوئی اجمیری گیٹ کی طرف آگئی۔ اس وقت دس بھی نہیں بجے تھے۔ بازاروں میں گہما گہمی تھی۔

شہر سے نکلتے ہی ویرانہ شروع ہوگیا تھا۔ سڑک کے دونوں طرف چھوٹے چھوٹے پہاڑی ٹیلے تھے جو آگے جاکر بتدریج بلند ہوتے چلے گئے اور تنگ سی سڑک ان پہاڑیوں میں بتدریج بل کھاتی ہوئی جارہی تھی۔ اب میں سمجھ گیا کہ ٹھاکر بھانوت سنگھ جیپ لے کر کیوں آیا تھا۔ سڑک بہت تنگ تھی۔ نہایت خطرناک اور تنگ موڑ تھے۔ کوئی بڑی گاڑی تو اس طرف آہی نہیں سکتی تھی اور پجارو یا مرسیڈیز جیسی نازک مزاج گاڑیوں کا بھی اس پہاڑی سڑک پر چلنا ممکن نہیں تھا۔

ان پہاڑیوں میں کہیں کہیں دائیں بائیں تنگ سے راستے نکلتے تھے۔ کئی کلو میٹر کا فاصلہ طے کرنے کے بعد ٹھاکر نے ایک جگہ جیپ روک لی اور تاریکی میں ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ مہاراجوں کا قبرستان بہت پیچھے رہ گیا تھا اور اب پہاڑیوں میں یہ تنگ سی سڑک نہار گڑھ قلعہ تک چلی گئی تھی جو یہاں سے مزید کئی کلو میٹر آگے تھا۔

"میرے آدمی نے بتایا تھا کہ اس راستے کے موڑ پر واقع چٹان پر گنیش کی ادھوری مورتی کھدی ہوئی ہے۔" وہ ایک بار پھر ادھر ادھر دیکھتے ہوئے بولا "لیکن ابھی تک ایسی کوئی چٹان نظر نہیں آئی۔ ہم غلط راستے پر تو نہیں نکل آئے؟"

"وہ چٹان سے آگے ہے حکم۔" پچھلی سیٹ پر بیٹھے ہوئے دیوان سنگھ نے کسی قدر آگے جھکتے ہوئے کہا "سورج بھان سنگھ نے بھی یہی نشانی بتائی تھی۔"

جیپ ایک بار پھر حرکت میں آگئی۔ اس مرتبہ رفتار بہت ہلکی تھی۔ تقریباً نصف کلو میٹر کا فاصلہ طے کرنے کے بعد جیپ ایک بار پھر رک گئی۔ چند گز آگے بائیں طرف چٹانوں میں ایک تنگ سا راستہ تھا اور بالکل سامنے والی چٹان پر ہاتھی کے چہرے والی مورتی ابھارنے کی کوشش کی گئی تھی۔ وجہ سے ادھوری چھوڑ دی گئی تھی۔

"اسی راستے پر موڑلو حکم۔" دیوان سنگھ نے [illegible]

جیپ ایک بار پھر حرکت میں آکر اس تنگ سے [illegible] مڑ گئی۔ تھوڑے ہی فاصلہ طے کرنے کے بعد بائیں [illegible] چٹان پر کسی قدیم عمارت کے کھنڈر دکھائی دیئے۔ [illegible] رات میں وہ کھنڈر بڑا پُراسرار تاثر دے رہے تھے۔

"جیپ کو ادھر ہی کہیں روک لو حکم۔" دیوان سنگھ نے کہا "سورج بھان سنگھ نے جو نشانیاں بتائی تھیں ان کے مطابق اب وہ عمارت زیادہ دور نہیں ہے اور جیپ کو لے جانا خطرناک ہوگا۔ ہیڈ لیمپس کی روشنی یا انجن کی آواز سن کر وہ لوگ ہوشیار ہوجائیں گے۔"

دیوان سنگھ نے عقل مندی کی بات کی تھی۔ ٹھاکر جیپ کی رفتار مزید کم کردی اور متجسس نظروں سے ادھر ادھر دیکھنے لگا اور پھر اس نے جیپ دائیں طرف ایک [illegible] سے راستے پر موڑ دی جو قدآور جھاڑیوں سے اٹا پڑا تھا۔ گز آگے لے جاکر ٹھاکر نے جیپ روک لی اور انجن بند کر ہیڈ لیمپس بھی بجھادیے۔

ہم جیپ سے اتر کر اس راستے پر واپس آگئے اور [illegible] کا فاصلہ طے کرکے ایک پہاڑی پر چڑھنے لگے۔ تنگ [illegible] بہت ہی مشکل تھا۔ تقریباً سو فٹ کی بلندی تک عمودی [illegible] چڑھتے ہوئے جانکی بری طرح تھک گئی تھی۔

آگے چٹان ایک مسطح میدان کی طرح دور تک [illegible] ہوئی تھی اور تقریباً دو سو گز آگے ایک عمارت کا ہیولا [illegible] دے رہا تھا۔ اس عمارت کی کسی کھڑکی سے زرد روشنی [illegible] جھلک رہی تھی۔ اس عمارت تک پہنچنے کا راستہ [illegible] دوسری طرف سے تھا جبکہ ہم شارٹ کٹ کرکے آئے [illegible]

ان خاکستری پہاڑیوں پر اونچے درخت نہیں تھے [illegible] کہیں قد آور کیکر قسم کے کانٹے دار پودے تھے [illegible] جھاڑیاں بکثرت تھیں جو پانی نہ ملنے کی وجہ سے [illegible] تھیں۔

چند گز آگے بڑھ کر ہم رک گئے۔ نیچے دیر اس [illegible] جائزہ لیتے رہے پھر تین حصوں میں بٹ گئے۔ دیوان [illegible] وہیں روک دیا گیا تھا۔ ٹھاکر بھانوت سنگھ دائیں طرف [illegible] اور جانکی بائیں طرف سے عمارت کی طرف بڑھنے [illegible]

چاندنی میں یہ عمارت خاصی پُراسرار لگ رہی تھی۔ عمارت کے گرد یقیناً اونچی چار دیواری بھی رہی ہوگی حوادثِ زمانہ نے اسے زمین بوس کردیا تھا۔ البتہ

کہیں کہیں اس چار دیواری کے آثار نظر آرہے تھے۔ کہیں کہیں یہ دیوار پانچ چھ فٹ لمبی اور دو ڈھائی فٹ تک اونچی تھی۔

میں جانکی کے ساتھ سنبھل کر چلتا ہوا کافی آگے نکل گیا اور ٹوٹی ہوئی دیوار کی آڑ میں بیٹھ کر عمارت کی طرف دیکھنے لگا۔ سامنے کے رخ سے یہ عمارت حویلی کی طرح لگتی تھی اور اس کے کئی حصے شکستہ تھے۔ اس طرف بھی ایک کمرے کی کھڑکی سے زرد اور مدھم سی روشنی نظر آرہی تھی اور پھر میں ایک آدمی کو اس کمرے میں ایک طرف سے دوسری طرف جاتے ہوئے دیکھ کر چونک گیا۔

وہ تیج سنگھ نہیں تھا۔

مجھے سورج بھان سنگھ کی بات یاد آگئی۔ اس نے بتایا تھا کہ لالہ رنجیت نام کا ایک بدمعاش بھی تیج سنگھ کے ساتھ تھا اور وہ شہر سے کسی ڈاکٹر کو بھی لے کر آیا ہوا تھا۔ ہوسکتا ہے وہ ان دونوں میں سے کوئی ہو۔

میں ذرا سا اوپر اٹھ کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ حویلی کے مرکزی دروازے کے سامنے کسی زمانے میں پورچ بھی رہا ہوگا لیکن اب وہ غائب ہوچکا تھا البتہ تھوڑے تھوڑے فاصلے پر دو ستون نظر آرہے تھے۔ ایک ستون آدھے کے قریب ٹوٹ چکا تھا۔

سامنے کافی وسیع میدان تھا جہاں تقریباً وسط میں چار پانچ درختوں کا ایک جھنڈ دکھائی دے رہا تھا اور اس جھنڈ کے نیچے دو گاڑیاں بھی نظر آرہی تھیں۔ ایک تو جیپ تھی اور دوسری کار۔

"جانکی۔ تم یہیں رکو۔ میں اندر جارہا ہوں۔" میں نے جانکی کی طرف دیکھتے ہوئے سرگوشی کی اور دیوار کی آڑ سے نکل کر جھکا ہوا آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگا۔

حویلی کے قریب پہنچ کر میں دیوار کے ساتھ چپک گیا اور مرکزی دروازے کی طرف سرکتا رہا۔ روشن کھڑکی کے سامنے سے گزرتے ہوئے میں نے اندر جھانکا۔ کمرا خالی تھا۔ فرش پر ایک پٹرومیکس رکھا ہوا تھا جس کی روشنی کمرے میں پھیلی ہوئی تھی۔ دائیں طرف اندر کی جانب ایک اور دروازہ دکھائی دیا جو کھلا ہوا تھا۔ میں کھڑکی سے آگے بڑھ گیا۔

حویلی کے مرکزی دروازے میں داخل ہوکر میں دائیں طرف مڑ گیا۔ یہ محرابی دروازہ بہت اونچا تھا مگر اس میں پٹ اور چوکھٹ نہیں تھے۔ صرف ایک راستہ سا رہ گیا تھا۔

میں ابھی چند ہی قدم آگے بڑھا تھا کہ ایک آہٹ سن کر میں تیزی سے بائیں طرف ایک اور دروازے میں گھس گیا اور دبے قدموں آگے بڑھتا رہا۔ اس کمرے میں گہری تاریکی تھی۔ میں دیوار کا سہارا لے کر آگے بڑھتا گیا۔

میں مختلف کمروں سے گزرتا ہوا ایک ایسے کمرے میں پہنچ گیا جہاں سامنے والی دیوار میں ایک چھوٹی سی کھڑکی میں روشنی نظر آرہی تھی۔ میں دبے قدموں چلتا ہوا کھڑکی کے قریب پہنچ گیا اور جھانک کر دوسری طرف دیکھنے لگا اور اس کے ساتھ ہی مجھے چونک جانا پڑا۔

دوسرا کمرا بہت وسیع و عریض تھا۔ اس کمرے میں بھی کہیں پٹرومیکس جل رہا تھا جس کی روشنی کمرے میں بھری ہوئی تھی۔ سامنے والی دیوار کے ساتھ فرش پر بستر بچھے ہوئے تھے۔ ایک طرف پانی کا مٹکا بھی رکھا ہوا تھا جس کے ڈھکنے پر گلاس اوندھا پڑا ہوا تھا۔

ایک بستر پر دھرمیش پڑا ہوا تھا۔ اس کے برہنہ سینے پر پٹی بندھی ہوئی تھی جو خون سے تر ہورہی تھی۔ دھرمیش ایڑیاں رگڑ رہا تھا اور اس کے چہرے پر بے پناہ کرب اور اذیت کے تاثرات تھے۔

تیج سنگھ اس کے قریب بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے دھرمیش کا ایک ہاتھ پکڑ رکھا تھا۔ دوسری طرف پینٹ شرٹ والا ایک آدمی بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے ہاتھ میں اسٹیتھوا سکوپ تھا۔ وہ بار بار دھرمیش کے دل کی دھڑکنیں چیک کررہا تھا۔ ایک بنا کٹا آدمی دروازے کے قریب کھڑا تھا۔ وہ لالہ رنجیت تھا۔

"اسے بچاؤ ڈاکٹر۔ میرے منا کو بچاؤ۔" تیج سنگھ نے چیخ کر کہا "اگر یہ مرگیا تو میں تمہیں بھی زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

ڈاکٹر کا چہرہ دھواں ہوگیا۔ اس نے قریب پڑے ہوئے بیگ میں سے سرنج نکالی اور انجکشن تیار کرنے لگا۔ اس دوران میں دھرمیش بری طرح تڑپنے لگا۔ تیج سنگھ اسے قابو میں کرنے کی کوشش کررہا تھا لیکن وہ کسی بھی طرح قابو میں ہی نہیں آرہا تھا۔

اور پھر دھرمیش کا جسم تختے کی طرح اکڑ گیا۔ اس نے دو تین جھٹکے لیے اور پھر اس کا جسم ایک دم ڈھیلا پڑ گیا۔ اس کی گردن ایک طرف ڈھلک گئی اور وہ بالکل بے حس و حرکت ہوگیا۔

"منا۔ ہوش میں آ۔۔۔ منا!" تیج سنگھ چیخا۔

ڈاکٹر نے سرنج ایک طرف رکھ دی اور اسٹیتھوا سکوپ سے اس کے دل کی دھڑکنیں چیک کرنے لگا۔ اس کی نبض چیک کی۔ گلے کی ایک نس پر انگلی رکھ کر دیکھی اور پھر مایوسی سے سر ہلاتا ہوا اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔

"اب ہم اس کی کوئی مدد نہیں کرسکتے۔" اس نے گہرا

سانس لیتے ہوئے کہا "یہ ہم سے بہت دور جا چکا ہے۔"

"نہیں۔ میرا منا نہیں مر سکتا۔" تیج سنگھ چیخا۔ اس نے دھرمیش کو کندھوں سے پکڑ کر جھنجوڑ ڈالا "ہوش میں آ منا۔ آنکھیں کھول۔ تو بولتا کیوں نہیں منا۔۔۔؟"

"مرنے والے بولا نہیں کرتے تیج سنگھ۔" میں نے پستول والا ہاتھ کھڑکی میں رکھتے ہوئے کہا۔

تیج سنگھ ایک دم سیدھا ہو گیا۔ اس نے بڑی پھرتی سے کھڑے ہو کر اپنی جیب کی طرف ہاتھ بڑھایا تھا لیکن میری غراہٹ سن کر اس کا ہاتھ وہیں رک گیا۔

"نہیں۔ تیج سنگھ۔ تم کوئی حرکت نہیں کرو گے۔" میں نے کہا "اس حویلی کو چاروں طرف سے گھیرا جا چکا ہے۔ بہتر ہے اپنے آپ کو ہمارے حوالے کر دو۔"

"تمہاری موت ہی تمہیں یہاں کھینچ لائی ہے کتے۔" تیج سنگھ نے دانت کچکچائے "میرا منا مر گیا۔ تو بھی بچ کر نہیں جا سکے گا۔"

میں کوئی جواب دینا چاہتا تھا لیکن اپنے عقب میں ہلکی سی آہٹ سن کر چونک گیا۔ میں تیزی سے پیچھے مڑا لیکن مجھے دیر ہو چکی تھی۔ میرے دائیں کندھے پر لگنے والی ضرب بڑی زوردار تھی۔ میں بے اختیار کراہ اٹھا۔ پستول بھی میرے ہاتھ سے نکل کر کھڑکی کے دوسری طرف گر گیا تھا۔

میں تیزی سے مڑا۔ ایک اور ضرب میرے اسی کندھے پر سامنے کی طرف سے لگی۔ مجھے یوں لگا جیسے ہڈی کریک ہو گئی ہو۔ ضرب بہت شدید تھی۔

اس کمرے میں تاریکی کی وجہ سے مجھے کچھ نظر نہیں آ رہا تھا اور پھر میں اس اچانک حملے سے بدحواس بھی ہو گیا تھا۔ دوسری ضرب لگنے کے بعد میں نے اپنے آپ کو سنبھال لیا۔

کھڑکی سے آنے والی مدھم سی روشنی میں مجھے وہ انسانی ہیولا دکھائی دے گیا جو ایک بار پھر مجھ پر حملہ کرنے کے لیے پر تول رہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں تقریباً دو فٹ لمبا سریا تھا اور اس سریے سے اس نے میرے کندھے پر ضربیں لگائی تھیں اور اب تیسری بار حملہ کرنے کے لیے اس نے ہاتھ اوپر اٹھایا تھا۔

میں نے اس کا یہ وار ہاتھ پر روکا اور سریے پر گرفت جما کر اس طرح زوردار جھٹکا دیا کہ وہ شخص لڑکھڑا کر آگے آ گیا۔ اس کا سر دیوار سے ٹکرایا۔ وہ کراہ اٹھا لیکن وہ فوراً سنبھل کر سیدھا ہو گیا۔ سریے پر اس کی گرفت اب بھی قائم تھی۔ میں نے اسے ایک اور جھٹکا دیا لیکن وہ اپنی جگہ قائم رہا۔

اس کا قد چھ فٹ سے نکلتا ہوا تھا جسم بھی قدرے بھاری بھرکم تھا۔ میں نے اندازہ لگا لیا کہ اس میں گینڈے کی سی طاقت بھری ہوئی تھی۔ ایک لمحے کو اس کا چہرہ کھڑکی کی روشنی میں آیا تھا۔ پہلے تو میں یہی سمجھتا رہا کہ وہ لالہ رنجیت تھا جو دوسرے کمرے سے نکل کر خاموشی سے اس طرف آ گیا تھا لیکن وہ لالہ رنجیت نہیں کوئی اور تھا۔

میں نے ایک بار پھر جھٹکا دے کر اسے اس جگہ سے ہلانے کی کوشش کی مگر کامیاب نہیں ہو سکا۔ وہ ستون کی طرح اپنی جگہ پر گڑا رہا۔ میں نے کھڑے کھڑے اچھل کر اس کے پہلو پر رائٹ کک لگائی لیکن لگتا تھا اس پر اس کک کا کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔ یا تو اس کا جسم ہی پتھر کی طرح سخت تھا یا پھر میری کک زوردار نہیں تھی۔ میں ایک بار پھر اپنی جگہ سے اچھلا۔

دوسری کک کچھ کارآمد ثابت ہوئی۔ وہ اپنی جگہ سے ہل گیا اس کے ساتھ ہی اس کے منہ سے کراہ سی خارج ہوئی تھی۔

لوہے کا سریا اب بھی ہم دونوں کے بیچ میں دو ڈھائی فٹ کے فاصلے کا باعث بنا ہوا تھا۔ سریے پر ہم دونوں کی گرفت تھی۔ میں نے آگے کی طرف زوردار جھٹکا دے کر سریے پر گرفت ہٹالی۔ وہ اپنی جھونک میں آگے جھک گیا۔ اس مرتبہ میں نے پہلے سے زیادہ پھرتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس پر زوردار کک لگا دی۔ وہ لڑکھڑا کر پہلو کے بل گرا لیکن اس نے اٹھتے ہی سریے کو دونوں ہاتھوں میں پکڑ کر حملہ کیا۔ میں نے ایک طرف جھک کر اپنے آپ کو بچا لیا۔ اس نے دوسرا حملہ کیا۔ میں اس مرتبہ بھی اپنے آپ کو بچا گیا تھا لیکن تیسری مرتبہ کامیاب نہیں ہو سکا۔ سریے کا وار میرے کولہے پر جسے میں برداشت کر گیا۔ اگر یہ وار کسی اور جگہ پر پڑتا تو ہڈی ٹوٹ چکی ہوتی۔

میں لڑکھڑا کر سامنے والی دیوار سے ٹکرایا اور اسی کے ساتھ ہی لاشعوری طور پر میں نے ایک اور حربہ استعمال کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ میں نے دونوں ہاتھ دیوار پر ٹکا کر اپنے جسم کو پیچھے دھکیلا اور اس کے ساتھ ہی ہوا میں اچھل کر فلائنگ کک لگائی۔

کک اس کے تھوبڑے پر پڑی۔ وہ چیختا ہوا لڑکھڑا کر پیچھے ہٹا۔ سریا تو اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر گر گیا تھا لیکن وہ خود نہیں گرا۔ میں نے فوراً ہی اس کے سینے پر دوسری فلائنگ کک لگائی۔ اس مرتبہ وہ چیختا ہوا ڈھیر ہو گیا۔۔۔

میں نے ایک لمحہ ضائع کیے بغیر اس پر چھلانگ لگا دی اور اسے فرش پر رگیدنے لگا۔ ادھر ہمارا یہ ہنگامہ جاری تھا اور ادھر دوسرے کمرے سے تیج سنگھ کے چیخنے کی آواز سنائی دے رہی تھی۔

"مار دو اس سالے حرامی کو۔" وہ چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا "اس کی وجہ سے میرا منا مارا گیا۔ ٹکڑے کر دو اس کے۔۔۔"

مجھے گردن گھما کر دیکھنے کا موقع مل گیا۔ وہ کھڑکی میں کھڑا تھا۔ اس کا چہرہ بہت بھیانک ہو رہا تھا۔

کھڑکی کے راستے کمرے میں آنے والی روشنی سے کمرے میں اب مدھم سا اجالا ہو رہا تھا۔

پچھلے دروازے سے آہٹ پا کر میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ اس کے ساتھ ہی میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ وہ لالہ رنجیت تھا جو خنجر تانے حملہ کرنے کے لیے میری طرف لپک رہا تھا۔

میں اس وقت اپنے حریف کے سینے پر سوار تھا۔ لالہ رنجیت نے جیسے ہی حملہ کیا' میں بڑی پھرتی سے بائیں طرف لوٹ لگا گیا اور اگلے ہی لمحے کمرا ایک بھیانک چیخ سے گونج اٹھا۔ لالہ رنجیت کا خنجر دوسرے شخص کے سینے میں پیوست ہو گیا تھا۔ اگر میں ایک طرف لوٹ نہ لگا دیتا تو یہ خنجر میری پشت میں پیوست ہوتا۔

لالہ رنجیت کا چہرہ دھواں ہو گیا۔ اس نے بڑی تیزی سے خنجر اس شخص کے سینے سے کھینچ لیا اور ہاتھ سر سے بلند کر دیا۔ اس مرتبہ وہ مجھ پر حملہ کرنا چاہتا تھا لیکن میں نے بڑی پھرتی سے اس کے سینے پر ٹھوکر رسید کر دی۔ لالہ رنجیت پیچھے الٹ گیا۔

"لالہ رنجیت!" کھڑکی کی طرف سے تیج سنگھ کی چیختی ہوئی آواز سنائی دی "مار دے اس حرامی کو۔ ٹکڑے کر دے اس کے۔۔۔"

میں نے اپنی جگہ سے اٹھنا چاہا مگر میرا ہاتھ ایک چھوٹے سے پتھر پر پڑنے سے پھسل گیا اور میں اپنی کوشش میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ اسی دوران میں لالہ رنجیت سنبھل کر میری طرف لپکا۔ اس مرتبہ مجھے موت اپنی آنکھوں کے سامنے نظر آنے لگی۔ اس وقت میں اس پوزیشن میں نہیں تھا کہ اپنا دفاع کر سکتا یا اپنے آپ کو بچانے کے لیے اپنی جگہ سے حرکت کر سکتا۔

لالہ رنجیت کا خنجر والا ہاتھ سر سے بلند تھا۔ صرف ایک جھٹکے کی ضرورت تھی اور خنجر میرے سینے میں پیوست ہو جاتا اور پھر اس کے ہاتھ کو جھٹکا تو لگا لیکن اس طرح نہیں جیسا میں نے سوچا تھا۔

فائر کی آواز سے کمرا گونج اٹھا تھا۔ دروازے کی طرف سے چلائی جانے والی گولی لالہ رنجیت کے خنجر والے بازو کی کہنی پر لگی تھی۔ خنجر اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر میرے قریب گرا اور وہ چیختا ہوا پیچھے پلٹ گیا۔

میں نے دروازے کی طرف دیکھا۔ وہ ٹھاکر بھانوت سنگھ تھا اور پھر اسی لمحے کھڑکی میں کھڑے ہوئے تیج سنگھ نے بھی فائر کر دیا۔ ٹھاکر نیچے گرا اس کے ساتھ ہی اس نے کھڑکی کی طرف فائر کر دیا تھا۔

میں نے گردن گھما کر کھڑکی کی طرف دیکھا۔ تیج سنگھ غائب ہو چکا تھا اور حویلی میں کسی طرف دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔

میں جلدی سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ لالہ رنجیت اپنے زخمی بازو کو دوسرے ہاتھ سے پکڑے دروازے کی طرف بڑھ رہا تھا۔ میں نے لپک کر اسے پکڑ لیا اور لاتوں اور گھونسوں سے اس کی تواضع کرنے لگا۔

اسی وقت حویلی کے باہر کسی جگہ فائرنگ شروع ہو گئی۔

"ٹھاکر۔ تم اسے سنبھالو۔ میں باہر دیکھتا ہوں۔" میں نے لالہ رنجیت کو ایک آخری زوردار ٹھوکر لگائی اور باہر کی طرف دوڑا۔

فائرنگ کی آواز حویلی کے سامنے کی طرف سے آ رہی تھی اور پھر کسی گاڑی کا انجن اسٹارٹ ہونے کی آواز سنائی دی اور اس کے فوراً ہی بعد ایک زوردار دھماکا ہوا۔ غالباً گاڑی کا ٹائر پھٹا تھا۔

میں حویلی کے کھنڈر نما دروازے سے باہر نکلا تو ایک جیپ بڑی تیزی سے مخالف سمت میں دوڑتی ہوئی نظر آئی اور ایک ہیولا دوسری کار کے قریب سے جھاڑیوں کی طرف دوڑتا ہوا نظر آیا۔

میں اس طرف دوڑتا چلا گیا۔ اس طرف قدِ آدم جھاڑیاں تھیں اور ایسی آوازیں سنائی دے رہی تھیں جیسے آدمی ان جھاڑیوں میں ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہو رہے ہوں۔ خشک جھاڑیوں کے چٹخنے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ میں دوڑتا ہوا جھاڑیوں میں گھستا چلا گیا۔

وہ جانکی تھی جو کسی آدمی سے گتھم گتھا ہو رہی تھی۔ میں نے اس شخص کی کھوپڑی پر زوردار ٹھوکر رسید کر دی اور وہ جلد ہی میں نے اس پر قابو پا لیا۔ وہ ڈاکٹر تھا جسے میں نے پہلے کمرے میں دیکھا تھا۔

جانکی ایک طرف کھڑی ہانپ رہی تھی۔

میں نے ڈاکٹر کو بالوں سے پکڑ لیا اور اسے دھکیلتا ہوا حویلی کی طرف لے آیا۔ جانکی بھی ساتھ ساتھ چل رہی تھی۔ وہ شخص پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے بتا رہی تھی کہ اس نے دو آدمیوں کو درختوں کے جھنڈ کے نیچے کھڑی ہوئی گاڑیوں کی طرف بھاگتے ہوئے دیکھا تھا۔ اس نے ایک آدمی پر فائر کیا لیکن نشانہ خطا گیا۔ وہ شخص جوابی فائر کرتا ہوا جیپ تک پہنچنے میں کامیاب ہو گیا اور پھر جانکی اسے نہیں روک سکی۔ وہ جیپ پر فرار ہو گیا۔ دوسرا آدمی دوسری کار کا دروازہ کھولنے کی کوشش کر رہا تھا۔ جانکی کی ایک گولی نے کار کا ٹائر اڑا دیا۔ وہ شخص جھاڑیوں کی طرف دوڑا اور جانکی نے بھی اسی طرف دوڑ لگا دی اور نتائج کی پروا کیے بغیر اس شخص سے گتھم گتھا ہو گئی۔

وہ ڈاکٹر تھا اور غنیمت تھا کہ اس کے پاس کسی قسم کا اسلحہ نہیں تھا لیکن وہ جانکی سے کہیں زیادہ طاقت ور تھا۔ اگر میں بروقت وہاں نہ پہنچ جاتا تو وہ جانکی کی گرفت سے نکل کر راہِ فرار اختیار کر چکا ہوتا۔

ہم حویلی کے دروازے سے ابھی دور ہی تھے کہ نشیب میں کسی جگہ گولیاں چلنے کی آواز سنائی دی اور پھر خاموشی چھا گئی۔

میں ڈاکٹر کو دھکیلتا ہوا اندر داخل ہو گیا۔ ٹھاکر' لالہ رنجیت کو اسی کمرے میں لے آیا تھا جہاں فرش پر بچھے ہوئے بستر پر دھرمیش کی لاش پڑی ہوئی تھی۔

دوسرے بستر کی چادر پھاڑ کر لالہ رنجیت اور ڈاکٹر کو باندھ کر ایک طرف ڈال دیا گیا۔ چند منٹ بعد دیوان سنگھ بھی دوڑتا ہوا وہاں پہنچ گیا۔

"وہ۔۔۔ وہ بھاگ گیا حکم۔" اس نے پھولے ہوئے سانس پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

دیوان سنگھ کی باتوں سے پتا چلا کہ فائرنگ کی آواز سن کر وہ دوڑتا ہوا حویلی کے دوسری طرف آ گیا تھا۔ اس وقت اس نے جیپ کو جاتے ہوئے دیکھا۔ وہ جیپ کو روکنے کے لیے شارٹ کٹ کرتا ہوا نشیب میں دوڑتا چلا گیا۔ اس نے فائرنگ کر کے جیپ کو روکنے کی کوشش کی تھی لیکن جیپ چٹانوں میں بل کھاتے ہوئے راستے پر غائب ہو گئی۔

"ٹھیک ہے۔" ٹھاکر بھانوت سنگھ نے کہا "تم یہیں رکو۔ کمرے میں سے اور ہاں۔۔۔ ایک لاش اس کمرے میں بھی ہے۔" اس نے کھڑکی کی طرف اشارہ کیا۔

دیوان سنگھ اس کھڑکی کے قریب ہی کھڑا تھا۔ اس نے ہچکچا کر دوسری طرف دیکھا۔

"یہاں تو کوئی لاش نہیں ہے حکم۔" اس نے مڑ کر کہا۔

"کیا۔۔۔؟" ٹھاکر اچھل پڑا۔

اور پھر ہم دونوں بیک وقت ہی کھڑکی کے قریب پہنچے تھے۔ لاش واقعی کمرے میں نہیں تھی۔

مجھے اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ لالہ رنجیت کے خنجر کے وار سے وہ شخص مرا نہیں تھا اور موقع پا کر وہاں سے بھاگ گیا تھا۔

جانکی کو کمرے میں چھوڑ دیا گیا اور ہم تینوں اس شخص کو تلاش کرنے لگے۔ میرا خیال تھا کہ وہ زخمی ہونے کی وجہ سے زیادہ دور نہیں گیا ہو گا لیکن آدھے گھنٹے کی تلاش کے بعد بھی ہمیں مایوسی ہی کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ وہ شاید چٹانوں میں غائب ہو گیا تھا۔

ہم واپس آ گئے۔ جانکی' ڈاکٹر اور لالہ رنجیت پر ریوالور تانے کھڑی تھی۔ لالہ رنجیت کے چہرے پر بے پناہ کرب کے تاثرات تھے۔ گولی لگنے سے اس کی کہنی کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی اور خون زیادہ بہہ جانے کی وجہ سے اس کا چہرہ بالکل سفید ہو رہا تھا۔

دیوان سنگھ کو وہاں چھوڑ کر ہم روپ متی کو تلاش کرنے لگے۔ ٹھاکر نے دوسرے کمرے سے پیٹرومیکس اٹھا لیا تھا۔ اب اگرچہ بظاہر کوئی خطرہ نہیں تھا لیکن کسی بھی ناگہانی صورتِ حال سے نمٹنے کے لیے میرے اور جانکی کے ہاتھوں میں ہتھیار بالکل تیار تھے۔

بہت بڑی حویلی تھی۔ لمبی چوڑی راہداریاں اور کئی کشادہ کمرے تھے۔ کسی زمانے میں یہ حویلی واقعی بہت شان دار رہی ہو گی لیکن اب تو نصف سے زیادہ کھنڈر بن چکی تھی۔ بہت سے کمروں کی دیواریں اور چھتیں اپنی جگہ پر قائم تھیں لیکن وہ رہائش کے قابل نہیں تھے۔ صرف چند ہی کمرے ایسے تھے جن میں رہائش اختیار کی جا سکتی تھی۔

ٹھاکر بھانوت سنگھ بتا رہا تھا کہ پہاڑیوں میں یہ قدیم عمارتیں دراصل ڈاکوؤں اور جرائم پیشہ لوگوں کا مسکن بنی ہوئی تھیں۔ وہ شہر یا گردو نواح کی آبادیوں میں وارداتیں کرنے کے بعد یہاں کسی عمارت میں پناہ لے لیتے تھے۔ رات کے وقت تو پولیس ان کے تعاقب میں ادھر آنے کی ہمت نہیں کرتی تھی اور دن کے وقت ڈاکو پولیس کی آمد سے آگاہ ہو جاتے تھے۔ ہر عمارت ایسی جگہ بنی ہوئی تھی جہاں سے دور دور تک پہاڑی راستوں پر نگاہ رکھی جا سکتی تھی۔

ہمیں حویلی میں زیادہ بھاگ دوڑ نہیں کرنی پڑی۔ انہی

کمروں کے پچھلی طرف راہداری کے ایک کمرے میں داخل ہوتے ہی میں ٹھٹک گیا۔

ٹھاکر مجھ سے پہلے اندر داخل ہوا تھا۔ اس نے ہاتھ میں لٹکایا ہوا پیٹرومیکس ذرا آگے کیا تو اس کی روشنی میں مجھے کمرے کے ایک کونے میں ایک گٹھڑی سی نظر آگئی اور میں دو ڈگ اس کے قریب پہنچ گیا۔

وہ روپ متی تھی۔ اس کے جسم پر گلابی رنگ کی نائٹی تار تار ہو چکی تھی جس کا مطلب تھا کہ حویلی میں یا یہاں آکر اس نے کافی مزاحمت کی ہوگی جس کے نتیجے میں اس کا شب خوابی کا یہ باریک سا لباس پھٹ گیا تھا۔ وہ گٹھڑی کی طرح مڑی تڑی سی پڑی تھی۔ اس کے پیر اور ہاتھ بھی پشت پر بندھے ہوئے تھے اور منہ میں بھی کپڑا ٹھونس کر پٹی باندھ دی گئی تھی تاکہ وہ کپڑا منہ سے نہ نکال سکے۔ وہ ہوش میں ہی تھی۔ اس کے چہرے پر دہشت اور آنکھوں میں بے پناہ وحشت تھی۔ ہمیں کمرے میں داخل ہوتے دیکھ کر اس کی آنکھیں کسی انجانے خوف سے پھیل گئیں لیکن جب ہم دو قدم آگے بڑھے اور میں دوڑ کر اس کے قریب پہنچ گیا تو ہمارے چہرے پہچان کر اس کے چہرے پر تناؤ اور خوف کے تاثرات بتدریج کم ہوتے چلے گئے۔

میں گھٹنوں کے بل اس کے قریب بیٹھ گیا۔ سب سے پہلے اس کے منہ پر بندھی ہوئی پٹی کھولی اور پھر منہ میں ٹھنسا ہوا کپڑا نکال دیا۔ اس کے منہ سے نکلنے والا سانس ایسے تھا جیسے غبارے سے ہوا نکل گئی ہو۔ وہ گہرے گہرے سانس لینے لگی۔ میں اس کی پشت پر بندھے ہوئے ہاتھ کھولنے لگا۔

جانکی بھی دوڑ کر میرے قریب آگئی تھی۔ اس نے سہارا دے کر روپ متی کو اٹھا دیا۔ روپ متی کے ہاتھ کھل چکے تھے۔ وہ جانکی سے لپٹ گئی جس سے مجھے اس کے پیروں کی بندشیں کھولنے میں کچھ دشواری پیش آئی۔

اور پھر یہ سنسنی خیز انکشاف ہوا کہ روپ متی اپنے پیروں پر کھڑی نہیں ہو سکتی تھی۔ وہ سترہ اٹھارہ گھنٹوں سے یہاں بندھی پڑی تھی۔ وہ تو اپنی ٹانگیں بھی سیدھی نہیں کر سکتی تھی۔

ٹھاکر بھانوت سنگھ نے پیٹرومیکس زمین پر رکھ دیا اور آگے بڑھ کر جانکی کے ساتھ دوسری طرف سے سہارا دے کر روپ متی کو اٹھا دیا اور میں روپ متی کی ٹانگیں سیدھی کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ وہ خود بھی کوشش کر رہی تھی اور ایسا کرتے ہوئے اس کے منہ سے کراہیں خارج ہو رہی تھیں۔

اس کمرے میں گرمی تھی۔ روپ متی پسینے میں تر ہو رہی تھی۔ میں نے پیٹرومیکس اٹھالیا اور ہم لوگ اسے باہر لے آئے۔ تازہ اور ٹھنڈی ہوا سے روپ متی کے حواس کسی قدر بحال ہوئے۔

اپنی قوت ارادی اور ہماری کوششوں سے روپ متی تقریباً آدھے گھنٹے بعد اپنے قدموں پر کھڑے ہونے کے قابل ہو سکی تھی۔ جانکی اسے سہارا دے کر مسلسل ٹہلاتی رہی اور پھر جانکی اسے لے کر ایک چبوترے پر بیٹھ گئی۔

ہمارے ساتھ ٹھاکر بھانوت سنگھ کو دیکھ کر بھی روپ متی کچھ پریشان ہو رہی تھی اور جب اسے یہ بتایا گیا کہ ہمارا اظہار سے رابطہ کس طرح ہوا تھا تو وہ میری طرف دیکھتے ہوئے دھیمے لہجے میں بولی۔

"مجھے افسوس ہے کہ میری وجہ سے تمہیں یہ کٹھن (مشکل) اٹھانا پڑا اور۔۔۔"

"میں نے تو کشٹ برداشت کرلیا۔" میں نے اس کی بات کاٹتے ہوئے جواب دیا "لیکن اگر تمہیں کچھ ہو جاتا تو۔۔۔"

"تمہارے ہوتے ہوئے مجھے کیا ہو سکتا ہے۔" اس نے مسکراتے ہوئے میری بات کاٹ دی۔

"لگتا ہے یہاں لانے کے بعد تم پر کچھ تشدد بھی کیا گیا تھا؟" میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"میں اپنے آپ کو چھڑانے کی کوشش کرتی رہی تھی۔" روپ متی نے جواب دیا "انہوں نے مجھے یہاں باندھ کر ڈال دیا۔ بیچ سنگھ ہر گھنٹے ڈیڑھ گھنٹے بعد یہاں آکر مجھے دھمکیاں دیتا کہ اگر اس کے منا کو کچھ ہو گیا تو وہ میرے بھی ٹکڑے کر کے کتوں کو ڈال دے گا۔ کبھی وہ مجھے ایک آدھ ٹھوکر بھی مار دیتا۔ اسے اپنے منا کی زیادہ فکر تھی۔ اس نے آج دن میں کسی کو شہر بھیج کر کسی ڈاکٹر کو بھی بلایا تھا۔ وہ لوگ مجھے چار بجے کے قریب یہاں لے کر آئے تھے۔ اس وقت سے اب تک ایک گھونٹ پانی بھی نہیں دیا گیا۔ یہاں میرا دم گھٹنے لگا۔ ایک وقت تو ایسا بھی آیا جب مجھے لگا کہ میرا دم گھٹ جائے گا اور میں ختم ہو جاؤں گی۔ اگر تم لوگ نہ آجاتے تو وہ مجھے ٹھکانے ہی ڈالتا۔ دھرمیش کیسا ہے۔ زندہ ہے یا۔۔۔؟"

"اس کی ملکتی (نجات) ہو گئی۔" میرے بجائے جانکی نے جواب دیا۔

"تم لوگوں کو کیسے پتا چلا کہ میں یہاں ہوں؟" روپ متی نے پوچھا۔

"یہ ایک بہت لمبی کہانی ہے۔" میں نے گہرا سانس لیتے

ہوئے جواب دیا "وہ لوگ مجھے مردہ سمجھ کر چھوڑ گئے تھے اور پھر یہ میری خوش قسمتی تھی کہ رات کے آخری پہر مندری واپس آگئی تھی۔ اس نے ڈاکٹر رادھا کو اپنی مدد کے لیے بلالیا۔" میں چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر اسے تفصیل سے سب کچھ بتانے لگا۔ آخر میں، میں کہہ رہا تھا "تمہیں تو ٹھاکر بھانوت سنگھ کا شکر گزار ہونا چاہیے۔ اس جیسے مخلص دوست ہی وقت پر کام آتے ہیں۔ اگر یہ ہمارا ساتھ نہ دیتے تو ہمیں یہاں تک پہنچنے میں کافی دشواریاں پیش آتیں اور اس وقت تک شاید تمہارا بھی کام تمام ہو چکا ہوتا۔"

"میں واقعی شرمندہ ہوں۔ میں نے دوستوں کی قدر نہیں کی۔" روپ متی نے ٹھاکر بھانوت سنگھ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ اس کے لہجے میں ندامت تھی۔

"شرمندگی کا اظہار بعد میں کرلینا۔" ٹھاکر نے پہلی مرتبہ زبان کھولی "ہم ساری رات یہاں نہیں بیٹھے رہ سکتے۔ ایک لاش یہاں پڑی ہے اور دو قیدی بھی یہاں موجود ہیں۔ ابھی ہمیں شہر جا کر پولیس سے بھی نمٹنا ہے۔"

"چپ۔۔۔ پولیس۔" روپ متی کا چہرہ دھواں ہو گیا۔

"گھبرانے کی ضرورت نہیں۔" ٹھاکر نے کہا "وہ لوگ زبردستی تمہارے گھر میں گھسے تھے اور تم نے اپنے دفاع میں گولی چلائی تھی اور پھر دھرمیش کی لاش تمہاری حویلی میں دریافت نہیں ہوئی۔ وہ میلوں دور یہاں آکر مرا ہے۔ تم نے قانون کو ہاتھ میں نہیں لیا تھا۔ وہ ڈاکٹر بھی اس بات کا گواہ ہے کہ اس نے دھرمیش کو یہاں پر زخمی حالت میں دیکھا تھا' اس کے زخم سے گولی نکالی تھی اور اس کا علاج کرنے کی کوشش کی تھی لیکن وہ مر گیا۔ جرم انہی پر ثابت ہوتا ہے۔ وہی تمہیں اغوا کر کے بھی لے گئے تھے۔ تم ڈرو نہیں۔ میں تمہارے ساتھ ہوں۔"

"لیکن پولیس۔" روپ متی بولی "چند روز پہلے بھی ایک ایسا واقعہ ہوا تھا لیکن پولیس نے مجھے ہی دھمکایا تھا۔"

"دیکھو روپ متی۔" ٹھاکر نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا "اس میں غلطی تمہاری ہی ہے۔ تم نے ہی بھانوت سنگھ جیسے بیچ لوگوں کو اتنا سر چڑھا لیا تھا کہ وہ تمہارے مطالبے پر آگے۔۔۔ ان جیسے لوگوں کی جگہ ہمارے چرنوں (قدموں) میں ہے۔ انہیں پیروں کے نیچے ہی رکھنا چاہیے۔ ان جیسے لوگوں کو اپنے ساتھ بٹھالیا جائے تو وہ ہماری برابری کا مطالبہ کرنے لگتے ہیں۔ بہرحال۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا "پہلے صورت حال کچھ اور تھی۔ بیچ سنگھ نے اگر کسی پولیس آفیسر کو گھوس (رشوت) دے کر ڈرایا دھمکایا تھا تو وہ اور بات تھی۔ اب معاملہ بہت آگے نکل چکا ہے۔ بیچ سنگھ کا بھائی مارا جا چکا ہے۔ ایک دوسرا آدمی بھی لالہ رنجیت کے ہاتھوں زخمی ہو کر یہاں سے بھاگا ہے۔ مجھے اس کے بچنے کی بھی امید نہیں۔ ہو سکتا ہے وہ بھی اب تک ختم ہو چکا ہو اور اس کی لاش پہاڑیوں میں کہیں پڑی ہو۔ ہم اس معاملے کو نظرانداز نہیں کر سکتے۔ ہم جرائم پیشہ نہیں ہیں۔ ہمیں تو قانون کا ساتھ دینا چاہیے تاکہ ایسے جرائم پیشہ لوگوں کو ایسی سزا دی جا سکے کہ پھر کسی بیچ کو ہم جیسے لوگوں کے منہ لگنے کی جرأت نہ ہو سکے۔"

"مگر۔۔۔"

"اگر مگر کچھ نہیں۔" ٹھاکر نے اس کی بات کاٹ دی۔ "تمہیں کچھ نہیں ہوگا۔ میں تمہارے ساتھ ہوں اور تمہیں تو خوش ہونا چاہیے کہ ہمت سنگھ جیسا نوجوان تمہارا دوست ہے۔ تمہارے لیے تو ان دونوں نے اپنے جیون کی بھی پروا نہیں کی تھی۔ چلو۔ اب دیر مت کرو۔"

جانکی کو وہیں روپ متی کے پاس چھوڑ دیا گیا۔ میں اور ٹھاکر اندر آگئے۔ دیوان سنگھ ڈاکٹر اور لالہ رنجیت پر ریوالور تانے کھڑا تھا اور پھر ٹھاکر کے کہنے پر دیوان سنگھ باری باری ان دونوں کو کندھے پر لاد کر باہر لے آیا۔

ہماری جیپ وہاں سے کافی دور تھی اور پھر راستہ بھی دشوار تھا۔ ان دونوں کو وہاں تک لے جانا مشکل تھا۔ اس لیے دیوان سنگھ کو چابی دے کر بھیج دیا گیا۔ تقریباً بیس منٹ بعد وہ دوسرے راستے سے جیپ لے کر آگیا۔

جیپ کی پچھلی سیٹیں آمنے سامنے تھیں۔ لالہ رنجیت اور ڈاکٹر کو سیٹوں کے بیچ میں ڈال دیا گیا۔ روپ متی اور جانکی آگے والی سیٹ پر بیٹھ گئیں۔ دیوان سنگھ اور میں نے پچھلی سیٹوں پر بیٹھ کر پیران دونوں پر رکھ لیے۔

واپسی پر ڈھلان ہونے کی وجہ سے راستہ زیادہ خطرناک تھا۔ نہایت تنگ اور خطرناک موڑ تھے۔ ٹھاکر بہت محتاط ہو کر ڈرائیو کر رہا تھا۔

جیپ اس وقت ایک نہایت خطرناک موڑ مڑ رہی تھی۔ ایک طرف چٹان تھی اور دوسری طرف عمودی ڈھلان جو تقریباً ڈیڑھ سو گز نیچے تک چلی گئی تھی۔

اچانک ایک زوردار دھماکا ہوا۔ جیپ کا آگے کا ایک ٹائر برسٹ ہو گیا اور جیپ لڑکھڑا گئی۔ اسی وقت فضا ایک بار پھر دھماکے کی آواز سے گونج اٹھی۔ وہ گولی چلنے کی آواز تھی۔ جیپ کا ایک ہیڈلیمپ چھناکے سے ٹوٹ گیا۔

ٹائر پھٹنے سے جیپ بری طرح لڑکھڑا گئی تھی۔ اس وقت

رفتار اگرچہ بہت ہلکی تھی مگر لڑا جانے سے اس کے اگلے دونوں پہیے ڈھلان پر اتر گئے۔ جانکی اور روپ متی چیخ اٹھیں۔

جیپ بڑی تیزی سے عمودی ڈھلان پر جا رہی تھی۔

ٹھاکر بھانوت سنگھ نے تیزی سے نیچے جاتی ہوئی جیپ کو بڑی مہارت سے سنبھال لیا لیکن اسے روک لینا اس کے بس میں نہیں تھا۔ ایک دم بریک لگا دینے سے جیپ رکنے کے بجائے قلابازیاں کھانے لگتی اور ہم میں سے کوئی بھی زندہ نہ بچتا۔

جیپ کا ایک ہیڈ لیمپ ٹوٹ چکا تھا۔ دوسرے ہیڈ لیمپ کی روشنی جیپ کے اچھلنے کی وجہ سے کسی ایک جگہ نہیں ٹک رہی تھی۔

ٹھاکر بھانوت سنگھ نے بڑی ہوشیاری سے جیپ کا رخ قدرے بائیں طرف موڑ دیا جہاں نیچے قدِ آدم پودوں کے جھنڈ نظر آ رہے تھے۔ اگلی سیٹ پر روپ متی اور جانکی ایک دوسرے سے لپٹ کر چیخ رہی تھیں۔ دیوان سنگھ اور میں نے سیٹوں کو مضبوطی سے تھام رکھا تھا۔

جیپ کو روکنے کے لیے ٹھاکر کی ترکیب کامیاب رہی تھی۔ جیپ گنجان پودوں کے جھنڈ میں گھس گئی اور دو چار زوردار جھٹکے کھانے کے بعد رک گئی۔ جانکی اچھل کر باہر پودوں میں گری اور بری طرح چیخنے لگی۔ میں نے سیٹ پر کھڑے ہو کر چھلانگ لگا دی اور جانکی کو پکڑ کر پودوں سے باہر کھینچ لیا۔

جیپ کا انجن بند ہو چکا تھا۔ دوسرا ہیڈ لیمپ بھی بجھ گیا البتہ عقبی سرخ بتیاں جل رہی تھیں اور پھر ٹھیک اسی وقت اوپر کہیں سے گولی چلائی گئی۔ فائر ریوالور یا پستول سے کیا گیا تھا۔ فاصلہ زیادہ ہونے کی وجہ سے گولی یا تو کہیں راستے ہی میں دم توڑ گئی تھی یا کسی اور طرف نکل گئی تھی۔

ٹھاکر نے عقبی سرخ بتیاں بھی بجھا دیں اور چھلانگ لگا کر نیچے اتر گیا اور تیزی سے گھوم کر اس نے روپ متی کو بھی نیچے اتار لیا اور اسے کھینچتا ہوا ایک طرف گنجان پودوں کے پیچھے لے گیا۔ اس کے ساتھ ہی وہ چیخ کر کہہ رہا تھا۔

"ہمت سنگھ۔ اس طرف آجاؤ۔ دیوان سنگھ۔ تم بھی۔ جلدی کرو۔"

میں جانکی کو کھینچتا ہوا اس طرف لے گیا۔ دیوان سنگھ بھی جیپ سے چھلانگ لگا کر وہاں پہنچ گیا۔ جانکی ہولے ہولے کراہتے ہوئے اپنے جسم کے مختلف حصے سہلا رہی تھی۔ وہ جیپ سے کانٹے دار جھاڑیوں میں گری تھی اور کچھ دور تک لڑھکتی چلی گئی تھی۔ کانٹوں نے اس کے جسم کو ادھیڑ کر رکھ دیا تھا۔

"تم لوگ یہیں رکو۔ میں ابھی آتا ہوں۔" ٹھاکر بھانوت سنگھ نے روپ متی کو جانکی کے قریب لا کر چھوڑ دیا اور جیپ سے پستول نکال کر ایک طرف دوڑتا چلا گیا۔ چاندنی میں وہ دور تک اس کا ہیولا دکھائی دیا اور پھر وہ نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔

جیپ کے پچھلے حصے میں فرش پر پڑے ہوئے لالہ رنجیت اور ڈاکٹر بری طرح چیخ رہے تھے۔ ان کے ہاتھ پیر بندھے ہوئے تھے اور ظاہر ہے جیپ کو جھٹکے لگنے سے انہیں چوٹیں بھی لگی ہوں گی۔

دیوان سنگھ دوڑتا ہوا جیپ کے قریب پہنچ گیا اور اوپر چڑھ کر ان دونوں پر ٹھوکریں برسانے لگا پھر اس کی غراتی ہوئی آواز سنائی دی۔

"اب اگر کسی کے منہ سے آواز نکلی تو گولی اتار دوں گا کھوپڑی میں۔ سالے حرامی۔۔۔"

اس کے بعد ان دونوں کی بولتی بند ہو گئی تھی۔

دس پندرہ منٹ گزر گئے اور پھر اچانک ہی اوپر پہاڑوں میں فائرنگ کی آوازیں سنائی دینے لگی اور پھر خاموشی چھا گئی۔ آدھا گھنٹا اور گزر گیا اور پھر ٹھاکر بھانوت سنگھ واپس آگیا۔

"بھاگ گیا۔" وہ اپنے پھولے ہوئے سانس پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے بولا "شراب بھی یہاں سے تھی کھلی کے فاصلے پر ہے۔ اب ہمیں پیدل ہی جانا پڑے گا۔"

"جیپ کے پیچھے ایک فالتو ٹائر تو پڑا ہوا ہے ٹھاکر۔" دیوان سنگھ نے کہا "حکم کرو تو میں دو منٹ میں ٹائر بدل دوں۔"

"ٹائر تو تبدیل ہو جائے گا مگر اندھیرے میں جیپ کو اس خطرناک راستے پر اتارنا ممکن نہیں ہوگا۔ جیپ کے بارے میں صبح سوچا جائے گا۔ اس وقت تو پیدل ہی چلنا پڑے گا۔" وہ خاموش ہو کر میری طرف دیکھنے لگا پھر بولا "وہ چھتریاں یہاں سے زیادہ دور نہیں۔ ان کے قریب ہی گنیش کا ایک چھوٹا سا مندر بھی ہے۔ وہاں لوگ آتے رہتے ہیں۔ شاید کوئی بندوبست ہو جائے۔"

"چھتریوں سے تمہاری کیا مراد ہے؟" میں نے جانکی کا ہاتھ پکڑ کر اس کے ساتھ چلتے ہوئے پوچھا۔

"راجوں کا مرگھٹ یعنی قبرستان۔" ٹھاکر نے جواب دیا "دراصل ہر راجا کی قبر۔۔۔ میرا مطلب ہے جہاں اس کی چتا

تھی، پر سنگِ مرمر کا خوب صورت چبوترہ اور اس پر سنگِ مرمر کی خوب صورت بارہ دریاں بنی ہوئی ہیں۔ عام طور پر انہیں چھتریاں ہی کہتے ہیں۔ ان کے قریب بہت خوب صورت اور وسیع و عریض پارک ہے۔ عام طور پر پکنک منانے کے لیے اس طرف آتے ہیں۔ راتوں میں تو کبھی کبھی تفریح کے دلدادہ لوگ رات بھی پارک میں گزار دیتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی گنیش کا مندر بھی ہے۔ مجھے امید ہے کہ وہاں سے کوئی نہ کوئی مدد ہو جائے گا۔"

ہم لوگ ڈھلان پر اترتے رہے۔ میں نے جانکی کا ہاتھ تھاما تھا اور ٹھاکر نے روپ متی کا۔ ڈاکٹر اور لالہ رنجیت کھول دیے گئے تھے۔ ان دونوں کے ہاتھوں میں بندھی ایک رسی دیوان سنگھ نے تھام رکھی تھی اور وہ انہیں بھیڑ کی طرح ہانکتا ہوا لا رہا تھا۔

عمودی ڈھلان پر اترنا بھی خاصا خطرناک تھا۔ کانٹے دار جھاڑیاں بار بار ہمارے قدموں سے الجھ رہی تھیں۔

تقریباً ایک گھنٹے بعد بہت دور نشیب میں مدھم سی چند بتیاں دکھائی دینے لگیں۔

"وہ سرخ روشنی گنیش مندر کی ہے اور نقرئی روشنیاں ان کی۔ یہ روشنیاں رات بھر جلتی رہتی ہیں۔" ٹھاکر نے کہا۔

مزید آدھے گھنٹے بعد ہم اس مندر کے سامنے پہنچ گئے۔ ایک طرف چار پانچ گاڑیاں بھی کھڑی تھیں اور سامنے ہی مندر میں مختلف جگہوں پر کچھ ٹولیاں بیٹھی ہوئی تھیں۔ ان میں کچھ مرد بھی تھے، عورتیں بھی اور بچے بھی۔ اس وقت اگرچہ وہاں ایک بج رہا تھا مگر ان لوگوں کو دیکھ کر لگتا تھا جیسے ابھی صبح ہوئی ہے۔

یہ محض اتفاق تھا کہ وہاں بیٹھی ہوئی ایک پارٹی میں ٹھاکر بھانوت سنگھ کا ایک جاننے والا (شناسا) بھی نکل آیا۔ وہ اٹھ کر ہماری طرف چلتا ہوا ہمارے قریب آگیا۔ اس نے باری باری ٹھاکر بھانوت سنگھ کو پرنام (سلام) کیا پھر ٹھاکر سے دریافت کرنے لگا۔

"مہاراج۔ آپ آدھی رات کو ادھر سے۔ یہ کون لوگ ہیں؟" اس نے رنجیت اور ڈاکٹر کی طرف دیکھا۔

"یہ بعد میں بتائیں گے۔" ٹھاکر نے جواب دیا پھر فوراً ہی اصل بات یاد آگئی "تمہارے پاس گاڑی ہے؟"

"جی مہاراج۔ وہ سفید ہائی روف۔" اس نے ایک گاڑی کی طرف اشارہ کیا۔

"ٹھیک ہے تمہاری گاڑی اچھا ہے یا کسی کو ہمارے ساتھ بھیج دو جو ہمیں شہر چھوڑ کر گاڑی واپس لے آئے۔" ٹھاکر نے کہا۔

"میں خود آپ کے ساتھ چلتا ہوں ٹھاکر جی۔" اس شخص نے جواب دیا اور اپنے ساتھیوں کی طرف چلا گیا۔

چند منٹ بعد ہم سب اس ہائی روف وین میں بیٹھے ہوئے تھے۔ وہی شخص خود ڈرائیو کر رہا تھا اور ٹھاکر اس سے باتیں کر رہا تھا۔

تقریباً ایک گھنٹے بعد وین پولیس ہیڈ کوارٹر کے گیٹ میں داخل ہو رہی تھی۔ روپ متی ایک سابق راجا کی بیٹی تھی اور ٹھاکر بھانوت سنگھ کا تعلق بھی شہر کے ایک معزز خاندان سے تھا۔ ہیڈ کوارٹر میں ہلچل سی مچ گئی۔ ٹھاکر نے ڈاکٹر اور لالہ رنجیت کو ایک آفیسر کے حوالے کر دیا۔

پولیس نے اس معاملے کو کافی سنجیدگی سے لیا تھا۔ ایک گھنٹے کے اندر اندر پولیس کمشنر بھی ہیڈ کوارٹر پہنچ گیا۔

ہم صبح پانچ بجے سے پہلے وہاں سے فارغ نہیں ہو سکے تھے۔ اس دوران میں روپ متی نے اپنی حویلی فون کر کے تارا سنگھ کو بتا دیا تھا۔ وہ پجارو لے کر آگیا۔

جب ہم لوگ پولیس ہیڈ کوارٹر سے روانہ ہوئے تو دن کی روشنی پھیل رہی تھی اور سڑک پر ٹریفک کی آمد و رفت شروع ہو چکی تھی۔

پجارو جیسے ہی جواہر لال نہرو مارگ والے چوک پر مڑی، بائیں طرف سے ایک ٹرک تیزی سے آتا ہوا نظر آیا۔ پجارو اس وقت سڑک کے وسط میں تھی۔ ٹرک موت کے فرشتے کی طرح ہماری طرف آ رہا تھا۔ فاصلہ بہت کم رہ گیا تھا۔ میں فرنٹ سیٹ پر بیٹھا ہوا تھا۔ ٹرک کے اسٹیئرنگ پر تیج سنگھ کو بیٹھے دیکھ کر میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ اس کے چہرے پر بے پناہ کرختگی تھی۔ میں نے آنکھیں بند کر لیں۔ کسی بھی وقت دھماکا ہو سکتا تھا۔

سسپنس ڈائجسٹ کا دلچسپ ترین سلسلہ
جسے قارئین آج تک نہیں بھولے
طالوت
3 حصوں میں (مکمل)
قیمت فی حصہ 50 روپے، ڈاک خرچ فی حصہ 23 روپے
تینوں حصے ایک ساتھ منگانے پر ڈاک خرچ 25 روپے
گلشن پبلیکیشنز پرائیویٹ لمیٹڈ
پوسٹ بکس 23
کراچی 74200
فون: 5802551 فیکس: 6802552-6883319

اور پھر مجھے ایک زور دار جھٹکا لگا۔ میں اپنی جگہ سے اچھل کر ڈیش بورڈ سے ٹکرایا۔ میرے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی۔ روپ متی اور جانکی بھی بری طرح چیخی تھیں۔

پجارو مینڈک کی طرح پھدک کر نہایت تیز رفتاری سے آگے بڑھی تھی۔ میں نے سنبھلنے کی کوشش کرتے ہوئے آنکھیں کھول دیں۔

ہماری پجارو آگے نکل گئی تھی اور ٹرک خوفناک رفتار سے چوک کے وسط کی طرف بڑھ رہا تھا۔ میں نے مڑ کر سامنے دیکھا اور مجھے ایک بار پھر اپنا دل کنپٹیوں میں دھڑکتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ پجارو تیزی سے فٹ پاتھ کے کنارے پر لگے ہوئے پائپوں کے جنگلے کی طرف بڑھ رہی تھی اور پھر پجارو وہ جنگلا توڑتی ہوئی فٹ پاتھ پر چڑھ کر سامنے والی دکان سے ٹکرا کر رک گئی۔

میں ایک بار پھر ڈیش بورڈ سے ٹکرایا۔ پچھلی سیٹوں پر سے جانکی اور روپ متی کی چیخیں ایک بار پھر سنائی دی تھیں۔

یہ غنیمت تھا کہ وہ دکان بند تھی اور گاڑی شٹر سے ٹکرائی تھی۔ شٹر اندر کی طرف دھنس گیا تھا۔ اس سے پہلے کہ میں سنبھل سکتا' ایک زور دار دھماکا سنائی دیا۔

میں نے مڑ کر دیکھا۔ وہ تیز رفتار ٹرک چوراہے کے وسط میں ٹریفک کانسٹیبل کے لیے بنے ہوئے چبوترے اور چھتری سے ٹکرا کر الٹ گیا تھا۔

اس وقت ٹریفک زیادہ نہیں تھا۔ چند ہی گاڑیوں کی آمد و رفت تھی۔ کچھ سائیکل سوار دکھائی دے رہے تھے۔ ٹریفک رک گیا۔ کچھ لوگ ہماری طرف دوڑے اور کچھ ٹرک کی طرف۔

ہمیں زیادہ نقصان نہیں پہنچا تھا۔ روپ متی کا سر اگلی سیٹ سے ٹکرایا تھا جس سے اس کی پیشانی کی کھال پھٹ گئی تھی اور ہلکا سا خون رسنے لگا تھا۔ اس کے سوا کسی کو چوٹ نہیں آئی تھی۔

میں پجارو سے اتر آیا۔ اس وقت کئی لوگوں نے پجارو کو گھیر لیا تھا۔ ٹھاکر بھانوت سنگھ نے روپ متی اور جانکی کو نیچے اتارا۔ دیوان سنگھ بھی نیچے اتر کر لوگوں کو ادھر ادھر ہٹا رہا تھا۔

چوراہے کے وسط میں بہت سے لوگ جمع ہو چکے تھے۔ میں اور ٹھاکر بھی اس طرف دوڑ پڑے اور لوگوں کو ہٹا کر آگے گھستے چلے گئے۔

وہ منظر بہت ہی روح فرسا تھا۔ ٹرک اسٹیئرنگ والی سائیڈ پر الٹا تھا اور تیج سنگھ کی لاش اسٹیئرنگ اور دروازے کے بیچ میں پھنسی ہوئی تھی۔ وہ لاش ہی تھی۔ اس میں کی کوئی رمق نظر نہیں آتی تھی۔ چہرہ خون سے تر تھا۔ مڑی ہوئی تھی۔ صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ گردن کی ہڈی

پولیس سائرن کی آواز سن کر لوگ ادھر ادھر اور چند سیکنڈ بعد پولیس کی جیپ وہاں آکر رکی۔

پولیس کی مداخلت کے بعد جلد چھٹکارے کی تھی۔ جانکی اور روپ متی کو دیوان سنگھ کے ساتھ دیا گیا اور ہمیں آٹھ بجے سے پہلے پولیس سے نجات

سکی تھی۔ تارا سنگھ بھی دیوان سنگھ کے ساتھ ہی چلا

تیج سنگھ کی لاش جب ایمبولینس میں ڈالی جا میں نے آخری مرتبہ اس کی طرف دیکھا۔ اس کا بھیانک ہو رہا تھا۔ انتقام کی آگ میں جلتا ہوا وہ مرنگ کی آگ میں پہنچ گیا تھا۔

ہمارا وہ دن بہت برا گزرا تھا۔ ٹھاکر بھانوت میرے اصرار پر وہیں رہ گیا۔ ناشتا کر کے وہ تو سو گیا تک باتیں کرتے رہے۔ روپ متی بھی اپنے کمرے سو گئی۔

رات بھر جاگنے اور بھاگ دوڑ سے مجھے بہ تھکن تو ہو ہی رہی تھی لیکن حیرت کی بات تھی کہ آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ کوشش کے باوجود بند نہیں کر سکا تھا۔

اور پھر اسی شام میں اور جانکی پنڈت مرلی دھ میں نکل کھڑے ہوئے۔ میرے جسم پر بے شمار چو کوئی اور ہوتا تو واقعی کئی روز تک بستر سے نہ اٹھ میں نے چی کی قوت سے اپنی تکلیف پر قابو پا رکھا بھی آرام سے بیٹھے رہنا میری فطرت میں شامل نہیں

ہم نے گاڑی اجمیری گیٹ سے ذرا آگے ایک عمارت کے سامنے چھوڑ دی اور چند پرانی بازار ہوئے مندر والی گلی میں داخل ہو گئے۔

کشادہ سیڑھیاں چڑھ کر وسیع برآمدے میں ہی میں رک گیا۔ میں سامنے سے آنے والے دو دیکھ رہا تھا۔

ان میں ایک پنڈت مرلی دھر تھا اور دوسرا پروہت۔

میں اپنی جگہ پر کھڑا پلک جھپکے بغیر ان دونوں طرف آتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔

ان دونوں پنڈتوں اور ہمارے درمیان صرف چند گز کا گیا تھا۔ وہ دونوں آپس میں باتیں کرتے ہوئے آ رہے میں نے جانکی کی طرف دیکھا اور پھر بڑی تیزی سے ستون کی آڑ میں ہو گیا۔ جانکی کو اس طرف آنے کا ں مل سکا۔ اس نے وہی طریقہ اپنایا جو کوترلی کو دیکھ سے بچنے کے لیے اختیار کرتا ہے۔ یعنی اس نے بند کر لیں اور دونوں ہاتھ سامنے کو جوڑ کر کھڑی

پنڈت مرلی دھر اور مندر کا پروہت سر جھکائے باتیں ہوئے آ رہے تھے۔ شاید کوئی بہت ہی گمبھیر مسئلہ زیرِ ۔ ان کے انداز سے ایسے لگتا تھا جیسے وہ اپنے علاوہ کی موجودگی سے قطعی بے خبر ہوں۔ حالانکہ حقیقت مندر میں ان کے اور ہمارے علاوہ اور بھی بہت سے دود تھے۔ قریب سے گزرتے ہوئے لوگ دونوں ہاتھ انہیں پرنام کر رہے تھے مگر ان کی توجہ کسی طرف نہیں

ی انہماک کی وجہ سے وہ دونوں اپنے سامنے کھڑی کی کو بھی نہیں دیکھ سکے اور بے دھیانی میں پنڈت مرلی ات سے ٹکرا گیا۔

ی لڑکھڑا گئی لیکن اس نے نہ تو آنکھیں کھولیں اور نہ جڑے ہوئے ہاتھ الگ کیے۔ وہ اس طرح کھڑی رہی وان کی پرارتھنا کرتے ہوئے دنیا و مافیہا سے بے خبر

پنڈت مرلی دھر بھی اس سے ٹکرا کر لڑکھڑا گیا تھا لیکن وہ سنبھل گیا اور روایتی انداز میں دونوں ہاتھ جانکی کی جوڑ کر بولا۔ "معاف کرنا دیوی جی۔ میں اپنے دھیان

بالکل خاموش ہو گیا۔ اس کے چہرے پر ایک دم تناؤ ہو گیا۔ اس کی آنکھوں میں سرخی پھیل اور گہری ہو گئی۔ ی نظروں سے جانکی کی طرف دیکھنے لگا جو اب بھی ہوئے اور ہاتھ جوڑے کھڑی زیرِ لب کچھ بدبدا رہی

ستون کی آڑ میں کھڑا اسی طرف دیکھ رہا تھا۔ پنڈت سنگھ پور میں بھی جانکی کو دیکھا تھا۔ ان دنوں وہ شرٹ پہنا کرتی تھی جبکہ اس وقت وہ سنہری بارڈر خوب صورت اور قیمتی ساڑی پہنے ہوئے تھی۔ بال سنورے ہوئے تھے۔ کانوں میں آویزے اور ماتھے میں بھی جوگر ز کے بجائے

بڑے نازک اور ہلکے پھلکے سینڈل تھے۔ وہ اس جانکی سے بالکل مختلف نظر آ رہی تھی جسے پنڈت مرلی دھر نے سنگاپور میں دیکھا ہو گا۔

اسی دوران ایک اور جوڑا پروہت کے قریب آ کر رک گیا۔ ان دونوں کی شاید نئی نئی شادی ہوئی تھی۔ لڑکی نے دلہنوں جیسا قیمتی لباس پہن رکھا تھا۔ وہ زیورات سے لدی پھندی تھی۔ اس کی رنگت اگرچہ سانولی مگر چہرے کے نقوش بڑے دلفریب تھے۔ اس کی عمر بیس اکیس کے لگ بھگ رہی ہو گی۔ اس کے ساتھی مرد کی عمر تیس سے زیادہ نہیں تھی۔ اس کی رنگت بھی سانولی تھی لیکن وہ بھی صحت مند اور خوب رو جوان تھا۔ اس نے دھوتی اور کرتہ پہن رکھا تھا۔ گلے میں سونے کی ایک موٹی سی چین تھی۔

"کل ہمارا بیاہ ہوا ہے پنڈت جی۔" وہ شخص پروہت کے سامنے ہاتھ جوڑتے ہوئے بولا "ہم ایک نئی زندگی شروع کرنے جا رہے ہیں۔ آپ کی آشیرباد لینے آئے ہیں۔"

پروہت نے آشیرباد دینے کے لیے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا دیے۔ ان دونوں نے جھک کر پروہت اور پنڈت مرلی دھر کے چرنوں کو چھوا۔ سیدھے ہوتے ہوئے وہ لڑکی جانکی سے ٹکرا گئی اور جانکی لڑکھڑا کر پنڈت مرلی دھر سے ٹکرائی۔ پنڈت مرلی دھر شاید اس افتاد کے لیے تیار نہیں تھا۔ وہ لڑکھڑا کر نیچے گرا تو جانکی بھی اس کے اوپر ہی گری تھی۔

مجھے اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ جانکی نے یہ حرکت جان بوجھ کر کی تھی۔ نیچے گرتے ہی وہ اس طرح چیخی تھی جیسے اس پر قیامت ٹوٹ پڑی ہو۔ اس نے سنبھلنے کی کوشش کرتے ہوئے اپنے نیچے دبے ہوئے پنڈت مرلی دھر کو ایک دو ہاتھ بھی جڑ دیے تھے۔

آس پاس سے گزرتے ہوئے لوگ رک گئے۔ ایک عورت نے جلدی سے آگے بڑھ کر جانکی کو سہارا دے کر اٹھا دیا۔ جانکی اپنی ساڑی درست کرتے ہوئے بڑبڑا رہی تھی۔ دو آدمیوں نے پنڈت مرلی دھر کو بھی سہارا دے کر اٹھا دیا۔ وہ خاصا بدحواس ہو رہا تھا۔

"چھما چاہتا ہوں دیوی جی۔" وہ جانکی کے سامنے ہاتھ جوڑتے ہوئے بولا "غلطی میری نہیں تھی پھر بھی میں معافی مانگتا ہوں۔"

"مرد جاتے دیوتا کے روپ میں ہو یا پنڈت کے روپ میں۔ اپنی غلطی کبھی نہیں مانتا۔" جانکی کے لہجے میں ناگواری کا تاثر نمایاں تھا "میں یہاں کھڑی بھگوان سے پرارتھنا کر رہی تھی تو تم اس وقت مجھ سے ٹکرائے تھے۔ مرد جاتے دیوتا کا

روپ بھی دھار لے تو اس کا من میلا ہی رہتا ہے اور وہ۔"

"معاف کردو دیوی جی۔" پنڈت مرلی دھر بولا "اس وقت میں بے دھیانی میں آپ سے چھو گیا تھا اور۔"

"میں نے پہلے ہی کہا تھا کہ مرد اپنی غلطی کبھی نہیں مانتا۔" جانکی نے اس کی بات کاٹ دی۔

"پنڈت جی معافی مانگ رہے ہیں دیوی جی۔ اب چھما کردیں انہیں۔" قریب کھڑے ہوئے ایک آدمی نے کہا۔

"چھما کردیا۔" جانکی نے اس شخص کی طرف دیکھے بغیر جواب دیا "ویسے پنڈت جی سے کہہ دو کہ اپنی آنکھیں کھلی رکھا کریں۔"

"میری آنکھیں تو نیند میں بھی کھلی رہتی ہیں۔ ویسے لگتا ہے کہ میں نے آپ کو پہلے بھی کہیں دیکھا ہے۔" پنڈت مرلی دھر جانکی کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے بولا۔

"ضرور دیکھا ہوگا مہاراج۔" جانکی نے جواب دیا "ہم اپنے پتی کی تلاش میں دو سال سے پورے ہندوستان کے مندروں کی یاترا کررہے ہیں۔ کہیں ہمارا اور آپ کا سامنا ہوگیا ہوگا۔"

"پتی کی تلاش میں مندروں کی یاترا۔" مرلی دھر نے الجھی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"ایک بھگوان ہوتا تو ہم اپنی حویلی میں چوکی پر بیٹھے بیٹھے پرارتھنا میں دو سال گزار دیتے۔" جانکی نے جواب دیا "پر ہمارے تو کئی بھگوان ہیں۔ لاتعداد دیوتا ہیں۔ ہم اس لیے ہندوستان بھر کے مندروں کی یاترا کررہے ہیں کہ کوئی بھگوان تو ہماری سنے گا۔"

جانکی کی اس بات پر پروہت کی پیشانی پر بل پڑ گئے لیکن اس نے فوراً ہی اپنی کیفیت پر قابو پالیا اور جانکی کو آشیرباد دینے کے لیے ہاتھ اٹھاتے ہوئے بولا۔

"تیرا پتی تجھے مل جائے گا۔ اپنا من میلا مت کرو۔ ہم جانتے ہیں تم نے بہت کشٹ اٹھایا ہے۔ پر اب تیرے من کی آشا پوری ہونے والی ہے..... ہم خاص طور پر بھگوان سے پرارتھنا کریں گے کہ تیرا پتی تجھے جلدی مل جائے پر وہ تجھ جیسی سندری کو چھوڑ کر کیوں چلا گیا ہے؟"

"کیا بتاؤں مہاراج!" جانکی گہرا سانس لیتے ہوئے بولی "وہ ایک ناچنے والی کے چکر میں پھنس گیا تھا۔ وہ شاید مجھ سے زیادہ سندر تھی۔ وہ اس کے ساتھ بھاگ گیا اور مجھے مندروں کے چکر لگانے کے لیے چھوڑ گیا۔"

"مل جائے گا۔ مل جائے گا تیرا پتی۔" پروہت نے کہا۔ ایک بار پھر آشیرباد کے لیے ہاتھ اٹھایا اور آگے بڑھ گیا۔

پنڈت مرلی دھر بھی اس کے ساتھ چل پڑا تھا۔ وہ مڑ کر جانکی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں ابھی الجھن نمایاں تھی۔

جانکی ایک بار پھر آنکھیں بند کرکے ہاتھ جوڑ کر کھڑی ہوگئی تھی۔ میں ستون کے اوپر سے گھومتا ہوا دوسری طرف سے جانکی کے سامنے آگیا۔

پنڈت مرلی دھر اور پروہت مندر کے باہر کے دروازے کی طرف جارہے تھے۔ مرلی دھر نے ایک بار پیچھے مڑ کر دیکھا تھا۔ وہ دونوں جیسے ہی باہر نکلنے میں کامیاب کی آڑ سے نکل کر جانکی کے قریب آگیا۔

"یہ کیا حرکت تھی۔" میں نے اس کی طرف دیکھتے سرگوشی میں کہا۔

"اوہ! مجھے یقین نہیں آرہا کہ پنڈت کی دعا اتنی قبول ہوجائے گی۔" جانکی نے کہتے ہوئے جلدی سے آنکھیں کھول دیں۔

"بکواس بند کرو۔" میں نے اسے ہولے سے ڈانٹا۔

"مرلی دھر کے سامنے اتنی بکواس کرنے کی کیا ضرورت تھی۔"

"ضرورت تھی۔" جانکی نے جواب دیا "وہ اپنے میرے سامنے آگیا تھا اور مجھے تمہاری طرح پہچان نہیں مل سکا تھا۔ وہ مجھے دیکھ کر شبہے میں مبتلا ہوگیا تھا خاموش رہتی تو وہ سمجھ جاتا کہ میں کون ہوں۔ میں نے لیے یہ ڈراما کیا تھا۔ ایسے نفسیاتی حربے اکثر کام کر ہیں۔ اس کے ذہن سے یہ بات تو نکل گئی ہوگی کہ جانکی ہوں جس سے سنگاپور میں ٹاکرا ہوا تھا۔ اب جائے گا کہ میں کون ہوں اور ایک دو گھنٹوں بعد بھول جائے گا۔"

"لیکن وہ چلا گیا۔ اب ہم اسے کیسے تلاش کریں میں نے کہا۔

"چنتا مت کرو۔" جانکی مسکرائی "وہ اسی مندر ہے۔ پروہت کے ساتھ کہیں گیا ہے۔ واپس آجائے دوران میں ہم اس کے بارے میں یہاں سے کچھ حاصل کرسکتے ہیں۔"

میں جواب دینے کے بجائے اِدھر اُدھر دیکھنے مندر بھی دوسرے مندروں کی طرح بہت شان دار تھا اتنے بڑے تھے کہ چار آدمی مل کر بھی ایک ستون کے حصار میں نہیں لے سکتے تھے۔ مندر کی تعمیر کثرت سے استعمال کیا گیا تھا بلکہ حقیقت یہ تھی سوا کوئی اور چیز دکھائی ہی نہیں دیتی تھی

دیواروں پر مینا کاری کا کام اس مہارت اور نفاست سے کیا گیا کہ دیکھ کر حیرت ہوتی تھی۔

یہ گنیش دیوتا کا مندر تھا۔ مرکزی ہال میں سامنے سنگ مرمر کا ایک بہت بڑا چبوترہ تھا جس پر گنیش دیوتا کی بہت بڑی مورتی رکھی ہوئی تھی۔ دیواروں پر اور ستونوں پر بڑی مہارت سے ہندوؤں کے دوسرے دیوتاؤں کی مورتیاں بھی بڑی بہت سے تراشی گئی تھیں۔

ہم دونوں گنیش دیوتا کی مورتی والے چبوترے کے بائیں طرف ایک بہت کشادہ راہداری میں آگئے۔ یہ راہداری بھی ہال کی طرح تھی اور ادھر بھی دیواروں پر مورتیاں نظر آرہی تھیں۔ بہت سے لوگ ادھر بھی گھوم پھر رہے تھے۔ ہر مورتی کو دیکھ کر وہ ہاتھ جوڑ دیتے۔ ذرا آگے بڑھے لباس والا ایک پنڈت آنکھیں بند کیے آلتی پالتی مارے بیٹھا ہوا تھا۔ ہم اس طرف جارہے تھے کہ ایک بوڑھی عورت ہمارے سامنے رک گئی اور جانکی کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

"تمہارا پتی مل گیا۔"

"پتی۔" جانکی کے منہ سے گہرا سانس نکل گیا "یہ تو میرے پتی کا مترجم ہے جو مجھے دانہ ڈالنے کی کوشش کررہا ہے۔ اس کا خیال ہے کہ اب میرا پتی کبھی واپس نہیں آئے گا۔ مایوس۔"

عورت کے چہرے کے تاثرات بگڑ گئے۔ اس نے گھوم کر ہم دونوں کی طرف دیکھا اور رام رام کہتے ہوئے آگے بڑھ گئی۔

"تم اپنی حرکتوں سے باز نہیں آؤ گی۔" میں نے جانکی کو گھورا۔

"حرکت ہی میں برکت ہے لیکن اگر تم تھک گئے ہو تو تھوڑی دیر کو یہاں بیٹھ جاتے ہیں۔" جانکی نے مسکراتے ہوئے کہا اور میرے جواب کا انتظار کیے بغیر فرش پر بیٹھ گئی۔ پنڈت کے پاس بیٹھ گئی۔ میں بھی جانکی سے دو چار فٹ کے فاصلے پر بیٹھ گیا۔

جانکی نے آنکھیں موند کر دونوں ہاتھ سامنے کرکے جوڑ لیے اور زیر لب کچھ بدبدانے لگی۔ مجھے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ وہ اس وقت کسی شرارت کے موڈ میں ہے۔ میں کن انکھیوں سے اس کی طرف دیکھتا رہا اور پھر ایک منٹ بعد ہی میرے خیال کی تصدیق ہوگئی۔

جانکی نے دونوں ہاتھ اپنے سامنے کچھ اس طرح جوڑے تھے کہ اس کی کہنیاں باہر کو نکلی ہوئی تھیں۔ اس نے کہنی سے پہلو میں بیٹھے ہوئے پجاری کے پہلو میں کا دیا تو اس نے چونک کر آنکھیں کھول دیں اور گھور کر جانکی کو دیکھنے لگا۔

"سوامی جی۔" جانکی کے ہونٹوں سے سرگوشی نکلی "انسان بھگوان سے وہ ہی چیزیں مانگتا ہے۔ دولت اور خوب صورت عورت جن سے جیون کو سندر بنایا جاسکے۔ اس وقت دونوں چیزیں تمہارے بہت قریب موجود ہیں۔"

"کیا بات کا شٹ بک رہی ہو ناری۔" پنڈت کے منہ سے ہلکی سی غراہٹ نکلی "تم میری پوجا کو نشٹ کررہی ہو اور۔"

"اتنے کا شٹ چھوڑ دو سوامی جی۔ یہ بتاؤ میں کیسی لگ رہی ہوں۔" جانکی نے ڈھٹائی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس کی بات کاٹ دی۔

"بہت سندر۔" پنڈت کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

"تو پھر سوچ کیا رہے ہو۔" جانکی بولی "تمہیں ایک عدد سندر ناری اور دولت کی ضرورت ہے جس سے تم اپنا جیون سنوار سکو اور مجھے ایک ایسے مرد کی ضرورت ہے جو بلا چون و چرا میرے اشاروں پر چل سکے۔ تمہاری مطلوبہ دونوں چیزیں میرے پاس ہیں۔ سندر تا بھی اور روکڑا بھی۔ اگر تم یہ دونوں چیزیں حاصل کرنا چاہتے ہو تو میرے ساتھ کسی ایسی جگہ چلو جہاں ہمارے سوا کوئی نہ ہو اور سنو۔ انکار کرنے سے پہلے اچھی طرح سوچ لینا۔ لکشمی جیون میں صرف ایک بار کسی کے دروازے پر دستک دیتی ہے اور میں تو دستک دیے بغیر تمہارے پاس آگئی ہوں۔"

میں کن انکھیوں سے اس پنڈت کی طرف دیکھ رہا تھا جس کے چہرے پر شدید الجھن کے تاثرات ابھر آئے تھے۔ وہ بار بار جانکی کی طرف دیکھ رہا تھا اور پھر جانکی نے اپنی بانہوں کو حرکت دیتے ہوئے اس طرح پہلو بدلا کہ ساڑی کا پلو کندھے سے نیچے گر گیا۔ اس مرتبہ پنڈت کی آنکھوں میں عجیب سی چمک ابھر آئی۔

"جلدی فیصلہ کرلو سوامی جی۔" جانکی بڑبڑائی "تمہارے پاس صرف ایک منٹ رہ گیا ہے۔ ایک منٹ بعد میں تمہاری نگاہوں سے اوجھل ہوجاؤں گی۔ کسی اور کو تلاش کرلوں گی اور تم زندگی بھر پتھر کی ان مورتیوں کے سامنے ہاتھ جوڑے بیٹھے رہو گے اور تمہیں کچھ نہیں ملے گا۔ لکشمی کو ٹھکرا کر تم جیون کی سب سے بڑی غلطی کرو گے اور اسی طرح بھیک مانگتے رہو گے۔ جلدی سے فیصلہ کرلو۔ ورنہ میں یہاں سے جانے والی ہوں۔"

"مجھے کیا کرنا ہوگا دیوی جی۔" پنڈت کے ہونٹوں سے سرگوشی نکلی۔

"لکشمی۔ میں لکشمی ہوں۔ لوگوں کی قسمت بدل دیتی ہوں پلک جھپکنے کی دیر میں۔ بولو۔ تم نے کیا فیصلہ کیا ہے؟" جانکی نے کہا۔

"تم جو بولو گی' میں کرنے کو تیار ہوں لکشمی جی۔ مجھے کیا کرنا ہوگا۔" پنڈت بولا۔

"سیانے آدمی ہو۔" جانکی نے کہا "کسی ایسی جگہ چلو جہاں میرے اور تمہارے سوا کوئی نہ ہو۔"

"تو پھر آؤ میرے ساتھ۔" پنڈت کہتے ہوئے اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔

میں اب بھی کن انکھیوں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس نے گیروے رنگ کی دھوتی باندھ رکھی تھی اور اسی رنگ کی ایک چادر جسم کے اوپر والے حصے پر لپٹی ہوئی تھی۔ اس کے کندھے پر ایک میلا سا تھیلا بھی لٹکا ہوا تھا۔ جب وہ بیٹھا ہوا تھا تو اسٹریپ تو کندھے پر ہی لٹکا ہوا تھا جبکہ تھیلا اس کے پہلو میں زمین پر ٹکا ہوا تھا۔ اٹھتے ہوئے اس نے تھیلے کو بھی سنبھال لیا اور اوپر چادر ڈال لی۔ اس نے چادر درست کرتے ہوئے جانکی کی طرف دیکھا تو اس وقت بھی اس کی آنکھوں میں عجیب سی چمک لہریں لے رہی تھی۔

اس کی عمر چالیس اور پینتالیس کے درمیان رہی ہوگی۔ سر کے بال قریب سے تراشے ہوئے تھے۔ رنگت آبنوس جیسی گہری اور آنکھوں میں سفیدی نمایاں تھی۔ دانت چوڑے اور میلے تھے۔ وہ غالباً باقاعدگی سے شیو بنانے کا عادی تھا۔ ٹوتھ برش ٹائپ کی بھاری مونچھوں نے اس کے چہرے کو کسی حد تک خوفناک بنا دیا تھا۔ اس کا سینہ برہنہ ہو رہا تھا۔ سینے پر ریچھ کی طرح بال بھرے ہوئے تھے جن میں کہیں کہیں سفیدی بھی جھلک رہی تھی۔ اس نے میری طرف دیکھا تو تھا مگر توجہ نہیں دی تھی۔

میرا خیال تھا کہ وہ مندر کے مرکزی دروازے سے باہر جائے گا مگر وہ اتنا بے وقوف نہیں تھا کہ لکشمی کی دیوی کے ساتھ چلتے ہوئے دوسرے پجاریوں کو اپنی طرف متوجہ کرلیتا۔

"اس طرف میرے ساتھ ساتھ چلتی رہو دیوی جی۔" اس نے جانکی کی طرف دیکھتے ہوئے اشارہ کیا۔

میں اپنی جگہ پر بیٹھا رہا اور وہ دونوں مخالف سمت میں چل پڑے۔ مندر میں کچھ اور لوگ بھی تھے۔ کسی نے ان پر توجہ نہیں دی تھی۔ ضرورت بھی نہیں تھی۔ یہ کوئی انوکھی بات تو تھی نہیں۔ مندروں میں آنے والے دولت مند لوگ کچھ دینے کے لیے پجاریوں کو اپنے ساتھ لے جاتے تھے۔

تقریباً بیس گز آگے جاکر وہ دونوں جیسے ہی بائیں طرف مڑ گئے' میں بھی ایک جھٹکے سے اپنی جگہ سے اٹھ گیا اور تیز تیز چلتا ہوا اس موڑ پر پہنچ گیا۔

اس طرف ایک تنگ سی راہداری تھی۔ جو تیرہ چالیس فٹ سے بھی زیادہ طویل تھی اور اس میں ایک دوسرے سے خاصے فاصلے پر دو بلب جل رہے تھے۔

وہ دونوں اس راہداری کے آخری سرے پر پہنچ چکے تھے۔ مندر کی یاترا کے لیے آنے والے لوگ اس طرف نہیں جارہے تھے۔ یہ راہداری غالباً مندر کے پجاریوں کے لیے مخصوص تھی جو مندر کے اندرونی یا پچھلے حصے کی طرف چلی گئی تھی۔

میں نے ہندوستان کے مندروں کے بارے میں بہت کچھ سن رکھا تھا۔ تنگ و تاریک راہداریاں' خفیہ راستے اور تہ خانے۔ یہ مندر پنڈتوں کی عیاشیوں کے اڈے اور سازشوں کے گڑھ تھے۔ یہاں آدمی کو اس طرح غائب کردیا جاتا تھا کہ اس کا سراغ بھی نہیں ملتا تھا۔

وہ دونوں اگلے موڑ پر غائب ہوچکے تھے۔ مجھے اب جانکی کی حرکت پر غصہ آرہا تھا۔ کہیں وہ بھی کسی چکر میں نہ پھنس جائے۔ میرے ذہن میں ایک خیال یہ بھی تھا کہ اس پجاری کو جانکی پر کسی قسم کا شبہ نہ ہوگیا ہو۔ اگر وہ جانکی کو لے کر مندر کے تہ خانوں میں کہیں غائب ہوگیا تو میں زندگی بھر اسے تلاش نہیں کرسکوں گا۔

آگے راہداریوں کا جال سا بچھا ہوا تھا اور تمام راہداریاں سنسان تھیں۔ دل پر عجیب سی وحشت طاری ہو رہی تھی اور میں سوچ رہا تھا کہ اگر کسی پجاری سے آمنا سامنا ہوگیا تو گڑبڑ ہوجائے گی۔

میں قدموں کی آواز پر ان دونوں کا تعاقب کرتا رہا۔ بالآخر مندر سے باہر آگیا۔ میرے منہ سے گہرا سانس نکل گیا۔

یہ مندر کے پچھلی طرف تنگ اور تاریک سی گلی تھی جس کے اختتام پر بجلی کے پول پر مدھم روشنی کا بلب جل رہا تھا۔ اس وقت اگرچہ رات کے دس بھی نہیں بجے تھے لیکن گلی سنسان تھی۔

اگلی گلی میں رہائشی مکان تھے اور کچھ لوگوں کی آمد و رفت بھی تھی۔ اس گلی میں بھی زیادہ روشنی نہیں تھی۔ دو اور گلیاں گھومنے کے بعد وہ ایک ایسی تنگ سی گلی میں مڑ گئے جہاں دور دور تک روشنی کا نام و نشان تک نہ تھا۔ اب مجھے شبہ ہونے لگا تھا کہ وہ پجاری جانکی کو کسی ایسی جگہ لے جارہا تھا جہاں ان دونوں کے سوا کوئی اور نہ ہو اور یہ بھی اسے جانکی ہی نے کہا تھا کہ وہ اسے کسی ایسی جگہ لے چلے جہاں تیسرا کوئی نہ ہو۔

میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ جانکی کو ایسی کون سی بات سوجھی تھی جس کے لیے اس نے اس پجاری کو پٹایا تھا اور ایک طرح سے خطرہ بھی مول لیا تھا اگرچہ میں ان کا پیچھا کررہا تھا لیکن اگر وہ پجاری اسے لے کر تاریک گلیوں میں کہیں غائب ہوگیا تو مصیبت کے وقت میں جانکی کی کوئی مدد نہیں کرسکوں گا۔

اور بالآخر ان کا یہ سفر ختم ہوگیا۔ گلی کے اختتام پر وہ ایک کھنڈر نما عمارت تھی۔ باہر کی دیوار ٹوٹ چکی تھی اور اندر بھی ملبے کے ڈھیر لگے ہوئے تھے۔ وہ اینٹوں کے اونچے ڈھیر کے پیچھے کہیں غائب ہوگئے۔ میں آگے بڑھ کر آڑ میں کھڑا ہوگیا۔

چند سیکنڈ بعد ہی ایسی آواز سنائی دی جیسے کسی دروازے کا زنجیر والا کنڈا کھولا گیا ہو اور پھر دروازے کے کھلنے سے ہلکی سی چرچراہٹ کی آواز بھی سنائی دی تھی۔ میں چند قدم آگے بڑھ گیا۔

اور پھر تھوڑی ہی دیر بعد ایک طرف ایک شعلہ سا چمکا اور ایک محدود جگہ پر زرد مدھم سی روشنی پھیل گئی۔

اس کمرے میں شاید لالٹین یا لیمپ جلایا گیا تھا۔ میں کچھ اور آگے بڑھ گیا۔ کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا اور اس سے چند فٹ کے فاصلے پر ایک چھوٹی سی کھڑکی بھی تھی۔ میں کھڑکی کے قریب رک کر اندر جھانکنے لگا۔

وہ اس کھنڈر نما وسیع و عریض عمارت کا بچا ہوا غالباً واحد کمرا تھا جس میں رہائش اختیار کی جاسکتی تھی۔ کمرا زیادہ بڑا بھی نہیں تھا۔ ایک طرف جھلنگا سی چارپائی بچھی ہوئی تھی۔ دوسری طرف دیوار کے ساتھ زمین پر بھی گدا اور بستر بچھا ہوا تھا۔ چارپائی کے نیچے لوہے کا ایک پرانا سا ٹرنک بھی رکھا ہوا تھا۔ دوسری طرف دیوار کے ساتھ ایک کائی زدہ مٹکا رکھا ہوا تھا جس پر سرخ رنگ کا پلاسٹک کا ایک گلاس بھی اوندھا پڑا تھا۔ کمرے کی دیواروں میں طاقچے بنے ہوئے تھے۔ شیشہ سامنے والے طاقچے میں کالی دیوی کی ایک مورتی رکھی ہوئی تھی۔ اس کی سرخ زبان باہر کو نکلی ہوئی تھی۔ دوسرے طاقچوں میں بھی مورتیاں ہی رکھی ہوئی تھیں۔ لالٹین دیوار کے ساتھ ایک لمبی سی کھونٹی پر ٹنگی ہوئی تھی۔

جانکی بھی کمرے کے وسط میں کھڑی ادھر اُدھر دیکھ رہی تھی۔ اس پجاری نے کندھے پر لٹکا ہوا تھیلا اتار کر چارپائی پر ڈال دیا۔ مٹکے میں سے گلاس بھرا۔ پورا پانی ایک ہی سانس میں حلق میں انڈیلا' گلاس مٹکے کے ڈھکنے پر رکھا اور سیدھا ہو کر جانکی کو گھورنے لگا۔

"تمہاری خواہش کے مطابق میں تمہیں ایسی جگہ لے آیا ہوں جہاں تیجا کوئی نہیں ہے۔" وہ جانکی کو اوپر سے نیچے تک گھورتے ہوئے بولا "تم لکشمی تو ہو سکتی ہو لیکن وہ نہیں جو دولت پر دھن نچھاور کرتی ہے۔ پر میں جانوں کہ تمہارے پاس بھی دولت کی کمی نہیں۔ تمہارا یہ حسین مکھڑا اور خوب صورت شریر بھی بہت بڑی دولت ہے۔ ذرا ساڑی کا پلو تو ہٹاؤ۔ میں دیکھوں تو تم نے کتنی دولت چھپا رکھی ہے اپنی چولی میں۔۔۔"

"سوامی جی۔" جانکی دو قدم پیچھے ہٹتے ہوئے بولی "میں تو تمہیں۔۔۔"

"بند کرو اپنی بکواس۔" پجاری نے اس کی بات کاٹ دی "میں تم جیسی عورتوں کو اچھی طرح جانتا ہوں۔ جو شریر کے سوا کے لیے اپنی پسند کے مردوں کو تلاش کرتی پھرتی ہیں۔ تم جیسی بہت سی عورتیں مندروں کے پجاریوں کو شکار کرتی ہیں تاکہ وہ بعد میں تمہارا راز فاش نہ کرسکیں۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر آگے بڑھ کر اس نے جانکی کی ساڑی کا پلو کھینچ کر ہٹا دیا "میرے پاس آنے سے پہلے تم پنڈت وشمبر ناتھ جی کو اپنے گمشدہ پتی کی کتھا سنا رہی تھیں اور اب میں سمجھ گیا ہوں کہ تمہیں تو ہر رات ایک پتی کی تلاش رہتی ہوگی۔ اب میرا سے برباد مت کرو اور اپنے ہاتھوں سے یہ چولی بھی اتار دو۔"

"سوامی جی۔۔۔" جانکی اب واقعی بدحواس ہوگئی تھی۔

"بند کرو یہ بکواس۔" پجاری نے اسے جھڑک دیا "آج کی رات میں ہی تمہارا پتی ہوں۔ جلدی کرو۔ مجھے مندر واپس جانا ہے۔"

"میں تمہیں دھن وان بنانے آئی تھی مگر لگتا ہے تم بھی ہوس کے پجاری ہو اور اپنے پیروں پر کلہاڑی مارنے کی کوشش کررہے ہو۔" جانکی کہتے ہوئے مزید دو قدم پیچھے ہٹ گئی۔

وہ پجاری چند لمحے ہوس بھری نظروں سے اس کی طرف دیکھتا رہا پھر اچانک ہی اچھل کر اسے گرفت میں لے لیا۔ جانکی کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی اور وہ اپنے آپ کو چھڑانے کی کوشش کرنے لگی۔

"یہاں نہ تو کوئی تمہاری چیخوں کی آواز سنے گا اور نہ ہی

کوئی تمہاری مدد کو آئے گا۔" وہ پجاری غراتے ہوئے کہہ رہا تھا "تم خود ہی مجھے لے کر آئی ہو۔ اب نخرے کاہے کو دکھا رہی ہو۔"

مجھے جانکی پر بڑی شدت سے غصہ آرہا تھا لیکن یہ جانکی پر غصہ کرنے کا وقت نہیں تھا۔ صورتِ حال میرے لیے ناقابلِ برداشت ہو رہی تھی۔

میں دبے قدموں چلتا ہوا کمرے میں داخل ہوگیا۔ اس دوران میں وہ بنا کتا پجاری جانکی کو چارپائی پر گرا چکا تھا اور اس پر جھک کر اسے قابو میں کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ میں نے قریب پہنچ کر پجاری کا کندھا تھپتھپایا۔ وہ ایک دم سیدھا ہوگیا۔ میرا زوردار گھونسا اس کے جبڑے پر پڑا۔ وہ کراہتا ہوا الٹ کر فرش پر بچھے ہوئے گدے پر گرا۔

"اب تم نے اپنی جگہ سے حرکت کی تو کھوپڑی اڑا دوں گا۔" میں نے بڑی پھرتی سے جیب سے پستول نکال لیا۔

"کک..... کون ہو تم....." پجاری ہکلا کر رہ گیا۔ اس کا چہرہ خوف سے کچھ اور بھی سیاہ پڑ گیا تھا۔

"تمہارے لیے یم دوت (موت کا فرشتہ) بھی ثابت ہو سکتا ہوں۔" میں نے کہا "اگر پولیس کو اطلاع دے دی جائے کہ تم اس عورت کو مندر سے ورغلا کر یہاں لے آئے ہو تو تمہیں اغوا کے الزام میں آٹھ دس سال کی سزا ہو جائے گی اور تم جیل میں چکی پیستے رہو گے۔"

"نہیں مہاراج۔" اس نے ہاتھ جوڑ دیے "مجھ پر دیا کرو۔ میں نے اس ناری کو نہیں ورغلایا۔ میں تو وہاں پوجا کر رہا تھا۔ یہ خود مجھے ورغلا کر لائی ہے۔ مم..... میرا کوئی قصور نہیں ہے مہاراج۔"

میں نے جانکی کی طرف دیکھا۔ وہ چارپائی سے اٹھ چکی تھی اور ساڑی سنبھال رہی تھی۔ اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ تھی۔

"میں تمہاری قسمت بدلنا چاہتی تھی مگر تم بہک گئے۔" وہ اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے بولی "بولو۔ تمہیں روکڑا چاہیے یا اغوا کے الزام میں جیل کی ہوا کھانا چاہتے ہو؟"

"تم جو کہو گے میں کرنے کو تیار ہوں۔" پجاری نے ہاتھ جوڑ دیے اور باری باری ہماری طرف دیکھنے لگا "میں بالکل نردوش ہوں۔ میرا کوئی دوش نہیں ہے۔"

"خاموشی سے اپنی جگہ پر بیٹھے رہو۔" میں نے پستول سے اشارہ کیا اور جانکی کی طرف دیکھنے لگا۔ وہ میرے قریب آگئی "یہ کیا بدتمیزی ہے۔ تم اسے یہاں کیوں لے آئیں۔"

"اس روز درگا کے مندر میں یہ بھی پنڈت مرلی دھر کے ساتھ تھا اور آج جب میں مرلی دھر اور پروہت سے باتیں کر رہی تھی تو یہ بھی وہاں آکر رکا تھا پھر مرلی دھر نے اسے آنکھ سے اشارہ کیا تو یہ وہاں سے ہٹ گیا تھا۔ بعد میں میں اسی کو تلاش کرتی رہی تھی اور بالآخر یہ مل گیا۔ اس سے مرلی دھر کے بارے میں بہت کچھ معلوم کر سکتے ہیں۔"

"اس سے مندر ہی میں کسی اور طریقے سے بھی بات کی جا سکتی تھی۔" میں نے کہا۔

"کسی اور طریقے سے شاید یہ قابو میں نہ آتا۔" جانکی نے مسکراتے ہوئے سرگوشی کی "لیکن اب یہ پوری طرح ہماری گرفت میں ہے۔ ہماری بات ماننے سے انکار نہیں کر سکتا۔"

"ٹھیک ہے۔ کوشش کرتے ہیں۔" میں نے کہا اور دونوں اس پجاری کے قریب آگئے جو اب بھی سہما ہوا بیٹھا تھا۔ اس کی حالت دیکھ کر مجھے اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ وہ ڈرپوک قسم کا آدمی ہے اور اس پر ہمیں زیادہ محنت نہیں کرنی پڑے گی۔

"میں نے غلط نہیں کہا تھا۔ میں لکشمی ہوں۔" جانکی اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "میرا یہ شریر تو تمہیں نہیں لا سکے گا لیکن میں تمہیں دھن وان بنا سکتی ہوں۔"

"تم جو کہو گی میں کرنے کو تیار ہوں دیوی جی۔" اس نے ایک بار پھر ہاتھ جوڑ دیے۔

"تمہاری اس کھوپلی کی حالت بتا رہی ہے کہ تمہارا دھیان کا دھندا کچھ چل نہیں رہا۔" میں نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا "اگر تم ہمارا ایک کام کر دو تو تمہارے دن پھر سکتے ہیں۔"

"میں سب کچھ کرنے کو تیار ہوں مہاراج۔ پر ہم بندوقیا کی ہمارے سامنے سے ہٹا لو۔ بہت ڈر لگت ہے کا۔" وہ بولا۔

میں نے پستول جیب میں ڈال لیا۔ اس کے بارے میں میرا اندازہ درست نکلا تھا۔ وہ واقعی بہت بزدل تھا۔ میں نے پتلون کی پچھلی جیب میں ہاتھ ڈال کر نوٹوں کا بنڈل نکالا اور اس میں سے ہزار ہزار والے دو نوٹ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیے۔

اس کی آنکھوں میں چمک سی ابھر آئی۔ نوٹ لیتے ہوئے اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔

"لے لو۔" جانکی نے مسکراتے ہوئے کہا "میں نے جو وعدہ کیا تھا کہ تمہیں دھن وان بنا دوں گی۔ ابھی تو ابتدا ہے۔ تم تو نوٹوں کی اس طرح بارش ہوگی کہ تم سنبھال نہیں سکو گے۔"

"مم..... مجھے کیا کرنا ہوگا۔" اس نے نوٹ پکڑ لیے۔ اس کی آواز اس کے لہجے میں بھی کپکپاہٹ تھی۔

"پہلے میں اس کے بارے میں سوال کرتا رہا۔ اس کا نام ہری داس تھا۔ اس کے کہنے کے مطابق وہ راجستھان کے رہنے والے ہیں۔ وہاں کے مندروں میں گھوم پھر کر پنڈتوں کی سیوا کرتا رہتا ہے۔ کسی مندر کے پنڈت اسے زیادہ عرصے اپنے ہاں ٹکنے نہیں دیتے۔ وہ پچھلے کئی برسوں میں صرف دو مرتبہ پہلے یہاں آیا تھا اب تین مہینوں سے یہاں پڑا ہوا ہے۔ پنڈتوں کی سیوا کے اسے صرف اتنا کچھ ہی ملتا ہے کہ وہ تنگ دستی میں گزارہ کر سکے جبکہ اس کے کہنے کے مطابق بڑے بڑے پنڈت اور پروہت کروڑ پتی ہیں۔ انہوں نے کروڑوں کی جائدادیں بنا رکھی ہیں۔ اس گنیش مندر کے پروہت پنڈت شیو ناتھ کے بارے میں بھی اس نے چند بڑے سنسنی خیز انکشافات کیے تھے۔ مجھے پنڈت وشیو ناتھ سے بہرحال کوئی دلچسپی نہیں تھی اس لیے میں جلد ہی اصل موضوع پر آگیا۔

"پنڈت مرلی دھر کے بارے میں تم کیا جانتے ہو؟" میں نے ہری داس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے پوچھا۔

"کون پنڈت مرلی دھر؟" اس کی آنکھوں میں الجھن سی ابھری "میں اس نام کے کسی پنڈت کو نہیں جانتا۔ یہ نام پہلی بار سنا ہے۔"

"وہی پنڈت جو تقریباً دو گھنٹے پہلے پنڈت وشیو ناتھ کے ساتھ مندر سے باہر گیا تھا۔" میں نے کہا۔

"اوہ وہ!" موتن داس کے منہ سے گہرا سانس نکل گیا "وہ مرلی دھر نہیں۔ اس کا نام ہریشورام ہے۔ بہت حرامی ہے۔" وہ ایک لمحے کو خاموش ہوا پھر بولا "اسے بدیش سے آئے ہوئے تو تھوڑے ہی دن ہوئے ہیں مگر سمجھ میں نہیں آتا کہ اس نے یہاں آتے ہی پنڈت وشیو ناتھ اور درگا مندر کے پروہت پنڈت لکشمن کو کس طرح اپنے قابو میں کر لیا ہے۔ دونوں اس کی ہر بات مانتے ہیں۔"

"اس کے ساتھ اور کون ہے؟" میں نے پوچھا۔

"اکیلا ہی ہے۔" موتن داس نے جواب دیا۔

"وہ اکیلا نہیں ہے۔ اس کے ساتھ بدیش سے ایک اور نیچ بھی آیا تھا۔ بہرحال، تم ہریشورام کے بارے میں اور کیا جانتے ہو؟" میں نے ایک بار پھر اس کے چہرے پر نظریں جما

"وہ بڑا حرامی آدمی ہے۔" موتن داس نے اسے ایک بار پھر گالی دی "پتا نہیں اس نے ان دونوں پنڈتوں کو کیا گھلا دیا ہے کہ وہ ہر وقت اسی کا دم بھرتے رہتے ہیں۔ میں پچھلے دو مہینوں سے یہاں پڑا ہوا ہوں۔ وشیو ناتھ کی بہت سیوا کی لیکن مجھ جیسے پجاریوں کو تو وہ اپنا زر خرید غلام سمجھتا ہے۔ پر شورام جب یہاں آیا تو پنڈت جی نے مجھے اس کی سیوا پر لگا دیا۔ میں نے اس کی بہت سیوا کی۔ پچھلے تین چار ہفتوں کے دوران میں اس کی فرمائش پر تین مرتبہ اسے عورتیں فراہم کر چکا ہے اور وہ سالا مجھے دس بیس روپے دے کر ٹرخا دیتا ہے۔"

"پر شورام یہاں اسی مندر میں رہتا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں۔ وہ یہیں رہتا ہے۔ پنڈت جی کے ساتھ عیش کرتا ہے پر وہ جس دن عورتوں کی فرمائش کرتا ہے' اس رات یہاں نہیں رہتا۔" موتن داس نے کہا۔

"تو پھر کہاں جاتا ہے وہ؟" میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"رام گڑھ جھیل والے مندر میں۔" موتن داس نے جواب دیا "وہ ہفتے میں ایک مرتبہ وہاں ضرور جاتا ہے اور وہ ہمیشہ دو عورتوں ہی کی فرمائش کرتا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ....." وہ کہتے کہتے رک گیا۔

"اس کے ساتھ کوئی اور بھی ہے۔ یہی کہنا چاہتے ہو نا؟" میں نے اس کی بات پوری کر دی۔

"جی مہاراج۔" وہ جلدی سے بولا "یقیناً یہی بات ہے۔"

"رام گڑھ جھیل کہاں ہے اور وہ کون سے مندر میں جاتا ہے۔" میں نے ایک اور سوال کیا۔

"رام گڑھ اس شہر کے شمال میں بیس بائیس کلو میٹر کی دوری پر ہے۔" موتن داس نے بتایا "وہاں ماہی گیروں کی بستی ہے۔ یوں تو اس بستی میں بھی ایک مندر ہے۔ پر مجھے وشواس ہے کہ پر شورام اس مندر میں نہیں جاتا۔"

"تو پھر وہ کون سے مندر میں جاتا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"جھیل سے ذرا آگے پہاڑیوں میں ایک پرانا مندر ہے۔ لوگ یاترا کے لیے اس طرف جاتے رہتے ہیں مگر بہت پیدل چلنا پڑتا ہے اس لیے کم لوگ وہاں تک جاتے ہیں۔ مجھے یقین ہے پر شورام اسی مندر میں جاتا ہے۔" موتن داس نے جواب دیا۔

"اس مندر کے بارے میں کوئی خاص بات ہے؟" میں نے پوچھا۔

"وہ بہت پرانا مندر ہے۔" موتن داس نے کہا "وہاں پنڈت کلیان راج قابض ہے۔ اس کے ساتھ چند ایک گنے چنے پجاری ہیں۔ وہ کسی اور کو وہاں ٹکنے ہی نہیں دیتا۔ دور دور سے آنے والے دولت مند یاتری وہاں بہت قیمتی چیزوں کی بھینٹ چڑھاتے ہیں۔ زیورات' سونے کی مورتیاں اور نقدی۔ وہاں لاکھوں کی آمدنی ہے۔ اسی لیے پنڈت کلیان راج وہاں کسی کو پیر نہیں جمانے دیتا۔ پر یہ پرشو رام ہر ہفتے وہاں دو عورتوں کو لے جاکر جاتا ہے۔ کوئی گڑبڑ ضرور ہے۔"

"کیا تم وہاں رہ چکے ہو؟" میں نے پوچھا۔

"دو تین سال پہلے صرف ایک مرتبہ گیا تھا مگر تیسرے ہی دن پنڈت کلیان راج نے بھگا دیا۔" موتن داس نے کہا۔

"دیکھو موتن داس۔" میں نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا "ہمیں تم سے کوئی دشمنی نہیں ہے۔ میری اس دوست نے کل تمہیں کالی کے مندر میں پنڈت مرلی دھریا پرشو رام کے ساتھ دیکھا تھا۔ اس لیے آج اس طرح مندر سے لایا گیا ہے کہ کسی کو شبہ نہ ہو اور تم بھی لالچ میں آجاؤ۔ بات دراصل یہ ہے کہ..... پنڈت مرلی دھر کا دوست خونی ہے۔ اس نے کئی قتل کیے ہیں اور بھاگا ہوا ہے۔ پنڈت مرلی دھریا پرشو رام اس کا شریک جرم ہے لیکن ہمیں اس کے خونی دوست کی تلاش ہے جو غالباً کسی مندر ہی میں چھپا ہوا ہے۔ تم چونکہ پرشو رام کے سیوک ہو۔ اسی لیے ہم نے تم سے رابطہ کرنے کا فیصلہ کیا تھا تاکہ تم سے ان دونوں کے بارے میں معلومات حاصل کر سکیں۔"

"کیا تم لوگ پولیس والے ہو؟" موتن داس کے چہرے پر خوف کے سائے ابھر آئے۔

"نہیں۔" میں نے نفی میں سر ہلا دیا "ہمارا ان کے ساتھ کوئی اپنا حساب کتاب ہے جسے برابر کرنا چاہتے ہیں۔"

"پرشو رام کو دیکھ لیا تھا تو اسے پکڑا کیوں نہیں۔" اس نے پوچھا۔

"اگر ہم پرشو رام کو پکڑ لیتے تو اس کا دوسرا ساتھی ہوشیار ہو جاتا۔ وہ بہت چالاک آدمی ہے۔ ہم دونوں پر اکٹھے ہی ہاتھ ڈالنا چاہتے ہیں اور اس سلسلے میں ہمیں تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔ تم ہم سے تعاون کرو گے تو ہم تمہیں اتنی دولت دیں گے کہ تم اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔"

"لیکن۔" وہ خوف زدہ سے لہجے میں بولا "اگر پرشو رام یا پنڈت دشمن ناتھ کو بھنک بھی مل گئی کہ میں تم لوگوں کے لیے کام کر رہا ہوں تو وہ مجھے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔"

"جب تک تمہاری زبان بند رہے گی کسی کو پتا نہیں چلے گا۔" میں نے کہا "ایک بات اور بھی ہے۔ اگر پنڈت دشمن ناتھ بھی ان کے جرائم میں ملوث پایا گیا تو اسے بھی راستے سے ہٹا دیا جائے گا اور ہو سکتا ہے اس طرح تمہیں اس کی دولت میں کچھ اختیارات مل جائیں۔"

موتن داس کی آنکھوں میں چمک سی ابھر آئی۔

"مجھے کیا کرنا ہوگا؟" اس نے سوالیہ نگاہوں سے ہماری طرف دیکھا۔

"رام گڑھ جھیل والے مندر میں جاکر پتا لگاؤ کہ پرشو رام کے ساتھ اور کون ہے۔ اگر تم نے صحیح اطلاع دی تو تمہیں مالا مال کر دیں گے لیکن اگر تم نے ہم سے غداری کی اور انہیں ہمارے بارے میں بتا دیا تو یاد رکھو تم ہندوستان کے کسی مندر میں محفوظ نہیں رہ سکو گے۔"

"میں۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ کسی کو کچھ نہیں بتاؤں گا۔" موتن داس نے کہا "میں کل ہی وہاں جاکر پتا کروں گا۔"

"تو پھر ہم کل رات تم سے ملیں؟" میں نے پوچھا۔

"کل رات تو میں وہیں رہوں گا۔ پرسوں رات دس گھنٹا بجتے ہی تم لوگ یہاں آجانا۔ میں تمہیں ملوں گا۔ دروازہ کھولی میں۔" اس نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔" میں نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا "لیکن اگر ہمارے ساتھ دھوکا ہوا تو تم زندہ نہیں بچ سکو گے۔"

"نہیں مہاراج۔ تمہارے ساتھ دھوکا نہیں ہوگا۔" اس نے کہا۔

"اب ہمیں ان گلیوں سے باہر چھوڑ کر آؤ۔ مندر کی طرف۔" میں نے کہا۔

موتن داس اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ ہم کمرے سے باہر آگئے۔ موتن داس نے لالٹین جلتی رہنے دی اور باہر نکل کر دروازہ بند کر کے اشارہ کرتا ہوا ایک طرف چل پڑا۔ میں جانکی کا ہاتھ پکڑ لیا اور اس کے پیچھے پیچھے چلنے لگے۔

○☆○

روپ متی کا معاملہ کچھ الجھ گیا تھا۔

پولیس تحقیقات کرتے ہوئے شہر کی نواحی پہاڑیوں میں واقع اس کھنڈر نما عمارت تک پہنچ گئی تھی جہاں روپ متی کو باندھ کر رکھا گیا تھا۔ پولیس کو نہ صرف اس عمارت سے دھرمیش کی لاش بلکہ عمارت سے تقریباً ایک میل دور پہاڑیوں میں اس شخص کی لاش بھی مل گئی تھی لالہ رنجیت کے خنجر سے گھائل ہو کر عمارت سے بھاگا تھا۔ دونوں لاشیں آدھی سے زیادہ بھیڑیوں کی خوراک

چکی تھیں۔ اتفاق سے ان کے چہرے سلامت تھے جن سے انہیں شناخت کیا گیا تھا۔

پہاڑیوں میں پائی جانی والی لاش بشن سنگھ نامی ایک آدمی کی تھی جس کے بارے میں تحقیقات سے پتا چلا کہ اس کا تعلق چتور گڑھ کے سابق راجہ کے خاندان سے تھا۔ اس کا باپ راجہ کا کزن تھا۔ تقسیم ہند سے پہلے وہ چتور گڑھ کی گدی کا دعوے دار تھا مگر اس وقت کی انگریز حکومت نے راجہ رگھبیر سنگھ کو چتور گڑھ کا راجہ تسلیم کرلیا تھا۔ بشن سنگھ کا باپ اودھم سنگھ گدی حاصل کرنے کے لیے اودھم مچاتا رہا۔ اس نے انگریزوں کے خلاف بھی سازشیں شروع کردیں لیکن کامیاب نہ ہوسکا۔ اسی دوران میں ہندوستان کا بٹوارہ ہوگیا۔ ہندوستان میں تمام ریاستیں ختم ہوگئیں۔ راجاؤں سے اختیارات چھین لیے گئے اور ان کے وظائف مقرر کردیے گئے۔ ہند سرکار نے بھی رگھبیر سنگھ کو ہی چتور گڑھ کا سابق راجہ تسلیم کرتے ہوئے اس کے لیے گراں قدر وظیفہ مقرر کیا تھا۔ اودھم سنگھ نے اپنی اودھم بازی جاری رکھی۔ عدالتوں میں مقدمے بازی سے لے کر رگھبیر سنگھ کے خلاف سازشوں کا سلسلہ جاری رکھا۔ وہ ہر صورت میں رگھبیر سنگھ کو گرانا چاہتا تھا تاکہ سرکار سے ملنے والا وظیفہ اور دیگر رعایتیں خود حاصل کرسکے۔

اودھم سنگھ نے راجہ رگھبیر سنگھ کے سالے دھرم ویر سنگھ کو کسی طرح اپنے ساتھ ملا لیا۔ رگھبیر سنگھ کو اب دو دشمنوں کا سامنا تھا۔ دھرم ویر سنگھ' اودھم سنگھ سے زیادہ چالاک ثابت ہوا۔ ایک طرف اس نے اودھم سنگھ کو لارا لپا لگائے رکھا اور دوسری طرف وہ راجہ کے خلاف بھی ریشہ دوانیوں میں مصروف رہا کیونکہ ہند سرکار سے ملنے والا وظیفہ وہ خود حاصل کرنا چاہتا تھا۔

دھرم ویر سنگھ کے دہلی سے بھی بڑے اچھے تعلقات تھے۔ اس وقت کے کئی بڑے بڑے سیاسی لیڈر اور نیتا اس کے حلقہ احباب میں شامل تھے۔ اس کی رسائی راج بھون تک تھی اور بالآخر وہ اپنی ریشہ دوانیوں میں کامیاب ہوگیا۔

ہند سرکار نے راجہ رگھبیر سنگھ کو معطل کرکے دھرم ویر سنگھ کو چتور گڑھ کا سابق راجہ تسلیم کرتے ہوئے سرکاری وظیفہ اور دیگر تمام مراعات اس کے نام منتقل کردیں جبکہ راجہ رگھبیر سنگھ کو ہر چیز سے محروم کردیا۔ اس نے ساتھ ہی اس کے خلاف انکم ٹیکس کی چوری اور اختیارات کے ناجائز استعمال اور بدعنوانیوں کے الاتعداد مقدمات شروع ہوگئے۔ راجہ رگھبیر سنگھ ایک غیرت مند آدمی تھا۔ وہ یہ ذلت برداشت نہیں کرسکا۔ اس نے اپنے آپ کو گولی مار کر ہتیا کرلی۔

راجہ رگھبیر سنگھ کا باب ختم ہوگیا اور اودھم سنگھ، دھرم ویر سنگھ میں ٹھن گئی۔ دھرم ویر سنگھ کے بیٹے بلونت اور اودھم سنگھ کے بیٹے بشن سنگھ میں گہری دوستی تھی۔ دونوں بدقماش اور عیاش تھے۔ بڑوں کی لڑائی سے انہیں غرض نہیں تھی۔ انہیں اپنی رنگ رلیوں سے اتنا وقت نہیں ملتا تھا کہ کسی اور معاملے پر توجہ دے سکیں۔ شہر طوائفوں کے کوٹھے ان کے دم سے آباد تھے۔ رات کوٹھوں سے نکلتے تو بلونت سنگھ کی حویلی میں راگ رنگ کی محفلیں جمتیں۔ جن میں شہر کی حسین ترین کال گرلز کو بلایا جاتا۔ ایسی لڑکیاں بھی ہوتیں جنہیں اغوا کرکے لایا جاتا۔

بلونت سنگھ اور بشن سنگھ کو ہمیشہ اکٹھے ہی دیکھا جاتا۔ لوگ حیران تھے کہ ان دونوں کے باپ تو ایک دوسرے جان کے دشمن تھے اور یہ دونوں ایک ہی تھالی میں کھاتے تھے۔

اور پھر ایک روز اودھم سنگھ پُراسرار طور پر لاپتا ہوگیا۔ اس کی لاش شہر سے چند میل دور ایک جھیل میں ملی گئی تھی۔ بعض لوگوں کا خیال تھا کہ وہ جھیل میں ڈوب کر مرا تھا اور کچھ لوگوں کے نزدیک اسے پہلے گلا گھونٹ کر ہلاک کیا گیا پھر لاش جھیل میں پھینک دی گئی۔

پولیس نے اسے ایک اتفاقی حادثہ قرار دے کر کیس بند کردیا۔ شہر کا ہر فرد جانتا تھا کہ اودھم سنگھ کی دھرم ویر سنگھ سے دشمنی چل رہی تھی اور عام خیال یہ تھا کہ اودھم سنگھ کو قتل کیا گیا تھا لیکن اس کے بیٹے بشن سنگھ پر اپنے باپ کی موت کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ اس نے مزید تحقیقات کی بھی نہیں دیا۔ پولیس نے جو کچھ کہا اسے آنکھیں بند کرکے تسلیم کرلیا اور باپ کی چتا جلا کر گھر بیٹھ گیا۔

بشن سنگھ اب مکمل طور پر بلونت سنگھ کا ساتھی بن گیا۔ بلونت سنگھ کو بھی اس سے کوئی خطرہ نہیں تھا۔ کچھ ہی عرصے بعد بشن سنگھ نے چتور گڑھ میں اپنی موروثی حویلی اونے پونے بیچ دی اور جے پور آگیا۔ یہاں کوئی جائداد خریدنے کے بجائے اس نے سردار پیل مارگ کے علاقے میں ایک فلیٹ دار کوٹھی کرائے پر لے لی اور رنگ رلیوں میں مصروف ہوگیا۔ اس کے گرد ایسے لوگ جمع ہوگئے تھے جو اسے آسانی سمجھتے تھے۔ وہ اس کے خرچ پر عیش کررہے تھے۔ شراب کی کوٹھی پر ہر روز راگ رنگ کی محفلیں جمتیں۔ آوارہ عورتوں پر ہر رات ہزاروں روپے اڑائے جاتے۔ دوست عیش کررہے تھے اور روپیہ پانی کی طرح اس کے ہاتھ سے نکلا جارہا تھا۔

بلونت سنگھ بھی ہفتہ دس دن میں ایک مرتبہ اس کے ہاں ضرور آتا تھا۔ اس نے بھی بشن سنگھ کو سمجھانے کی کوشش کی کہ وہ روپیہ اس طرح نہ لٹائے لیکن بشن سنگھ پر کسی کی باتوں کا اثر نہیں ہوا۔ بلونت سنگھ نے اپنی باتوں پر کبھی زور بھی نہیں دیا تھا کہ وہ خود بھی اسی تماش کا تھا۔

دو سال میں بشن سنگھ قلاش ہوگیا۔ اس کے دوست بھی اس کا ساتھ چھوڑ گئے۔ جو اس کی دولت پر عیش کرتے رہے وہ بھی اس کے سائے سے بھی دور رہنے لگے تھے۔

بشن سنگھ کو وہ عالیشان کوٹھی خالی کرنی پڑی۔ اس نے گھاٹ دروازہ کی گنجان آبادی میں ایک چھوٹا سا مکان کرائے پر لیا اور زندہ رہنے کے لیے ہاتھ پیر مارنے لگا۔ بلونت سنگھ کبھی کبھار جے پور آتا تو اس کی تھوڑی بہت مالی مدد کردیتا۔

اسی دوران میں بشن سنگھ کی ملاقات تیج سنگھ اور رگھبیر سنگھ سے ہوگئی۔ تیج سنگھ چالاک آدمی تھا۔ وہ جانتا تھا کہ بلونت سنگھ کو وقت اسے ایسے آدمیوں کی ضرورت پڑسکتی ہے۔ وہ وقتاً فوقتاً بشن سنگھ کی مالی مدد کرتا رہا اور اس سے کچھ ایسے کام بھی لگا جو جرائم کے زمرے میں آتے تھے۔ اسے خود بھی اس کا احساس تھا لیکن وہ تیج سنگھ کے لیے ایسے کام کرنے پر مجبور تھا۔

بشن سنگھ ہی کے ذریعے تیج سنگھ کی ملاقات بلونت سنگھ سے ہوگئی۔ وہ دونوں ایک ہی قماش کے تھے۔ تیج سنگھ شکاری روپ متی کو دونوں ہاتھوں سے لوٹ رہا تھا اور بلونت سنگھ اپنے باپ کی دولت لٹا رہا تھا۔

تیج سنگھ کے توسط سے بلونت سنگھ راجکماری روپ متی تک پہنچ گیا لیکن روپ متی کو یہ شخص زیادہ پسند نہیں آیا اور اس سے دور رہنے کی کوشش کرنے لگی۔

اور پھر غلاموں کی منڈی میں پیش آنے والے واقعے کے بعد صورت حال یک لخت تبدیل ہوگئی۔ روپ متی کے سامنے سے نقاب اٹھ گئے۔ اس روز پشکر جاتے ہوئے راستے میں بلونت سنگھ سے آمنا سامنا ہوگیا تھا اگر میں نہ ہوتا تو شاید بلونت سنگھ روپ متی کو کوئی نقصان پہنچانے میں کامیاب ہوجاتا مگر میں نے آنکھیں دکھائیں تو وہ راہ فرار اختیار کرنے پر مجبور ہوگیا۔ مجھے یقین تھا کہ وہ موقع پاکر کوئی ایسی حرکت ضرور کرے گا جس سے مجھے اور روپ متی کو ناقابل تلافی نقصان پہنچ سکے۔ تاہم وہ ابھی تک خاموش تھا البتہ تیج سنگھ اور دھرمیش کھل کر روپ متی کے مقابلے پر آگئے تھے۔ جس کے نتیجے میں وہ دونوں اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ دھرمیش تو روپ متی کے ہاتھوں مارا گیا تھا اور تیج سنگھ ہمیں ٹرک سے کچلنے کی کوشش میں خود ہی اپنی جان گنوا بیٹھا تھا۔

اور اب پہاڑیوں سے بشن سنگھ کی کچی ہوئی لاش ملنے کے بعد بلونت سنگھ کھل کر سامنے آگیا تھا۔ بشن سنگھ اس کا کزن تھا اس نے بشن سنگھ کے قتل کا الزام روپ متی پر عائد کردیا اور روپ متی کو بھی سنگین نتائج کی دھمکیاں دینے لگا۔

ٹھاکر بھانوت سنگھ کی وجہ سے روپ متی کی طرف سے اگرچہ مجھے بھی کچھ اطمینان ہوگیا تھا لیکن میرے لیے بھی کئی محاذ کھل گئے تھے۔ تیج سنگھ اور بلونت سنگھ وغیرہ سے روپ متی کی دشمنی کی بنیاد تو میں ہی تھا۔ تیج سنگھ تو اپنے انجام کو پہنچ چکا تھا لیکن بلونت سنگھ مقابلے پر آگیا تھا۔ اس نے مجھے بھی دھمکیاں دی تھیں۔

ایک طرف بلونت سنگھ تھا اور دوسری طرف میں پنڈت مرلی دھر اور دارا کے چکر میں الجھا ہوا تھا۔ وہ دونوں سنگاپور سے فرار ہوکر آئے تھے اور اتفاق سے ہم بھی ریگستان میں جہاز کریش ہونے کے بعد یہاں پہنچ گئے تھے۔ روپ متی میرے کردار سے متاثر ہوکر مجھے آزاد کرنے کو تیار تھی اور میں کسی طرح سرحد پار کرکے پاکستان جانا چاہتا تھا لیکن اتفاق سے اس روز جانکی نے کالی کے مندر میں پنڈت مرلی دھر کو دیکھ لیا اور ہم مرلی دھر کی تلاش میں گنیش دیوتا کے مندر تک پہنچ گئے۔ جہاں پجاری موتن داس ہمارے ہاتھ لگ گیا۔ موتن داس کی باتوں سے اندازہ ہوگیا کہ مرلی دھر کا ایک اور ساتھی بھی تھا جو رام گڑھ جھیل کے کنارے کسی قدیم مندر میں چھپا ہوا تھا اور مرلی دھر ہر ہفتے اس کے لیے شراب اور عورتیں لے کر جاتا تھا۔ اب یہ تصدیق کرنا باقی تھی کہ قدیم مندر میں چھپا ہوا وہ شخص دارا ہی تھا یا کوئی اور۔ موتن داس نے دولت کے لالچ اور جان کے خوف سے اگرچہ اسی سلسلے میں معلومات فراہم کرنے کا وعدہ کیا تھا لیکن مجھے اس پر بھروسا نہیں تھا۔ مجھے شبہ تھا کہ وہ مرلی دھر کو ہمارے بارے میں بتا دے گا۔ اسی لیے میں نے خود رام گڑھ جھیل والے مندر میں جاکر معلومات حاصل کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔

جس رات ہم نے پجاری موتن داس کو پکڑا تھا۔ میں اس سے اگلے ہی روز رام گڑھ جھیل والے مندر کی طرف جانا چاہتا تھا مگر صبح سویرے ہی پولیس کی ایک پارٹی روپ متی سے پوچھ گچھ کے لیے حویلی پہنچ گئی۔ یہ پارٹی چار ہاکاروں پر مشتمل تھی جس کا سربراہ وہی انسپکٹر تھا جس نے پہلے روز تیج

سنگھ وغیرہ کے خلاف رپورٹ درج کرنے سے انکار کردیا تھا اور الٹا اسی کو دھمکا کر زبان بند رکھنے کا مشورہ دیا تھا لیکن آج اس کا رویہ بدلا ہوا تھا اور وہ روپ متی کے سامنے بڑی تابعداری کا مظاہرہ کررہا تھا۔

میں ان لوگوں کے سامنے نہیں آیا تھا۔ وہ لوگ ڈرائنگ روم میں بیٹھے تھے اور میں ساتھ والے کمرے میں کھلنے والی کھڑکی کے قریب بیٹھا ان کی باتیں سن رہا تھا۔ کھڑکی کے سامنے جھالر والا ساٹن کا دبیز اور خوب صورت پردہ پڑا ہوا تھا۔ اس گھر میں رہنے والوں کو تو معلوم تھا کہ یہاں ایک کھڑکی بھی ہے لیکن کسی اجنبی کے ذہن میں یہ بات نہیں آسکتی تھی۔

"کنور بلونت سنگھ نے رپورٹ کی ہے کہ آپ اس کے کزن بشن سنگھ اور اس کے دوستوں تیج سنگھ اور دھرمیش کے قتل میں ملوث ہیں۔" انسپکٹر کہہ رہا تھا "جب تک کوئی ثبوت نہ مل جائے ہم آپ کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کرسکتے لیکن آپ سے اس سلسلے میں پوچھ تاچھ کرنا ہمارا قانونی حق ہے۔"

"اسے شاید قانون کی زبان میں شامل تفتیش کرنا کہتے ہیں۔" روپ متی نے کہا۔

"یہی سمجھ لیجئے۔" انسپکٹر نے جواب دیا "اب تک ہمیں جو معلومات حاصل ہوئی ہیں' اس کے مطابق وہ دونوں بھائی میرا مطلب ہے تیج سنگھ اور دھرمیش کسی معاملے پر بات کرنے کے لیے آپ کے پاس آئے تھے اور....."

"تم پھر پٹڑی سے اتر رہے ہو آفیسر۔" روپ متی نے اس کی بات کاٹ دی "وہ مجھ سے کسی معاملے پر بات کرنے نہیں آئے تھے بلکہ اصل واقعہ یہ ہے کہ وہ دونوں بھائی دو اور غنڈوں کے ساتھ مجھے اغوا کرنے آئے تھے۔ اس رات میرے دونوں ملازم چھٹی پر تھے۔ میری ملازمہ مندری بھی میری دوست کے ساتھ مندر گئی ہوئی تھی۔ میرا دوست ہمت سنگھ اپنے کمرے میں سو رہا تھا۔ میں اوپر اپنے کمرے میں سو رہی تھی کہ شیشہ ٹوٹنے کی آواز سے میری آنکھ کھل گئی۔

"میرے دماغ پر نیند کا خمار طاری تھا۔ میں ابھی صورت حال کو سمجھنے کی کوشش کررہی تھی کہ تیج سنگھ اپنے بھائی دھرمیش اور دو اور بدمعاشوں کے ساتھ میرے کمرے کا دروازہ کھول کر اندر گھس آئے اور مجھے گرفت میں لینے کی کوشش کرنے لگے۔

"میری چیخوں کی آواز سن کر ہمت سنگھ بھی اوپر آگیا اور مجھے ان سے بچانے کی کوشش کرنے لگا۔ ہمت سنگھ اکیلا تھا اور وہ چار تھے۔ انہوں نے ہمت سنگھ کو مار مار کر ادھ موا کردیا اور بے ہوش کرکے پھینک دیا۔ انہوں نے کمرے میں موجود بھی کی اور مجھے گھسیٹتے ہوئے حویلی سے باہر لے گئے۔ گیٹ کے سامنے ایک گاڑی کھڑی تھی۔ مجھے اس گاڑی میں ڈالتے ہوئے کسی ٹھوس چیز سے سر پر ضرب لگا کر بے ہوش کردیا گیا تھا تاکہ میں راستے میں شور نہ مچا سکوں اور....."

"آپ نے پولیس کو اس واقعے کی اطلاع کیوں نہیں دی۔" انسپکٹر نے اس کی بات کاٹ دی۔

"میری بات ابھی پوری نہیں ہوئی۔" روپ متی نے کہا "ایک مرتبہ پہلے بھی وہ دونوں نمک حرام میری حویلی میں گھس توڑ پھوڑ کرچکے تھے اور میں فریاد لے کر تمہارے پاس آئی تھی۔ اس وقت تم نے کیا کرلیا تھا جو اب کچھ کرلیتے۔" کے لہجے میں طنز تھا۔ وہ بات جاری رکھتے ہوئے کہہ رہی تھی "اور پھر رپورٹ کون کرتا۔ وہ لوگ مجھے اغوا کرکے لے گئے تھے اور ہمت سنگھ بے ہوش پڑا تھا۔ میری ملازمہ مندری رات کے آخری پہر مندر سے واپس آئی تو وہ صورت حال دیکھ کر بدحواس ہوگئی۔ اس نے پہلے تو خود ہی ہمت سنگھ کو ہوش میں لانے کی کوشش کی پھر فون کرکے میری دوست رادھا کو بلالیا اور ڈاکٹر رادھا نے دن چڑھے میرے ایک دوست ٹھاکر بھانوت سنگھ کو اطلاع دے دی۔"

"ان لوگوں نے پولیس کو اطلاع کیوں نہیں دی۔" کے خاموش ہونے پر انسپکٹر نے کہا۔

"وہ بھی جانتے ہیں کہ پولیس گھوس (رشوت) کھاتی ہے۔ انہوں نے پہلے بھی کچھ نہیں کیا تھا اور اب بھی نہیں کریں گے۔" روپ متی نے جلے کڑھے لہجے میں جواب دیا "انہیں پولیس کی بے تکی باتوں اور الٹے سیدھے سوالات میں وقت ضائع کرنے سے زیادہ میری فکر تھی۔ وہ اپنے طور مجھے تلاش کرتے رہے اور بالآخر انہیں پتا چل گیا کہ تیج اور اس کے ساتھی مجھے کہاں لے کر گئے تھے۔ انہوں رات کو پہاڑیوں میں واقع اس کھنڈر نما عمارت پر پہنچ مجھے رہا کروالیا۔"

"اور اس مسلح حملے میں بشن سنگھ آپ کے دو دوستوں سے کسی ایک کے ہاتھوں مارا گیا۔" انسپکٹر نے اس خاموش ہونے پر کہا۔

"یہ غلط ہے۔" روپ متی بولی "لالہ رنجیت نامی غنڈہ نے میرے دوست ہمت سنگھ پر خنجر سے حملہ کیا تھا جو وقت بشن سنگھ سے گتھم گتھا ہورہا تھا۔ ہمت سنگھ نے آپ کو اس وار سے بچالیا اور بشن سنگھ زد میں آگیا اور

کے سینے میں پیوست ہوگیا۔"

"اور ڈاکٹر سین کا بیان ہے کہ تیج سنگھ نے اسے بھائی علاج کے لیے وہاں بلوایا تھا۔" انسپکٹر نے کہا "ڈاکٹر کے مطابق دھرمیش کو سینے میں گولی لگی تھی۔ اس نے سے گولی تو نکال دی لیکن دھرمیش جاں بر نہیں ہوسکا۔ گولی کس نے ماری تھی؟"

"میں کیا کہہ سکتی ہوں۔" روپ متی نے جواب دیا "وہ جب مجھے یہاں سے اغوا کرکے لے گئے تھے تو میں بے ہوش تھی اور اس وقت دھرمیش بھی زندہ تھا۔ مجھے اس کھنڈر نما عمارت میں باندھ کر ڈال دیا تھا۔ ہوسکتا ہے ان میں سے کسی بات پر جھگڑا ہوگیا ہو اور اسے گولی مار دی گئی ہو بہرحال۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگی "ٹھاکر بھانوت سنگھ اور ہمت سنگھ نے اسی کھنڈر نما عمارت سے آزاد کرایا اور ڈاکٹر سین اور رنجیت کو شہرا کر پولیس کے حوالے کردیا۔"

"میں نے ان دونوں کے بیانات بھی لیے ہیں۔" انسپکٹر کے خاموش ہونے پر کہا "لالہ رنجیت کا بیان ہے کہ بشن کو گولی یہاں حویلی میں لگی تھی اور وہ گولی....."

"ایک منٹ!" روپ متی نے اسے جلدی سے ٹوک دیا "تم نے کہا تھا کہ وہ دونوں بھائی یعنی تیج سنگھ اور دھرمیش کسی معاملے پر مجھ سے بات کرنے آئے تھے لیکن اب لالہ رنجیت کہاں سے ٹپک پڑا۔"

"میرا مطلب ہے ہوسکتا ہے لالہ رنجیت بھی ان کے ساتھ آیا ہو اور باہر کھڑا رہا ہو اور....." انسپکٹر گڑبڑا گیا تھا۔

"ایسی صورت میں وہ کیسے کہہ سکتا ہے کہ ہم لوگ حویلی کے احاطے میں تھے اور دھرمیش کو گولی کس نے ماری تھی۔" روپ متی نے ایک بار پھر اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا "تم نے اپنا ہوم ورک ٹھیک سے نہیں کیا انسپکٹر۔ تم کچھ بڑا رہے ہو یا میں یہ سمجھوں کہ تم کسی کے دباؤ میں آکر اس کیس میں پھنسانے کی کوشش کررہے ہو۔ ایسی بات ہے ٹھیک ہے لیکن اب میں تمہارے دباؤ میں نہیں آؤں گی۔ میں جانتی ہوں تم مجھے پھنسانے کے لیے اور بھی بہت سے ہتھکنڈے استعمال کرسکتے ہو مگر۔ اس مرتبہ نہ تو تم مجھے ڈرا سکو گے اور نہ ہی تمہارا کوئی اور ہتھکنڈا کامیاب ہوگا۔"

پہلی مرتبہ روپ متی کی ذہانت کی داد دیے بغیر نہیں رہ سکا تھا جب تیج سنگھ وغیرہ نے حویلی میں توڑ پھوڑ کی اور وہ رپورٹ لکھوانے پولیس اسٹیشن گئی تھی تو اسی انسپکٹر نے اسے دھمکا کر بھگا دیا تھا۔ اس وقت روپ متی سہم گئی تھی۔ کوئی اس کی مدد کرنے کو تیار نہیں تھا لیکن اب اس نے بڑی ذہانت سے کہانی کو ایک نیا رخ دے دیا تھا۔ وہ نہ تو گھبرائی تھی اور نہ ہی بات کرتے ہوئے اس کے لہجے میں لغزش تھی۔ اس کی وجہ شاید یہ تھی کہ ٹھاکر بھانوت سنگھ جیسا آدمی اس کے ساتھ تھا۔ روپ متی جانتی تھی کہ اس وقت میں بھی پردے کے پیچھے چھپا بیٹھا ہوں۔ اسی لیے وہ ذرا اونچی آواز میں بات کررہی تھی تاکہ میں بھی سن سکوں۔

"ہم پر اس کیس کی تحقیقات کے لیے اوپر سے دباؤ ہے اور....."

"تمہیں تحقیقات سے کس نے روکا ہے۔" روپ متی نے اس کی بات کاٹ دی "اگر تمہیں مجھ پر کوئی شبہ ہے تو میں تمہیں اپنے خلاف کسی کارروائی سے بھی نہیں روکوں گی لیکن اگر تم نے مجھے فریم کرنے کی کوشش کی تو میں تمہیں معاف نہیں کروں گی۔"

"راج کمار بلونت سنگھ کی رسائی بہت اوپر تک ہے اور وہ....."

"اوہو۔" روپ متی اسے مزید کچھ کہنے کا موقع دیے بغیر بول پڑی "تو اصل بات یہ ہے کہ تم قانون کے نہیں غنڈوں' بدمعاشوں اور قاتلوں کے دباؤ میں ہو۔ ٹھیک ہے انسپکٹر۔" اس نے گہرا سانس لیا "تم میرے خلاف جو کارروائی کرنا چاہتے ہو مجھے کوئی اعتراض نہیں لیکن ایک بات ذہن میں رکھنا۔ تم بھی اس طرح لپیٹ میں آؤ گے کہ دنیا کی کوئی طاقت تمہیں بچا نہیں سکے گی۔ اب تم جاسکتے ہو۔"

"میں آپ کے دوست ہمت سنگھ سے ملنا چاہوں گا۔" انسپکٹر نے کہا۔

"وہ یہاں نہیں ہے۔ میں اسے تمہارا پیغام پہنچا دوں گی۔ دیوان سنگھ۔" اس نے شاید باہر کی طرف رخ کرکے دیوان کو پکارا تھا "انسپکٹر کو باہر کا راستہ دکھادو۔"

پولیس کے جانے کے بعد روپ متی ہال نما کمرے میں آگئی۔ میں بھی اس کمرے سے نکل کر وہاں پہنچ گیا۔

"تم نے ساری باتیں سن لیں۔" وہ میری طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

"ہاں۔" میں نے جواب دیا "تم نے تو کہانی بالکل ہی بدل دی۔ مجھے لگتا ہے اس میں مزید الجھنیں پیدا ہوں گی اور میرے خیال میں تمہیں ٹھاکر بھانوت سنگھ کو اس نئی صورت حال سے آگاہ کردینا چاہیے۔"

"یہ سب کچھ اسی کی خواہش کے مطابق ہوا ہے۔"

روپ متی بولی۔

"کیا مطلب؟" میں الجھی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"آج صبح ٹیلی فون پر طویل گفتگو ہوئی تھی۔" روپ متی نے کہا "میں نے کہا تھا کہ میں اپنے سر قتل کا الزام کیوں لوں۔ قانون کی مدد کسی اور طریقے سے بھی کی جاسکتی ہے۔ سچ سنگھ اور دھرمیش اگر زندہ پولیس کے حوالے کردیے جاتے تو وہ صاف بچ نکلتے۔ یہ تو یہاں کا دستور ہے۔ بے گناہوں کو تو پھانسی کے پھندے پر لٹکا دیا جاتا ہے اور گناہگار اور مجرم دندناتے پھرتے ہیں جبکہ میں یہ مانتی ہوں کہ اپرادھی (مجرم) کو اس کے اپرادھ (جرم) کی سزا ضرور ملنی چاہیے۔ ان دو بھائیوں میں سے ایک کو میرے ہاتھوں سزا ملی اور دوسرے کو قدرت نے سزا دی۔ اپرادھیوں کو ان کے اپرادھ کی سزا مل گئی۔ میں اپنی گردن کیوں پھنساؤں۔ قانون کی مدد کرنے کے اور بھی بہت سے طریقے ہیں اور میں نے ٹھاکر کو یہ بات سمجھا دی تھی۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگی "ٹھاکر بھانوت سنگھ ایک قانون پسند شہری ہے لیکن اتنی بات وہ بھی جانتا ہے کہ قانون کے رکھوالے کرپٹ ہوں تو پھر خود بھی تھوڑا سا راستے سے ہٹنا پڑتا ہے۔ اس نے میری بات سے اتفاق کیا تھا۔ یہ درست ہے کہ کسی کو اس کے جرم کی سزا قانون ہی دے سکتا ہے۔ کسی اور کو فیصلہ سنانے کا کوئی حق نہیں ہے لیکن یہاں صورت حال اس طرح مختلف ہے کہ قانون کے محافظوں کو قانون پسند شہریوں سے نہیں قاتلوں اور لٹیروں سے ہمدردی ہے۔ ان سے کسی انصاف کی توقع نہیں کی جاسکتی۔ اس لیے ٹھاکر نے بھی فیصلہ کیا تھا کہ کہانی کو اس طرح بدل دیا جائے۔ یہ کہانی اسی نے تیار کی تھی۔"

"لیکن کیا یہ قانون کو غلط راستے پر ڈالنے کی کوشش نہیں ہوگی۔" میں نے کہا۔

"تمہارا اپنے بارے میں کیا خیال ہے؟" روپ متی نے میرے چہرے پر نظریں جمادیں۔ اس کے لہجے میں تلخی آگئی تھی "تمہارے ماں باپ کو تمہاری آنکھوں کے سامنے قتل کردیا گیا۔ کیا تمہیں قانون سے انصاف ملا۔ وہ ہتھیارے دنیا بھر میں قتل و غارت مچاتے پھر رہے ہیں۔ قانون نے ان کا کیا بگاڑ لیا۔ کہتے ہیں کہ قانون کے ہاتھ بہت لمبے ہیں تو پھر یہ لمبے ہاتھ آج تک ان اپرادھیوں تک کیوں نہیں پہنچ سکے۔ بے گناہ تو مارے جارہے ہیں اور وہ بے رحم قاتل کیوں دندناتے پھر رہے ہیں۔ نہیں مانی ڈیئر۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بولی "ہم قانون کو غلط راستے پر ڈالنے کی کوشش نہیں کررہے بلکہ ان اپرادھیوں کو سزا دی ہے جو قانون کی گرفت میں آنے کے باوجود سزا سے بچ سکتے تھے۔ تم نے بھی انسپکٹر کی باتیں سنی تھیں۔ اس نے بلونت سنگھ کا حوالہ کیوں دیا تھا۔ اس کا یہ مطلب نہیں تھا کہ وہ ان لوگوں کو قانون سے زیادہ اہم سمجھتا ہے جو اس کی جیبیں نوٹوں سے بھر سکتے ہیں۔"

شاید روپ متی ٹھیک ہی کہتی تھی۔ اگر یہ بات سامنے آجائے کہ دھرمیش روپ متی کے ہاتھ سے چلائی جانے والی گولی سے ہلاک ہوا تھا تو اس کے گرد جو جال بُن دیا جائے گا لیکن یہ مرشی اور بے ضمیر پولیس والے اس بات کو کبھی تسلیم نہیں کریں گے کہ وہ دونوں بھائی... غنڈوں کو ساتھ لے کر زبردستی حویلی میں گھسے تھے اور مجھے اور روپ متی کو قتل کرنا چاہتے تھے۔

ٹھاکر بھانوت سنگھ نے ٹھیک ہی کیا تھا۔ اس نے ایسا راستہ اختیار کیا تھا کہ قانون سے تصادم بھی نہ ہو اور ہمارا بھی طرف سے اسے تعاون بھی حاصل رہے اور پھر انسپکٹر کی باتوں سے میں یہ بھی اندازہ لگا چکا تھا کہ پچھلی مرتبہ اپنے جھاڑ پڑنے کے باوجود وہ روپ متی کو کسی نہ کسی چکر میں پھنسانا چاہتا تھا۔ وہ واقعی بے ضمیر شخص تھا۔ اسے نہ قانون کی پروا تھی نہ کسی کی عزت کا خیال۔ وہ تو بلونت سنگھ جیسے بدقماش اور بدکردار لوگوں کا آلہ کار بنا ہوا تھا۔ اس جیسے بے ضمیر اور مرشی انسپکٹر ہی جرائم پیشہ لوگوں کو پھلنے پھولنے کا موقع دیتے ہیں۔ اس جیسے پولیس افسروں کو تو الٹا لٹکا کر چوراہے پر جوتے لگانے چاہئیں۔

اس وقت صبح کے دس بجے تھے۔ جانکی، مندری کے ساتھ بازار گئی ہوئی تھی۔ تقریباً آدھے گھنٹے بعد مندری واپس آگئی مگر جانکی اس کے ساتھ نہیں تھی۔

"وہ کہاں ہے؟" میں نے سوالیہ نگاہوں سے مندری کی طرف دیکھا۔

"جانکی دیوی تو مندر چلی گئی۔" مندری نے جواب دیا "اس نے کہا تھا کہ میں سودا لے کر واپس چلی جاؤں۔ وہ ایک ڈیڑھ گھنٹے تک آجائے گی۔"

میرے دل کی دھڑکن تیز ہوگئی۔ مجھے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ وہ گنیش دیوتا کے مندر ہی گئی ہوگی جہاں کل رات پنڈت مرلی دھر سے ٹاکرا ہوا تھا اور بعد میں موتی رام سے ملاقات ہوئی تھی۔ مجھے اب جانکی پر باقاعدہ غصہ آرہا تھا۔ اس نے جان بوجھ کر ایسی حرکتیں شروع کردی تھیں جس سے ہم کسی بڑی مصیبت میں مبتلا ہوسکتے تھے۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ میری پریشانی بھی بڑھتی جارہی تھی۔ دو بج گئے۔ مندری نے کھانا تیار کرکے میز پر لگا دیا۔ روپ متی مجھے صوفے سے اٹھا کر کھانے کی میز پر لے آئی۔

"پریشان کیوں ہورہے ہو۔" وہ میری طرف دیکھتے ہوئے بولی "جانکی کوئی بچی تو نہیں ہے جو راستہ بھول جائے گی۔ تم کھانا کھاؤ۔ آجائے گی وہ۔"

"بات راستہ بھولنے کی نہیں۔" میں نے کہا "تم نہیں جانتیں وہ جہاں گئی ہے ہمارے لیے کتنی خطرناک جگہ ہے۔"

"گنیش دیوتا کے مندر میں جانکی کے لیے کیا خطرہ ہوسکتا ہے۔" روپ متی نے الجھی ہوئی نظروں سے میری طرف دیکھا۔

"جس رات مندری اور جانکی کالی کے مندر گئی تھیں اور یہاں ہم پر حملہ ہوا تھا۔" میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "مندری نے آکر بتایا تھا کہ جانکی نے پنڈت مرلی دھر کو دیکھ لیا ہے۔ وہ اس کی نگرانی کررہی ہے اور اس نے مجھے بلایا ہے۔"

"مجھے نہیں معلوم۔ مجھے تو وہ لوگ اٹھا کر لے گئے تھے۔" روپ متی نے کہا۔

"اوہ!" میں نے گہرا سانس لیتے ہوئے جواب دیا "میرا خیال اس قدر الجھا ہوا ہے کہ ڈھنگ سے کوئی بات سوچ بھی نہیں سکتا۔" میں اپنی پیشانی مسلنے لگا اور پھر روپ متی کو مرلی دھر کے بارے میں بتانے لگا۔ آخر میں، میں کہہ رہا تھا "جانکی کالی مندر میں گئی ہے اگر مرلی دھر کو اس پر کوئی شبہ ہوگیا تو وہ کسی مصیبت میں پھنس سکتی ہے۔"

"اوہ!" اس مرتبہ روپ متی کی آنکھوں میں بھی تشویش کی لہر ابھر آئی۔ "بات ہے تو تشویش کی لیکن ہمیں اچھی امید رکھنی چاہیے۔ دن کے وقت اس مندر میں سیکڑوں لوگ موجود ہوتے ہیں۔ اتنے لوگوں کی موجودگی میں کسی گڑبڑ کا امکان نہیں ہوسکتا۔ ویسے ممکن ہے وہ مندر سے نکل کر کھانے وغیرہ کے لیے بازار کی طرف نکل گئی ہو۔ تم کھانا کھاؤ۔ پریشان مت ہو۔ آجائے گی۔"

اس مرتبہ میں نے کوئی جواب نہیں دیا اور بے دلی سے کھانا کھانے لگا۔ نجانے کیوں میری چھٹی حس کسی گڑبڑ کا اشارہ دے رہی تھی۔ روپ متی کے چہرے پر بھی پریشانی کے سائے لہرانے لگے تھے۔

چار بج گئے۔ نہ تو جانکی واپس آئی تھی اور نہ ہی اس نے ٹیلی فون پر اپنے بارے میں کوئی اطلاع دی تھی۔ اب مجھے کسی گڑبڑ کا یقین ہوگیا تھا۔ جانکی اتنی غیر ذمے دار تو نہیں تھی کہ بازاروں میں سیر سپاٹے کرتی رہتی اور یہاں کوئی اطلاع نہ دیتی۔

"میں دیوان سنگھ کو مندر بھیجتی ہوں۔ وہ معلوم..."

"نہیں۔ مجھے خود ہی جانا پڑے گا۔" میں نے کہا "ہوسکتا ہے وہاں موتی داس یا کسی اور ایسے پجاری سے سامنا ہوجائے جس سے جانکی کے بارے میں کچھ معلوم ہوسکے۔"

"تو ٹھیک ہے۔ میں بھی تمہارے ساتھ چلتی ہوں۔" روپ متی بھی کہتے ہوئی اٹھ کر کھڑی ہوئی۔

"نہیں۔ تم میرے ساتھ نہیں جاؤ گی۔" میں نے کہا "ہم میں سے ایک کا یہاں رہنا ضروری ہے۔ تم یہیں رہو تاکہ میں ٹیلی فون پر رابطہ کرکے تم سے کچھ معلوم تو کرسکوں۔"

"ٹھیک ہے۔" بات روپ متی کی سمجھ میں آگئی "جاؤ مگر اپنا خیال رکھنا۔ اگر کوئی گڑبڑ محسوس کرو تو فوراً خبر کردینا۔"

میں نے اپنے کمرے میں جاکر پستول پتلون کی جیب میں رکھا اور باہر آگیا۔ روپ متی پورچ تک میرے ساتھ آئی

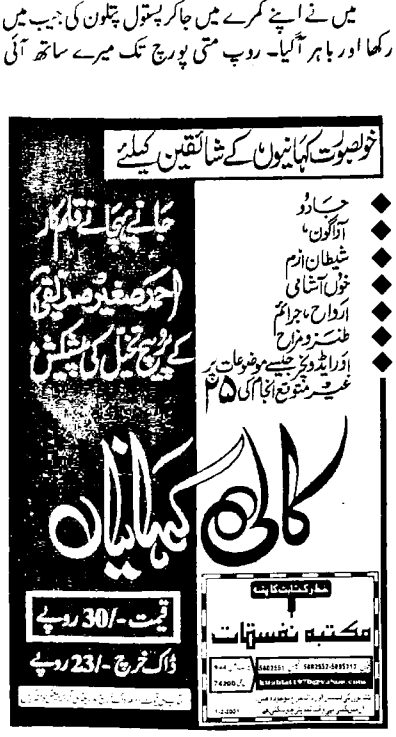

تھی جہاں پجارو اور نیلی شیراڈ کھڑی تھی۔ دونوں گاڑیوں میں چابیاں لگی ہوئی تھیں۔ میں اب ڈرائیونگ میں خاصی مہارت حاصل کرچکا تھا اور ہے پور کی سڑکیں بھی اب میرے لیے اجنبی نہیں رہی تھیں۔

میں کار شہر کی مختلف سڑکوں پر دوڑتا ہوا سنگانیر گیٹ اور جوہری بازار سے نکل کر تپولیا بازار کی طرف آگیا۔ میں نے کار ایک کشادہ گلی میں موڑ کر روک لی۔ انجن بند کرکے نیچے اترا۔ دروازے لاک کیے اور ایک اور گلی میں سے گزرتا ہوا گنیش مندر کی طرف آگیا۔

اس وقت چھ بجنے والے تھے۔ بازاروں میں بھی خوب رونق تھی اور مندر میں بھی سیکڑوں لوگوں کی آمدورفت تھی۔ روپ متی کی اس بات پر بھی شبے کی کوئی گنجائش نہیں تھی کہ سیکڑوں لوگوں کی موجودگی میں کوئی گڑبڑ نہیں ہوسکتی تھی لیکن مندروں کے بارے میں، میں بہت کچھ جان چکا تھا۔ یہاں تو ہزاروں لوگوں کی موجودگی میں کسی انسان کو اس طرح غائب کردیا جاتا تھا کہ اس کا سراغ بھی نہیں ملتا تھا اور کل رات میں نے مندر کے پچھلی طرف جو پُرپیچ راہداریاں دیکھی تھیں، ان کے بارے میں، میں کہہ سکتا تھا کہ اکیلا ان میں داخل ہونے کے بعد واپس نہیں آسکتا تھا۔

مندر میں واقعی کھوے سے کھوا چھل رہا تھا۔ کوئی پوجا کے لیے آیا ہوا تھا کوئی منت پوری ہونے پر بھینٹ چڑھانے اور کوئی منت ماننے۔ تمام پجاری اور پنڈت اس وقت بہت مصروف تھے۔ انہیں حقیقتاً سر کھجانے کی بھی فرصت نہیں تھی۔

میں مندر میں گھوم پھر کر موتن داس کو تلاش کرتا رہا لیکن وہ کہیں بھی دکھائی نہیں دیا۔ بالآخر میں نے ایک پنڈت کو روک لیا جو ایک تھالی اٹھائے تیزی سے ایک طرف جارہا تھا۔ اس تھالی میں ناریل، مٹھائی، پھولوں کے علاوہ گنیش دیوتا کی ایک مورتی بھی رکھی ہوئی تھی جس کی اونچائی آٹھ انچ کے لگ بھگ رہی ہوگی۔ وہ مورتی سونے کی تھی۔ آنکھوں کی جگہ دو ہیرے جڑے ہوئے تھے جو بلبوں کی روشنی میں چمک رہے تھے۔ اس پنڈت کے پیچھے پیچھے ایک ادھیڑ عمر جوڑا بھی چلا آرہا تھا۔ عورت کی عمر چالیس اور مرد کی عمر پچاس کے لگ بھگ رہی ہوگی۔ ان کے قیمتی لباس ان کی مالی پوزیشن کی عکاسی کررہے تھے۔

میں نے پنڈت سے موتن داس کے بارے میں دریافت کیا تو وہ بھویں سکیڑتے ہوئے بولا۔

"اسے میں نے آج صبح دیکھا تھا۔ اس کے بعد نظر نہیں آیا۔"

میں نے اس کے ساتھ کھڑے ہوئے جوڑے کی طرف دیکھا۔

"بھگوان نے پہلا پتر دیا ہے۔ بھینٹ چڑھانے آئے ہیں۔" عورت نے میری طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا پھر تھالی کی طرف اشارہ کیا "کھالص سونے کی مورتی ہے بھگوان کھس ہوجاویں گے۔"

"پہلا بیٹا۔ اس عمر میں۔" میں نے حیرت سے عورت کی طرف دیکھا۔

"بیٹا مجھے نہیں میری بہو کو ہوا ہے۔" عورت نے ہنس کر جواب دیا اور اپنے بندے کے ساتھ پنڈت کے پیچھے چل پڑی۔

میں کچھ دیر مزید اس مندر میں گھومتا رہا پھر باہر آگیا اور ایک طویل چکر کاٹتا ہوا مندر کی پچھلی طرف والی گلیوں میں آگیا۔ وہ گلی تلاش کرنے میں مجھے خاصی دشواری پیش آئی تھی۔

میں اِدھر اُدھر دیکھتا ہوا کھنڈر نما عمارت میں داخل ہوگیا۔ اس وقت شام کا اندھیرا پھیل چکا تھا اور اس کمرے کے کھلے ہوئے دروازے سے لالٹین کی زرد روشنی جھلکتی ہوئی نظر آرہی تھی۔ میں دبے پاؤں آگے بڑھتا رہا اور پھر ایک دم دروازے کے سامنے آگیا۔ میں نے اپنا سیدھا ہاتھ پتلون کی جیب میں پستول کے دستے پر رکھ لیا تھا۔ تاکہ کوئی گڑبڑ ہو تو پستول فوراً ہی جیب سے نکالا جاسکے۔

کمرے میں روشنی دیکھ کر مجھے شبہ ہوا تھا کہ شاید موتن داس کمرے میں موجود ہوگا لیکن وہ کوئی اور تھا جو جھلنگا چارپائی پر لیٹا بیڑی کے کش لگا رہا تھا۔ کمرے میں بیڑی کے پتے کی بو بھری ہوئی تھی۔

"کک... کون ہو بھایا۔ کون ہو تم!" وہ ایک دم اٹھ کر بیٹھ گیا۔

وہ بھی کوئی پجاری ہی تھا۔ اس کے جسم پر بھی پیلا رنگ کا لمبا کرتہ تھا۔ پیشانی پر قشقہ لالٹین کی روشنی میں چمک رہا تھا۔

"ڈرو نہیں۔ میں تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گا۔" میں نے کہتے ہوئے ہاتھ جیب سے نکال لیا۔

"تو پھر کون ہو تم۔ یہاں کیا لینے آئے ہو۔" اس نے مجھے گھورا۔

"میں دراصل سوامی موتن داس سے ملنے آیا ہوں۔" اس نے آج اس وقت مجھے یہاں بلایا تھا۔"

اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ کل یہاں زمین پر بھی ایک بستر بچھا ہوا تھا جو اس وقت غائب تھا۔

"موتن داس۔" پجاری بڑبڑایا "وہ تو آج صبح ماؤنٹ آبو چلا گیا ہے بھایا۔ میرے لائق کوئی سیوا ہو تو بتاؤ۔ اپنے استھان پر پوجا کرانی ہو، ہون کرانا ہو یا کوئی اور سیوا ہو تو....."

"نہیں سوامی جی۔" میں نے نفی میں سر ہلا دیا "ایک اناتھ آشرم کے لیے ایک پنڈت کی ضرورت تھی۔ کوئی پجاری تو ملنے کی نہیں۔ سوامی موتن داس کو بڑی مشکل سے تیار کیا تھا پر وہ بھی بھاگ گیا۔ خیر کوئی بات نہیں۔ ماؤنٹ آبو کہاں ہے اور وہ کون سے مندر میں گیا ہے؟"

"ماؤنٹ آبو تو یہاں سے پانچ سو کلومیٹر دور ہے بھایا۔" اس نے جواب دیا "سیلانیوں کا کوئی ٹھکانا نہیں ہوتا۔ وہاں بہت سے جین مندر ہیں۔ وہ کہیں بھی جاسکتا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ دھنے واد۔" میں اس کا شکریہ ادا کرکے واپس آگیا۔

اندھیرا گہرا ہوگیا تھا۔ ان تنگ و تاریک گلیوں سے نکل کر اپنی کار تک پہنچنے میں مجھے آدھا گھنٹا لگ گیا تھا۔ میرے دماغ میں آندھیاں سی چل رہی تھیں۔ موتن داس واقعی بزدل نکلا تھا۔ شاید وہ کسی سنگین معاملے میں نہیں الجھنا چاہتا تھا اسی لیے بھاگ گیا یا ممکن ہے صبح مندر میں اس نے مرلی دھر کو ہمارے بارے میں بتا دیا ہو اور کسی خطرناک صورت حال سے بچنے کے لیے چپکے سے فرار ہوگیا تھا۔

مجھے جانکی کی حماقت پر تاؤ آرہا تھا۔ وہ مندر میں آئی تھی۔ اس پر مرلی دھر کو شبہ تو کل ہی ہوگیا تھا۔ ہوسکتا ہے آج اسے دیکھ کر اس کا شبہ یقین میں بدل گیا ہو اور وہ کسی طرح جانکی کو وہاں سے نکال لے گیا اور مجھے یقین تھا کہ وہ اسے رام گڑھ تھیل والے مندر ہی میں لے گیا ہوگا۔

جب میں حویلی واپس پہنچا تو آٹھ بجنے والے تھے۔ روپ متی لان میں ایک کرسی پر قیمتی ہوئی تھی۔ وہ اٹھ کر تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی پورچ کی طرف آگئی جہاں میں کار روکنے کے بعد پہنچ آرہا تھا۔ روپ متی کو اکیلے دیکھ کر میں سمجھ گیا کہ جانکی لوٹ کر نہیں پہنچی تھی۔

"کیا ہوا۔ جانکی کا کچھ پتا چلا؟" اس نے قریب آتے ہی پوچھا۔

"نہیں۔" میں نے نفی میں سر ہلا دیا "اور موتن داس کا وہ پجاری بھی بھاگ گیا ہے جس نے کل رات تھیل سے مندر اور مرلی دھر کے بارے میں معلومات فراہم کی تھیں۔"

"اوہ... یہ تو بہت برا ہوا۔ جانکی کہاں جاسکتی ہے۔" وہ بولی۔

"رام گڑھ تھیل والے مندر۔" میں اس کے ساتھ چلتا ہوا لان میں آگیا "موتن داس ڈرپوک آدمی ہے۔ کل رات اس نے پستول دیکھ کر مرلی دھر کے بارے میں کچھ بتا تو دیا تھا مگر وہ کسی سنگین معاملے میں نہیں الجھنا چاہتا تھا۔ اس لیے آج صبح ہی ماؤنٹ آبو کی طرف بھاگ گیا۔ فرار ہونے سے پہلے وہ تھوڑی دیر کے لیے مندر بھی گیا تھا۔ ہوسکتا ہے اس نے مرلی دھر کو ہمارے بارے میں بتا دیا ہو۔" میں چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بولا "کل رات مرلی دھر نے جانکی کو دیکھا تھا تو وہ شش و پنج میں مبتلا ہوگیا تھا۔ اس نے جانکی کو سنگاپور میں دیکھا تھا۔ وہاں وہ کسی اور حلیے میں تھی جبکہ کل رات وہ ساڑی پہنے ہوئے تھی اور بہت بدلی ہوئی تھی۔ جانکی نے بھی اسے اپنے بارے میں ایک نئی کہانی سنا دی تھی۔ بہرحال، وہ جانکی کو دیکھ کر شبے میں مبتلا ہوگیا تھا اور آج جب جانکی کو اس نے دوبارہ مندر میں دیکھا تو اسے یقین ہوگیا ہوگا کہ یہ جانکی ہی ہے اور ہوسکتا ہے موتن داس نے بھی صبح اسے ہمارے بارے میں بتا دیا ہو۔ اس طرح جانکی اس کے پیچھے چڑھ گئی اور مجھے یقین ہے کہ وہ لوگ اسے رام گڑھ تھیل والے مندر ہی میں لے کر گئے ہوں گے۔"

"رام گڑھ تھیل یہاں سے کتنی بائیس کلو میٹر کے فاصلے پر ہے۔" روپ متی نے کہا "اور وہ مندر اس تھیل سے بھی تقریباً دو کلو میٹر آگے پہاڑیوں میں ہے۔ میں ٹھاکر کو فون کرکے بلاتی ہوں۔"

"ٹھاکر کو بلانے کی ضرورت نہیں۔" میں نے ہاتھ اٹھاتے ہوئے کہا "تم مجھے رام گڑھ کا راستہ بتا دو۔ میں اکیلا جاؤں گا۔"

"میں تمہیں اکیلے تو نہیں جانے دوں گی۔" روپ متی جلدی سے بولی "میں تمہارے ساتھ چلوں گی۔ مجھے تیار ہونے میں صرف دو منٹ لگیں گے۔"

وہ تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی لان سے نکل کر برآمدے کی طرف چلی گئی۔ میں بھی اس کے پیچھے ہی ہال کمرے میں آگیا۔ روپ متی اس وقت اوپر اپنے کمرے میں جاچکی تھی۔ میں صوفے پر بیٹھ گیا اور اس کے تورا ہی بعد مندری نے میرے سامنے چائے کا کپ رکھ دیا۔ میرا خیال ہے اس نے مجھے باہر لان میں دیکھ کر چائے کا پانی چڑھا دیا تھا۔

میرا ذہن اس وقت بری طرح الجھا ہوا تھا اور میں واقعی بڑی شدت سے چائے کی طلب محسوس کررہا تھا۔ میں کپ

اٹھا کر ہلکی ہلکی چسکیاں لینے لگا۔

تقریباً دس منٹ بعد روپ متی سیڑھیوں سے اترتی ہوئی نظر آئی۔ جب میں یہاں آیا تھا تو وہ ساڑی پہنے ہوئے تھی اور اب اس نے ٹانگوں سے چپکی ہوئے اسٹون واش نیلی جینز اور اوپر سلیولیس ٹی شرٹ پہن لی تھی اس کا رنگ بھی ہلکا نیلا ہی تھا۔ پیروں میں جوگرز تھے۔ کمر پر جینز کی بیلٹ میں اس نے پستول اُڑس رکھا تھا جو ٹی شرٹ کے نیچے چھپ گیا تھا۔ میں اسے دیکھتے ہی اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔ روپ متی نے مندری کو اور برآمدے میں آکر دیوان سنگھ کو بھی کچھ ہدایات دیں اور شیراڈ کا دروازہ کھول کر اسٹیئرنگ کے سامنے بیٹھ گئی۔ میں اوپر سے گھوم کر پسنجر سیٹ پر بیٹھ گیا۔

کار آدرش نگر سے نکل کر گھاٹ دروازہ بازار سے ہوتی ہوئی رام گنج بازار پار کرکے دیانند مارگ کی طرف نکل آئی۔ ابھی رات کے نو بھی نہیں بجے تھے۔ بازاروں میں خوب گہما گہمی تھی اور ٹریفک بھی زیادہ تھا جس کی وجہ سے کار کی رفتار بھی کم ہی رہی تھی۔ چار دروازہ سے ذرا آگے نکل کر روپ متی نے کار ایک پیٹرول پمپ پر روک لی۔

روپ متی نے کار کی ٹینکی فل کروالی۔ میں نے پتلون کی جیب سے نوٹوں کا بنڈل نکال کر بل ادا کردیا اور روپ متی نے کار آگے بڑھا دی۔ ایک دو سڑکوں پر گھومنے کے بعد کار کا رخ شمال کی طرف مڑ گیا۔ یہ سڑک سیدھی رام گڑھ جھیل کی طرف چلی گئی تھی۔

شہر سے نکلتے ہی آبادی چھدری ہوگئی اور پھر ایک دم ویرانہ شروع ہوگیا۔ سڑک کے دونوں طرف ریگستان تھا۔ دور کہیں کہیں کوئی روشنی چمکتی ہوئی دکھائی دے جاتی۔

روپ متی نے رفتار بڑھا دی۔ اس سڑک پر ٹریفک بالکل نہیں تھا۔ دس کلو میٹر کے سفر کے دوران میں سامنے سے آتی ہوئی صرف ایک گاڑی دکھائی دی تھی جو نہایت تیز رفتاری سے ہمارے قریب سے گزر گئی تھی۔

اور پھر آگے چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں شروع ہوگئیں جو بتدریج بلند ہوتی چلی گئیں۔

تقریباً دس کلو میٹر تک ہم پہاڑیوں میں سفر کرتے رہے۔ بل کھاتی ہوئی سڑک بتدریج بلندی کی طرف چلی گئی تھی اور پھر ڈھلوان راستہ شروع ہوگیا۔ ایک موڑ گھومتے ہی روپ متی نے کار روک لی۔ سامنے نشیب میں بہت دور روشنیاں ٹمٹماتی ہوئی نظر آرہی تھیں۔ کچھ روشنیاں بکھری ہوئی اور دور دور تک پھیلی ہوئی تھیں۔

"وہ ماہی گیروں کی بستی ہے۔" روپ متی نے روشنیوں کے پھیلے ہوئے جھنڈ کی طرف اشارہ کیا "بلکہ یہ ایک چھوٹا سا شہر ہے جو جھیل کے اس کنارے پر پہاڑی کے دامن تک پھیلا ہوا ہے اور اس کے دوسری طرف جھیل ہے۔ وہ جو اطراف میں اِکا دُکا دور دور پھیلی ہوئی روشنیاں دیکھ رہے ہو نا وہ کاٹیج ہیں۔ پچھلے دنوں یہاں کچھ سیاسل دیکھتی کی وارداتیں ہوئی ہیں جس وجہ سے بہت کم لوگ رات کو یہاں ٹھہرتے ہیں۔ سیرو تفریح کے لیے آنے والے لوگ شام کا اندھیرا پھیلنے سے پہلے ہی شہر لوٹ جاتے ہیں۔ البتہ عیاشی کے لیے آنے والے ہر خوف سے بے نیاز ہو کر رات بھر کے لیے یہاں رک جاتے ہیں۔"

میں دور تک پھیلی ہوئی ماہی گیروں کی بستی اور اس کے دوسری طرف جھیل کو دیکھتا رہا۔ ابتدائی تاریخوں کا چاند تھا۔ چاندنی بہت مدھم تھی۔ دور تک چمکتے ہوئے پانی کو دیکھ کر اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ جھیل بہت بڑی تھی اور اس کے اطراف میں ناریل کے درختوں کی بھی بہتات تھی۔ جھیل کے چاروں طرف دور دور تک پہاڑیوں کے ہیولے نظر آرہے تھے۔

"یہ میٹھے پانی کی جھیل ہے۔" روپ متی کہہ رہی تھی "یہاں سے پکڑی جانے والی مچھلیاں۔۔۔"

"ہم مچھلیوں کے شکار کے لیے یہاں نہیں آئے روپ متی۔" میں نے اس کی بات کاٹ دی "وہ مندر کہاں ہے جہاں ہمیں جانا ہے۔"

"جھیل کے پرلی طرف پہاڑیوں میں۔" روپ متی نے سامنے اشارہ کیا "ایک راستہ تو اس طرف سے جاتا ہے بستی کے قریب سے ہو کر جھیل کے کنارے کے ساتھ ساتھ اور دوسرا راستہ اس طرف پہاڑیوں میں ہے۔ اس طرف ہم گاڑی زیادہ آگے نہیں لے جاسکیں گے۔ تقریباً دو کلو میٹر پیدل چلنا ہوگا۔"

"ہم اُس طرف سے جائیں گے۔" میں نے کہا "بستی کی طرف سے گاڑی دیکھ کر شبہ ہوسکتا ہے۔ تم پیدل چل سکو گی یا نہیں؟" میں نے گردن گھما کر اس کی طرف دیکھا۔

"بالکل چل سکتی ہوں۔" روپ متی سنبھل کر بیٹھ گئی اور گاڑی کو آگے بڑھا دیا۔

کار تقریباً سو گز تک اس راستے پر چلتی رہی اور پھر روپ متی نے اسے دائیں طرف ایک اور راستے پر موڑ دیا۔ یہ راستہ بل کھاتا ہوا قدرتاً تنگ اور غیر ہموار تھا۔ روپ متی بہت احتیاط سے ڈرائیو کر رہی تھی۔

تقریباً آدھے گھنٹے تک پہاڑیوں میں اس پُرپیچ راستے

نے کے بعد روپ متی نے کار روک لی اور انجن بند البتہ ہیڈ لیمپس جلتے رہنے دیے تھے۔ جن کی تیز جھاڑیوں پر پڑ رہی تھی اور ان جھاڑیوں سے آگے ان بھی تھی جس نے راستہ روک رکھا تھا۔

اب یہاں سے آگے پیدل چلنا پڑے گا۔" اس نے طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

ں نے اپنی طرف کی کھڑکی کا شیشہ چڑھا دیا اور دروازہ کر نیچے اتر آیا۔ روپ متی نے ہیڈ لیمپس بند کردیے ر اتر کر دروازہ بند کردیا۔

یڈ لیمپس بجھ جانے کے بعد کافی دیر تک آنکھوں کے اندھیرا سا چھایا رہا اور جب آنکھیں اندھیرے سے ہوئیں تو ہم اس چٹان پر چڑھ کر دوسری طرف آگئے۔ یہاں کوئی باقاعدہ راستہ نہیں تھا۔ ایک پُرپیچ تنگ سی ی تھی۔ روپ متی میرا ہاتھ پکڑے ہوئے چل رہی وہ اس مندر کے بارے میں بھی بتا رہی تھی۔ یہ ن جین مندر تھا جو صدیوں پہلے تعمیر ہوا تھا۔ جے پور راجانے جھیل سے مندر تک ایک نہر بھی کھدوا دی ہ مندر میں پانی کی ضرورت پوری کی جاسکے۔ یہ نہر ے قریب سے گزر کر پہاڑیوں میں بل کھاتی ہوئی دوبارہ ے جاملتی تھی۔

روپ متی نے مجھے جین مت اور ہندو مت کا فرق بھی یا۔ جین مت کے پیروکار صرف ایک بھگوان کو مانتے ہندو مت کے ماننے والوں کے بھگوان لاتعداد ہیں۔ پ سے لے کر ہاتھی تک کی پوجا کرتے ہیں۔ انھیں درختوں اور پتھروں میں اور آسمان پر چمکتے ہوئے چاند اور ستاروں میں بھی اپنے بھگوان بیٹھے نظر آتے ہیں۔

وتن واس یہاں گنیش دیوتا کے مندر میں تھا اور مجھے تھا کہ وہ ماؤنٹ آبو کے کسی جین مندر کی طرف گیا ں کا مطلب یہ ہوا کہ پنڈت وغیرہ۔۔۔"

ان پنڈتوں کا کوئی دھرم نہیں۔" روپ متی نے میری ڑ یہ لوگ صرف دولت کی پوجا کرتے ہیں۔ ہندوستان ندر سونے کی کانیں ہیں۔ ان پر قبضہ کرنے کے لیے یہ جاری بڑی بڑی سازشیں کرتے ہیں۔ کسی مندر پر قبضہ کے لیے اپنے حریف کو موت کے گھاٹ اتار دینا ان ایک معمولی بات ہے۔ دولت کے لیے یہ لوگ کسی بھی ے ساتھ ہاتھ ملا لیتے ہیں۔ یہ مندر سازشوں کا گڑھ یاشیوں کے اڈے۔ آج تم اپنی آنکھوں سے دیکھ لو ان مندروں میں کیا ہوتا ہے۔" وہ رک کر ادھر اُدھر دیکھنے لگی پھر ایک اور پگڈنڈی پر مڑتے ہوئے بولی "لوگ ان مندروں کو پوتر اور پنڈتوں کو بھگوان کا اوتار سمجھتے ہیں۔ وہ دور دور سے مندروں کی یاترا اور پوجا کے لیے آتے ہیں۔ قیمتی چیزیں بھینٹ چڑھاتے ہیں۔ عورتیں اپنے زیور تک اتار کر پتھروں کی مورتیوں کے چرنوں میں ڈال دیتی ہیں اور یہی معصوم اور بھولی بھالی عورتیں ان بدکردار پنڈتوں کی ہوس کا شکار بنتی ہیں۔ انہیں مندروں ہی میں کسی طرح غائب کردیا جاتا ہے۔ ان دھرم چاروں کے کردار اس قدر گھناؤنے ہیں کہ انہیں سوچ کر ہی کراہیت ہونے لگتی ہے۔"

"کیا حکومت۔۔۔"

"حکومت کیا کرے۔" روپ متی نے ایک بار پھر میری بات کاٹ دی "یہ لوگ مادر پدر آزاد ہیں۔ مندروں پر حکومت کا کوئی کنٹرول نہیں۔ جس طرح ماضی میں بڑے بڑے راجے مہاراجے ان پنڈتوں کے چنگل میں پھنسے ہوئے تھے اسی طرح آج کے حکمران بھی ان کے سامنے بے بس ہیں۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے ایک مرتبہ ایک پنڈت کو مندر میں آنے والی ایک لڑکی کے بلاد کار کے جرم میں پولیس نے گرفتار کیا تھا تو پورے شہر میں ہنگامے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ تین دن تک شہر بند رہا تھا۔ کئی عمارتوں کو آگ لگا دی

ڈائجسٹوں کی معرکہ آرا کہانیاں

ہر کہانی، انعام یافتہ کہانی

جنہیں ایک بار پڑھنے کے بعد فراموش نہیں کیا جاسکتا

قیمت 40 روپے

ڈاک خرچ 23 روپے

آج ہی ایک خط لکھ کر طلب فرمائیں

ملنے کا پتہ

کتابیات پبلی کیشنز

پوسٹ بکس 23

کراچی 74200

فون: 5802652-6895313 فیکس: 5802661

گئی۔ دکانوں کے شٹر توڑ کر انہیں لوٹ لیا گیا۔ لاتعداد گاڑیوں کو نذرِ آتش کردیا گیا۔ یہ سب کچھ مندروں کے پنڈت اور پجاری بھی کررہے تھے جنہیں بھگوان کا اوتار سمجھا جاتا ہے اور بالآخر سرکار کو ان کے سامنے گھٹنے ٹیک دینے پڑے۔ اس پنڈت کو بے گناہ قرار دے کر باعزت طریقے سے رہا کردیا گیا۔"

میں اگرچہ ہندوستان کے ان پنڈتوں اور مندروں کے بارے میں تھوڑا بہت جان چکا تھا لیکن روپ متی جو انکشافات کررہی تھی اور واقعی بڑے سنسنی خیز تھے اور اب میں خود بھی شاید کسی ایسے ہی سنسنی خیز تجربے سے گزرنے والا تھا۔

روپ متی ایک جگہ رک گئی۔ نشیب میں تقریباً دو سو گز کے فاصلے پر سرخ بتی جلتی ہوئی نظر آرہی تھی۔ اس سے ذرا نیچے دو مختلف جگہوں پر بھی بلب روشن تھے۔

"وہ رام گڑھ مندر ہے۔" روپ متی روشنی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی "یہ مندر کا عقبی حصہ ہے جو چٹانوں سے ملا ہوا ہے۔ ان چٹانوں میں پہلے غار ہوا کرتے تھے جو اب مندر میں شامل ہیں اور شاید یہ مندر اس جگہ بنایا بھی اسی لیے گیا تھا کہ ان چٹانوں اور غاروں سے بھی فائدہ اٹھایا جاسکے۔ مندر کا سامنے کا حصہ دوسری طرف ہے۔ ہمیں اس طرف سے گھوم کر جانا ہوگا۔" اس نے ایک طرف اشارہ کیا۔

میں غور سے اس طرف دیکھ رہا تھا مگر کوئی بات سمجھ میں نہیں آرہی تھی۔ سامنے کے رخ سے مندر میں داخل ہونا خطرے سے خالی نہیں تھا۔ ہم فوراً ہی نظروں میں آسکتے تھے۔ اگر دن کا وقت ہوتا تو کچھ یاتری بھی ہوتے اور ہم ان کی آڑ میں اندر گھس جاتے لیکن اس وقت جبکہ رات کے دس بجنے والے تھے کسی یاتری کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

"اس طرف آؤ۔" روپ متی نے ایک طرف اشارہ کیا۔

ہم پتھروں پر اترتے ہوئے ایک طرف چلنے لگے اور تقریباً پچاس گز کا فاصلہ طے کرکے رک گئے۔ ہمارے سامنے فصیل نما اونچی دیوار تھی۔

"اسی دیوار پر چڑھ کر ہم دوسری طرف جاسکتے ہیں۔" روپ متی نے اشارہ کیا۔

میں نے سر اٹھا کر دیکھا۔ کسی قلعے کی فصیل کی طرح وہ دیوار تقریباً بیس فٹ بلند تھی۔ پتھروں سے بنی ہوئی اس دیوار پر چڑھنا میرے لیے اگرچہ زیادہ مشکل نہیں تھا لیکن روپ متی کے بارے میں نہیں کہہ سکتا وہ اتنی اونچی دیوار پر چڑھ سکے گی یا نہیں۔

"تم اس دیوار پر چڑھ سکو گی؟" میں نے اس کی طرف دیکھا۔

"زیادہ مشکل تو نہیں۔" اس نے جواب دیا "پتھر بڑے ہیں اور ابھرے ہوئے ہیں۔ کوئی مشکل تو پیش آنی چاہیے۔"

"تو چلو پھر۔" میں نے اشارہ کیا۔

اس فصیل نما دیوار کی تعمیر کے لیے بڑے بڑے پتھر استعمال کیے گئے تھے جنہیں تراش کر ایک دوسرے پر جمایا گیا تھا۔ یہ پتھر باہر کی طرف ابھرے ہوئے تھے۔

روپ متی ان پتھروں پر ہاتھ پیر جما کر اوپر چڑھنے لگی۔ میں نیچے کھڑا دیکھتا رہا۔ میں سوچ رہا تھا کہ اگر وہ اوپر گر گئی تو میں اسے کسی سنگین حادثے سے بچا سکوں گا؟

وہ تقریباً دس فٹ اوپر جاچکی تھی۔ میں اسے دیکھ رہا تھا وہ پتھروں پر ہاتھ پیر جماتی ہوئی اوپر چڑھتی رہی اور کسی کے بغیر اوپر پہنچ گئی۔ میں نے اطمینان کا سانس لیا اور دیوار پر چڑھنے لگا۔ ان ابھرے ہوئے پتھروں کی وجہ سے دشواری پیش نہیں آئی اور میں بھی آسانی سے اوپر پہنچ گیا۔ دیوار خاصی چوڑی تھی۔ اس پر کھڑے ہو کر ٹہلا جاسکتا تھا۔ دوسری طرف بھی پتھر اسی طرح ابھرے ہوئے تھے۔ دیوار پر چڑھنا تو بہت آسان ثابت ہوا تھا لیکن اترنا خاصا مشکل نظر آرہا تھا۔

میں دیوار پر بیٹھا اِدھر اُدھر دیکھنے لگا اور پھر اٹھ کر طرف چلنے لگا۔ تیز ہوا کی وجہ سے توازن برقرار رکھ ہو رہا تھا روپ متی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ بیٹھ کر آہستہ میرے پیچھے چلی آرہی تھی۔

میں ایک جگہ رک گیا۔ مجھے بالآخر وہ جگہ مل گئی جہاں سے نیچے اترا جاسکتا۔ دیوار کے اندر کی طرف فٹ ہٹ کر لکڑی کا ایک کھمبا گڑھا ہوا تھا جس پر بجلی اور اس پر شیڈ بھی لگا ہوا تھا۔ ایسے شیڈ عام طور پر لگے ہوئے بجلی کے کھمبوں پر نظر آتے ہیں لیکن اس ساتھ کوئی تار وغیرہ نظر نہیں آرہا تھا۔ مجھے نہیں لگی کہ دیوار کے اندر کی طرف مناسب فاصلہ قسم کے اور کھمبے بھی ہوں گے۔ ہو سکتا ہے دیوار کے حصے کو روشن رکھنے کے لیے یہ کھمبے لگائے گئے ہو بعد میں کسی خرابی کی وجہ سے یا کسی اور وجہ سے کاٹ کر تار نکال لیے گئے تھے اور اب صرف کھمبے رہ گئے

نے روپ متی کو سہارا دے کر آگے بڑھایا۔ وہ کھمبے کر آہستہ آہستہ نیچے پھسلنے لگی۔ اس کے پیچھے ہی اسی طرح نیچے اترنے لگا۔

اسی عمارت اس دیوار سے تقریباً بیس گز کے فاصلے مندر کی عمارت اس دیوار سے تقریباً بیس گز کے فاصلے بائیں طرف اوپر سے گھوم کر مندر کے مرکزی گیٹ کی پہنچا جاسکتا تھا جبکہ دائیں طرف مندر کی عمارت کا حصہ چٹانوں سے ملا ہوا تھا۔

اس طرف آؤ۔" روپ متی نے پچھلی طرف اشارہ کیا ایک مرتبہ یہاں آچکی ہوں۔ اس طرف دو چھوٹے ے ہیں۔ کسی ایک دروازے سے اندر داخل ہونے کی ی جاسکتی ہے۔"

ہم دونوں اس طرف چل پڑے۔ چھوٹے چھوٹے پتھر پیروں سے ٹکرا کر لڑھک رہے تھے۔ سناٹے میں کی آواز پھیل رہی تھی۔ ہم کچھ اور محتاط ہو کر چلنے

پہلا دروازہ اس طرح بند تھا جیسے ائرٹائٹ ہو۔ اس میں ی جھری بھی نہیں تھی جس سے کوئی کوشش کی ۔ اس سے پندرہ سولہ فٹ آگے دوسرا دروازہ خاصا فاصلہ اور اس میں اتنا خلا تھا کہ میں اپنا ہاتھ پھیلا کر اندر کرسکتا تھا۔ انگلیوں کی گرفت میں لے کر دروازے کو ینے سے انکشاف ہوا کہ اس کا نیچے کا قبضہ ٹوٹا ہوا نے دروازے کو آہستہ سے دھکا دیا تو اس میں اتنا خلا کیا کہ میں اپنا ہاتھ پوری طرح اندر داخل کرسکتا تھا۔ اندر زنجیر والا کنڈا لگا ہوا تھا اور یہ ہماری خوش قسمتی اس کنڈے میں کوئی تالا نہیں تھا۔ میں نے زنجیر ہٹا کر ے کو پیچھے دھکیلا تو چرچراہٹ کی آواز سناٹے میں

تاریک اور تنگ سی راہداری تھی۔ میں نے پستول نکال کر سیدھے ہاتھ میں پکڑ لیا اور دیوار سے چپک سے بڑھنے لگا۔ روپ متی نے میرا دوسرا ہاتھ پکڑ رکھا تھا میرے ساتھ ساتھ سرک رہی تھی۔

راہداری خاصی طویل ثابت ہوئی۔ اگلے موڑ پر ہم بائیں طرف۔ بہت دور مدھم سی روشنی نظر آرہی مندر کا سامنے کا حصہ تھا اور اس طرف کسی جگہ رہا تھا جس کی روشنی دکھائی دے رہی تھی۔ ہم طرف مڑ گئے۔

گز آگے راہداریوں کا ایک اور چوراہا تھا۔ وہاں راہداری کے اختتام پر مدھم سی روشنی دکھائی دے

رہی تھی۔ ہم اسی طرف چل پڑے۔ ہم دونوں نے جوگرز پہن رکھے تھے۔ ہمارے قدموں کی بہت ہلکی سی آواز ابھر رہی تھی۔

اس راہداری کے اختتام پر دائیں بائیں اور راہداریاں تھیں اور وہ روشنی دائیں طرف سے آرہی تھی۔ ہم اس طرف مڑ گئے۔ یہ راہداری زیادہ طویل نہیں تھی۔ البتہ آگے اور راہداریاں تھیں۔ مجھے ان راہداریوں کو دیکھ کر حیرت ہورہی تھی۔ یہ مندر تھا یا کوئی بھول بھلیاں۔ کسی کسی راہداری میں روشنی تھی۔ جس طرف روشنی نظر آتی، ہم اسی طرف چل پڑتے اور بالآخر ایک دروازے کے سامنے رک گئے۔

لکڑی کا وہ دروازہ پرانی طرز کا اور خاصا دزنی تھا۔ میں نے ہاتھ کا دباؤ ڈالا تو وہ چرچراہٹ کی آواز کے ساتھ کھلتا چلا گیا۔ پہلے میں اندر داخل ہوا اور پھر روپ متی۔

یہاں بھی سامنے ایک طویل راہداری تھی جس کے اختتام پر روشنی ہورہی تھی۔ روپ متی نے بھی پستول ہاتھ میں لے لیا تھا۔ ہم دونوں دبے قدموں آگے بڑھتے رہے۔ مجھے حیرت تھی کہ اب تک کسی سے آمنا سامنا نہیں ہوا تھا۔ ویسے روپ متی نے ٹھیک ہی کہا تھا کہ یہاں کسی کو غائب کردیا جائے تو اس کا سراغ لگانا ممکن نہیں ہوگا۔

اس راہداری میں دائیں بائیں کمرے بھی تھے۔ کسی میں دروازہ تھا اور کسی میں محض محرابی راستہ بنا ہوا تھا۔ میں نے ایک دو دروازے کھول کر بھی دیکھے تھے۔ تمام کمرے خالی تھے۔

اور پھر ہلکے قدموں کی آواز سن کر میں چونک گیا۔ وہ کم از کم دو آدمی تھے جن کی اب باتوں کی آواز سنائی دے رہی تھی۔

"تم اس کمرے میں جاؤ۔" میں نے روپ متی کو ایک محرابی راستے میں دھکیل دیا "اور جب تک میری آواز نہ سنو باہر مت آنا۔"

میں خود سامنے والے ایک کمرے میں گھس گیا۔ یہاں بھی دروازہ نہیں تھا محض محرابی راستہ تھا۔ اندر گہری تاریکی تھی۔ میں دیوار کے ساتھ چپک کر کھڑا ہوگیا اور اپنی تمام تر توجہ ان آوازوں پر مرکوز کردی۔ وہ دو آدمی تھے جو باتیں کرتے ہوئے اس راہداری میں داخل ہوچکے تھے۔ آوازیں لمحہ بہ لمحہ قریب آتی جارہی تھیں۔

اور پھر وہ دونوں اس کمرے کے سامنے سے گزر کر آگے نکل گئے۔ میں نے جھانک کر دیکھا اور پھر باہر نکل آیا۔

"پنڈت جی۔" میں نے پستول والا ہاتھ اوپر اٹھاتے ہوئے کہا "ذرا ہماری ایک بات تو سنتے جانا۔"

وہ دونوں ٹھٹک کر رک گئے اور پھر بیک وقت تیزی سے پیچھے مڑے۔ وہ دونوں میرے پستول کی زد میں تھے۔ راہداری کے آخری سرے سے آنے والی مدھم سی روشنی میں ان کے چہروں پر وحشت سی نظر آرہی تھی۔

"تم کون ہو مورکھ؟ اور رات کے اس سمے یہاں کیسے آئے۔" ان میں سے ایک نے میرے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔ وہ قدرے بھاری بھرکم اور لمبے قد کا مالک تھا۔ سر انڈے کے چھلکے کی طرح صاف لیکن مونچھیں گویا پورے چہرے پر پھیلی ہوئی تھیں۔ کوئی بچہ ان مونچھوں کو پکڑ کر آسانی سے جھولا جھول سکتا تھا۔ اس نے پیلی دھوتی پہن رکھی تھی اور جسم کے اوپر والے حصے پر ساڑی کی طرح پیلی چادر لپٹی ہوئی تھی۔ ماتھے پر سرخ ٹیکا اور آنکھوں میں سرخی جھلک رہی تھی۔

دوسرا آدمی بھی اسی حلیے میں تھا۔ البتہ اس کا قد نسبتاً چھوٹا اور توند مٹکے کی طرح آگے کو نکلی ہوئی تھی۔

"ہم پہاڑیوں میں راستہ بھٹک گئے تھے۔" میں نے جواب دیا "کسی طرح اس مندر میں پہنچ گئے لیکن مندر کے اندر آکر پھر بھٹک گئے۔"

"مگر یہ بندوقڑی۔" وہ پستول کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا "اسے جیب میں رکھ لو اور آؤ۔ میں تمہیں باہر کا راستہ بتاؤں۔ پر مجھے لگتا ہے کہ تم کوئی بڑی واردات کرکے بھاگے ہوئے ہو۔"

"ایسی کوئی بات نہیں ہے مگر تم مجھے باہر کا نہیں اندر کا راستہ بتاؤ۔" میں نے کہا۔

"اوہ!" وہ چونک گیا۔ اس نے اپنے ساتھی کی طرف دیکھا۔ سنسکرت میں کوئی بات کی۔ میرے پلے کچھ نہیں پڑا۔ پھر وہ میری طرف دیکھتے ہوئے بولا "ٹھیک ہے اس طرف چلو۔"

اور پھر جو کچھ بھی ہوا' میری سمجھ میں نہیں آسکا۔ اس نے نہایت تیزی سے گھوم کر میرے پستول والے ہاتھ پر ٹھوکر مار دی اور پستول میرے ہاتھ سے نکل کر ہوا میں اچھلا اور اس کمرے میں کسی جگہ جاگرا جہاں چند لمحے پہلے میں نے پناہ لی تھی اور اس سے پہلے کہ میں اپنی حیرت پر قابو پاسکتا' وہ دونوں مجھ سے لپٹ گئے۔

میں نے فوراً ہی اپنے حواس پر قابو پالیا اور اپنے آپ کو ان کے شکنجے سے چھڑانے کی کوشش کرنے لگا۔ گل مچھوں والے نے میرا بازو مروڑ کر پشت سے لگا دیا۔ جبکہ دوسرے نے سامنے سے آکر میرے پیٹ پر تین چار کرارے گھونسے رسید کردیے تھے۔

"بتاؤ تم کون ہو؟" مونچھوں والے کے حلق سے غراہٹ نکلی "مندر کے تمام دروازے بند ہیں۔ دو اونچی گیٹ کے اندر موجود ہیں۔ تم اندر کیسے داخل ہوئے۔ تم کون ہو اور اندر کیسے آئے ہو؟"

"میں بتاتی ہوں پنڈت جی۔"

روپ متی کی آواز سن کر وہ دونوں اچھل پڑے۔

"پہلے اسے چھوڑ دو۔ ورنہ میں تم دونوں کی گولی اڑا دوں گی۔" اس مرتبہ روپ متی کے منہ سے بڑی خوفناک غراہٹ نکلی تھی۔

وہ دونوں پنڈت اچھل پڑے اور پھر روپ متی ہاتھوں میں پستول دیکھ کر گل مچھوں والے پنڈت کو گرفت سے آزاد کرنا ہی پڑا۔ میں نے آزادی ملتے ہی پوری قوت سے اس کی ناک پر ہتھیلی سے وار کردیا۔ وہ ہوا لڑکھڑا کر پیچھے ہٹا۔ اس کی ناک سے بہنے والا خون مونچھوں کو آلودہ کرتا ہوا ٹھوڑی کو تر کرنے لگا۔ اس سنبھلنے سے پہلے میں نے بڑی تیزی سے سائیڈ کک لگا کک اس کے گھٹنے سے ذرا اوپر ٹانگ پر لگی۔ وہ لڑکھ اپنے پیچھے کھڑی ہوئی روپ متی سے ٹکرا گیا۔

یہی غلطی ہوگئی کہ ہم دونوں ایک ہی لائن میں آ اور روپ متی کو پستول استعمال کرنے کا موقع نہیں مل روپ متی نے سنبھلنے کی کوشش کی مگر مونچھوں والے نے اس کے سینے پر زوردار گھونسا رسید کردیا۔ روپ کر دہری ہوگئی۔ پستول بھی اس کے ہاتھ سے نکل فرش پر پھسلتا ہوا دور چلا گیا تھا۔

میرا خیال تھا کہ دوسرا پنڈت مجھ پر حملہ آور ہو دوسرے ہی لمحے وہ چیختا ہوا اس طرف دوڑ پڑا جس طر وہ آئے تھے۔

میں نے بھی سنبھل کر اس کے پیچھے دوڑ لگا دی۔ اندیشہ تھا کہ اگر وہ بھاگ نکلنے میں کامیاب ہوگیا ہوجائے گی۔

میں نے دور ہی سے... چھلانگ لگا دی۔ میری ٹانگیں قینچی کی طرح اس کی گردن سے لپٹ اسے ساتھ لیتا ہوا زمین پر گرا۔ پنڈت کا سر فرش تھا اور اس کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی۔ میں موقع دیے بغیر اٹھ کر اس پر ٹھوکروں کی بارش کردی

ٹھوکریں مارتا ہوا اس طرف لے آیا جہاں دوسرا پنڈت روپ متی کے ساتھ گتھا تھا۔

وہ منظر بھی بڑا دلچسپ تھا۔ روپ متی پشت کے بل فرش پر تھی۔ پنڈت اس کے اوپر اس طرح جھکا ہوا تھا کہ اس کی ایک ٹانگ روپ متی کے ایک طرف تھی اور دوسری دوسری طرف۔ روپ متی نے اس کی بڑی بڑی مونچھوں کو اپنے ہاتھوں کی مٹھیوں میں جکڑ رکھا تھا اور زور زور سے کھینچ رہی تھی جبکہ پنڈت اپنی مونچھوں کو چھڑانے کے لیے اس کے سینے پر گھونسے برسا رہا تھا۔

مجھے روپ متی کے ساتھ رہتے ہوئے تین چار مہینے ہوچکے تھے۔ وہ اب تک بڑی بزدل اور کم ہمت ثابت ہوئی تھی۔ ذرا ذرا سی بات پر ڈر جاتی لیکن اس وقت وہ بالکل مختلف ثابت ہورہی تھی۔ سینے پر ہتھوڑوں کی طرح گھونسے پڑنے کے باوجود اس کے منہ سے آواز تک نہیں نکل رہی تھی۔

میں نے اپنے حریف کو ایک اور زوردار ٹھوکر ماری اور مونچھوں والے پنڈت کی طرف لپکا اور اس کے پہلو پر زور دار لگ رسید کردی۔ وہ ایک طرف الٹ گیا۔ اس کے منہ سے ایک بار پھر چیخ نکل گئی تھی۔ اس کی مونچھیں ابھی تک روپ متی کی مٹھیوں میں تھیں۔

تقریباً تین گز آگے دیوار کے قریب فرش پر پڑا ہوا پستول چمک رہا تھا۔ میں نے لپک کر وہ پستول اٹھالیا۔ اسی وقت میرا حریف حملہ کرنے کے لیے میری طرف لپکا تھا لیکن میرے ہاتھ میں پستول دیکھ کر رک گیا۔

"روپ متی۔ چھوڑ دو اسے۔" میں نے کہا "اب اگر یہ کوئی حرکت کرے گا تو میں اس کی کھوپڑی اڑا دوں گا۔"

روپ متی نے مونچھوں کو زوردار جھٹکا دیا اور اسے جھٹکا دے کر تیزی سے الگ ہوگئی۔ وہ پنڈت دونوں ہاتھ مونچھوں پر رکھے بری طرح سر جھٹک رہا تھا۔ اس کے منہ سے عجیب سی کراہیں نکل رہی تھیں۔ جیسے بڑی اذیت میں ہو اور جب اس نے ہاتھ ہٹائے تو ہاتھوں پر خون دیکھ کر میں اپنے آپ کو ہنسنے سے نہیں روک سکا تھا۔ روپ متی نے اس کی مونچھوں کو بری طرح نوچ ڈالا تھا۔ اس کی ناک سے تو پہلے ہی خون بہہ رہا تھا اور اب اوپر والے ہونٹ پر مونچھوں میں بھی خون رسنے لگا تھا۔

"میں تم لوگوں سے شرافت سے بات کرنا چاہتا تھا مگر تم لوگ شرافت کی زبان نہیں سمجھتے۔" میں نے باری باری دونوں کی طرف دیکھا "اب تم لوگ مندر کے اس حصے تک ہماری رہنمائی کرو گے جہاں اس لڑکی کو رکھا گیا ہے۔"

"کون لڑکی۔ مندر میں کوئی لڑکی نہیں ہے۔" چھوٹے قد والے پنڈت نے کہا۔ دوسرا اپنی تکلیف پر قابو پانے کے لیے بار بار سر جھٹک رہا تھا۔

"میں اس کا شجرہ نہیں بتاؤں گا۔" میں نے کہا "تم سب کچھ جانتے ہو کہ آج صبح گنیش مندر سے اغوا کرکے لائی جانے والی لڑکی کہاں ہے۔ اب اگر تم نے کسی بات سے انکار کیا تو میں بلا جھجک گولی مار دوں گا۔" میں نے کہتے ہوئے پستول کا رخ اس کی طرف کردیا۔

"تم لوگ جو کوئی بھی ہو زندہ نہیں بچ سکو گے۔ تمہاری لاشیں اس مندر میں اس طرح غائب ہوجائیں گی کہ کوئی ماہر کھوجی بھی نہیں ڈھونڈ سکے گا۔" اس پنڈت نے جواب دیا۔

میں نے اس کی ٹانگ کا نشانہ لے کر ٹریگر دبا دیا۔ گولی اس کی ران میں لگی۔ فائر کی آواز کے ساتھ ہی اس کی خوفناک چیخ بھی گونج اٹھی۔ انہیں سیدھے راستے پر لانے کا اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ ویسے میں یہ بات نوٹ کرچکا تھا کہ یہاں بہت دیر سے دھینگا مشتی ہورہی تھی۔ مار پیٹ کے دوران میں وہ دونوں بھی بار بار چیختے تھے اور روپ متی بھی لیکن کوئی اور مخلص صورت حال معلوم کرنے کے لیے اس طرف نہیں آیا تھا۔ جس کا مطلب تھا کہ مندر میں اگر دوسرے لوگ موجود تھے تو وہ کسی ایسے حصے میں تھے جہاں تک آواز نہیں پہنچ سکتی تھی۔ اسی لیے میں نے بے خوف ہو کر گولی چلا دی تھی۔ وہ شخص نیچے گر گیا تھا۔ اس کی ٹانگ سے خون کی دھار بہہ نکلی تھی اور اس نے دونوں ہاتھوں سے ٹانگ کو پکڑ رکھا تھا۔

"دوسری گولی تمہاری کھوپڑی میں لگے گی۔" میں نے پستول کا رخ اس کے سر کی طرف کردیا۔

"بب... بتاتا ہوں... ٹگ... گولی مت چلانیو رے..." وہ ہاتھ اٹھا کر چیخا۔

میں اس کی طرف دیکھ کر مسکرا دیا پھر میں نے پستول روپ متی کے حوالے کیا اور اس کمرے میں گھس گیا جہاں میرا پستول گرا تھا۔ اندھیرے میں فرش پر ٹٹول کر پستول تلاش کرنے میں مجھے زیادہ دشواری پیش نہیں آئی تھی۔ میں پستول اٹھا کر کمرے سے باہر آگیا۔

"تم دونوں آگے چلو۔ اگر کسی نے کوئی گڑبڑ بھاگنے کی کوشش کی تو میں بے دریغ گولی مار دوں گا۔" میں نے کہا۔

"بھاگن قابل چھوڑا ہی کہاں رے۔" وہ پنڈت کراہتے ہوئے بولا۔ جس کی ٹانگ میں گولی ماری تھی۔ وہ مینڈک کی

طرح پھدکتا ہوا ہمارے آگے چلنے لگا۔ دوسرا پنڈت بھی مونچھوں اور ناک پر ہاتھ رکھے سر کو ہلکے ہلکے جھٹکے دیتا ہوا چل رہا تھا۔

"میں نے پہلے ہی پنڈت ہری رام سے کہا تھا کہ پرشو رام سے دوستی مت لگاؤ مگر وہ نہیں مانا۔ آج تو یہ سُورما اس کی بھی کھٹیا کھڑی کردے گا۔" زخمی ٹانگ والا پنڈت کراہتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

میں مسکرائے بغیر نہیں رہ سکا۔ پرشو رام کے نام سے اس بات کی تصدیق ہوگئی تھی کہ پنڈت مرلی دھر اسی مندر میں موجود ہے اور جانکی بھی۔

"پنڈت ہری رام ہماری کب سنے ہے۔" مونچھوں والے نے کراہتے ہوئے جواب دیا "پرشو رام نے تو ولایتی دارو... کی بوتلیں اور نئی نئی لونڈیاں دے کر اسے رام کر رکھا ہے اور اس کا دوسرا مِتر۔ اس نے تو پنڈت کو سفید پاؤڈر کا چسکا لگا دیا ہے۔ یہ پاؤڈر اس کی جان لے لیوے گا۔ پر وہ نہیں سمجھے ہے۔ ہماری بات نہ مان کر اس نے تو ہماری کھٹیا کھڑی کروا دی اور وہ بھی ایک لونڈیا کے ہاتھوں۔ اب وہ بھی نہ بچیں گے۔"

میں نے روپ متی کی طرف دیکھا۔ وہ بھی مسکرائے بغیر نہیں رہ سکی تھی۔ حالانکہ اپنی تاثیف ضبط کرنے کے لیے وہ ایک ہاتھ سے مسلسل سینہ سہلا رہی تھی۔

کئی طویل راہداریاں گھومنے کے بعد بالآخر ہم ایک ہال نما کمرے میں آگئے۔ یہاں ایک چبوترے پر کسی دیوی کا مجسمہ نصب تھا۔ مونچھوں والے پنڈت نے آگے بڑھ کر مورتی کے سر پر ہاتھ رکھ کر اسے بائیں طرف گھمادیا۔ وہ چبوترا تقریباً چھ انچ اوپر اٹھ گیا اور پھر گھومتا ہوا آدھے چکر پر رک گیا۔

میری آنکھیں حیرت سے پھیلتی چلی گئیں۔ میں نے ان مندروں کے بارے میں جو کچھ سنا تھا' اس وقت اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔

چبوترا گھومتے ہی نیچے سے موسیقی اور گانے کی آواز سنائی دینے لگی۔ گھنگروؤں کی آواز نمایاں تھی۔ چبوترے کے نیچے تہ خانے کی سیڑھیاں تھیں اور روشن ہو رہی تھیں۔ میں نے ان دونوں پنڈتوں کو اشارہ کیا۔ وہ سیڑھیوں پر اترنے لگے۔ ان کے پیچھے میں اور میرے پیچھے روپ متی بھی سیڑھیاں اترنے لگی۔

نیچے ایک وسیع و عریض ہال تھا۔ دبیز قالین بچھے ہوئے تھے۔ دیواروں پر برقی قمقمے جگمگا رہے تھے۔ اس ہال کے اطراف میں تین دروازے تھے اور موسیقی اور گانے کی آواز سامنے والے دروازے کے پیچھے سے سنائی دے رہی تھی۔ دروازہ بند تھا۔

ان دونوں پنڈتوں نے دروازے کے قریب رک کر ہماری طرف دیکھا اور پھر مونچھوں والے پنڈت نے ایک زوردار جھٹکے سے دروازہ کھول دیا۔ میں نے بڑی پھرتی سے ان دونوں کو دھکا دے کر اندر گرا دیا اور خود بھی اچھل کر اندر آگیا۔ جبکہ روپ متی دروازے کے باہر ہی کھڑی رہی تھی۔

اندر کا منظر دیکھ کر میری آنکھیں پھٹی پڑ رہی تھیں اور مجھے اپنی نظروں پر یقین نہیں آرہا تھا۔

بہت وسیع کمرا تھا۔ فرش پر دبیز قالین بچھے ہوئے تھے۔ اطراف میں سرخ اور سنہری کور والے گاؤ تکیے رکھے ہوئے تھے۔ شراب کی بوتلیں اور گلاس پورے کمرے میں بکھرے ہوئے تھے۔ ایک طرف تین جوان اور حسین لڑکیاں بیٹھی ہوئی تھیں۔ ان کے جسموں پر لباس برائے نام ہی تھے۔ ان سے ذرا ہٹ کر دو سازندے طبلے اور ہارمونیم پر اپنے فن کا مظاہرہ کر رہے تھے۔ ان دونوں کے جسموں پر پجاریوں جیسے لباس تھے۔

ایک بے لباس رقاصہ کمرے کے وسط میں طبلے کی تھاپ پر رقص کے نام پر بے حیائی کا مظاہرہ کر رہی تھی۔ اس کے پیروں میں بندھے ہوئے گھنگروؤں کی آواز طبلے کی تھاپ سے زیادہ بلند تھی۔

وہ چار آدمی تھے جو ریشمی مسندوں سے ٹیک لگائے بیٹھے تھے۔ وہ پنڈتوں والے گیروے لباس میں تھے مگر انہیں شاید اپنے لباس کا ہوش نہیں تھا۔ ان چاروں کے ساتھ نیم عریاں لباس میں ایک ایک لڑکی موجود تھی۔ کوئی اپنے ساتھی کی گود میں گری پڑ رہی تھی اور کوئی شراب کا گلاس اپنے ساتھی کے ہونٹوں سے لگا رہی تھی۔ ایک پنڈت نے تو نیم عریاں لڑکی کو اس طرح دبوچ رکھا تھا جیسے اندیشہ ہو کہ گرفت ڈھیلی پڑتے ہی وہ بھاگ نکلے گی۔

اس کمرے کے پچھلی طرف دو کشادہ کھڑکیاں تھیں جو دوسری طرف اندھیرا تھا۔ بائیں طرف ایک دروازہ تھا جو بھڑا ہوا تھا اور اس دروازے کے قریب ہی ایک چھوٹی سی میز پر شراب کی بوتلیں اور فوائل کی ایک چھوٹی سی شیٹ پلاسٹک کی دو تین تھیلیاں اور ٹرانسپیرنٹ پلاسٹک کی ایک تھیلی رکھی ہوئی تھی جس میں سفید رنگ کا پاؤڈر نظر آرہا تھا۔

میں نے پلک جھپکنے کی دیر میں اس کمرے کی صورت حال کا جائزہ لے لیا تھا مگر جانکی مجھے نظر نہیں آئی تھی۔

میں نے ان دونوں زخمی پنڈتوں کو زوردار دھکے سے اندر گرایا تھا اور وہ دونوں چیخ اٹھے تھے۔ دھماکے سے دروازہ کھلا اور ان دونوں پنڈتوں کے چیخنے سے کمرے میں موجود لڑکیاں اچھل پڑی تھیں۔ طبلے کی تھاپ رک گئی۔ ہارمونیم بھی خاموش ہوگیا اور رقاصہ چیختے ہوئے دوڑ کر کمرے کے ایک کونے میں چلی گئی۔ دوسری لڑکیاں بھی چیخنے لگیں۔

وہ پنڈت جس نے ایک لڑکی کو دبوچ رکھا تھا' اس نے لڑکی کو دھکا دے کر ایک طرف گرا دیا اور حیرت انگیز پھرتی سے اٹھ کر عقبی کھڑکی میں چھلانگ لگا دی۔ میں نے فائر کردیا۔ گولی کھڑکی کے دوسری طرف اندھیرے میں غائب ہوگئی۔ چھلانگ لگانے والے پنڈت کا وہ کچھ نہیں بگاڑ سکی تھی۔

ایک اور پنڈت نے دوسری کھڑکی سے چھلانگ لگانے کی کوشش کی لیکن میں نے دوسری گولی چلا دی۔ میرا کسی کو مارنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ اس لیے اس مرتبہ میں نے ہوائی فائر کیا تھا۔

لڑکیوں کی چیخیں کمرے میں گونجنے لگیں۔ وہ سب ادھر ادھر دوڑ رہی تھیں اور بالآخر ایک کونے میں ایک دوسرے سے لپٹ کر تھر تھر کانپنے لگیں۔ ان سب کے چہرے خوف سے پیلے ہو رہے تھے۔

اس کمرے میں چار پنڈت تھے جن میں سے ایک عقبی کھڑکی سے چھلانگ لگا کر غائب ہو چکا تھا۔ دو نشے میں دھت ہو رہے تھے۔ ان میں ایک اس مندر کا پروہت ہری رام اوتار تھا۔ دوسرا شاید اس کا نائب تھا اور تیسرا جس نے کھڑکی سے چھلانگ لگانے کی کوشش کی تھی' پنڈت مرلی دھر تھا۔ اس کا چہرہ خوف سے پیلا پڑ گیا تھا اور آنکھوں میں دہشت سی بھر گئی تھی۔

دونوں زخمی پنڈت' جنہیں میں نے دھکا دے کر گرایا تھا' اٹھ کر بیٹھ گئے تھے۔ ایک اپنی زخمی ٹانگ کو پکڑے چیخ رہا تھا اور دوسرا ناک اور مونچھوں پر ہاتھ رکھے کراہ رہا تھا۔

"کون ہو تم اور یہ سب کیا ہے؟" پنڈت مرلی دھر میری طرف دیکھتے ہوئے غرایا۔ اس نے حیرت انگیز طور پر اپنی شخصیت پر قابو پالیا تھا "جانتے نہیں یہ کون سی جگہ ہے۔ تم مندر کی پوتر تا کو..."

"آگے کچھ مت بولنا ورنہ کھوپڑی اڑا دوں گا!" میں چیختے ہوئے پستول کا رخ اس کے سر کی طرف کردیا "میں دیکھ رہا ہوں تم لوگ مندر کی پوتر تا کا کس طرح خیال رکھے ہوئے ہو۔ تم جیسے لوگوں نے دھرم نشٹ کر رکھا ہے اور لوگوں کا اعتماد دھرم پر سے اٹھتا جارہا ہے۔ ویسے..." میں نے

دست شناسی کے نئے رخ
مع
دست شناسی کی آسان لغت

قیمت 125 روپے
ڈاک خرچ 25 روپے

ان لوگوں کے لئے جو کسی پیشہ ور دست شناس کے بغیر دست شناسی سیکھنا چاہتے ہیں۔

کتاب کی قیمت مع ڈاک خرچ پیشگی منی آرڈر ارسال کریں

خط و کتابت کا پتہ
مکتبہ نفسیات
پوسٹ بکس 7200 کراچی
فون: 5802562-5896313 فیکس: 5802551
کتابوں کی قیمتیں فون لائن خراب ہونے یا دیگر ناگزیر وجوہات کی بنا پر کسی بھی وقت تبدیل ہوسکتی ہیں

kitablat@hotmail.com
kitablat1970@yahoo.com

اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے بات جاری رکھی "ویسے ہماری پچھلی ملاقات کو اتنا عرصہ تو نہیں گزرا کہ تم میری شکل بھول جاؤ۔"

"میں نہیں جانتا تم کون ہو۔" مرلی دھر بولا "پر اتنا سمجھتا ہوں کہ تم یہاں سے اپنے پیروں پر واپس نہیں جاسکو گے۔"

"جانکی کہاں ہے؟" میں نے بات نظرانداز کرتے ہوئے اس کے چہرے پر نظریں جمادیں۔

"کون جانکی۔ میں کسی جانکی کو نہیں جانتا۔" وہ بولا۔

میں نے اس کے پیروں کے قریب قالین پر فائر کردیا۔ وہ اچھل پڑا۔ کمرے میں موجود لڑکیاں ایک بار پھر چیخ اٹھیں۔

"اس مرتبہ گولی قالین پر نہیں تمہاری ٹانگ پر لگے گی اور اس کے بعد تمہارے پیٹ میں۔ اگر میری بات کا یقین نہ ہو تو ان دونوں حرامیوں کی طرف دیکھ لو۔ یہ تمہیں بتادیں گے کہ میں جو کہتا ہوں وہ کرکے بھی دکھاتا ہوں۔" میں نے ان دونوں زخمی پنڈتوں کی طرف اشارہ کیا۔

"پرشو رام۔۔۔ یہ بڑا جور آور ہے۔ مان لے اس کی بات۔" زخمی ٹانگ والا مرلی دھر کی طرف دیکھ کر کراہا۔

"جانکی کہاں ہے؟" میں ایک بار پھر غرایا۔

"وہ۔۔۔ وہ۔۔۔ ادھر۔ اس کمرے میں ہے۔" مرلی دھر نے بھڑے ہوئے دروازے کی طرف اشارہ کیا۔ اس پر ایک بار پھر خوف طاری ہونے لگا تھا۔

میں نے روپ متی کو آواز دے کر اندر بلالیا۔

"دیکھو۔ جانکی اس کمرے میں ہے یا نہیں؟" میں نے روپ متی کو اشارہ کیا۔

جانکی نے آگے بڑھ کر وہ دروازہ کھول دیا۔ پہلے جھانک کر دیکھا اور پھر اندر داخل ہوگئی۔ چند منٹ بعد وہ جانکی کو تقریباً گھسیٹتی ہوئی کمرے سے نکلی تھی۔ اس نے جانکی کو قالین پر ڈال دیا۔ جانکی کی حالت دیکھ کر میں اچھل پڑا۔ وہ یا تو شراب کے نشے میں مدہوش تھی یا اسے ہیروئن استعمال کرائی گئی تھی۔

"کیا کیا ہے اسے؟" میں مرلی دھر کی طرف دیکھ کر غرایا "اگر اسے کچھ ہوگیا تو میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

"دارو کا نشہ ہے۔" مرلی دھر بولا "مرے گی نہیں۔"

میں نے جھک کر جانکی کو دیکھا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں۔

"وہ دارو دو گھونٹ پلا دو۔ وہ ہری بوتل والا۔ دو منٹ میں نشہ اتر جائے گا اور ہوش میں آجائے گی۔" مرلی دھر نے میز پر رکھی ہوئی ایک بوتل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"اسے ہوش میں لاؤ۔" میں نے روپ متی سے کہا اور اٹھ کر کھڑا ہوگیا "وہ پنڈت جو اس کھڑکی کے راستے فرار ہوا ہے کون تھا؟" یہ سوال میں نے مرلی دھر کی طرف دیکھتے ہوئے کیا۔

"تم برسوں سے اس کا پیچھا کررہے ہو لیکن اسے پکڑنے کا تمہارا سپنا کبھی پورا نہیں ہوگا۔" مرلی دھر نے جواب دیا۔

اس کی بات پر میں چونکے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ میں اس کا مطلب سمجھ گیا تھا۔ کھڑکی کے راستے فرار ہونے والا دارا تھا لیکن اس نے اس طرح پنڈتوں والا بھیس بدل رکھا تھا کہ میں اسے واقعی نہیں پہچان سکا تھا۔

روپ متی نے میز پر سے ہرے رنگ کی بوتل اٹھالی۔ اسی وقت ایک لڑکی آگے آگئی۔

"یہ بوتل مجھے دے دیں راج کماری۔ میں اسے ہوش میں لاتی ہوں۔" اس نے روپ متی کے ہاتھ سے بوتل لیتے ہوئے کہا۔

روپ متی کے منہ سے بھی گہرا سانس نکل گیا۔ اس لڑکی نے اسے پہچان لیا تھا۔ لڑکی نے جانکی کا منہ کھول کر بوتل میں سے دارو کے دو تین گھونٹ اس کے حلق میں انڈیل دیے۔ کچھ دارو ہونٹوں سے گر کر اس کی ٹھوڑی اور گردن پر بہنے لگا تھا۔

جانکی صبح ساڑی پہن کر حویلی سے نکلی تھی لیکن اس وقت اس کے بدن پر صرف بلاؤز اور پیٹی کوٹ نظر آرہا تھا۔

اس دوران میں ایک لڑکی اور آگے بڑھ آئی اور روپ متی کے قدموں پر سر رکھ کر گڑگڑانے لگی۔

"ہمیں معاف کردیجئے راج کماری۔ ہم بالکل بے قصور ہیں۔ ہمیں پنڈت پرشو رام دھوکے سے یہاں لایا تھا۔" اس نے کہا تھا کہ پوجا۔۔۔"

روپ متی نے ٹھوکر مار کر اسے پیچھے ہٹادیا۔

"تم لوگ تو ہر رات ایسی پوجا کے لیے پرشو رام جیسے لوگوں کے ساتھ جاتی ہو۔ آرام سے وہاں بیٹھی رہو۔ تمہیں میں نے پہچان لیا ہے۔ ہوٹلوں اور گیسٹ ہاؤسز میں بھی تم پوجا ہی کے لیے جاتی ہو۔"

میں جانکی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ وہ دارو واقعی زبان ثابت ہوا تھا۔ دو منٹ سے بھی کم وقفے میں اس نے آنکھیں کھول دیں۔ میں نے قالین پر پڑا ہوا جگ اٹھا کر جانکی پر ڈال دیا۔ وہ سر جھٹکتی ہوئی اٹھ کر بیٹھ گئی اور پھر آہستہ آہستہ اس کے حواس بحال ہونے لگے۔

"تت۔۔۔ تم۔۔۔" وہ میری طرف دیکھتے ہوئے ہکلائی "تم

کیسے آگئے؟"

"پوجا کرنے!" میں نے تلخ لہجے میں جواب دیا "اپنے آپ کو سنبھالنے کی کوشش کرو۔ گھر جاکر تم سے بات کروں گا۔"

"ہم۔۔۔ میں تو ٹھیک ہوں۔ یہاں بات کرلو نا۔۔۔" جانکی کے لہجے میں لڑکھڑاہٹ تھی اور میرا خیال ہے اس کا نشہ پوری طرح نہیں اترا تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر مجھ سے لپٹنے کی کوشش کی تو میں نے اس کے منہ پر زوردار تھپڑ رسید کردیا۔

جانکی چیخ اٹھی۔ وہ لڑکھڑا کر پیچھے ہٹی تو روپ متی نے اسے سنبھال لیا۔ جانکی گال سہلاتے ہوئے خوں خوار نظروں سے میری طرف دیکھنے لگی۔

"یہ۔۔۔ یہ کیا ہورہا ہے۔" پنڈت ہری رام کی لڑکھڑاتی ہوئی آواز سن کر میں اس کی طرف مڑ گیا "وہ۔۔۔ وہ ترکی کہاں گیا۔۔۔ ادھ۔۔۔ یہ کون مہاتما ہے۔۔۔"

"یہ مہاتما نہیں مسلمان ہے۔" قریب کھڑے ہوئے مرلی دھر نے کہا۔

"مسلمان۔" پنڈت ہری رام اچھل پڑا "مسلمان۔ یہ یہاں کیسے آگیا۔ اس نے مندر کو نشٹ کردیا۔ ہمارے دھرم کو نشٹ کردیا۔ مار دو اسے۔۔۔"

"یہ اکیلا نہیں ہے۔ اس کے ساتھ ایک ہندو ناری بھی ہے۔ راج کماری روپ متی۔" مرلی دھر نے کہا۔ وہ آگ بجھانے کی کوشش کررہا تھا اور میں اسے روک نہیں سکا۔

"ہندو راج کماری ایک مسلمان کے ساتھ۔ مار دو۔۔۔ دونوں کو مار دو۔" پنڈت ہری رام کا نشہ ہرن ہوچکا تھا۔ ایک مسلمان کے نام پر اس کی غیرت جوش میں آگئی تھی "مار دو۔ دونوں کو مار دو۔ ایک ہندو ناری کسی مسلمان کے ساتھ؟"

میں نے آگے بڑھ کر اس کے منہ پر زوردار پنچ رسید کیا۔ اس بار وہ چیخ کر الٹ گیا۔ اس کا سامنے کا ایک دانت ہل گیا اور ہونٹ سے خون بہہ نکلا تھا۔

"رام رام۔۔۔ ہری رام۔۔۔ ہری رام۔۔۔" وہ چیخنے لگا۔

"اس مسلمان نے تمہاری طرح کسی مندر کو عیاشی کا اڈا نہیں بنا رکھا۔" میں نے غراتے ہوئے کہا "اگر اپنی جان سلامت چاہتے ہو تو آرام سے بیٹھے رہو۔"

پنڈت ہری رام کونے میں دبک کر رام رام کی گردان کرنے لگا تھا۔ دوسرا پنڈت بھی اگرچہ حواس میں آچکا تھا مگر اس نے خاموش رہنے ہی میں اپنی عافیت سمجھی تھی۔

"مرلی دھر۔" میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "اب تم بتاؤ گے کہ دارا کہاں گیا ہے۔ چلو۔ اسی کھڑکی کے راستے باہر نکلو۔" میں نے اس کھڑکی کی طرف اشارہ کیا جس سے دارا فرار ہوا تھا۔

"تم اسے تلاش نہیں کرسکو گے۔" مرلی دھر نے جواب دیا "وہ چھلاوا ہے۔ اب تک یہاں سے بہت دور جاچکا ہوگا۔"

"تم ہمیں اس کے ٹھکانے تک لے کر جاؤ گے۔" میں نے اس کے منہ پر زوردار گھونسا مارتے ہوئے کہا اور پھر روپ متی کو اشارہ کیا۔

روپ متی کھڑکی کے فریم پر چڑھ کر دوسری طرف کود گئی اور جانکی کو بھی سہارا دے کر دوسری طرف اتارلیا۔ میں نے آگے بڑھ کر مرلی دھر کو دھکا دیا۔ وہ بھی کھڑکی پر چڑھ کر دوسری طرف کود گیا اور پھر میں نے بھی اسی طرف چھلانگ لگادی۔

"ہمارے جانے کے بعد پولیس یہاں چھاپا مار دے گی۔ بہتر ہوگا کہ پولیس کے آنے سے پہلے تم لوگ اپنا بندوبست کرلو۔" میں نے لڑکیوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اور مڑ کر پنڈت مرلی دھر کو دھکا دے دیا۔

یہ ایک کبھی سی سرنگ تھی جس کے آخر میں مدھم روشنی کا بلب جل رہا تھا۔ پنڈت مرلی دھر آگے اور ہم اس کے پیچھے پیچھے چلتے رہے۔ ہم مسلسل بلندی کی طرف جارہے تھے۔ مجھے اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ ہم اس وقت مندر کی عقبی پہاڑیوں کے نیچے تھے۔ ان پہاڑیوں میں غار تھے ... جنہیں تراش کر مندر میں شامل کرلیا گیا تھا۔

تقریباً ایک گھنٹے تک ہم ان سرنگوں میں چلتے رہے اور پھر ایک خفیہ راستے سے نکل کر کھلی فضا میں آگئے۔

"دارا کہاں گیا ہوگا؟" میں نے تاریکی میں اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے پنڈت مرلی دھر سے پوچھا۔

"ان پہاڑیوں میں تم اسے تلاش نہیں کرسکتے۔" مرلی دھر نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے۔ تم آگے چلتے رہو۔ ہم تم سے پوچھ لیں گے کہ وہ کہاں گیا ہے۔" میں نے اسے دھکا دیا اور پھر روپ متی کو اشارہ کیا۔

روپ متی ہمیں راستہ بتاتی رہی اور ہم اونچے نیچے ناہموار راستے پر ٹھوکریں کھاتے ہوئے چلتے رہے۔ میں نے پنڈت مرلی دھر کو پستول کی زد پر لے رکھا تھا اور دوسرے ہاتھ سے جانکی کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھا۔

ہم تقریباً ایک گھنٹے میں اپنی کار کے پاس پہنچ سکے تھے۔ جانکی اس وقت تک اپنے آپ کو سنبھال چکی تھی لیکن وہ

شاید مجھ سے ناراض تھی۔ راستے بھر اس نے مجھ سے بات نہیں کی تھی۔

روپ متی نے اسٹیئرنگ سنبھال لیا۔ میں اور جانکی پنڈت مرلی دھر کو اپنے بیچ میں لے کر پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئے۔ روپ متی نے اپنا پستول جانکی کے حوالے کردیا تھا۔

شہر کے بعض علاقے سنسان تھے اور بعض جنگلوں پر خاصی چہل پہل دکھائی دے رہی تھی۔ کار جب حویلی میں داخل ہوئی تو اس وقت رات کا ایک بج رہا تھا۔

جانکی اور روپ متی تو برآمدے والے دروازے کی طرف چلی گئیں اور میں دیوان سنگھ کے ساتھ پنڈت مرلی دھر کو لے کر پچھلی طرف ایک گیراج میں آگیا۔ دیوان سنگھ سمجھ گیا تھا کہ اس پنڈت کو یہاں لانے کا کیا مقصد ہو سکتا تھا۔

"ہاں تو پنڈت مرلی دھر عرف پرشو رام۔" میں نے مرلی دھر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "اب تم یہ بتاؤ گے کہ دارا مندر سے فرار ہو کر کہاں گیا ہے؟"

"وہ میرا گرو ہے اور میں اپنے گرو کے بارے میں تمہیں کچھ نہیں بتاؤں گا۔" پنڈت مرلی دھر نے جواب دیا۔

"حیرت انگیز۔" میں نے کہا "کچھ دیر پہلے تو تم نے پنڈت ہری رام اور اس کے ساتھیوں کو بھڑکانے کی پوری کوشش کی تھی کہ ایک مسلمان نے مندر میں قدم رکھ کر دھرم کو نشٹ کردیا ہے۔ ایک ہندو لڑکی کی مسلمان سے دوستی نے تمہارے دھرم کا ستیاناس کردیا ہے اور اب تم ایک مسلمان کو اپنا گرو مان رہے ہو۔"

"یہ میرا ذاتی معاملہ ہے۔" مرلی دھر نے ڈھٹائی سے جواب دیا "میں کسی کو بھی گرو مان لوں۔ تم اعتراض کرنے والے کون ہو؟"

"تو پھر یہ بھی میرا ذاتی معاملہ ہے۔" میں نے کہتے ہوئے اس کے جبڑے پر زوردار گھونسا رسید کردیا۔ مرلی دھر لڑکھڑا گیا۔ اس کے ہونٹوں سے خون کی پتلی سی دھار بہہ نکلی تھی "میرے ذاتی معاملات میں کسی کو اعتراض کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ میں تم سے یہ پوچھ کر ہی رہوں گا کہ تمہارا گرو... کہاں گیا ہے۔"

"میں نہیں بتاؤں گا۔" مرلی دھر نے جواب دیا۔

"دیوان سنگھ۔" میں دیوان سنگھ کی طرف مڑ گیا "اس سے معلوم کرو اس کا گرو کہاں ہے۔ اس کی زبان کھلوانے کے لیے تم جو من میں آئے کرسکتے ہو۔ میں تمہیں منع نہیں کروں گا۔"

"کیوں پنڈت جی۔ کیا وچار ہے؟" دیوان سنگھ دو قدم آگے بڑھ کر مرلی دھر کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

"تم جو کرنا چاہو کرلو۔ میں کچھ نہیں بتاؤں گا۔" مرلی دھر نے جواب دیا اور پھر میری طرف دیکھتے ہوئے بولا "مجھے تم نے تمہارے بارے میں سب کچھ بتا دیا ہے۔ تم اپنے بارے میں بہت بڑی خوش فہمی میں مبتلا ہو۔ تھائی لینڈ اور سنگاپور کے بدمعاشوں کو اپنے ساتھ ملا کر قتل و غارت کرنا اور بات ہے مگر یہ ہندوستان ہے۔ یہاں کی پولیس تم جیسے بدمعاشوں کو نمٹنا خوب جانتی ہے اور میرا خیال ہے پولیس کو بھی کچھ کرنے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ پنڈت ہری رام صبح ہونے تک بہت کچھ کرچکا ہوگا۔ ایک ہندو ناری کے ساتھ تمہاری یہ طوفان کھڑا کردے گی۔ تم ہندوستان کے پنڈتوں کو نہیں جانتے۔ تم دونوں کو زندہ جلا دیا جائے گا اور کوئی ان کا بال بھی بیکا نہیں بگاڑ سکے گا۔"

میں چونکے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ مرلی دھر نے مندر میں بھس میں چنگاری ڈال دی تھی۔ اپنے کرتوت چھپانے کے لیے یہ اس واقعے کو مذہبی رنگ دینے کی کوشش کرے گے۔ پچھلے چند مہینوں کے دوران میں، میں نے یہاں جو کچھ دیکھا تھا۔ یہاں کٹر ہندوؤں کی کئی انتہا پسند تنظیمیں سرگرم تھیں۔ دوسرے مذاہب سے انہیں شدید نفرت تھی۔ مسلمانوں سے انہیں خدا واسطے کا بیر تھا۔ معمولی بات کو ایشو بنا کر ہنگامے کھڑے کردیے جاتے تھے۔ بے گناہ مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلی جاتی تھی۔ کٹر اور متشدد انتہا پسند ہندوؤں کی ان مسلح تنظیموں کو سرکار کی بھی حمایت حاصل تھی۔ مختلف طریقوں سے ان کی حوصلہ افزائی کی جاتی تھی اور اس کے برعکس بے گناہ مسلمانوں کو جیلوں میں ٹھونس دیا جاتا تھا۔ مسلمانوں کے ساتھ ساتھ اب ان کٹر ہندوؤں کی عیسائیوں سے بھی نفرت بڑھتی جارہی تھی۔ ان کے گرجا جلائے جارہے تھے۔ پادریوں کو بے دردی سے موت کے گھاٹ اتارا جارہا تھا۔

میں اچھی طرح جانتا تھا کہ پنڈت ہری رام کبھی یہ نہیں چاہے گا کہ مندر میں اس کی عیاشیوں کا راز فاش ہو۔ وہ اس واقعے کو ایشو بنانے کی کوشش کرے گا۔ اگر ایسا ہوا تو بہت برا ہوگا۔

میں نے دیوان سنگھ کو اشارہ کیا۔ وہ اچانک ہی مرلی دھر پر پل پڑا۔ وہ لاتوں اور گھونسوں سے مرلی دھر کی تواضع کرتا رہا۔ اسے دو مرتبہ اٹھا کر دیوار کے ساتھ پٹخا گیا لیکن وہ بری طرح جان واقع ہوا تھا۔ ہر چوٹ پر اس کی چیخ نکل جاتی مگر وہ زبان کھولنے پر تیار نہیں ہوا۔

"یہ ایسے نہیں مانے گا حکم!" دیوان سنگھ ایک طرف ہٹتے ہوئے بولا۔ وہ پہلوان نما آدمی تھا لیکن پٹائی کرتے ہوئے خود بھی ہانپ گیا تھا مگر مرلی دھر زبان کھولنے پر تیار نہیں ہوا۔

مرلی دھر کے منہ اور ناک کے علاوہ سر سے بھی خون بہہ رہا تھا اور وہ اب بھی مجھے سنگین نتائج کی دھمکیاں دے رہا تھا۔ دیوان سنگھ چند لمحے اس کی طرف دیکھتا رہا پھر اس نے ایک طرف پڑی ہوئی رسی اٹھا کر مرلی دھر کے ہاتھ پیر باندھے اور ایک کونے میں رکھے ہوئے ٹول بکس میں سے پلاس نکال کر اس کے پیروں کی طرف بیٹھ گیا۔

"میں تمہیں آخری موقع دے رہا ہوں پنڈت!" وہ مرلی دھر کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے بولا "اب بھی کچھ بتاتے ہو یا اکھاڑ دوں تمہارے پیروں کے ناخن۔"

"نہیں۔ میں کچھ نہیں بتاؤں گا۔" مرلی دھر نے جواب دیا۔

دیوان سنگھ نے اس کا ایک پیر پکڑ لیا۔ مرلی دھر ٹانگیں جھٹک کر اپنا پیر چھڑانے کی کوشش کرنے لگا۔ میں نے آگے بڑھ کر اس کی ٹانگ پر پیر رکھ دیا۔

دیوان سنگھ نے اس کا پیر مضبوطی سے پکڑ لیا اور انگوٹھے کا ناخن پلاس کی گرفت میں لے کر زور زور سے جھٹکے دینے لگا۔ مرلی دھر کی چیخیں گیراج میں گونجنے لگیں۔ وہ بری طرح تڑپنے لگا تھا مگر دیوان سنگھ نے اس کا پیر نہیں چھوڑا۔ اس نے پلاس کو ایک زوردار جھٹکا دیا۔ انگوٹھے کا ناخن جڑ سے اکھڑ گیا اور خون کی دھار بہہ نکلی۔

دیوان سنگھ اسے چھوڑ کر کھڑا ہو گیا۔ پنڈت فرش پر لوٹتے ہوئے چیخ رہا تھا۔ اس کے انگوٹھے سے بہنے والا خون چیونٹیوں کی صورت میں ہر طرف بکھر رہا تھا۔

دیوان سنگھ نے پلاس میں پھنسا ہوا ناخن باہر پھینک دیا اور مرلی دھر کے قریب آکر کھڑا ہو گیا۔

"تمہارے پیر تو تمہارے کرموں کی طرح گندے ہیں۔" ہاتھ دھوتے ہوئے بھی گھن آتی ہے۔ اب میں تمہارے ہاتھ کے انگوٹھے کا ناخن نکالوں گا۔" وہ جھک کر بیٹھ گیا اور پلاس کو حرکت دے کر کٹکٹانے لگا۔

"نہیں نہیں۔" پنڈت مرلی دھر چیخ اٹھا "بب... بتاتا ہوں۔"

"اب ہوئی نا بات!" دیوان سنگھ اٹھ کر کھڑا ہو گیا "اب غصے کو بھاتا چھوڑو اور بولنا شروع کردو۔"

چند لمحے خاموشی رہی اور پھر پنڈت مرلی دھر نے جو کچھ بتایا وہ بہت سنسنی خیز تھا۔

"ہم سنگاپور سے دہلی پہنچے تھے۔ دو دن وہاں رہنے کے بعد جے پور آگئے۔" وہ رک رک کر کراہتے ہوئے کہہ رہا تھا "پنڈت ہری رام سے میری بہت پرانی دوستی تھی۔ مجھے یقین تھا کہ ہم کچھ دن اس کے پاس آرام سے رہ سکیں گے۔ دارا نے بھی میرے مشورے پر پنڈتوں والا بھیس اپنا لیا تھا۔ پنڈت ہری رام اس سے مل کر بہت خوش ہوا اور پھر دارا نے نجانے کس طرح اسے شیشے میں اتار لیا۔ پنڈت ہری رام کو یہ بھی پتا چل گیا کہ وہ مسلمان ہے لیکن اس نے کوئی اعتراض نہیں کیا کیونکہ دارا نے اسے نئی نئی عیاشیاں شروع کروا دی تھیں۔"

"مثلاً...؟" میں نے پوچھا۔

"دارا نے اسے ہیروئن کی لت لگا دی تھی۔" پنڈت مرلی دھر کہہ رہا تھا "پہلے تو دارا کا یہی پروگرام تھا کہ... چند روز یہاں رہ کر وہ پاکستان چلا جائے گا لیکن یہاں مندر میں پنڈتوں کی عیاشیاں دیکھ کر اس نے ایک اور منصوبہ بنا لیا۔"

"وہ کیا؟" میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"وہ مندر پر قبضہ کرنا چاہتا تھا۔" مرلی دھر بولا۔

"کیا...؟" میں اچھل پڑا۔

"اس کا منصوبہ یہ تھا کہ پنڈت ہری رام اور اس مندر میں رہنے والے دوسرے پجاریوں کو ہیروئن کا عادی بنا کر قبضے میں کرلیا جائے۔ اس طرح انہیں راستے سے ہٹا کر مندر پر قابض ہونا آسان ہو جاتا۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بولا "چند روز پہلے اس نے اپنے منصوبے پر عمل شروع کردیا تھا۔ ہفتے میں ایک دن شہر سے خوب صورت لونڈیا کو لے آیا جاتا۔ ولایتی دارو منگوایا جاتا اور اس کے ساتھ ہیروئن بھی استعمال کرائی جاتی۔ پنڈت ہری رام اس سے بہت خوش تھا۔ اس کی ہر بات ماننے لگا تھا۔ مندر کے تمام پجاریوں پر اس کا جال مضبوط ہو رہا تھا اور دارا کا خیال تھا کہ زیادہ سے زیادہ دو مہینوں میں وہ ہری رام اور اس کے ساتھیوں کا پتا صاف کردے گا۔ ان کی موت اس طرح ہوتی کہ کسی کو شبہ بھی نہ ہوتا۔ مجھے اس مندر کا پروہت بنا دیا جاتا۔ دارا پس منظر میں رہتا۔ کچھ نئے پجاری یہاں رکھے جاتے جو ہمارے قبضے میں ہوتے اور ہمارے اشاروں پر چلتے۔ میں نے مختلف مندروں میں گھوم پھر کر اپنی پسند کے پنڈتوں اور پجاریوں کی تلاش شروع کردی تھی اور کچھ پنڈتوں کو منتخب بھی کرلیا تھا لیکن ابھی انہیں کچھ نہیں بتایا تھا۔"

"بڑا خوفناک منصوبہ تھا۔" میں نے کہا "دارا اب کہاں

گیا ہوگا۔"

"اس نے کئی ٹھکانے بنا لیے ہیں۔" پنڈت مرلی دھر نے جواب دیا "مجھے کچھ اندازہ نہیں کہ وہ کہاں گیا ہوگا۔"

"دیوان سنگھ۔" میں نے کہا "اس کا ایک اور ناخن اکھاڑ دو۔"

"نہیں نہیں!" مرلی دھر چیخ اٹھا "بھگوان کے لیے مجھ پر دیا کرو۔ میں پہلے ہی تکلیف سے مرا جا رہا ہوں۔"

"تمہارے زخم کا علاج بھی کریں گے لیکن پہلے اپنے گرو کا پتا بتاؤ۔" میں نے کہا۔

"میرا وشواس کرو۔ مجھے نہیں پتا وہ کہاں گیا ہوگا۔ اس نے کئی ٹھکانے بنا رکھے ہیں۔" مرلی دھر نے کہا۔

"تمہیں جتنے بھی ٹھکانے معلوم ہیں سب بتا دو۔ ہم اسے تلاش کر لیں گے۔" میں نے کہا۔

"کالی کا مندر اور امبر میں کلیان جی کا مندر اس کے اہم ٹھکانے ہیں۔" پنڈت مرلی دھر نے جواب دیا "اس کے علاوہ اس نے شہر میں بھی ایک دو ٹھکانے بنا رکھے ہیں لیکن میں کچھ نہیں کہہ سکتا کہ وہ کہاں گیا ہوگا۔" اس نے شہر کے ان ٹھکانوں کے پتے بھی بتا دیے جہاں وارا کے پناہ لینے کی توقع کی جا سکتی تھی۔

"ٹھیک ہے۔ ہم اسے تلاش کر لیں گے۔" میں نے کہا۔

"میرا تو کوئی بندوبست کرو مہاراج۔ میں تکلیف سے مرا جا رہا ہوں۔" وہ میری طرف دیکھ کر گھگیایا۔

"تمہیں تھوڑی بہت سزا تو بھگتنی چاہیے نا۔" میں نے کہا "آج کی رات اسی طرح گزار لو۔ صبح دیکھا جائے گا۔"

میں نے دیوان سنگھ کو اشارہ کیا اور ہم دونوں گیراج سے باہر آ گئے۔ پنڈت مرلی دھر چیختا چلاتا رہا لیکن دیوان نے گیٹ بند کر کے باہر سے تالا لگا دیا۔

میں دیوان سنگھ کو برآمدے ہی میں چھوڑ کر اندر آ گیا۔ روپ متی اور جانکی ہال نما کمرے میں بیٹھی ہوئی تھیں۔ وہ دونوں لباس بدل چکی تھیں۔ جانکی نے خشمگیں نگاہوں سے میری طرف دیکھا اور رخ بدل لیا۔ روپ متی کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آ گئی۔

"سونے کا پروگرام نہیں ہے کیا۔ ڈھائی بج رہے ہیں۔" میں نے دیوار گیر کلاک کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"جانکی تم سے ناراض ہے اور اسی ناراضگی کی وجہ سے کھانا بھی نہیں کھا رہی۔ حالانکہ اس نے خود ہی بتایا تھا کہ اسے دن بھر بھوکا رکھا گیا تھا اور شام کو زبردستی اتنی شراب پلا دی گئی کہ ہمارے جانے تک بے ہوش پڑی ہوئی تھی۔" روپ متی نے کہا۔

"میں اس کی ناراضگی کی وجہ سمجھتا ہوں۔" میں نے کہا "اگر میں اسے تھپڑ نہ مارتا تو یہ ہوش میں نہ آتی اور یہ بھی ممکن تھا کہ اگر یہ مجھ سے لپٹ جاتی تو ان لوگوں کو ہمارے خلاف کچھ کرنے کا موقع مل جاتا۔ اسے تو میرا شکر گزار ہونا چاہیے کہ۔۔۔"

"ہاں۔ میں واقعی تمہاری شکر گزار ہوں کہ تم نے تھپڑ مار کر میرا منہ سجا دیا۔" جانکی نے روٹھے ہوئے لہجے میں کہا "ابھی تک میرا جبڑا دکھ رہا ہے اور گال پر تمہاری انگلیوں کے نشان پڑ گئے ہیں۔"

"سوری ڈیئر۔" میں نے کہا "سچویشن کا تقاضا یہی تھا اگر میں تمہیں تھپڑ مار کر ہوش میں نہ لاتا تو شاید صورت حال کچھ اور ہوتی۔ ایک بار پھر سوری۔ اب مسکرا دو۔ جلدی کرو۔"

بات جانکی کی سمجھ میں آ گئی تھی اور پھر اس نے مسکرانے میں دیر نہیں لگائی تھی۔ روپ متی نے مندری کی آواز دے کر کھانا لگانے کو کہا۔

اور پھر کچھ ہی دیر بعد ہم تینوں ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھے کھا رہے تھے۔

○☆○

صبح سویرے ہی ٹھاکر بھانوت سنگھ کا فون آ گیا۔ کال ریسیو نے ہی ریسیو کی تھی۔ دراصل روپ متی اور جانکی رات اوپر والے کمرے میں جا کر سو گئی تھیں اور میں ہال نما کمرے کے صوفے پر ہی لیٹ گیا تھا۔ فون کی گھنٹی بجی تو میں نے اٹھ کر ریسیور اٹھا لیا۔ اس وقت صبح کے چھ بج رہے تھے۔ ٹھاکر بھانوت سنگھ میری آواز پہچانتے ہی بولا۔

"کل رات رام گڑھ حویلی والے مندر میں تم لوگوں کوئی پھڈا ہو گیا تھا؟"

"ہاں مگر تمہیں صبح ہی صبح کیسے پتا چل گیا۔" میں نے پوچھا۔

"بعد میں بتاؤں گا۔ پہلے تم بتاؤ کیا معاملہ تھا؟" ٹھاکر نے پوچھا۔

"کل دن میں جانکی کو گنیش دیوتا کے مندر سے اغوا کر لیا گیا تھا۔" میں نے جواب دیا اور پھر اسے سارے واقعے کی تفصیل بتانے لگا۔ آخر میں، میں کہہ رہا تھا "وارا میرے باپ کا ہتھیارا ہے۔ میں بہت عرصے سے اس کے پیچھے لگا ہوں۔ تمہیں تفصیل بعد میں کسی وقت بتاؤں گا۔ مختصر یہ ہے کہ وارا پنڈت مرلی دھر کے ساتھ سنگاپور سے فرار ہو گیا تھا اور دو چار روز پہلے اچانک ہی جانکی کی نظروں میں آ گیا۔ ہم اسے پکڑ کر وارا کے بارے میں معلوم کرنا چاہتے تھے مگر آج اس کا داؤ چل گیا اور وہ اسے اغوا کر کے لے گیا۔

ہمیں پتا چل گیا کہ جانکی کو کہاں لے جایا گیا ہے۔ رات میں اور روپ متی اسے چھڑانے کے لیے رام جھیل والے مندر پہنچ گئے اور وہاں ہم نے جو کچھ بھی کیا، جو کچھ بھی ہوا وہ میں ٹیلی فون پر نہیں بتا سکتا لیکن آپ کے پتا چل گیا؟"

"تھوڑی دیر پہلے میرے ایک دوست کا فون آیا تھا۔ وہ ٹریفک رپورٹر ہے۔" ٹھاکر بھانوت سنگھ نے جواب دیا "وہ بتا رہا ہے کہ میں آج کل روپ متی کو دلدل سے نکالنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ اس نے بتایا تھا کہ روپ متی کی زندگی خطرے میں ہے۔ تفصیل بتانے کا وقت نہیں ہے۔ جتنی جلد ہو سکے تم لوگ وہاں سے نکل جاؤ۔ روپ متی سے کہو وہ اپنے ساتھ ان کو لے کر میری آگرہ مارگ والی حویلی میں پہنچ جائے۔ یہ حویلی آگرہ مارگ سے بھرت پور جانے والی سڑک سے تھوڑی ہی آگے ہے۔ روپ متی نے وہ جگہ دیکھی ہوئی ہے۔ اب تم لوگ زیادہ سے زیادہ آدھے گھنٹے میں وہاں سے نکل جاؤ۔ میں حویلی میں اپنے ملازموں کو فون کر دیتا ہوں۔ وہ تمہارا خیال رکھیں گے اور باقی باتیں وہیں پر ہوں گی۔"

میں کچھ کہنا چاہتا تھا مگر دوسری طرف سے لائن کٹ گئی۔ میں نے ریسیور رکھ دیا اور دوڑتا ہوا اوپر پہنچ گیا۔ روپ متی ایک ہی بیڈ پر سو رہی تھیں۔ انہیں مجھے خاصی دشواری پیش آئی تھی اور جب میں نیند کی آغوش میں جا چکی تھی۔

تھوڑی ہی دیر میں روپ متی اور جانکی بھی نیچے آ گئیں۔ اس وقت خاصی بدحواس ہو رہی تھی۔ حالانکہ وہ بہت مختلف دکھائی دی تھی۔

روپ متی نے ایک پوٹلی بھی اٹھا رکھی تھی جس میں جانکی کے لیے چند جوڑے باندھ لیے تھے۔ ہم نے وہ بھی ساتھ لے لیا۔

پنڈت مرلی دھر کو بھی اٹھا کر بیچارہ۔۔۔ میں ڈال دیا گیا۔ اس پر پھول کر کپا ہو رہا تھا۔ تارا سنگھ اور دیوان سنگھ کو حالات سنبھال سمجھا کر یہیں چھوڑ دیا گیا تھا۔ روپ متی کے ساتھ جانکی نیند کا شمار تھا۔ اس لیے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔

آگرہ مارگ تک تو میں آسانی سے پہنچ گیا اور پھر روپ متی کے کہنے پر میں نے گاڑی دائیں طرف موڑ لی اور اس کے تقریباً پندرہ منٹ بعد ہم بھرت پور کی طرف جانے والی ہائی وے پر نکل آئے۔

اس شاہراہ کے دونوں طرف اونچے نیچے ٹیلوں پر پرانی عمارتیں تھیں۔ عمارتوں کے درمیان خاصا فاصلہ تھا اور ہر عمارت کے گرد لمبی چوڑی جگہ بھی باؤنڈری وال میں گھری ہوئی تھی۔

تقریباً ایک میل کا فاصلہ طے کرنے کے بعد روپ متی کے اشارے پر میں نے گاڑی بائیں طرف سڑک پر موڑ لی۔ اس سڑک کے دائیں بائیں ٹیلوں پر قدیم عمارتیں تھیں۔ ہمیں اس سڑک پر زیادہ آگے نہیں جانا پڑا۔

"آگے سیدھے ہاتھ پر موڑ لینا۔" روپ متی نے اشارہ کرتے ہوئے کہا "وہ ٹیلے پر جو حویلی نظر آ رہی ہے وہی ہماری منزل ہے۔"

میں نے ٹیلے کی طرف جانے والے راستے پر گاڑی موڑ لی۔ ٹیلا زمین کی سطح سے چند میٹر ہی بلند تھا اور سامنے ہی وہ قدیم حویلی نظر آ رہی تھی جسے دیکھ کر ذہن میں عجیب سا تاثر ابھرتا تھا۔

حویلی کے چاروں طرف ایکڑوں کے حساب سے زمین گھری ہوئی تھی اور ناریل کے لاتعداد درخت نظر آ رہے تھے۔ حویلی کے گرد چار دیواری پانچ چھ فٹ سے زیادہ بلند نہیں تھی۔ گیٹ پر ایک آدمی ہمارا منتظر تھا۔ اس نے گاڑی دیکھتے ہی گیٹ کھول دیا۔ وہ شخص خالص راجستھانی لباس میں تھا۔ سر پر نیلے رنگ کی بل کھاتی ہوئی پگڑی تھی۔ کمر پر چمڑے کا چوڑا بیلٹ تھا جس کے بائیں طرف ہولسٹر میں ریوالور کا دستہ بھی نظر آ رہا تھا۔

حویلی کی عمارت وہاں سے تقریباً سو گز کے فاصلے پر تھی۔ میں نے کشادہ پورچ میں گاڑی روک لی اور انجن بند کر دیا۔

برآمدے میں اسی حلیے کا ایک اور ملازم بھی کھڑا تھا۔ وہ جلدی سے ہمارے قریب آ گیا۔ دونوں ہاتھ جوڑ کر روپ متی اور ہم سب کو پرنام کیا۔

"گاڑی میں کوئی سامان ہے راج کماری جی؟" اس نے روپ متی کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں۔ وہ پیچھے رکھا ہے۔ اتار لو۔" روپ متی نے پیچھے سامان رکھنے کی جگہ پر پڑے ہوئے پنڈت کی طرف اشارہ کیا۔

اتنے میں دوسرا ملازم بھی وہاں پہنچ گیا تھا۔ وہ دونوں پنڈت مرلی دھر کو دیکھ کر اچھل پڑے۔

"رام۔۔۔ رام۔۔۔ رام۔۔۔" ان میں سے ایک ہاتھ

جوڑتے ہوئے بولا "پنڈت جی۔ یہ آپ کو کیا ہوگیا۔ آپ کا ایک پایہ کس نے توڑ دیا۔"

"اسے اٹھا کر کسی کمرے میں ڈال دو۔ ٹھاکر آئے گا تو اس کے پائے کی مرمت کی جائے گی۔" روپ متی نے کہا۔

وہ دونوں پنڈت کو گاڑی سے نکال کر ڈنڈا ڈولی کرتے ہوئے اندر لے گئے۔ میں پورچ سے نکل کر کھلی جگہ پر آگیا۔ بہت خوب صورت لان بنے ہوئے تھے۔ گھری سبز گھاس خاصی دبیز تھی۔ لانز کے کناروں پر پھولوں کے پودوں کی کیاریاں تھیں۔ ناریل کے درخت بھی بڑے سلیقے سے قطاروں میں لگے ہوئے تھے۔ ہر لان کے وسط میں سات سات درختوں کا جھنڈ تھا۔ جس سے اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ باغبانی کے لیے بڑی پلاننگ سے کام لیا گیا تھا۔

حویلی کی عمارت بہت پُرشکوہ اور بہت شان دار تھی۔ میں اپنے دھیان میں حویلی کو دیکھتا ہوا دائیں طرف نکل گیا اور پھر آہٹ سن کر پیچھے مڑ کر دیکھا تو جانکی بھی میرے پیچھے پیچھے چلی آرہی تھی۔ اس کے بال بکھرے ہوئے اور آنکھیں سرخ تھیں۔

ہم حویلی کے پچھلی طرف آگئے۔ حویلی کے عقب میں کم از کم دو ایکڑ زمین چار دیواری میں گھری ہوئی تھی اور یہاں کا منظر کچھ زیادہ ہی دلچسپ تھا۔ یوں تو چاروں طرف برفی کی ٹکڑیوں جیسی آہنی جالی کا جنگلا تھا مگر آدھے حصے پر جالی کی چھت تھی جو زمین سے کم از کم بیس فٹ اونچی تھی اور اس حصے میں بیس بائیس مور ٹہل رہے تھے۔ دو تین مور تو پر پھیلائے اپنی دُھن میں مست ناچ رہے تھے۔ دوسرے حصے میں ایک درجن سے زائد ہرن ٹہل رہے تھے۔ ان میں تین کالے ہرن تھے۔ راجستھان میں مور اور ہرن بڑی تعداد میں پائے جاتے ہیں اور کالے ہرن کو بہت قیمتی سمجھا جاتا ہے۔ ہرنوں والے جنگلے میں مرغیاں اور مرغے بھی ٹہل رہے تھے۔

ہم حویلی کی لمبی چوڑی عمارت کے پچھلی طرف آگئے۔ اس طرف بھی ایک وسیع برآمدہ تھا جس میں بانس کی کھپچیوں کی ایک میز اور کئی کرسیاں پڑی ہوئی تھیں۔ برآمدے والا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ ہم اسی دروازے سے اندر آگئے۔

مندری کالو رام نامی ایک ملازم کے ساتھ کچن میں مصروف ہوگئی تھی۔ ان دونوں ملازمین کو ٹھاکر نے ہمارے بارے میں پہلے سے اطلاع دے دی تھی۔ روپ متی حویلی کے مرکزی ہال میں صوفے پر بیٹھی ہوئی تھی اور کپڑوں والی پوٹلی بھی اس کے قریب ہی رکھی ہوئی تھی۔

"بھوجن تیار ہورہا ہے راج کماری۔" دوسرے ملازم نے قریب آکر کہا "آپ لوگ اشنا میں نے سب چیزیں رکھ دی ہیں۔"

اور پھر اس نے ہمیں تین مختلف کمروں میں پہ کمرے کے ساتھ اٹیچ باتھ روم تھا جس میں ضرورت موجود تھی۔ یہ حویلی اگرچہ بہت پرانی تھی لیکن ضرورت کے مطابق تبدیلیاں کی گئی تھیں۔

ایک گھنٹے بعد ہم ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھے ناشتہ تھے۔ کالو اور شنکر جس طرح روپ متی کے ساتھ چپ تھے۔ اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ پہلے بھی یہاں ہے اور یہ ملازم اسے بہت اچھی طرح جانتے تھے۔

ناشتے کے بعد میں اور جانکی گھوم پھر کر حویلی د بہت بڑی حویلی تھی۔ کئی راہداریاں اور کئی کمرے والے حصے پر بھی کئی کمرے تھے۔ میرے اندازے ساٹھ ستّر افراد بیک وقت یہاں قیام کرسکتے تھے۔

ہم گھوم پھر کر مرکزی ہال میں آگئے جہاں ر شنکر سے باتیں کررہی تھی۔ شنکر اس کے سامنے ہا مؤدبانہ انداز میں کھڑا تھا۔

ٹھاکر بھانوت سنگھ کے بارے میں مجھے اس ر رادھا نے بتایا تھا کہ وہ روپ متی کا دوست اور اس سے زیادہ میں کچھ نہیں جان سکا تھا۔ مجھے اس میں کچھ صحیح اندازہ نہیں ہوسکا تھا لیکن اب یہ شا دیکھ کر میں اندازہ لگا سکتا تھا کہ بھانوت سنگھ کتنا ہوگا۔

"تم نے ٹھاکر بھانوت سنگھ کے بارے میں کچھ بتایا۔" میں نے شنکر کے وہاں سے ہٹنے کے بعد ر پوچھا "میں نے اس کی شہر والی حویلی تو نہیں دیکھی حویلی کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ اس کا تعلق بھی کے خاندان سے ہے۔"

"ٹھاکر بھانوت سنگھ کا دادا الفت سنگھ مہا مادھو سنگھ کا دیوان تھا۔ ۱۹۲۲ء میں مادھو سنگھ کے بعد مہاراجا سوائے مان سنگھ ثانی نے گدی نشین سنگھ کی خدمات کو جاری رکھا گیا۔ ۱۹۲۴ء میں ا دیسانت ہوگیا تو دیوان کا عہدہ اس کے بیٹے دولت دے دیا گیا۔ ۱۹۴۷ء میں ریاستی راج پاٹ ختم سرکار کی طرف سے راجا مان سنگھ کا وظیفہ مقر دولت رام سنگھ اس وقت بھی راجا کا دیوان تھا

انت (انتقال) ہوا تو بھانوت سنگھ کی عمر اس وقت سال تھی۔ یہ حویلی۔" اس نے اِدھر اُدھر دیکھا راجا سوائے مادھو سنگھ نے اس کے دادا کو تحفے میں جو اس زمانے میں کچھ عرصہ آباد رہی پھر ویران ں۔ یہ لوگ دوبارہ اپنی شہر والی آبائی حویلی میں چلے

نوت سنگھ کی ماتا جی بڑی ذہین عورت تھی۔ اس نے ع نہیں کی۔ اپنا سرمایہ کاروبار میں لگا دیا۔ جس سے نافع ملتا رہا۔

اجی کا انتقال ہوا تو بھانوت سنگھ نے میٹرک کا کیا تھا۔ اس نے نہ صرف تعلیم جاری رکھی بلکہ چھوڑے ہوئے کاروبار کو بھی سنبھال لیا اور مرزا ل جیسے پوش اور بارونق علاقے میں ایک بہت بڑا ل بھی ٹھول لیا اور اس حویلی کو بھی ریزویٹ چھ عرصے تک یہ حویلی بھی ٹورسٹ گیسٹ ہاؤس استعمال ہوتی رہی لیکن پھر بھانوت سنگھ نے اسے ے لیے مخصوص کرلیا۔ وہ ویک اینڈ اس حویلی میں ہے۔ اس کے ساتھ بعض اوقات چند دوست بھی ۔ یوں تو حویلی کی ہر چیز شان دار ہے مگر اس کا ل بہت خوب صورت ہے۔"

ٹمنگ پول۔" میں نے حیرت کا مظاہرہ کیا "کیا پول کسی تہ خانے میں ہے۔ ہم تو ادھر سے حویلی گھومتے ہوئے آئے ہیں۔ ہمیں تو کہیں نظر نہیں نگ پول۔"

ٹمنگ پول اسی طرف ہے۔" روپ متی نے ے بتایا "میرا خیال ہے تم لوگ اس طرف نہیں

را ابھی تک نہیں آیا۔" میں نے موضوع بدلتے اس نے فون پر کہا تھا کہ وہ خود بھی یہاں آجائے

ئے گا۔ ہوسکتا ہے کسی اور کام سے نکل گیا ہو۔" نے جواب دیا "اوہ۔ میں تمہیں سوئمنگ پول

ر کر برآمدے سے دائیں طرف مڑ گئے اور حویلی ف گھومتے ہی میں ٹھٹک کر رک گیا۔ کٹڈنی شیپ سوئمنگ پول تھا جس میں بھرا ہوا شفاف پانی چمک رہا تھا۔ ایک طرف دس بارہ فٹ کی بلندی پر کے لیے تختے لگے ہوئے تھے۔ پول کے کناروں کے ساتھ ساتھ ناریل کے درخت تھے اور باقی حصے پر دبیز گھاس کے لان تھے۔ لکڑی کے تختوں کی رنگ برنگی لمبی کرسیاں کناروں کے ساتھ ساتھ رکھی ہوئی تھیں۔ ایک طرف واش رومز بھی بنے ہوئے تھے۔ سوئمنگ پول واقعی بہت شان دار تھا۔

ہم ابھی اس طرف ٹہل رہے تھے کہ باہر کسی گاڑی کی آواز سنائی دی۔ میں نے مڑ کر اس طرف دیکھا۔ شنکر تقریباً دوڑتا ہوا گیٹ کی طرف جارہا تھا اور پھر اس نے جیسے ہی گیٹ کھولا سیاہ رنگ کی ایک شان دار کار اندر داخل ہوئی۔ میں نے ڈرائیونگ سیٹ پر ٹھاکر بھانوت سنگھ کو دیکھ لیا تھا۔ ہم بھی پورچ کی طرف آگئے۔

اس وقت دس بج رہے تھے۔ بھانوت سنگھ کار سے اترتے ہی دیر سے آنے پر معذرت کرنے لگا اور پھر ہم باتیں کرتے ہوئے اندر آگئے۔

"معاملہ خاصا گمبھیر ہوگیا ہے۔" رسمی گفتگو کے بعد اس نے اصل موضوع پر آتے ہوئے کہا "میرا دوست وشنو ایک انگلش ایونگر کا رپورٹر ہے۔ یہ اخبار دوپہر بارہ بجے کے قریب مارکیٹ میں آجاتا ہے۔ وشنو قتل کی ایک اطلاع ملنے پر تفصیل حاصل کرنے کے لیے پولیس ہیڈ کوارٹر گیا تھا۔ وہاں رام گڑھ جھیل والے مندر کا پروہت ہری رام اور تین اور پنڈت بھی بیٹھے ہوئے تھے جن میں دو زخمی تھے۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا "پنڈت ہری رام نے پولیس کو ایک بڑی دلچسپ کہانی سنائی تھی۔ اس کے کہنے کے مطابق راج کماری روپ متی ایک مسلمان مرد کے ساتھ مندر کے ایک اندرونی حصے میں رنگ رلیاں منا رہی تھی۔ ایک پجاری نے انہیں دیکھ لیا اور ہری رام کو اطلاع کردی۔ رنگے ہاتھوں پکڑے جانے پر دونوں کڑ ہوگئے مگر شرمندہ ہونے کے بجائے وہ پنڈتوں پر چڑھ دوڑے اور مارپیٹ شروع کردی۔ راج کماری روپ متی کے مسلمان یار نے ایک پنڈت کو ٹانگ پر گولی مار دی اور دوسرے نے پنڈت کی ناک کا بانسا توڑ دیا اور اس کی مونچھیں اکھاڑنے کی کوشش کی جس سے وہ مزید زخمی ہوگیا۔ مزید برآں وہ پرشو رام نامی ایک پنڈت کو اغوا کرکے لے گئے۔ پنڈت ہری رام نے دھمکی دی ہے کہ اگر چوبیس گھنٹوں کے اندر اندر راج کماری روپ متی اور اس کے مسلمان عاشق کو گرفتار کرکے مغوی پنڈت کو بازیاب نہ کیا گیا تو شہر کے تمام مندروں کے پنڈت خود کارروائی کریں گے۔

"میرے دوست وشنو نے پولیس اسٹیشن سے نکلتے ہی

ایک پبلک بوتھ سے مجھے فون کردیا۔ وہ جانتا ہے کہ میں آج کل پھر روپ متی کو دلدل سے نکالنے کی کوشش کررہا ہوں۔ یہ بات تو میں نہیں مانتا کہ تم دونوں مندر میں رنگ رلیاں منا رہے ہو گے لیکن بہرحال' میں اصل بات جاننا چاہتا ہوں۔" وہ خاموش ہو کر باری باری ہماری طرف دیکھنے لگا۔

میں نے بھی جانگی اور روپ متی کی طرف دیکھا اور چند لمحوں کی خاموشی کے بعد اسے اصل واقعات سے آگاہ کرنے لگا۔ آخر میں' میں کہہ رہا تھا۔

"ہمیں جس شخص کی تلاش تھی' وہ تو بھاگ گیا لیکن اس کا ساتھی پنڈت پرشو رام ہمارے ہاتھ آگیا۔ اس کا اصل نام مرلی دھر ہے۔"

"کہاں ہے وہ؟" ٹھاکر نے پوچھا۔

"ہم اسے اپنے ساتھ لے آئے ہیں۔ وہ اس حویلی میں ہے۔" میرے بجائے روپ متی نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے۔ دیکھتا ہوں اسے لیکن صورت حال خاصی گمبھیر ہوگئی ہے۔" ٹھاکر نے کہا "پنڈتوں اور پجاریوں کے کرتوتوں سے سب ہی لوگ واقف ہیں۔ وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ یہ مندر عیاشی کے اڈے بنے ہوئے ہیں لیکن کسی میں ان کے خلاف آواز اٹھانے کی جُرات نہیں۔ اگر کبھی ایسی کوئی بات ہوتی ہے تو یہ پنڈت اور پجاری دھرم کی آڑ لے کر ننگے ہنگامے شروع کردیتے ہیں اور ظاہر ہے دھرم کے نام پر کچھ بھی کیا جاسکتا ہے۔ یہ معاملہ بھی خاصا گمبھیر ہے۔ پنڈت ہری رام اپنے آپ کو بچانے اور تم دونوں کو پھنسانے کی پوری کوشش کرے گا لیکن اگر یہ ثابت کردیا جائے کہ مندر میں رنگ رلیاں تم لوگ نہیں' وہ منا رہے تھے تو بات بن سکتی ہے۔"

"ہم ثابت کرسکتے ہیں۔" روپ متی نے کہا۔

"وہ کیسے؟" ٹھاکر نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"پنڈت پرشو رام عرف مرلی دھر ہمارے قبضے میں ہے۔" روپ متی نے کہا "اس کے علاوہ میں ان دو لڑکیوں کو بھی جانتی ہوں جو ان کے ساتھ داد عیش دے رہی تھیں۔ ان کے ساتھ کچھ اور لڑکیاں بھی تھیں۔ انہیں عیاشی کے لیے شہر سے اس مندر میں لے جایا گیا تھا۔ وہ بتا سکتی ہیں کہ وہاں کیا ہو رہا تھا۔"

"لیکن وہ پنڈت ہری رام کے خوف سے زبان نہیں کھولیں گی۔" ٹھاکر نے کہا۔

"اگر انہیں تحفظ کی ضمانت دی جائے تو وہ سب کچھ بتا سکتی ہیں۔" روپ متی نے کہا۔

"کون ہیں وہ؟" ٹھاکر نے پوچھا۔

"ایک کا نام لاجونتی ہے۔ اس نے ایم اے کی ہوئی ہے۔ ٹورسٹ ہوٹل میں ایک کمرا مستقل طور پر کرائے پر رکھا ہے۔ یہی اس کا ہیڈ کوارٹر ہے۔ وہ بڑے بڑے ہوٹلوں اور گیسٹ ہاؤسز میں گھومتی رہتی ہے اور گاہکوں کو پھانس کر اسی ہوٹل میں لے جاتی ہے۔ دوسری لڑکی کا نام ریکھا ہے۔ وہ جے پور کلب میں رقاصہ ہے۔ کل رات وہی ان لوگوں کے سامنے ڈانس کررہی تھی۔ لاجونتی اسے اچھی طرح جانتی ہے۔ دوسری لڑکیوں کے بارے میں بھی ان سے پوچھا جاسکتا ہے۔"

"کچھ کرنا پڑے گا۔" ٹھاکر بھانوت سنگھ نے کہا "خبر جب اخباروں میں چھپے گی تو اچھا خاصا ہنگامہ اٹھ کھڑا ہوگا۔ پنڈت ہری رام اپنے آپ کو بچانے کے لیے مذہبی جذبات بھڑکائے گا اور تم لوگ جانتے ہو کہ ایسے موقع پر وہ لوگ آگے آجاتے ہیں جن کا دھرم سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہوتا اور اس سے پہلے کہ صورت حال سنگین ہوجائے ہمیں کچھ کرنا ہوگا۔ بہرحال' پنڈت پرشو رام کہاں ہے؟"

شنکر نے اسے پیچھے کسی کمرے میں ڈال دیا۔" روپ متی نے جواب دیا۔

"میں ذرا اسے دیکھ لوں پھر بات کرتے ہیں۔" ٹھاکر اٹھتے ہوئے اٹھ گیا اور میں نے بھی اس کے ساتھ ہی جانے کی ٹھان لی۔

پنڈت مرلی دھر حویلی کے پچھلی طرف ایک کمرے کے فرش پر پڑا ہوا تھا۔ اس کے پیر اور ہاتھ بھی پشت پر بندھے ہوئے تھے۔ ایک پیر خون آلود تھا اور کپڑے کی طرح پھٹا ہوا تھا۔ وہ فرش پر پڑا کراہ رہا تھا۔ اسے رات کو بھی ہم نے کھانے کو نہیں دیا تھا اور صبح شنکر نے بھی ناشتا نہیں دیا تھا بلکہ پانی تک نہیں پلایا تھا۔ وہ فرش پر پڑا ہوا کراہ رہا تھا۔

"تمہارے پیر کو کیا ہوا؟" ٹھاکر بھانوت سنگھ نے جائزہ لیتے ہوئے پوچھا۔

"کل رات یہ مندر سے نکل کر پہاڑیوں میں بھاگ گیا تھا۔" مرلی دھر سے پہلے میں بول پڑا "ننگے پیر تھا' اندھیرے میں ٹھوکر لگی تو ناخن اکھڑ گیا۔"

"میرا ناخن اس نے اکھاڑا ہے۔" مرلی دھر نے کہا "انہوں نے مجھے بہت مارا ہے۔ مجھے رات سے کچھ کھانے کو نہیں دیا۔ ایک گھونٹ پانی بھی نہیں دیا۔ میری مدد کرو ورنہ میں مرجاؤں گا۔"

ٹھاکر نے میری طرف دیکھا۔

"وہ دراصل بات یہ ہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا "ٹھوکر لگنے سے اس کے انگوٹھے کا ناخن اکھڑ گیا تھا۔ جس سے اسے تکلیف ہورہی تھی۔ دیوان نے پلاس سے ناخن اکھاڑ دیا۔ ہمارے پاس کوئی مرہم ملا نہیں تھا جو لگا دیتے۔ بس اس سے اس کا پیر پھول گیا ہے۔ معمولی سی تکلیف ہے ٹھیک ہوجائے گا۔"

"ظالم آدمی ہے۔ مجھے مار ڈالے گا حکم۔" پنڈت مرلی دھر ہماری طرف دیکھتے ہوئے پھر چیخ اٹھا "رحم کرو مجھ پر۔ اس نے جو کچھ پوچھا میں نے بتا دیا۔ مجھے بچا لو اس سے۔"

"اب تمہیں کچھ نہیں ہوگا۔" ٹھاکر بھانوت سنگھ نے کہا "لیکن تم مجھے بتاؤ مندر میں کیا ہوا تھا۔ میں سچ سننا چاہتا ہوں اگر ایک لفظ بھی غلط ہوا تو میں تمہارے باقی ناخن ہی نہیں شریر کی کھال بھی ادھیڑ ڈالوں گا۔"

"رام رام۔۔۔ رام رام۔۔۔" پنڈت مرلی دھر چیخ اٹھا "تم تو اس سے بھی کڑے نکلے۔ پانی۔۔۔ مجھے پانی دو۔۔۔ اور وید کو بلاؤ۔ میرا پیر۔۔۔ میں مرا جارہا ہوں۔"

"شنکر پانی پلاؤ اسے۔" ٹھاکر نے کہا پھر مرلی دھر کی طرف مڑ گیا "وید کو بھی بلاؤں گا اور تمہیں کھانا بھی کھلایا جائے گا مگر پہلے بتاؤ مندر میں کیا ہوا تھا؟"

"میں نردوش ہوں حکم۔" مرلی دھر بولا "وہ حرامی دارا مجھے لالچ دے کر سنگاپور سے لایا تھا اور پھر یہاں بھی اس نے مجھے لالچ دیا کہ مجھے مندر کا پروہت بنا دے گا۔ وہ سالا حرامی۔۔۔ مجھے پھنسا کر بھاگ گیا۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر وہ سب کچھ بتانے لگا جو اس نے مجھے بتایا تھا۔ البتہ بعض باتیں ایسی تھیں جن کا مجھے پہلے علم نہیں ہوسکا تھا۔ آخر میں وہ کہہ رہا تھا "دارا نے پاکستان جانے کا خیال دل سے نکال دیا تھا۔ وہ اس مندر پر ہر صورت میں قبضہ کرنا چاہتا تھا اور اگلے چار مہینوں میں اپنے مقصد میں کامیاب بھی ہوجاتا۔"

"یوں تو ہم جانتے ہیں کہ مندروں میں کیا ہوتا ہے۔ پنڈتوں کے کرموں سے بھی واقف ہیں۔ تم یہ بات ٹھیک طرح بتاؤ کہ رام گڑھ جھیل والے مندر میں شراب اور لڑکیاں کون لے کر جاتا تھا۔" ٹھاکر نے پوچھا۔

اس دوران میں شنکر پانی لے آیا۔ اس کے ایک ہاتھ میں گلاس تھا اور دوسرے میں جگ۔ اس نے دونوں چیزیں فرش پر رکھ دیں اور مرلی دھر کو سہارا دے کر اٹھا دیا اور دوسرے ہاتھ سے جگ اٹھا کر اس کے ہونٹوں سے لگا دیا۔ کچھ پانی اس کے منہ میں گیا۔ زیادہ اس کی ٹھوڑی اور گردن کو تر کرتا ہوا سینے پر بہنے لگا۔

شنکر نے ٹھاکر کے کہنے پر اس کے پیروں کی رسی بھی کھول دی۔

"وہ۔۔۔ وہ لڑکیاں میں لے جاتا تھا اور۔۔۔ پنڈت بھولا ناتھ۔" پنڈت مرلی دھر نے کہا "ولایتی دارو بھی ہم دونوں ہی لاتے تھے۔ چند روز پہلے پنڈت ہری رام کسی دھن وان کے ساتھ جے پور کلب چلا گیا تھا۔ وہ وہاں تھوڑی دیر ہی رہا مگر اس نے ریکھا کو وہاں رقص کرتے ہوئے دیکھ لیا اور اسی کی فرمائش پر کل رات ہی ریکھا کو لے کر آیا تھا۔ اس نے کلب میں ایک ہفتے کے پروگراموں کے معاوضے کے برابر رقم لی تھی۔ وہ زیادہ بھی مانگتی تو ہری رام دے دیتا۔ وہ تو اس کا ناچ دیکھنا چاہتا تھا اور کل رات جب محفل میں رنگ آرہا تھا تو یہ سورما اس ناری کو لے کر وہاں پہنچ گیا۔"

"کیا تم یہ سب کچھ پولیس کے سامنے کہہ سکتے ہو۔" ٹھاکر نے کہا۔

"وہ۔۔۔ وہ مجھے مار ڈالے گا۔" پنڈت مرلی دھر کے چہرے پر خوف کے سائے ابھر آئے "پنڈت ہری رام مجھے زندہ نہیں چھوڑے گا۔"

"پنڈت ہری رام پولیس کی تحویل میں ہے۔" ٹھاکر بھانوت سنگھ نے کہا "اس نے جو بیان دیا ہے وہ تم سے بہت مختلف ہے۔"

"کک۔۔۔ کیا۔۔۔" مرلی دھر ہکلایا "ہری رام کو پولیس نے پکڑ لیا۔ اس نے کیا بولا۔"

"اس نے بولا کہ تم اور دارا آوارہ عورتوں کو لے کر مندر میں آئے تھے اور ان کے ساتھ رنگ رلیاں منا رہے تھے۔ اس نے یعنی پنڈت ہری رام نے منع کیا تو تم نے اور دارا نے ان پر حملہ کردیا۔ دو پنڈتوں کو زخمی کردیا اور مندر سے قیمتی چیزیں چرا کر بھاگ گئے۔"

"وہ حرامی ایسا بولا۔" پنڈت مرلی دھر کے حلق سے غراہٹ سے ملتی جلتی آواز نکلی "وہ جھوٹا ہے۔ مکار۔ بدمعاش۔ اپنے آپ کو بچانا چاہتا ہے۔ مندر جیسی پوتر جگہ کو اس نے عیاشی کا اڈا بنا رکھا ہے۔ میں۔۔۔ میں پولیس کو بتاؤں گا۔ لوگوں کو بتاؤں گا کہ اس کے اصل کرتوت کیا ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔" ٹھاکر نے گہرا سانس لیا "آج شام تک یا کل صبح تمہیں پولیس کے سامنے پیش کردیا جائے گا۔ تمہیں خوف زدہ ہونے کی ضرورت نہیں۔ دارا کو بھی ہم پکڑلیں گے۔"

"مجھے نہیں لگتا کہ وہ کسی کے ہاتھ آئے گا۔" پنڈت مرلی دھر نے کہا "وہ بہت چالاک ہے۔ اس نے یہاں کئی ٹھکانے بنالیے ہیں۔ وہ کسی ایسی جگہ چھپ گیا ہوگا جہاں اسے تلاش نہ کیا جاسکے۔"

"ہم اسے تلاش کرلیں گے۔" ٹھاکر نے کہا اور شنکر کی طرف گھوم گیا۔

"اسے بھوجن کراؤ اور اس کے ہاتھ بھی کھول دو۔ یہ بھاگنے کی کوشش نہیں کرے گا اور اگر کوئی گڑبڑ کرے تو کھوپڑی اڑا دینا۔"

"جی حکم۔" شنکر نے سرہلا دیا اور جھک کر مرلی دھر کے پشت پر بندھے ہوئے ہاتھ بھی کھول دیے۔

مرلی دھر کچھ دیر کلائیاں سہلاتا رہا پھر پیر کو سہلانے لگا تھا۔ اس کا پیر ٹخنے تک بہت زیادہ سوج گیا تھا۔ وہ ہولے ہولے کراہ رہا تھا۔ ٹھاکر بھانوت سنگھ نے مجھے اشارہ کیا اور ہم دونوں کمرے سے باہر آگئے۔ بھانوت سنگھ ٹیلی فون کے قریب بیٹھ گیا اور ریسیور اٹھا کر کوئی نمبر ملانے لگا۔

میں روپ متی کے پاس بیٹھ گیا۔ جانکی اس وقت وہاں نہیں تھی۔

"ٹھاکر بھانوت سنگھ واقعی ذہین آدمی ہے۔" میں نے روپ متی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "اس نے بڑی خوب صورتی سے ایک کہانی گھڑ کر مرلی دھر کو پولیس کے سامنے زبان کھولنے پر آمادہ کرلیا ہے۔"

اور یہ واقعی اس کی ذہانت تھی۔ اگر وہ پنڈت ہری رام کے بارے میں فرضی کہانی نہ سناتا تو شاید مرلی دھر بھی اتنی آسانی سے پولیس کو بیان دینے پر تیار نہ ہوتا۔

ٹھاکر بھانوت سنگھ تقریباً پندرہ منٹ تک فون پر بات کرتا رہا پھر ریسیور رکھ کر ہمارے پاس آگیا۔

"میں نے ڈاکٹر شیام سندر کو بلایا ہے۔" وہ روپ متی کی طرف دیکھتے ہوئے بولا "میں نے اسے مرلی دھر کے بارے میں بتا دیا ہے۔ وہ اس کی ڈریسنگ کردے گا اور دوا وغیرہ دے دے گا اور جب تک میں اجازت نہ دوں تم لوگ۔ خاص طور سے تم!" اس نے انگلی سے روپ متی کی طرف اشارہ کیا "باہر نہیں نکلو گے۔ میں کوشش کرتا ہوں کہ یہ معاملہ آج رات تک ختم ہوجائے۔ اگر یہ پنڈت لوگ سڑکوں پر آگئے تو صورت حال خاصی سنگین ہوجائے گی۔"

"تم کہیں جارہے ہو؟" روپ متی نے پوچھا۔

"ہاں۔" ٹھاکر نے اثبات میں سرہلا دیا "تھوڑی بہت بھاگ دوڑ تو کرنی پڑے گی۔ ایک جگہ بیٹھے رہنے سے کام نہیں چلے گا۔" وہ میری طرف متوجہ ہوگیا "تمہارے لیے فی الحال زیادہ خطرہ نہیں ہے۔ تمہیں تو بہت کم لوگ پہچانتے ہیں۔ ویسے بہتر ہوگا کہ چند روز تم بھی اپنے آپ کو یہاں تک محدود رکھو۔"

میں نے سرہلا دیا۔ اس کے تھوڑی ہی دیر بعد وہ شنکر اور کالو کو کچھ ہدایات دیتا ہوا رخصت ہوگیا۔

ہم جب سے آئے تھے مندری کچن میں مصروف ہوگئی تھی۔ اس نے آتے ہی کچن سنبھال لیا تھا اور اب وہ دوپہر کے کھانے کی تیاری کررہی تھی۔ کالو رام نے مرلی دھر کے لیے ناشتا بنالیا اور وہ شنکر کے ساتھ مرلی دھر والے کمرے میں چلا گیا تھا۔

میں اور روپ متی باہر آگئے۔ آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے۔ موسم بڑا خوشگوار ہوگیا تھا۔ تیز ہوا سے ناریل کے پودے جھکے جارہے تھے۔ ہم لان میں گھومتے ہوئے سونمنگ پول کی طرف آئے تو جانکی کو دیکھ کر ٹھٹک گیا۔ وہ پول میں پیر لٹکائے بیٹھی تھی۔ میں اب تک یہی سمجھتا رہا تھا کہ وہ کسی کمرے میں جاکر سوگئی ہے لیکن اسے یہاں بیٹھے دیکھ کر چونکے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔

"تم اکیلی یہاں بیٹھی کیا کررہی ہو؟" میں نے اس کے قریب پڑی ہوئی لکڑی کی ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"اندر بیٹھے بیٹھے بور ہورہی تھی۔" جانکی نے جواب دیا "موسم بڑا خوشگوار ہورہا ہے۔ یہاں بیٹھنا اچھا لگ رہا ہے۔"

روپ متی نے بھی سینڈل اتار دیے اور جانکی کے قریب ہی پانی میں پیر لٹکا کر بیٹھ گئی۔

ہم دیر تک وہاں بیٹھے باتیں کرتے رہے اور پھر ایک گاڑی گیٹ کے باہر آکر رکی۔ ہم جس جگہ بیٹھے ہوئے تھے وہاں سے گیٹ نظر نہیں آرہا تھا۔ گیٹ کھلنے اور بند ہونے کی آواز سنائی دی اور گاڑی اندر آکر پورچ میں رک گئی۔ اس کے تقریباً پانچ منٹ بعد شنکر نے آکر بتایا کہ ڈاکٹر شیام سندر آیا ہے۔ میں جانکی اور روپ متی کو وہیں چھوڑ کر اندر آگیا۔

ڈاکٹر شیام سندر جوان اور خوب رو آدمی تھا۔ گہرے رنگ کا۔ ہلکی سوٹ اس پر خوب جچ رہا تھا۔

"اگر میں غلطی نہیں کررہا تو تم ہمت سنگھ ہو۔" اس نے بڑی گرم جوشی سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔

میں بھی اس سے ہاتھ ملاتے ہوئے مسکرا دیا۔ میں جب سے روپ متی کے ہاں آیا تھا وجدان علی سے ہمت سنگھ بن گیا تھا اور روپ متی کے جاننے والے مجھے اسی نام سے پکارنے لگے تھے۔ ڈاکٹر شیام سندر کو یقیناً ٹھاکر نے میرے بارے میں بتایا ہوگا۔

ہم پنڈت مرلی دھر والے کمرے میں آگئے۔ اب اس کے کمرے میں ایک چارپائی ڈال دی تھی جس پر بستر بھی بچھا ہوا تھا۔ مرلی دھر بستر پر نڈھال سا پڑا تھا۔ شنکر بھی ہمارے ساتھ ہی تھا۔ اس نے جلدی سے ڈاکٹر شیام سندر کے لیے ایک کرسی بھی لاکر رکھ دی۔

ڈاکٹر نے مرلی دھر کا پیر دیکھا اور شنکر سے گرم پانی لانے کو کہا اور مرلی دھر کا ٹمپریچر دیکھنے لگا۔

مرلی دھر کو ایک سو دو سے اوپر بخار تھا۔ شنکر پانی گرم کرکے لے آیا۔ مرلی دھر کو پیر لٹکا کر چارپائی پر بٹھا دیا گیا۔ ڈاکٹر نے نیچے تسلا رکھ کر خود مرلی دھر کا پیر دھویا۔ اسے کاٹن سے خشک کرکے اسپرٹ سے زخم صاف کیا۔ زخم پر اسپرٹ لگتے ہی مرلی دھر چیخ اٹھا تھا۔ شنکر نے اسے گرفت میں لیے رکھا۔

پیر بہت سوج جانے کی وجہ سے اس کے زخمی انگوٹھے کی ڈریسنگ میں آدھا گھنٹا لگ گیا۔ ڈاکٹر نے اسے ایک انجکشن بھی لگایا اور ایک کیپسول اور دو گولیاں بھی کھلا دیں۔ چند کیپسول اور گولیاں ایک تھیلی میں ڈال کر شنکر کے حوالے کیں اور ان کے استعمال کے بارے میں ہدایات دینے لگا۔

میں ڈاکٹر کے ساتھ تقریباً آدھا گھنٹا ہال میں بیٹھا رہا۔ اس دوران میں چائے بھی پی گئی اور بہت سی باتیں بھی ہوئیں لیکن ڈاکٹر نے ایک مرتبہ بھی دریافت نہیں کیا تھا کہ پنڈت مرلی دھر کے پیر کے انگوٹھے کا ناخن کیسے اترا تھا اور میرا خیال تھا کہ ٹھاکر بھانوت سنگھ نے اسے سمجھا دیا ہوگا۔ ڈاکٹر کو رخصت کرنے کے بعد میں سونمنگ پول کی طرف واپس آیا تو جانکی اور روپ متی اسی طرح پول میں پیر لٹکائے بیٹھی ہوئی تھیں۔

آسمان پر بادل گہرے ہوگئے تھے۔ ہوا میں بھی تیزی آگئی تھی اور پھر گھن گرج کی آواز کے ساتھ موٹی موٹی بوندیں برسنے لگیں۔ میں اپنی جگہ سے اٹھ کر برآمدے کی طرف دوڑا۔ عمارت کی دیوار کے ساتھ موڑ پر گھومتے ہوئے پیچھے جھانک کر دیکھا۔ میرا خیال تھا کہ روپ متی اور جانکی بھی میرے پیچھے ہی آرہی ہوں گی لیکن وہ دونوں اپنی جگہ سے ایک انچ بھی نہیں ہلی تھیں۔ ان دونوں کے نقرئی قہقہے میرے کانوں میں بازگشت سی پیدا کررہے تھے۔

میں برآمدے میں کرسی پر بیٹھ گیا اور لان کی طرف دیکھنے لگا۔ آسمان سے برستی ہوئی موٹی موٹی بوندوں نے اب باقاعدہ بارش کی صورت اختیار کرلی تھی جس میں بتدریج تیزی آتی جارہی تھی۔ میں کرسی پر بیٹھا پھولوں کے پودوں اور ناریل کے درختوں کو جھولتے ہوئے دیکھتا رہا۔

پندرہ بیس منٹ بعد بارش بہت تیز ہوگئی۔ مجھے اچانک ہی جانکی اور روپ متی کا خیال آگیا۔ وہ دونوں ابھی تک سونمنگ پول کی طرف ہی تھیں۔ وہ شاید پوری طرح آسمان سے برستے پانی سے لطف اندوز ہونا چاہتی تھیں۔

دس منٹ اور گزر گئے۔ بادلوں کی گھن گرج کے ساتھ بارش میں کچھ اور تیزی آگئی تھی اور پھر وہ دونوں پول کی طرف سے نکل کر اس طرف آتی ہوئی دکھائی دیں اور دو منٹ بعد ہی وہ برآمدے میں میرے سامنے کھڑی تھیں۔ میں بھی اندر جانے کے لیے کرسی سے اٹھ چکا تھا۔ ان دونوں کے لباس جسم سے چپکے ہوئے تھے اور پانی کی دھاریں بہہ رہی تھیں۔ انہیں دیکھ کر میرے دل کی دھڑکن تیز ہونے لگی اور پھر اسی لمحے بجلی چمکی اور زوردار کڑکا ہوا۔ میں بھی دہشت زدہ سا ہوگیا اور پھر میری دہشت اس وقت اور بڑھ گئی جب وہ دونوں چیختی ہوئی دوڑ کر مجھ سے لپٹ گئیں۔

○☆○

تین گھنٹوں کی موسلا دھار بارش نے جل تھل ایک کردیا تھا۔

دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد میں حویلی کے پچھلے برآمدے میں آگیا تھا۔ اس طرف بھی جل تھل ایک ہوگیا تھا۔ مور اور ہرن وغیرہ جنگلے میں شیڈز کے نیچے دبکے ہوئے تھے۔ میں چند منٹ وہاں کھڑا رہا پھر سامنے والے برآمدے میں آگیا۔ جانکی اور روپ متی وہاں بیٹھی ہوئی تھیں۔ میں بھی ایک کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔

شام ہوگئی۔ بارش بند ہوچکی تھی لیکن آسمان پر بادلوں کی گھن گرج اب بھی جاری تھی۔ بجلی بھی رہ رہ کر چمک رہی تھی۔ جس کا مطلب تھا کہ بارش ہوگی اور پہلے سے زیادہ شدت سے ہوگی۔

آٹھ بجے کے قریب ٹھاکر بھانوت سنگھ پہنچ گیا۔ اس کے ساتھ ایک خوب صورت لڑکی کو دیکھ کر میں چونکے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ یہ انہی دو لڑکیوں میں سے ایک تھی جنہوں نے مندر میں روپ متی کے قدموں پر گر گڑا کر معافی مانگی تھی۔ بعد

میں معلوم ہوا کہ اس کا نام لاجونتی ہے۔ ہمارا سامنا کرتے ہوئے اس کے چہرے پر کسی قسم کی ندامت یا شرمندگی کے تاثرات نہیں تھے۔ ندامت اور شرم و حیا کا احساس تو ان لوگوں کو ہوتا ہے جن میں کچھ غیرت ہو۔ ان جیسی لڑکیوں میں نہ تو شرم و حیا ہوتی ہے اور نہ غیرت۔ مجھے پر نام کرتے ہوئے بھی وہ بڑی ڈھٹائی سے مسکرا رہی تھی۔

"رات دس بجے ہم نے پولیس ہیڈ کوارٹر میں ایک ہنگامی پریس کانفرنس کا اہتمام کیا ہے۔" ٹھاکر بھانوت سنگھ کہہ رہا تھا۔ اس وقت ہم دونوں روپ متی وغیرہ سے ذرا دور بیٹھے ہوئے تھے "آج دوپہر کے اخبارات میں پولیس میں درج کرائی جانے والی رپورٹ کی تفصیل اور پنڈت ہری رام کا بیان شائع ہوا ہے۔ اس بیان کا اثر زائل کرنے کے لیے ہمارے لیے بھی یہ قدم اٹھانا ضروری ہوگیا تھا۔" اس نے پتلون کی جیب سے تہ کیا ہوا ایک انگریزی اخبار نکال کر میری طرف بڑھا دیا۔

میں نے اخبار کھول کر دیکھا۔ وہ خبر پہلے صفحے پر ہیڈ لائن کے ساتھ چھپی تھی۔ پنڈت ہری رام اور ان دو پنڈتوں کی تصویریں بھی تھیں جو مندر میں ہمارے ہاتھوں پٹے تھے۔ میں خبر پڑھنے لگا۔

پنڈت ہری رام نے ہم پر (میں اور روپ متی) سنگین الزامات لگائے تھے۔ اس کے بیان کے مطابق آوارہ مزاج راج کماری روپ متی اپنے ایک مسلمان عاشق کے ساتھ مندر کے ایک ویران حصے میں رنگ رلیاں مناتے ہوئے پکڑی گئی تھیں۔ انہیں سرزنش کی گئی تو انہوں نے مندر کے پنڈتوں پر حملہ کردیا۔ روپ متی کے ساتھی نے گولی چلا دی جو ایک پنڈت کی ٹانگ میں لگی۔

پنڈت ہری رام نے روپ متی پر اور بھی کئی سنگین الزامات لگائے تھے۔ اس کے کہنے کے مطابق راج کماری روپ متی مختلف اوقات میں مختلف مردوں کو لے کر مندر میں آتی رہتی تھی۔ اس بیان میں روپ متی کی کردار کشی کی بھرپور کوشش کی گئی تھی اور ہندوؤں کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکانے میں بھی کوئی کسر نہیں چھوڑی گئی تھی۔

میں نے اخبار ایک طرف رکھ دیا اور ٹھاکر کی طرف دیکھنے لگا۔

"پریس کانفرنس کا انتظام تم نے کیا ہے؟"

"میں نے پولیس کمشنر مسٹر پانڈے سے بات کی تھی۔" ٹھاکر نے جواب دیا "پہلے تو وہ میری بات سننے کو ہی تیار نہیں تھا بلکہ اس نے تو مشورہ دیا تھا کہ میں اس معاملے سے بالکل الگ رہوں اور راج کماری روپ متی کی مدد سے دست کش ہوجاؤں۔

"میں نے بھی تیور کڑے کرلیے۔ مسٹر پانڈے جانتا ہے کہ اگر مجھ جیسے دو چار آدمی اکڑ گئے تو نہ صرف اس کی نوکری بلکہ جیون بھی خطرے میں پڑ جائے گا۔ میری بات سن کر وہ میرے مشورے پر پریس کانفرنس بلانے پر آمادہ ہوگیا جس میں پنڈت مرلی دھر اور ان چار لڑکیوں کو پیش کیا جائے گا جو کل رات مندر میں موجود تھیں۔"

"کل رات تو شاید مندر میں سات آٹھ لڑکیاں تھیں۔" میں نے کہا۔

"صرف چار ہی سے رابطہ ہوسکا ہے۔ باقی ڈر کے مارے روپوش ہوگئی ہیں۔" ٹھاکر نے جواب دیا "ہم ساڑھے نو بجے یہاں سے روانہ ہوں گے۔ میرے دو آدمی رقاصہ دیکھا اور دوسری لڑکیوں کو لے کر پولیس ہیڈ کوارٹر پہنچ جائیں گے۔"

"کیا ہمیں بھی جانا ہوگا؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں... لیکن تم سامنے نہیں آؤ گے۔" ٹھاکر نے کہا "جانکی اور روپ متی سامنے آئیں گی۔ جانکی بتائے گی کہ اسے گنیش مندر سے کس طرح اغوا کیا گیا تھا اور روپ متی باقی تفصیلات بتائے گی۔ پنڈت مرلی دھر اور لاجونتی وغیرہ یہ بتائیں گے کہ مندر میں کیا کچھ ہوتا ہے۔ لاجونتی وہ لڑکی ہے جو کئی مرتبہ اس مندر میں جا چکی ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا "لیکن اگر مرلی دھر اور لاجونتی وغیرہ نے وہاں کوئی گڑبڑ کی تو... میرا مطلب ہے..."

"ایسی صورت میں پولیس انہیں اپنی تحویل میں لے لے گی اور خود ہی ان سے سب کچھ اگلوا لے گی۔" ٹھاکر نے جواب دیا۔

اس کے بعد ہم دونوں پنڈت مرلی دھر والے کمرے میں آگئے۔ ٹھاکر بھانوت سنگھ اسے سمجھانے لگا کہ اگر اس نے غلط بیانی سے کام لیا تو اسے پولیس کی طرف سے سنگین نتائج کا سامنا کرنا پڑے گا۔

نو بجے کے قریب شنکر نے میز پر کھانا لگا دیا۔ کھانے سے فارغ ہو کر ہم روانہ ہوئے تو پونے دس بج رہے تھے۔ ٹھاکر نے اپنی کار کے بجائے روپ متی کی پجارو کو ترجیح دی تھی۔ تین گھنٹوں کی موسلا دھار بارش نے شہر کو الٹ کر رکھ دیا تھا۔ ہر طرف جل تھل ایک ہو رہا تھا۔ کئی سڑکیں اب بھی زیر آب تھیں۔

پولیس ہیڈ کوارٹر پہنچ کر ایک اور سنسنی خیز خبر سننے کو ملی۔ تقریباً ایک گھنٹا پہلے جے پور کلب کی رقاصہ ریکھا کو اس کے گھر پر بے دردی سے قتل کردیا گیا تھا۔ اس کا قتل اس وقت ہوا تھا جب آدھا گھنٹا پہلے ٹھاکر بھانوت سنگھ کا ایک آدمی ریکھا کو لینے کے لیے تلسی مارگ میں واقع اس کی کوٹھی پر پہنچا۔ ریکھا اکیلی رہتی تھی۔ گھر کے کام کاج کے لیے اس کی سیوا کے لیے ایک ملازم اور ایک ملازمہ تھی۔ ٹھاکر کا آدمی بیل بجاتا رہا لیکن کافی دیر بعد جب کوئی باہر نہیں آیا تو وہ گیٹ کے کھلے ہوئے ذیلی دروازے سے اندر داخل ہوا۔ وہ ملازم کو آوازیں دیتا ہوا برآمدے میں پہنچ گیا۔ اس کا بھی کوئی اتا پتا نہیں آیا تو وہ اندر داخل ہوگیا۔

بیڈ روم میں ریکھا کی لاش دیکھ کر وہ چیخ اٹھا۔ ریکھا کا گلا کٹا ہوا تھا۔ پیٹ چاک تھا اور ایک خنجر دستے تک سینے میں پیوست تھا۔ ہر طرف خون ہی خون بکھرا ہوا تھا۔

ٹھاکر کا آدمی باہر آگیا اور پولیس ہیڈ کوارٹر پہنچ کر اس نے قتل کی اطلاع دی۔ ایک پولیس پارٹی فوراً ہی ریکھا کی کوٹھی کی طرف روانہ ہوگئی جو ابھی تک واپس نہیں آئی تھی۔

اس صورت حال نے مجھے اور ٹھاکر بھانوت سنگھ کو بھی کسی قدر بدحواس کردیا تھا۔ ٹھاکر معاملے کو سنبھالنے کی کوشش کرتا رہا۔

ہیڈ کوارٹر میں جمع اخبار نویس جائے واردات پر جانا چاہتے تھے لیکن پولیس کمشنر نے انہیں یہ کہہ کر روک لیا کہ ریکھا کی لاش اس وقت تک نہیں اٹھائی جائے گی جب تک پریس کانفرنس سے فارغ نہیں ہوجاتے۔

کانفرنس روم سے ملحق کمرے میں چلا گیا۔ پریس کانفرنس شروع ہوگئی۔ پولیس کمشنر پانڈے اخبارات میں شائع ہونے والی آج کی اہم ترین خبر کے حوالے سے پس منظر بتا رہا تھا پھر پنڈت مرلی دھر لاجونتی اور دوسری دو لڑکیوں نے اخبار نویسوں کے سامنے اپنے بیانات دیے۔

"میں کسی دباؤ کے بغیر یہ بیان دے رہا ہوں۔" پنڈت ہری رام کہہ رہا تھا "جانکی دیوی کو میں نے ہی دارا کے کہنے پر گنیش مندر سے اغوا کیا تھا۔" وہ جانکی کے اغوا کا مقصد... اس کے بعد کے پس منظر میں بتانے لگا۔ آخر میں وہ کہہ رہا تھا کہ پنڈت ہری رام بدمعاش آدمی ہے۔ اس نے مندر کو عیاشی کا اڈا بنا رکھا ہے۔ وہاں ہر رات آوارہ عورتوں کو لایا جاتا ہے اور رات بھر رنگ رلیاں منائی جاتی ہیں۔ کل رات..." پنڈت ہری رام کے خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا "یہ جھوٹ ہے کہ ہری رام اور دوسرے پنڈتوں نے راج کماری روپ متی اور اس کے مسلمان دوست کو مندر میں رنگ رلیاں مناتے ہوئے پکڑا تھا بلکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ دونوں اپنی ساتھی جانکی دیوی کی تلاش میں وہاں آئے تھے۔ اس وقت پنڈت ہری رام اور ہم لوگ رنگ رلیوں میں مصروف تھے۔ رقاصہ ریکھا پنڈت ہری رام کی فرمائش پر برہنہ ہو کر ڈانس کر رہی تھی۔ اسے ہری رام کی خواہش پر ہی بھاری معاوضہ دے کر وہاں لایا گیا تھا۔"

ریکھا کے نام پر سب ہی اخبار نویس چونک گئے تھے۔ پنڈت مرلی دھر نے اپنا بیان جاری رکھا۔ وہ پنڈت ہری رام اور مندر کے دوسرے پجاریوں کے سیاہ کرتوت کھل کر بیان کرتا رہا۔ اس کا یہ انکشاف تو بہت ہی سنسنی خیز تھا کہ دو ہفتے پہلے اسی مندر سے پراسرار طور پر لاپتا ہونے والی پونم نامی ایک خوب صورت عورت کو بھی انہی پنڈتوں نے غائب کیا تھا۔ وہ تین دن تک اسے اپنی ہوس کا نشانہ بناتے رہے۔ اس نے ایک مرتبہ موقع پاکر بھاگنے کی کوشش کی تو اسے گلا گھونٹ کر ہلاک کردیا گیا اور اس کی لاش مندر کے پیچھے پہاڑیوں میں گڑھا کھود کر دبا دی گئی۔

لاجونتی اور دوسری لڑکیوں نے بھی اسی قسم کے بیانات دیے۔ لاجونتی نے تو مزید کئی انکشافات کیے تھے۔ اسے داد عیش دینے کے لیے اکثر اس مندر میں لایا جاتا تھا۔ ایک دو مرتبہ اس نے شہر کی بعض اہم شخصیات کو بھی وہاں دیکھا تھا۔ انہیں رنگ رلیاں منانے کے لیے خاص طور پر مندر میں بلایا جاتا تھا۔ اخبار نویسوں نے پنڈت مرلی دھر لاجونتی اور دوسری لڑکیوں سے لاتعداد سوالات کیے۔ جانکی اور روپ متی سے بھی کچھ باتیں پوچھی گئیں۔

آخر میں پولیس کمشنر پانڈے نے اخبار نویسوں کو بتایا کہ شہر کی مشہور رقاصہ ریکھا کو بھی مندر کے اندر کے حقائق بتانے کے لیے یہاں لایا جانے والا تھا لیکن اسے قتل کردیا گیا۔ اس نے کھل کر اس شبے کا اظہار کیا تھا کہ رقاصہ ریکھا

مشہور مصنفین کی مشہور کتابیں

بزرگان دین کے ایمان افروز واقعات

عظمت کے مینار

قیمت -/150 روپے

ڈاک خرچ -/25 روپے

مصنف: ضیاء تسنیم بلگرامی

کا قتل اسی سلسلے کی ایک کڑی ہو سکتی ہے۔ اسے شاید اس لیے قتل کردیا گیا کہ وہ رات کو رام گڑھ جھیل والے مندر میں رونما ہونے والے واقعے کے سلسلے میں پولیس کو کوئی بیان نہ دے سکے۔

ریکھا کے قتل سے مندر والے واقعے کے دوسرے چشم دید گواہوں کی زندگیوں کو بھی خطرہ پیدا ہوگیا تھا۔ پولیس کمشنر پانڈے نے بتایا کہ پنڈت مرلی دھر کو تو پولیس کی حراست میں رکھا جائے گا جبکہ دوسری لڑکیوں کی حفاظت کے لیے مضبوط انتظامات کیے جائیں گے۔

ڈیڑھ گھنٹے میں یہ پریس کانفرنس ختم ہوگئی۔ تمام اخبار نویس رقاصہ ریکھا کی کوٹھی کی طرف بھاگ کھڑے ہوئے تاکہ اس سنسنی خیز واردات کے لیے اپنے اپنے اخباروں کے لیے رپورٹ تیار کرسکیں۔

○☆○

اگلے روز اخبارات نے تہلکہ مچادیا اور پھر اسی شام شہر میں ہنگامے شروع ہوگئے۔ دو مخالف دھڑے بن گئے تھے۔ ایک دھڑا دھرم کو نشٹ کرنے کے جرم میں پنڈت ہری رام اور اس کے ساتھیوں کی گرفتاری اور کڑی سزا کا مطالبہ کررہا تھا جبکہ دوسرا دھڑا راج کماری روپ متی اور اس کے مسلمان عاشق کی گرفتاری کا مطالبہ کررہا تھا۔ ان کا ایک مطالبہ یہ بھی تھا کہ ہندوستان ہندوؤں کے لیے ہے۔ مسلمانوں کو یہاں سے نکال دیا جائے۔ یہ مطالبہ ہر ہندو مسلم فساد کے موقع پر کیا جاتا تھا۔

ان ہنگاموں پر قابو پانے کے لیے پورے شہر کی پولیس حرکت میں آگئی تھی اور یہ بھی غنیمت تھا کہ ہنگامے شروع ہونے کے تقریباً ایک گھنٹے بعد موسلا دھار بارش شروع ہوگئی تھی اور لوگ گھروں میں دبک گئے تھے۔

بارش رات بھر ہوتی رہی۔ ٹھاکر بھانوت سنگھ ہمیں حویلی میں چھوڑ کر دوبارہ شہر چلا گیا تھا۔

اگلے روز ہنگامے پھر شروع ہوگئے لیکن اب پولیس بلوائیوں سے نمٹنے کے لیے پوری طرح تیار تھی۔ وقفے وقفے سے بارش بھی ہوتی رہی۔ اس طرح ہنگامے زیادہ زور نہیں پکڑ سکے۔

تین چار روز تک یہ صورت حال برقرار رہی۔ بارشوں نے شہر کو اتھل پتھل کردیا تھا جس سے ہنگامہ کرنے والوں کا جوش و خروش بھی دب گیا اگر بارشیں نہ ہوتیں تو صورت حال کچھ مختلف ہوتی۔

ایک ہفتہ گزر گیا۔ اس دوران میں ہم حویلی سے باہر نہیں گئے۔ موسلا دھار بارش کا سلسلہ اگرچہ رک گیا تھا مگر آسمان بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ کبھی کبھی ہلکی سی بوندا باندی ہوجاتی۔

اور پھر اچانک ہی ایک روز پھر ہنگامہ شروع ہوگیا۔ ہنگامے کی وجہ بھی میری سمجھ میں آگئی۔

جن دنوں یہاں یہ گڑبڑ شروع ہوئی تھی ان دنوں چتور گڑھ کا بگڑا ہوا بدقماش اور راج کمار بلونت سنگھ احمد آباد میں ہوا تھا۔ وہ دو دن پہلے چتور گڑھ سے ہوتا ہوا یہاں آیا تھا۔ احمد آباد میں بھی وہ اخبارات میں سب کچھ پڑھتا رہا تھا۔ یہاں آیا تو ہنگامے کسی قدر دب گئے تھے۔ پولیس کمشنر، معززین اور بعض بڑے مندروں کے پنڈت مل بیٹھ کر معاملہ کو سلجھانے کی کوشش کررہے تھے مگر بلونت سنگھ یہ موقع گنوانا نہیں چاہتا تھا۔ اس نے چند نہایت کٹر قسم کے پنڈتوں کو جمع کرکے راج کماری روپ متی کے خلاف بھڑکایا۔ کچھ کرائے کے غنڈے بھی جمع کرلیے اور نعرے لگاتے ہوئے روپ متی کی حویلی کی طرف چل پڑے۔ وہ لوگ حویلی کو آگ لگا دینا چاہتے تھے۔

روپ متی کی حویلی پر پہلے ہی دو کانسٹیبل تعینات تھے۔ اطلاع ملتے ہی پولیس کی بھاری نفری وہاں پہنچ گئی۔ اس نے بلوائیوں کا ٹولہ بلونت سنگھ کی قیادت میں حویلی پر حملہ آور ہوچکا تھا۔ پولیس بروقت پہنچ گئی۔ بلونت سنگھ تو پولیس کو دیکھ ہی کھسک گیا تھا البتہ ایک گھنٹے کی ہنگامہ آرائی کے بعد پنڈت اور کئی غنڈے پولیس کے ہاتھ آگئے جنہیں سلاخوں کے پیچھے بند کردیا گیا۔

ایک ہفتہ اور گزر گیا۔ میں حویلی کا قیدی بن کر رہ گیا تھا۔ جانکی بھی بیزار ہورہی تھی اور پھر اسی شام میں نے جانکی نے باہر نکلنے کا فیصلہ کرلیا اور روپ متی کی پکار پر اس کی طرف روانہ ہوگئے۔

شہر کی رونق معمول پر آچکی تھی۔ ہم مختلف بازاروں میں گھومتے ہوئے ایم آئی روڈ پر راجستھان ہینڈی کرافٹ ایمپوریم سے ذرا آگے انڈین کافی ہاؤس میں آگئے۔ ہم روپ متی وغیرہ کے لیے بہت سی چیزیں خرید لی تھیں۔ خیال تھا کہ یہاں ایک کپ کافی پی کر حویلی کی طرف روانہ ہوجائیں گے۔

کافی ہاؤس میں بڑی رونق تھی۔ ہمیں ایک میز خالی گئی۔ چند منٹ بعد جو ویٹریس آرڈر لینے کے لیے آئی اسے دیکھ کر ہم اچھل پڑے۔ اس حسین ویٹریس کی کیفیت بھی ہم سے مختلف نہیں تھی۔ وہ بھی متوحش نظروں سے ہماری طرف دیکھ رہی تھی۔

ہمیں اپنے سامنے پاکر شاید اس ویٹریس کو اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آرہا تھا۔ وہ کتنی دیر تک متوحش نظروں سے باری باری ہماری طرف دیکھتی رہی۔ اس کی آنکھوں میں عجیب سی چمک لہریں لینے لگی اور پھر ناقابلِ بیان خوشی کا مظاہرہ کرتے ہوئے۔ وہ جانکی سے لپٹ گئی اور پھر اس نے مجھے بھی نہیں بخشا۔ وہ خوشی سے چیختے ہوئے میری پیشانی، میرے گالوں پر پے در پے بوسے دے رہی تھی۔ ہال میں بیٹھے ہوئے لوگ مڑ مڑ کر ہماری طرف دیکھنے لگے۔ یہاں کی ثقافتی اور سماجی زندگی کا مجھے کچھ کچھ تجربہ ہوچکا تھا۔ لڑکیوں کا نیم عریاں لباس پہننا تو ایک عام سی بات تھی۔ روپ کی طرح یہاں بھی سرعام بوس و کنار کو برا نہیں سمجھا جاتا تھا لیکن میں مارے شرم کے کٹا جارہا تھا۔ کافی ہاؤس کے ہال میں درجنوں لوگ بیٹھے ہوئے تھے جو دلچسپ نظروں سے سب کچھ دیکھ رہے تھے۔ اس ویٹریس کا بس چلتا تو گھنٹوں اسی طرح مجھ سے لپٹی رہتی اور میری پیشانی اور گال چومتی رہتی لیکن میں نے ہی اس کی دونوں باہیں پکڑ کر اسے اپنے جسم سے الگ کیا تھا۔

میری یہ داستان پڑھنے والے تھائی لینڈ کے سرحدی شہر مے سوٹ کے سامین میں ملنے والی پولیس وومن رنگ سنت کی بیٹی ڈولی کو نہیں بھولے ہوں گے جو اپنی ماں کی عبرت ناک موت کے بعد ہم سے آن ملی تھی اور گولڈن ٹرائی اینگل تک ہمارے ساتھ آئی تھی۔ گولڈن ٹرائی اینگل میں اس نے قدم پر ہمارے ساتھ موت سے پنجہ آزمائی کی تھی۔ گولڈن ٹرائی اینگل سے فرار ہوکر ہم برما کے ایک سرحدی قصبے میں پہنچ گئے تھے جہاں کئی روز تک ہم ایک نہایت پس ماندہ قبیلے کے مہمان رہے تھے۔ گولڈن ٹرائی اینگل میں ہماری مدد کرنے والے میاں بیوی بوما اور ہوفا بھی ہمارے ساتھ تھے۔ بوما کے اس چھوٹے سے سرحدی گاؤں سے میں، جانکی تو چین کی سرحد کی طرف چلے گئے تھے اور سونیا نے بوما اور ہوفا کے ساتھ ہندوستان کا رخ کیا تھا۔ اس نے کہا تھا کہ وہ ہندوستان ہی میں کہیں سیٹ ہونے کی کوشش کرے گی۔

ہندوستان بہت بڑا ملک ہے۔ برما سے آسام کے راستے ہندوستان میں داخل ہونے کے بعد کئی بڑے بڑے شہر راستے میں پڑتے تھے لیکن سونیا کا یہ ضروری تھا کہ سونیا کو بھی پورا ہندوستان پار کرکے چاروں طرف سے ریگستان میں گھرے ہوئے شہر جیسلمیر پہنچنا پڑے گا مگر اتفاقات سے انکار نہیں کیا جاسکتا تھا اور یہ حیرت انگیز اتفاق ہی تھا کہ ریگستان میں ہوائی جہاز کریش ہونے کے بعد میں اور جانکی جے پور پہنچ گئے اور اس سے زیادہ حیرت انگیز اتفاق یہ ہوا تھا کہ یہاں میرا ازلی دشمن دارا بھی موجود تھا جو اس رات رام گڑھ جھیل والے مندر میں ایک جھٹکا دکھلا کر غائب ہوگیا تھا اور یہ اس سے بھی بڑا اور ناقابلِ یقین اتفاق تھا کہ اس وقت سونیا ہمارے سامنے موجود تھی۔

"مجھے یقین نہیں آرہا۔" سونیا اس مرتبہ جانکی کا ہاتھ پکڑتے ہوئے بولی۔ فرط انبساط سے اس کے لہجے میں ہلکی لرزش تھی۔ "میں تو سمجھی تھی کہ برما کے اس گاؤں سے رخصت ہونے کے بعد ہم کبھی ایک دوسرے کی صورت بھی نہیں دیکھ پائیں گے۔"

"اسے اتفاق کہہ لو کہ ہم ایک زندہ حقیقت کی طرح اس وقت تمہارے سامنے موجود ہیں۔" جانکی نے مسکراتے ہوئے جواب دیا "اور اس سے مہمان (بڑا) اتفاق یہ ہے کہ ہمارا وہ دشمن بھی اس شہر میں موجود ہے جس کے تعاقب میں ہم گولڈن ٹرائی اینگل جیسے موت کے حصار میں گھس گئے تھے۔"

"اوہ! تمہارا مطلب ہے..... دارا۔" وہ چونک کر بولی۔ "میرا خیال ہے کہ تم لوگ اس کا پیچھا کرتے ہوئے یہاں آئے ہو لیکن تم لوگ تو برما سے چین کی طرف نکل گئے تھے۔" یہ بات اس نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہی تھی۔

"ہاں۔ یہ لمبی باتیں ہیں۔ اطمینان سے بیٹھ کر ایک دوسرے کے دکھ سکھ سنیں گے اور سنائیں گے۔ اس وقت تمہیں یہاں ویٹریس کے لباس میں دیکھ کر مجھے واقعی حیرت ہورہی ہے لیکن میں یہ نہیں بھولا ہوں کہ ہم یہاں کافی پینے آئے ہیں اور....." میں خاموش ہوکر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

"لوگ ہمیں اس طرح دیکھ رہے ہیں جیسے ہمارے سروں پر سینگ نکل آئے ہوں۔ بہتر ہے، تم ہمیں کافی پلاؤ۔ یہاں سے چھٹی کے بعد کسی جگہ بیٹھ کر تفصیلی باتیں ہوں گی۔"

"اوہ۔ میں تو بھول ہی گئی تھی کہ تم لوگ گاہک کی حیثیت سے یہاں آئے ہو۔" سونیا نے کہا "کون سی کافی پیو گے۔ میرا خیال ہے ایسپریسو (ESPRESSO) ہی مناسب رہے گی۔"

"مجھے تمہاری پسند سے اتفاق ہے۔" جانکی بولی "اب جلدی سے لے آؤ۔"

سونیا مسکراتی ہوئی چلی گئی۔ میں نے جانکی کی طرف دیکھا۔ وہ بھی مسکرا رہی تھی۔

"کیسا حسین اتفاق ہے کہ ہم سب ایک جگہ پر جمع

ہو رہے ہیں۔" وہ بدستور مسکراتے ہوئے بولی "سونیا اچھی لڑکی ہے۔ یہ مجھے پہلے بھی پسند تھی۔ اس کے ساتھ اچھا وقت گزرے گا۔"

میں دل ہی دل میں مسکرائے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ وہ پہلے بھی کئی بار سونیا کی تعریف کر چکی تھی لیکن اگر اسے یہ پتا چل جائے کہ گولڈن ٹرائی اینگل کی مہم کے دوران میں سونیا سے میرا کوئی اور تعلق بھی رہ چکا ہے تو وہ سونیا کا گلا گھونٹنے میں زیادہ دیر نہیں لگائے گی۔

پندرہ بیس منٹ بعد سونیا کافی لے کر آگئی۔ اس کے ہونٹوں پر بڑی دل فریب مسکراہٹ تھی۔ اگر ہماری جان پہچان نہ ہوتی تو اسے محض کاروباری مسکراہٹ کہا جا سکتا تھا لیکن وہ حقیقی مسکراہٹ تھی جو اس کی حقیقی خوشی کی عکاسی کر رہی تھی۔

میں سونیا کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس نے کافی ہاؤس کا مخصوص ڈریس پہن رکھا تھا۔ پستئی کلر کا مختصر بلاؤز اور اسی رنگ کا منی اسکرٹ۔ بلاؤز پر سامنے بائیں طرف کافی ہاؤس کا مونوگرام بھی لگا ہوا تھا۔ جب وہ کافی کا مگ میرے سامنے رکھنے کے لیے جھکی تو میری نظریں غیر ارادی طور پر اس کے گریبان کی طرف اٹھ گئیں۔ بلاؤز کا گلا کافی فراخ تھا۔ ہوٹلوں اور ریستورانوں میں ویٹریسوں کا انتخاب بہت سوچ سمجھ کر کیا جاتا ہے اور ان کے لیے لباس بھی ایسے منتخب کیے جاتے ہیں کہ انہیں دیکھنے کے بعد گاہک کسی دوسرے ریسٹورنٹ میں جانے کا خیال بھی ذہن میں نہ لائیں۔ کافی کا مگ رکھ کر میری طرف دیکھتے ہوئے سونیا کے ہونٹوں کی مسکراہٹ کچھ اور گہری ہو گئی تھی۔

"تم لوگ کافی پیو۔ میں ڈریس بدل کر آتی ہوں پھر ہم گھر چلیں گے۔" اس نے یہ کہتے ہوئے باری باری ہم دونوں کی طرف دیکھا' جواب کا انتظار کیے بغیر کولھے مٹکاتی ہوئی وہاں سے چلی گئی اور ہال کے آخر میں ایک دروازے میں غائب ہو گئی۔

ہم دونوں خاموشی سے کافی پیتے رہے۔ میں پہلے بھی ایسپریسو (ESPRESSO) کافی کئی مرتبہ پی چکا تھا لیکن مجھے اعتراف کرنا پڑا کہ ایسی عمدہ اور خوش ذائقہ کافی میں نے پہلے کبھی نہیں پی تھی۔ کافی کی چسکیاں لیتے ہوئے میں گاہے گاہے نظریں اٹھا کر ادھر ادھر دیکھ بھی لیتا تھا اور ہر مرتبہ کسی نہ کسی شخص کو میں نے اپنی طرف دیکھتے ہوئے پایا تھا بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ جانکی کی طرف دیکھتے ہوئے پایا تھا۔ جانکی یہاں آنے کے بعد زیادہ تر ساڑی ہی پہنتی تھی اور یہ لباس اس پر لگتا بھی بہت اچھا تھا۔ اس وقت بھی اس نے کالی اور پیلی دھاریوں والی باریک ریشمی ساڑی پہن رکھی تھی جس کا پلو بار بار پھسل کر نیچے گر رہا تھا۔ بلاؤز کچھ زیادہ ہی مختصر تھا اور اسی لیے لوگوں کی نظریں بھی بار بار اس کی طرف اٹھ رہی تھیں۔ ہال کے دائیں طرف آخر میں کاؤنٹر کے پیچھے بیٹھا ہوا ادھیڑ عمر منیجر بھی بار بار ہماری طرف دیکھ رہا تھا۔ اسے تو شاید یہ تجسس ہو کہ ہم کون ہیں جن سے اس کے کافی ہاؤس کی ویٹریس اس قدر گرم جوشی اور والہانہ انداز میں ملی تھی۔

تقریباً آدھے گھنٹے بعد سونیا کو باہر والے دروازے سے اندر داخل ہوتے دیکھ کر ہم دونوں چونک گئے۔ اس وقت اس نے کھلے پائنچے والی سفید پتلون اور گہرے نیلے رنگ کی اوپن شرٹ پہن رکھی تھی۔ کندھے پر ایک خوب صورت پرس بھی لٹکا ہوا تھا۔ وہ مسکراتی ہوئی ہماری میز پر آئی اور ایک کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئی۔ میں اس وقت بھی اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"میں سائیڈ اسٹریٹ والے دروازے سے نکل کر آئی ہوں۔" وہ میری نگاہوں کا مطلب سمجھتے ہوئے بولی "میں نے میڈم سے کہہ دیا تھا کہ میری لاٹری نکل آئی ہے اس لیے مجھے کم از کم آج کے باقی دن کی چھٹی چاہیے۔"

"لاٹری؟" جانکی نے الجھی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"اتنی خوشی تو کسی بہت بڑی لاٹری کے نکلنے پر ہی ہوتی ہے۔ جتنی تم لوگوں کو پا کر ہوئی ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ۔" سونیا نے کہا "میرا خیال ہے اب چلنا چاہیے۔"

"چلو لیکن بل۔۔۔"

"بل ادا ہو چکا۔" سونیا نے میری بات کاٹ دی۔

میرے منہ سے گہرا سانس نکل گیا اور ہم تینوں نے اپنی اپنی سیٹیں چھوڑ دیں۔ شیشے والے دروازے کے پاس پہنچ کر باوردی دربان نے جلدی سے دروازہ کھول دیا۔ وہ لمبا تڑنگا راجپوت دربان خالص راجستھانی لباس میں تھا۔ سرخ رنگی پگڑی' کمر پر سنہری پٹکا' بائیں پہلو میں میان میں تلوار بھی لٹکی ہوئی تھی۔ بڑی بڑی مونچھوں نے اس کے چہرے کو خاصا بارعب بنا دیا تھا۔

کافی ہاؤس سے نکلتے ہوئے سونیا بتا رہی تھی کہ یہ کافی ہاؤس شوبھا دیوی نامی ایک بیوہ عورت کی ملکیت ہے۔ اس کا پتی (شوہر) ڈاکٹر تھا۔ ٹھاکر اور راجا قسم کے چند بڑے بڑے لوگ اس کے پیشنٹ تھے جن سے اس نے خوب دولت کمائی تھی۔ کئی سال پہلے اس نے ایک راجا کو ایک نہایت موذی

مرض سے نجات دلائی تھی۔ راجا طویل عرصے سے اس مرض میں مبتلا تھا۔ بہت علاج کروائے تھے۔ بہت پیسہ خرچ کیا تھا مگر بقول شخصے۔۔۔ مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔ بالآخر نہایت مایوسی کی کیفیت میں اس نے ڈاکٹر وجے شرما سے رجوع کیا۔ وجے شرما کے تین مہینوں کے علاج سے راجا کا وہ مرض جاتا رہا اور وہ پہلے کی طرح ہٹا کٹا ہو گیا۔ راجا صاحب نے خوش ہو کر یہ بلڈنگ وجے شرما کو انعام میں دی۔

ایم۔ جی روڈ شہر کا سب سے مہنگا کاروباری علاقہ ہونے کی وجہ سے یہ دو منزلہ عمارت بھی بہت قیمتی تھی جس کے گراؤنڈ فلور پر ایک انشورنس کمپنی کا دفتر اور اوپر کی منزل پر ہماروا ڈی سیٹھ کی رہائش تھی جس کا کرایہ بھی وجے شرما کو ملتا تھا۔

چند سال پہلے وجے شرما کا دیہانت (انتقال) ہو گیا۔ شوبھا دیوی نے عقل مندی یہ کی کہ پتی کی جمع پونجی پر اکتفا کرنے کے بجائے انشورنس کمپنی اور ماروا ڈی سیٹھ سے یہ جگہ خالی کروالی۔ گراؤنڈ فلور پر اس نے یہ معیاری کافی ہاؤس کھول لیا اور عمارت کے اوپر والے حصے میں رہائش اختیار کر لی۔ یہ کاروباری اور بارونق علاقہ تھا۔ اس علاقے میں اگرچہ چند اور بھی معیاری ریسٹورنٹ تھے لیکن یہ کافی ہاؤس بھی خوب چل نکلا۔ اس کی دیکھ بھال کے لیے اس نے اپنی آنجہانی شوہر کے ایک دوست کو جو سرکاری ملازمت سے ریٹائر ہو چکا تھا' منیجر رکھ لیا۔ کبھی وہ خود بھی کاؤنٹر پر بیٹھ کرتی تھی۔

ہم تینوں باتیں کرتے ہوئے فٹ پاتھ پر اس طرف چل رہے تھے جہاں سڑک کے کنارے ہماری گاڑی کھڑی تھی۔ درمیان میں تھا اور میرے دائیں بائیں سونیا اور جانکی۔

اس وقت آٹھ بج رہے تھے۔ ہر طرف رنگ برنگی بتیاں جگمگا رہی تھیں۔ اس علاقے کی رونق اپنے عروج پر تھی۔ مقامی باشندوں کے علاوہ بڑی تعداد میں غیر ملکی سیاح نظر آ رہے تھے۔

جب میں پیچارو کے قریب رکا تو سونیا چونکے بغیر نہیں رہ سکی۔

"یہ۔۔۔ یہ گاڑی۔۔۔؟"

"ہماری ہے۔" میں نے اس کی حیرت میں اضافہ کیا۔

"اس کا مطلب ہے تم لوگ بہت عرصے سے یہاں ہو سیٹ ہو۔" وہ اپنی حیرت پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے بولی۔

"سیٹ ہونے سے اگر تمہاری مراد یہ ہے کہ ہم یہیں کے ہو کر رہ گئے ہیں اور مستقل طور پر یہیں رہنے کا فیصلہ کر لیا ہے تو یہ درست نہیں ہے۔" میں نے گاڑی کے دروازے کے لاک میں چابی لگاتے ہوئے جواب دیا "اور جہاں تک اس گاڑی کا تعلق ہے تو یہ ایک راج کماری نے مجھے انعام میں دی تھی۔"

"اتنی شان دار گاڑی۔۔۔ انعام میں۔۔۔؟" اس نے حیرت کا مظاہرہ کیا۔

"اگر کوئی راجا ڈاکٹر وجے شرما کو کروڑوں روپے مالیت کی بلڈنگ انعام میں دے سکتا ہے تو کوئی راج کماری اپنی جان بچائے جانے پر مجھے یہ معمولی سی گاڑی انعام میں نہیں دے سکتی!"

"حیرت انگیز!" سونیا بولی۔

"حیرت کا مظاہرہ بعد میں اطمینان سے کریں گے۔ اس وقت گاڑی میں بیٹھو۔" میں نے کہا۔

سونیا اور جانکی پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئیں اور میں نے اسٹیئرنگ سنبھال لیا۔

"کہاں چلنا ہے؟" میں نے انجن اسٹارٹ کرتے ہوئے سونیا سے پوچھا۔

"نیو گیٹ۔ میں وہیں ایک فلیٹ میں رہتی ہوں۔" سونیا نے جواب دیا۔

میں نے گاڑی ایک ہلکے سے جھٹکے سے آگے بڑھا دی اور تقریباً پچاس گز آگے سگنل پر یوٹرن لے کر اس سڑک کے دوسرے حصے پر واپس موڑ لی۔

نیو گیٹ زیادہ دور نہیں تھا۔ اس سڑک پر پریم پرکاش سنیما کے سامنے سے گزر کر تقریباً سو گز آگے نکلنے کے بعد سونیا کے کہنے پر میں نے گاڑی بائیں طرف ایک کشادہ گلی میں موڑ لی اور پچاس گز کا مزید فاصلہ طے کرنے کے بعد گاڑی ایک کئی منزلہ عمارت کے سامنے روک لی۔

اس کشادہ گلی کے دونوں طرف بلند عمارتیں تھیں۔ بعض عمارتوں کے گراؤنڈ فلور پر دکانیں تھیں اور بیشتر عمارتیں رہائشی تھیں۔ میں نے جس عمارت کے سامنے گاڑی روکی تھی' اس کے نیچے کوئی دکان وغیرہ نہیں تھی۔ عمارت خاصی پرانی تھی۔ گیٹ کھلا ہوا تھا اور لگتا تھا جیسے یہ کبھی بند نہ ہوا ہو۔ گیٹ کے اندر کافی کشادہ جگہ تھی۔ سامنے دونوں طرف کی دیواروں کے ساتھ بجلی کے لاتعداد میٹر لگے ہوئے تھے اور تار مکڑی کے جالے کی طرح آپس میں الجھے ہوئے تھے۔ میٹروں کے قریب ہی چند سائیکلیں بھی

کھڑی تھیں۔ دو تین سائیکلیں تو ایسی تھیں جنہیں شاید کبھی استعمال ہی نہیں کیا گیا تھا۔ ان کے قریب ہی تین چار بچیاں اسٹاپو کھیل رہی تھیں۔ گیٹ کے ساتھ ہی دائیں طرف دیوار پر لگے ہوئے لکڑی کے ایک باکس میں بہت سارے خطوط رکھے ہوئے تھے۔

اس عمارت میں صفائی کا بالکل دھیان نہیں رکھا گیا تھا۔ گیٹ کے اندر کی طرف کوڑا بھی بکھرا ہوا تھا اور دیواریں بھی اس قدر گندی ہو رہی تھیں کہ ان کا اصل رنگ چھپ گیا تھا۔ غالباً کئی برسوں سے رنگ روغن پر توجہ نہیں دی گئی تھی۔

گیٹ کے دائیں بائیں اوپر آمدورفت کے لیے زینے تھے۔ زینوں کی دیوار اور ریلنگ بھی بہت میلی ہو رہی تھی۔ عمارت میں لوگوں کی آمدورفت جاری تھی۔ ہم سونیا کے پیچھے بائیں طرف والے زینے کی طرف بڑھ گئے۔

سونیا کا فلیٹ دوسری منزل پر بائیں طرف والی راہداری کے آخر میں تھا۔ دو کمروں کے اس فلیٹ میں ایک بہت مختصر سا لاؤنج اور چھوٹا سا کچن بھی تھا۔ باتھ روم دروازے کے بالکل ساتھ تھا۔ سامنے ساتھ ساتھ دو کمرے تھے اور کوئی بھی کمرا دس بائی دس فٹ سے زیادہ بڑا نہیں تھا۔ دونوں کمروں کے دروازے بھڑے ہوئے تھے۔ سونیا ایک کمرے میں داخل ہوگئی۔ یہ غنیمت تھا کہ ان کمروں کی کھڑکیاں سامنے گلی کی طرف کھلتی تھیں۔ سونیا نے کمرے میں داخل ہو کر پردہ ایک طرف کھینچ دیا اور کھڑکی کھول دی۔

کمرے میں کرے کلر کا سستا سا کارپٹ بچھا ہوا تھا۔ کھڑکی والی دیوار کے ساتھ دو کرسیاں اور ان کے ساتھ ایک چھوٹی میز رکھی ہوئی تھی۔ دوسری دیوار کے ساتھ سنگل بیڈ بچھا ہوا تھا اور سامنے والی دیوار میں ایک الماری بنی ہوئی تھی۔ الماری کے لکڑی کے دروازے کے اوپر والے حصے پر شیشے لگے ہوئے تھے۔ بیڈ پر میلے کپڑے بکھرے ہوئے تھے۔ سونیا نے وہ کپڑے اٹھا کر کمرے کے ایک کونے میں ڈال دیے۔

"بیٹھو۔" وہ ہماری طرف دیکھتے ہوئے بولی "یہ فلیٹ میں نے ایک اور لڑکی کے ساتھ مل کر کرائے پر لے رکھا ہے۔ وہ ایک پرائیویٹ کمپنی میں ملازم ہے اور ایک ہفتے کی چھٹی لے کر جودھ پور گئی ہوئی ہے۔ شاید پرسوں واپس آجائے گی۔"

میں اور جانکی کھڑکی کے پاس کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ سونیا سامنے کھڑی باری باری ہماری طرف دیکھ رہی تھی۔

"تم دونوں کو اپنے سامنے دیکھ کر مجھے اس قدر خوشی ہو رہی ہے کہ بیان نہیں کرسکتی۔" وہ میری طرف دیکھتے ہوئے بولی "بہت سی باتیں کرنے کو دل چاہتا ہے۔ دُکھوں باتیں لیکن پہلے یہ بتاؤ کہ چائے پیو گے یا کافی ہی چلے گی۔"

"کافی ابھی تو پی کر آئے ہیں لیکن بہرحال، تم کچھ پلانے پر بضد ہو تو چائے بنالو۔" میں نے جواب دیا۔

سونیا کمرے سے چلی گئی۔ کچھ دیر بعد جانکی بھی اٹھ کر کمرے سے نکل گئی۔ میں بھی اٹھ کر باہر آگیا۔ وہ دونوں کچن میں تھیں۔ میں لاؤنج میں اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ یہاں فرش پر کوئی دری یا قالین نہیں بچھا تھا۔ تین کرسیاں رکھی ہوئی تھیں۔ کچن کے دروازے کے قریب دیوار کے ساتھ ایک چھوٹا فریج رکھا ہوا تھا جبکہ دوسری طرف کونے میں ٹرالی پر چودہ انچ کا رنگین ٹی وی رکھا ہوا تھا۔ ٹرالی کے نچلے حصے میں وی سی پی اور چند ڈیوڈیز بھی رکھے ہوئے تھے۔

میں نے آگے بڑھ کر دوسرے کمرے کا دروازہ کھول دیا۔ وہ کمرا بھی کچھ ایسی ہی صورتِ حال پیش کر رہا تھا جو میں سونیا کے کمرے میں دیکھ چکا تھا۔ یہاں بھی بیڈ پر میلے کپڑے بکھرے ہوئے تھے۔ یہ صورتِ حال دیکھ کر مجھے اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ سونیا کے ساتھ رہنے والی لڑکی بھی کچھ بے پروا واقع ہوئی تھی۔

وہ دونوں چائے لے کر آگئیں۔ سونیا نے چھوٹی میز کھینچ کر بیچ میں کردی اور چائے کے کپ رکھ دیے۔ جانکی میرے قریب دوسری کرسی پر بیٹھ گئی اور سونیا بیڈ پر پیر لٹکا کر بیٹھ گئی۔

"ہم تو محض حادثاتی طور پر یہاں پہنچے تھے۔ تم بتاؤ، تم یہاں کیسے آگئیں؟" میں نے چائے کی چسکی لیتے ہوئے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"یہ ایک لمبی کہانی ہے۔" سونیا نے گہرا سانس لیتے ہوئے جواب دیا "ہم برما سے نکل کر آسام سے ہوتے ہوئے انڈیا کے صوبہ بہار میں پٹنہ پہنچ گئے تھے۔ راستے میں ہمیں بڑی تکلیفیں اٹھانی پڑی تھیں۔ آسام میں دو مرتبہ ہم موت کے منہ میں جاتے جاتے بچے تھے۔ وہاں قبائلی طویل عرصے سے حکومت کے برسرِپیکار ہیں۔ ایک مرتبہ تو سرکاری فوجیوں کے ساتھ ہم بھی ان کے نرغے میں آگئے تھے اور یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ قبائلیوں ہی نے ہمیں وہاں سے بچا کر نکال دیا تھا۔ بہرحال، ہم مصیبتیں جھیلتے ہوئے کسی نہ کسی طرح دہلی پہنچ گئے۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگی۔

"بوما کا خیال تھا کہ ہم پٹنہ ہی میں سیٹ ہونے کی کوشش کریں گے۔ اسے وہاں کام بھی مل گیا تھا لیکن دو مہینے بعد وہاں ایک ایسے آدمی کو دیکھ لیا جو کچھ عرصے گولڈن ٹرائی اینگل میں بھی رہ چکا تھا۔ بوما کا خیال تھا کہ شاید وہ بھی گولڈن ٹرائی اینگل سے بھاگ کر آیا ہو مگر اس سے رابطہ کرنے سے پہلے وہ اس کے بارے میں معلومات حاصل کرلینا چاہتا تھا اور پھر یہ سنسنی خیز انکشاف ہوا کہ وہ شخص پٹنہ میں ہماری بات کا ایک ریکٹ چلا رہا تھا اور اس کے رابطے اوپر تک بڑے سینئر کمیٹس سے بھی تھے۔ بوما نے وہاں سے بھاگ جانے ہی میں عافیت سمجھی۔

"ہم مصائب جھیلتے ہوئے کسی نہ کسی طرح دہلی پہنچ گئے۔ خیال تھا کہ دہلی جیسے بڑے شہر میں ہمیں کوئی خطرہ نہیں ہوگا۔ یہاں ہمیں کوٹلہ فیروز شاہ کے علاقے میں رہائش کے لیے ایک کھولی بھی مل گئی اور بوما کو کام بھی مل گیا۔

"بوما اور ہوفا میرا بہت خیال رکھے ہوئے تھے۔ ان کا بھی مجھ سے بہت مانوس ہوگیا تھا لیکن میں ان پر بوجھ بن کر نہیں رہنا چاہتی تھی۔ میں نے بھی نوکری کی تلاش شروع کی لیکن ہر جگہ میری خوب صورتی آڑے آتی رہی۔ ایک رات کے لیے مجھے اپنے بستر کی زینت بنانے کو تو تیار تھے مگر نوکری نہیں ملی۔ کہیں نوکری کی امید دلائی بھی گئی تو شرط رکھی گئی کہ میں ان کا دل بھی بہلاؤں گی۔

"تین مہینے گزر گئے۔ ایک شام جب میں اسی طرح مایوس ہو کر واپس لوٹی تو یہ سنسنی خیز انکشاف ہوا کہ بوما اور ہوفا کو جاسوسی کے الزام میں گرفتار کرلیا گیا ہے۔ یہ بات تو بہت دنوں سے نوٹ کر رہی تھی کہ ہوفا کی شکل وصورت کے لیے کچھ گڑبڑ پیدا کر رہی تھی۔ وہ چینی بھی اور چینیوں ہندوستان میں شک کی نگاہوں سے دیکھا جاتا تھا اور بالآخر ماجس نے ہوفا کو چینی جاسوس ہونے کے شبے میں گرفتار اور بوما بھی لپیٹ میں آگیا۔

"پولیس کے چند اہلکار سادہ لباس میں میرے انتظار میں وہاں بیٹھے ہوئے تھے۔ میں جیسے ہی وہاں پہنچی، مجھے بھی حراست میں لے لیا گیا۔

"حراست کے دوران میں، میں نے صرف ایک مرتبہ بوما کو دیکھا تھا۔ اس کے بعد وہ نظر نہیں آئے اور پھر اسی طرح یہ بات باہر بھی پہنچ گئی کہ میں بدھا کی پیروکار ہوں ان دونوں سے میرا تعلق صرف اتنا ہے کہ میں ان کے وہاں سے آئی تھی۔

"ہندوستان میں تبت کے ہزاروں مہاجرین آباد ہیں۔ مہاجرین کو اگرچہ میسوری اور دھرم شالہ کے علاقوں تک محدود رکھا گیا ہے لیکن لاتعداد تبتی دہلی میں بھی آباد ہیں۔

"تبت کا جلاوطن لاما بھی اتفاق سے ان دنوں دہلی میں موجود تھا۔ میری گرفتاری کی خبر اس تک بھی پہنچ گئی اور پھر محض دھرم کی بنیاد پر تبتی باشندوں کی طرف سے میری رہائی کی کوشش شروع ہوگئی۔ لاما اس معاملے میں ذاتی دلچسپی لے رہا تھا۔ اس کے ایک نمائندے نے جیل میں مجھ سے ملاقات بھی کی۔ میں نے اسے سب کچھ بتا دیا کہ میں کون ہوں اور یہاں تک کیسے پہنچی ہوں۔

"میرے لیے تھائی سفارت خانے سے بھی رابطہ کیا گیا اور سفارت خانے کے ذریعے تھائی لینڈ سے بھی میرے بارے میں معلومات حاصل کی گئیں۔ بالآخر چار مہینے تک جلاوطن تبتی رہنماؤں اور تھائی سفارت خانے کی کوششوں سے مجھے جاسوسی کے الزام سے بری کردیا گیا۔ تاہم بغیر پاسپورٹ ہندوستان میں داخل ہونے کے جرم میں مجھے تین مہینوں کی قید کی سزا دی گئی۔

"یہ تین مہینے میں نے دہلی کی تہاڑ جیل میں گزارے۔ یہ دنیا کی خوفناک ترین جیل ہے۔ اس جیل میں قانون کا نہیں بدمعاشوں اور غنڈوں کا راج ہے۔ یہاں انہی کا قانون چلتا ہے اور جیل کے حکام انہی کے اشاروں پر چلتے ہیں۔ بہرحال، میں نے اس جیل میں تین مہینے جس طرح گزارے وہ میں ہی جانتی ہوں۔

"ہند سرکار میری سزا پوری ہونے کے بعد مجھے تھائی لینڈ واپس بھیجنا چاہتی تھی لیکن میں تھائی لینڈ نہیں جانا چاہتی تھی۔ اس موقع پر بھی جلاوطن تبتی رہنما میرے کام آئے اور انہی کی کوششوں سے مجھے ہندوستان میں رہنے کی اجازت مل گئی اور مجھے دھرم شالہ بھیج دیا گیا۔ میں نے دو مہینے دھرم شالہ کی عبادت گاہ میں گزارے اور پھر شملہ اور انبالہ ہوتی ہوئی دوبارہ دہلی آگئی۔

"یہاں بڑے بڑے شکاری گھات لگائے بیٹھے تھے۔ میں اپنے آپ کو بچانے کی کوشش کرتی رہی۔ اسی دوران میں میری ملاقات نندہ دیوی نامی ایک عورت سے ہوگئی جو مجھے یہاں لے آئی۔

"میں نندہ دیوی کو ایک شریف عورت سمجھتی تھی لیکن وہ بڑی بدمعاش نکلی۔ وہ بہت اونچی شے تھی جو جے پور کے بڑے بڑے لوگوں کو لڑکیاں سپلائی کرتی تھی۔ میں پہلی فرصت میں موقع ملتے ہی وہاں سے بھاگ نکلی اور کسی طرح شوبھا دیوی تک پہنچ گئی۔ اس نے مجھے اپنے کافی ہاؤس میں ملازمت دے دی۔ چند روز تو میں کافی ہاؤس کے اوپر ایک کمرے میں

رہی پھر ہادھوری کے ساتھ اس فلیٹ میں رہنے لگی اور گزشتہ چھ مہینے سے یہاں ہوں۔"

"بوبا اور ہوفا کے بارے میں کچھ پتا چلا۔ ان کا کیا ہوا؟" میں نے اس کے خاموش ہونے پر پوچھا۔

"میں نے جیل سے رہا ہونے کے بعد ان سے رابطہ کرنے کی کوشش کی تھی لیکن انہیں کسی اور جیل میں رکھا گیا تھا اور مجھے ان سے ملنے کی اجازت نہیں دی گئی۔ مجھے ان دونوں کا افسوس تو ہے لیکن سب سے زیادہ افسوس اس معصوم بچے کا رہے گا۔" سونیا نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے۔" میں نے گہرا سانس لیا "ان کا افسوس تو مجھے بھی ہو رہا ہے۔ بہرحال، ہم ان کے لیے کچھ کر بھی نہیں سکتے۔"

"اور تم لوگ یہاں کیسے پہنچے، کیا وارا کا پیچھا کرتے ہوئے؟" سونیا نے پوچھا۔

"محض حادثاتی طور پر۔" میں نے کہا اور پھر اسے تفصیل سے سب کچھ بتانے لگا۔ آخر میں کہا "یہ محض اتفاق ہے کہ ہم کافی پینے کے لیے وہاں رک گئے تھے ورنہ ہمیں پتا بھی نہ چلتا کہ تم بھی جے پور میں موجود ہو۔"

بات کرتے ہوئے میری نظر دیوار پر لگی ہوئی گھڑی کی طرف اٹھ گئی۔ ساڑھے دس بج رہے تھے۔ میں ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

"اب ہمیں چلنا چاہیے۔ روپ متی پریشان ہو رہی ہوگی۔"

"روپ متی کون؟" سونیا نے الجھی ہوئی نظروں سے میری طرف دیکھا۔

"دنیا میں اچھے لوگوں کی کمی نہیں ہے۔" میں نے جواب دیا "یہاں بھی ہمیں کچھ ایسے لوگ مل گئے ہیں جو ہماری سچائی پر وشواس (یقین) رکھتے ہیں اور ہماری خاطر بڑی سے بڑی برائی سے ٹکرانے کی قوت رکھتے ہیں۔"

"اوہ!" سونیا کی آنکھوں میں چمک ابھر آئی "پھر تو میں ان لوگوں سے ملنا چاہوں گی۔"

"ضرور ملواؤں گا۔" میں نے کہا اور سونیا سے اس کے کافی ہاؤس کا فون نمبر لے لیا اور اس کی ڈیوٹی کے اوقات بھی معلوم کر لیے۔

سونیا ہمیں رخصت کرنے کے لیے عمارت کے باہر تک آئی تھی۔ پجارو کے قریب پہنچ کر جانکی نے مجھ سے چابی لے لی اور دروازہ کھول کر ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گئی۔ میں نے سونیا سے ہاتھ ملایا اور گاڑی کے پیچھے سے گھوم کر دوسری طرف جانے لگا تو وہ میری طرف جھکتے ہوئے سرگوشیانہ لہجے میں بولی۔

"دوپہر ایک بجے تک میں اپنے فلیٹ میں اکیلی ہوتی ہوں۔ کل صبح آجانا مگر جانکی کے بغیر۔"

میں نے گھور کر اس کی طرف دیکھا۔ وہ ڈھٹائی سے مسکرا دی۔ میں پسنجرز سیٹ کا دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گیا اور سونیا کی طرف دیکھتے ہوئے ہاتھ ہلا دیا۔

"کیا کہہ رہی تھی؟" جانکی نے انجن اسٹارٹ کرتے گاڑی آگے بڑھاتے ہوئے سوالیہ نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔

میں چونک گیا۔ بڑی تیز نگاہ تھی اس کی۔

"اوہ! کچھ نہیں۔" میں نے جواب دیا "کہہ رہی تھی اکیلے میں ڈر لگتا ہے۔ مجھے بھی ساتھ لے چلو۔"

"شاید تم صحیح بات بتانا نہیں چاہتے۔" جانکی نے کہا اور گاڑی کو گلی سے نکال کر مین روڈ پر لے آئی۔

"ہوئی نا خالص عورتوں والی بات۔" میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا "تمہارے لیے پریشان ہونے کی کوئی بات نہیں۔ احتیاط سے گاڑی چلاؤ۔"

جانکی نے مزید جرح نہیں کی بلکہ وہ موضوع بدل کر اب ہم بوبا اور ہوفا کے بارے میں باتیں کرنے لگے۔ مجھے واقعی ان دونوں کی گرفتاری کا افسوس ہو رہا تھا۔ ہوفا چینی ہونا ہندوستان میں اس کے لیے مصیبت بن گیا تھا اور بوبا اس لیے رگڑا گیا تھا کہ وہ اس کا شوہر تھا۔

"دراصل یہ سب کچھ اندرا گاندھی کے دور میں ایمرجنسی کا نتیجہ ہے۔" جانکی کہہ رہی تھی "ایمرجنسی آج تک نافذ ہے جس سے نہ صرف ہندوستان کے عوام بلکہ غیر ملکی بھی وقتاً فوقتاً اس کالے قانون کی زد کا شکار رہیں۔ وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگی "جب ہندوستان فرنگیوں کے چنگل سے آزاد ہوا تو چین سے ہندوستان کے بڑے اچھے تعلقات تھے لیکن پنڈت نہرو ہی کے دور میں ان تعلقات میں رخنہ پیدا ہونا شروع ہو گیا تھا۔ ادھر چین نے تبت کے خود مختار علاقے پنجے گاڑنا شروع کر دیے تھے۔ تبت میں کوئی باقاعدہ فوج نہیں تھی۔ بدھا کے یہ پیروکار جدال و قتال سے ہمیشہ دور رہے ہیں۔ کبھی فوج کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔ صرف اور لاما حفاظت کے لیے چند محافظ ہوتے ہیں۔ بہرحال

"جس طرح ہندوستان نے ہمدردی کر کے بھوٹان کے گوا پر قبضہ کیا تھا، چین نے تبت میں بالکل یہی پالیسی اپنائی تھی۔ وہ بدھا کے ان سیدھے سادے اور بے ضرر پیروکاروں کا ہمدرد بن کر تبت میں داخل ہوا اور دہشت پاکی طرح پھیلتا چلا گیا۔ اصلاحات کے نام پر قدم مضبوط کیے جانے لگے۔ چینیوں کو وہاں لا کر آباد کیا جانے لگا۔ تبتیوں کی زرخیز زمین چھین کر چینی آبادکاروں کو دے دی گئی اور اصل مالکوں کو بنجر اور ویران پہاڑوں کی طرف دھکیلا جانے لگا جس کے نتیجے میں تبتی باشندوں کے دلوں میں چینیوں کے لیے نفرت بھرتی گئی اور مسلح تصادم شروع ہو گئے۔

"چینی فوج نہتے بدھا پیروکاروں پر ظلم کے پہاڑ توڑتی رہی۔ انہیں طاقت کے زور پر ان کے ملک سے نکالا جا رہا تھا۔ ہزاروں تبتی مصائب جھیلتے ہوئے برف پوش بلند پہاڑوں کے اس پار نیپال اور انڈیا کی طرف ہجرت کرنے لگے۔

"بہت سے تبتی باشندوں نے اپنے ہی ملک میں عبادت گاہوں میں پناہ لے لی تھی۔ ان کا خیال تھا کہ چینی فوج عبادت گاہوں کے تقدس کا خیال رکھے گی اور وہ لوگ محفوظ رہیں گے لیکن چینی فوجیوں نے ان عبادت گاہوں کو بھی مقتل بنا دیا۔ ہزاروں معصوم اور بے گناہ تبتی باشندے ان عبادت گاہوں میں ہی موت کے گھاٹ اتار دیے گئے۔

"تبتی باشندوں کے قتل عام کے ساتھ چینی پورے تبت میں اصلاحات کے نام پر سڑکوں کا جال بچھا رہے تھے۔ فوجی تنصیبات قائم کر رہے تھے۔ گزرنے والے ہر دن کے ساتھ تبت پر ان کی گرفت مضبوط ہوتی جا رہی تھی اور پھر انہوں نے لہاسہ میں بھی قدم جما لیے۔

"دلائی لاما محض قیدی بن کر رہ گیا تھا۔ اسے محل سے باہر جانے کی اجازت نہیں تھی۔ وہ ان دنوں شدید بیمار تھا اور پھر ایک رات وہ اپنے چند جاں نثاروں کے ساتھ محل سے نکل گیا۔ اس کے ایک گھنٹے بعد چینی فوج نے پوٹالا محل کو گھیرے میں لے کر گولا باری کر دی۔ تبت میں بدھا کے پیروکاروں کا یہ عظیم روحانی مرکز چند ہی گھنٹوں میں کھنڈر بن گیا۔

"دلائی لاما مصائب جھیلتا ہوا کسی نہ کسی طرح ہندوستان پہنچ گیا جہاں اس وقت کے ہندوستان کے پردھان منتری (وزیراعظم) پنڈت نہرو نے اسے سیاسی پناہ دی۔ اس کے ساتھ ہی تبتی پناہ گزیں جوق در جوق ہندوستان پہنچنے لگے۔

"ان دنوں پنڈت نہرو کے چینی حکمرانوں سے بعض معاملات پر اختلافات شروع ہو چکے تھے۔ دلائی لاما کو ہندوستان میں سیاسی پناہ دینے سے ان دونوں ملکوں کے درمیان تعلقات مزید بگڑتے چلے گئے۔

"بعد میں ان دونوں ملکوں کے بیچ سرحدی جھڑپیں اور جنگیں بھی ہوئیں۔ ہندوستان میں بہت سے چینی آباد تھے۔ ان کی وفاداریاں مشکوک ہو گئیں۔ ان کی حرکات و سکنات پر شبہ کیا جانے لگا۔ یہ تو ان چینیوں کی صورتِ حال ہے جو نسل در نسل یہاں آباد ہیں۔ باہر سے آنے والوں کی تو کڑی نگرانی کی جاتی ہے۔ ان کی ایک ایک حرکت پر نگاہ رکھی جاتی ہے۔

"ہوفا برما کی طرف سے آئی تھی۔ وہ پہلے پٹنہ میں رہی پھر مختلف شہروں سے ہوتی ہوئی دہلی آگئی۔ وجہ خواہ کچھ بھی رہی ہو لیکن اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ وہ بغیر ویزے اور پاسپورٹ کے اس ملک میں داخل ہوئی تھی۔ ہو سکتا ہے وہ آسام میں داخل ہوتے ہی بھارتی انٹیلی جنس کی نظروں میں آگئی ہو اور اس کی نقل و حرکت پر شبہ ہو گیا ہو۔

"بھارت میں ٹاڈا کا قانون نافذ ہے اور یہ کالا قانون کسی کو نہیں بخشتا۔ ہوفا کو حراست میں لیے کئی مہینے گزر چکے ہیں۔ بھگوان جانے اب تک اس کا کیا حشر ہو چکا ہوگا یا کیا ہونے والا ہوگا۔ سونیا کی یہ خوش قسمتی ہے کہ دھرم کی بنیاد پر اسے کچھ اچھے لوگوں کی پشت پناہی حاصل ہو گئی اور آج وہ آزادی سے گھوم پھر رہی ہے۔ ورنہ ہو سکتا ہے، وہ بھی کسی جیل میں پڑی سڑ رہی ہوتی اور ہمیں اس کے بارے میں کوئی خبر نہ ملتی۔"

"بہت معلومات ہیں تمہیں ہندوستانی سیاست کے بارے میں۔" میں نے اس کے خاموش ہونے پر گہری نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"ہندوستان میرا وطن مالوف ہے۔" جانکی مسکرائی "ہر مخلص کو، خواہ وہ دنیا کے کسی بھی حصے میں پیدا ہوا ہو، اپنے آبائی وطن سے کچھ نہ کچھ لگاؤ ہوتا ہے۔ میں جب تھائی لینڈ میں تھی تو ہندوستان کے بارے میں پڑھتی رہتی تھی۔ تم نے دیکھا ہوگا کہ یہاں آکر بھی میں باقاعدگی سے اخبار پڑھتی ہوں۔ اس سے مجھے یہاں کی سیاست کا کچھ نہ کچھ پتا چلتا رہتا ہے۔ ویسے میں تمہیں ایک بات بتاؤں کہ آج کل پھر ہندوستان کی سیاست میں ایمرجنسی کے خلاف کچھ بازگشت سنائی دینے لگی ہے لیکن میں پورے وثوق سے کہتی ہوں کہ یہ ایمرجنسی اب مزید کئی سال تک ختم نہیں ہوگی کیونکہ اس کالے قانون کے نفاذ ہی میں حکمرانوں کی بھلائی پوشیدہ ہے۔"

میں بڑی محویت سے جانکی کی باتیں سن رہا تھا اور پھر جیسے ہی میں نے کھڑکی سے باہر دیکھا، چونک سا گیا۔ ہم باتوں میں اس قدر محو رہے تھے کہ اصل راستے سے کسی اور طرف

نکل آئے تھے۔ میں نے جانکی کو متوجہ کیا تو وہ مسکراتے ہوئے بولی۔

"میں راستہ بھولی نہیں ہوں' جان بوجھ کر اس طرف آئی ہوں۔" اس نے گاڑی کو ایک اور کشادہ سڑک پر موڑ دیا "جان بوجھ کر یہ لمبا راستہ اختیار کیا ہے تاکہ حویلی پہنچنے سے پہلے اطمینان سے کچھ باتیں کرسکیں۔"

"تمہارا مطلب ہے' اگر تم یہ باتیں روپ متی کے سامنے کہتیں تو وہ برا مان جاتی؟" میں نے کہا۔

"ان باتوں سے اسے برا ماننے کی ضرورت نہیں بلکہ وہ میری تائید کرے گی اور پھر یہ تو تاریخی حقائق ہیں جنہیں جھٹلایا نہیں جاسکتا۔ میں تو کچھ اور باتیں کرنا چاہتی ہوں۔" جانکی نے کہا۔

"اوہ!" میں چونک گیا "اس کا مطلب ہے' کچھ اور باتیں ابھی باقی ہیں۔"

"شکر کرو مجھے زیادہ بولنے کی عادت نہیں۔ کوئی اور ہوتی تو تمہارے کان کھا جاتی۔" جانکی نے کہا۔

"خدا میری حالت پر رحم کرے۔" میں نے کراہتے ہوئے کہا "سونیا کے فلیٹ سے نکلنے سے لے کر اب تک تمہاری زبان ایک لمحے کو بھی نہیں رکی اور تم کہہ رہی ہو کہ تمہیں زیادہ بولنے کی عادت نہیں۔ اس کا تجربہ تو مجھے پہلے بھی ہے کہ تمہارے ہوتے ہوئے ریڈیو یا ٹی وی کی ضرورت نہیں۔ بہرحال' جو باتیں باقی رہ گئی ہیں وہ بھی کہہ ڈالو۔"

"بہت بولنے لگے ہو تم؟" جانکی نے مجھے گھورا۔

"اچھا بابا۔ میں خاموش ہوا جاتا ہوں۔ تم بولو۔" میں نے کہا۔

"اتفاق سے سونیا ہمیں مل گئی ہے۔" جانکی کہہ رہی تھی "وہ وفادار اور قابلِ اعتماد لڑکی ہے۔ اسے آزمانے کی ضرورت نہیں اور ہم یہاں جس قسم کے حالات سے دوچار ہوچکے ہیں اس کے پیشِ نظر ہمیں کسی ایسے ہی ساتھی کی ضرورت تھی۔"

"میں سمجھا نہیں۔ کھل کر بات کرو۔" میں نے الجھی ہوئی نظروں سے جانکی کی طرف دیکھا۔

"اس میں شبہ نہیں کہ روپ متی بھی ہر لحاظ سے قابلِ اعتماد ہے اور اس پر آئندہ بھی بھروسا کیا جاسکتا ہے۔" جانکی نے کہا "پنڈتوں اور پجاریوں کی سازشیں بہت گہری ہوتی ہیں اور اس وقت تو ان پنڈتوں کے پیچھے دارا جیسا دماغ کام کررہا ہے۔ وہ ہندوستان کے مندر دیکھ چکا ہے۔ یہ عبادت گاہیں نہیں' سونے کی کانیں ہیں۔ وہ کسی نہ کسی مندر پر ہر صورت میں قبضہ کرنا چاہتا ہے تاکہ زندگی بھر عیش کرسکے اور اتفاق سے بلونت سنگھ جیسا شیطان بھی بیچ میں کود پڑا ہے۔ دو چار دن کی خاموشی کا مطلب یہ نہیں کہ یدھ (لڑائی) ختم ہوگئی ہے بلکہ میرے خیال میں یہاں ایک اور مہابھارت چھڑنے والی ہے جو طویل عرصے تک جاری رہے گی۔"

"میں اس ساری بکواس کا مطلب اب بھی نہیں سمجھ سکا۔" میں نے کہا۔

"مجھے حیرت ہے کہ یہاں آکر تمہارا دماغ اتنا کند کیوں ہوگیا ہے کہ سیدھی سی بات بھی نہیں سمجھ سکتے۔" جانکی نے کہا "ہم روپ متی اور بھانوت سنگھ پر ہی ڈی پنڈ نہیں کرسکتے۔ ان دونوں کو شہر کے سب ہی لوگ جانتے ہیں۔ ہمیں ایمرجنسی میں کسی ایسی جگہ کی ضرورت بھی پڑسکتی ہے جس کے بارے میں ان دونوں کو بھی علم نہ ہو۔"

"اوہ!" میرے منہ سے گہرا سانس نکل گیا "اتنی چھوٹی سی بات کے لیے اتنی لمبی کتھا سنانے کی کیا ضرورت تھی؟"

"اگر تم آج کل عقل سے پیدل نہ ہوتے تو مجھے یہ کتھا سنانے کی ضرورت پیش نہ آتی۔" جانکی نے جواب دیا "بہتر ہوگا کہ سونیا کو یہاں کے حالات سے پوری طرح آگاہ کردیا جائے۔ اگر وہ اب بھی ہمارا ساتھ دینے پر آمادہ ہو تو۔"

"تو اسے بھی اس معاملے میں گھسیٹ لیا جائے۔" میں نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

"ہاں۔ یہی سمجھ لو۔" جانکی بولی۔

"لیکن اس کے ساتھ وہ جو مادھوری ڈکشٹ رہ رہی ہے' اس کا کیا ہوگا؟" میں نے کہا۔

"مادھوری ڈکشٹ!" جانکی نے ہلکا سا قہقہہ لگایا "وہ ان وڈبا نما فلیٹوں میں رہنے والی نہیں۔ یہ مادھوری تو۔"

"وہی وہی۔ میں سمجھ گیا۔" میں نے کہا "اس کا کیا ہوگا۔ کیا ہم اسے اٹھا کر فلیٹ سے باہر پھینک دیں گے؟"

"ہمیں کوئی دوسرا بندوبست کرنا ہوگا۔" جانکی نے کہا "اس بلڈنگ میں رش بہت ہے۔ یہاں متوسط اور نچلے طبقے کے لوگ رہتے ہیں۔ میں پورے وثوق سے کہہ سکتی ہوں کہ اس بلڈنگ میں چوبیس گھنٹے لوگوں کی آمدورفت رہتی ہوگی اور ایسی کوئی جگہ ہمارے لیے محفوظ نہیں ہوسکتی۔"

"اس کا مطلب ہے اس کے لیے کوئی الگ مکان لینا پڑے گا۔" میں نے کہا۔

"ہاں اور یہ کام وہ خود ہی کرے گی۔ اسے جتنے روپوں کی ضرورت ہوگی وہ میں دے دوں گی۔" جانکی نے کہا۔

"کیا؟" میں نے گردن گھما کر اس کی طرف دیکھا

"تمہارے پاس اتنے روپے کہاں سے آگئے؟"

"روپ متی نے مجھے اچھی خاصی رقم دے رکھی ہے اور وہ رقم اتنی ہے کہ ہم کسی درمیانے درجے کے مکان کا چھ مہینے کا کرایہ ایڈوانس تو دے ہی سکتے ہیں۔ ضرورت پڑنے پر میں روپ متی سے مزید رقم لے سکتی ہوں اور مجھے یقین ہے وہ کوئی حرج بھی نہیں کرے گی۔" جانکی نے کہا۔

"وہ تو ٹھیک ہے مگر تم اس وقت جا کہاں رہی ہو؟" میں یہ کہتے ہوئے کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔

"ہم اس وقت اشوک مارگ میں گھوم رہے ہیں۔" جانکی نے جواب دیا "اور سینٹرل میوزیم والے چوراہے سے ہوتے ہوئے جواہر لال نہرو مارگ کی طرف نکل جائیں گے۔"

"میرا خیال ہے' تم واقعی راستہ بھول گئی ہو۔" میں نے کہا "ٹھاکر بھانوت سنگھ کی حویلی آگرہ مارگ سے بھرت پور کی طرف جانے والی سڑک پر ہے جبکہ تم اس وقت روپ متی کی حویلی کی طرف جارہی ہو۔"

"میری واقعی مت ماری گئی ہے۔" جانکی نے پیشانی پر ہاتھ مارا "میں واقعی بھول گئی تھی۔ بہرحال' ہم سینٹرل میوزیم والے چوراہے سے ہی آگرہ مارگ کی طرف نکل جائیں گے۔"

اس وقت ساڑھے گیارہ بجنے والے تھے۔ اس وقت ان سڑکوں پر زیادہ ٹریفک نہیں تھا۔ سینٹرل میوزیم والے چوراہے سے آگے نکل کر موتی ڈونگری کراس کرتے ہی جانکی کو رفتار کم کردینی پڑی۔ ایک ہندو سادھو سڑک کے وسط میں دونوں ہاتھ اٹھائے کھڑا تھا۔

"یہ سادھو شاید لفٹ لینا چاہتا ہے۔" جانکی نے رفتار کچھ اور کم کرتے ہوئے کہا "ذرا ہوشیار رہنا۔ ایسے لوگ بڑے خطرناک ہوتے ہیں۔"

"تو پھر اسے لفٹ دینے کی کیا ضرورت ہے۔ چڑھا دو گاڑی اس کے اوپر۔" میں نے کہا۔

"میں اتنی ظالم بھی نہیں ہوں کہ قصور کے بغیر کسی آدمی کو موت کے گھاٹ اتار دوں۔" جانکی نے کہا "ہماری یدھ (لڑائی) چونکہ اس قبیل کے لوگوں سے ہے اور ایسے لوگوں سے کچھ کام کی باتیں بھی معلوم ہوسکتی ہیں۔"

جانکی نے سادھو کے قریب پہنچ کر گاڑی روک لی۔ ہیڈ لائٹس کی روشنی میں کھڑا ہوا وہ سادھو بہت ہی بدہیئت لگ رہا تھا۔ اسے دیکھ کر نجانے کیوں مجھے بنکاک کا نینڈت ناتھ یاد آگیا جس نے شہر کے نواح میں روحانیت کی آڑ میں عیاشی کا بہت بڑا اڈا کھول رکھا تھا۔

پانچ فٹ کے قریب قد' آبنوسی رنگت' گنجا سر' ماتھے پر بیچ میں اوپر سے نیچے کی طرف سرخ ٹیکا اور دائیں بائیں تین تین سفید لکیریں۔ سرخ آنکھیں' چہرہ بے حد مکروہ' پھولے ہوئے گال اور بڑی بڑی مونچھوں کے نیچے چمکتے ہوئے سفید دانت۔ داڑھی نہیں تھی۔ لگتا تھا جیسے کچھ دیر پہلے ہی شیو بنایا ہو۔

اس نے پیلی دھوتی باندھ رکھی تھی۔ جسم کے اوپر والے حصے پر کوئی کرتہ وغیرہ نہیں پہن رکھا تھا۔ البتہ اس نے پیلی چادر اوڑھ رکھی تھی جس پر جگہ جگہ "اوم" چھپا ہوا تھا۔ مٹکے کی طرح توند باہر کو نکلی ہوئی تھی اور سینے پر ریچھ کی طرح بال بھرے ہوئے تھے۔

اس کے ایک ہاتھ میں پیتل کا ایک ڈول تھا جس میں ڈھائی تین لیٹر پانی آسکتا تھا اور دوسرے ہاتھ میں ترشول تھا۔ یہ بھی دو ڈھائی فٹ سے زیادہ لمبا نہیں تھا۔ اس نے کندھے پر ایک تھیلا بھی لٹکا رکھا تھا جو چادر کے نیچے چھپا ہوا تھا۔ اس کے دونوں کانوں میں سونے کے بالے تھے اور گلے میں رنگ برنگے موتیوں کی تین مالاؤں کے بیچ میں سونے کی ایک موٹی سی چین بھی چمکتی ہوئی نظر آرہی تھی۔

"کہاں جانا ہے سادھو مہاراج؟" جانکی نے اپنی سائیڈ کا شیشہ گرا کر گردن باہر نکالتے ہوئے پوچھا۔

"سوڈیا کے مندر جانے کا ہوں دیوی مہارانی۔" سادھو نے کھڑکی کے سامنے آکر کہا "بہت دیر ہوگئیو ہے۔ اس ویلے کوئی بس ناہیں ملت ہے۔ ہم کا تھوڑا آگے چھوڑ دیو تو ہم پیاں پیاں چلا جاوے گا۔"

پیاں پیاں والی بات پر میں دل ہی دل میں مسکرائے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔

"سوڈیا کے مندر تو نہیں پر نتو ہم تمہیں اس سے تھوڑا پہلے اتار دیں گے۔ وہاں سے تمہیں کسی اور گاڑی میں لفٹ مل جائے گی۔" جانکی نے کہا۔

"دھنے واد (شکریہ)۔ دھنے واد۔" سادھو نے دونوں ہاتھ جوڑنے والے انداز میں ایک دوسرے کے قریب کردیے۔

جانکی نے پیچھے جھک کر پچھلی سیٹ کا دروازہ کھول دیا۔ سادھو گاڑی میں داخل ہوا تو ناگوار سی بُو کا ایک بھبکا میرے نتھنوں سے ٹکرایا اور میں نے جلدی سے اپنی کھڑکی کا شیشہ نیچے گرا دیا۔ جانکی کے چہرے کے تاثرات بھی بگڑ گئے۔ اس نے اے سی بند کردیا اور اپنی طرف کا شیشہ بھی کھلا رہنے دیا۔

"اس وقت کہاں سے آرہے ہیں سادھو مہاراج۔" جانکی نے پیچھے مڑ کر دیکھے بغیر پوچھا۔ ظاہر ہے اس کی موجودگی میں ہم اپنی باتیں نہیں کرسکتے تھے اس لیے جانکی نے اس سادھو ہی سے دل بہلانے کا فیصلہ کرلیا تھا۔

"موتی ڈونگری میں گنیش دیوتا کے مندر گیا رہا ہوں۔" سادھو نے جواب دیا "تم کا کھبر تو ہے' اس نگری ماں راکھشس گھس آیا ہیں۔ ان کو باہر کرنے کا واسطے اوپائے کرن کا جروریت تو ہووت ہے نا۔"

"راکھشس! میں سمجھی نہیں سادھو جی۔" جانکی نے کہا۔

"تم دھن والے لوگن ان باتوں پر دھیان نہیں دیوت ہو۔" سادھو نے کہا "ایک مسلمان راکھشس ایک ہندو ناری کے ساتھ عیش کرتا ہے سالا۔ اس ملیچھ (پلید) نے ہمارے مندروں اور دھرم کو بھی نشٹ (تباہ) کردیا ہے۔"

"اوہ۔ تم اس مسلمان کی بات کررہے ہو جس نے رام گڑھ جھیل والے مندر میں پنڈتوں کی پٹائی کی تھی۔" جانکی نے کہا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے میری طرف دیکھ کر آنکھ ماردی تھی تاکہ میں خاموش رہوں۔

"ہاں وہی۔" سادھو بولا "وہ ہندو ناری کے ساتھ مندر میں چھپ کر موج اڑا رہا تھا۔"

"مگر سادھو جی ہم نے تو کچھ اور سنا ہے۔" جانکی بولی۔

"اور جو سناسب گلط ہے۔" سادھو بولا "اپنی سرکار بھی جھوٹ کا چرچا کررہی ہے اس لیے بڑے بڑے مندروں کے پنڈتوں نے فیصلہ کیا ہے کہ وہ خود سزا دیویں گے اس مسلمان چھوکرے اور ہندو ناری کو۔ دونوں کو جلا کر بھسم کرڈالیں گے۔"

اس انکشاف پر میں چونکے بغیر نہیں رہ سکا تھا اور پھر اس نے جو مزید انکشافات کیے وہ اس سے بھی زیادہ سنسنی خیز تھے۔

اس سادھو کے کہنے کے مطابق مندروں کے پنڈت اس بات سے خوش نہیں تھے کہ روپ متی اور اس کے مسلمان دوست کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی گئی تھی۔ اس کے برعکس رام گڑھ جھیل والے مندر کے پنڈتوں پر جھوٹے الزامات لگائے گئے تھے اور پنڈت پرشو رام (مرلی دھر) سے ان کے خلاف جھوٹا بیان دلوایا گیا تھا۔

مندروں کے پنڈتوں نے روپ متی' اس کے مسلمان دوست اور شہر کے مسلمانوں کو خود سزا دینے کا فیصلہ کیا تھا اور اس سلسلے میں کل آدھی رات کو سوریا مندر میں تمام پنڈتوں کی میٹنگ بلائی گئی تھی جس میں آخری فیصلہ کیا جاتا۔

اس سادھو کی باتوں سے شروع ہی سے پتا چل گیا تھا کہ اسے شہر کے دولت مند لوگوں سے نفرت ہے۔ جانکی نے بھی اس طرح کی باتیں کی تھیں کہ ہم دولت مند ضرور ہیں مگر دھرم کی رکھشا کے لیے ہم اپنی جانیں بھی نچھاور کرسکتے ہیں اور غالباً اسی لیے وہ سادھو کچھ گھلتا چلا گیا تھا۔

گاڑی اب بھرت پور جانے والی سڑک پہ نکل آئی تھی۔ اس سڑک پر کئی کلو میٹر آگے جاکر جانکی نے گاڑی روک لی اور پرس میں سے سو روپے کا نوٹ نکال کر سادھو کی طرف بڑھاتے ہوئے بولی۔

"یہ دان (تحفہ) سمجھ کر رکھ لیجئے گا سادھو جی مہاراج اور یہ مت سمجھئے کہ دھن والوں کو دھرم سے کوئی لگاؤ نہیں۔ آپ ایک آواز لگائیں گے تو ہندوستان کے سارے دھن وان دھرم کی رکھشا کے لیے نکل آئیں گے۔ آپ لوگ ادید میں اکیلے نہیں ہوں گے۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بولی "ہم الٹے ہاتھ کو جائیں گے۔ آپ یہاں اتر جائیے سوڑیا کا مندر اب زیادہ دور نہیں ہے۔ اس طرف جانے والی کسی نہ کسی گاڑی پر آپ کو لفٹ مل جائے گی۔"

"دھنے واد۔ جے رام جی کی۔" سادھو دروازہ کھول کر نیچے اتر گیا۔

"حرامی۔ سالا۔" جانکی گاڑی کو ایک جھٹکے سے آگے بڑھاتے ہوئے بڑبڑائی "یہ شیطان کبھی لوگوں کو آرام سے نہیں بیٹھنے دیں گے۔ ان کے اپنے حلوے مانڈے اور عیاشیاں خطرے میں پڑگئی ہیں تو ان میں گٹھ جوڑ بھی ہورہا ہے۔ ورنہ یہ لوگ تو ایک دوسرے کو ادھیڑ ڈالنے کے لیے موقع کی تاک میں رہتے ہیں۔"

"ایسا ہی ہوتا ہے۔" میں نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا "بہرحال' صورتِ حال خاصی گمبھیر ہوتی جارہی ہے۔ ہمیں اس کے لیے کچھ کرنا پڑے گا۔"

"اچھا ہی ہوا ہم نے اس سادھو کو لفٹ دے دی۔ اس کی باتوں سے پتا چل گیا ورنہ ہم اندھیرے ہی میں رہتے۔" جانکی نے کہا۔

"سوریا مندر کہاں ہے؟" میں نے پوچھا۔

"میں بھی اس شہر کے بارے میں اتنا ہی جانتی ہوں جتنا تم۔" جانکی نے جواب دیا "روپ متی اور ٹھاکر بھانوت سنگھ جانتے ہوں گے۔"

گاڑی اس وقت بائیں طرف کی ذیلی سڑک پہ مڑ رہی تھی۔ اس وقت ساڑھے بارہ بج رہے تھے۔ یہ سڑک بالکل

تھی۔ دائیں بائیں ٹیلوں پر عمارتوں میں کہیں کہیں نظر آرہی تھی۔ جانکی نے گاڑی اس راستے پر موڑ دی ھاٹھا کر بھانوت سنگھ کی حویلی تک چلا گیا تھا۔

ڑی جیسے ہی قریب پہنچی گیٹ کھل گیا۔ جانکی گاڑی کو اندر لیتی چلی گئی۔ سامنے پورچ میں ٹھاکر کی گاڑی تھی۔ جانکی نے پجارو اس کے پیچھے روک لی۔ میں نے کر پیچھے دیکھا۔ کالو گیٹ بند کرکے آرہا تھا۔ میرا خیال نے ہماری گاڑی کو موڑ پر اس طرف گھومتے ہوئے ھا اور ہارن بجانے اور گاڑی روکنے کا موقع دیے بغیر ھول دیا تھا۔

روپ متی اور ٹھاکر بھانوت سنگھ لان ہی میں کرسیوں پر ئے تھے۔ جانکی بھی انجن بند کرکے گاڑی سے اتر آئی وں اس طرف بڑھ گئے۔ ان دونوں کے سامنے میز پر کے خالی کپ رکھے ہوئے تھے۔ کالو بھی گیٹ بند کرکے طرف ہی آگیا تھا۔

کالو۔" میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "شنکر ہمیں چائے پلائے اور تم پجارو کے تمام دروازے گاڑی میں اچھی طرح اسپرے کردو۔"

یوں۔ گاڑی میں کیا ہوا؟" روپ متی نے پوچھا۔

جانکی نے راستے میں ایک سادھو کو گاڑی میں بٹھالیا نے جواب دیا "ایسا گندا اور غلیظ سادھو میں نے نہیں دیکھا۔ اس کے لباس اور بدن سے بدبو کے رہے تھے۔ دماغ پلٹ گیا میرا۔ مجھے تو اب تک متلی ہا ہے۔"

لیکن تم لوگ غائب کہاں تھے؟" روپ متی نے اصل آتے ہوئے کہا "میں پریشان ہورہی تھی۔ دس بجے ٹھاکر کو فون کیا تو یہ بھی پریشان ہوگئے۔ ہماری سمجھ آرہا تھا کہ تم لوگوں کو کہاں تلاش کیا جائے۔"

وری آپ دونوں سے۔" میں نے جواب دیا "ہمیں ٹیلی فون کرنے کا موقع بھی نہیں مل سکا۔ آپ پریشانی ہوئی اس کے لیے ایک بار پھر معذرت۔"

کہاں رہ گئے تھے؟" روپ متی نے ایک بار پھر

طی میری تھی۔" اس مرتبہ مجھ سے پہلے جانکی بول ڈرائیو کو دل چاہا تھا۔ میں نے گاڑی کا رخ دہلی لے والی دے پر موڑ دیا تھا اور پھر احساس ہی نہیں رہا کہ کتنی دور نکل آئے ہیں۔" وہ ساڑی کا پلو لی کرسی پر بیٹھ گئی لیکن ایک سیکنڈ بعد ہی پلو کندھے سے ڈھلک کر نیچے گر گیا اور اس مرتبہ جانکی نے اسے سنبھالنے کی کوشش نہیں کی۔

"اور یہ سادھو کا قصہ کیا ہے؟" روپ متی نے پوچھا۔

"واپسی پر میں غلطی سے گاڑی کو آدرش نگر کی طرف لے گئی تھی۔" جانکی نے جواب دیا "وہاں سے آگرہ مارگ کی طرف مڑے تو سڑک پر کھڑے ہوئے ایک سادھو نے ہمیں روک لیا۔ وہ موتی ڈونگری والے گنیش مندر سے آیا تھا اور سوڑیا مندر جانا چاہتا تھا۔ میں نے ترس کھا کر اسے لفٹ دے دی۔ اگلے موڑ پر اسے اتار دیا ہے۔ کسی اور گاڑی سے اسے لفٹ مل جائے گی۔"

ٹھاکر کچھ کہنا چاہتا تھا۔ اسی وقت شنکر ہم سب کے لیے چائے لے کر آگیا۔ اس نے گرم چائے کے کپ ہمارے سامنے رکھ دیے اور پہلے سے پڑے ہوئے کپ اٹھا کر چلا گیا۔

"یہ سادھو اور سنت لوگ تم لوگوں کے لیے خطرناک ثابت ہوسکتے ہیں۔" ٹھاکر نے شنکر کے جانے کے بعد کہا "پچھلے دو چار روز کی خاموشی سے یہ سمجھ لینا کہ پنڈت لوگ دبک گئے ہیں ہماری بہت بڑی حماقت ہوگی جبکہ خوفناک حقیقت یہ ہے کہ تم دونوں کے خلاف ایک خطرناک منصوبہ بنایا جارہا ہے۔"

"اور کل اسی سلسلے میں بڑے بڑے مندروں کے پنڈتوں کی ایک میٹنگ سوریا مندر میں بھی ہے۔" میں نے کہا۔

"اوہ! تمہیں کیسے پتا چلا؟" ٹھاکر چونک گیا۔

"اس سادھو کے گاڑی میں بیٹھنے سے اس کے لباس اور بدن سے اٹھنے والی بو سے میرا دماغ تو گھوم گیا تھا مگر جانکی نے بڑی چالاکی سے کام لیتے ہوئے اس سے کچھ باتیں بھی معلوم کرلی تھیں اور انہی باتوں سے ایک انکشاف یہ بھی ہوا تھا کہ اندر ہی اندر کچھ لاوا پک رہا ہے اور کل رات شہر کے بڑے بڑے تمام مندروں کے پروہتوں کی ایک میٹنگ بلائی گئی ہے جس میں ہمارے بارے میں فیصلہ کیا جائے گا۔"

"میری معلومات بھی یہی ہیں۔" ٹھاکر نے جواب دیا۔ "بات دراصل یہ ہے کہ سب ہی لوگ ایسے بے وقوف نہیں ہیں کہ پنڈتوں کی ہر بات پر آنکھیں بند کرکے یقین کرلیں۔ رام گڑھ جھیل والے مندر کے پروہت پنڈت ہری رام نے تم دونوں پر الزام لگایا تھا کہ تمہیں مندر میں رنگ رلیاں مناتے ہوئے پکڑا گیا تھا مگر اگلے ہی روز پنڈت مرلی دھر اور لاجونتی وغیرہ کے بیانات بھی اخبار میں آگئے جس سے دھرم سے لگاؤ رکھنے والوں کے دلوں میں پنڈتوں کے خلاف نفرت

پیدا ہوگئی۔ پنڈتوں کی حرکتیں لوگوں سے ڈھکی چھپی نہیں ہیں۔ بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ دھرم کو بدنام کرنے کے لیے اس قسم کے اسکینڈلز پھیلائے جارہے ہیں جبکہ سنجیدہ قسم کے لوگ ایسی باتوں کو نظرانداز نہیں کرنا چاہتے۔ انہیں یقین ہے کہ ان پنڈتوں نے ایسی گھٹیا حرکت ضرور کی ہوگی۔ اخبارات میں روزانہ ایسے لوگوں کے بیانات شائع ہورہے ہیں جن میں مطالبہ کیا جارہا ہے کہ ان پنڈتوں کو مندر سے نکال دیا جائے اور ان کے خلاف سخت ترین کارروائی کی جائے۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا۔

"پنڈت ہری رام اوتار ہی نہیں بلکہ اور بھی بہت سے پنڈت بوکھلائے ہوئے ہیں۔ یہ سب لوگ ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہیں۔ اپنے آپ کو بچانے کے لیے جمع ہورہے ہیں۔ بعض لوگ تو یہ بھی مانگ (مطالبہ) کررہے ہیں کہ انہیں اس عورت کے قتل کے الزام میں پھانسی پر لٹکا دیا جائے جس کے بارے میں مرلی دھر نے پریس کانفرنس میں انکشاف کیا تھا۔ کچھ آوازیں کلب کی رقاصہ ریکھا کے قتل کے حوالے سے بھی اٹھ رہی ہیں۔ آج ہی اخبار میں ایک مختصر سا مضمون چھپا ہے جس میں کلب کی رقاصہ ریکھا کے قتل کو موضوع بنا کر اعلیٰ سطح پر تحقیقات کا مطالبہ کیا گیا ہے۔" وہ ایک بار پھر خاموش ہوگیا۔ چائے کے دو گھونٹ بھرے پھر بولا "ان ساری باتوں نے پنڈت ہری رام کو بری طرح بدحواس کردیا ہے اور دوسرے پنڈت اس لیے اس کا ساتھ دے رہے ہیں کہ کل ان کے خلاف بھی اس قسم کی کارروائی ہوسکتی ہے۔ ویسے ایک بات میں پورے وثوق سے کہہ رہا ہوں کہ ان کے پیچھے کوئی اور ایسا شخص بھی ہے جو انہیں بھڑکا رہا ہے۔"

"بلونت سنگھ کے علاوہ کون ہوسکتا ہے۔" میں نے کہا "اس روز بھی اس نے چند پجاریوں کو جمع کرکے روپ متی کی حویلی پر حملہ کرنے کی کوشش کی تھی۔"

"وہ شرپسند ضرور ہے اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ روپ متی سے انتقام لینے کے لیے وہ کچھ بھی کرسکتا ہے لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اس میں اتنا دم خم نہیں ہے۔ اس روز بھی وہ بھاگ گیا تھا۔" ٹھاکر نے کہا۔

"ہمیں اپنے کسی بھی دشمن کو انڈراسٹی میٹ نہیں کرنا چاہیے۔" میں نے جواب دیا "بعض لوگ سامنے آکر مقابلہ کرنے کی جرأت تو نہیں کرسکتے لیکن درپردہ رہ کر وہ بہت کچھ کرسکتے ہیں۔"

"ٹھیک کہتے ہو۔" ٹھاکر بولا "ہم اس کا دھیان رکھیں گے لیکن میرا من کہتا ہے کہ پس منظر میں کوئی اور شخص ہے۔"

"اس کا کھوج بھی لگالیا جائے گا۔" میں نے موضوع بدلتے ہوئے کہا "یہ سوریا مندر کہاں ہے؟"

"شہر کے مشرق میں چند کلومیٹر کے فاصلے پر گاتا پہاڑی ایک چھوٹی سی پہاڑی ہے جس کے دامن میں دور تک ایک خوب صورت وادی پھیلی ہوئی ہے۔ اس وادی میں پانی بہت بڑے بڑے تالاب بھی ہیں۔ ان تالابوں کے پانی کو پانی کے پانی کی طرح پوتر (پاک) سمجھا جاتا ہے۔ ہندو یاتری دور دور سے اس پانی میں اشنان کے لیے یہاں آتے ہیں۔

"اس پہاڑی پر ذرا آگے سوریا مندر ہے۔ تقریباً دو سو سال دور میں راجا جے سنگھ ثانی کے نمائندے راؤ کرپا رام نے کروایا تھا۔ یہ عمارت اتنی زیادہ خوب صورت نہیں ہے یہاں سے وادی اور دوسری طرف پہاڑیوں کے دامن آباد اس شہر کا نظارہ کیا جاسکتا ہے۔ پہلے یہ مندر یقیناً اچھا ہوگا لیکن اب تو ویران ہوچکا ہے۔ لوگ محض تفریح کے اس طرف جاتے ہیں۔ یاتریوں کے لیے بھی اس مندر کوئی کشش نہیں رہی البتہ جرائم پیشہ لوگ اس ویران سے خوب فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ دن کے وقت تو پانی تالابوں کی وجہ سے وہاں کافی رونق رہتی ہے البتہ شام اندھیرا پھیلنے کے بعد اس طرف سناٹا چھا جاتا ہے۔"

"کیا وہاں صرف یہی ایک مندر ہے؟" میں نے پوچھا

"وہاں دو مندر اور بھی ہیں۔" ٹھاکر نے جواب دیا "ایک تو پوتر پانی کے ان تالابوں کے پاس اور دوسرا پہاڑ کے دامن میں پھیلی ہوئی وادی میں۔"

"تو کیا خیال ہے۔ کل رات ہلا بول دیا جائے اس پر؟" میں نے کہا "اس طرح ہمیں یہ بھی پتا چل جائے گا اس سارے ہنگامے کے پیچھے کون ہے۔"

"میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔" ٹھاکر نے جواب دیا "کل دن میں کچھ مزید معلومات حاصل کرنے کی کوشش کروں گا۔" وہ اٹھ کر کھڑا ہوگیا "اب میں چلتا ہوں۔ کل شام ملاقات ہوگی۔"

ٹھاکر بھانوت سنگھ کے جانے کے بعد ہم اندر آ اس وقت ڈیڑھ بجنے والا تھا لیکن ہم میں سے کسی کو بھی نیند نہیں آرہی تھی۔ ہم لاؤنج میں بیٹھے دیر تک ان پنڈتوں کے بارے میں باتیں کرتے رہے اور پھر تین بجے کے قریب اٹھ کر اپنے کمرے میں آگیا۔

یہاں اگرچہ ہم الگ الگ کمروں میں سویا کرتے تھے لیکن اس چار منٹ گزر گئے۔ میری چھٹی حس کسی گڑبڑ کا پتا دے رہی تھی۔ میں نے ایک منٹ اور انتظار کیا اور پھر کمرے سے نکلنا ہی چاہتا تھا کہ ایک پنڈت اس کمرے سے نکلا ہوا۔ اس کے ہاتھ میں ترشول تھا۔ کمرے سے نکل کر اس نے محتاط نگاہوں سے اِدھر اُدھر دیکھا اور پھر تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا باہر نکل گیا۔

اس کی گڑبڑ کا احساس اب قوی تر ہوگیا تھا۔ مجھے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ ٹھاکر کمرے کے اندر کسی مصیبت میں گرفتار ہے۔ میں ابھی یہ سوچ ہی رہا تھا کہ وہی پنڈت باہر سے بھاگتا دوڑتا ہوا واپس آگیا۔

میں اچانک ہی ستون کی آڑ سے نکل کر اس کے سامنے آگیا۔ مجھے دیکھ کر وہ پنڈت ایک لمحے کو بدحواس ہوا لیکن اس نے اپنے آپ کو سنبھال لیا اور دوسرے ہی لمحے وہ میری طرف جھپٹنے کا ٹھرکا لگاتا ہوا مجھ پر حملہ آور ہوا۔

میرا خیال تھا کہ وہ میرے ہاتھ میں پستول دیکھ کر ڈر جائے گا اور ہتھیار پھینک دے گا لیکن اس کا یہ اقدام میری توقع کے بالکل خلاف تھا مگر میں بھی بہرحال غافل نہیں تھا۔ میں تیزی سے ایک طرف جھک گیا۔ اس کا ترشول میرے پہلو کے بالکل قریب سے گزرا اور وہ خود بھی اپنی جھونک میں آگے بڑھ آیا تھا۔ میں نے اپنے آپ کو سنبھالتے سنبھالتے بجلی کی پھرتی سے ایک ٹانگ آگے کردی۔ اس کی ٹانگ ٹھوکر میں الجھی اور وہ چیختا ہوا منہ کے بل گرا۔ اس کے گرتے ہی اس کے منہ سے تیز چیخ نکل گئی تھی۔

وہ پنڈت تیزی سے اس کی طرف لپکا لیکن اس نے حیرت انگیز پھرتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے لوٹ لگانے کے ساتھ ہی اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کے پیر کی ٹھوکر میرے پستول والے ہاتھ پر پڑی۔ پستول میرے ہاتھ سے چھوٹ کر دور جا گرا۔

پنڈت میری توقع سے زیادہ پھرتیلا ثابت ہوا تھا۔ اس نے فوراً ہی اٹھ کر ترشول سنبھالتے ہوئے دوبارہ مجھ پر حملہ کیا۔ اس مرتبہ میں نے اپنی جگہ سے ایک طرف ہٹتے ہوئے ترشول کو اس کے تین شاخے کے پیچھے ڈنڈے سے پکڑ کر جھٹکا دیا۔

وہ پنڈت آگے کو جھکا تو میں نے گھٹنے سے اس کے پیٹ پر ضرب لگادی۔ وہ چیخ اٹھا۔ ترشول کے ڈنڈے پر سے اس کی گرفت چھوٹ گئی۔ میں نے ایک جھٹکے سے اس کے ہاتھ سے ترشول چھین کر ایک طرف پھینک دیا اور ایک زوردار سائیڈ کک اس کے پہلو میں رسید کردی۔ وہ لڑکھڑا کر دوسری طرف جھکا تو میں نے اس طرف سے رائٹ کک لگائی۔ یہ کک زیادہ زوردار ثابت ہوئی۔ وہ ایک بار پھر چیخ اٹھا۔ میری اگلی کک نے اسے زمین چاٹنے پر مجبور کردیا تھا۔ میں نے اسے دو تین ٹھوکریں اور لگائیں اور جھک کر ترشول اٹھالیا۔ اس نے اپنی جگہ سے حرکت کی تو میں نے ترشول اس کے سینے پر رکھ دیا۔

"اندر کتنے آدمی ہیں؟" میں نے غرا کر کہا "جلدی بتاؤ ورنہ یہ ترشول تمہارے سینے میں اتار دوں گا۔"

"اندر انسان نہیں درندے ہیں۔ تم لوگ یہاں سے زندہ واپس نہیں جاسکو گے۔" اس نے بھی غراتے ہوئے جواب دیا۔

میں نے اس کے سینے پر ترشول کا دباؤ بڑھا دیا اور اسی لمحے راہداری کے ایک کمرے سے گولی چلنے کی آواز سنائی دی۔ ایک لمحے کو ترشول کے دستے پر میرے ہاتھ کا دباؤ کم ہوا تھا۔ پنڈت نے اس صورتِ حال سے پورا پورا فائدہ اٹھایا اور ترشول کے دستے پر گرفت جما کر اسے زور سے ایک طرف جھٹکا دیا۔

میں اپنی جگہ پر لڑکھڑا گیا۔ پنڈت اپنے آپ کو ترشول کی زد سے بچا گیا تھا۔ اس نے ترشول کے دستے کو ایک اور جھٹکا دیا اور بڑی پھرتی سے اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔ ہم دونوں کے ہاتھ ترشول کے دستے پر تھے اور ہم دونوں میں ترشول کے حصول کے لیے کشمکش ہورہی تھی۔

اچانک اس نے مجھے زوردار دھکا دیتے ہوئے ترشول کے دستے پر سے ہاتھ ہٹالیے۔ میں لڑکھڑاتا ہوا پشت کے بل گرا۔ میرا خیال تھا کہ وہ مجھ پر حملہ کرے گا لیکن دوسرے ہی لمحے اس نے باہر کی طرف دوڑ لگادی۔

میں اٹھ کر اس کے پیچھے لپکا لیکن وہ مندر سے نکل کر دوڑتا ہوا اس چٹانی پٹی پر پہنچ گیا جو اگلے مسطح چٹان کو مندر والے میدان سے ملاتی تھی۔

راہداری کی طرف سے ایک اور فائر کی آواز سنائی دی۔ میں مڑ کر اس طرف دوڑا۔ ستون کے قریب میرا پستول پڑا ہوا تھا۔ میں نے جھک کر پستول اٹھالیا اور راہداری کی طرف لپکا۔

ایک کمرے سے نکلتے ہوئے دو آدمی مجھ سے ٹکرا گئے۔ وہ پنڈت ہی تھے۔ میں لڑکھڑا کر پشت کے بل گرا۔ وہ دونوں چیختے ہوئے مرکزی ہال کی طرف دوڑتے چلے گئے۔ میں نے فائر کردیا۔ گولی ایک ستون پر لگی۔ وہ دونوں صاف بچ نکلے

لیکن کبھی کبھی جانکی میرے کمرے میں بھی گھس آیا کرتی تھی۔ تقریباً آدھے گھنٹے بعد آہستگی سے دروازہ کھلنے کی آواز سن کر میں نے جلدی سے آنکھیں بند کرلیں اور یوں پڑا رہا جیسے گہری نیند میں ہوں اور کچھ دیر بعد میں واقعی نیند کی آغوش میں پہنچ چکا تھا۔

○☆○

وہ علاقہ واقعی بڑا خطرناک تھا۔

دن کے وقت تو اسے ایک شان دار اور بہت بارونق تفریح گاہ کہا جاسکتا تھا لیکن جیسے جیسے شام کا اندھیرا پھیلنے لگتا' اس کی رونق اجڑتی جاتی۔ ایک دو اسپاٹ ایسے تھے جہاں رات دس گیارہ بجے تک بھی کچھ رونق رہتی تھی۔ یہ وہ مقامات تھے جہاں مندر اور وہ تالاب تھے جہاں یاتری اشنان کرتے تھے۔ یہاں یاتریوں کے لیے گھاٹ بھی بنے ہوئے تھے۔

سوریا مندر وہاں سے تقریباً ہزار گز کے فاصلے پر تھا۔ اس کے ایک طرف پتھریلا میدان تھا جو مندر اور تالابوں تک چلا گیا تھا اور دوسری طرف عمودی ڈھلانیں تھیں جہاں سے نشیب میں بہت دور شہر کا نظارہ کیا جاسکتا تھا۔ عرصہ پہلے انہی ڈھلانوں کے کنارے کے ساتھ ساتھ حفاظتی ریلنگ بھی لگی ہوئی تھی۔ ریلنگ تو اب نہیں رہی تھی تاہم کہیں کہیں تین چار فٹ اونچے کنکریٹ کے ستون اب بھی موجود تھے۔

پتھریلے میدان سے بیس پچیس فٹ چوڑی ایک چٹانی پٹی آگے کو نکلی ہوئی تھی۔ یہ چٹانی پٹی تقریباً دو سو گز طویل تھی جس کے اختتام پر مسطح میدان سا تھا اور وہ سوریا مندر اسی جگہ پر تھا۔

مندر زیادہ بڑا نہیں تھا۔ عمارت بھی زیادہ خوب صورت نہیں تھی۔ امتدادِ زمانہ نے اس کی ہیئت کو بڑی حالت تک بگاڑ کر رکھ دیا تھا۔ مندر تک پہنچنے کے لیے اس چوڑی چٹانی پٹی پر سے گزرنا پڑتا تھا۔ اس پٹی کے دونوں طرف عمودی نشیب تھے جہاں جھاڑیوں نے ڈیرے لگا رکھے تھے۔ اس چٹانی پٹی کے دونوں طرف بھی کسی زمانے میں حفاظتی ریلنگ رہی ہوگی لیکن اب یہاں بھی صرف ستون ہی رہ گئے تھے۔

وہ میدان دراصل ایک مسطح چٹان پر مشتمل تھا۔ وسط میں وہ مندر تھا۔ اس کے اطراف میں چاروں طرف خاصی کھلی جگہ تھی اور جگہ جگہ بڑے بڑے پتھر بکھرے ہوئے تھے۔ چٹان کے کنارے بالکل ڈھلان تھے۔ یہاں بھی کنارے کے ساتھ ساتھ حفاظتی ریلنگ کی باقیات نظر آرہی تھیں۔

مندر کی پچھلی طرف چٹان کے کنارے پر دو قدیم مقامات پر دو چھوٹی عمارتوں کے کھنڈر دکھائی دے رہے تھے۔ ان عمارتوں کو دیکھ کر کسی بہت بڑے بنگلے کے سرونٹ کوارٹر کا گمان ہوتا تھا۔ دائیں طرف والی عمارت تین کمروں پر مشتمل تھی۔ سامنے کبھی صحن کی چار دیواری بھی رہی ہوگی لیکن اب وہ ٹوٹ پھوٹ چکی تھی۔ صرف ایک طرف کی چار فٹ لمبی اور دو ڈھائی فٹ اونچی دیوار رہ گئی تھی۔ کمروں کی چھتیں غائب تھیں البتہ تیسرے کمرے کی چھت کے ایک کونے میں ڈیڑھ دو فٹ چوڑا شگاف نظر آرہا تھا۔ باقی حصہ صحیح سلامت تھا۔ تینوں کمروں کی پچھلی طرف کھڑکیاں بھی تھیں۔

ایسی ہی دوسری عمارت اس سے تقریباً سو گز کے فاصلے پر تھی اور اس کی صورت حال بھی کچھ ایسی ہی تھی البتہ عمارت کی دو چھتیں اپنی جگہ پر قائم تھیں جبکہ تیسرے کمرے میں کھڑے ہو کر' سر پر آسمان کو دیکھا جاسکتا تھا۔ مندر اور ان دونوں عمارتوں کا فاصلہ پچاس گز سے زیادہ نہیں تھا۔

اس مسطح چٹان کی دوسری طرف عمودی ڈھلان تھی۔ ایک طرف پہاڑی کے دامن میں چھدری آبادی شروع ہوجاتی تھی جبکہ دوسری طرف گہرے نشیب میں دوسری چٹان تھی۔ اس پہاڑی سے آگے چند اور پہاڑیاں بھی تھیں جن پر کانٹے دار جھاڑیوں کے سوا کسی قسم کا سبزہ نہیں تھا۔

مندر کے چار اطراف میں دروازے تھے۔ سامنے گیٹ' پچھلی طرف بھی ایک بڑا دروازہ تھا جبکہ دائیں بائیں بھی دروازے تھے جو زیادہ بڑے نہیں تھے۔ مرکزی ہال کے چاروں دروازوں کی طرف کشادہ راہداریاں جاتی تھیں۔ ان کی دیواروں پر ایسے بڑے بڑے پتھر لگے ہوئے تھے جن پر مورتیاں ابھری ہوئی تھیں۔ ان راہداریوں میں کمرے تھے جن کے دروازے عرصہ پہلے غائب ہوچکے تھے۔

مرکزی ہال کے عین وسط میں ایک بہت بڑا چبوترہ تھا جس پر کسی زمانے میں کسی بھگوان کی مورتی رکھی رہتی ہوگی لیکن اب وہاں کچھ نہیں تھا۔ چبوترہ بھی ٹوٹ پھوٹ چکا تھا اور اس کی بلندی صرف تین فٹ رہ گئی تھی۔ اس چبوترے کے اطراف میں بڑے بڑے ستون تھے جنہوں نے کسی زمانے میں چھت کو سہارا دے رکھا تھا۔ ان ستونوں پر یقیناً ماربل لگا ہوا ہوگا لیکن وہ اب اکھاڑ دیا گیا تھا لیکن نظر آرہا تھا۔

اس رات ہم اگرچہ دیر سے سوئے تھے لیکن معمول میری آنکھ صبح آٹھ بجے کھل گئی تھی اور

ی ہوئی تھی کہ جانکی اور روپ متی مجھ سے پہلے ہی جاگ

تھیں۔

اور پھر ناشتے کے بعد روپ متی ہی نے یہ تجویز پیش کی کہ آج دن میں اس مندر کی یاترا کی جائے۔ حقیقت تو یہ کہ میں خود بھی دن کی روشنی میں سوریا مندر اور اس کے پاس کا علاقہ دیکھنا چاہتا تھا۔ روپ متی نے ٹھاکر بھانوت کو فون کرکے اپنے پروگرام سے آگاہ بھی کردیا۔ ٹھاکر کی سے بھی بات ہوئی تھی۔ اس نے محتاط رہنے کا مشورہ دیا ور کچھ نہیں۔

ہم دس بجے کے قریب حویلی سے نکلے تھے۔ روانگی سے شکر نے میرا حلیہ اس طرح بدلا تھا کہ میں خود بھی اپنے کو بڑی مشکل سے پہچان سکا تھا۔ راجستھانی لباس اور پر چُنری کی طرح کے کپڑے کی رنگ برنگی پگڑی۔ آنکھوں ر و نمبر والی عینک لگالی گئی تھی۔ اس عینک اور لباس سے حلیہ بہت بدل گیا تھا۔

یہ جگہ واقعی پکنک پوائنٹ تھی۔ بڑی تعداد میں یاتری تو ی پکنک منانے والوں کی تعداد بھی کچھ کم نہیں تھی۔ وں کے ساتھ اشنان کے گھاٹ بنے ہوئے تھے اور ان لوں پر جو لوگ اشنان کررہے تھے ان میں صحت مند لوگ تھے۔ بیمار بھی' کوڑھی بھی' بوڑھے اور بچے بھی۔ حفظانِ ت کے اصولوں کو مدِ نظر رکھا جائے تو یہ اشنان گھاٹ یوں کا گڑھ تھے لیکن چونکہ اس پانی کو گنگا کی طرح پوتر ا جاتا تھا اس لیے کسی کو یہ پروا نہیں تھی کہ اس پانی میں نے سے انہیں کوئی بیماری لگ سکتی تھی۔ عورتوں کے لیے چہ الگ غسل خانے بنے ہوئے تھے لیکن میں نے کئی وں کو کپڑوں سمیت ان تالابوں میں بھی نہاتے ہوئے ا تھا۔

سوریا مندر والی پہاڑی پر جانے کے لیے ایک کشادہ ڈی تھی جو مسلسل بلندی کی طرف چلی گئی تھی۔ اس ڈی پر پتھر کاٹ کاٹ کر سیڑھیاں سی بنائی ہوئی تھیں۔ پہاڑی پر چڑھنا اگرچہ زیادہ مشکل نہیں تھا لیکن اس نے والوں کی تعداد بہت کم تھی۔

ہم بھی کچھ دیر تالابوں کے آس پاس گزارنے کے بعد لوگوں کے ساتھ اس پگڈنڈی پر چلنے لگے۔ ان لوگوں کا ق ایک ہی خاندان سے تھا اور ان کی باتوں سے اندازہ ہا تھا کہ یہ لوگ دکن کے کسی چھوٹے شہر سے آئے ہوئے

سوریا مندر اور اس کے سامنے والے میدان میں کچھ اور لوگ بھی موجود تھے۔ یہاں تین چار مزدور قسم کے آدمیوں نے اسٹینڈز پر دوربینیں بھی لگا رکھی تھیں۔ یہ دوربینیں ان کی روزی کا وسیلہ تھیں۔ وہاں آنے والے لوگ ان دوربینوں سے شہر کا نظارہ کررہے تھے۔

تقریباً ایک گھنٹے میں ہم نے گھوم پھر کر وہ سب کچھ دیکھ لیا جو میں پچھلے صفحات میں بیان کرچکا ہوں۔ میرے خیال میں یہ مندر رات کو واقعی جرائم پیشہ لوگوں اور ڈاکوؤں کی پناہ گاہ کا کام دیتا ہوگا۔

ہم تقریباً تین بجے شہر لوٹے تھے۔ ایک اچھے ریسٹورنٹ میں کھانا کھایا اور پھر حویلی واپس آگئے۔

پہاڑی پر چڑھنے اور مسلسل گھومتے رہنے سے جانکی اور روپ متی تھک گئی تھیں۔ وہ ایک ہی کمرے میں بیڈ پر ڈھیر ہوگئیں۔ میں لاؤنج میں صوفے پر ٹانگیں پسار کر لیٹ گیا اور کچھ دیر بعد میری بھی آنکھ لگ گئی۔

جب میں بیدار ہوا تو ہر شام کا اندھیرا پھیل چکا تھا۔ میں اُٹھ کر اپنے کمرے کی طرف چلنے ہی لگا تھا کہ ٹیلی فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ میں نے آگے بڑھ کر ریسیور اٹھالیا۔

وہ ٹھاکر بھانوت سنگھ کی کال تھی۔ اس نے مجھے بتایا کہ وہ ٹھیک دس بجے یہاں پہنچ جائے گا۔ میں تیار رہوں۔ میں ریسیور رکھ کر اپنے کمرے میں آگیا اور باتھ روم میں گھس گیا۔

ٹھنڈے پانی کے غسل سے ساری کسل مندی دور ہوگئی۔ میں لاؤنج میں آیا تو مندری میرے لیے چائے کا کپ لے کر کچن کی طرف سے آرہی تھی۔ میں نے چائے کا کپ لے لیا اور باہر لان میں آگیا۔ میں نے مندری سے جانکی اور روپ متی کے بارے میں نہیں پوچھا تھا۔ میرا خیال تھا کہ وہ دونوں ابھی تک سو رہی ہوں گی۔

میں نے لان میں کرسی پر بیٹھ کر چائے کے دو تین گھونٹ ہی بھرے تھے کہ حویلی کے باہر کی طرف نقرئی قہقہوں کی آواز سن کر چونک گیا۔

یہ آواز سومنگ پول کی طرف سے آئی تھی۔ میں نے گردن گھما کر اس طرف دیکھا۔ سومنگ پول وہاں سے نظر نہیں آرہا تھا۔ میں کرسی سے اٹھا اور چائے کا کپ ہاتھ میں لیے اس طرف چل دیا۔

اور پھر اس طرف پہنچتے ہی میں ٹھٹک کر رک گیا۔ ہاتھ میں چائے کا کپ چھلک گیا اور سینے میں سانس رکتا ہوا محسوس ہونے لگا۔

جانکی اور روپ متی' دونوں ہی سومنگ پول میں ایک

دوسرے پر پانی اچھالتے ہوئے قہقہے لگا رہی تھیں۔ ان کے جسموں پر صرف انڈرویئرز تھے اور شفاف پانی میں ان کے بدن جھلملاتے ہوئے سے لگ رہے تھے۔ میں واپس مڑنا ہی چاہتا تھا کہ روپ متی کی آواز سنائی دی۔

"چھپ چھپ کر کیا دیکھ رہے ہو۔ آجاؤ۔ ہم تم سے بالکل نہیں شرمائیں گے ہمت سنگھ۔"

میں رکے بغیر لان کی طرف بڑھتا رہا۔

"تمہاری ہمت اور بہادری دیکھ کر میں نے تمہارا نام ہمت سنگھ رکھا تھا لیکن اب پتا چلا کہ تم بہت ڈرپوک ہو۔" روپ متی نے چیخ کر کہا۔

"میں واقعی بہت ڈرپوک ہوں۔" میں نے بھی چیخ کر جواب دیا اور لان میں آکر کرسی پر بیٹھ گیا اور حواس پر قابو پانے کے لیے چائے کی چسکیاں لینے لگا۔

ٹھاکر بھانوت سنگھ ٹھیک دس بجے پہنچ گیا تھا۔ وہ کار پر آیا تھا اور اس وقت جانگی اور روپ متی بھی میرے قریب لان میں بیٹھی ہوئی تھیں۔ ہم لوگ رات کا کھانا کھا چکے تھے اور میں بھی تیار ہو چکا تھا۔ میں نے نیلی جینز پر ٹی شرٹ بھی نیلی ہی پہنی تھی تاکہ اندھیرے میں یہ لباس کسی جگہ میری موجودگی کی نشان دہی نہ کر سکے۔

ٹھاکر کھانا کھا کر آیا تھا۔ وہ ہمارے ساتھ صرف چائے پینا چاہتا تھا۔ تھوڑی ہی دیر بعد شنکر نے ہمارے سامنے چائے رکھ دی اور چائے پینے کے فوراً ہی بعد میں اور ٹھاکر جیپ میں سوار ہو گئے۔ روپ متی اور جانگی سمجھتی تھیں کہ اس مہم میں ان کی گنجائش نہیں ہے اس لیے ان میں سے کسی نے ہمارے ساتھ چلنے کی ضد نہیں کی تھی۔

میں کار کی پسنجرز سیٹ پر بیٹھا تھا۔ پستول میں نے اپنی کمر پر پتلون کی بیلٹ کے نیچے اڑس رکھا تھا۔ اوپر سے ٹی شرٹ آجانے کی وجہ سے اس جگہ پستول کی موجودگی کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا تھا۔ خنجر بھی میں نے پنڈلی پر چمڑے کے فیتے سے باندھ لیا تھا۔ یہ وہی خنجر تھا جو ہمت سنگھ وغیرہ اس رات روپ متی کی حویلی میں چھوڑ کر بھاگے تھے۔

گاڑی آگرہ مارگ سے پہلے ہی دائیں طرف مڑ گئی۔ یہ سڑک سرکلر روڈ کی طرح مختلف سڑکوں کو چھوتی ہوئی آگے جا کر رام گڑھ جھیل کی طرف چلی گئی تھی لیکن سورج پول والے چوراہے پر ٹھاکر نے جیپ کو دائیں طرف گالتا کی طرف جانے والی سڑک پر موڑ لی۔

تین کلو میٹر آگے جا کر ٹھاکر نے کار اس سڑک پر موڑ لی جس طرف پہاڑی کے دامن میں آبادی تھی۔ اشنان گھاٹ اور تالاب دوسری طرف رہ گئے تھے۔

آبادی کے بالکل آخر میں جا کر ٹھاکر نے گاڑی ایک ویران جگہ پر روک لی اور انجن بند کر دیا۔ وہ نیچے اُتر کر چند لمحے اِدھر اُدھر دیکھتا رہا پھر مجھے اشارہ کرتا ہوا ایک طرف بڑھ گیا۔

ہم دونوں ایک دوسرے کے پیچھے چلتے رہے۔ یہاں کچھ درخت بھی تھے لیکن کچھ ہی فاصلہ طے کرنے کے بعد درختوں کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ آگے جھاڑیاں تھیں اور ہم ان جھاڑیوں میں ایک تنگ سی پگڈنڈی پر چلتے رہے۔

ہم مسلسل بلندی کی طرف بڑھ رہے تھے۔ آگے راستہ مزید دشوار ہوتا چلا گیا اور پھر وہ پگڈنڈی بھی ختم ہو گئی۔ اس سے آگے وہ عمودی ڈھلان تھی جو آج دن میں میں نے سورج مندر والی چٹان سے دیکھی تھی۔

یہ ڈھلان تقریباً ساٹھ کے زاویے پر تھی اور بڑی مشکل سے اوپر چڑھا جا رہا تھا۔ کئی جگہوں پر تو ہمیں جھک کر جھاڑیوں کا سہارا لینا پڑا تھا۔ بالآخر ہم اوپر مسطح چٹان تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔

میں نے عرصے سے ایکسر سائز یا یوگا وغیرہ کی پریکٹس نہیں کی تھی جس وجہ سے بڑی حد تک کاہل الوجود ہو گیا تھا اور اب ہزار بارہ سو فٹ کی چڑھائی چڑھنے سے سانس پھول گیا تھا۔ ٹھاکر بھی اپنے پھولے ہوئے سانس پر قابو پانے کی کوشش کر رہا تھا۔

ہم کچھ دیر ڈھلان کی چوٹی پر کھڑے رہے اور پھر مسطح چٹان پر آگئے۔ ہم اس وقت مندر کے عقب میں سو فٹ کے کوارٹروں کے تقریباً درمیان میں تھے۔ سامنے مندر کی عمارت کا ہیولا دکھائی دے رہا تھا اور عقبی دروازے سے اندر مدھم سی روشنی بھی نظر آ رہی تھی۔

"تم اس طرف چلو۔" ٹھاکر نے دائیں طرف اشارہ کرتے ہوئے سرگوشی کی "میں عقبی دروازے سے اندر داخل ہونے کی کوشش کروں گا۔ میری طرف سے اشارہ ملنے سے پہلے کوئی کارروائی مت کرنا۔"

ٹھاکر بھانوت سنگھ وہیں کھڑا رہا اور میں میدان میں پڑے ہوئے بڑے بڑے پتھروں کی آڑ لیتا ہوا آگے بڑھنے لگا۔

دائیں طرف والا دروازہ بند تھا۔ لکڑی کا وہ دروازہ بہت مضبوط اور وزنی تھا۔ کوشش کے باوجود میں اسے معمولی سی حرکت دینے میں بھی کامیاب نہیں ہو سکا تھا۔ میں کوشش ترک کر کے عمارت کے ساتھ ساتھ آگے بڑھنے لگا اور جلد ہی دوسری طرف پہنچا، ٹھٹک کر رک گیا۔

مندر کے سامنے والے دروازے کی سیڑھیوں پر کوئی بیٹھا بیڑی یا سگریٹ کے کش لگا رہا تھا۔ میں دیوار کی آڑ لے کر اس کی طرف دیکھتا رہا اور پھر آگے بڑھنے کا ارادہ ہی رہا تھا کہ چٹانی نما چٹانی راستے کی طرف سے دو ہیولوں کو برآمد ہوتے دیکھ کر رک گیا۔

سیڑھیوں پر بیٹھا ہوا شخص بھی اٹھ کھڑا ہو گیا۔ اس کی طرف سلگتا ہوا سگریٹ ایک طرف پھینک دیا تھا۔ وہ غالباً بہت بڑا قسم کا سگریٹ تھا۔ اس کی ناگوار سی بُو میرے نتھنوں سے ٹکرا رہی تھی۔

چٹانی پٹی پر آنے والے دونوں ہیولے سیڑھیوں کے قریب آگئے۔ وہاں کھڑے ہوئے شخص نے ان کا راستہ روک لیا۔ ان میں آپس میں چند جملوں کا تبادلہ ہوا پھر پہلے سے وہاں کھڑے ہوئے شخص کی آواز سنائی دی۔

"پدھاریے (تشریف لائیں) کلیان جی۔ آپ ہی کی پرتیکشا (انتظار) ہو رہی ہے۔"

چند لمحے خاموشی رہی اور پھر اس شخص کی جے رام جی کی آواز سنائی دی۔ بعد میں آنے والے دونوں آدمی اندر چلے گئے۔ مجھے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ وہ دونوں پنڈت تھے اور جس شخص نے ان کا استقبال کیا تھا وہ بھی پنڈت ہی تھا۔

وہ شخص ایک بار پھر سیڑھی پر بیٹھ گیا۔ میں اپنی جگہ پر سوچ رہا تھا کہ آگے بڑھ کر اسے کس طرح گرفت میں لیا جائے اسے وہاں سے ہٹائے بغیر مندر میں داخل ہونا ممکن نہیں تھا۔

اور پھر اچانک ہی تاریکی میں ایک شعلہ سا چمک اٹھا۔ سیڑھی پر بیٹھے ہوئے پنڈت نے ایک نیا سگریٹ سلگانے کے لیے دیا سلائی جلائی تھی اور اس کی روشنی میں اس شخص کا چہرہ دیکھ کر میں اچھل پڑا۔ یہ وہی بدہیئت سادھو تھا جسے کل رات ہم نے پجارو میں لفٹ دی تھی۔ وہ سیڑھی پر بیٹھا سگریٹ کے کش لگاتا رہا اور ناگوار سی بو میرے نتھنوں سے ٹکراتی رہی۔

دو تین منٹ گزر گئے۔ ابھی تک ٹھاکر کی طرف سے کسی قسم کی آواز سنائی نہیں دی تھی۔ اس وقت ساڑھے بارہ بج رہے تھے۔ تمام پنڈت آچکے تھے اور میرے خیال میں ان کی پوجا یا تو شروع ہو چکی تھی یا شروع ہونے والی ہوگی۔ اس سادھو کو شاید نگرانی کے لیے یہاں بٹھایا گیا تھا۔

میں نے چند سیکنڈ مزید انتظار کیا اور پھر دیوار کے ساتھ رینگ کر آہستہ آہستہ آگے سرکنے لگا۔ میری نظریں اس سادھو پر مرکوز تھیں جس کا رخ مندر کی طرف آنے والے راستے کی طرف تھا۔ وہ جب سگریٹ کا کش لگاتا تو چنگاری سی چمک اٹھتی اور پھر تاریکی پہلے سے زیادہ گہری محسوس ہوتی۔

میں بہت محتاط انداز میں دیوار کے ساتھ سرکتا رہا۔ آگے ایک جگہ عمارت کا ایک حصہ چار پانچ فٹ آگے کو نکلا ہوا تھا۔ اس کی وجہ سے مجھے کچھ آڑ مل گئی تھی۔

سادھو نے سگریٹ کا ختم ہوتا ہوا ٹکڑا ایک طرف اچھال دیا اور تھیلے میں سے ایک چپٹی سی بوتل نکال لی اور اس کا ڈھکنا کھول کر بوتل منہ سے لگالی۔

میں نے دل ہی دل میں اسے ایک گندی سی گالی دی اور اس آڑ سے نکل کر آگے بڑھنا ہی چاہتا تھا کہ ایک پتھر میرے پیر سے ٹکرا کر لڑھکتا ہوا دور تک چلا گیا۔ خاموشی میں پتھر کے لڑھکنے کی آواز خاصی بلند تھی۔

سادھو اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ میں تیزی سے پیچھے ہٹ کر دوبارہ آڑ میں آگیا۔ سادھو نے بوتل زمین پر رکھ دی تھی اور اب اس کے ہاتھ میں پستول نظر آ رہا تھا۔ میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ آگئی۔ اس نے لباس میں چھپا ہوا پستول نکالنے میں بڑی پھرتی کا مظاہرہ کیا تھا۔

وہ پستول والا ہاتھ آگے کو نکالے آہستہ آہستہ آگے کو بڑھ رہا تھا۔ پتھر لڑھکنے کی آواز سے اسے اس طرف کسی کی موجودگی کا شبہ ہو گیا تھا اور میں بھی اس کا استقبال کرنے کو تیار تھا۔

وہ دبے قدموں چلتا ہوا جیسے ہی عمارت کے بڑھے ہوئے حصے سے آگے کو نکلا، میں نے اس پر چھلانگ لگا دی۔ سب سے پہلے میرے پاؤں کی ٹھوکر اس کے پستول والے ہاتھ پر لگی اور پستول ہوا میں اچھلتا ہوا دور چٹانوں میں جا گرا۔

سادھو کے منہ سے کراہ سی نکل گئی۔ اس نے سنبھلنے کی کوشش کی لیکن میرا زوردار گھونسا اس کی گردن پر لگا اور وہ لڑکھڑا کر رہ گیا لیکن اس مرتبہ اس نے سنبھلنے میں زیادہ دیر نہیں لگائی تھی۔

سادھو کسی بلڈوزر کی طرح مجھ سے ٹکرایا۔ میں اگرچہ اس کی طرف سے کسی ممکنہ جوابی کارروائی کے لیے تیار تھا لیکن اس زوردار تصادم سے اپنے آپ کو سنبھال نہیں سکا اور وہ مجھے دھکیلتا ہوا دیوار تک لے گیا۔

میری پشت دیوار سے لگی ہوئی تھی اور وہ بلڈوزر ہی کی طرح مجھے دبا رہا تھا۔ مجھے سینے میں اپنا سانس گھٹتا ہوا محسوس ہونے لگا میں نے اسے پیچھے دھکیلنے کی کوشش کی مگر وہ چٹان کی طرح اپنی جگہ پر جما ہوا تھا اور پھر اس نے دونوں ہاتھ

پھیلا کر دونوں طرف سے میرے سر پر مارے۔

میرا دماغ جھنجنا اٹھا۔ آنکھوں کے سامنے نیلی پیلی چنگاریاں سی رقص کرنے لگیں۔ سادھو نے غراتے ہوئے ایک بار پھر دونوں ہاتھ اٹھائے۔ یہ ضرب پہلے سے زیادہ زور دار تھی۔ لگتا تھا جیسے اس کے دونوں ہاتھوں کے بیچ میں میری کھوپڑی پچک گئی ہو۔ میں سر کو زور زور سے جھٹکے دینے لگا۔

تیسری مرتبہ سادھو نے یہی حربہ استعمال کرنے کی کوشش کی تو میں نے اس کے دونوں ہاتھ کلائیوں پر سے پکڑ لیے اور انہیں آہستہ آہستہ پیچھے ہٹانے لگا۔ اس کم بخت میں گینڈے کی طرح بے پناہ طاقت بھری ہوئی تھی۔ اس کے بازوؤں کو موڑنے میں مجھے دانتوں پسینہ آگیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی میں نے اس کی ٹانگوں کے بیچ میں گھٹنے سے ضرب لگا دی تھی۔

میرا یہ حربہ کارگر ثابت ہوا۔ اس نے اپنی جگہ سے حرکت کی تو مجھے بھی اس کے دباؤ سے نکلنے کا موقع مل گیا اور پھر میں نے اس کی مٹکے جیسی توند پر گھونسوں کی بارش کردی لیکن لگتا تھا جیسے اس پر کوئی اثر ہی نہ ہو رہا ہو۔

میں اسے چھوڑ کر الگ ہٹ گیا اور چند فٹ دور ہٹ کر ہوا میں اچھلا۔ میری فلائنگ کک اس کے سینے پر لگی اور وہ کراہتا ہوا زمین پر ڈھیر ہوگیا۔ میں نے سنبھل کر اس پر چھلانگ لگا دی لیکن وہ بڑی پھرتی سے ایک طرف ہٹ گیا۔ میں منہ کے بل نیچے گرا۔ اگر دونوں ہتھیلیاں زمین پر نہ ٹکا دیتا تو میرے دانت ٹوٹ جاتے۔

سادھو بھاری بھرکم ہونے کے باوجود بہت پھرتیلا ثابت ہوا تھا۔ اس نے بڑی تیزی سے پلٹ کر مجھے دبوچ لیا۔ میں نے اپنا ہاتھ موڑ کر بازو اس کی گردن میں ڈال دیا اور اسے دبانے کے لیے پوری قوت استعمال کرنے لگا اور بالآخر اسے اپنے اوپر سے ہٹانے میں کامیاب ہوگیا اور پھر میں نے اسے سنبھلنے کا موقع نہیں دیا۔ میری ٹھوکریں اس کے جسم کے ہر حصے پر پڑ رہی تھیں۔

اور پھر میں نے اس کی گردن گرفت میں لے لی۔ میرے پاس اتنا وقت نہیں تھا کہ ساری رات اس سے گتھم گتھا ہوتا رہتا۔ میں دونوں ہاتھوں کے انگوٹھوں سے اس کے کانوں کے پیچھے مخصوص نسیں مسلتا رہا اور پھر اس کی گردن ڈھلک گئی۔ اسے بے ہوش کرنے میں مجھے دانتوں پسینہ آگیا تھا۔

میں اسے گھسیٹتا ہوا آڑ میں لے گیا۔ اسے گھسیٹتے ہوئے بھی میرا سانس بے ربط ہوگیا۔ کم بخت مروہ سانڈ سے بھی زیادہ بھاری تھا۔

میں نے اس کا لباس اتار لیا جو زرد رنگ کی دھوتی اور چادر پر مشتمل تھا۔ دھوتی کے نیچے اس نے چڈی پہن رکھی تھی۔

میں نے دھوتی اپنے جسم پر لپیٹ لی اور چادر بھی اوپر اس طرح ڈال لی کہ میرا اپنا لباس چھپ گیا۔ میں نے اپنا پستول نکال لیا اور دبے قدموں مندر کے دروازے کی طرف بڑھنے لگا۔ اس سادھو کے بارے میں مجھے یقین تھا کہ آدھے گھنٹے سے پہلے ہوش میں نہیں آئے گا۔

میں نے مرکزی دروازے کے ساتھ ایک ستون کی آڑ سے جھانک کر دیکھا اور پھر دبے قدموں چلتا ہوا اندر داخل ہوگیا۔ یہاں بہت ہلکی سی روشنی تھی۔ یہ روشنی دراصل دائیں طرف والی راہداری سے یہاں تک پہنچ رہی تھی۔

میں وسط میں چبوترے کے قریب سے گزر کر ایک ستون کی آڑ میں جانا چاہتا تھا کہ ایک غراہٹ میری سماعت سے ٹکرائی۔

"اپنی جگہ سے حرکت مت کرنا۔ ہاتھ اوپر اٹھا لو۔"

اس کے ساتھ ہی میں نے پستول کی نال اپنی پشت پر چبھتی ہوئی محسوس کی۔ میرے منہ سے گہرا سانس نکل گیا۔

"یہ میں ہوں ٹھاکر۔ گولی مت چلا دینا۔" میں نے ہاتھ اٹھانے کے بجائے سرگوشی میں جواب دیا۔ ایک تو میں نے ٹھاکر بھانوت سنگھ کی آواز پہچان لی تھی اور دوسرے فوراً ہی میرے ذہن میں یہ خیال آیا تھا کہ میں نے کسی سادھو ہی کی طرح پیلی دھوتی باندھ رکھی تھی اور اوپر بھی پیلی چادر اوڑھے ہوئے تھا۔ اس لباس میں تو میں کوئی پنڈت یا پجاری ہی لگتا تھا۔ کوئی پنڈت مجھ پر پستول نہیں اٹھا سکتا تھا البتہ ٹھاکر ہو کھا سکتا تھا اور ایسا ہی ہوا تھا۔

"اوہ! تم۔" ٹھاکر کے منہ سے گہرا سانس نکل گیا۔ اس نے پستول ہٹا لیا "تم یہیں رکو۔ میں اس طرف دیکھتا ہوں۔"

میں آگے بڑھ کر ایک ستون کی آڑ میں کھڑا ہوگیا۔ ٹھاکر راہداری کی طرف بڑھ گیا۔ اس ستون کی آڑ سے بھی راہداری نظر آرہی تھی جہاں آخر میں دیوار میں لگی ہوئی ایک مشعل جل رہی تھی اور یہ روشنی اسی کی تھی۔ مشعل میں غالباً چربی یا کوئی اور بدبودار روغن استعمال کیا گیا تھا جس کے جلنے کی بو فضا میں پھیلی ہوئی تھی۔

ٹھاکر بھانوت سنگھ اس راہداری میں دبے قدموں چلتا ہوا ایک دروازے کے قریب رکا اور پھر اندر داخل ہوگیا۔

میں ستون کی آڑ میں کھڑا اس کے باہر آنے یا اندر سے کسی آواز کا منتظر رہا لیکن نہ تو ٹھاکر باہر آیا اور نہ ہی کوئی

تھا۔ میں اٹھ کر دوڑتا ہوا اس کمرے میں داخل ہوگیا جہاں سے یہ دونوں برآمد ہوئے تھے۔

کمرے کا منظر خاصا سنسنی خیز تھا۔ ایک دیوار کے ساتھ مشعل جل رہی تھی اور دو بٹے کٹے پنڈت ٹھاکر بھانوت سنگھ سے گتھم گتھا ہو رہے تھے۔ ٹھاکر کی ٹانگ سے خون بہہ رہا تھا لیکن وہ ڈٹ کر ان کا مقابلہ کر رہا تھا۔

میں نے پستول کو نال کی طرف سے پکڑا اور آگے بڑھ کر دیتے کی زور دار ضرب ایک پنڈت کے گنجے سر پر رسید کردی۔ گنجے سر پر لگنے والی ضرب خاصی زور دار تھی۔ وہ بھیانک انداز میں چیختا ہوا ڈھیر ہوگیا۔

دوسرے پنڈت کو ٹھاکر نے ایک طرف اچھال دیا۔ وہ بھی چیختا ہوا دروازے کے قریب گرا اور پھر دوسرے ہی لمحے اس نے اٹھ کر دروازے کے باہر چھلانگ لگا دی۔ میں اس کے پیچھے لپکا اور اسی لمحے مجھے ٹھاکر کی چیختی ہوئی آواز سنائی دی۔

"اسے جانے دو ہمت سنگھ۔ اس طرف۔۔۔ وہ تہ خانے میں ہیں۔"

میں ایک دم واپس پلٹ آیا۔ وہ پنڈت دوڑتا ہوا مندر سے باہر چلا گیا تھا اور اس کی واپسی کی کوئی امید نہیں تھی۔

یہ کمرا بہت بڑا تھا اور ایک کونے میں فرش میں خلا نظر آرہا تھا۔ اس کے قریب ہی کنکریٹ کا ایک سلیب بھی پڑا ہوا تھا۔ مجھے یہ سمجھنے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ میٹنگ یا تو تہ خانے میں ہو رہی تھی یا وہ لوگ اسی کمرے میں تھے اور گڑبڑ شروع ہوتے ہی کچھ لوگ اپنے آپ کو بچانے کے لیے تہ خانے میں اتر گئے تھے اور میں یہ بھی سمجھ گیا کہ تہ خانے میں کوئی ایسا خفیہ راستہ ضرور ہوگا جس سے کسی محفوظ جگہ پر پہنچا جاسکے۔

ٹھاکر بھانوت سنگھ نے دیوار میں لگی ہوئی مشعل نکال لی اور ایک طرف فرش پر پڑا ہوا اپنا پستول بھی اٹھا لیا۔

تہ خانہ کافی کشادہ تھا۔ ایک دروازہ دائیں طرف اور ایک بائیں طرف کی دیوار میں نظر آرہا تھا۔ دائیں طرف کا دروازہ بند تھا البتہ بائیں طرف کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔

"اس طرف۔" ٹھاکر یہ کہتے ہوئے کھلے ہوئے دروازے کی طرف لپکا۔

یہ ایک کشادہ سرنگ تھی۔ ہم دونوں اس سرنگ میں دوڑتے رہے۔ تقریباً پچاس گز آگے جاکر سرنگ بائیں طرف مڑ گئی۔ یہاں سے آگے سرنگ کسی قدر تنگ تھی۔ اس راہداری کے آخر میں ایک لمحے کو روشنی نظر آئی پھر غائب ہوگئی۔

"وہ اسی طرف گئے ہیں۔ بھاگو۔" ٹھاکر چیخا۔

ٹھاکر کی ٹانگ زخمی تھی جس سے خون رس رہا تھا لیکن وہ مجھ سے آگے آگے دوڑ رہا تھا۔ یہ سرنگ بھی تقریباً پچاس گز لمبی تھی۔ اس کے آخر میں روشنی نظر آئی۔

وہ تین آدمی تھے جن میں سے ایک نے مشعل اٹھا رکھی تھی۔ وہ ہم سے تقریباً چالیس گز کے فاصلے پر آگے تھے۔ ٹھاکر نے گولی چلا دی۔ طویل سرنگ فائر کی بازگشت سے گونج اٹھی لیکن اس کے سوا اور کوئی آواز سنائی نہیں دی تھی۔ وہ تینوں آدمی موڑ گھوم کر ہماری نظروں سے غائب ہو چکے تھے۔ البتہ اس طرف روشنی بدستور دکھائی دے رہی تھی۔

اور جب ہم دوڑتے ہوئے سرنگ کے اس موڑ پر پہنچے تو ٹھٹک کر رک گئے۔ وہ تینوں غائب ہو چکے تھے۔ تازہ ہوا کا جھونکا میرے چہرے سے ٹکرایا تو مجھے سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ اس طرف باہر نکلنے کا کوئی راستہ ہے۔ ہم دونوں دوڑتے ہوئے اس جگہ پہنچ گئے جہاں وہ تینوں غائب ہوئے تھے۔

میرا خیال درست نکلا۔ اس طرف ایک تنگ سی دراڑ تھی جس سے تازہ ہوا اندر آرہی تھی۔ میں ٹھاکر سے پہلے اس دراڑ میں گھس گیا اور دیواروں سے رگڑ کھاتا ہوا آگے نکلتا چلا گیا۔ اس تنگ سی دراڑ کا اختتام اس عمودی ڈھلان پر ہوا تھا جس پر چڑھ کر ہم اوپر آئے تھے۔

اس دراڑ کے آس پاس کانٹے دار گھنی جھاڑیاں تھیں۔ اس سے آگے عمودی ڈھلان تھی اور تین انسانی ہیولے اس ڈھلان پر بڑی تیزی سے نیچے پھسلتے ہوئے جا رہے تھے۔ ان میں سے ایک کے ہاتھ میں مشعل تھی جو اب تک جل رہی تھی اور پھر یوں لگا جیسے وہ مشعل اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی ہو۔ اب وہ خود پھسلنے کے بجائے لڑھک رہا تھا۔ چھوٹے چھوٹے پتھروں کے لڑھکنے کا شور بھی سنائی دے رہا تھا۔

ٹھاکر بھانوت سنگھ بھی دراڑ سے نکل کر میرے قریب کھڑا ہوگیا۔ اس کے بائیں ہاتھ میں مشعل تھی اور دائیں ہاتھ میں پستول۔ چند سیکنڈ بعد ہی پہاڑیاں فائر کی آواز سے گونج اٹھیں۔ تقریباً سو گز نیچے ایک شعلہ سا لپکا اور گولی ہمارے سروں کے اوپر سے گزر گئی۔

ٹھاکر نے بھی نیچے کی طرف پے در پے دو فائر کردیے اور مشعل ایک طرف پھینکتے ہوئے چیخا۔

"ان کے پیچھے چلو۔ بھاگنے نہ پائیں۔۔۔"

عمودی ڈھلان پر کھڑے ہو کر اترنے کی کوشش کرنا یا

دوڑنا موت کو دعوت دینے کے مترادف تھا۔ میں نے اپنی جگہ کھڑے کھڑے چھلانگ لگا دی۔ میرے پیر ڈھلان پر ٹکے اور میں تیزی سے نیچے پھسلتا چلا گیا۔

یہ پہاڑی بھربھری تھی۔ میرے ساتھ مٹی اور ہزاروں کی تعداد میں چھوٹے چھوٹے پتھر بھی پھسل رہے تھے۔ مجھ سے چند گز اوپر ٹھاکر بھی اسی طرف پھسلا آرہا تھا۔

تقریباً تین سو گز نیچے آکر میں جھاڑیوں میں الجھ کر رک گیا اور پھر دوسرے ہی لمحے اپنے بائیں جانب چند گز کے فاصلے پر کسی کے کراہنے کی آواز سن کر میں چونک گیا اور پھر میں جھاڑیوں کا سہارا لیتا ہوا تیزی سے اس طرف پہنچ گیا۔

وہ ان پنڈتوں میں سے ایک تھا جو بھاگنے کی کوشش کررہے تھے۔ وہ اپنی ایک ٹانگ پکڑے کراہ رہا تھا۔ اس دوران میں ٹھاکر بھی پھسلتا ہوا میرے قریب پہنچ گیا۔

"تم اسے سنبھالو۔ میں ان لوگوں کو دیکھتا ہوں۔" ٹھاکر یہ کہتے ہوئے پھر ڈھلان پر پھسلنے لگا۔

اس پنڈت نے دھوتی اور کرتہ پہن رکھا تھا۔ ڈھلان پر لڑھکنے اور قلابازیاں کھانے سے دھوتی کھل کر راستے ہی میں کسی جگہ جھاڑیوں میں الجھ کر رہ گئی تھی۔ میں نے اس کی ٹانگ پر ہاتھ رکھا تو وہ چیخ اٹھا۔

اس کا گھٹنا مڑ گیا تھا۔ یہ غنیمت تھا کہ قلابازیاں کھانے سے اس کی گردن نہیں ٹوٹی تھی۔ میں نے ایک ہاتھ اس کے گھٹنے سے ذرا اوپر ٹانگ پر رکھا اور دوسرے ہاتھ سے اس کی پنڈلی کو پکڑ کر ہلکا سا جھٹکا دیا۔ وہ چیخ اٹھا۔ میں نے دوسرا جھٹکا دیا۔ اس مرتبہ اس کی چیخ پہلے سے زیادہ خوفناک تھی لیکن وہ بتدریج پُرسکون ہوتا چلا گیا۔ اس کے گھٹنے کا جوڑ اپنی جگہ پر بیٹھ گیا تھا۔

پہاڑی پر کافی نیچے فائرنگ کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ ٹھاکر کی ان دو آدمیوں سے ٹھن گئی تھی۔

"پنڈت جی۔" میں نے اپنے قریب بیٹھے ہوئے پنڈت کو مخاطب کرتے ہوئے کہا "آرام کرلیا ہو تو اب چلیں نیچے کی طرف۔"

"مورکھ۔ مجھے نہیں پتا تم کون ہو مگر دھرم ویروں کو پریشان کرکے تم نے اچھا نہیں کیا۔ تمہیں اس کا کشٹ اٹھانا پڑے گا۔ اچھا ہوگا کہ تم یہاں سے چلے جاؤ۔" وہ بولا۔ اس کے لہجے میں ہلکی سی غراہٹ تھی۔

"کشٹ تو میں پہلے ہی اٹھا رہا ہوں۔ پر نحوست تم اپنے بارے میں سوچو۔" میں نے جواب دیا "ابھی تو تمہاری دھوتی اتری ہے۔ یہاں اندھیرے میں کوئی دیکھ بھی نہیں رہا۔ میں تمہارا کرتہ بھی اتار دوں گا اور تمہیں گھسیٹتے ہوئے بازار میں لے جاؤں گا۔ وہاں چیخ چیخ کر تم لوگوں کو بتانا کہ تمہارے ساتھ کیا ہوا ہے۔ تم نہیں بتاؤ گے تو میں بتاؤں گا پھر ایک بات اور سمجھ لو۔ تم جو کچھ بھی کہو گے لوگ اب تمہارا وشواس نہیں کریں گے۔ اب کیا ارادہ ہے۔ خود سے چلو گے کہ میں۔"

"چلتا ہوں۔ چلتا ہوں۔" وہ کراہتا ہوا اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔

میں نے اس کا ہاتھ پکڑلیا اور ہم آہستہ آہستہ ڈھلان پر اترنے لگے۔ وہ ہولے ہولے لنگڑا رہا تھا اور اس کے منہ سے ہلکی ہلکی کراہیں بھی خارج ہورہی تھیں۔ آگے ڈھلان بتدریج کم ہوتی جارہی تھی۔

ہم سے تقریباً سو گز آگے بھاگ دوڑ کی آوازیں سنائی دیں پھر فائرنگ ہونے لگی۔ دو مختلف سمتوں سے پانچ چھ فائر ہوئے تھے اور پھر خاموشی چھا گئی۔

تقریباً سو گز مزید آگے جاکر میں رک گیا اور تجسس نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

"ٹھاکر۔ کہاں ہو تم؟" میں نے زور سے پکارا۔

"یہاں ہوں۔ اس طرف!" جواب میں نیچے قدرے دائیں طرف سے آواز سنائی دی۔

میں پنڈت کا ہاتھ پکڑے اس طرف چلنے لگا اور کچھ ہی دیر بعد ہم ٹھاکر کے قریب پہنچ گئے جو اپنی ٹانگ پکڑے ایک پتھر پر بیٹھا ہوا تھا۔

"کیا ہوا؟" میں نے پوچھا۔

"بھاگ گئے۔ سالے حرامی۔" ٹھاکر نے جواب دیا "ان میں ایک تو بلونت سنگھ تھا۔ وہ حرامی یہاں میرے قابو میں آگیا تھا لیکن پھر بھاگ نکلا۔ دوسرا اس سے پہلے ہی دوسری طرف نکل گیا تھا۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بولا "اسے گاڑی کی طرف لے کر چلو۔ میں آرہا ہوں۔ وہ اس طرف جہاں سرخ بتی جل رہی ہے۔ گاڑی اس طرف لے تم چلتے رہو۔ میں بھی پہنچتا ہوں اور اس کا خیال رکھنا۔ بھاگنے کی کوشش کرے تو گولی مار دینا سالے کو۔"

"یہ اب بھاگنے کے قابل نہیں رہا۔" میں نے جواب دیا اور پنڈت کا ہاتھ پکڑ کر پھر چلنے لگا۔

تقریباً دو سو گز کا فاصلہ طے کرکے پنڈت رک گیا۔

"اب نہ چلا جاوت ہے مورکھ۔" وہ کراہتے ہوئے بولا "گھوڑے میں پیڑ ہووت ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ دو منٹ رک جاؤ۔ اس کے بعد تمہارے گھوڑے میں پیڑ ہوئی تو میں تمہارا گھوڑا ہی توڑ دوں گا۔" میں نے کہا۔

پنڈت ایک پتھر پر بیٹھ گیا۔ اس نے کُرتے کے دامن کو ٹانگ کے نیچے دبا لیا تھا۔ دو تین منٹ بعد ٹھاکر بھی لنگڑاتا ہوا پہنچ گیا اور ہم پھر آگے چل پڑے۔

گاڑی کے پاس پہنچ کر ٹھاکر نے جیب سے چابی نکال کر دے دی۔

"تم ڈرائیو کرو۔" وہ بولا "مجھ سے گاڑی نہیں چلائی جائے گی۔ پنڈلی میں گولی لگی ہے۔"

میں دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گیا اور پچھلا دروازہ کھلنے کے ساتھ ہی اندر کی بتی بھی جلا دی۔ ٹھاکر نے پہلے پنڈت کو اندر دھکیلا اور پھر خود اندر بیٹھ کر دروازہ بند کردیا۔ میں نے اسٹارٹ کرتے ہوئے میری نظر سامنے لگے ہوئے آئینے کی طرف اٹھ گئی اور میں تیزی سے پیچھے گھوم گیا۔

وہ پنڈت ہری رام تھا۔ رام گڑھ جھیل والے مندر کا مہنت۔

"کیسے ہو پنڈت جی۔" میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"اوہ! تم۔۔۔؟" پنڈت ہری رام کا چہرہ دھواں ہوگیا۔

"پہچان لیا۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا "اب آئے نا تم قابو میں۔ بہت شور مچا رکھا تھا تم نے۔ بہت چرچا کررہے تھے مسلمان آدمی اور ہندو ناری کی دوستی کا۔ اب تم اپنی زبان سے لوگوں کو بتاؤ گے کہ اس رات مندر میں کیا ہوا تھا۔"

"اب تم گاڑی چلاؤ ہمت سنگھ۔ اس سے حساب کتاب میں کرلیں گے۔" ٹھاکر نے کہا۔

"ہمت سنگھ۔" پنڈت ہری رام چونک گیا "یہ مسلمان بھی اس نے ایک ہندو ناری کے ساتھ مندر کی پوتر تا کو۔۔۔"

ٹھاکر نے اس کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی اس کے منہ پر زوردار تھپڑ رسید کردیا۔

"اپنی گندی زبان بند رکھو۔" وہ غرایا "اب اگر ایک بھی منہ سے نکالا تو تمہاری زبان کھینچ لوں گا۔"

پنڈت چیخ اٹھا تھا۔ تھپڑ کچھ زیادہ ہی زوردار تھا۔ اس کا پھولے ہوئے گال پر انگلیوں کے نشان پڑ گئے۔

"کہاں چلنا ہے ٹھاکر؟" میں نے گاڑی کو ایک ہلکے سے جھٹکے سے آگے بڑھاتے ہوئے پوچھا۔

"کانتی چندر مارگ کی طرف لے چلو۔ راستے کا پتا چل جائے گا نا؟" ٹھاکر نے کہا۔

"تم بتاتے رہنا۔" میں نے کہا۔

"یہ سیدھی سڑک ہے۔ کسی طرف نہیں مڑنا۔ شہر کے بیچ میں سے ہوتے ہوئے لے چلو۔" ٹھاکر نے بتایا "سورج پول گیٹ سے سیدھا۔"

"رات کے دو بج رہے ہیں ٹھاکر۔ اگر راستے میں کہیں پولیس نے روک لیا تو گڑبڑ ہوجائے گی۔" میں نے کہا۔

"کوئی گڑبڑ نہیں ہوگی۔ میں سنبھال لوں گا۔" ٹھاکر نے کہا۔

پہلے تو میں نے گاڑی کی رفتار ہلکی ہی رکھی لیکن پہاڑی کے دامن میں اس نواحی علاقے سے نکل کر میں نے رفتار بڑھا دی لیکن سورج پول گیٹ کے قریب پولیس کی ایک پارٹی نے ہماری گاڑی روک لی۔ کچھ فاصلے پر ایک جیپ بھی کھڑی تھی۔ ایک سب انسپکٹر گاڑی کے سامنے سے گزر کر میری طرف آگیا۔

"میلا رام' کیا بات ہے۔ کوئی گڑبڑ ہے کیا؟" پچھلی سیٹ پر بیٹھے ہوئے ٹھاکر بھانوت سنگھ نے اسے کچھ کہنے کا موقع دیے بغیر سوال کیا۔

سب انسپکٹر میلا رام نے چونک کر پیچھے دیکھا پھر دونوں ہاتھ جوڑ دیے۔

"ٹھاکر جی آپ۔" وہ بولا "شہر ما تو کوئی گڑبڑ ناہیں ہے پر نحوست پر۔۔۔ ملت رہی ہے کہ ادھر گولیاں چلت ہیں۔" اس نے پہاڑیوں کی طرف اشارہ کیا۔

"ٹھیک اطلاع ملی ہے میلا رام۔" ٹھاکر نے کہا "کچھ یاتری اشنان گھاٹوں پر اور مندر میں ٹھہرے ہوئے ہیں۔ ہم بھی وہیں موجود تھے۔ ڈاکوؤں نے حملہ کردیا۔ یہ پنڈت جی بھی ان کے ہتھے چڑھ گئے تھے۔ ہم بڑی مشکل سے اسے بچا کر لائے ہیں۔"

"رام بھلی کرے۔" میلا رام بڑبڑایا "کوئی مرن ورن کا بات تو ناہیں نا؟"

"نہیں۔" ٹھاکر نے جواب دیا "یاتریوں نے مقابلہ کیا تو ڈاکو بھاگ گئے۔ کوئی نہیں مرا نہ ہی زخمی ہوا ہے۔ سب ٹھیک ہے۔"

پنڈت نے کچھ کہنا چاہا تو ٹھاکر نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ وہ منہ سے ایک لفظ نہیں نکال سکا تھا۔

"ٹھیک ہے ٹھاکر جی۔" سب انسپکٹر میلا رام نے کہا۔ "آپ جاؤ۔ رام بھلی کرے۔ جے رام جی کی۔"

"جے رام جی کی۔" ٹھاکر نے بھی ہاتھ جوڑ دیے۔

میں نے گاڑی آگے بڑھا دی۔ یہ خاصی طویل سڑک تھی۔ شہر کا مرکزی اور کاروباری علاقہ تھا۔ شہر کے تمام مشہور

بازار اسی سڑک کے دائیں بائیں تھے۔ دن کے وقت اور رات دس گیارہ بجے تک یہاں کھوے سے کھوا چھلتا تھا لیکن اس وقت سناٹا تھا تاہم بعض علاقے ایسے تھے جہاں بعض ریسٹورنٹ کھلے رہتے تھے اور رات بھر رونق رہتی تھی۔

چاند پول گیٹ سے ذرا آگے نکل کر ٹھاکر کی ہدایت پر میں نے بائیں سمت گاڑی موڑلی۔ یہ کانتی چند مارگ کا علاقہ تھا۔ یہاں لب سڑک کئی کئی منزلہ عمارتیں تھیں اور ان کے پیچھے بنگلے تھے۔ میں ٹھاکر کی ہدایت پر گاڑی مختلف گلیوں میں گھماتا رہا اور بالآخر ایک بنگلے کے سامنے روک لی۔ ٹھاکر نے نیچے اتر کر گیٹ کی بیل بجادی۔ گیٹ تیسری مرتبہ گھنٹی بجانے کے بعد ہی کھلا تھا۔

وہ ایک ادھیڑ عمر عورت تھی۔ اس کا جسم اور چہرے کے نقوش بتا رہے تھے کہ وہ جوانی میں بڑی قیامت قسم کی شے رہی ہوگی۔

گیٹ کھلتے ہی میں گاڑی اندر لے گیا اور پورچ میں کھڑی ہوئی ایک کار کے پیچھے روک کر انجن بند کردیا۔ ٹھاکر نے کار کا پہلا دروازہ کھول دیا۔

"آیئے پنڈت جی۔ پدھاریے۔" اس نے پنڈت کو اشارہ کیا۔

پنڈت ہری رام اس عورت کی موجودگی میں کار سے اترتے ہوئے ہچکچا رہا تھا لیکن ٹھاکر نے آنکھیں دکھائیں تو اسے اترنا ہی پڑا۔ اس نے کرتے کے دامن کو آگے پیچھے سے اس طرح پکڑلیا تھا کہ ہوا سے اڑ کر اسے شیم شیم نہ کروا دے۔

"ہے بھگوان۔" اس عورت نے پنڈت کی طرف دیکھ کر منہ پر ہاتھ رکھ لیا "یہ کیا ہوا پنڈت جی۔ آپ کی وہ کہاں گئی۔ دھوتی؟"

پنڈت کا رنگ سانولا تھا۔ شرم کے مارے سیاہ پڑ گیا۔

"شرما کیوں رہے ہو پنڈت جی۔" ٹھاکر بولا "یہاں تمہیں اسی مہلا (عورت) کے ساتھ رہنا پڑے گا اور بھی بہت سی آویں گی۔ سیوا (خدمت) کریں گی تمہاری۔ جی بہلا رہے گا۔"

"ہم کا کوئی دھوتی دیدو مہاراج۔" پنڈت نے ٹھاکر کے سامنے ہاتھ جوڑ دیے "ہم کا ناریوں کے سامنے اس طرح جلیل مت کرو۔"

"مندر میں تو ناریوں کے ساتھ بہت خوش رہتے تھے۔ یہاں بھی خوش رہو گے۔" ٹھاکر نے اسے بازو سے پکڑ کر آگے دھکیل دیا۔

ایک کمرے میں لے جا کر ٹھاکر نے اسے ایک چادر لپیٹ کو دے دی اور کمرے کا دروازہ بند کر کے باہر سے کنڈا لگا دیا۔

"ہمارے لیے چائے بناؤ بھان متی۔" ٹھاکر اس عورت کی طرف دیکھتے ہوئے بولا "میں اتنے میں اپنے زخم کی ڈریسنگ کرلوں۔"

"مجھے بتاؤ' فرسٹ ایڈ باکس کہاں ہے۔ میں ڈریسنگ کرتا ہوں۔" میں نے کہا۔

ٹھاکر نے آواز دے کر بھان متی سے فرسٹ ایڈ باکس منگوالیا۔ ٹھاکر ایک صوفے پر بیٹھ چکا تھا۔ میں نے اس کے سامنے قالین پر بیٹھ کر اس کی پتلون کا پائنچہ اوپر اٹھادیا۔ زخم زیادہ خطرناک نہیں تھا۔ گولی پنڈلی کے گوشت کو چیرتی ہوئی نکل گئی تھی۔

فرسٹ ایڈ باکس میں کسی ایسے موقع کے لیے ضرورت کی ہر چیز موجود تھی۔ میں نے پہلے اسپرٹ سے زخم صاف کیا اور پھر دوا لگا کر ڈریسنگ کردی۔ اسی دوران میں بھان متی چائے بنا کر لے آئی۔

"باتھ روم کس طرف ہے؟ ہاتھ دھونا چاہتا ہوں۔" میں نے کہا۔

بھان متی مجھے ایک کمرے میں لے آئی اور باتھ روم کی طرف اشارہ کردیا۔ پہاڑی ڈھلان پر مٹی پر پھسلنے اور لڑھکنے سے یوں تو میرا حلیہ بگڑا ہوا تھا ہی لیکن اس وقت میں نے ہاتھ دھونے پر اکتفا کیا اور کمرے سے نکل کر لاؤنج میں واپس آگیا۔ ٹھاکر اس وقت فون پر کسی سے بات کر رہا تھا۔ تقریباً دو منٹ مزید بات کرنے کے بعد اس نے ریسیور رکھ دیا۔

"میں نے روپ متی کو اطلاع دے دی ہے کہ ہم لوگ یہاں ہیں۔ وہ پریشان نہ ہوں۔" ٹھاکر نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا اور چائے کا کپ اٹھالیا۔

میں نے اس کے سامنے دوسرے صوفے پر بیٹھتے ہوئے دیوار گیر کلاک کی طرف دیکھا۔ تین بج رہے تھے۔ میں نے چائے کا کپ اٹھالیا اور ہلکی ہلکی چسکیاں لینے لگا۔

"مندر کے تہ خانے میں کتنے لوگ تھے؟" میں نے پوچھا۔

"چھ سات ہی تھے۔" ٹھاکر نے کہا اور چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولا "جب میں کمرے میں داخل ہوا تو وہاں کوئی نہیں تھا۔ کونے میں فرش میں خلا دیکھ کر میں سمجھ گیا کہ وہ لوگ تہ خانے میں ہیں۔ میں دو تین سیڑھیاں اتر کر چیخ چلانے لگا۔

یہ سب لوگ تہ خانے میں تھے اور بلونت سنگھ بھاشن دے رہا تھا۔ اس کا ایک ایک لفظ زہر میں بجھا ہوا تھا۔ پنڈتوں کو روپ متی اور مسلمانوں کے خلاف بھڑکا رہا تھا۔ اس کی باتیں ایسی تھیں کہ نہایت ٹھنڈے دماغ کا شخص بھی اٹھتا اور پھر یہ تو نہایت کٹر اور متعصب پنڈت تھا۔

بلونت سنگھ انہیں صلاح دے رہا تھا کہ کل رات سب کو روپ متی کی حویلی کو آگ لگا دی جائے اور پھر بعض ان کے گھروں کو بھی جلا کر بھسم کردیا جائے۔ چار چھ ان کی لاشیں بھی گرا دی جائیں تو ٹھیک رہے گا۔

بلونت سنگھ کے کہنے کے مطابق ایک مسلمان نے نہ ایک ہندو ناری کو اس کے دھرم سے گمراہ کیا ہے بلکہ پوتر تا کو بھی نشٹ کیا ہے۔ آج اگر اس کی سزا نہ دی جائی کو دوسرے مسلمان بھی ایسی حرکتیں کرنے لگیں ہندو دھرم خطرے میں پڑ جائے گا۔ دھرم کو بچانے کے ری ہے کہ اس یدھ (لڑائی) کے شروع ہی میں چار چھ ماں کی لاشیں گرا دی جائیں تاکہ آئندہ کسی مسلمان کو ت کرنے کی جرأت نہ ہو۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ت جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا۔

بلونت سنگھ نے ان پنڈتوں کو میرے اور تمہارے ی خوب بھڑکا دیا تھا۔ وہ پنڈتوں کو یہ باور کرانے کی کر رہا تھا کہ مجھ جیسے لوگ بھائی چارے کی آڑ میں ما کا ساتھ دے کر ہندو دھرم کو ختم کرنے کی کوشش ہیں۔

ابھی یہ باتیں سن ہی رہا تھا کہ اوپر کمرے میں ی آہٹ سن کر تیزی سے سیڑھیوں سے اوپر آگیا۔ وہ م پنڈت شاید پہلے کسی اور طرف تھا جو اس طرف اس نے مجھے دیکھتے ہی چھلانگ لگا دی۔ باہر سے بھی ی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔

نکلا اور اس پنڈت کی دھینگا مشتی کی آوازیں سن کر ہی موجود پنڈت باہر آگئے۔ ان میں بلونت سنگھ بھی نے گولی چلا دی جو میری ٹانگ کو زخمی کرتی ہوئی نکل بھی پستول نکالنے کا موقع مل گیا۔ میں نے فائر کیا تو تہ خانے میں واپس دوڑ گیا اور دو پنڈت مجھ سے اس دوران میں میرا پستول میرے ہاتھ سے چھوٹ م بدقت نہ پہنچ جاتے تو شاید وہ مسٹنڈے مجھے بے میاب ہو جاتے۔"

ہری رام کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے۔" میں نے اس کے خاموش ہونے پر کہا "کیا اسے پولیس کے حوالے کردیا جائے؟"

"کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ پولیس ان پنڈتوں کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کرسکے گی۔" ٹھاکر نے جواب دیا "اس کے لیے میں نے ایک اور طریقہ سوچا ہے۔ اس میں دو چار روز لگیں گے مگر اس کے بعد پنڈت ہری رام اور اس کے چیلوں کی زبانیں بند ہوجائیں گی۔"

ٹھاکر نے یہ نہیں بتایا کہ اس نے پنڈت ہری رام کی زبان بند کرنے کے لیے کیا طریقہ سوچا ہے اور اس وقت میں نے بھی کچھ پوچھنا ضروری نہیں سمجھا۔

چار بج رہے تھے۔ میرے دماغ میں سنسناہٹ سی ہونے لگی۔ ٹھاکر نے مجھے اس کمرے میں پہنچا دیا جہاں باتھ روم میں' میں نے ہاتھ دھوئے تھے۔ میں آرام دہ بستر پر گرتے ہی نیند کی آغوش میں پہنچ گیا۔

○☆○

ان پنڈتوں کا منصوبہ واقعی بہت خوفناک تھا اور میرا اندازہ بھی درست ثابت ہوا تھا کہ انہیں کسی اور کی آشیرواد حاصل تھی۔ وہ شخص جو پس منظر میں رہ کر ان متعصب پنڈتوں کو کور کر رہا تھا۔ میں نے پہلے بلونت سنگھ کا نام لیا تھا اور یہ بات ثابت بھی ہوگئی تھی۔ گزشتہ رات وہ ٹھاکر بھانوت سنگھ کی گرفت میں آکر نکل گیا تھا۔

پنڈت ہری رام کے کہنے کے مطابق بلونت سنگھ نے اسے پچاسی ہزار روپے دیے تھے اور ہنگامے شروع کرانے کے بعد مزید رقم دینے کا وعدہ بھی کیا تھا۔

بلونت سنگھ کے حرامی ہونے میں اب کوئی شبہ نہیں رہا تھا۔ کئی ماہ پہلے غلاموں کی منڈی میں اسے دیکھتے ہی میں سمجھ گیا تھا کہ اس کی رگوں میں دوڑنے والا خون بہت ہی گندا ہے اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ بات ثابت بھی ہوتی گئی تھی۔ اس کے باپ نے بشن سنگھ کے باپ کو قتل کر کے دھوکے سے چتوڑ گڑھ کی گدی حاصل کی تھی۔ باپ کی زندگی دھوکے اور فریب میں گزری تھی تو بیٹا کس طرح نیک ہوسکتا تھا۔ یہ ساری باتیں ثابت کرتی تھیں کہ ان کا تعلق راجپوتوں کی کسی اچھی نسل سے نہیں تھا۔

بلونت سنگھ کی کمینگی میں کوئی شبہ نہیں تھا اور یہ روپ متی کی بدقسمتی تھی کہ وہ اس جیسے کمینے شخص سے دوستی کر بیٹھی تھی جس کا خمیازہ اب اسے بھی بھگتنا پڑ رہا تھا۔ وہ روپ متی اور میرے خلاف کوئی موقع نہیں کھونا چاہتا تھا۔ پہلے بشن سنگھ اور دھرمیش کو ہمارے خلاف بھڑکایا۔ وہ دونوں بھائی

عقل مند ہوتے تو اس کی باتوں میں آنے کے بجائے روپ متی سے معافی مانگ لیتے اور بات ختم ہوجاتی لیکن وہ بلونت سنگھ کے بہکاوے میں آگئے اور جوشِ انتقام میں وہ اپنی اوقات بھی بھول گئے۔ انہیں یہ بھی یاد نہ رہا کہ اسی روپ متی نے انہیں فرش سے اٹھا کر عرش پر پہنچایا تھا۔ نوکر جب مالک کے سامنے گردن تان کر کھڑے ہوجائیں تو ان کا انجام برا ہی ہوتا ہے۔ ان دونوں بھائیوں کا انجام ایسا ہی ہوا۔ محض بلونت سنگھ کے بہکاوے میں آکر وہ اپنی جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھے اور اب پنڈت ہری رام اس کی مکاری کا نشانہ بنا ہوا تھا۔

اگلے روز صبح ٹھاکر نے میری موجودگی میں پنڈت ہری رام سے پوچھ گچھ کی اور اس وقت ہری رام نے یہ سنسنی خیز انکشاف بھی کیا کہ اس رات کلب کی رقاصہ ریکھا کو بھی بلونت سنگھ ہی نے قتل کیا تھا۔ ان لوگوں کو کسی طرح پتا چل گیا تھا کہ ریکھا اور بعض دوسری لڑکیوں کو پولیس کمشنر کے سامنے پریس کانفرنس میں پیش کیا جانے والا تھا۔ رام گڑھ جھیل مندر والے واقعے کے بعد تمام لڑکیاں روپوش ہوگئی تھیں البتہ ریکھا بلونت سنگھ کے ہاتھ لگ گئی جسے اس نے ذبح کرڈالا۔

"پنڈت جی۔" میں نے کہا "اب تمہیں اندازہ ہوگیا ہوگا کہ کسی کمینے شخص کی دوستی کتنی خطرناک ہوتی ہے۔ کمینے آدمی کی دوستی اس کوئلے کی طرح ہے جو دہک رہا ہو تو ہاتھ جلا دیتا ہے اور بجھا ہوا ہو تو ہاتھ کالے کردیتا ہے اور اس کمینے نے تمہارے ہاتھ تو کیا، منہ بھی کالا کردیا ہے۔"

میں چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولا "اس رات ہم اپنی دوست کی تلاش میں تمہارے مندر میں آئے تھے جسے گنیش مندر سے اغوا کرکے وہاں لے جایا گیا تھا۔ تمہارے مندر میں ہمارا ایک پرانا دشمن بھی چھپا ہوا تھا۔ وہ جرائم پیشہ آدمی ہے اور کئی بے گناہوں کا قاتل بھی۔"

"ہمیں دیکھتے ہی وہ فرار ہوگیا۔ ہم نے اپنی دوست کو بازیاب کرلیا تھا اور تم لوگوں کے خلاف کوئی کارروائی کیے بغیر واپس آگئے تھے۔ تم لوگ اگر خاموش رہتے تو بات ختم ہوجاتی لیکن دارا اور بلونت سنگھ نے تمہیں بہکا دیا اور ان کے بہکاوے میں آکر تم لوگوں نے عام لوگوں کے مذہبی جذبات کو بھڑکانے کی کوشش کی اور ہنگامے کردیے۔

"کل رات بھی بلونت سنگھ تم لوگوں کو بھڑکا رہا تھا لیکن تمہیں کیا ملا۔ ذلت اور رسوائی۔ میں ایک بات تمہیں بتا دوں پنڈت ہری رام۔" میں نے اس کے چہرے پر نظریں جما دیں "بلونت سنگھ کو دھرم سے کوئی لگاؤ نہیں۔ وہ محض انتقام لینے کے لیے تم لوگوں کو ہمارے خلاف بھڑکا رہا ہے، دارا تو مسلمان ہے۔ ایسے لوگ اپنے نام کے ساتھ مذہبی ٹھپا لگائے پھرتے ہیں جبکہ حقیقت میں ان کا کوئی مذہب نہیں ہوتا اور تم جانتے ہو دارا نے کیا منصوبہ بنا رکھا تھا؟"

پنڈت ہری رام کچھ بولنے کے بجائے خاموشی سے میری طرف دیکھتا رہا۔

"خوب صورت لونڈیا، ولایتی شراب۔۔۔ وہ تمہیں راستے سے بھٹکا رہا تھا۔ تمہیں ہیروئن کا عادی بنا رہا تھا۔ اس کا منصوبہ یہ تھا کہ تمہیں ان چیزوں میں الجھا کر مہنت گھاٹ اتار دیا جائے اور وہ اس مندر پر قبضہ کرلے۔ پنڈت پرشوتم، جس کا اصل نام مرلی دھر ہے، وہ بھی جرائم پیشہ دارا کا ساتھی ہے۔ تم ان کے جال میں پھنس گئے تھے۔ لوگ تو بھاگ گئے اور تمہیں سزا بھگتنے کے لیے چھوڑ دیا۔"

پنڈت ہری رام کا چہرہ دھواں ہو رہا تھا۔ وہ رحم طلب نظروں سے کبھی مجھے اور کبھی ٹھاکر کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"اب بھی کچھ نہیں بگڑا۔" ٹھاکر نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا "تم اگرچہ اس دلدل میں گردن تک دھنسے ہوئے ہو لیکن ہم تمہیں بچانے کی پوری پوری کوشش کریں گے۔ تم دو چار دن یہیں رہو۔ یہاں تمہیں کسی تکلیف نہیں ہوگی۔ ہر طرح سے تمہاری سیوا کی جائے گی لیکن اگر تم نے بھاگنے کی کوشش کی تو ماردیے جاؤ گے۔"

"مارے کو پولیس کے ہاتھ تو نہ دیو گے؟" پنڈت ہری رام نے پہلی مرتبہ زبان کھولی۔

"بالکل نہیں۔" ٹھاکر نے جواب دیا "دو چار دن میں معاملہ ٹھنڈا پڑجائے گا تو تمہیں چھوڑ دیں گے جہاں چاہے، چلے جانا۔"

ہم پنڈت والے کمرے سے باہر آگئے اور پھر اس کچھ دیر بعد میں تو ٹھاکر کی حویلی کی طرف روانہ ہوگیا اور اسی بنگلے میں رہ گیا تھا۔

اس وقت سہ پہر کے چار بج رہے تھے۔ جانکی اور روپ متی سو رہی تھیں۔ مندری اور شنکر حویلی کی نچلی منزل تھے۔ مندری موروں اور ہرنوں وغیرہ کے ساتھ وقت رہی تھی اور شنکر مندری کو دانہ ڈالنے کی کوشش کررہا مجھے دیکھ کر وہ دونوں ایک دوسرے سے دور ہٹ گئے۔

"راج کماری اور جانکی دیوی تو سو رہی ہیں۔ تمہارے لیے چائے بنا دوں ہمت سنگھ جی؟" مندری نے میرا دیکھتے ہوئے کہا۔

نہیں بھی۔ ابھی چائے کا موڈ نہیں ہو رہا۔" میں نے دیا اور اپنے کمرے میں آگیا۔

ں بہت تھکن محسوس کررہا تھا۔ بستر پر لیٹتے ہی آنکھ ۔ سات بجے کے قریب جانکی نے مجھے جھنجوڑ کر جگا

کیا بات ہے۔ قیامت آگئی ہے کیا؟" میں نے جھنجلا کر

ہاں۔ قیامت ہی آگئی ہے۔" جانکی نے جواب دیا ابھی ٹھاکر کا فون آیا ہے۔ کچھ غنڈوں نے اس کے آگ لگا دی ہے۔"

کیا؟" میں اچھل پڑا۔ میری نیند اگرچہ کافور ہوگئی تھی ج میں دھماکے سے ہونے لگے تھے "کب۔ کس نے

یہ تو ابھی پتا نہیں چلا کہ آگ کس نے لگائی۔ ہوٹل والوں نے ایک آدمی کو پکڑلیا ہے اور ٹھاکر بھی ہوٹل گیا ہے۔ اسے شبہ ہے کہ اس حویلی پر بھی حملہ کیا تین چار مسلح آدمی اس نے ہماری حفاظت کے لیے بھیج دیے ہیں۔ اس نے کہا تھا کہ ہم میں سے کوئی کی کوشش نہ کرے۔"

یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ٹھاکر پر مصیبت نازل ہو رہی ہو یہاں چھپ کر بیٹھے رہیں!" میں اچھل کر بیڈ سے اتر دونوں بہرحال حویلی سے نہیں نکلو گی۔ میں ٹھاکر کے کی طرف جارہا ہوں۔ ہوسکتا ہے، اسے میری مدد کی ہو۔"

نے باتھ روم میں گھس کر منہ پر پانی کے چھینٹے اور تولیے سے منہ پونچھتا ہوا باہر آگیا۔ روپ متی صوفے پر بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کے چہرے پر فکر کے تاثرات نمایاں تھے۔

کی چابیوں کا رنگ میز پر رکھا ہوا تھا۔ میں نے جیسے کر کی رنگ اٹھایا، روپ متی بھی اچھل کر کھڑی

میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گی۔"

نہیں۔" میں نے نفی میں سر ہلا دیا "اس وقت تمہارا ب نہیں ہوگا۔"

ٹھاکر ہمارے لیے اتنا کچھ کررہا ہے۔ اس کی املاک کو جارہا ہے۔ اس نے ہماری خاطر اپنی جان تک کو میں ڈال رکھا ہے۔ کیا یہ مناسب ہوگا کہ ہم یہاں بیٹھ رہیں!" روپ متی نے کہا۔

"میں جارہا ہوں نا۔" میں نے کہا "وہاں نجانے کس قسم کی صورتِ حال کا سامنا کرنا پڑے اس لیے فی الحال تم یہیں رہو تو بہتر ہے۔"

"کل رات تم لوگ سوریا مندر گئے تھے۔ وہاں کیا ہوا تھا۔" روپ متی نے پوچھا۔

میں نے مختصراً اسے کل رات کے بارے میں بتا دیا۔ آخر میں کہا۔

"ان پنڈتوں کو ہمارے خلاف بھڑکانے میں بلونت سنگھ اور دارا کا ہاتھ ہے۔ بلونت سنگھ تو ہاتھ آکر نکل گیا۔ پنڈت ہری رام ہمارے قبضے میں ہے۔ مجھے شبہ ہے کہ ٹھاکر کے ہوٹل کو آگ لگانے میں بھی بلونت سنگھ ہی کا ہاتھ ہوگا۔ ایسے بدفطرت لوگ آسانی سے اپنی ہار نہیں مانتے۔ بہرحال، میں جاکر دیکھتا ہوں کہ کیا صورتِ حال ہے۔ وہاں پہنچنے کے بعد موقع ملا تو فون پر بتا دوں گا۔"

جانکی اور روپ متی بھی برآمدے تک میرے ساتھ آئی تھیں اور تقریباً اسی وقت ٹھاکر کے چار آدمی جیپ پر سوار وہاں پہنچ گئے۔ ان چاروں کے پاس سب مشین گنیں تھیں۔ انہوں نے مجھے روکنے کی کوشش کی تھی لیکن میں نے ان کی بات نہیں مانی اور پجارو پر سوار ہو کر وہاں سے شہر کی طرف روانہ ہوگیا۔

ٹھاکر کا وکرم ہوٹل سینٹرل بس اسٹینڈ سے ذرا آگے اسٹیشن روڈ پر واقع تھا۔ اس وقت شام ہو رہی تھی۔ سڑکوں پر ٹریفک کا سیلاب تھا۔ ایم، آئی (مرزا اسمٰعیل) روڈ پر کم از کم دو جگہوں پر ٹریفک جام تھا۔ اس طرح اسٹیشن روڈ تک پہنچنے میں تقریباً ایک گھنٹا لگ گیا۔ پہلے میں اس طرف کبھی نہیں آیا تھا اور نہ ہی ٹھاکر کا ہوٹل دیکھا تھا لیکن وکرم ہوٹل تک پہنچنے میں مجھے زیادہ دشواری پیش نہیں آئی تھی۔

ہوٹل کی عمارت چار منزلوں پر مشتمل تھی۔ گراؤنڈ فلور پر شان دار ریسٹورنٹ تھا اور اوپر کی چار منزلوں پر رہائشی کمرے تھے۔ ریسٹورنٹ کا منیجر الگ تھا اور رہائشی ہوٹل کا انتظام و انصرام دوسرے منیجر کی نگرانی میں تھا۔

مجھے پجارو دور ہی روک لینی پڑی تھی۔ ہوٹل کے سامنے سڑک کے کچھ حصے کو پولیس نے گھیر رکھا تھا۔ بہت سے لوگ جمع تھے۔ فائر بریگیڈ کی دو گاڑیاں ہوٹل کی عمارت کے سامنے کھڑی تھیں۔ ہوٹل کے ریسٹورنٹ کے دروازے وغیرہ ٹوٹے اور جلے ہوئے تھے۔ دھوئیں سے اوپر تک عمارت کے سامنے کا پورا حصہ کالا ہو رہا تھا۔ ریسٹورنٹ کے سامنے پانی پھیلا ہوا تھا۔ کئی فائرمین اور چند دوسرے آدمی

وہاں موجود تھے۔ ریسٹورنٹ سے اب بھی ہلکا ہلکا دھواں نکل رہا تھا۔

میں دور کھڑے ہو کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ ٹھاکر مجھے کہیں نظر نہیں آیا۔ میں آگے بڑھنا چاہتا تھا مگر مجھے ایک پولیس والے نے روک لیا اور پھر اسی وقت ٹھاکر ریسٹورنٹ سے باہر آتا ہوا نظر آیا۔ اس کے ساتھ ایک پولیس آفیسر اور فائر بریگیڈ کے دو آفیسر بھی تھے۔ میں پولیس والے کو ایک طرف دھکیلتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ ٹھاکر مجھے دیکھ کر چونک گیا۔

"یہ کیا ہوا؟ آگ کس نے لگائی تھی؟" میں نے ٹھاکر کے سامنے جاتے ہی پوچھا۔

"ابھی حتمی طور پر کچھ نہیں کہا جاسکتا۔" ٹھاکر نے جواب دیا "منیجر کا کہنا ہے کہ چند غنڈے اندر گھس آئے تھے جنہوں نے پہلے توڑ پھوڑ شروع کردی اور پھر بردوں اور فرنیچر کو آگ لگا دی۔ ملازمین نے آگ بجھانے کی کوشش کی تو انہیں بھی مارا پیٹا گیا۔ آگ بے قابو ہو کر پھیلنے لگی تو فائر بریگیڈ کو کسی نے فون کردیا۔ یہ بھی غنیمت ہے کہ فائر انجن بروقت پہنچ گئے۔ ریسٹورنٹ اگرچہ مکمل طور پر تباہ ہوچکا ہے مگر آگ کو اوپر تک پھیلنے سے روک دیا گیا ہے۔"

"کون تھے وہ لوگ؟" میں نے پوچھا "جانکی نے بتایا تھا کہ شاید ایک آدمی کو پکڑ لیا گیا ہے۔"

"ہاں۔ وہ اس وقت پولیس کی تحویل میں ہے لیکن مجھے نہیں معلوم کہ وہ کون ہے۔ ویسے میں پورے وثوق (یقین) سے کہہ سکتا ہوں کہ یہ بلونت سنگھ کے سوا کسی اور کا کام نہیں ہوسکتا۔" ٹھاکر نے کہا۔

ہم باتیں کررہے تھے کہ پولیس آفیسر ہمارے قریب آگیا۔

"ٹھیک ہے ٹھاکر جی۔" وہ ٹھاکر کی طرف دیکھتے ہوئے بولا "میں چلتا ہوں۔ چند پولیس والے یہاں رہیں گے۔ آپ اپنے منیجر کو پولیس اسٹیشن بھیج دیجئے تاکہ رپورٹ درج کرلی جائے۔"

"بہتر ہے۔ میں بھیج دوں گا۔" ٹھاکر نے جواب دیا۔

پولیس آفیسر رخصت ہوگیا۔ فائر بریگیڈ کا عملہ وہاں موجود رہا۔

آگ لگنے کی وجہ سے ہوٹل کی بجلی کاٹ دی گئی تھی۔ اندھیرا ہونے کے بعد ہوٹل کے رہائشی حصے میں ایمرجنسی لائٹس کا انتظام کرلیا گیا تھا۔ آگ لگنے کے بعد مہمانوں سے ہوٹل خالی کروالیا گیا تھا لیکن ریسٹورنٹ میں آگ پر قابو پالینے کے بعد مہمانوں اور اسٹاف کو اندر جانے کی اجازت دے دی گئی تھی۔

ٹھاکر مجھے لے کر ریسٹورنٹ میں آگیا۔ یہاں دو ٹارچیں اب بھی موجود تھے اور ٹارچوں کی روشنی میں ہر چیز چیک کررہے تھے۔ کہیں کہیں سے اب بھی دھواں اٹھ رہا تھا۔

ٹھاکر کے ہاتھ میں بھی ٹارچ تھی جو میں نے لے لی۔ اس کی روشنی میں اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ ریسٹورنٹ مکمل طور پر تباہ ہوچکا تھا اور یہ بھی مقام شکر تھا کہ آگ لگتے ہی بجھا دی گئی تھی۔ بصورت دیگر پوری عمارت آگ کی لپیٹ میں آجاتی اور سب کچھ تباہ ہوجاتا۔

میں تقریباً دو گھنٹے وہاں رکا رہا۔ میں نے مناسب سمجھا میں اپنے جذبات کا اظہار کیا تو ٹھاکر میرے کندھے پر رکھتے ہوئے بولا۔

"سچائی کی خاطر اگر مجھے اپنا جیون بھی لٹانا پڑے تو کوئی افسوس نہیں ہوگا۔ تم کوئی چنتا (فکر) مت کرو۔ ٹھیک ہوجائے گا۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بولا "تم گھر جاؤ اور خیال رکھنا۔ بلونت سنگھ جیسے مکار دشمن نمٹنے کے لیے ہمیں کچھ زیادہ ہی محتاط رہنا پڑے گا۔"

"تم حویلی نہیں آؤ گے؟" میں نے چلتے چلتے پوچھا۔

"ابھی تو یہ سارے معاملات دیکھنے ہیں۔ پولیس کارروائی سے نمٹنا ہے۔ ہوسکتا ہے' میں رات آسکوں۔" اس نے جواب دیا۔

میں ٹھاکر سے ہاتھ ملا کر پجارو میں آگیا اور اسٹارٹ کرکے اسے ہلکے سے جھٹکے سے آگے بڑھا دیا۔ چند رمارگ سے نکلتے ہوئے ایم' آئی روڈ پر گاڑی گھمائی۔ سونیا کا خیال آگیا اور پھر میں نے پجارو انڈین کافی ہاؤس کے قریب روک کر انجن بند کردیا۔

سونیا کی ڈیوٹی دوپہر دو بجے سے رات دس بجے تک تھی اور اس وقت دس بجنے میں پندرہ منٹ باقی تھے۔

جب میں کافی ہاؤس میں داخل ہوا تو سونیا نظر آئی۔ میں اِدھر اُدھر دیکھتا ہوا اس میز پر بیٹھ گیا جہاں وہ جانکی کے ساتھ بیٹھا تھا۔ فوراً ہی ایک عورت دوسری اٹھ کر میری میز پر آگئی۔ اس کی عمر چالیس کے لگ بھگ ہوگی۔ جوانی میں یقیناً حسین رہی ہوگی لیکن اب اس کا ڈھل چکا تھا مگر اس نے اپنے آپ کو جوان بنائے رکھنے پر کشش نظر آنے کی بھرپور کوشش کی تھی۔ ساڑی کا ہوا تھا اور بلاؤز کا گریبان اتنا کشادہ تھا کہ غیر ضروری جھانک کی ضرورت نہیں تھی۔

"ہیلو۔" وہ میری طرف دیکھ کر مسکرا دی۔

میں جواب دینے کے بجائے بائیں طرف کچن والے دروازے کی طرف دیکھنے لگا جہاں سے سونیا برآمد ہورہی تھی۔ اس نے دونوں ہاتھوں میں ٹرے اٹھا رکھی تھی۔ مجھے اور اس عورت کو دیکھ کر وہ ٹھٹک سی گئی۔ وہ ہم دونوں کو گھورتے ہوئے آگے نکل گئی۔ چوتھی میز پر اس نے کافی سرو کی اور ہمارے سامنے تن کر کھڑی ہوگئی۔

"مس نائیڈو۔" وہ اس عورت کی طرف دیکھ کر بولی۔ اس کے لہجے میں ہلکی سی غراہٹ تھی "یہ وہ نہیں جو تم سمجھ رہی ہو۔ اپنی میز پر چلی جاؤ۔ یہاں بیٹھ کر اپنا وقت ضائع مت کرو۔"

"اوہ۔ سمجھ گئی۔" مس نائیڈو نامی اس عورت کے ہونٹوں پر معنی خیز مسکراہٹ آگئی اور دوسرے ہی لمحے وہ اٹھ کر ایک اور میز پر چلی گئی جہاں دو آدمی بیٹھے ہوئے تھے۔

سونیا اب مجھے گھور رہی تھی۔

"میں نے اسے نہیں بلایا تھا۔" میں جلدی سے بولا "وہ خود ہی میری میز پر آگئی تھی۔ شکار سمجھ کر۔"

"میں جانتی ہوں۔" سونیا بولی "میں پرسوں سے تمہارا انتظار کررہی ہوں۔ کہاں غائب ہوگئے تھے؟"

"تمہاری چھٹی کا وقت ہونے میں چند ہی منٹ رہ گئے ہیں۔" میں نے سامنے دیوار پر گھڑی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "میں باہر پجارو میں بیٹھا تمہارا انتظار کررہا ہوں۔"

میں سونیا کے جواب کا انتظار کیے بغیر اٹھ کر باہر آگیا۔ چند منٹ کافی ہاؤس کے سامنے کھڑا رونق دیکھتا رہا اور پھر پجارو میں آکر بیٹھ گیا۔

تقریباً سوا دس بجے سونیا سائیڈ اسٹریٹ سے نکلتی ہوئی نظر آئی۔ میں نے انجن اسٹارٹ کردیا اور جھک کر پسنجر سیٹ کا دروازہ بھی کھول دیا۔ سونیا پجارو کے قریب آکر ایک لمحے کو رکی اور پھر دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گئی۔ میں نے گاڑی آگے بڑھا دی۔

"سب سے پہلے یہ بتاؤ تم دو دن کہاں غائب رہے؟" سونیا میری طرف دیکھتے ہوئے بولی "تم نے اگلے روز آنے کا وعدہ کیا تھا۔ میں انتظار ہی کرتی رہی۔"

"گڑبڑ ہوگئی تھی۔" میں نے جواب دیا "یہاں پنڈتوں کے کچھ پنگے بازی شروع ہوچکی ہے اور اتنے عرصے سے یہاں رہتے ہوئے تمہیں یہ تو اندازہ ہوگیا ہوگا کہ پنڈت جائیں آسانی سے اس کا پیچھا نہیں چھوڑتے۔"

"دارا سے پیچھا چھوٹنے کے بعد اب پنڈت۔"

"دارا سے پیچھا نہیں چھوٹا۔" میں نے جواب دیا "بلکہ دارا اور یہاں کے تعفن پنڈتوں میں خطرناک قسم کا گٹھ جوڑ ہوگیا ہے۔ کل رات ان سے ہماری جھڑپ ہوگئی تھی جس کے نتیجے میں آج میرے دوست کے ہوٹل کو آگ لگا دی گئی۔"

"دوست کا ہوٹل۔ تمہاری مراد کریم ہوٹل تو نہیں جسے آج سہ پہر غنڈوں نے آگ لگا دی تھی؟" سونیا نے پوچھا۔

"ہاں۔ وہ ہوٹل میرے دوست ٹھاکر بھانوت سنگھ کا ہے۔ وہ یہاں بدی کے مقابلے میں میرا ساتھ دے رہا ہے۔ میری دوستی کا خمیازہ اسے اس طرح بھگتنا پڑا کہ اس کے ہوٹل کو آگ لگا دی گئی۔ یہ غنیمت ہے کہ پوری عمارت کو آگ کی لپیٹ میں آنے سے بچا لیا گیا۔ لاکھوں کا نقصان ہوا ہے مگر ٹھاکر بھانوت سنگھ اپنی جگہ پر ڈٹا ہوا ہے۔ میں ابھی اس کے ہوٹل کی طرف سے ہی آرہا ہوں۔"

"اب کہاں جانے کا ارادہ ہے اور اس طرف کہاں جارہے ہو تم؟" سونیا نے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے کہا۔

"زور آور گیٹ۔" میں نے جواب دیا "سنا ہے وہاں ایک دو ریستورانوں میں ہرن کی ران ملتی ہے۔ کوئلوں پر بھنی ہوئی۔"

"ہاں۔" سونیا نے جواب دیا "راجستھان میں ہرن کے شکار پر پابندی ہے مگر جے پور کے بعض ہوٹلوں میں ہرن کا گوشت دھڑلے سے فروخت ہوتا ہے۔"

جوہر بازار سے ہوتے ہوئے رام گنج بازار کراس کرکے میں گاڑی کو سرائے ڈیوڑھی بازار کی طرف لے گیا اور پھر ایک اور سڑک گھوم کر اسے زور آور گیٹ کی طرف موڑ دیا۔

زور آور گیٹ متوسط آبادی پر مشتمل ایک بارونق علاقہ تھا۔ یہاں بہت سے ریسٹورنٹ اور کھانے پینے کی اور بھی بہت سی دکانیں تھیں۔ ہرن کے گوشت کی وجہ سے دور دور سے لوگ یہاں آتے تھے۔ کوئلوں پر بھونے جانے والے گوشت کی اشتہا آمیز خوشبو فضا میں پھیلی ہوئی تھی۔

اس وقت یہاں کی رونق عروج پر تھی۔ ریستورانوں کے سامنے فٹ پاتھوں پر بھی میزیں اور کرسیاں لگی ہوئی تھیں۔ میں نے ایک جگہ گاڑی روک لی۔ سب سے پہلے میں نے ایک پبلک فون بوتھ سے جانکی کو اطلاع دی کہ دیر سے آؤں گا۔ اسے میں نے یہ نہیں بتایا کہ دیر کس وجہ سے ہوگی اور اس کے جرح کرنے سے پہلے ہی میں نے فون بند کردیا۔

ہمیں ایک ریسٹورنٹ کے سامنے فٹ پاتھ پر خالی میز مل گئی۔ ویٹر کو میں نے ہرن کی روسٹڈ ران کا آرڈر دے دیا اور اِدھر اُدھر دیکھنے لگا اور پھر مجھے فوراً ہی احساس ہوگیا کہ آس پاس کی میزوں پر بیٹھے ہوئے کئی لوگ کھا جانے والی نظروں سے سونیا کی طرف دیکھ رہے تھے اور جب میں نے سونیا کی طرف دیکھا تو میرے منہ سے گہرا سانس نکل گیا۔ وہ تنگ پائنچے والی پتلون اور سلیولیس ٹی شرٹ پہنے ہوئے تھی جس کا گریبان خاصا فراخ تھا۔

میں کئی مہینوں سے اس ایک شہر میں رہ رہا تھا لیکن جس طرح ایک چاول دیکھ کر پوری دیگ کا اندازہ لگالیا جاتا ہے اسی طرح اس ایک شہر میں رہتے ہوئے میں ہندوستان کے معاشرے کا اندازہ لگا چکا تھا۔ یہاں خواتین کے اس قسم کے لباس کو معیوب نہیں سمجھا جاتا تھا۔ اونچی سوسائٹی میں تو خواتین ایسے لباس پہنتی تھیں کہ اسے لباس کے نام پر دھبا ہی کہا جاسکتا تھا لیکن متوسط اور نچلے درجے کی آبادی والے علاقوں میں اس قسم کا لباس پہننے کا مطلب تھا "آ بیل مجھے مار" اس طرح یہاں غنڈوں کو بھی سرگرم ہونے کا موقع مل جاتا تھا لیکن بہرحال' اب تو ہم یہاں آ ہی گئے تھے اور میں نے اپنے آپ کو کسی بھی ناخوشگوار صورتِ حال سے نمٹنے کے لیے تیار کرلیا تھا۔

لیکن خیریت ہی گزری۔ چند بدقماش قسم کے لوگ آس پاس منڈلاتے تو رہے لیکن کسی نے ایسی حرکت نہیں کی جس پر سونیا کو یا مجھے کچھ کہنے سننے کا موقع ملتا۔ ہم کھانا کھانے کے فوراً ہی بعد وہاں سے اٹھ گئے۔

واپسی پر میں نے طویل راستہ اختیار کیا۔ میرا خیال تھا کہ ایک طویل چکر کاٹ کر چاند پول گیٹ کی طرف نکل جاؤں گا اور سونیا کو نیو گیٹ کے قریب اس کے فلیٹ والی عمارت کے سامنے اتار کر ایم' آئی روڈ سے ہوتا ہوا آگرہ مارگ کی طرف چلا جاؤں گا۔ طویل راستہ اختیار کرنے کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ راستے میں سونیا سے کچھ کام کی باتیں بھی ہوجائیں گی لیکن میں بھول گیا تھا کہ اس شہر میں میرے لیے قدم قدم پر خطرات گھات لگائے بیٹھے تھے۔

اس وقت رات کے ساڑھے گیارہ بج رہے تھے۔ زور آور گیٹ کے علاقے میں اس وقت بھی رونق تھی لیکن دو تین کلومیٹر کا فاصلہ طے کرتے ہی ویرانی شروع ہوگئی۔ ویرانی ان معنوں میں تھی کہ اس سڑک کے آس پاس بڑی بڑی حویلیاں تھیں۔ چند قدیم محلات تھے اور ٹریفک برائے نام ہی تھا۔

گنگوری بازار کی طرف سے آنے والی وہ سڑک ابھی مزید دو کلومیٹر آگے تھی جو اس سڑک کو قطع کرتی ہوئی چاند پول بازار کی طرف چلی گئی تھی۔ میں نے فوراً ہی یہ فیصلہ کرلیا کہ اگلے موڑ پر ہی گاڑی کو گنگوری بازار کی طرف جانے والی سڑک پر موڑلوں گا۔

"اس طرف کہاں جارہے ہو؟" سونیا نے پوچھا "ہمیں تو سناٹا ہے اور غیر آباد سڑکوں پر وارداتیں ہوتی رہتی ہیں۔"

"تمہارا خیال ہے' ہم ڈاکوؤں کے ہتھے چڑھ جائیں گے۔" میں نے جواب دیا "میرا خیال تھا کہ ہم طویل ڈرائیو کرتے ہوئے باتیں بھی کرتے رہیں گے لیکن تم شاید ڈر رہی ہو۔ گھبراؤ نہیں۔ میں اگلے موڑ پر گاڑی گنگوری بازار کی طرف موڑلوں گا۔"

"تم ساتھ ہو تو مجھے ڈرنے یا گھبرانے کی کیا ضرورت ہے۔" سونیا نے کہا "لیکن گاڑی سائیڈ پر کرلو۔ پیچھے سے ایک گاڑی آرہی ہے۔"

میں نے سائیڈ میں لگے ہوئے آئینے میں دیکھا۔ کسی گاڑی کی ہیڈلائٹس کی چمکتی ہوئی روشنی نظر آرہی تھی۔ ہیڈ لائٹس کی روشنی جس طرح تیزی سے قریب آتی جارہی تھی اس سے اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ اس گاڑی کی رفتار خاصی تیز تھی۔ میں پجارو سڑک کے وسط میں چلا رہا تھا۔ میں نے اسٹیئرنگ کو معمولی سی حرکت دے کر گاڑی سائیڈ پر لے لی۔

وہ گاڑی بڑی تیز رفتاری سے قریب آرہی تھی۔ چند سیکنڈ بعد ہی وہ زناٹے کی آواز کے ساتھ ہمارے قریب سے گزری اور پھر اچانک ہی ہمارے آگے آگئی۔ بریکوں کی چرچراہٹ کی آواز نے مجھے بری طرح چونکا دیا۔

وہ کار ہم سے تقریباً بیس گز آگے سڑک کے وسط میں رک گئی تھی۔ میں نے پوری قوت سے بریک پیڈل دبادیا۔ ٹائر سڑک پر چرچرائے اور پجارو اگلی کار سے صرف چند فٹ کے فاصلے پر رک گئی۔ اس طرح اچانک بریک لگنے سے سونیا کا سر ڈیش بورڈ سے ٹکرا گیا۔ اس کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی تھی۔

میں گاڑی روک کر پوری طرح سنبھل بھی نہیں پایا تھا کہ آگے والی کار کے دروازے کھلے۔ دو آدمی چھلانگ لگا کر نیچے اترے اور ہماری پجارو کی طرف لپکے۔ ان دونوں کے ہاتھوں میں پستول تھے۔

میرے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا۔ اور ان دونوں میں سے ایک سونیا والی سائیڈ پر چلا گیا اور دوسرا میری طرف لپکا۔ میرا خیال تھا کہ یہ غنڈے زور آور

گیٹ سے ہمارے پیچھے لگے تھے۔ ہندوستان کے بڑے بڑے شہروں میں قانون کا نہیں غنڈوں کا راج تھا۔ لوٹ مار، قتل و غارت اور لڑکیوں کو اٹھالینا عام سی بات تھی۔ کسی کو دن دہاڑے سرعام قتل بھی کردیا جاتا تو قانون کے محافظ کھڑے دیکھتے رہتے اور قاتل تلواریں لہراتے ہوئے اطمینان سے فرار ہوجاتے۔ کسی بارونق بازار سے کسی لڑکی کو زبردستی اٹھالیا جاتا تو بھی قانون کے یہ محافظ مداخلت نہ کرتے اور منہ دوسری طرف کرکے کھڑے ہوجاتے۔

میں یہی سمجھا تھا کہ یہ غنڈے سونیا کی وجہ سے ہمارے پیچھے لگے تھے اور یہاں موقع ملتے ہی انہوں نے ہماری گاڑی روک لی تھی۔ اس کار میں مجموعی طور پر تین آدمی تھے۔ دو پستول تان کر ہماری طرف لپکے تھے اور تیسرا کار کے اسٹیئرنگ کے سامنے بیٹھا رہا تھا۔

میری طرف آنے والے نے دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھ کر اسے ایک جھٹکے سے کھول دیا اور میرے گریبان پر ہاتھ ڈال کر مجھے بھی نیچے کھینچ لیا جبکہ دوسری طرف سے دوسرے غنڈے نے سونیا کو بھی نیچے کھینچ لیا تھا۔ سونیا چیخی تو اس غنڈے نے اس کے منہ پر زوردار تھپڑ رسید کردیا۔ اس کے ساتھ ہی اس کے حلق سے بھیڑیے جیسی غراہٹ نکلی تھی۔

"اے۔ کیا بات ہے۔ کون ہو تم لوگ؟" میں نے چیخ کر کہا۔

"خاموش رہو۔" میرا حریف گریبان کو جھٹکا دیتے ہوئے غرایا۔ ساتھ ہی اس نے دوسرے ہاتھ میں پکڑا ہوا پستول میرے سینے سے لگا دیا "اگر منہ سے آواز نکالی تو اس پستول کی ساری گولیاں تمہارے شریر (جسم) میں اتار دوں گا۔"

"ہمارے پاس زیادہ رقم نہیں ہے بھائی۔ میری جیب میں جو کچھ بھی ہے' تمہارے حوالے کرنے کو تیار ہوں۔" میں نے کہا۔ میں اپنے آپ کو بالکل کم ہمت اور بزدل ظاہر کرنے کی کوشش کررہا تھا۔

"ہمیں تمہاری جیب سے کوئی سروکار نہیں۔" وہ غرایا "خاموشی سے کار میں بیٹھ جاؤ۔ بہت دوڑایا ہے تم نے۔ سالے حرامی۔۔۔!"

"اے۔ گالی مت دینا۔" میں نے بھی غرا کر جواب دیا۔

اس نے اچانک ہی میرے منہ پر گھونسا مار دیا۔ میں بے اختیار کراہ اٹھا۔ وہ مجھے دھکے دیتا ہوا آگے پجارو کی ہیڈ لائٹس کی روشنی میں لے آیا۔ دوسرا آدمی سونیا کو بھی بازو سے پکڑے کھینچتا ہوا سامنے لے آیا تھا۔ سونیا کے چہرے پر خوف کے تاثرات نمایاں طور پر نظر آرہے تھے۔

میں روشنی میں آنے کے بعد باری باری ان دونوں کی طرف دیکھنے لگا۔ جس شخص نے مجھے پستول کی زد پر لے رکھا تھا وہ دراز قامت اور کسرتی بدن کا مالک تھا۔ اس نے ٹانگوں سے چپکی ہوئی جینز اور اوپر ڈھیلا ڈھالا سا کرتہ پہن رکھا تھا جو گھٹنوں تک لمبا تھا۔ کرتے کے بٹن کھلے ہوئے تھے اور اس کے گلے میں پڑی ہوئی سونے کی چین روشنی میں چمک رہی تھی۔ وہ کلین شیو تھا لیکن غالباً دو دن سے شیو نہیں بنایا تھا۔ سر کے بال بھی خاصے لمبے تھے۔ بائیں کان میں سونے کی بالی چمک رہی تھی۔ اس کی ناک پکی ہوئی تھی اور بائیں رخسار پر تقریباً ایک انچ لمبا زخم کا نشان تھا۔

دوسرا آدمی درمیانے قد کا اور کسی قدر بھاری بھرکم تھا۔ اس کا حلیہ بھی اس سے مختلف نہیں تھا۔ اس کی ٹھوڑی پر کٹ کا نشان تھا اور اس کے کان میں بھی سونے کی بالی چمک رہی تھی۔

"چلو۔ ادھر گاڑی میں بیٹھو۔" میرے حریف نے ایک بار پھر مجھے دھکا دیا۔

"دیکھو۔ میں پھر کہتا ہوں کہ میری جیب میں جو کچھ ہے وہ لے لو اور ہمیں جانے دو۔"

"ہم تو سمجھتے تھے کہ تو اپنے نام کی طرح ہمت والا ہوگا مگر تو' تو بہت بزدل نکلا۔ چل بیٹھ گاڑی میں۔" اس نے مجھے ایک اور دھکا دیا۔

یہ جملہ سن کر میں چونکے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ اسے میرا نام معلوم تھا۔ یعنی ہمت سنگھ۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ عام غنڈے نہیں تھے اور محض سونیا کی وجہ سے زور آور گیٹ سے ہمارے پیچھے نہیں لگے تھے۔ میرے ذہن میں اچانک ہی ایک اور خیال ابھرا۔ ٹھاکر کے ہوٹل کو آگ بلونت سنگھ نے لگوائی تھی۔ جب میں وہاں پہنچا تھا تو ہوٹل کے سامنے بہت سے لوگ جمع تھے اور یقیناً یہ دونوں بھی وہیں موجود تھے اور انہوں نے وہیں سے میرا تعاقب شروع کیا تھا۔ مجھے یاد آیا۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے اس نے کہا تھا۔۔۔ بہت دوڑایا ہے تم نے۔ اس کا مطلب تھا کہ یہ لوگ شروع ہی سے میرے پیچھے لگے ہوئے تھے۔

"چل بیٹھ گاڑی میں۔" وہ شخص غرایا پھر اپنے ساتھی سے مخاطب ہوا۔ "ابے او پانڈو۔ لونڈیا کو دوسری طرف سے بٹھا گاڑی میں۔"

"لونڈیا تو بہت زوردار ہے رامو۔ بدیشی (امپورٹڈ) مال ہے۔" پانڈو نے کہا "اسے تو اس حرامی بلونت کے حوالے نہ

کر۔"

"ابے۔ چل تو سہی۔ اس کا فیصلہ بھی بعد میں کریں گے۔" رامو نے جواب دیا اور اس کے ساتھ ہی مجھے ایک اور دھکا دے دیا۔

دھکا لگنے سے اس کا پستول ایک لمحے کو میری پشت سے ہٹا اور اگر میں اس موقع سے فائدہ نہ اٹھاتا تو دنیا کا سب سے بڑا بے وقوف کہلاتا۔

میں تیزی سے گھوم گیا۔ اس کے ساتھ ہی میری ایک ٹانگ بھی حرکت میں آگئی تھی۔ کک اس کے پستول والے ہاتھ پر لگی۔ وہ اگرچہ خاصا محتاط تھا لیکن شاید اسے میری طرف سے ایسی حرکت کی توقع نہیں تھی۔ پستول اس کے ہاتھ سے نکل کر دور جا گرا۔ دوسری ٹھوکر اس کے سر پر لگی۔ وہ چیخ اٹھا۔

میں ان دونوں کو ٹھوکریں مارتا ہوا سڑک سے نیچے لے گیا۔ ان میں اگر کوئی ایک بھی سنبھل جاتا تو میرے لیے خطرناک ثابت ہوسکتا تھا لیکن میں نے انہیں موقع ہی نہیں دیا۔

اور پھر سڑک کے سامنے والے کسی موڑ پر ایک گاڑی اس طرف مڑی۔ گاڑی کی ہیڈ لائٹس کی روشنیاں دیکھ کر وہ دونوں کچھ اور گڑبڑا گئے۔ پہلے پانڈو اٹھ کر ایک طرف بھاگ کھڑا ہوا اور پھر رامو نے بھی راہِ فرار اختیار کرنے میں دیر نہیں لگائی تھی۔

سونیا کی چیخ سن کر میں اس طرف دوڑا۔ وہ آدمی سونیا کا گلا دبوچے ہوئے تھا۔ میں نے اس کے سر پر دو ہتڑ رسید کردیا۔ اس کا سر سونیا کے سر سے ٹکرا گیا۔ سونیا کے منہ سے ایک بار پھر چیخ نکل گئی۔ میں نے اس شخص کو سر کے بالوں سے پکڑ کر پیچھے کھینچا اور دوسرے ہاتھ سے اس کے پہلو میں زوردار گھونسا رسید کردیا۔ گھونسا اس کے گردے کی جگہ پر لگا تھا۔ وہ بلبلا اٹھا اور پھر دوسرے ہی لمحے اس نے مچل کر اپنے آپ کو میری گرفت سے چھڑایا اور ایک طرف دوڑ لگا دی۔ میں اس کے پیچھے لپکا لیکن وہ تاریکی میں غائب ہوچکا تھا۔

سامنے سے آنے والی گاڑی قریب آکر بریکوں کی تیز چرچراہٹ کی آواز کے ساتھ رک گئی۔ میں اس وقت سڑک پر پڑی ہوئی سونیا کو اٹھا رہا تھا۔ وہ آدمی کار سے اتر کر ہماری طرف دوڑے۔ میں نے سر اٹھا کر دیکھا' کار کی پچھلی سیٹ پر ایک عورت اور دو بچے بھی بیٹھے ہوئے تھے۔

"اے۔ کون ہو تم لوگ۔ کیا ہوا؟" ان میں۔۔۔ ایک آدمی دوڑتا ہوا ہمارے قریب رک گیا۔ اس کے ہاتھ میں ریوالور نظر آرہا تھا۔ دوسرا آدمی بھی قریب پہنچ چکا تھا۔

پانڈو پستول لیے دو تین قدم کے فاصلے پر میرے سامنے کھڑا تھا۔ اگر وہ گولی چلاتا تو رامو ہی نشانہ بنتا۔ پانڈو چیخ چیخ کر مجھے رامو کو چھوڑ دینے کا حکم دے رہا تھا۔

رامو کے ہونٹوں اور ناک سے خون بہہ رہا تھا۔ ناک پر لگنے والی ضرب کچھ زیادہ ہی زوردار ثابت ہوئی تھی۔ وہ سر کو بری طرح جھٹک رہا تھا اور پھر میں نے اچانک ہی اسے اٹھا کر پیچھے اچھال دیا۔

وہ پانڈو سے ٹکرایا اور اسے ساتھ لیتا ہوا زمین پر گرا۔ میں نے انہیں سنبھلنے کا موقع دیے بغیر ان دونوں پر ٹھوکروں کی بارش کردی۔ میری پہلی ٹھوکر پانڈو کے پستول والے ہاتھ پر لگی تھی۔ پستول اس کے ہاتھ سے نکل کر دور جا گرا۔ دوسری ٹھوکر اس کے سر پر لگی۔ وہ چیخ اٹھا۔

میں ان دونوں کو ٹھوکریں مارتا ہوا سڑک سے نیچے لے گیا۔ ان میں اگر کوئی ایک بھی سنبھل جاتا تو میرے لیے خطرناک ثابت ہوسکتا تھا لیکن میں نے انہیں موقع ہی نہیں دیا۔

اور پھر سڑک کے سامنے والے کسی موڑ پر ایک گاڑی اس طرف مڑی۔ گاڑی کی ہیڈ لائٹس کی روشنیاں دیکھ کر وہ دونوں کچھ اور گڑبڑا گئے۔ پہلے پانڈو اٹھ کر ایک طرف بھاگ کھڑا ہوا اور پھر رامو نے بھی راہِ فرار اختیار کرنے میں دیر نہیں لگائی تھی۔

سونیا کی چیخ سن کر میں اس طرف دوڑا۔ وہ آدمی سونیا کا گلا دبوچے ہوئے تھا۔ میں نے اس کے سر پر دو ہتڑ رسید کردیا۔ اس کا سر سونیا کے سر سے ٹکرا گیا۔ سونیا کے منہ سے ایک بار پھر چیخ نکل گئی۔ میں نے اس شخص کو سر کے بالوں سے پکڑ کر پیچھے کھینچا اور دوسرے ہاتھ سے اس کے پہلو میں زوردار گھونسا رسید کردیا۔ گھونسا اس کے گردے کی جگہ پر لگا تھا۔ وہ بلبلا اٹھا اور پھر دوسرے ہی لمحے اس نے مچل کر اپنے آپ کو میری گرفت سے چھڑایا اور ایک طرف دوڑ لگا دی۔ میں اس کے پیچھے لپکا لیکن وہ تاریکی میں غائب ہوچکا تھا۔

سامنے سے آنے والی گاڑی قریب آکر بریکوں کی تیز چرچراہٹ کی آواز کے ساتھ رک گئی۔ میں اس وقت سڑک پر پڑی ہوئی سونیا کو اٹھا رہا تھا۔ وہ آدمی کار سے اتر کر ہماری طرف دوڑے۔ میں نے سر اٹھا کر دیکھا' کار کی پچھلی سیٹ پر ایک عورت اور دو بچے بھی بیٹھے ہوئے تھے۔

"اے۔ کون ہو تم لوگ۔ کیا ہوا؟" ان میں۔۔۔ ایک آدمی دوڑتا ہوا ہمارے قریب رک گیا۔ اس کے ہاتھ میں ریوالور نظر آرہا تھا۔ دوسرا آدمی بھی قریب پہنچ چکا تھا۔

"کچھ غنڈوں نے ہمیں گھیر لیا تھا۔" میں نے سونیا کو سہارا دے کر اٹھاتے ہوئے کہا "وہ میری دوست کو زبردستی اپنے ساتھ لے جانا چاہتے تھے۔ آپ لوگوں کی گاڑی اس طرف آتے دیکھی تو بھاگ گئے۔"

"بچ گئے۔" ریوالور والے نے کہا "بہتر ہے اب جلدی سے یہاں سے نکل جاؤ۔ وہ لوگ واپس آگئے تو زیادہ خطرناک ثابت ہوں گے۔"

میں سونیا کو سہارا دے کر پجارو کی طرف لے آیا۔ کار کے قریب سے گزرتے ہوئے کوئی چیز چمکتی ہوئی دیکھ کر میں رک گیا اور جھک کر وہ چیز اٹھالی۔ وہ سونے کی چین تھی جو ہاتھا پائی کے دوران میں غالباً رامو کے گلے سے ٹوٹ کر گر گئی تھی۔

وہ دونوں آدمی بھی اپنی کار کی طرف چلے گئے۔ ہمدردی میں وہ یہاں رک تو گئے تھے مگر صورتِ حال جاننے کے بعد کسی قدر خوف زدہ ہوگئے تھے اور اپنے پاس ریوالور ہونے کے باوجود انہوں نے وہاں سے فوری طور پر چلے جانا ہی مناسب سمجھا۔

میں نے کار کے قریب ہی پڑا ہوا رامو کا پستول بھی اٹھالیا۔ پہلے سونیا کو پجارو میں بیٹھنے میں مدد دی پھر اوپر سے گھوم کر اسٹیئرنگ کے سامنے بیٹھ گیا۔ ہیڈ لائٹس روشن ہی تھیں۔ میں نے پستول ڈیش بورڈ والے خانے میں ڈال دیا اور سونے کی چین سونیا کی طرف بڑھادی۔

"یہ ہرجانہ سمجھ کر رکھ لو۔ کام آئے گی۔" میں نے کہا۔

سونیا نے تکلف میں ہونے کے باوجود چین لے کر مٹھی میں دبالی۔

میں نے انجن اسٹارٹ کرکے گاڑی آگے بڑھادی۔ ابھی چند ہی گز کا فاصلہ طے کیا تھا کہ چھناکے کی زوردار آواز ابھری۔ سونیا چیخ کر میری طرف گری۔ میں بھی سیٹ سے اچھل پڑا تھا۔ ایک لمحے کو اسٹیئرنگ بھی میرے ہاتھ سے چھوٹ گیا تھا۔ پجارو سڑک پر لہرا گئی لیکن میں نے اسے فوراً ہی سنبھال لیا اور پیچھے مڑکر دیکھا۔

گاڑی کی بائیں پچھلی کھڑکی کا شیشہ چکنا چور ہوگیا تھا۔ میں نے یہ سمجھنے میں کوئی غلطی نہیں کی کہ اس طرف پانڈو یا رامو میں سے کسی نے پتھر مارا تھا۔ ان دونوں کے پستول تو وہیں گر گئے تھے۔ رامو کا پستول میں نے اٹھالیا تھا۔ ہمیں ہاتھ سے نکلتے دیکھ کر وہ پتھر باری پر اتر آئے تھے۔

شیشے پر گولی لگنے کے بارے میں اس لیے نہیں سوچا جاسکتا تھا کہ فائر کی آواز سنائی نہیں دی تھی۔ ان کے تیسرے ساتھی کے پاس اگرچہ پستول ہوگا لیکن وہ سڑک کی دوسری طرف بھاگا تھا۔

میں نے گاڑی کی رفتار بڑھادی اور آگے جاکر اس سڑک پر موڑی جو کھتری ہاؤس کے قریب سے ہوتی ہوئی پرانے پل گیٹ کی طرف چلی گئی تھی۔ سونیا بھی اب سیدھی ہو کر بیٹھ گئی تھی۔

"یہ کون لوگ تھے؟" اس نے ہانپتے کانپتے سلاتے ہوئے پوچھا۔ اس آدمی کے ساتھ دھینگا مشتی سے اسے اچھی خاصی چوٹیں لگی تھیں۔

"غنڈے۔" میں نے کہا "یہ لوگ زور آور گیٹ سے ہمارے پیچھے لگے تھے اور غالباً تمہیں لے جانا چاہتے تھے۔"

"بکواس مت کرو۔" سونیا نے مجھے گھورا "ان میں سے ایک نے کہا تھا کہ لونڈیا کو بلونت کے حوالے نہیں کریں گے۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ مجھے نہیں، تمہیں لے جانا چاہتے تھے اور میں تو بونس کے طور پر ان کے ہاتھ لگتی۔ ٹھیک ٹھیک بتاؤ، یہ کون لوگ تھے اور بلونت کون ہے؟"

"ٹھیک ہے۔" میں نے گہرا سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔ سونیا اتنی بے وقوف نہیں تھی کہ اسے ٹالا جاسکتا "اور روز میں نے تمہیں کچھ باتیں بتائی تھیں لیکن بلونت کے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا۔ اس کی وجہ شاید یہ بھی کہ اس وقت تک میں بلونت کو کوئی اہمیت دیے جانے کے قابل نہیں سمجھتا تھا لیکن۔۔۔" میں چند لمحوں کو خاموش ہوا اور پھر اسے بلونت کے بارے میں شروع سے بتانے لگا۔ میں آخر میں کہہ رہا تھا "پچھلے تین چار روز سے بلونت سنگھ بھی کھل کر سامنے آگیا ہے اور یہ بھی دارا سے مل گیا ہے۔ یوں کہہ لو کہ تمام شیطانی قوتیں ہمارے خلاف مشترکہ محاذ بنا رہی ہیں۔ کل رات یہ سب لوگ ایک ویران مندر میں جمع تھے۔ یہ لوگ منصوبہ بنا رہے تھے، وہ بہت ہی خوفناک تھا۔ اس میں شبہ نہیں کہ پنڈتوں اور پجاریوں نے بعض مندروں کو عیاشی کے اڈے بنا رکھا ہے لیکن یہ لڑنے بھڑنے والے لوگ نہیں ہیں۔ دارا اور بلونت سنگھ انہیں بھڑکا رہے ہیں۔ کل رات بلونت سنگھ ہمارے دوست ٹھاکر بھانوت سنگھ کے ہاتھ آکر نکل گیا تھا۔" میں اسے کل رات کے واقعے کے بارے میں بتانے لگا پھر بولا "اسی بلونت سنگھ نے آج سہ پہر ٹھاکر کے ریسٹورنٹ کو آگ لگوادی۔ مجھے سات بجے کے بعد پتا چلا اور میں آٹھ بجے کے قریب وہاں پہنچا۔"

"مجھے اندازہ نہیں تھا کہ بلونت کے آدمی وہاں موجود ہوں گے اور جب میں وہاں سے روانہ ہوا تو انہوں نے

تب شروع کردیا اور یہاں آکر انہیں کچھ کرنے کا موقع مل گیا۔ غلطی میری ہی تھی۔ اگر میں اپنے تعاقب کا خیال رکھتا تو صورتِ حال ایسی نہ ہوتی۔ مجھے افسوس ہے کہ میری وجہ سے تمہیں بھی تکلیف اٹھانی پڑی۔"

"تمہاری خاطر تو میں موت کے منہ میں بھی چھلانگ لگا سکتی ہوں۔" سونیا نے مسکراتے ہوئے کہا "تم جانتے ہو کہ ڈرنے والی نہیں ہوں لیکن اس اچانک اور غیر متوقع صورتِ حال نے مجھے واقعی بدحواس کردیا تھا۔"

"مجھے افسوس ہے۔" میں نے ایک بار پھر اس سے ہمدردی کا اظہار کیا "بات دراصل یہ ہے کہ اس روز تم سے ملاقات کے بعد میں نے اور جانکی نے ایک پروگرام بنایا تھا۔ تمہارے بارے میں۔"

"کیسا پروگرام؟" اس نے سوالیہ نگاہوں سے میری جانب دیکھا۔

"یوں تو روپ متی اور ٹھاکر بھانوت سنگھ بے حد قابلِ اعتماد اور بھروسے کے لائق ہیں۔ میری وجہ سے وہ لوگ بھی دشمن قوتوں کے جال میں پھنستے جارہے ہیں۔ وہ بزدل نہیں ہیں۔ آگے بھی ہمارا ساتھ دینے کو تیار ہیں اور ان کے ہوتے ہوئے ہمیں زیادہ پریشانی کی ضرورت نہیں لیکن ہمارا خیال تھا کہ ہمارے پاس ایک الگ ایسا ٹھکانا بھی ہونا چاہیے جو صرف محفوظ ہو اور روپ متی اور ٹھاکر کو بھی اس کے بارے میں علم نہ ہو اسی لیے ہم نے سوچا تھا کہ تم۔۔۔"

"میرے گھر کے دروازے تمہارے لیے کھلے ہیں۔" سونیا نے میری بات کاٹ دی۔

"تمہارا وہ گھر بہت چھوٹا ہے۔ تمہارے ساتھ ایک اور لڑکی بھی رہتی ہے اور اس بلڈنگ کی آبادی اتنی گنجان ہے کہ وہاں اپنی موجودگی کو راز میں نہیں رکھ سکتے۔" میں نے کہا "ہمارا پروگرام یہ ہے کہ تم وہ فلیٹ چھوڑ کر کوئی ایسا مکان یا کرائے پر لے لو جہاں کسی ہنگامی صورتِ حال کے وقت پناہ لے سکیں۔"

"بنگلا۔ کہاں؟" سونیا نے پوچھا۔

"یہ دیکھنا تمہارا کام ہے۔" میں نے کہا "میری نسبت تم شہر سے زیادہ اچھی طرح واقف ہو۔ تمہیں اندازہ ہونا چاہیے کہ کون سا علاقہ مناسب رہے گا لیکن کوئی ایسی جگہ ہو جہاں سے تمہیں بھی اپنے کافی ہاؤس آمدورفت میں کوئی دشواری نہ ہو اور وہاں۔۔۔ اس بنگلے کا کرایہ وغیرہ ہم دیں گے۔ تمہیں اس سلسلے میں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"میں اتنی گئی گزری بھی نہیں ہوں۔" سونیا نے مسکراتے ہوئے جواب دیا "میں نے بھی تھوڑی بہت رقم جمع کر رکھی ہے۔ وہ کس کام آئے گی!"

"ٹھیک ہے۔ ہم لوگ مل جل کر کام چلالیں گے۔" میں نے گاڑی نیو گیٹ کی طرف موڑتے ہوئے کہا "اب میں تمہیں اگلے موڑ پر اتار دوں گا۔ وہاں سے فلیٹ تک جاتے ہوئے پریشانی تو نہیں ہوگی۔"

"نہیں۔ وہاں سے فلیٹ قریب ہی ہے لیکن تم مجھے اپنی راج کماری روپ متی سے کب ملاؤ گے۔ وہ تو اس شہر کی بہت معروف ہستی ہے۔ میں اس سے ملنا چاہتی ہوں۔"

"ابھی نہیں۔" میں نے جواب دیا "ابھی تو ہم نے اسے بھی تمہارے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔ کسی مناسب وقت پر ملاقات ہوجائے گی۔ میں کل صبح رقم لے کر تمہارے فلیٹ پر آؤں گا۔ تم کل ہی سے بنگلے کی تلاش شروع کردو۔"

"ٹھیک ہے۔ میں صبح تمہارا انتظار کروں گی۔" سونیا نے سرہلادیا۔

میں نے گلی کے موڑ پر گاڑی روک لی۔ سونیا نے نیچے اتر کر ہاتھ ہلایا اور گلی میں داخل ہوگئی۔ اس وقت ساڑھے بارہ سے اوپر کا وقت ہورہا تھا۔ گلی میں اکا دکا لوگوں کی آمدورفت تھی۔ میں گاڑی میں بیٹھا سونیا کی طرف دیکھتا رہا۔ مجھے اندازہ ہورہا تھا کہ اس کی چال متوازن نہیں تھی۔ اس کا ایک ہاتھ بار بار پشت پر آرہا تھا۔ یقیناً اسے کوئی تکلیف تھی۔

سونیا گلی میں کافی آگے نکل گئی تو میں نے بھی گاڑی آگے بڑھادی اور کچھ آگے جاکر یوٹرن لیتا ہوا دوبارہ ایم آئی روڈ پر آگیا اور گاڑی کو آگرہ مارگ کی طرف دوڑا دیا۔

جس وقت میری گاڑی حویلی میں داخل ہوئی، ایک بج رہا تھا۔ روپ متی اور جانکی لان ہی میں بیٹھی ہوئی تھیں۔ دونوں کے چہرے سے پریشانی ہویدا تھی۔

"کہاں رہ گئے تھے تم؟" جانکی مجھے دیکھتے ہی اٹھ کر کھڑی ہوگئی "ساڑھے دس بجے تمہارا فون آیا تھا کہ تھوڑی دیر میں آرہا ہوں۔ اس وقت ایک بج رہا ہے اور یہ اپنی حالت کیا بنا رکھی ہے تم نے؟"

"کچھ گڑبڑ ہوگئی تھی جس کی وجہ سے دیر ہوگئی۔" میں نے جواب دیا۔

روپ متی کرسی پر بیٹھی گاڑی کی طرف دیکھ رہی تھی۔ گاڑی کا وہ پہلو اس طرف تھا جس طرف کا شیشہ ٹوٹا تھا۔ اس نے ایک نظر میری طرف دیکھا اور کچھ کہے بغیر اٹھ کر گاڑی کی طرف چلی گئی۔

روپ متی کچھ دیر گاڑی کے ٹوٹے ہوئے شیشے کو اور اس کے اندر دیکھتی رہی پھر گاڑی کے گرد ایک چکر لگایا اور دوبارہ لان میں آگئی۔

"تم ٹھیک ہو نا۔ کیا گڑبڑ ہوئی تھی؟" اس نے مجھے نیچے سے اوپر تک دیکھا۔

"میں ٹھیک ہوں۔" میں نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے جواب دیا "بلونت سنگھ کے آدمیوں سے ٹاکرا ہو گیا تھا۔"

"کیا؟" ان دونوں کے منہ سے بیک وقت نکلا۔

"میں دو ڈھائی گھنٹوں تک ٹھاکر کے پاس رہا۔" میں نے کہا اور پھر ریسٹورنٹ میں آتش زدگی کے بارے میں بتانے لگا "میں پونے دس کے قریب وہاں سے روانہ ہوا تھا۔ میں نے سوچا زور آور گیٹ سے ہرن کی بھنی ہوئی رانیں لے لی جائیں۔ میں نے فون وہیں ایک پبلک فون سے کیا تھا اور پھر وہیں کھڑے کھڑے میں نے محسوس کیا کہ دو آدمی میری حرکات و سکنات کا جائزہ لے رہے ہیں۔ وہ شکل سے ہی غنڈے اور بدمعاش لگتے تھے۔ مجھے شبہ ہوا کہ وہ میری نگرانی کر رہے ہیں۔ میں محض آزمانے کے لیے پیجارو پر سوار ہو کر چاند پول بازار کی طرف جانے والی سڑک کی طرف نکل گیا۔ میرا شبہ درست نکلا۔ ان کے ساتھ ایک تیسرا آدمی بھی تھا۔ انہوں نے ایک ویران جگہ پر مجھے گھیر لیا۔" میں چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر رامو اور پانڈو سے جھڑپ کے بارے میں بتانے لگا۔ سونیا کا ذکر میں نے گول کر دیا تھا اور تھوڑا سا جھوٹ بھی بولا تھا کہ ان کے لیے ہرن کی بھنی ہوئی رانیں لینے کے لیے زور آور گیٹ کی طرف گیا تھا۔ میرے خیال میں معمولی سا جھوٹ بول لینے میں کوئی مضائقہ نہیں تھا۔

"ہوں۔" میرے خاموش ہونے پر روپ متی نے ہنکارا بھرا "رامو وہ تو نہیں جس کے رخسار پر زخم کا نشان اور ناک پچکی ہوئی ہے۔ ذرا لمبے قد کا مالک ہے؟"

"بالکل وہی۔" میں نے جواب دیا "اب اسے پچکی ناک والا نہیں چپٹی ناک والا کہا جائے گا کیونکہ میرے پنچ نے اس کی ناک کو اب بالکل برابر کر دیا ہے۔ ویسے کیا تم اسے جانتی ہو؟"

"وہ اس شہر کا بہت بڑا دادا ہے اور کرائے کا قاتل بھی۔" روپ متی نے جواب دیا "بڑے بڑے لوگ اپنے دشمنوں کو راستے سے ہٹانے کے لیے بھاری معاوضے پر اس کی خدمات حاصل کرتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ وہ اب تک آٹھ قتل کر چکا ہے جن میں ایک پولیس آفیسر بھی شامل ہے۔"

"حیرت انگیز!" میں نے کہا "اگر یہاں کی بدمعاشی اور داداگیری کا معیار یہی ہے تو پھر میں تو پورے شہر کو انگلیوں پر نچا سکتا ہوں۔"

"کیا مطلب؟" روپ متی نے مجھے گھورا۔

"میرا خیال ہے لوگوں پر اپنی دھاک بٹھانے کے لیے اس نے آٹھ آدمیوں کے قتل کا پروپیگنڈا کر رکھا ہے جبکہ میں سمجھتا ہوں کہ اس نے آج تک ایک چوہا بھی نہیں مارا ہوگا۔" میں نے کہا "اگر اس پروپیگنڈے میں کوئی حقیقت ہوتی تو میں اس کے ہاتھوں قتل نہ بھی ہوتا تو اسے میری کئی ہڈیاں توڑ دینی چاہیے تھیں مگر وہ تو پہلے ہی مرحلے میں میرے قدموں میں گر گیا تھا۔ وہ پہلے تو گدھے کی طرح بھڑکا پھر اپنے ساتھیوں سمیت کتے کے پلے کی طرح چیاؤں چیاؤں کرتا ہوا بھاگ گیا۔"

"پھر تو واقعی حیرت کی بات ہے۔" روپ متی نے کہا "ہو سکتا ہے آٹھ آدمیوں کے قتل والی بات میں مبالغہ ہو لیکن پولیس آفیسر کے قتل کی چشم دید گواہ تو میں بھی ہوں۔"

"تو گویا وہ قتل تمہارے سامنے ہوا تھا؟" میں نے اسے گھورا۔

"ہاں۔" اس نے اثبات میں سر ہلا دیا "یہ تقریباً دو سال پہلے کی بات ہے۔ شام سات بجے کا وقت تھا۔ اس وقت میں جوہری بازار کی رونق کا اندازہ لگا سکتے ہو۔ میں اس وقت اپنے ایک دوست کے ساتھ ایل' ایم' بی ریسٹورنٹ میں بیٹھی ہوئی تھی کہ باہر شور کی آواز سنائی دی۔ ریسٹورنٹ میں بیٹھے ہوئے لوگ اٹھ اٹھ کر باہر جانے لگے۔

"میں بھی اپنے دوست کے ساتھ ریسٹورنٹ سے باہر نکلی تو سامنے کا منظر دیکھ کر کانپ اٹھی۔ ایک آدمی سڑک پر گرا ہوا تھا اور رامو اس پر پے در پے خنجروں سے وار کر رہا تھا۔ وہ اس وقت انسان نہیں' درندہ ہی لگ رہا تھا۔ سڑک پر گرا ہوا آدمی ہر وار پر چیخ اٹھتا۔

"آس پاس سیکڑوں لوگ موجود تھے مگر کوئی آگے نہیں آیا۔ رامو کے تین ساتھی تلواریں لہراتے ہوئے خوں خوار درندوں کی طرح دہاڑتے پھر رہے تھے۔

"میں یہ دل دہلا دینے والا منظر نہیں دیکھ سکی اور دوڑ کر دوبارہ ریسٹورنٹ میں گھس گئی۔ چند منٹ بعد رامو اور اس کے ساتھی بڑے اطمینان سے ایک جیپ پر بیٹھ کر وہاں سے چلے گئے اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے وہاں سناٹا چھا گیا۔ دکانیں دھڑا دھڑ بند ہونے لگیں۔ میرا دوست بھی مجھے وہاں سے لے کر نکل آیا۔

"بعد میں پتا چلا کہ رامو کے ہاتھوں بے دردی سے مارا جانے والا اے سی پی (اسسٹنٹ کمشنر پولیس) تھا جو سادہ لباس میں تھا اور کسی کام سے اس طرف آیا تھا۔ چند روز پہلے اس نے رامو کو تھانے بلوا کر اس کی دھنائی کی تھی اور اسے وارننگ دی تھی کہ وہ اس کے علاقے سے نکل جائے۔

"اس روز وہ رامو کے ہتھے چڑھ گیا اور رامو نے بے دردی سے اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اس رات پولیس نے شہر بھر سے درجنوں غنڈوں کو پکڑ کر سلاخوں کے پیچھے بند کر دیا۔ رامو تین دن بعد پکڑا گیا۔

"عدالت میں رامو کا مقدمہ صرف دو مہینے چلا۔ استغاثہ اس کے خلاف قتل کا کیس ثابت نہیں کر سکا۔ اس کے خلاف گواہی دینے کے لیے کوئی شخص سامنے نہیں آیا۔ اس کے برعکس رامو کے وکیل نے ایسے گواہوں کی ایک طویل فہرست عدالت میں پیش کر دی جنہوں نے گیتا پر ہاتھ رکھ کر یہ گواہی دی کہ جس شام پولیس آفیسر کو جے پور میں قتل کیا گیا اس شام رامو وہاں سے تین سو میل کلومیٹر دور بیکانیر میں تھا۔

"استغاثہ اپنا کیس ثابت کرنے میں ناکام ہو گیا۔ ایسا کوئی ایک شخص بھی عدالت میں نہیں آیا جو یہ کہہ سکتا کہ اس نے رامو کو پولیس آفیسر کو قتل کرتے ہوئے دیکھا تھا۔ رامو کے خلاف جرم ثابت نہیں ہو سکا اور اسے بری کر دیا گیا۔" روپ متی چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگی "اپنی عزت اور اپنی جان سب ہی لوگوں کو پیاری ہوتی ہے۔ رامو جیسے لوگوں کے خلاف ان جرائم کی گواہی دینے کو کوئی بھی تیار نہیں ہوتا اور یہ لوگ ایسے خوں خوار درندے بن جاتے ہیں جنہیں قابو کرنا قانون کے محافظوں کے بس میں نہیں ہوتا بلکہ یہ کہنا درست ہوگا کہ قانون بھی ان لوگوں کے سامنے بے بس ہو جاتا ہے۔

"میں نے اس سے پہلے بھی رامو کے بارے میں سنا تھا وہ کرائے کا قاتل ہے۔ ایسی ہی کچھ سنگین وارداتوں کے بارے میں سننے میں آتا رہا جن میں رامو کے نام کا حوالہ آتا۔ اس پولیس آفیسر کے قتل کے چھ مہینے بعد ہائی کورٹ کے ایک سینئر جج کو اس کے گھر میں قتل کر دیا گیا۔

"ایک سابق نیتا (وزیر) کا مقدمہ اس جج کے پاس زیر سماعت تھا۔ شہر میں اس مقدمے کا بہت چرچا ہوا تھا۔ اس نیتا پر بہت سنگین الزامات تھے۔ اگلے روز صبح وہ جج اس مقدمے کا فیصلہ سنانے والا تھا۔ عام تاثر یہ تھا کہ اس نیتا کو نہ صرف موت بلکہ پھر کے لیے کسی بھی قسم کے انتخابات میں حصہ لینے کے لیے نااہل قرار دے دیا جائے گا بلکہ اسے کم سے کم بیس سال قید کی سزا بھی سنائی جائے گی مگر اسی رات جج کو اس کی کوٹھی میں قتل کر دیا گیا تھا۔

"اس رات جج کے تمام گھر والے شادی کی ایک تقریب میں گئے ہوئے تھے۔ جج کوٹھی پر اکیلا ہی تھا۔ اس کی ضروریات کا خیال رکھنے کے لیے صرف ایک ملازم کو چھوڑ دیا گیا۔

"جج کے گھر والے تین بجے کے قریب واپس لوٹے تو برآمدے میں ملازم کی لاش پڑی ہوئی ملی۔ اسے گلا گھونٹ کر ہلاک کیا گیا تھا جبکہ جج کی لاش بیڈ روم سے ملحق دفتر میں قالین پر پڑی ہوئی ملی۔ اسے بکرے کی طرح ذبح کر دیا گیا تھا۔ سینے اور پیٹ پر بھی خنجر کے کئی گہرے گھاؤ تھے۔ خون کے چھینٹے ہر طرف بکھرے ہوئے تھے۔ دفتر کا سارا سامان بھی الٹ پلٹ تھا۔ میز کی درازیں کھلی ہوئی تھیں۔ کاغذات ادھر ادھر بکھرے ہوئے تھے اور نیتا کے کیس کی وہ فائل غائب تھی جو اس روز جج عدالت سے گھر لے کر آیا تھا۔

"جج کے قتل کے بعد وہ نیتا روپوش ہو گیا۔ چند روز بعد پتا چلا کہ وہ ملک سے فرار ہو گیا ہے۔ قتل کے حوالے سے رامو کے نام کی بازگشت سنی گئی تھی۔ کئی روز تک پولیس اس سے پوچھ گچھ بھی کرتی رہی لیکن اس کے خلاف کوئی جرم ثابت نہیں ہو سکا۔ پولیس کو جائے واردات سے بھی کوئی ایسا نشان نہیں ملا جس کی بنا پر اس پر شبہ کیا جا سکتا لیکن سب جانتے تھے کہ یہ قتل بھی رامو ہی نے کیا ہے۔ اس کے باوجود وہ آج بھی آزادی سے وندتا پھرتا ہے اور پولیس اس پر ہاتھ نہیں ڈال سکتی۔"

"پھر تو واقعی حیرت کی بات ہے بلکہ میں اپنے آپ کو خوش قسمت ہی سمجھوں گا کہ ایسے خطرناک آدمی کے ہتھے چڑھ جانے کے باوجود بچ گیا۔" میں نے روپ متی کے خاموش ہونے پر کہا۔

"ایک بات سمجھ میں آتی ہے۔" روپ متی نے کہا۔ "ہو سکتا ہے بلونت سنگھ نے اسے تمہارے قتل کی سپاری نہ دی ہو بلکہ اسے اس حد تک محدود رکھا ہو کہ تمہیں زندہ پکڑ کر اس کے حوالے کیا جائے۔"

"ہاں۔ یہ ہو سکتا ہے۔" میں نے کہا "میرے سامنے بے بس ہو کر وہ جس طرح دم دبا کر بھاگا تھا اس سے مجبوراً یہی نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے لیکن کیا تم نے کبھی اسے قریب سے دیکھا ہے۔ میرا مطلب ہے' کبھی کوئی ملاقات؟"

"ہاں۔ ایک ملاقات ہوئی تھی اور یہ تقریباً ایک سال پہلے کی بات ہے۔" روپ متی نے کہا "میں اس رات پولو

گراؤنڈ میں واقع جے پور کلب میں ایک پارٹی میں شریک تھی۔ میں اپنے چند دوستوں کے ساتھ ایک میز پر بیٹھی ہوئی تھی کہ یہ بدمعاش بھی وہاں آگیا اور بے تکلفی سے ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ وہ اس وقت بہت قیمتی تھری پیس سوٹ میں تھا اور یہ شریفانہ لباس اس پر بالکل نہیں جچ رہا تھا۔ میرے ہی ایک دوست نے بتایا کہ یہ رام لال عرف رامو دادا ہے۔

"ان دنوں میری کسی سے نسل چل رہی تھی اور پورے شہر میں اس کا چرچا تھا۔ رامو نے کہا کہ اگر مجھے اپنے حریف کو اپنے چرنوں پر جھکانے کے لیے اس کی خدمات کی ضرورت ہو تو وہ حاضر ہے۔ ممکن ہے وہ ہماری ہی میز پر نکار رہتا کہ ایک لڑکی اسے بازو سے پکڑ کر وہاں سے اٹھا کر لے گئی۔ وہ پہلا اور آخری موقع تھا کہ میں نے اسے اتنا قریب سے دیکھا تھا۔ اس کے بعد ایسا کوئی موقع نہیں آیا اور بھگوان نہ کرے کہ آئندہ بھی ایسا کوئی موقع آئے۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر میرے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے بولی "اس نے مجھے اپنا وزیٹنگ کارڈ بھی دیا تھا لیکن کبھی میرے ذہن میں اس سے رابطہ کرنے کا خیال نہیں آیا۔"

"حیرت ہے' لٹیرے اور قاتل بھی وزیٹنگ کارڈ رکھنے لگے ہیں۔" میں نے کہا "وہ کارڈ تمہارے پاس ہے یا کہیں پھینک دیا؟"

"ڈریسنگ ٹیبل کی دراز میں ڈال دیا تھا۔ شاید پڑا ہوگا۔" روپ متی نے کہا "لیکن میں دیکھ رہی ہوں کہ رامو کے معاملے میں تم زیادہ سنجیدہ نہیں ہو اور یہ کوئی اچھی بات نہیں ہے۔ وہ بہت خطرناک آدمی ہے۔"

"میں بالکل سنجیدہ ہوں۔" میں نے جواب دیا "میں نے اپنے کسی دشمن کو کبھی کمتر یا کمزور نہیں سمجھا۔ تم نے تو رامو کے بارے میں بہت کچھ بتا دیا ہے۔ میں محتاط رہوں گا۔"

"اچھا۔ اب مجھے ٹھاکر کے بارے میں بتاؤ۔ کتنا نقصان ہوا ہے ہوٹل کا اور پکڑا جانے والا آدمی کون ہے۔ کس کے کہنے پر آگ لگائی گئی تھی؟" روپ متی نے ایک ہی سانس میں کئی سوال کر ڈالے۔ یہ بات انہیں ٹھاکر ہی نے فون پر بتائی تھی کہ ایک آدمی پکڑا بھی گیا ہے۔

"نقصان کا اندازہ تو بعد میں لگایا جائے گا ویسے ریسٹورنٹ والا حصہ مکمل طور پر تباہ ہو چکا ہے۔" میں نے جواب دیا "جو آدمی پکڑا گیا تھا وہ اس وقت پولیس کی تحویل میں ہے۔ آگ لگائے جانے کے بعد بھی ہوٹل کے آس پاس بلونت سنگھ کے آدمیوں کی موجودگی یہ ثابت کرتی ہے کہ آگ اسی نے لگوائی تھی۔ پولیس بہرحال زیر حراست شخص سے سب کچھ معلوم کرلے گی۔"

"ٹھاکر تو بہت پریشان ہوگا؟" یہ سوال جانکی نے کیا تھا۔

"اسے پریشان تو ہونا ہی چاہیے لیکن وہ ہمت والا آدمی ہے اور میرا خیال ہے' اسے زیادہ نقصان نہیں اٹھانا پڑے گا۔" میں نے کہا۔

"وہ کیسے؟" روپ متی نے پوچھا۔

"ریسٹورنٹ اور ہوٹل یقیناً انشورڈ ہوگا۔" میں نے جواب دیا "انشورنس کمپنی سے ملنے والی رقم اس کے نقصان کا بڑی حد تک ازالہ کردے گی۔"

ہم ابھی باتیں کررہے تھے کہ ٹھاکر کے بھیجے ہوئے گن مینوں میں سے ایک گاڑی اس طرف مڑی ہے عکس۔ اس کی بتیاں بھی بجھی ہوئی ہیں۔ اس میں ٹھاکر کے دشمن بھی ہوسکتے ہیں۔ آپ لوگ اندر چلے جائیے۔"

ہم لوگ فوراً ہی اٹھ گئے۔ جانکی اور روپ متی تو اندر چلی گئیں۔ میں نے پجارو کے ڈیش بورڈ کے خانے سے رامو والا پستول نکال لیا اور برآمدے کے ایک ستون کی آڑ میں کھڑا ہوگیا۔

ٹھاکر کے بھیجے ہوئے چار گن مینوں میں سے دو حویلی کی چھت پر تھے جہاں سے وہ چاروں طرف دور تک نگاہ رکھ سکتے تھے اور دو ایسی جگہوں پر تھے جہاں سے وہ حویلی کے داخلی راستوں کو کور کرسکتے تھے۔ انہی میں سے ایک نے اس گاڑی کو سڑک سے اس طرف مڑتے ہوئے دیکھ لیا تھا اور ہم لوگوں کو اندر جانے کے لیے کہا تھا۔ اس شخص نے مجھے پجارو سے پستول نکال کر برآمدے کے ستون کی آڑ میں کھڑے ہوئے دیکھ لیا تھا۔

اگر اس گاڑی کی ہیڈ لائٹس روشن ہوتیں تو اس کی روشنی برآمدے سے بھی نظر آسکتی تھی لیکن ہیڈ لائٹس بجھی ہوئی تھیں جس وجہ سے وہ گاڑی یہاں سے نظر نہیں آرہی تھی۔

رات کے سناٹے میں گاڑی کے انجن کی ہلکی سی آواز بڑا پراسرار تاثر پیش کررہی تھی۔ میں سوچ رہا تھا کہ وہ کون لوگ ہوسکتے تھے لیکن پھر اپنے اس خیال پر خود ہی جھنجلا گیا۔ بلونت سنگھ کے آدمیوں کے علاوہ اور کون ہوسکتے تھے۔ ان کا خیال ہوگا کہ سب لوگ سو رہے ہوں گے اور وہ حملہ کرکے ہم سب کو ختم کردیں گے۔

اچانک ہارن کی آواز خاموش فضا میں گونج اٹھی۔ یہ ٹھاکر کی گاڑی کے ہارن کی آواز تھی۔ وہ جب یہاں آتا تھا' دور ہی سے اسی طرح مخصوص انداز میں ہارن بجایا کرتا تھا۔

فکر کسی طرف سے نکل کر دوڑتا ہوا گیٹ پر پہنچ گیا اور کھول دیا اس کے ہاتھ میں بھی آٹومیٹک رائفل نظر آرہی تھی۔

چند سیکنڈ بعد ہی ٹھاکر کی گاڑی گیٹ میں داخل ہو کر پارچ کے پیچھے رک گئی۔ میں ستون کی آڑ سے نکل کر سامنے آگیا۔

"گن مین کہاں ہیں؟" اس نے مجھ سے ہاتھ ملاتے ہوئے پوچھا۔

"پوزیشن پر ہیں۔" میں نے جواب دیا "تمہاری گاڑی کو سڑک پر سے اس طرف مڑتے ہوئے دیکھ لیا گیا تھا۔ بتیاں بجھی ہونے کی وجہ سے شبہ ہوا تھا کہ یہ گاڑی دشمنوں کی بھی ہوسکتی ہے۔"

"یہ میرے لیے بھی حیرت کی بات ہے۔" ٹھاکر آگے بڑھتے ہوئے بولا "میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ دونوں ہیڈ لائٹس نے بیک وقت کام کرنا کیسے چھوڑ دیا۔ بہرحال' صبح میکینک سے چیک کراؤں گا لیکن تم ابھی تک کیسے جاگ رہے ہو؟"

"ہم سب ہی جاگ رہے ہیں۔" میں نے جواب دیا "ہم لوگ تو ادھر لان میں بیٹھے ہوئے تھے۔ گن مین نے تمہاری گاڑی سڑک سے اس طرف مڑتے دیکھ کر ہمیں اندر چلنے کو کہا تھا۔"

"تین بج رہے ہیں۔ رات کو دیر تک جاگنا صحت کے لیے اچھا نہیں ہوتا۔" ٹھاکر نے کہا۔

"اپنے بارے میں کیا خیال ہے!" میں نے کہا۔

ٹھاکر لاجواب سا ہو کر رہ گیا۔ ہم اندر آگئے۔ جانکی اور روپ متی سامنے ہی صوفوں پر بیٹھی ہوئی تھیں۔ وہ ٹھاکر کو دیکھ کر اٹھ کھڑی ہوئیں اور پھر ان دونوں نے ٹھاکر پر سوالات کی بوچھار کردی۔ ٹھاکر مسکراتا ہوا صوفے پر بیٹھ گیا۔

"دھیرج (حوصلہ) دھیرج!" وہ ہاتھ اٹھاتے ہوئے بولا "کسی نے مجھ سے جل پان کا نہیں پوچھا اور سوالات کی بوچھار کردی۔"

"جل میں پلا دیتی ہوں۔ پان یہاں نہیں ملے گا البتہ چائے پیش کی جاسکتی ہے۔" روپ متی نے کہا۔

"چلے گی۔ چائے بھی چلے گی۔" ٹھاکر نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ہوٹل کا اتنا نقصان ہونے کے باوجود اس کی زندہ دلی میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔

روپ متی اپنی جگہ سے اٹھی ہی تھی کہ مندری کسی طرف سے نکل کر سامنے آگئی۔ وہ کسی کونے میں پڑی سو رہی تھی اور آوازیں سن کر اٹھ گئی تھی۔ اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ بال بکھرے ہوئے تھے۔

"آپ بیٹھیے۔ میں چائے بنا کر لاتی ہوں۔" وہ بالوں کا جوڑا بناتی ہوئی کچن کی طرف چلی گئی۔

پندرہ بیس منٹ میں چائے آگئی اور پھر اس کے ساتھ ہی باتوں کا سلسلہ بھی شروع ہوگیا۔ ٹھاکر ہوٹل کے نقصان کے بارے میں بتا رہا تھا۔

"ویری سیڈ!" جانکی نے کہا "ہماری دوستی تم لوگوں کو مہنگی پڑ رہی ہے۔ تمہارے ہوٹل کو آگ لگا دی اور آج رات ہی روپ متی کی گاڑی کا شیشہ توڑ دیا گیا۔"

"کیا مطلب؟" ٹھاکر بولا "شیشہ کس نے توڑا؟"

اور پھر مجھے ایک بار پھر رامو والی کہانی دہرانی پڑی۔

"پہلے میں بلونت سنگھ کو زیادہ اہمیت نہیں دیتا تھا لیکن اب مجھے اس کے بارے میں سنجیدگی سے سوچنا پڑے گا۔" ٹھاکر نے کہا۔

باتوں ہی باتوں میں صبح ہوگئی۔ روپ متی اور جانکی اونگھنے لگیں۔ میری آنکھوں میں نیند کا نام و نشان تک نہیں تھا اور کچھ یہی کیفیت ٹھاکر کی بھی تھی۔ ہم دونوں اٹھ کر باہر آگئے۔ دھوپ ابھی نہیں نکلی تھی۔ ٹھنڈی ہوا کے خوشگوار جھونکے بڑے بھلے لگ رہے تھے۔ ہم دھوپ نکلنے تک وہیں بیٹھے رہے اور پھر اندر آگئے۔

ٹھاکر بھانوت سنگھ نو بجے کے قریب ناشتا کرکے چلا گیا۔ میں کافی دیر تک حویلی کے پچھلے حصے میں ہرنوں اور موروں کو دیکھتا رہا پھر اندر آگیا۔ جانکی اور روپ متی لاؤنج میں صوفوں پر ہی آڑھی ترچھی پڑی سو رہی تھیں۔ میں اپنے کمرے میں آکر باتھ روم میں گھس گیا۔

دیر تک ٹھنڈے پانی کے غسل سے میری کسل مندی دور ہوگئی۔ میں تیار ہو کر باہر نکلا اور جانکی کو جگا کر کمرے میں لے آیا۔

"میں سونیا کی طرف جا رہا ہوں۔" میں نے کہا "اب ضروری ہوگیا ہے کہ ہم اپنے لیے کسی اور ٹھکانے کا بندوبست کرلیں۔ تمہارے پاس جو رقم تھی کہاں ہے وہ؟"

"اس الماری میں رکھی ہے۔ ابھی نکال کر دیتی ہوں۔" جانکی نے کہا اور آگے بڑھ کر الماری کھولنے لگی۔ ساتھ ہی وہ بتا رہی تھی کہ روپ متی کی حویلی سے عجلت میں نکلتے ہوئے

بھی وہ اس رقم کو ساتھ لانا نہیں بھولی تھی "یہ ساٹھ ہزار روپے ہیں۔" وہ ایک رومال میں لپٹا ہوا نوٹوں کا بنڈل میری طرف بڑھاتے ہوئے بولی۔

میں نے بنڈل پتلون کی جیب میں ٹھونس لیا۔ دوسری جیب میں اپنے استعمال کے لیے کچھ اور رقم رکھی ہوئی تھی۔ پستول میں نے ٹی شرٹ کے نیچے پتلون کی بیلٹ میں اڑس رکھا تھا۔ پائنچے کے اندر بنڈلی پر خنجر بھی بندھا ہوا تھا۔ غیر محتاط تو میں پہلے بھی نہیں تھا لیکن گزشتہ رات راموغیرہ سے جھڑپ کے بعد مزید احتیاط کی ضرورت تھی۔ روپ متی نے جو کچھ بتایا تھا اسے میں نے مذاق میں نہیں ٹالا تھا۔ اس جیسے لوگوں کو میں نظرانداز نہیں کرسکتا تھا۔ اگر روپ متی مجھے اس کے بارے میں اتنی تفصیل سے نہ بھی بتاتی تو بھی میں اس کا دھیان رکھتا۔ ایسے لوگوں کے بارے میں معمولی سی غفلت بعض اوقات ناقابلِ تلافی نقصان کا باعث بن جاتی ہے۔

اس وقت میں نے بچارو لے جانا مناسب نہیں سمجھا۔ حویلی سے نکل کر پیدل چلتا ہوا سڑک پر آگیا۔ اتفاق سے آٹو رکشا مل گیا جس پر ایک آدمی پہلے ہی سے بیٹھا ہوا تھا۔

آگرہ مارگ کے پہلے چوراہے پر میں نے آٹو رکشا چھوڑ دیا۔ کچھ دور تک پیدل چلتا رہا پھر ایک ٹیکسی پر بیٹھ کر سورج پول گیٹ سے ہوتا ہوا دیا نند مارگ میں چار دروازہ پہنچ گیا اور یہاں ٹیکسی چھوڑ دی۔ اس طرح مجھے ایک بہت طویل چکر لگانا پڑا تھا لیکن اب میں کسی غفلت کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہتا تھا اور اس مرتبہ میں نے اپنے تعاقب کا پورا پورا خیال رکھا تھا۔ چار دروازہ سے میں ایک اور ٹیکسی میں بیٹھ گیا اور سرائے ڈیوڑھی بازار اور ہوا محل کے سامنے سے ہوتا ہوا چوڑا راستہ سے نیو گیٹ کی طرف آگیا۔

ہوا محل۔۔۔ گلابی رنگت کی اس قدیم اور تاریخی عمارت کو فنِ تعمیر کے لحاظ سے شہر کی خوب صورت ترین عمارت کہا جاسکتا ہے۔ پانچ منزلہ یہ عمارت ۱۷۹۹ء میں سوائے پرتاب سنگھ نے بنوائی تھی۔ یہ عمارت ایک بلند چبوترے پر بنی ہوئی ہے۔ چبوترے تک پہنچنے کے لیے پانچ کشادہ سیڑھیاں ہیں اور اس سے آگے عمارت میں داخلے کے لیے محرابی دروازے ہیں۔ لاتعداد محرابی کھڑکیاں ہیں جن میں سنگِ مرمر کی خوب صورت جالیاں لگی ہوئی ہیں۔ اوپر سے یہ عمارت بیضوی شکل اختیار کرتی چلی جاتی ہے۔ میں کئی مرتبہ ہوا محل کے سامنے سے گزرا تھا مگر ابھی تک اندر جانے کا موقع نہیں ملا تھا۔

ٹیکسی میں نے گلی کے موڑ پر چھوڑ دی۔ بازار میں خاصا رش تھا۔ میں کچھ دیر اِدھر اُدھر ٹہلتا رہا اور پھر گلی میں داخل ہوگیا۔

عمارت میں بھی لوگوں کی آمد و رفت تھی لیکن کسی نے میری طرف توجہ نہیں دی۔ دوسری منزل پر راہداری کے آخری فلیٹ کے سامنے میں رک گیا اور دروازے پر ہلکی سی دستک دی۔ دروازہ فوراً ہی کھل گیا لیکن سونیا کے بجائے ایک اور عورت کو دیکھ کر میں چونک سا گیا۔ مجھے اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ یہ مادھوری تھی اور سونیا نے بتایا تھا کہ وہ صبح آٹھ بجے ڈیوٹی پر چلی جاتی ہے لیکن اس وقت اسے گھر پر موجود دیکھ کر میں چونکے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔

"مجھے سونیا سے ملنا ہے۔ میں اس کا دوست ہوں۔"

"اندر آجاؤ۔" اس نے میری بات کاٹتے ہوئے دروازہ پوری طرح کھول دیا "میں اس کی دوست ہوں مادھوری۔" اس نے تعارف کرایا "سونیا ڈاکٹر کے ہاں گئی ہے۔ بس آتی ہی ہوگی۔"

"ڈاکٹر کے پاس!" میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

"ہلکا سا ٹمپریچر ہوگیا تھا۔" مادھوری نے کہا "رات کو اسے کچھ غنودوں نے گھیر لیا تھا۔ اپنے آپ کو چھڑانے کی کوشش کرتے ہوئے اسے کچھ اندرونی چوٹیں آئی تھیں۔ شاید ان چوٹوں اور خوف کی وجہ سے اسے تاپ (بخار) چڑھ گیا تھا۔ تم اندر آکر بیٹھ جاؤ۔ وہ آتی ہی ہوگی۔ اس نے مجھے تمہارے بارے میں بتا دیا تھا۔"

میں اندر داخل ہوگیا۔ مادھوری نے دروازہ بند کردیا اور مجھے سونیا کے کمرے میں لے آئی۔ میں کرسی پر بیٹھ گیا۔ مادھوری بھی میرے سامنے پلنگ کی پٹی پر ٹک گئی۔ میں اس کی طرف دیکھنے لگا۔

اس کی عمر پچیس اور تیس کے درمیان رہی ہوگی۔ دراز قامت، بھرا بھرا سڈول جسم، چہرے کے نقوش نہایت دلکش اور آنکھیں بادامی جن میں ستاروں جیسی چمک تھی۔ اس نے شلوار قمیص پہن رکھی تھی لیکن دوپٹا نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔ وہ جودھ پور کی رہنے والی تھی اور ملازمت کے سلسلے میں یہاں مقیم تھی۔

"سونیا کی طبیعت زیادہ خراب ہے کیا؟" میں نے پوچھا۔

"معمولی سا ٹمپریچر تھا۔ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔" مادھوری نے جواب دیا "وہ تو ڈاکٹر کے پاس جانے کو تیار نہیں تھی۔ میں نے ہی زبردستی بھیجا ہے۔ تاپ اگر معمولی بھی ہو تو غفلت نہیں برتنی چاہیے۔"

"سونیا نے بتایا تھا کہ تم جودھ پور گئی ہوئی ہو۔ کب واپس آئیں؟" میں نے پوچھا۔

"کل شام۔" مادھوری نے جواب دیا پھر اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے بولی "میں تمہارے لیے چائے بنا کر لاتی ہوں۔ سونیا کہے گی کہ میرے دوست کو جل (پانی) پان کو بھی نہیں پوچھا۔"

"مجھے صرف ایک گلاس ٹھنڈا جل پلا دو۔ چائے کا تکلف مت کرو۔" میں نے کہا۔

صرف دو منٹ بعد اس نے کمرے میں آکر پانی کا گلاس میری طرف بڑھا دیا۔ گلاس لیتے ہوئے میری انگلیاں اس کی انگلیوں سے چھو گئیں۔ وہ میری طرف دیکھ کر مسکرا دی۔

تقریباً آدھے گھنٹے بعد سونیا آگئی۔ اس کا چہرہ ستا ہوا تھا۔ وہ صورت ہی سے بیمار لگتی تھی۔ تھکن کے آثار بھی نمایاں تھے۔ لگتا تھا جیسے وہ میلوں کا فاصلہ پیدل طے کرکے آئی ہو۔ مجھے دیکھ کر اس کے چہرے پر رونق سی آگئی۔

مادھوری نے اس سے صورتِ حال دریافت کی اور پھر کمرے سے نکل کر کچن میں چلی گئی۔ سونیا بیڈ پر لیٹ گئی۔ ہاتھ میں پکڑی ہوئی دوائیں اس نے سائیڈ ٹیبل پر رکھ دی تھیں۔

"تمہیں بخار کیوں ہوگیا۔ رات کو ڈر گئی تھیں کیا؟" میں نے پوچھا۔

"اس مسٹنڈے سے دھینگا مشتی میں کچھ اندرونی چوٹیں لگی تھیں۔" سونیا نے بتایا "اس وقت تو احساس نہیں ہوا لیکن رات کو تکلیف شروع ہوگئی۔ یہاں اور یہاں۔۔۔" اس نے پہلے سینے پر اور پھر پشت پر بائیں شولڈر بلیڈ پر ہاتھ رکھا "بڑی شدت سے درد اٹھتا رہا۔ یہ بھی اچھا تھا کہ مادھوری کل شام کو واپس آگئی تھی۔ وہ میری سنکائی کرتی رہی۔ رات ہی کو بخار ہوگیا تھا۔ اس وقت بھی ایک سو دو کے لگ بھگ ہے۔ ڈاکٹر نے انجکشن لگا دیا ہے اور کچھ دوائیں بھی دی ہیں۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بولی "میں تو سمجھی تھی کہ تم آج بھی گول کر گئے۔"

"آج تو مجھے ہر صورت میں آنا ہی تھا لیکن اب شاید تمہاری وجہ سے معاملہ کچھ لیٹ ہوجائے۔" میں نے کہا۔

"ایک دو دن کی بات ہے۔" سونیا مسکرائی "آج بخار اتر گیا تو میں کل ہی اپنی مہم شروع کردوں گی۔"

"ڈاکٹر نے کوئی خاص چیز کھانے کو کہا ہو تو بتاؤ، میں بنا دوں گی۔"

ضلع ٹوبہ ٹیک سنگھ میں

کتابیات پبلی کیشنز اور مکتبہ نفسیات کی

کتب کے ہول سیل ڈسٹری بیوٹر

شائلہ بک ایجنسی

ہماری تمام کتب کے حصول کیلئے ان سے رابطہ کریں۔

آپ کے آرڈر کی فوری تعمیل کرتے ہوئے، کتب، آپ کی دکان پر پہنچائی جائیں گی۔

شائلہ بک ایجنسی

دربار بابا بجلی شاہ اسٹریٹ، چوہدری پارک، ٹوبہ ٹیک سنگھ

فون 515011

موبائل 0300-4291286

"کوئی پرہیز نہیں۔ جو پہلے کھاتے تھے اب بھی وہی چلے گا۔" سونیا نے مسکراتے ہوئے جواب دیا اور بیڈ کی پشت سے ٹیک لگا کر اپنا چائے کا کپ اٹھالیا۔

چائے پینے تک مادھوری بھی وہیں بیٹھی رہی اور پھر خالی کپ اٹھا کر کچن کی طرف چلی گئی۔ میں نے رومال میں لپٹا ہوا نوٹوں کا بنڈل جیب سے نکال کر سونیا کی طرف بڑھادیا۔

"یہ ساٹھ ہزار روپے ہیں۔ فوری طور پر شاید اس سے زیادہ کی ضرورت بھی نہ پڑے۔ بعد میں مزید بندوبست کردوں گا۔" میں نے کہا۔

"میرے پاس بھی بینک میں کچھ رقم محفوظ ہے۔ کام چلالوں گی۔" سونیا نے یہ کہتے ہوئے بنڈل تکیے کے نیچے رکھ لیا۔

"جانتی ہو جس غنڈے نے رات کو ہمیں روکا تھا وہ کون تھا؟" میں نے موضوع بدلتے ہوئے کہا۔ مادھو اس وقت اپنے کمرے میں جاچکی تھی۔

"ان میں ایک کا نام پانڈو اور دوسرے کا شاید رامو تھا۔" سونیا نے کہا "دونوں نے ایک دوسرے کو انہی ناموں سے مخاطب کیا تھا۔"

"ہاں۔" میں نے اثبات میں سر ہلایا "یہی نام تھے ان کے اور رامو اس شہر کا سب سے خطرناک غنڈا ہے۔ کرائے کا قاتل۔ سنا ہے کہ وہ اب تک آٹھ آدمیوں کو موت کے گھاٹ اتار چکا ہے۔"

"اوہ۔ یہ وہ رامو ہے جس نے چند مہینے پہلے یہاں کے ایک جج کو قتل کیا تھا۔" سونیا نے کہا۔ اس کے چہرے پر ایک رنگ سا آکر گزر گیا۔ وہ چند لمحے خاموش رہی پھر بولی "میں جن دنوں یہاں آئی تھی ان دنوں اس واردات کا بہت چرچا تھا۔ اخباروں میں بھی اس کیس کے بارے میں باقاعدگی سے خبریں چھپتی رہتی تھیں لیکن پھر آہستہ آہستہ لوگ بھول گئے۔"

"ہاں۔ یہ وہی رامو ہے۔" میں نے کہا "اس مرتبہ یہ میرے پیچھے لگا ہے اور بلونت سنگھ نے اس کی خدمات حاصل کی ہیں اور میں تمہیں بتا دینا چاہتا ہوں کہ یہ اس کا آخری اسائن منٹ ثابت ہوگا۔ اس کے بعد وہ اس قابل نہیں رہے گا کہ کسی انسان کی زندگی کا چراغ گل کرسکے بلکہ یہ اپنے جسم پر بیٹھی ہوئی مکھی بھی نہیں مار سکے گا۔"

"کیا کرنا چاہتے ہو؟" سونیا نے الجھی ہوئی نظروں سے میری طرف دیکھا۔

"ابھی کچھ نہیں۔" میں نے جواب دیا "صرف دو چار دن کی بات ہے۔" مادھوری کے آجانے سے ہم نے ایک بار پھر موضوع بدل دیا۔

دو بجے کے قریب میں جانے کے لیے اٹھا تو مادھوری نے روک لیا۔ وہ کھانا تیار کرچکی تھی۔

دال چاول کھا کر واقعی مزہ آگیا۔

میں اس عمارت والی گلی سے نکل کر پیدل ہی چلتا ہوا نیو گیٹ والے چوراہے پر آگیا۔ آسمان پر ہلکے ہلکے بادل چھا رہے تھے اور موسم خاصا خوشگوار ہو رہا تھا۔ ایسے میں پیدل ہی چلتے رہنے کو جی چاہتا تھا لیکن میں اس وقت تفریح کے موڈ میں نہیں تھا۔ میں ایک جگہ رک کر ادھر اُدھر دیکھنے لگا لیکن کوئی خالی آٹو رکشا یا ٹیکسی وغیرہ نظر نہیں آئی البتہ اسی وقت ایک سائیکل رکشا میرے قریب آکر رکا۔ ایک پارسی جوڑا رکشے سے اترا۔ میں فوراً ہی رکشے پر بیٹھ گیا۔

"کہاں چلو گے حکم؟" رکشا بان نے پیچھے مڑ کر میری طرف دیکھا۔

"اسٹیشن روڈ۔" میں نے جواب دیا۔

رکشا بان نے سیدھے ہو کر ہینڈل سنبھال لیا اور پیڈل چلانے لگا۔ وہ دُبلا پتلا سا ادھیڑ عمر آدمی تھا۔ دھوتی کو لنگوٹ کی طرح باندھ رکھا تھا اور بہت میلا سا کرتہ تھا جو پسینے میں تر ہو رہا تھا۔ پیروں میں چپل یا جوتا نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔ وہ غربت اور افلاس کی منہ بولتی تصویر تھا۔ میں نے بازار میں مزدوروں کو حمالی کرتے ہوئے دیکھا تھا۔ وہ صبح سے شام تک منوں بوجھ ڈھوتے تھے تب کہیں رات کو پیٹ بھر کھانے کو ملتا تھا اور یہ انسانوں کا بوجھ ڈھو رہا تھا۔ یہ وہ شہر تھا جہاں عالی شان حویلیوں اور محلوں کی بھرمار تھی۔ یہ راجوں مہاراجوں کا شہر تھا جن کے نوکر چاکر بھی شان دار حویلیوں میں رہتے تھے اور چرم چراتی کاروں میں گھومتے تھے اور دوسری طرف ایسے لوگ بھی تھے جو انسانوں کا بوجھ ڈھو کر پیٹ کی آگ بجھاتے تھے۔

اسٹیشن روڈ پر وکرم ہوٹل کے سامنے میں نے رکشا رکوالیا اور دس روپے کا نوٹ جیب سے نکال کر رکشا بان کے ہاتھ پر رکھ دیا۔

"کھلا نہیں ہے حکم؟" اس نے نوٹ کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"رکھ لو۔" میں نے جواب دیا اور رکشے سے اتر کر ہوٹل کی طرف چل پڑا۔ ہوٹل کی بجلی اور ٹیلی فون لائن بحال ہوچکی تھی۔ نیچے ریسٹورنٹ والے حصے میں سے جلا ہوا فرنیچر

وغیرہ اٹھا کر باہر ڈال دیا گیا تھا اور اندر صفائی کا کام ہو رہا تھا۔ ٹھاکر پہلی منزل پر ہوٹل کے دفتر میں بیٹھا ہوا تھا۔

دفتر میں آنے کے بعد میں نے سب سے پہلے جانکی اور روپ متی کو فون پر اطلاع دی کہ میں ٹھاکر کے پاس بیٹھا ہوں۔ وہ پریشان نہ ہوں۔

کچھ دیر ہم بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ چائے بھی پی اور پھر ٹھاکر مجھے گھوم پھر کر ہوٹل دکھانے لگا۔ وہ بہت شان دار ہوٹل تھا۔ یہاں مہمانوں کو ہر قسم کی سہولت دستیاب تھی۔ ریلوے اسٹیشن اور بس اسٹینڈ قریب ہونے کی وجہ سے ہوٹل میں مہمانوں کی آمدورفت جاری رہتی تھی اور کسی وقت کوئی کمرا خالی نہیں رہتا تھا لیکن ٹھاکر نے اپنے ہوٹل کا معیار برقرار رکھا تھا۔ قرب وجوار میں اور بھی بڑے بڑے ہوٹل اور ٹورسٹ بنگلے تھے جن میں فائیو اسٹار اشوک جے پور ہوٹل قابلِ ذکر تھا۔ وکرم ہوٹل میں فائیو اسٹار ہوٹل جیسی سہولتیں نہ ہونے کے باوجود اس کا معیار آس پاس اپنی نیٹگری کے ہوٹلوں اور ٹورسٹ بنگلوں سے بہتر تھا اور یہی وجہ تھی کہ بڑے بڑے لوگ اسی ہوٹل کو ترجیح دیتے تھے۔

رات کا کھانا میں نے ٹھاکر کے ساتھ ہوٹل میں کھایا اور پھر رات دس بجے کے قریب ہم حویلی جانے کے لیے وہاں سے روانہ ہوگئے۔

موسم اس وقت کچھ اور زیادہ خوشگوار ہوگیا تھا اور غالباً موسم کا مزہ لینے کے لیے ہی ٹھاکر نے اس وقت کار کے بجائے بغیر ہڈ کی جیپ کو ترجیح دی تھی۔ ٹھاکر نے اسٹیئرنگ سنبھال لیا تھا۔ میں اس کے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھا تھا اور پچھلی سیٹ پر ٹھاکر کا ایک محافظ بیٹھ گیا تھا جس کے بیلٹ پر ہولسٹر کے غلیف سے ریوالور کا دستہ جھانک رہا تھا۔

جیپ ریلوے اسٹیشن کے قریب سے بائیں طرف مڑ گئی اور ریلوے لائن کے ساتھ ساتھ کئی کلو میٹر کا فاصلہ طے کرکے جمنا لال بجاج مارگ کی طرف مڑ گئی۔ ٹھاکر کی رہائشی حویلی بھوانی سنگھ مارگ میں تھی اور وہ کچھ دیر کے لیے وہاں جانا چاہتا تھا۔

بھگوان داس روڈ پر سیکریٹریٹ کی وسیع و عریض عمارت سے آگے نکلتے ہی پیچھے سے آنے والی ایک اور جیپ تیزی سے ہمارے برابر پہنچ گئی۔ یہ بھی بغیر ہڈ کی جیپ تھی اور اس میں چار آدمی بیٹھے ہوئے تھے اور ڈرائیور کے ساتھ والی سیٹ پر رامو کو دیکھ کر میں اُچھل پڑا۔ اس کی ناک پر بینڈیج لگی ہوئی تھی۔ پچھلی سیٹ پر دو آدمی بیٹھے ہوئے تھے اور دونوں کے ہاتھوں میں پستول تھے۔ ان میں سے ایک نے گولی چلا دی۔ ایک زوردار دھماکا ہوا۔ گولی جیپ کو روکنے کے لیے ٹائر پر چلائی گئی تھی اور ٹائر ایک دھماکے سے پھٹ گیا تھا۔ جیپ لڑکھڑا کر سڑک سے اتر گئی اور لہراتی ہوئی ایک کمپاؤنڈ وال سے ٹکرا کر رک گئی۔

ہماری جیپ پر پیچھے بیٹھا ہوا گن مین جھٹکا لگنے سے دوسری سیٹ پر گرا لیکن وہ نہ صرف حیرت انگیز پھرتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے سنبھل گیا بلکہ اس نے ہولسٹر سے ریوالور نکال کر گولی بھی چلا دی تھی۔ رامو والی جیپ اگرچہ کئی گز آگے نکل چکی تھی لیکن ہمارے گارڈ کی گولی ضائع نہیں گئی۔ رامو کی جیپ کی پچھلی سیٹوں پر بیٹھے ہوئے دو آدمیوں میں سے ایک چیختا ہوا اچھلا اور جیپ سے نیچے گر گیا۔ رامو کی جیپ تقریباً سو گز آگے جاکر رک گئی اور رامو اور اس کے دو ساتھی چیختے ہوئے ہماری طرف دوڑے۔ رامو کے ہاتھ میں آگے سے خم کھائے ہوئے بلیڈ کا تیغہ تھا جو اسٹریٹ لیمپ کی روشنی میں چمک رہا تھا جبکہ اس کا ایک

ڈاکٹر اسلم پرویز کی تحریر تالیف اور تدوین
چار عظیم شاعروں کی کہانیاں
مصدقہ حالات
صرف ایک روپیہ
خُدایانِ سخن
صفحات 320
قیمت 200 روپے
خریدیے 250 روپے
میر غالب اور اقبال
* ان چار "خدایانِ سخن" کی زندگی سے وابستہ چونکا دینے والے راز!
* ان کے شب و روز کی دل فریب حکایات خرابات!
* ان کے عشق کی جنوں خیزیاں اور ان کے ادبی لوائی جھگڑے!
تاریخی شخصیت پر ایسی فکشن نما کہانیاں اردو زبان میں پہلے کبھی نہیں لکھی گئیں۔ یہ کہانیاں مستند شدہ ڈائجسٹ میں شائع ہونے کے بعد مقبول ترین ادبی سلسلے کے طور پر جانی جاتی ہیں۔
طلبہ اور شائقین ادب کے لئے
بے حد دلچسپ اور معلومات افزا کتاب
گتا شعاعت پبلیکیشنز
پوسٹ بکس 23
ٹیلی فون 74200
فون: 8902552-8905313
E-mail: 1977@yahoo.com

ساتھی پستول سے فائرنگ کررہا تھا۔

میں نے اور ٹھاکر نے بیک وقت جیپ سے چھلانگ لگا دی۔ جس دیوار سے ہماری جیپ ٹکرا کر رکی تھی وہ چار فٹ سے زیادہ اونچی نہیں تھی۔ اس کی دوسری طرف بہت وسیع و عریض لان تھا اور اس دیوار سے تقریباً دو سو گز کے فاصلے پر سکریٹریٹ کی عمارت تھی۔ دیوار کے اندر کی طرف مورپنکھ اور اسی قسم کے پودے تھے۔

ٹھاکر کا گن مین ابھی جیپ ہی میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے جوابی فائر کرتے ہوئے جیپ کی پچھلی طرف چھلانگ لگا دی۔ اس کے ساتھ ہی فائر کی آواز اور اس کی چیخ بھی گونج اٹھی تھی۔ اسے شاید گولی لگی تھی اور وہ جیپ کی پچھلی طرف گر گیا تھا۔

"کیا ہوا راج مل؟" ٹھاکر نے چیخ کر پوچھا۔

"باجو میں گولی لگی ہے حکم۔" محافظ نے چیختے ہوئے جواب دیا "آپ بھکر مت کرو اور یہاں سے نکل جاؤ۔ میں ان کو روکتا ہوں۔"

"ہمت سنگھ۔ تم اس طرف جاؤ اور میں اس طرف جانے کی کوشش کرتا ہوں۔" ٹھاکر نے میرے کان کے قریب سرگوشی کی اور دیوار کے ساتھ ساتھ دوسری طرف جانے لگا۔

میں مخالف سمت میں رینگتا چلا گیا۔ اس کے ساتھ ہی میں نے جیب سے پستول نکال لیا تھا۔ چند گز آگے جا کر میں نے دیوار کے اوپر سے جھانکا۔ رامو کا ایک ساتھی فائرنگ کرتا ہوا ہماری جیپ کے قریب پہنچ چکا تھا جبکہ رامو نے دیوار پر چڑھ کر اندر کی طرف چھلانگ لگا دی تھی۔ میں نے تیزی سے رخ بدل کر فائر جھونک دیا۔ گولی گنجان پودوں کی شاخوں میں الجھ کر رہ گئی اور رامو پودوں کے پیچھے کہیں غائب ہو چکا تھا۔

اس سڑک پر زیادہ تر دفاتر تھے۔ شام سات آٹھ بجے کے بعد اس طرف ٹریفک کم ہو جاتا تھا اور اتفاق تھا کہ اس وقت وہ سڑک دونوں طرف دور دور تک سنسان پڑی تھی۔ سڑک پر بجلی کے کھمبے بھی دور دور تھے۔ سڑک پر بہرحال کچھ روشنی تھی لیکن دیوار کی اندر کی طرف اندھیرا تھا۔

رامو کا ساتھی ہماری جیپ کے قریب پہنچ چکا تھا اور پھر راج مل نے جیپ کی آڑ سے نکل کر اس پر چھلانگ لگا دی اور دوسرے شخص کو اپنے ساتھ لیتا ہوا زمین پر گر گیا اور وہ دونوں ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہو گئے۔

رامو کا دوسرا ساتھی بھی دوڑتا ہوا دیوار کے قریب پہنچ چکا تھا۔ اس کے ہاتھ میں پکڑا ہوا خنجر اسٹریٹ لائٹ کی روشنی میں چمک رہا تھا۔

ٹھاکر نے دیوار پر چڑھ کر اس پر چھلانگ لگا دی اور اسے زمین پر گرا کر رگیدنے لگا۔

اپنے پیچھے پودوں میں آہٹ پا کر میں تیزی سے مڑا لیکن مجھے دیر ہو گئی تھی۔ وہ ہیولا میرے اوپر آ رہا تھا۔ میں نے پستول کا ٹریگر دبا دیا لیکن اسی لمحے میرے ہاتھ پر ٹھوکر لگی۔ پستول سے نکلی ہوئی گولی تو نجانے کس طرف چلی گئی البتہ پستول بھی میرے ہاتھ سے چھوٹ کر پودوں میں گر گیا تھا۔

وہ ہیولا اس طرح میرے اوپر آیا تھا جیسے ببر شیر کتا اپنے شکار پر چھلانگ لگاتا ہے۔

وہ رامو تھا۔ اس کے ہاتھ میں تیغے کی چمک بجلی کے کوندے کی طرح لہرائی اور اس کا ہاتھ جیسے ہی نیچے آیا، میں نے دونوں ہاتھوں سے اس کی کلائی پکڑ لی۔ تیغے کا بلیڈ تقریباً آٹھ انچ لمبا تھا جو لمحہ بہ لمحہ میرے سینے کی طرف جھک رہا تھا۔

رامو میں گینڈے کی طاقت بھری ہوئی تھی۔ کل رات اسے میرے ہاتھوں زک اٹھانی پڑی تھی۔ انتقام کے جذبے نے بھی اسے وحشی بنا دیا تھا۔ وہ اس وقت اپنی طاقت کا بھرپور مظاہرہ کر رہا تھا۔ اس کے حلق سے بھیڑیے جیسی غراہٹیں نکل رہی تھیں۔

میں بھی اس کا ہاتھ موڑنے کے لیے پوری قوت استعمال کر رہا تھا اور پھر میں نے ایک ہاتھ اس کی کلائی سے ہٹا کر ہتھیلی سے اس کی زخمی ناک پر زوردار وار کیا۔

میرا یہ حربہ کامیاب رہا۔ اس کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی۔ مجھے موقع مل گیا اور میں نے اسے پوری قوت سے ایک طرف دھکیل دیا اور پھرتی سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ رامو نے بھی اٹھنے میں دیر نہیں لگائی تھی۔

اس مرتبہ میں نے حملہ کرنے میں پہل کرنے کی کوشش کی مگر میرا پیر پودوں میں الجھ گیا۔ میں اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکا اور پشت کے بل گرا۔ میرا پیر ایک پتھر سے ٹکرایا اور اس سے پہلے کہ میں سنبھل سکتا، رامو نے میرے اوپر چھلانگ لگا دی۔ اس کا چمکتا ہوا تیغہ بجلی کے کوندے کی طرح میرے سینے کی طرف لپکا۔ میرے سینے اور تیغے کی نوک میں فاصلہ بجلی کی تیزی سے کم ہو رہا تھا اور کوئی لمحہ جاتا تھا کہ تیغہ میرے سینے میں پیوست ہو جاتا۔

میری آنکھوں کے سامنے اندھیرا بڑھتا جا رہا تھا۔

میری زندگی اور موت کے درمیان فاصلہ لمحہ بہ لمحہ کم ہو رہا تھا۔ آنکھوں کے سامنے اندھیرا گہرا ہونے لگا۔ میں نے تیز دھار تیغہ کسی بھی لمحے میرے سینے میں پیوست ہوتا محسوس کیا تھا۔

لیکن پھر اچانک میرے دماغ میں روشنی کا ایک جھماکا ہوا جیسے آسمانی بجلی کوند گئی ہو۔ اس کے ساتھ ہی پورے بدن میں برقی لہریں بھی پھیلتی ہوئی محسوس ہوئیں۔ میرے پیٹ میں ٹھیک ناف کی جگہ پر آگ سی بھڑک اٹھی۔ بڑی شدید کھولن ہو رہی تھی اور پھر یوں لگا جیسے کھولتا ہوا لاوا میرے سینے میں پھیلتا جا رہا ہو۔

میری آنکھیں خود بخود کھل گئیں۔ اندھیرا چھٹ چکا تھا۔ چند لمحے پہلے میں موت کے جھٹکے کا منتظر تھا لیکن اب میرے تمام توانائیاں عود کر آئی تھیں۔ میں اپنے آپ میں غیر معمولی قوت محسوس کرنے لگا۔ میرے پورے جسم میں برقی رو کوند رہی تھیں۔

میرا دایاں ہاتھ اچانک ہی حرکت میں آیا اور میں نے رامو کی کلائی تھام لی۔ تیغے کی نوک میرے سینے سے صرف دو انچ کے فاصلے پر رک گئی۔

یہ صورت حال بیان کرنے میں تو یقیناً وقت لگا ہے لیکن یہ سبھی ہوا تھا، پلک جھپکنے کی دیر میں ہو گیا تھا۔

رامو۔۔۔ کرائے کا قاتل، اس شہر کا سب سے بڑا دادا، جان کا گاہک۔ جو میری زندگی کا خاتمہ کرنے جا رہا تھا، صورت حال پر چونک گیا۔ ایک لمحہ پہلے تک اس کے دل میں یقیناً یہ بات تھی کہ تیغے کے ایک ہی وار سے میرے جیون (زندگی) کا انت (خاتمہ) کر دے گا۔ وہ مجھے آسان ترین شکار سمجھا تھا۔ وہ تو اس بات کا منتظر تھا کہ اس کا تیغہ میرے خون سے اپنی پیاس بجھانے والا ہے لیکن اس بدلی ہوئی صورت حال نے اسے بڑا مایوس کیا تھا۔ اس کی آنکھوں میں ایک لمحے کو الجھن کے تاثرات ابھرے لیکن اگلے ہی لمحے اس کے چہرے پر درندگی کے تاثرات ابھر آئے۔ اس کی آنکھوں سے خون خوار درندے کی سی تھی جس کے ہاتھ سے اس کا شکار نکلا جا رہا ہو۔

رامو تیغے کی نوک میرے سینے میں گاڑنے کے لیے اپنی پوری قوت کو بروئے کار لا رہا تھا۔ اس کے چہرے پر شدید غصہ تھا۔ گردن کی رگیں پھول گئی تھیں۔

تیغے کی نوک میرے سینے سے آہستہ آہستہ پرے ہٹنے لگی۔ میں نے صرف ایک ہاتھ سے اس کی کلائی تھام رکھی تھی۔ دوسرا بازو مڑ کر میرے اپنے ہی جسم کے نیچے دبا ہوا تھا۔ رامو مجھے موت کے گھاٹ اتارنے کے لیے اپنی پوری طاقت استعمال کر رہا تھا لیکن اس سے (وقت) وہ بے بس ہو کر رہ گیا تھا۔ خنجر میرے سینے سے دور ہٹتا گیا۔ پھر میں نے اپنے جسم کو ذرا سی حرکت دے کر نیچے دبا ہوا اپنا دوسرا بازو سیدھا کیا۔ انگلیوں کو ایک دو مرتبہ حرکت دی اور پھر زوردار پنچ اس کے جبڑے پر رسید کر دیا۔ اس کے منہ سے ہلکی سی کراہ نکلی لیکن شاید اس پنچ کا اس نے زیادہ اثر نہیں لیا تھا لیکن دوسرے پنچ نے اسے چیخنے پر مجبور کر دیا۔

میں اب بھی اس کے نیچے دبا ہوا تھا۔ میں آہستہ آہستہ اپنی دونوں ٹانگیں سمیٹنے لگا۔ مجھے ناکامی نہیں ہوئی۔ میرے دونوں پیر اس کے پیٹ پر آ گئے اور میں اپنی پوری قوت کو ٹانگوں میں سمیٹ کر اسے آہستہ آہستہ اوپر اٹھانے لگا۔

رامو میرے پیروں پر میرے جسم سے تقریباً ایک فٹ اوپر اٹھ گیا۔ اس کی تیغے والی کلائی اب بھی میری گرفت میں تھی۔ اس نے دوسرے ہاتھ سے میرے سر پر گھونسے مارنے کی کوشش کی مگر میں نے دوسرے ہاتھ سے اس کا وہ ہاتھ بھی پکڑ لیا۔

اب رامو پوری طرح میرے قبضے میں تھا۔ میں نے اسے تقریباً ڈیڑھ فٹ اوپر اٹھا لیا تھا اور پھر پوری قوت سے اسے اچھال دیا۔

وہ "بھد" کی آواز سے کیاری میں گرا۔ اس کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی تھی۔ رامو سے نجات ملتے ہی میں اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ رامو نے بھی اٹھنے میں دیر نہیں لگائی تھی۔ وہ ایک بار پھر میرے سامنے کھڑا ہاتھ آگے کو نکالے تیغے کو مخصوص انداز میں حرکت دے رہا تھا۔ اس کے چہرے پر شدید الجھن کے تاثرات نمایاں تھے۔ وہ شاید اس بات پر حیران تھا کہ میں اس کے اس حملے سے بچ کیسے گیا تھا۔

اس کا یہ حملہ یقیناً بہت ہی خطرناک تھا اور اس وقت میں جس کیفیت سے دوچار تھا اس کے پیش نظر تو مجھے اس وقت خاک و خون میں لوٹتے ہوئے نظر آنا چاہیے تھا لیکن میں چٹان کی طرح اس کے سامنے کھڑا تھا اور یہ سب میرے اندر پراسرار چی کی قوت کا کمال تھا۔ چی۔۔۔ وہ پراسرار قوت جو میں نے بڑی تپسیا (ریاضت) کے بعد حاصل کی تھی اس سے بروقت میری مدد کو پہنچ گئی تھی۔

آگے کو بڑھے ہوئے ہاتھ کو آہستہ آہستہ حرکت دیتے ہوئے رامو نے اچانک ہی ہاتھ سر سے بلند کیا۔ تیغے کی چمک آسمانی بجلی کے کوندے کی طرح لہرائی۔ میرے ہاتھ اس سے بھی زیادہ تیزی سے حرکت میں آ گئے۔

میں نے اس حملے سے بچنے کے لیے نائف ہینڈ ڈیفنس کی ٹیکنیک استعمال کرنے کا فیصلہ کیا تھا اور یہ فیصلہ برقی رو سے بھی زیادہ تیزی سے ہوا تھا۔ مارشل آرٹس کی کڑی ریاضت جہاں بدن میں چوکسی پیدا کرتی ہے وہاں دماغی صلاحیتوں کو بھی صیقل کرتی ہے اور مارشل آرٹسٹ ذہنی طور پر بھی اس قدر چاق چوبند ہوتا ہے کہ اسے فوری طور پر کوئی درست فیصلہ کرنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آتی اور یہی صلاحیتیں حریف پر برتری حاصل کرنے میں اہم کردار ادا کرتی ہیں۔

میرے دونوں بازو ایک دوسرے کو کراس کرتے ہوئے سامنے آگئے۔ رامو کا وار میں نے اپنی کلائیوں کے بیچ میں روکا اور بڑی پھرتی سے دونوں ہاتھوں کی مٹھیاں بھینچ کر انہیں پشت کی طرف سے آپس میں ملالیا۔ رامو کی کلائی میری کلائیوں کے شکنجے میں پھنس گئی تھی۔

اپنا یہ وار بھی ناکام ہوتے دیکھ کر رامو کی آنکھوں میں ایک بار پھر شدید الجھن ابھر آئی۔ وہ اپنی کلائی چھڑانے کی کوشش کرنے لگا مگر یہ وہ شکنجہ تھا جس میں زیادہ زور آزمائی سے اس کی کلائی کی ہڈی ٹوٹ تو سکتی تھی مگر آزاد نہیں ہوسکتی تھی۔

میں زمین پر پیر جمائے اپنی جگہ پر اطمینان سے کھڑا رہا۔ اس وقت میری تمام تر قوت بانہوں میں سمٹ آئی تھی۔ میں نے کلائیوں کے شکنجے کو ذرا اور کس دیا۔

رامو کراہ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں اب وحشت سی بھر گئی تھی۔ وہ اپنی کلائی چھڑانے کے لیے پوری طاقت استعمال کررہا تھا۔ اس کا پورا جسم بھی متحرک تھا۔ وہ زاویے بدل بدل کر زور آزمائی کررہا تھا مگر اسے اپنے مقصد میں کامیابی نہیں ہوئی۔

میں نے اپنی کلائیوں کے شکنجے کو کچھ اور کس دیا۔ رامو کراہ اٹھا۔ اس کے چہرے پر کرب و اذیت کے تاثرات نمودار ہونے لگے اور پھر تیغے کے دستے پر اس کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔ انگلیاں کھلتی چلی گئیں اور تیغہ اس کے ہاتھ سے نکل کر میرے پیروں کے قریب کچی زمین میں گڑ گیا۔

میں نے اچانک ہی ایک جھٹکے سے اپنی کلائیوں کا شکنجہ کھول دیا۔ رامو لڑکھڑا کر دو قدم پیچھے ہٹا اور دہرا ہو کر دوسرے ہاتھ سے اپنی مضروب کلائی سہلانے لگا۔ اس کے چہرے پر اب بھی کرب کے تاثرات نمایاں تھے۔

اور پھر اچانک ہی وہ سیدھا ہو کر میری طرف لپکا۔ اس کا خیال تھا کہ میں غفلت میں مارا جاؤں گا لیکن میں نے بڑی پھرتی سے اچھل کر سائیڈ کک لگادی۔

ضرب اس کے پہلو پر لگی۔ وہ بلبلاتا ہوا گرا لیکن اس نے اٹھنے میں بھی حیرت انگیز پھرتی کا مظاہرہ کیا تھا۔ میں اسے سنبھلنے کا موقع دیے بغیر ایک بار پھر طاقت ور اسپرنگ کی طرح اپنی جگہ سے اچھلا۔ اس مرتبہ میں نے کک نہیں لگائی۔ میری دونوں ٹانگیں قینچی کی طرح اس کی گردن سے لپٹ گئیں۔ اس کے ساتھ ہی میں نے اپنے آپ کو دائیں طرف زوردار جھٹکا دیا۔

نیچے گرتے ہوئے میں نے تو دونوں ہاتھ زمین پر ٹکا دیے تھے لیکن رامو چیختا ہوا نیچے گرا۔ میں فوراً ہی اٹھ کر کھڑا ہوگیا اور اس مرتبہ میں نے اس پر ٹھوکروں کی بارش کردی۔

رامو گدھے کی طرح پٹتا رہا۔ میری ہر ٹھوکر پر وہ بلبلا اٹھتا۔ مجھے وہ آسان شکار سمجھا تھا مگر وہ خود عذاب میں پھنس گیا تھا اور میرا خیال تھا کہ اب وہ اپنی جان چھڑانے کی کوشش میں تھا۔

میں نے ایک اور ٹھوکر مارنا چاہی تو اس نے میرا پیر پکڑ کر زوردار جھٹکا دیا۔ میں ایک پیر پر ناچ کر رہ گیا اور لڑکھڑا کر پشت کے بل پودوں میں گرا۔

میرا خیال تھا کہ رامو اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مجھے دبوچنے کی کوشش کرے گا لیکن مجھے یہ دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی کہ اس نے اٹھ کر ایک طرف دوڑ لگادی تھی۔ میرے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آگئی۔ اس وقت میں جھاڑیوں میں چت پڑا تھا۔ میرے دونوں ہاتھ جھاڑیوں کی گنجان شاخوں میں الجھ گئے تھے۔ وہ اگر چاہتا تو اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مجھے گرفت میں لے کر بے بس کرسکتا تھا لیکن اس پر شاید میری دہشت طاری ہوگئی تھی اور اس نے مقابلے سے دستبرداری کا فیصلہ کرتے ہوئے راہ فرار اختیار کرنے ہی میں عافیت سمجھی تھی۔

میں نے اٹھ کر ادھر ادھر دیکھا۔ ٹھاکر بھانوت سنگھ رامو کے ایک گرگے سے نمٹ رہا تھا۔ ٹھاکر کی ٹانگ اگرچہ پہلے ہی زخمی تھی لیکن اس کے باوجود وہ رامو کے گرگے کی تکا ٹھاک مرمت کررہا تھا۔

دیوار کی دوسری طرف جیپ کے قریب ٹھاکر کا گن مین راج مل رامو کے دوسرے گرگے سے پٹ رہا تھا۔ وہ مالا تک بیٹا کتا آدمی تھا لیکن شروع ہی میں اس کے بازو میں گولی لگی تھی جس سے وہ کمزور پڑ رہا تھا۔ میں جلدی سے اس کی مدد کو پہنچ گیا۔

میں نے اس بدمعاش کو سر کے بالوں سے پکڑ کر راج مل

اوپر سے اٹھایا اور دوسرے ہاتھ سے اس کے جبڑے پر دار گھونسا جما دیا۔ وہ بلبلا اٹھا۔ میں نے دوسرا گھونسا رکرتے ہوئے اس کے بال چھوڑ دیے۔ وہ لڑکھڑاتا ہوا سے ٹکرا گیا۔

سنبھلنے کی کوشش کرتے ہوئے اس نے ایک لمحے میں رت حال کا اندازہ لگالیا تھا۔ رامو اس وقت سیکریٹریٹ سیع و عریض پارک میں دوڑتا ہوا بہت دور پہنچ چکا تھا۔ کا صرف ہیولا نظر آرہا تھا۔ یہ صورت حال دیکھ کر اس ماش کی آنکھوں میں وحشت سی ابھر آئی اور دوسرے ہی اس نے بھی سڑک پر دور کھڑی ہوئی اپنی جیپ کی طرف لگادی۔

میں نے اس کا پیچھا کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی۔ ا آدمی تو رامو تھا۔ وہی بھاگ گیا تھا تو اس کے گرگوں کو کیا کرنا تھا۔ میں دیوار پھاند کر دوسری طرف پہنچ گیا ٹھاکر رامو کے گرگے کو بالوں سے پکڑے گھسیٹتا ہوا لا رہا

دیوار کے قریب آکر ٹھاکر نے اسے دونوں ہاتھوں میں کر دوسری طرف پٹخ دیا۔ زمین پر گرتے ہی وہ چیخ اٹھا۔ نے بھی دیوار پر چڑھ کر اس طرف چھلانگ لگادی تھی۔ نے آتے ہی اس غنڈے کو دو چار ٹھوکریں رسید کردیں۔

"بھاگ جاؤ۔" وہ اسے آخری ٹھوکر مارتے ہوئے غرایا مارا دادا تو میدان چھوڑ کر بھاگ گیا لیکن ہم اسے نہیں ڑیں گے۔"

اس آدمی نے اٹھ کر جیپ کی طرف دوڑ لگادی۔ پہلا جیپ اسٹارٹ کرچکا تھا۔ دوسرا بھگوڑا ابھی دور ہی تھا جیپ حرکت میں آگئی۔ وہ دوڑتا ہوا جیپ کے پیچھے لٹک اور جیپ بندوق سے نکلی ہوئی گولی کی طرح بھاگ نکلی۔

میں لمحہ بہ لمحہ دور ہوتی ہوئی جیپ کی طرف دیکھ رہا تھا۔ لک میں ایک اور خیال سے اچھل پڑا۔ جب وہ جیپ تیز اری سے ہمارے قریب سے گزری تھی تو اس سے ہماری پ روکنے کے لیے ٹائر پر گولی چلائی گئی تھی اور جواب میں سے گن مین راج مل نے بھی ریوالور سے فائر کردیا تھا۔ جیپ کے پچھلے حصے میں بیٹھے ہوئے ایک شخص کو لگی ہو چیختا ہوا جیپ سے سڑک پر گر گیا تھا۔ میرا خیال تھا کہ لاش سڑک پر پڑی ہوگی لیکن دور دور تک ایسی کوئی چیز ں آرہی تھی۔

مجھے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ وہ صرف زخمی ہوا تھا اور لڑائی کے دوران میں وہ موقع پاکر فرار ہوگیا تھا۔

میں ٹھاکر اور راج مل کی طرف متوجہ ہوگیا۔ ٹھاکر راج مل کو سہارا دے کر زمین سے اٹھا رہا تھا۔ دوسرے بازو سے میں نے راج مل کو پکڑا تو وہ کراہ اٹھا۔ گولی اس کے بازو پر لگی تھی۔ اس کا بازو خون سے تر ہو رہا تھا۔ میرا ہاتھ بھی چپ چپا گیا۔

راج مل کو پچھلی سیٹ پر بٹھادیا گیا۔ ٹھاکر کی ٹانگ کے زخم میں بھی تکلیف ہو رہی تھی اسی لیے میں نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی اور ٹھاکر ساتھ والی سیٹ پر بیٹھ گیا۔

حیرت کی بات تھی کہ اس سڑک پر سے اب تک کوئی گاڑی وغیرہ نہیں گزری تھی اور پھر جلد ہی بات میری سمجھ میں آگئی۔ اس علاقے میں سیکریٹریٹ کی پچھلی طرف بھی بڑی بڑی کوٹھی نما عمارتوں میں سرکاری دفاتر تھے۔ دن کے وقت تو اس طرف اچھا خاصا ٹریفک رہتا ہوگا اور اب آدھی رات کے وقت اس طرف کون آسکتا تھا۔

ٹھاکر کی ہدایت کے مطابق میں نے اگلے چوراہے پر جیپ کو ہائی کورٹ کی بلڈنگ سے آگے نکال کر یوتھ ہوسٹل کی طرف موڑ دیا۔ وہاں سے ٹھاکر کی حویلی زیادہ دور نہیں تھی۔

ہارن بجانے کے ایک منٹ بعد حویلی کا پھاٹک کھل گیا اور میں جیپ کو اندر لیتا چلا گیا۔

جیپ سے اتر کر برآمدے والے دروازے سے اندر داخل ہوتے ہی سامنے صوفے پر نیم دراز لڑکی کو دیکھ کر میرے قدم رک گئے۔

اس لڑکی کی عمر بیس اکیس سے زیادہ نہیں تھی۔ اس نے راجستھانی لباس پہن رکھا تھا۔ مختصر سی چولی اور منی اسکرٹ کی طرح گھٹنوں سے اوپر تک گھاگھرا۔ چولی میں کپڑا صرف سامنے کی طرف تھا جس سے سینے کی ستر پوشی بھی بمشکل ہو رہی تھی۔ پشت پر کپڑا نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔ چند باریک ڈوریاں تھیں جنہوں نے چولی کو گرفت میں لے رکھا تھا۔ مرکری بلب کی روشنی میں اس کا بدن کندن کی طرح چمک رہا تھا۔

وہ صوفے پر نیم دراز ٹانگ پر ٹانگ رکھے ہندی زبان کے کسی فلمی رسالے کی ورق گردانی کررہی تھی۔ ٹھاکر بھانوت سنگھ کو دیکھ کر وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑی ہوگئی۔ اس نے رسالہ سامنے شیشے کی ٹاپ والی کافی ٹیبل پر پھینک دیا تھا۔

"کیا ہوا ٹھاکر۔ کیا پھر گولی لگی؟" وہ تیزی سے آگے بڑھ آئی اور ٹھاکر کی ٹانگ کو دیکھنے لگی۔ اس کی زخمی ٹانگ پر پتلون کا نچلا خون آلود ہو رہا تھا۔

"نہیں۔ میرا خیال ہے پرانا زخم کھل گیا ہے۔" ٹھاکر

نے جواب دیا۔ "تم فون کرکے ڈاکٹر شیام کو یہاں بلالو۔ راج مل بھی زخمی ہے۔ اس کے بازو میں گولی لگی ہے۔"

"پر ہتو یہ ہوا کیسے؟ کس سے جھگڑا ہوا تھا؟" لڑکی نے تشویش آمیز لہجے میں پوچھا۔

"رامو اور اس کے گُرگوں سے مڈھ بھیڑ ہوگئی تھی۔" ٹھاکر نے جواب دیا "تم پہلے ڈاکٹر شیام سندر کو فون کردو۔ باتیں بعد میں کرنا۔"

لڑکی میری طرف دیکھتی ہوئی وسیع ہال میں اس طرف چلی گئی جہاں ایک صوفے کے قریب سائیڈ ٹیبل پر ٹیلی فون رکھا ہوا تھا۔ وہ صوفے کے کنارے پر ٹک گئی اور فون کا ریسیور اٹھاکر نمبر ڈائل کرنے لگی۔

ٹھاکر بھی ایک صوفے پر بیٹھ گیا اور پتلون کا پائنچہ اٹھاکر پنڈلی پر بندھی ہوئی پٹی کھولنے لگا۔ پٹی بھی سرخ ہورہی تھی۔ اس نے ٹھیک ہی کہا تھا۔ اس کا زخم کھل گیا تھا۔ جس طرح مار دھاڑ اور اٹھا پٹخ ہوئی تھی اس کے بعد بھی یہ نہ ہوتا تو مجھے حیرت ہوتی۔

وہ لڑکی فون بند کرکے ہمارے قریب آگئی۔ اس نے ایک نظر ٹھاکر کی زخمی ٹانگ کی طرف دیکھا اور پھر میری طرف دیکھنے لگی۔ مجھے دیکھتے ہوئے اس کی آنکھوں کی چمک کچھ اور بڑھ گئی تھی۔

میں بھی گہری نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔ اس کی جوانی سمندر کی اٹھتی ہوئی موج تھی جو ساحل کی قید سے آزاد ہونے کے لیے مچل رہی تھی۔ اس کا حسن لاجواب تھا۔ اس کی آنکھوں میں ایسی مقناطیسی کشش تھی جو دوسروں کو اپنی طرف کھینچتی تھی۔ ہندوستان آنے کے بعد بھی میں نے بہت سی حسین عورتیں دیکھی تھیں مگر ایسی سُندر ناری (خوب صورت عورت) پہلی مرتبہ میری نظروں کے سامنے آئی تھی اور میں یہ اعتراف کرنے میں بھی باک نہیں سمجھتا کہ بھالا وہ پہلی لڑکی تھی جسے دیکھ کر میرے دل میں کچھ کچھ ہونے لگا تھا۔ میری نظریں اس کے حسین پیکر کا طواف کررہی تھیں۔ وہ بھی اس حقیقت سے بخوبی آگاہ تھی کہ میں اسے کن نظروں سے دیکھ رہا ہوں۔ اس کے ہونٹوں پر نہایت خفیف سی مسکراہٹ آگئی اور یہ مسکراہٹ بھی بڑے غضب کی تھی۔

ایک ملازم برآمدے والے دروازے سے اندر داخل ہوا تو بھالا نے اس کی طرف دیکھا اور پھر ٹھاکر کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

"راج مل کہاں ہے۔ تم نے کہا تھا اسے بھی گولی لگی ہے!"

"راج مل باہر بیٹھا ہے۔" ٹھاکر سے پہلے وہ ملازم پڑا جو ابھی ابھی اندر آیا تھا۔

"اسے کوارٹر میں لے جاؤ۔ ڈاکٹر شیام سندر آنے والا ہے۔" ٹھاکر نے کہا۔ ملازم فوراً ہی باہر نکل گیا۔

میں بھی ٹھاکر کے سامنے دوسرے صوفے پر بیٹھ گیا۔ میری نظریں اب بھی بار بار بھالا کی طرف اٹھ رہی تھیں۔

"ان مہاشے کا تعارف نہیں کرایا تم نے ٹھاکر۔" اس کے قریب صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

"ان مہاشے کا تعارف۔" ٹھاکر نے سر اٹھاکر اس طرف دیکھا "حیرت ہے۔ سارا شہر ان سے متعارف ہے اور تم انہیں میرے ساتھ دیکھ کر بھی نہیں سمجھ سکی کہ یہ کون ہوسکتا ہے۔"

"ہمت سنگھ۔" بھالا کے منہ سے بے اختیار نکلا اور اس کی نظریں میری طرف اٹھ گئیں۔ اس کی آنکھوں میں حیرت سے زیادہ چمک تھی۔

"ہاں یہ ہمت سنگھ ہے۔" ٹھاکر نے گہرا سانس لیتے ہوئے جواب دیا "سچائی اور بھگتی کے راستے کا وہ مسافر جو ہر بگ ہتیا چار (ظلم) کا سامنا ہے اور یہ کسی سہائتا (مدد) بغیر ان کا مقابلہ کررہا ہے۔ بھگوان نے اس کی بانہوں میں اتنی شکتی (قوت) دی ہے کہ اسے کسی اور کی سہائتا کی ضرورت بھی نہیں۔"

"یہ تمہاری دیا (مہربانی) ہے ٹھاکر کہ مجھے اس قابل سمجھتے ہو۔" میں نے کہا "مجھے تم جیسے مہان منشوں کی سہائتا نہ ملتی تو میں ہتیا چار کا مقابلہ نہ کرسکتا۔"

ٹھاکر کچھ کہنا چاہتا تھا کہ باہر سے کار کے ہارن کی آواز سنائی دی۔

"میرا خیال ہے ڈاکٹر شیام سندر آگیا ہے۔ اسے لے آؤ بھالا۔" ٹھاکر نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

اٹھ کر فوراً ہی باہر چلی گئی۔

میرے خیال میں ڈاکٹر شیام سندر کہیں قریب ہی رہتا جو اتنی جلدی پہنچ گیا تھا۔ حویلی کے ایک ملازم نے اس کا بیگ اٹھا رکھا تھا جو قریب آکر اس نے کافی ٹیبل پر رکھ دیا۔

"پھر کوئی گڑ بڑ۔" ڈاکٹر نے ٹھاکر کے سامنے قالین بیٹھتے ہوئے کہا "کیا آج پھر کسی پنڈت سے سامنا ہوگیا تھا؟"

"نہیں۔ آج کچھ دُشٹ (بدمعاش) ٹکرا گئے تھے۔" ٹھاکر نے مسکراتے ہوئے جواب دیا "ان کے بھاگ (نصیب) اچھے تھے جو بچ کر نکل گئے۔"

ڈاکٹر شیام سندر نے مزید کچھ کہنے کے بجائے ٹیبل پر رکھا ہوا بیگ اٹھا کر اپنے قریب قالین پر رکھ لیا اور اسپرٹ کی بوتل اور کاٹن نکال کر ٹھاکر کا زخم صاف کرنے لگا۔ ٹھاکر نے دانت بھینچ لیے۔ اسپرٹ تو اچھے اچھوں کو سسکاریاں بھرنے پر مجبور کردیتی ہے۔

زخم صاف کرکے ڈاکٹر نے دوا لگا کر ڈریسنگ کردی۔

"تین چار روز تک مکمل آرام کی ضرورت ہے۔" ڈاکٹر نے ٹھاکر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "اگر زخم بگڑ گیا تو کئی روز تک کھاٹ پر پڑے رہنا پڑے گا۔"

"اب ضرور احتیاط کروں گا۔" ٹھاکر نے مسکراتے ہوئے کہا "اب ذرا راج مل کو بھی دیکھ لو۔ اس کے بازو میں گولی لگی ہے۔"

"اوہ۔۔۔ کہاں ہے وہ؟" ڈاکٹر نے پوچھا۔

"اپنے کوارٹر میں ہے سرکار۔" ایک ملازم نے جلدی سے کہا۔

"چلو۔ اسے بھی دیکھ لیں۔" ڈاکٹر بولا۔

ملازم نے بیگ اٹھالیا اور میں بھی ان کے ساتھ چل پڑا۔ سرونٹ کوارٹرز حویلی کی پچھلی طرف تھے۔ ہم ایک کوارٹر میں داخل ہوگئے۔ راج مل چارپائی پر پیر لٹکائے بیٹھا تھا۔ اس نے دوسرے ہاتھ سے زخمی بازو کو پکڑ رکھا تھا۔ خون زیادہ بہہ جانے کی وجہ سے اس کا چہرہ پیلا پڑ گیا تھا۔ ڈاکٹر نے اسے چارپائی پر لٹا دیا اور اس کے بازو کو زخم کے آس پاس ٹٹول کر دیکھنے لگا اور پھر میری طرف دیکھ کر تشویش آمیز لہجے میں بولا۔

"گولی اندر رہ گئی ہے۔ آپریشن کرنا پڑے گا۔"

"اسپتال۔۔۔"

"نہیں۔" ڈاکٹر نے میری بات کاٹ دی "اگر اسے اسپتال لے گئے تو ہم پولیس کی مداخلت کو نہیں روک سکیں گے۔ جو کچھ بھی کرنا ہے یہیں پر کرنا ہے۔ میں دیکھتا ہوں کہ میرے پاس کیا کچھ ہے۔"

وہ اپنا بیگ کھول کر اس میں رکھی ہوئی چیزوں کو دیکھنے لگا۔ اس نے سالخوردہ سی میز پر ایک صاف کپڑا بچھا دیا اور بیگ میں سے چیزیں نکال کر اس پر رکھنے لگا۔ تیز دھار والا نشتر، نوک والی قینچی اور ایسی ہی کچھ چیزیں۔ آخر میں اس نے شیشے کی ایک بوتل نکالی جس کا پیندا اینچ تک گول تھا اور منہ پر پرفیوم اسپرے کی بوتل کی طرح نوزل لگی ہوئی تھی۔ اس بوتل میں بے رنگ سا محلول بھرا ہوا تھا۔ یہ لوکل انستھیسیا تھا۔

"راج مل۔" ڈاکٹر ایک بار پھر اس کا بازو ٹٹولتے ہوئے بولا "ڈرو نہیں۔ یہ اسپرے کرنے سے تمہارا بازو سُن ہوجائے گا اور تمہیں کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔"

راج مل کا چہرہ سفید پڑ گیا تھا۔ گولی لگنے سے شاید اسے اتنی تکلیف نہیں ہوئی ہوگی جتنا خوف زدہ وہ اب ہورہا تھا۔

ڈاکٹر شیام سندر نے اس کے زخم کے آس پاس اسپرے کردیا اور چند سیکنڈ انتظار کرنے کے بعد وہ نشتر سے اس کا زخم کریدنے لگا۔ راج مل نے منہ دوسری طرف کرلیا۔ میں نے آگے جھک کر اس کا بازو پکڑ لیا تھا۔

کسی کے زخم کو اس طرح نشتر سے کریدتے ہوئے دیکھنا بھی عام آدمی کے لیے بڑے دل گُردے کا کام تھا لیکن میرا شمار عام آدمیوں میں نہیں ہوتا تھا۔ میری تو اپنی زندگی ایک مسلسل عذاب بنی رہی تھی۔ میں نے اتنے دکھ، اتنے کشٹ اٹھائے ہیں کہ کوئی عام آدمی اس کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔

میرے جسم پر بھی بڑے بڑے گھاؤ لگے ہیں۔ مجھے وہ وقت بھی یاد ہے جب بنکاک میں میری ٹانگ میں گولی لگی تھی اور کئی گھنٹوں بعد میرے دوست گانگ نے خنجر کی نوک سے میرے زخم سے وہ گولی نکالی تھی۔ نہ مجھے بے ہوش کیا گیا تھا نہ میری ٹانگ کو کسی اسپرے سے سُن کیا گیا تھا۔ میں نے پورے ہوش و حواس میں رہ کر اپنے زخم کو خنجر کی نوک سے چرتے ہوئے دیکھا تھا۔ میں نے وہ اذیت کس طرح برداشت کی تھی؟ وہ میں ہی جانتا تھا۔ راج مل تو خوش قسمت تھا۔ اس کے آپریشن کا سارا سامان موجود تھا اور اس کا آپریشن کرنے والا گانگ کی طرح رکشا ڈرائیور نہیں، ایک ماہر اور تجربہ کار ڈاکٹر تھا۔

ڈاکٹر شیام سندر نشتر اور چمٹی کی مدد سے زخم کو کھولتا رہا اور بالآخر گوشت میں دھنسی ہوئی گولی کو چمٹی سے پکڑ کر نکال دیا۔

اس آپریشن میں صرف بیس منٹ لگے تھے۔ مزید دس پندرہ منٹ ڈریسنگ میں لگ گئے۔

"بس اتنی سی بات تھی۔" وہ راج مل کی طرف دیکھتے ہوئے بولا "چند روز تک اس بازو کو زیادہ حرکت مت دینا۔ میں کچھ گولیاں دے جاؤں گا۔ پیڑ (درد) ہونے لگے تو ایک گولی کھالینا۔"

راج مل نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ ہم سرونٹ کوارٹر سے نکل کر حویلی کے ہال میں آگئے۔ ٹھاکر بھانوت سنگھ صوفے پر نیم دراز تھا۔ ہمیں دیکھ کر وہ اٹھ گیا۔ بھالا اس کے سامنے والے صوفے پر بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ اٹھ کر کچن کی

طرف چلی گئی اور تھوڑی ہی دیر بعد چائے بنا کر لے آئی۔ اس وقت رات کے دو بج رہے تھے۔

ڈاکٹر شیام سندر چائے پی کر رخصت ہو گیا۔

"شیام سندر کون ہے؟" میں نے ٹھاکر کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا "لگتا ہے تمہارا کوئی راز اس سے چھپا ہوا نہیں ہے۔"

"ہاں۔ تم ٹھیک کہتے ہو۔" ٹھاکر نے گہرا سانس لیتے ہوئے جواب دیا "شیام سندر میرا ایسا ہی گہرا اور بھروسے کا دوست ہے جس سے میں نے کبھی کوئی بات نہیں چھپائی۔"

"میرا خیال ہے تم دونوں کا بچپن بھی ایک ساتھ ہی گزرا ہے!" میں نے کہا۔

"کسی حد تک۔" ٹھاکر نے کہا "شیام سندر دراصل ہمارے مالی کا بیٹا ہے۔ یہ چھ سال کا تھا جب اس کے پتا جی (باپ) کا دیہانت (انتقال) ہو گیا تھا۔ مجھ سے چار پانچ سال چھوٹا ہے۔ یہ اس وقت پہلی جماعت میں تھا۔ پڑھنے کا شوق تھا۔ سبق فوراً ہی یاد کر لیتا تھا۔ اس کی ماں اسے اسکول سے اٹھا لینا چاہتی تھی لیکن اس کا شوق دیکھ کر میری ماتا جی (ماں) نے اسے اپنی سرپرستی میں لے لیا اور اس کی تعلیم جاری رکھی۔

"اس نے آٹھویں جماعت پاس کی تو شیام سندر کی ماتا جی بھی گزر گئیں۔ شیام سندر آگرہ میں اپنے کسی چاچا کے پاس جانا چاہتا تھا مگر ماتا جی نے اسے منع کر دیا۔

"شیام سندر ذہین لڑکا تھا۔ پڑھنے لکھنے کا بے حد شوقین۔ ماتا جی نے اس کی تعلیم جاری رکھی۔

"شیام سندر کو ڈاکٹر بننے کا شوق تھا۔ ماتا جی نے اس کی حوصلہ افزائی جاری رکھی۔ اس نے بہت اچھی پوزیشن میں ایم بی بی ایس پاس کر لیا تو اس کی خواہش پر ماتا جی نے اسے میڈیکل کی اعلیٰ تعلیم کے لیے انگلینڈ بھیج دیا۔

"شیام سندر چھ سال انگلینڈ میں رہا۔ وہ اس کی تعلیم کا آخری سال تھا کہ ماتا جی شدید بیمار ہو گئیں۔ شیام سندر کو پتا چل گیا۔ وہ واپس آنا چاہتا تھا تاکہ اس دیوی کی سیوا (خدمت) کر سکے جس نے اسے فرش سے اٹھا کر عرش پر پہنچایا تھا مگر میں نے اسے سختی سے منع کر دیا اور ہدایت کی کہ وہ اپنی تعلیم پر توجہ مرکوز رکھے۔ مجھے اندیشہ تھا کہ اگر وہ واپس آ گیا تو اس کی تعلیم کا حرج ہو گا اور ماتا جی کی حالت دیکھ کر وہ واپس جانے سے بھی انکار کر دے گا۔ میں خطوط اور ٹیلی فون کے ذریعے اسے ماتا جی کے بارے میں تسلیاں دیتا رہا۔

"ماتا جی کا دیہانت ہو گیا۔ میں نے یہ خبر بھی شیام سندر سے چھپائی اور چند ماہ بعد جب وہ اپنی تعلیم مکمل کر کے واپس آیا تو ماتا جی کو نہ پا کر وہ اس طرح پھوٹ پھوٹ کر رویا کہ میرا کلیجا بھی پھٹ گیا۔

"میں بڑی مشکل سے شیام سندر کو سنبھال سکا تھا۔ اس صدمے نے کئی روز تک اسے نڈھال رکھا لیکن وقت ایک ایسا مرہم ہے جو بڑے بڑے زخم مندمل کر دیتا ہے۔ شیام سندر کے دل پر ماتا جی کی موت سے جو زخم لگا تھا وہ بھی وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مندمل ہوتا گیا۔

"شیام سندر نے کچھ عرصے تک سرکاری اسپتال میں ملازمت کی پھر میں نے اسے رام باغ میں کلینک کھول دیا۔ رام باغ پیلس ہوٹل کے قریب ہی ہماری ایک کوٹھی ہے جو کرائے پر چڑھی ہوئی تھی۔ میں نے وہ کوٹھی خالی کروا کر شیام سندر کے حوالے کر دی جہاں کلینک کھولا گیا۔

"ابھی پچھلے سال ہی میں نے اس کی شادی کرائی ہے۔ اس نے کلینک کے قریب ہی رہائش کے لیے بھی ایک کوٹھی خرید لی اور میری آشیرباد سے وہ اس کوٹھی میں منتقل ہو گئے۔

"یہ ہے شیام سندر کی کہانی۔" ٹھاکر نے گہرا سانس لیا "اسے تم میرا دوست کہہ لو یا بھائی۔ یہ مجھے جان سے بھی زیادہ عزیز ہے اور وہ بھی مجھے اتنا ہی چاہتا ہے۔"

"اور یہ۔۔۔؟" میں نے آنکھ سے بلا کی طرف اشارہ کیا۔

"میری دوست ہے مگر غلط مت سمجھنا۔" ٹھاکر نے مسکراتے ہوئے جواب دیا "اور تمہیں یہ جان کر حیرت ہو گی کہ بلا پنڈت رام سروپ برہمن کی بیٹی ہے۔"

"اور یہ پنڈت رام سروپ برہمن کون ہے؟" میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"پنڈت رام سروپ برہمن وہ شخص ہے جس سے بلونت سنگھ نے سب سے پہلے رابطہ کیا تھا اور اسے تمہارے اور روپ متی کے تعلقات کے بارے میں بھڑکایا تھا۔ پنڈت رام سروپ برہمن ہی نے بعض دوسرے پنڈتوں اور پجاریوں کو اکسایا۔ جب تم دونوں کے حوالے سے پہلی مرتبہ شہر میں ہنگامے ہوئے تھے تو پنڈتوں کے ٹولے کا سرغنہ پنڈت رام سروپ ہی تھا لیکن اس ہنگامے کے اختتام (انجام) میں وہ منظر سے غائب ہو گیا۔ اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ اسے اب ہنگاموں سے کوئی دلچسپی نہیں رہی تھی یا وہ پولیس کی پکڑ دھکڑ سے خائف ہو گیا تھا۔"

"تو پھر اور کیا وجہ ہو سکتی ہے؟" میں نے پوچھا "یہ پنڈت اور پجاری آسانی سے کوئی بات ماننے والے تو نہیں ہوتے۔"

"لیکن پنڈت رام سروپ نے بلا چون وچرا ایک مسلمان کی بات مان لی تھی۔" ٹھاکر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"مجھے مزید حیرت ہو رہی ہے۔" میں نے کہا۔

"بلا پنڈت رام سروپ کی دوسری بیٹی ہے۔" ٹھاکر نے اس کی طرف اشارہ کیا "مقامی یونیورسٹی میں فائن آرٹس کی اسٹوڈنٹ اور بہترین رقاصہ ہے۔ ہمارے دھرم میں رقص کو برا نہیں سمجھا جاتا بلکہ ایک طرح سے یہ ہمارے دھرم کا حصہ ہی ہے۔ اس کے رقاصہ ہونے پر بھی کسی کو کوئی اعتراض نہیں ہے لیکن ایک دھرماتما (مذہبی پیشوا) کے گھر کی ناریوں (عورتوں) کے بارے میں یہ سمجھا جاتا ہے کہ وہ دوسری فیشن ایبل ناریوں کی طرح اپنے شریر کی نمائش نہیں کرتی پھریں گی لیکن بلا کو تم دیکھ رہے ہو۔ یہ نہ صرف آزاد منش ہے بلکہ باس بھی ایسا پسند ہے کہ دوسروں کی نظریں خوامخواہ اس کی طرف اٹھ جاتی ہیں۔

"لوگ اس بات کو بھی نظر انداز کرنے کو تیار ہیں لیکن بلا کی بڑی بہن پوجا بمبئی میں ہے۔ بہت کم لوگ جانتے ہیں کہ پوجا کو فلموں میں کام کرنے کا شوق تھا۔ وہ ہیروئن بننا چاہتی تھی۔ وہ بمبئی چلی گئی۔ ہیروئن تو نہ بن سکی، انڈسٹری سے تعلق رکھنے والے عیاش طبع مردوں کا کھلونا بن گئی۔ بمبئی کے لوگوں کو پتا نہیں کہ پوجا ایک پنڈت کی بیٹی ہے۔ پوجا نے یہ قتل منڈی ضرور کی کہ وہاں اپنے باپ کا نام نہیں چھالا۔ وہ آج کل باندرہ میں ایک مسلمان کیمرا مین کے ساتھ اس کے فلیٹ میں رہ رہی ہے۔ سلیم نامی اس کیمرا مین نے اسے یہ وشواس (یقین) دلا رکھا ہے کہ وہ ایک نہ ایک دن اسے ہیروئن ضرور بنائے گا۔ ہیروئن تو بہت پرے کی بات ہے وہ تو اسے کسی فلم میں ایکسٹرا کا رول بھی نہیں دلا سکا۔ وہ نہ صرف خود اس کے ساتھ عیش کر رہا ہے بلکہ اس کے دوست بھی اس بستی گنگا میں ہاتھ دھو رہے ہیں۔ پوجا اس لیے اپنے آپ کو لٹا رہی ہے کہ شاید انہی میں سے کوئی اسے سکرین تک پہنچا دے۔

"بمبئی میں کیمرا مین سلیم اور پوجا کا پڑوسی جے پور کا رہنے والا ہے۔ وہ کئی سال پہلے کاروباری سلسلے میں بمبئی منتقل ہو گیا تھا۔ جب وہ یہاں تھا تو اسی علاقے میں رہتا تھا جہاں پنڈت رام سروپ کی حویلی ہے۔ فیروز شاہ نامی وہ شخص بھی کبھار اپنے عزیزوں سے ملنے کے لیے یہاں آتا رہتا ہے۔

"جن دنوں ہندو ناری اور مسلمان مرد کے تعلقات کو بنیاد بنا کر یہاں ہنگامے شروع کیے گئے تھے، ہندوؤں اور مسلمانوں کو آپس میں لڑانے کی کوشش کی گئی تھی، فیروز شاہ ان دنوں یہاں آیا ہوا تھا۔ اسے پتا چل گیا کہ پنڈت رام سروپ پجاریوں اور پنڈتوں کے اس ٹولے کا سرغنہ ہے جو جگہ جگہ زہر میں بجھے ہوئے بھاشن (خطبے) دے کر لوگوں کے مذہبی جذبات بھڑکا رہے ہیں تو فیروز شاہ پہلے روز کے ہنگاموں کے دوران میں ہی پنڈت رام سروپ کو پکڑ کر ایک طرف لے گیا۔

"فیروز شاہ کے پاس پوجا اور سلیم کی ایک تصویر بھی تھی جس میں نیم عریاں لباس میں ملبوس پوجا سلیم سے ہم آغوش تھی۔ یہ تصویر فیروز شاہ نے کیسے کھینچی تھی یا کہاں سے حاصل کی تھی؟ اس کا مجھے کوئی علم نہیں ہے لیکن یہ تصویر ایک زبردست ہتھیار ثابت ہوئی۔

"فیروز شاہ نے وہ تصویر پنڈت رام سروپ کو دکھا کر دھمکی دی تھی کہ وہ اس معاملے سے الگ ہٹ جائے اور اپنی زبان بند رکھے اور دوسرے پنڈتوں کو بھی بے گناہ مسلمانوں کے خلاف زہر اگلنے سے روکے۔ بصورت دیگر وہ یہ تصویر اخبارات میں شائع کروا دے گا اور شہر کے پنڈت، پجاری اور کٹر ہندو اس کی بوٹیاں نوچ ڈالیں گی۔ اس کی حویلی کو جلا کر بھسم کر دیں گے اور اس کے گھر کے کسی فرد کو زندہ نہیں چھوڑیں گے۔

"یہ دھمکی کام کر گئی۔ پنڈت رام سروپ اس ٹولے سے ایسا غائب ہوا کہ آج تک کسی کو نظر نہیں آیا۔"

"کیا وہ شہر چھوڑ کر بھاگ گیا؟" میں نے اس کے خاموش ہونے پر پوچھا۔

"نہیں۔ وہ اپنی حویلی میں ہے۔" ٹھاکر نے جواب دیا "اس نے گھر سے نکلنا ہی چھوڑ دیا ہے۔ پنڈت اور پجاری اس سے ملنے کے لیے جاتے مگر انہیں دروازے سے ہی لوٹا دیا جاتا۔ کم از کم دو مرتبہ بلونت سنگھ نے بھی اس سے ملنے کی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہو سکا۔

"ادھر ہنگاموں کا زور ٹوٹ رہا تھا۔ پنڈت رام سروپ سے مایوس ہو کر بلونت سنگھ نے دوسرے پنڈتوں کی طرف رخ کیا اور رام اوتار جیسے پنڈت اس کے ہتھے چڑھ گئے۔ اس معاملے میں پنڈت رام اوتار ہی زیادہ متاثر ہو رہا تھا اس لیے وہ بڑی آسانی سے بلونت سنگھ کے جال میں پھنس گیا۔"

"لیکن تمہیں ان ساری باتوں کا پتا کیسے چلا؟" میں نے پوچھا اور اس کے ساتھ ہی میری نظریں غیر ارادی طور پر بلا

کی طرف اٹھ گئیں۔

"بملا سے۔" ٹھاکر نے جواب دیا "بات دراصل یہ ہے میرے متر (دوست)!" اس نے نظریں میرے چہرے پر جما دیں "گھر کا ماحول بچوں کی تربیت گاہ ہوتا ہے۔ گھر میں سکھ نہ ہو' انتشار ہو' ماحول مکدر ہو تو یہ توقع نہیں رکھنی چاہئے کہ بچے دیوی دیوتاؤں کی طرح معصوم ہوں گے۔ یہ کسی بات کا اثر بہت جلد قبول کر لیتے ہیں۔

"ان کے گھر کا ماحول بھی کچھ ایسا ہی رہا ہے۔ ضرورت سے زیادہ پابندیوں نے بھی انہیں باغی بنا دیا۔ سے تین سال چھوٹا بھائی پنڈت جی کی مار کھا کر اس طرح سے بھاگا کہ آج تک اس کا پتا نہیں چلا۔ لڑکیوں نے بھی کے ماحول کا کوئی اچھا اثر قبول نہیں کیا۔ یہ مادر یدر آز ہو گئیں۔ ایک فلمی ہیروئن بننے کے لیے بمبئی چلی گئی ا دوسری یہ۔۔۔" اس نے بملا کی طرف اشارہ کیا "اس میری ملاقات چند مہینے پہلے ہوئی تھی۔ میں اس وقت ا ریسٹورنٹ میں تھا۔ یہ دو لڑکوں کے ساتھ وہاں آئی تھی۔ نے انہیں دیکھتے ہی اندازہ لگا لیا کہ دال میں کچھ کالا ہے۔ یہ اس وقت دارو (شراب) پئے ہوئے تھی اور پوری طرح اپنے حواس میں نہیں تھی۔

"آدھے گھنٹے بعد ایک اور آدمی وہاں آیا اور ان تینوں کو ساتھ لے گیا۔ وہ آدمی میرے ہی ہوٹل کی چوتھی منزل کے ایک کمرے میں ٹھہرا ہوا تھا۔ میں اسے دیکھ کر چونک سا گیا۔

"میں نے ایک ویٹر کو اشارہ کیا۔ وہ بھی ان کے پیچھے ہی ریسٹورنٹ سے نکل گیا۔ چند منٹ بعد واپس آ کر اس نے بتایا کہ وہ تینوں اس لڑکی کو چوتھی منزل والے کمرے میں لے گئے ہیں۔

"اس میں شبہ نہیں کہ بیشتر رہائشی ہوٹل عیاشی کے اڈے بنے ہوئے ہیں۔ کئی ہوٹل تو ایسے ہیں جن کے منتظمین اور مالک خود ہوٹل میں ٹھہرنے والے مہمانوں کو لڑکیاں سپلائی کرتے ہیں۔ بعض ہوٹلوں میں ٹھہرے ہوئے مہمان باہر سے لڑکیوں کو لے کر آتے ہیں اور ویٹروں وغیرہ کو چند روپے رشوت دے کر انہیں زبان بند کرنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔

"میں کوشش کرتا ہوں کہ میرے ہوٹل یا ریسٹورنٹ میں ایسی کوئی بات نہ ہو لیکن بعض اوقات ایسی کوئی "واردات" ہو ہی جاتی ہے۔

"اس رات لڑکی نشے میں تھی۔ اسے دو اوباش قسم کے لڑکے لے کر میرے ریسٹورنٹ میں آئے تھے اور پھر انہیں

ایک ایسا آدمی اپنے ساتھ لے گیا تھا جو میرے ہی ہوٹل میں ٹھہرا ہوا تھا۔ میں تو پہلی ہی نظر میں ایسے لوگوں کو تاڑ لیتا ہوں اور یہ تو ایک کھلا ہوا کیس تھا۔

اس دلچسپ ترین داستان کے بقیہ واقعات پانچویں حصے میں ملاحظہ فرمائیں جو کہ 15 مئی 2003ء کو شائع ہوگا۔